اباضیت اور دیگر مذاہب اسلامیہ

(متقدمین ومتاخرین مقالہ نگاروں کی نظر میں)

مؤلف: حضرت علامہ شیخ علی یحییٰ معمر

مترجم: امیر حمزہ

اباضیہ اور دیگر مذاہب اسلامیہ

(متقدمین ومتاخرین مقالہ نگاروں کی نظر میں)

مصنف:

حضرت علامہ شیخ علی یحیی معمر

مترجم:

امیر حمزہ

جمیع الحقوق محفوظة بحق الناشر

اسم الکتاب: الاباضية بين الفرق الاسلامية

تالیف: العلامة الشیخ علی یحیی معمرؒ

ترجمہ: امیر حمزہ

مراجعہ: میاں ابوبکر حمزہ

الطبعہ: الاولی

المطبعہ: منزل پرنٹنگ پریس، اسلام آباد ناشر

اهتمام: مجلس التضامن الاسلامی العالمی ۲۰۱۹

عنوان: ص۔ب ۳۰۸۸ جی بی او اسلام آباد پاکستان

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اے میرے دینی بھائی!

میں تم سے درخواست کرتا ہوں کہ اس کتاب میں پیش کردہ فصلوں کا احتسابانہ نظر سے مطالعہ کرو جو بھی تمہیں حق لگے اسے لے لو اور باطل کو پھینک دو اور ہر ایک چیز کو نہایت ہی محتاط ہو کر انصاف کے ترازو میں تولو جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے:

﴿يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوٓاْ أَطِيعُواْ ٱللَّهَ وَأَطِيعُواْ ٱلرَّسُولَ وَأُوْلِي ٱلْأَمْرِ مِنكُمْۖ فَإِن تَنَٰزَعْتُمْ فِي شَيْءٖ فَرُدُّوهُ إِلَى ٱللَّهِ وَٱلرَّسُولِ إِن كُنتُمْ تُؤْمِنُونَ بِٱللَّهِ وَٱلْيَوْمِ ٱلْأٓخِرِۚ ذَٰلِكَ خَيْرٞ وَأَحْسَنُ تَأْوِيلًا﴾

"اے ایمان والو! اللہ کی اطاعت کرو اور رسول (ﷺ) کی اطاعت کرو اور اپنے میں سے (اہلِ حق) صاحبانِ اَمر کی، پھر اگر کسی مسئلہ میں تم باہم اختلاف کرو تو اسے (حتمی فیصلہ کے لیے) اللہ اور رسول (ﷺ) کی طرف لوٹا دو اگر تم اللہ پر اور یوم آخرت پر ایمان رکھتے ہو، (تو) یہی (تمہارے حق میں) بہتر اور انجام کے لحاظ سے بہت اچھا ہے"(۱)

اور میں تجھے یہ بتانا چاہتا ہوں تمام اسلامی مذاہب اور مسالک عمومی صفات کے اعتبار سے ایک ہی کالم میں مساوی نظر آتے ہیں ان میں سے کوئی ایک فرقہ بھی دوسرے فرقے سے عمومی طور پر نہ تو افضل ہے اور نہ ہی بہتر تمام افراد جس بھی فرقے اورمذہب سے منسوب کیے جاتے ہیں ان سب میں متقی اور پرہیزگار بھی ہیں فاسق ، فاجر بھی مگر امت اسلامیہ کی اکثریت اعتدال اور میانہ روی پر قائم ہے۔

میرے محترم بھائی ! یہ بھی جان لو کہ جتنے بھی نقش میری قلم سے جاری ہوئے ہیں ان میں شدت بھی ہے نرمی بھی، سختی بھی ہے اور پیار بھی میں اپنی اس تحریر سے کسی مذہبی فرقے کی طرف دعوت دینے کا ارادہ نہیں رکھتا اور نہ ہی کسی فرقے کا دفاع کرنا چاہتا ہوں بلکہ میں تو اس مذہبی تعصب کو ختم کرنا چاہتا ہوں بلا شک ! ان وسائل کو اپنانے سے مزید تعصب اور رد عمل میں شدت ہی پیدا ہوگی مذہبی تعصب صرف اور صرف **معرفت** ،**تعارف** اور **اعتراف** کے ذریعے ختم ہوسکتا ہے معرفت کے ذریعے ہر کوئی ایک دوسرے کے مسالک کے بارے میں جان سکتا ہے اور وہ اسباب پہچان سکتا ہے جن کی بناء پر لوگ اپنے اپنے مسالک سے وابستہ ہیں تعارف کے ذریعے سب لوگ اپنے اپنے مناہج، اسلوب کے ساتھ اجتماعی عبادات میں شریک ہو سکتے

(۱) النساء،۴/۵۹۔

ہیں اعتراف کے ذریعے ہر شخص دوسرے مسالک کو رضا مندی سے قبول کر سکتا ہے اور اسے بھی وہی حق دے سکتا ہے جو اپنے مسلک کو دیتا ہے۔

"کوئی بھی شخص جب (اجتہاد کرتا ہے تو اس کا اجتہاد درست بھی ہو سکتا ہے اور خطا پر مبنی بھی ہو سکتا ہے۔اخوت اور برداشت کے ماحول میں تمام تر درپیش چیلنجیز ختم ہوسکتے ہیں۔ تمام قلوب اپنے تئیں یہ کوشش کریں کہ وہ اپنے عقیدے اور عمل کو کتاب و سنت کے مطابق ٹھیک کریں بجائے وہ اس بات کا خوف کھائیں کہ مجھے لوگ طعنہ دیں گے کہ میں نے مذہب چھوڑ دیا یا مذہب قبول کر لیا اس رتبے تک اس وقت تک نہیں پہنچ سکتے جب تک جابر، ابو حنیفہ، مالک، شافعی، زید، جعفر اور امام احمد بن حنبل کے پیروکار اعتراف نہ کر لیں کہ وہ لوگوں میں سے کس کی پیروی کر رہے ہیں کیونکہ ان کے تمام آئمہ اپنے اپنے اختلافات کے باوجود ایک ہی کالم میں کھڑے دکھائی دیتے ہیں کوئی ایک بھی دوسرے پر فضیلت میں بڑا نہیں نظر آتا کیوں کہ فضیلت کا دارومدار تقوی پر ہے جو جتنا زیادہ متقی ہو گا وہ اتنا ہی عظیم اور صاحبِ فضیلت ہو گا۔

اباضیوں کی فضیلت میں کہے گئے اقوال

"ا۔ جس نے بھی اباضیوں پر گمراہی کی تہمت لگائی ہے وہ ان لوگوں میں سے ہے جنہوں نے اپنے دین کو فرقوں میں بانٹ دیا ہے اور وہ ظالم جاہل ہیں اللہ تعالیٰ نے اس کو مجتمع کر دیا جسے انہوں نے متفرق کیا تھا اُسے جوڑ دیا جسے انہوں نے توڑا تھا اور سامراج کی اجتماعیت کے شیرازے کو نیست و نابود کر دیا بلا شک وہ کافروں کا احاطہ کیے ہوئے ہے۔"

(خلاصۃ الوسائل فی ترتیب المسائل) اشاعت ۱۳۵۶ھ سائنسی ریسرچ کونسل کے رکن عزالدین التنوخی)

"اگر ماضی میں اباضی اصحاب فضیلت تھے تو ایسے ہی ہمارے اس دور حاضر میں بھی صاحب عزت و فضیلت اور عظمت ہیں"

(الاسلام بلا مذاهب مصطفیٰ شکعہ)

"اس ساری تحقیق سے اباضیوں کا اپنے مخالفین کے لیے بھی اعتدال،انصاف واضح ہوتا ہے"

(کتاب المذاهب الاسلامیۃ محمد ابوزہرۃ)

"عبداللہ بن اباض کا قول سنت نبوی ﷺ سے سب سے زیادہ مطابقت رکھنے والا ہے"

(الکامل المبرد)

اباضی علماء تقویٰ، اصلاحِ احوال اور زہد میں ضرب المثل سمجھے جاتے ہیں

(تاریخ فلسفة الاسلام فی القارة الافریقیة یحییٰ ہویدی)

"اہل استقامت اباضیوں پر خوارج کا لفظ ان جھوٹے دعووں میں سے ہے جس نے سیاسی تعصب ، مذہبی تعصب سے جنم لیا"

(ابو اسحاق اطفیش)

عقیدے کی اصل کے اعتبار سے اباضی مذہب مذاہبِ اسلامیہ کا استاد مانا جاتا ہے

(فتاویٰ شیخ بیوض)

مقدمہ

بعض قدیم مقالہ نگار جنہوں نے اسلامی فقی مذاہب اور عقائد اور ان کی آراء سے متعلق کتابیں لکھیں انہوں نے ان کو مقالات کا نام دیا اسی لفظ کے اطلاق کی طرف اسلامی فقہی مذاہب گئے میرے گمان کے مطابق ان مقالہ نگاروں نے اس میدان میں جس کلمے کا استعمال کیا ہے وہ بالکل ان مقالہ جات کے مطابق ہے اس سے بڑھ کر اور کچھ نہیں۔اگر آج دور حاضر میں کوئی محقق ان مقالہ جات میں سے بعض کی طرف رجوع کرے جو اس وقت مسلمانوں میں پھیل چکے ہیں اور ان سے بے شمار فرقے بن چکے ہیں جن کا شمار کرنا ممکن نہیں تو بعض بعضوں پر کیچڑ اچھالتے ہیں ہر زمانے میں ایک دوسرے پر وقتی تقاضے کے مطابق طنز و تشنیع کرتے ہیں تو وہ محقق ان مقالہ جات کا بہت سا حصہ خاص سیاسی مقاصد کے تحت ترتیب دیا جانا یا مخالفین کے درمیان تعصب کی بنیاد پر لکھا جانا پاتا ہے جن میں کسی فرقے یا کوئی خاص نقطۂ نظر پیش کیا گیا ہے حقیقت یہ ہے کہ بہت سے قلم بڑے پر جوش دکھائی دیتے ہیں جنہوں نے اس طرح کے مقالہ جات کو کثرت سے لکھا اور اس بحث کو پس پشت ڈال دیا جو دو افراد کے درمیان واقع ہوئی تھی یہ قلم دونوں افراد میں سے ہر ایک کو ایک مستقل فرقہ بناتے ہیں یا ہر فرقے کا امام اور سربراہ بنا دیتے ہیں اس حقیقت کے اثبات میں بہت سے مقالہ جات پر مشتمل لکھی جانے والی کتابیں ہیں اس کتاب میں قاری ان مقالہ جات کے کچھ نمونے پائے گا۔اس میں کوئی شک نہیں ان سب مقالہ جات کے پیچھے سیاسی انگلیوں کے اشارے موجود تھے چاہے وہ حکومتی یا ان کی مخالفت پر مبنی سیاست تھی اسی طرح اس بات میں بھی کوئی شک ہیں کہ ان قلموں نے جو کچھ لکھا وہ سب اکثر اوقات بغیر غور فکر اور تحقیق کے تھا زیادہ تر خاص سیاسی منصوبے کے تحت لکھا گیا جس سے بہت سے مقاصد اور اہداف حاصل کیے گئے۔

اس موضوع کے تناظر میں محقق یہ بھی ملاحظہ کرے گا کہ بہت سی ایسی شخصیات ہیں جن کو ان شدت پسند فرقوں کا امام مانا جاتا ہے اور ان کی طرف شدت پر مبنی اقوال و آراء منسوب کی جاتی ہیں جبکہ حقیقت میں وہ ایسی شخصیات،افراد تھے جو جرأت اور بہادری کا پہاڑ تھے اور کرسی حکومت کے لیے خطرہ تھے وہ کسی بھی حال میں ظلم کو قبول کرنے والے نہیں تھے ان کی طرف ان غیر مصدقہ اقوال کو بدنام کرنے کی غرض سے منسوب کیا گیا اور ان کو متشدد ظاہر کیا گیا ہے جبکہ ان کے زمانے میں ظلم کے خلاف کھڑے ہونے کی صرف ان کی ہی نہیں بلکہ اکثر عوام کی وہی سوچ تھی کیا ان مقالہ جات میں مقالہ نگاروں نے جو کچھ لکھا وہ حق تھا اور کیا علمی مرتبے کے مطابق حق تھا کہ وہ دقیق مسائل سے متعلق احکامات جاری کرنے کا موقع پائیں؟یا کیا ان کے پیچھے مکر و فریب پر مبنی سیاست تھی جس کی بدولت ان کو یہ جرأت ہوئی اور پھر وہ لوگوں کا مطمع نظر بن گیا چاہے وہ نفرت پر مبنی نگاہیں ہی تھیں جن کی بناء پر لوگوں کو ان سے دور کیا گیا اور وہ

سیاست اپنے مکر و فریب کے ذریعے عظیم شخصیات سے لوگوں کو متنفر کرنے میں کامیاب ہوگئی مگر آج کے دور میں اگر محقق اس موضوع سے نقاب کشی کرنا چاہے تو وہ عجیب و غریب چیز پائے گا وہ یہ کہ ایک کامل اسلامی مذہبی فقہی فرقہ جس کے اپنے ائمہ ہیں قطعی دلائل پر مبنی اقوال ہیں کسی بھی زمانے میں ان پر کوئی باطل اثر انداز نہیں ہوسکا اسی کے متعلق اس کے مخالفین نے طنز و تشنیع میں خوب مبالغے سے کام لیا ہے۔جب میں ان مقالہ جات کو پڑھ رہا تھا جو اباضی فقہی مذہب سے متعلق لکھے گئے تھے تو مجھے عقائد میں ان اقوال و آراء نے چونکا دیا جو اس مذہب کی طرف منسوب کیے گئے تھے چاہے وہ واضح عبارتوں پر مبنی تھے یا پھر اشاروں میں بیان کیا گیا تھا۔ہر حال میں چونکا دینے والے تھے اسی طرح ایسی شخصیات کے ناموں نے مجھے ہلا کر رکھ دیا جن کو اس اباضی مذہب کے آئمہ میں شمار کیا گیاتھا جبکہ میں یقین سے کہ سکتا ہوں کہ ان میں سے کوئی بھی اباضی نہیں ہے جب یہ حال ایک ایسے فرقے کا کیا گیا جو بہت مشہور معروف ہے اور تمام تر بلاد اسلامیہ میں اس کا وجود پایا جاتا ہے تو ان فرقون کا ان مقالہ جات نے کیا حال کیا ہوگا جو مٹ چکے ہیں غیر معروف تھے آج ان کی نہ تو کتابیں ملتی ہیں اور نہ ہی ان کا کوئی نشان باقی بچا ہے ان کا پیمانہ لبریز ہو کر چھلک چکا ہے زمانے کی موج نے ان کو مطلق تاریخی تذکرے کا حصہ بنا دیا ہے ان مقالوں سے اباضیوں کو بہت اذیت پہنچی ہے جو کہ غیر ارادی طور پر اس وقت پیش آئی جب اباضیوں اور ان کے دوسرے اسلامی بھائیوں کے درمیان عملی طور پر دراڑ پڑ گئی اباضیوں کے وہ ساتھی جو زمانے ماضی میں وسیع الفکر اور وسعت نظری کے حامل تھے آج وہ تنگ نظر دکھائی دینے لگے آج اس دراڑ اور خلاء کو پر کرنے کی ضرورت ہے کیونکہ امت اسلامیہ عقیدہ و عمل اور سلوک میں وحدت کی محتاج ہے اور آزادی رائے میں تمام سابقہ مسلمان علماء و آئمہ کا مکمل احترام کرتے ہوئے باہم ملکر دشمنانان اسلام کا مقابلہ کریں اپنے علماء آئمہ کی تنقیص یا عزت کی بجائے حقیقت پر مبنی عزت احترام کریں میں نے اس کتاب میں یہ کوشش کی ہے کہ قدیم ،حدیث مقالہ نگاروں کی سنگت میں رہوں تاکہ اباضی فقہی مذہب کو دوسرے اسلامی فقہی مذاہب کی طرح ثابت کرنے میں تعاون حاصل ہو اور اباضی مذہب کا امت اسلامیہ میں حقیقی مقام مرتبہ واضح ہو سکے اس کے ساتھ ساتھ میں یہ بھی بتانا چاہوں گا کہ قدیم مقالہ نگاروں کو بہت سے ایسے عذر لاحق تھے جو دورِ حاضر کے مقالہ نگاروں کو لاحق نہیں ہیں لہٰذا قدیم مقالہ نگاروں سے اگر غلطیاں واقع ہوئی ہیں تو یہ کہا جاسکتا ہے کہ وسائل کی عدم دستیابی تھی مگر ایسی غلطیاں اور عذر معاصرین کی جانب سے قبول نہیں کی جائیں گی کیونکہ آج تمام تر وسائل دستیاب ہیں رہے مستشرقین تو ان کے اسلام اور مسلمانوں سے متعلق کتابیں لکھنے کے خاص مقاصد و اہداف ہیں لہٰذا ان تمام کے حوالے سے میرا جائزہ تمام فصلوں میں اس اعتبار سے اپنے اسلوب میں ہر کاتب کے لیے مختلف ہوگا یعنی جب علماء متقدین کے مقالہ جات کا جائزہ لوں گا تو میرے تجزیے اور جائزے کا اسلوب اور ہوگا اسی

طرح جب معاصرین کے مقالہ جات کا جائزہ لوں گا تو اور ہوگا اور جب مستشرقین کے مقالہ جات کا جائزہ لوں گا تو اسلوب لازمی طور پر مختلف ہوگا۔

یہ کتاب مقدمے کے علاوہ چھ اقسام پر مشتمل ہے اور ہر قسم چند فصلوں پر محیط ہے۔

پہلی قسم : علماء متقدین کے مقالہ جات کا علمی جائزہ

دوسری قسم: علماء معاصرین کے مقال جات کا علمی جائزہ

تیسری قسم: مستشرقین کے مقالہ جات کا علمی جائزہ

چوتھی قسم: اباضی مذہب کی فقہی آراء

پانچویں قسم: ایسے غلط تصورات جن کا ازالہ کرنا ضروری ہے

چھٹی قسم : تنبیہات اور حاشیہ جات

میں چاہتا ہوں کہ محترم قاری کے سامنے مذہب اباضی کا وہ حقیقی مقام، مرتبہ واضح کروں جو پوری امتِ اسلامیہ کے ہاں ہونا چاہیے اس کے ساتھ ساتھ میں اس کے حوالے سے ان غلط تصورات، خیالات کی ایک جہت سے درستگی کرنا چاہتا ہوں جو بطور وراثت کے نسل در نسل منتقل ہوتے چلے آرہے ہیں جبکہ دوسری جہت سے ان غلط تصورات، افواہوں، جعل سازیوں کی بدولت دیگر مذاہب اسلامیہ کے ہاں اس مذہب اباضی کے حوالے سے جو نفرت اور تعصب پیدا ہوا ہے اس کا ازالہ کرنا چاہتا ہوں۔ یہاں میں یہ ذکر کرنا بھی اہم سمجھتا ہوں کہ اباضیوں اور دیگر مذاہبِ اسلامیہ کے مابین چند مسائل میں ویسے ہی اختلاف پایا جاتا ہے جیسا اختلاف احناف اور دیگر مذاہب یا شوافع اور دیگر مذاہب یا مالکیوں اور دیگر کے مابین پایا جاتا ہے۔ حتیٰ کہ ایک ہی مذہب کے علماء کے مابین بھی اختلاف پایا جاتا لیکن یہ سارا اختلاف اور اس کی تمام تر صورتیں دو بنیادوں سے پیدا ہوتی ہیں یعنی یہ اختلاف دو بنیادوں پر قائم ہے۔

۱. استدلال کے لیے کتاب، سنت کی نصوص کے سمجھنے میں علماء کی فہم، بصیرت۔

۲. ان علماء ائمہ کا فہم، استدلال میں حق تک رسائی اور شریعہ اسلامیہ کے حقیقی مقاصد پر عمل کے لیے حریص ہونا۔

مذکورہ بالا ان دونوں بنیادوں پر قائم ہونے والا اختلاف کبھی بھی خصومات، قطع تعلقی اور لڑائی جھگڑوں کا باعث نہیں بن سکتا۔

آخر پر خدا تعالیٰ کی بارگاہ میں یہ آہ وزاری کرتے ہیں کہ وہ امتِ اسلامیہ کو رشد، ہدایت عطا فرمائے۔ اس کی صفوف کو متحد کرے اور گھات لگائے ہوئے دشمنوں پر فتح، نصرت عطا فرمائے۔ (آمین۔ ۲۵ مارچ ۱۹۷۲ء)

اباضی تہمتوں کی زد میں

پہلی قسم:

اباضیوں سے متعلق طنز تشنیع پر مبنی علماء متقدمین کے غیر مصدقہ مقالہ جات اور ان کا علمی جائزہ

☆ اباضی امام اشعری کے نزدیک

☆ اباضیوں پر امام اشعری کی طنز تشنیع

☆ امام اشعری کے نزدیک اباضی مقالہ جات

☆ بغدادی اور اباضی

☆ ابو مظفر اسفرائینی اور اباضی

☆ ابو فتح شہرستانی اور اباضی

اباضی تہمتوں کی زد میں

اباضیوں کی دیگر اسلامی مذاہب کے بھائیوں سے معاملات کے حوالے سے بہت ہی منفرد وضع و قطع ہے۔ اس کے باوجود کہ وہ بعض ممالک میں اپنے دوسرے اسلامی بھائیوں کے ساتھ مل کر زندگی گزار رہے ہیں اور ان کے ساتھ باہمی مودت و بھائی چارے کا تعلق ان افراد کے مابین تعلقات سے کہیں زیادہ مضبوط مستحکم ہے جو ایک ہی فرقے اور مسلک سے تعلق رکھتے ہوں ان اباضیوں کا معاشرے میں تصرف ایک مسلمان کی طرح فطری ہے ان کا دینی یا معاشرتی حسن سلوک کسی پر مخفی نہیں اور نہ ہی کسی نے کبھی سفر، حضر میں کسی کے حوالے سے سوء ظن کی بنا پر طنز و تشنیع کی بس انتہا پسندی اور خوارج کا ان اباضیوں پر اطلاق اس مکر و فریب سیاست کی بدولت کیا گیا جو ظلم پر مبنی تھی وہ ظالم و جابر حکمران جو اموی دور سے تخت اقتدار پر مسلط تھے ان کی مکر و فریب پر مبنی چالیں اس کے پیچھے کار فرماں تھیں جو چاہتے تھے کہ صحابہ کرام ﷺ کے راستے سے ہٹا کر ظلم و ستم پر ایک ظالم سلطنت کی بنیاد رکھی جائے انہوں نے ان اباضی اہل استقامت علماء کو بدنام کرنے کے لیے تعصب اور دشمنی پر مبنی تہمتوں کو رواج دیا جن کی بنا پر اباضی تہمتوں کی زد میں آئے سب سے بڑھ کر ان کو ان کے اسلامی مذہبی بھائیوں نے جفا کر کے تکلیف پہنچائی جنہوں نے اپنے مقالہ جات سے ان پر شدت پسند خوارج کا اطلاق کیا اور ان تہمتوں کو سچا ثابت کرنے کی کوشش کی جو ظالم حکمرانوں نے لگائی تھیں اور جس کے پچھے ان کی مکر و فریب پر مبنی سیاست کار فرماں تھی پس یہ وہ علماء ہیں جنہون نے سب سے پہلے اباضون کو تہمتوں کے کٹہرے میں کھڑا کیا پھر ان پر حکم لگایا کہ یہ سب چونکہ خوارج ہیں لہٰذا اپنی سوچ و فکر میں غلط ہیں۔ اس کے بعد وہ اس تہمت کو ثابت کرنے کے لیے دلائل تلاش کرتے ہیں نہ کہ حقیقت کی معرفت حاصل کرنے کی غرض سے تحقیق کرتے ہیں۔

مگر جب اباضی شریعی دلائل کی روشنی میں اپنے عقائد اقوال آراء کو پیش کرتے ہیں اور اپنی سیرت و سلوک کو بیان کرتے ہیں تو کہا جاتا ہے کہ یہ سب کچھ تو وہ اپنے دفاع میں کر رہے ہیں جبکہ ایک ذہین دانشور قاضی کے لیے ایسا کہنا زیب نہیں دیتا کہ وہ نہ تو سنے اور نہ ہی ان کی بات میں غور کرے بلکہ وہ تو اس بات پر دھیان دیتا ہے کہ ادھر ادھر سے مختلف جملے اکٹھے کر کے جن سے اس تہمت کو مزید تقویت ملے یہاں تک کہ وہ بعض عبارتوں کو اپنے موقف کو ثابت کرنے کی غرض سے تحریف کرنے کی جرأت بھی کر دیتا ہے تاکہ اس کی رائے کو ثابت کرنے والی دلیل بن جائے۔

فیصلہ کرنے والا قاضی اباضیوں کو اپنے دلائل و براہین کے ساتھ ان کی جن آراء او عقیدے کو پیش کرتا ہے وہی عقیدہ اس کا اپنا بھی ہے مگر وہ اس بات پر مصر ہے کہ یہ اباضی غلط ہیں اور جو کچھ وہ دلائل میں پیش کرتے ہیں مطلق دفاع ہی تو ہے پھر وہی قاضی اس دفاع کا اور دعوے کے اثبات کا انکار کرتا ہے جس

کی یہ سب باتیں بے بنیاد ہیں بس جیسی معلومات خوارج کے حوالے سے اس کو پہنچی ہیں اس کو دلیل بنا کر بیان کر دیا یہاں تک کہ عقیدے اور رائے کے حوالے سے اباضیوں سے متعلق وہ یہ کہتا ہے کہ اباضیوں کے نزدیک کفر مذہب سے نکل جانا ہے جبکہ یہ بات اباضیوں کے نزدیک نہ تو قبول کی جاتی ہے بلکہ اس پر وہ محاسبہ کرتے ہیں۔لہٰذا اباضی ان افراد اور لوگوں کے اعمال اور اقوال سے بری ہیں جو ان کے سلسلے سے منسوب نہیں لیکن پھر بھی یہ کہا جاتا ہے چاہے وہ جتنا بھی انکار کر لیں کہ یہ افراد اباضیوں میں اور ان کے اماموں میں سے ہے بے شک خود اباضی ان کا انکار ہی کیوں نہ کریں کہ یہ لوگ ہمارے نہیں ہیں پھر بھی حکم لگانے والا قاضی زبر دستی ان افراد کو ان کے کھاتے میں ڈال دیتا ہے دراصل مسئلہ یہ ہے کہ جو ان تہمتوں کے دعوے کے حاملین ہیں وہ کبھی حقیقت جاننے کی کوشش ہی نہیں کرتے اور نہ ہی اباضی مصادر مراجع کی طرف اپنی تحقیق کے دوران رجوع کرتے ہیں بس وہ نسل در نسل تہمت پر مبنی نصوص کو نقل کرتے رہتے ہیں اس کا کوئی لحاظ نہیں رکھتے کہ جس پر ہم تہمت لگا رہے ہیں وہ ایک پنجرے میں موجود ہیں کم از کم ان کی آواز اور بات کو ہی سن لیا جائے ان کی وہ بات جیسے وہ اپنے دفاع میں دلیل کے طور پر پیش کرتے ہیں اس میں ہی کچھ غور کر لیا جائے ہمارے اس عصر حاضر میں اباضی علماء کی جانب سے بہت سی کتابیں لکھی گئیں جن سے اباضیوں کے عقیدے اقوال و آراء کے حوالے سے سیر حاصل معلومات لی جاسکتی ہیں وہ کتابیں حقیقت کی معرفت کے متلاشی کے لیے مصدر اور مرجع ثابت ہوسکتی ہیں اس کے ساتھ ساتھ فاضل علماء اور سکالرز کے لیے با آسانی حقیقت کے حصول کے لیے بہت سے وسائل دستیاب ہیں جن کی بدولت حقیقت تک پہنچا جا سکتا ہے لیکن افسوس کہ ان کتب کو من گھڑت اور جھوٹا قرار دے دیا جاتا ہے نہ تو ان کتابوں کی طرف رجوع کیا جاتا ہے اور نہ ہی ان علماء کی طرف لوٹا جاتا ہے بلکہ ایسی کتابوں کی جانچ پڑتال کی جاتی ہے جو اباضی علماء کی نہیں ہیں ان کو مشکوک حالات میں دوسرے لوگوں نے لکھا اس عمل کو ہم اچھی نیت کی بدولت ایک غلطی نہیں کہہ سکتے اگر یہ بری نیت سے محفوظ ہے بلکہ یہ تو طریقہ کار بہت سے پہلوؤں کے اعتبار سے غلطیوں کی نمائش کرتا نظر آتا ہے وہ پہلو مندرجہ ذیل ہیں۔

۱۔ مصنف کی پاکدامنی اور پارسائی کے حوالے سے عدم واقفیت

۲۔ مصنف کے ذہن میں کچھ خاص آراء کا غلبہ ہوتا ہے جن کی بدولت وہ دوسرے کی فہم و بصیرت کو سمجھنے کے لیے تیار ہی نہیں ہوتا بلکہ مطلق جائزہ لینے کی کوشش بھی نہیں کرتا۔

۳۔ اس کی سٹڈی اور ریسرچ اس درجے کی نہیں ہوتی جس کی بدولت وہ صحیح اور غلط میں تمیز کر سکے۔

۴۔ جن کتابوں اور مصادر پر وہ اعتماد کرتا ہے چاہے وہ کتابیں ہوں یا لوگوں کی باتیں وہ یا تو خود غرضی پر مشتمل ہوتی ہیں یا ظلم و زیادتی پر یا پھر حقیقت سے جہالت پر مبنی ہوتی ہیں۔

۵۔ حقیقت تک پہنچنے کے لیے تحقیق کے دوران جن وسائل کا سہارا لیا جاتا ہے اور جو حقیقت تک رسائی حاصل کرنے میں مددگار ثابت ہوتے ہیں وہ وسائل آسان نہیں تھے جیسے براہ راست کسی شخص سے ملاقات کرنا وغیرہ۔

۶۔ مختلف اسلامی مذاہب کے پیروکاروں کے درمیان نفرت بد گمانی اور شدید تعصب کار فرماں تھا اور اسی طرح ہر ایک اپنے مسلک سے چمٹا رہاا اور دوسرے تمام اسلامی فرقوں پر گمراہی کا حکم لگاتا رہا یہ وہ رکاوٹیں ہیں جو کبھی تمام کی تمام یا بعض حقیقت کے حصول کو دشوار بنا دیتی ہیں یہاں تک کہ حق کے متلاشی کے لیے بھی رکاوٹ بن جاتی ہیں کیونکہ بد گمانی ایسا سایہ دیتی ہے جس کے سبب معلومات کا حصول ممکن نہیں۔

۷۔ جھوٹی افواہیں اور گمراہ دعوے جو سیاسی منصوبہ بندی کے تحت تیار کیے جاتے ہیں ان لوگوں کے پاس پہنچتے ہیں جو پہلے سے ہی ان کے مصنفین پر اعتماد کرتے ہوتے ہیں پس وہ ان کی زبانوں پر اور قلموں کی نوک پر جاری ہو جاتے ہیں یہاں تک کہ کان ان کو بغیر حقیقی مصدر کی معرفت کے سنتے ہیں یہ بھی نہیں جانا جاتا کہ ان کے پیچھے کونسے سیاسی مکر و فریب پر مبنی اسباب تھے یہ کچھ ایسے پہلو ہیں جنھوں نے متقدین مقالہ نگار کو متاثر کیا بعض نے ان کی جانب کان دھرا اور بعضوں نے اس سے اثر لیا انھی اسباب کے پیشِ نظر اسلامی گروہوں میں سے بہت سے مسلمان من گھڑت قصوں کو نقل کرنے لگے حالانکہ ان میں بہت سے صالحین اور ابرار بھی تھے ابو الحسن علی بن اسماعیل الاشعری جو فرماتے ہیں ذیل میں پیش خدمت ہے۔

"میں نے لوگوں کو مقالہ جات کے ذکر کرنے کے دوران جن مین وہ حکایات بیان کرتے ہیں دیکھا ہے کہ وہ بہت سی حکایات کو خیانت علمی کرتے ہوئے اور مخالف کی جانب سے بیان کرتے ہیں جو اس نے اپنے مخالفین کے لیے کہی ہوتی ہیں یا ایسے شخص کی جانب منسوب کر کے بیان کرتے ہیں جو جھوٹی قصے کہانیوں پر اعتماد کرتے ہیں صرف اپنے مخالف پر طنز تشنیع کی غرض سے اس روایت کو بیان کرتے ہیں جو مخالفین کے اختلاف میں بیان کی جاتی ہے یعنی ایک شخص اپنے مخالف کے لیے حجت و دلیل بنانے کی غرض سے کوئی بھی ایسی روایت یا بات بیان کر دیتا ہے جو اس کی رائے کو مخالف کے مقابلے میں قوی کرنے والی ہو وہ اس کا لحاظ نہیں کرتا کہ بیان کردہ روایت مصدقہ ہے یا غیر مصدقہ بس وہ اپنا مطلب و مقصد پورا کرنے کے لیے پیش کر دیتا ہے لہٰذا ایسی روایات لوگوں کو بیان کرتے دیکھا ہے جن کی کوئی بنیاد نہیں غیر مصدقہ ہیں اور ان پر اعتماد کرنا اپنے مقصد کی خاطر خیانت علمی ہے" تم دیکھتے ہو کہ ابو الحسن الاشعری جو کہ اوائل علماء میں سے ہیں جنھوں نے اس موضوع پر لکھا ہے اور تنقیدی نظر سے عیوب نقائص کو پوائنٹ آؤٹ کیا کہ لوگ اپنے مخالف کے لیے من گھڑت روایات کو دلیل بنا کر پیش کر دیتے ہیں بغیر جانچ پڑتال اور علمی تحقیق کے اس کے ساتھ ساتھ لوگ جھوٹی روایات پر اعتماد کرتے ہیں اور بات کی تہہ تک پہنچنے کی کوشش نہیں کرتے وہ صرف اس

بات کو پیش نظر رکھتے ہیں کہ کیا یہ روایت اور عبارت ان کے مخالف کے لیے دلیل بن سکتی ہے یا دلیل کو قوی بنانے میں مددگار ثابت ہو سکتی ہے چاہے وہ غیر مصدقہ ہی کیوں نہ ہو۔تو وہ اس کو بیان کر دیتے ہیں اس کی سند میں تہہ تک نہیں جاتے اور نہ ہی اس کے حوالے سے تحقیق کرتے ہیں۔

شہر ستانی نے اپنی کتاب (الملل والنحل) میں ان مذکورہ بالا تمام عیوب کو تفصیل سے بیان نہیں کیا بلکہ مخفی جانب سے ان کی طرف اشارہ کر دیا ہے آپ نے جو فرمایا وہ ذیل میں پیش ہے۔

"میں نے اسلامی مذہبی فرقوں کا جائزہ لینے کے حوالے سے خود کو ایک شرط سے مشروط کیا ہے وہ یہ کہ میں بغیر کسی مذہبی تعصب اور نفرت کے ہر فرقے کا سر چشمہ صرف وہی پیش کروں گا جو ان کی کتابوں میں پاؤں گا۔اسی طرح اس کے فساد سے صحیح کو بیان کروں گا اور باطل میں سے حق کا تعین کروں گا یعنی جو مجھے حق لگا میں اسے بھی اور جو باطل سمجھا اسے بھی بغیر کسی تعصب اور مذہبی نفرت کے سب کچھ دیانت داری سے بیان کروں گا۔

اس شہر ستانی کے کلام سے وہی ثابت ہوتا ہے جس کو امام اشعری نے تفصیل سے بیان کیا کہ جو کچھ فرقوں کے بارے میں کہا جاتا ہے بہت سا عدم تحقیق کا شکار ہے اس نے خود پر یہ شرط لاگو کی کہ وہ بغیر کسی تعصب او تنقید کے ہر فرقے سے متعلق صرف وہی کچھ بیان کرے گا جو ان کی کتب میں پائے گا اور ہر طرح کے تعصب سے دور رہے گا۔

کیا ابو الحسن فرقوں سے متعلق اپنی تحریر میں ان عیوب و نقائص سے محفوظ رہا جن کا دوسرے مقالہ نگاروں نے لحاظ نہیں رکھا تھا یہ سوال جرأت مندی سے جواب کا متقاضی ہے ؟ اسی طرح کیا شہر ستانی اس عیب سے محفوظ رہا کہ جب اس نے فرقوں سے متعلق لکھا تو عدم تعصب کا مظاہرہ کرتے ہوئے ہر فرقے کی کتابوں سے اور مصادر مراجع سے جو کچھ ملا اسے ہی بیان کیا ؟کیا غیر جانب داری کا مظاہرہ کیا؟ کیا اس کے بیان کردہ مقالہ جات میں وہ کسی کو درست ، غلط یا راجع قرار نہیں دیتا؟ ان شاء اللہ اہم انہی آئمہ کرام کی معیت میں اپنے علمی سفر کو جاری رکھیں گے اور آنے والی فصلوں میں اس بات کا بخوبی جائزہ لیں گے کہ انہوں نے کس حد تک ان شرطوں کا لحاظ رکھا اور بیان کردہ عیوب سے کتنے محفوظ رہے۔ہم ان کی بات دہان سے سنیں اور ان کے مقالہ جات کو توجہ سے پڑھیں گے ان سے حق تک پہنچنے کے لیے رہنمائی حاصل کریں گے جو کہ تمام لوگوں کی غرض و غایت ہے۔

پہلی قسم

اباضی علماء متقدین کی تہمتوں کی زد میں

علماء متقدمین کے فرقوں سے متعلق تحریر کردہ مقالہ جات میں اباضیوں کی طرف منسوب کردہ غیر مصدقہ اقوال و افعال کا علمی جائزہ۔

وہ لوگ جنہوں نے اسلامی عقائد سے متعلق مقالہ جات لکھے اور ان میں اسلامی فقہی مسالک اور فرقوں کو پیش کیا ان کی تعداد بہت زیادہ ہے یہاں پر ان سب کا احاطہ کرنا ممکن نہیں اور نہ ہی وہ سب کچھ یہاں بیان کیا جاسکتا ہے جو انہوں نے اپنے مقالہ جات میں لکھا مگر ان میں سے بعضوں کو نمونے کے طور پر ذکر کرنے اور ان کے مقالہ جات کے اسلوب کے متعلق کہ انہوں نے کون سا اسلوب اپنایا بیان کرنا ممکن ہے ان کی اباضیوں سے متعلق لکھی جانے والی کتابوں کو پڑھنے کے بعد اور ان کا اسلوب جاننے کے بعد میری رائے ان میں سے پانچ مؤلفین کو اس علمی سفر میں اپنے ساتھ رکھنے پر استقرار پائی اور میری پوری کوشش ہوگی کہ محترم قاری بھی ہمارے اس علمی سفر میں ساتھ ساتھ رہے گا اور بہت سی چیزوں سے لطف اندوز ہوگا اور میں نے جب پانچ مؤلفین کو چنا ہے ان کو مندرجہ ذیل ترتیب زمنی کے تحت بیان کرنے کو ترجیح دوں گا۔

۱۔ ابو الحسن علی بن اسماعیل الاشعری(وفات۳۳۰ھ)

۲۔ عبدالقاہر بن طاہر البغدادی(وفات۴۲۶ھ)

۳۔ ابو محمد علی بن احمد بن سعید بن حزم (وفات۴۵۶ھ)

۴۔ ابو المظفر شاھفور بن طاہر الاسفر اینی(وفات۴۷۱ھ)

۵۔ ابو الفتح محمد بن عبد الکریم الشہرستانی(وفات۵۴۸ھ)

میں پختہ یقین سے کہتا ہوں کہ جن مقالہ نگاروں اور مؤلفین کو چنا ہے یہ تمام اس موضوع کے حوالے سے لکھی جانے والی کتابوں میں مشہور ہیں اور اس میدان میں ریسرچ اور تحقیق کرنے والے کے لیے ان کی کتابیں مصدر اور مرجع شمار ہوتی ہیں ان کے بعد جس جس نے بھی اس موضوع اور اس میدان سے متعلق لکھا انہوں نے یا تو ان کی کتابوں سے مدد لی اور بھروسہ کیا یا پھر ان کے اسلوب کو اپنایا اب ان مصنفین کی کتابوں کے نام کو ترتیب زمنی کے اعتبار سے ذیل میں پیش کیا جاتا ہے۔

۱۔ (مقالات الاسلامین و اختلاف المصلین) اشعری

۲۔ (الفرق بین الفرق) بغدادی

۳۔ (الفصل فی الملل الأ هواء و النحل) ابن حزم

۴۔ (التبصیر فی دین) اسفرائینی

۵۔ (الملل و النحل) شہرستانی

اباضی امام اشعری کے نزدیک

محترم قاری کے لیے یہ بات نہایت ہی تعجب کی ہوگی اگر یہ کہا جائے کہ امام اشعری نے اباضیوں سے متعلق بہت کچھ لکھا مگر در حقیقت وہ اباضیوں سے متعلق کچھ بھی نہیں جانتا ان کے حوالے سے کسی بھی چیز سے آگاہ نہیں ہے کیونکہ اس نے ان سے متعلق جتنا بھی لکھا اس میں سے بہت کچھ ایسا ہے جس کا اباضیوں سے دور تک کا بھی تعلق نہیں ہے اس ساری صورتحال کو جاننے کے لیے میں محترم قاری کواپنے ساتھ تھوڑی سی مصاحبت اختیار کرنے کی زحمت دوں گا تاکہ وہ ابوالحسن الاشعری کی اباضیوں سے متعلق تحریر کردہ فصلوں کا خود ہی مطالعہ کر لے تاکہ وہ اس حقیقت کو جو میں نے بیان کی ہے اچھی طرح جان سکے ابو الحسن الاشعری اپنی کتاب (مقالات الاسلامین)کے پہلے جزء میں ۱۸۰صفحے پر فرماتے ہیں!

"(خوارج میں سے اباضی بھی ہیں ان میں سے پہلا گروہ حفصی ہے جس کا امام حفص بن ابو مقدام تھا اس نے گمان کیا ہے کہ شرک اور ایمان کے درمیان صرف معرفت الٰہی ہی فرق ہے پس جس نے معرفت الٰہی حاصل کر لی پھر چاہے اس ذات کے سواء رسولوں ، جنت ، دوزخ کا انکار کر دے اور قتل نفس، حرام کو حلال کرنا ،زنا اور عورتوں کی حرام کردہ شرم گاہوں کو حلال کرنا وغیرہ جیسے رزیلہ اعمال کا مرتکب ہو وہ کافر ہے لیکن شرک سے بری ہے"۔

ابو الحسن الاشعری اس فرقے سے متعلق اپنی طنز و تشنیع کو جاری رکھتے ہوئے مزید کہتا ہے (ان میں سے دوسرا فرقہ جسے (یزیدیہ)کا نام دیتے ہیں اس کا امام یزید بن انیسہ ہے پھر اس فرقے کی غیر مصدقہ آراء کا ذکر کیا ہے (اس فرقے کا گمان ہے کہ اللہ تعالیٰ عجمیوں میں سے رسول بھیجے گا اور اس پر ایک ہی بار مکمل کتاب نازل کرے گا جو آسمانوں پر لکھی جائے گی اور ایک ہی وقت میں پوری اتار دے گا۔

کچھ سطروں کے بعد مزید کہتا ہے

(پس جس نے بھی اہل کتاب میں سے نبوت محمدی ﷺ کی گواہی دی اگرچہ وہ ان کے دین میں داخل نہیں ہوا اور نہ ہی آپ ﷺ کی شریعت پر عمل کیا تو یہ فرقہ اس شخص کو بھی مومن گردانتا ہے)"

پھر الاشعری کہتے ہیں (تیسرا فرقہ اباضی ہے حارث اباضی کے ساتھی تقدیر کے معاملے میں معتزلہ کی مثل کہتے ہیں اس معاملے میں دیگر اباضی ان سے اختلاف کرتے ہیں)

مزید اس فرقے سے متعلق طنز و تشنیع کرتے ہوئے کہتے ہیں پس ان کا چوتھا فرقہ ایسا ہے جو فرمانبرداری اور اطاعت ہذلی مذہب کے مطابق اطاعت خدا تعالیٰ مراد نہیں لیتے اس حوالے سے وضاحت کرتے ہیں کہ انسان خدا تعالیٰ کا تب مطیع سمجھا جائے گا جب اس نے کوئی ایسا عمل کیا جس کو کرنے کا حکم خدا تعالیٰ نے دیا تھا اگر خدا تعالیٰ نے اس فعل کا قصد نہ کیا ہوتا تو انسان کبھی بھی اس کو نہ چاہتا۔

یہ وہ اسلوب ہے جسے ابو الحسن الاشعری نے اباضیوں سے متعلق طنز و تشنیع کے لیے اختیار کیا ہے سب سے پہلے ان کو فرقوں میں تقسیم کیا ہے پھر غیر مصدقہ ان کی طرف اقوال و افعال و آراء کو منسوب کیا ہے جب محترم قاری ابو الحسن کی اس اباضیوں سے متعلق تحریر کا مطالعہ کرے گا تو سب سے پہلے تو وہ جان لے کہ اباضیوں کے چار بڑے فرقے ہیں ان چار بڑے فرقوں میں سے بھی اس نے مزید فروعی فرقوں میں تقسیم کر دیا ہے پھر اس نے غیر مصدقہ بعض آراء اقوال کو تمام اباضی فرقوں کی طرف اور بعض کو ان میں سے کسی ایک فرقے کی طرف منسوب کیا ہے۔اگر محترم قاری ان اباضی کتب کی طرف رجوع کرے جو ابو الحسن کے زمانے میں اس سے پہلے یا بعد میں لکھی گئیں تو ہر گز ابو الحسن کے بیان کردہ اباضی فرقوں کا تصور اور ان کی طرف منسوب کردہ اقوال و افعال کا وجود تک نہیں پائے گا یہاں تک کہ ان فرقوں اور ان کے اماموں کے نام بھی نہیں ملیں گے ۔اے قاری اگر تم چاہو تو ان کتابوں کا مطالعہ کر سکتے ہو جو اباضی مذہب اور اس کے مشائخ و علماء کی سوانح عمری اور سیرت میں لکھی گئیں جو اپنے علماء اور مشائخ کے حوالے سے معلومات سے سیر حاصل آگاہی دیتی ہیں تم ان ناموں کو تو درکنار ان کی طرف اشارہ تک نہ پاؤ گے جن کا امام اشعری نے ذکر کرتے ہوئے ان کے فرقوں کے امام شمار کیا ہے اسی طرح اگر تو چاہے تو اباضیوں کی عقیدے سے متعلق کتب کا مطالعہ کر سکتا ہے ان میں تجھے وہ عقائد نظریات جو ابو الحسن نے اباضیوں کے متعلق بیان کیے ہیں ذرا بھی ذکر نہیں ملے گا ہم ابوالحسن کی ان ساری باتوں کے پیش نظر اسے معذور نہیں ٹھراتے اور نہ ہی اس کی نیت پر شک کرتے ہیں صرف یہ کہ سکتے ہیں کہ اس نے بھی جن مقالہ نگاروں پر اعتماد کیا تھا اور جن کے مقالہ جات کو نقل کیا ہے وہ سب لوگ من گھڑت عبارتوں اور غیر مصدقہ حکایات آراء بیان کرنے والے تھے حقیقت میں وہ ثقہ لوگ نہیں تھے ابو الحسن نے بھی ان کے مقالہ جات سے اثر

لیا اور بغیر تحقیق اور جانچ پڑتال کے بات کی اس حوالے سے ہم اس کو معذور گردان سکتے ہیں اس نے انکو ثقہ جانا جبکہ وہ حقیقت میں سچے معتمد اور ثقہ نہیں تھے چاہے اس نے ان سے بطریق سماع بیان کیا یا کتب میں سے نقل کیا مگر اس نے اس کی طرف ذرا سا بھی اشارہ نہیں کیا کہ اس نے ان اقوال و آراء کو کہاں سے لیا جو اباضیوں سے متعلق ذکر کیے ہیں۔

ابو الحسن نے اباضیوں سے متعلق جہالت برتتے ہوئے جو کچھ بغیر تحقیق کے ان کی طرف منسوب کیا ہے وہ سب کچھ اس کی بیان کردہ باتوں کی نفی کرنے کے لیے کافی ہے کیونکہ اباضیوں کی کتابوں اور ان کے مصادر مراجع کی طرف بغیر رجوع کیے طنز و تشنیع کی ہے۔

ابو الحسن کہتے ہیں (پس پہلے فرقے کو حفصی کہا جاتا ہے جس کا امام حفص بن ابو مقدام تھا میں نے اباضیوں کی کتابوں کی جتنی بھی ورک گردانی کی ہے مجھے ان کے اماموں میں سے کسی امام کا یہ نام نہیں ملا اور نہ ہی ابوالحسن نے جو اقوال اورآراء اس فرقے کی طرف منسوب کی ہیں ان تک رسائی حاصل ہوئی ہے۔ ابوالحسن نے اس فرقے کی طرف ایسے اقوال منسوب کیے ہیں جو ان کو اسلام سے خارج کردینے کے مرتد اور مشرک کا حکم لگانے کے لیے کافی ہیں جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے کہ وہ نبوت، جنت، دوزخ، کے انکار کے ساتھ ساتھ حرام کو حلال کرنا اور زنا کو حلال جاننے کے علاوہ دیگر بہت سے رذیلہ افعال کا ارتکاب کرنے کے باوجود وہ مسلمان تھے اگر یہ بات حق مان لی جائے تو یہ حکم اسلام سے اس فرقے کو اور اس کے پیروکاروں کو نکال دینے کے لیے کافی ہے تو پھر اس فرقے کو اسلامی فرقوں میں سے شمار کرنا درست ہوگا اور کیسے یہ بات درست ہوگی کہ یہ اباضیوں کے فرقوں میں سے ایک فرقہ ہے اگر یہ فرقہ مسلمانوں کے دوسرے فرقوں میں سے ہو اور ان کا حفص نامی امام بھی ہو اور ان کا وجود پایا بھی جاتا ہو تو ان کی وہ آراء جو ابوالحسن نے ان کی طرف منسوب کی ہیں اگر وہ حق پر مبنی ہوں تو ان کو اسلامی فرقہ ماننا ناممکن ہوگا اگر ان کی طرف منسوب کردہ تمام آراء اور اقوال حق مان لیے جائیں تو اس فرقے کو مسلمان سمجھنا از خود ایک بہت بڑی خطا ہوگی اباضیوں کی عقائد سے متعلق کتب ورک گردانی کی جائے تو ابوالحسن کے اباضیوں کی طرف منسوب کردہ تمام گمانوں اور خیالات کا اشارہ تک نہیں ملتا۔

(ابوالحسن الاشعری کہتے ہیں دوسر فرقہ جس کو وہ یزیدی کا نام دیتے ہیں جن کا امام یزید بن انیسہ تھا اس فرقے سے متعلق ابو الحسن الاشعری نے جو آراء نقل کی ہیں وہ درج ذیل ہیں۔

یہ فرقہ گمان کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ عجمیوں میں سے رسول مبعوث کرے گا اور آسمان سے اس پر وہ کتاب جو آسمان پر لکھی جاتی ہے ساری کی ساری ایک ہی وقت مین نازل کرے گا۔

اس نے شریعت محمدی کو ترک کیا اور ایک نئی شریعت بنا دی یہ بھی گمان کیا کہ اس نبی کا دین صابی ہے اور یہ وہ صابی شریعت نہیں جس پر آج لوگ قائم ہیں اور نہ ہی یہ وہ صابی ہیں جن کا اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں ذکر کیا ہے اور نہ ہی وہ بعد میں آئے ہیں اور اہل کتاب میں سے جس نے بھی نبوت محمدی ﷺ کی گواہی دی اگرچہ وہ آپ کے دین میں داخل نہیں ہوا اور نہ ہی آپ کی شریعت پر عمل کیا وہ تب بھی مومن شمار ہوگا۔

اس حوالے سے سب سے بڑی تعجب کی بات یہ ہے کہ اگر محترم قاری دوسری صدی ہجری کے اوائل سے اباضی مصادر مراجع کی طرف رجوع کرے تو وہ ہرگز اس امام کے نام کا ذکر نہیں پائے گا جس کو ابوالحسن نے یزید بن اُنیسہ کا نام دیا ہے اور نہ ہی اس طرح کی اقوال و آراء کا کہیں ذکر ملتا ہے بلکہ اباضی اس طرح کا اعتقاد جو ان مقالہ جات میں ذکر ہوا ہے رکھنے والے شخص پر مشرک اور ملت سے نکل جانے کا حکم لگاتے ہیں۔ پس جو ملت اسلامیہ سے نکل جانے والا ہو اسے مسلمان فرقوں میں سے ایک اسلامی فرقہ سمجھنا ممکن و محال ہے۔ مجھے یہ سمجھ نہیں آ رہی ابوالحسن کیسے یزید کو اور اُس کے فرقے کو اباضیوں کی طرف منسوب کرتا ہے اگر اس کو حق مان لیا جائے تو ابوالحسن کیسے اس کا شمار اسلامی فرقوں میں کرتا ہے وہ خود ہی اس کو اسلام کے دائرے سے نکال دیتا ہے جب اُس نے اگلے فقرے میں یہ بیان کر دیا کہ اس نے شریعت محمدی ﷺ کو چھوڑ کر ایک دوسری شریعت بنالی))

ابوالحسن ایک تیسرے فرقے کو اباضیوں کی طرف منسوب کرتے ہوئے مزید فرماتے ہیں:

((تیسرا اباضی فرقہ حارث اباضی کے ساتھیوں کا ہے تقدیر کے مقابلے میں معتزلہ کی مثل اقوال کہتے ہیں جس کے حوالے سے دیگر اباضیوں نے ان سے اختلاف کیا ہے اور یہ گمان کیا ہے کہ فعل کی استطاعت اس سے قبل ہے۔)) یہ حارث بھی نہ تو اباضیوں میں اُگا اور نہ ہی اپنی آراء کا اباضیوں میں کوئی بیج بویا اور نہ ہی اباضیوں نے اُس سے اور اُس کے فرقے سے کچھ حاصل کیا اگر حق ہوتا تو ہر مقام پر حال میں ان کو بویا جاتا اور فائدہ حاصل کیا جاتا۔ ابوالحسن اگر حارث کو تقدیر کے مقابلے میں اُسکی رائے کی مناسبت سے شمار کرتا تو زیادہ بہتر تھا کیونکہ مسئلہ قضاء، قدر ابتدائی زمانے سے ہی اسلامی فرقوں کے مابین اختلاف پر مبنی بنیادی مسئلہ تھا اور محققین، فلاسفہ کے ہاں ہمیشہ تمام مسائل کی جڑ سمجھا جاتا رہا تو حارث کا فرقہ اُن کے فرقوں میں ایک حد فاصل ہوتا مگر حقیقت تو یہ ہے کہ ابوالحسن کو حارث کے باپ کا بھی علم نہیں ہے بس اس کے پاس ایسے ہی روایت پہنچی لہٰذا اس نے اس کو اٹھا کر اباضیوں کے کھاتے میں ڈال دیا جبکہ اس حارث کا اباضیوں کے ہاں ذکر تک نہیں ملتا یہاں تک کے وہ اباضی مصادر جن تک رسائی ممکن ہے ان میں بھی اس فرقے کا ذکر اور اسکی آراء کا ثبوت نہیں ملتا اگر یہ حقیقت میں موجود ہوتا تو کیا وجہ تھی کہ اس کا ذکر تک نہیں ملتا بس یہ ایک ایسا شخص ہے جس کا نہ تو اپنا کوئی وجود ہے اور نہ ہی اُس کی آراء کا کہیں وجود ملتا ہے بس یہ اقوال و آراء اباضیوں پر طنز تشنیع کی غرض سے بیان کی

گئیں ہیں جو صرف خیالی تھیں ابوالحسن کے پاس پہنچیں اُس نے بھی بغیر جانچ پڑتال اور تحقیق کے آگے نقل کر دیں۔
ابوالحسن اباضی فرقوں کی تعداد کے ضمن میں اپنی بات جاری رکھتے ہوئے کہتے ہیں:

((اباضیوں کا ایک چوتھا فرقہ ہے جو اطاعت کے ضمن میں یہ رائے رکھتے ہیں کہ اطاعت سے ہذیل کے طریق پہ مراد اطاعت خدا نہیں ہے پھر اس عبادت کی وضاحت کرتے ہیں۔((اس کا مطلب یہ ہے کہ جب انسان کوئی فعل کرتا ہے تو وہ وہی کرتا ہے جیسے مشیت الٰہی چاہتی تھی اگر ذات باری کسی فعل کے ہونے کا قصد نہ کرے تو اسے انسان کبھی نہیں کر سکتا۔)) اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ ابوالحسن اس فرقے کے امام کو جانتا ہی نہیں نہ ہی اس کا ذکر کیا ہے بس اُس کے پیرو کار اس فرقے کو ویسے ہی لے کر آئے ہیں جیسے راستے میں چور چلتا ہے حتی کہ ان کو اٹھا کر اباضی کھاتے میں ڈال دیا جاہے اسے ہذلی فرقے سے ہی موسوم کیا گیا ہو کیونکہ اُس نے اس فرقے کے لیے بھی سابقہ قول کی مثل ہی ذکر کیا کچھ مختلف نہیں کیا۔ بس ہر حال میں ہم یہ کہہ سکتے ہیں اس فرقے کا نہ تو کوئی امام ہے اور نہ ہی کوئی نام ہے اور جو کچھ ابوالحسن نے قوی طور پر ان کی طرف منسوب کیا ہے وہ مکمل طور پر اباضی عقائد اور فکر کے متضاد ہے تو کیسے یہ فرقہ اباضی ہو سکتا ہے جبکہ وہ اپنی آراء اقوال میں اباضیوں کے عقائد سے مکمل طور پر متضاد ،متاقض ہیں۔ اگر محقق ابوالحسن الاشعری کی کتاب (مقالات اسلامین) میں جو کچھ اقوال آراء بیان ہوئی ہیں اُن کے اقوال آراء کے مابین موازنہ کرے تو نتیجہ نہایت ہی عجیب و غریب نکلے گا وہ یہ کہ ابوالحسن نے خواہ مخاہ خود کو تھکایا ہے اور اپنی کتاب کے صفحات کو بے فائدہ طول دے کر بھر دیا ہے اور جو کچھ اباضیوں سے متعلق بیان کیا اور ان کی طرف منسوب کیا ہے اُس کا ان سے دور کا بھی کوئی تعلق نہیں ہے اسی طرح اس نے جن اماموں کا ذکر کیا ہے اور جن فرقوں کا بیان کیا ہے تھوڑا یا زیادہ کسی بھی طرح کا کوئی تعلق اباضیوں سے نہیں ہے اگر یہ تعبیر درست سمجھی جائے تو یہ کہا جا سکتا ہے کہ اُن فرقوں کی آراء صرف اباضیوں کے ہی قریب نہیں بلکہ دوسرے اسلامی فقہی مذاہب کے بھی قریب نظر نہیں آتی ہیں چاہے وہ مالکی ہوں شافعی ہوں یا پھر دیگر اسلامی فقہی مذاہب ہوں جن اقوال و آراء کا ابوالحسن نے ذکر کیا ہے اُن کا تعلق اباضیوں سے ہی نہیں بلکہ اسلام کے کسی بھی فقہی مذہب سے نہیں ہے۔ اگر محترم قاری اُن کتابوں کا مطالعہ کرنا چاہے جن کو اباضی علماء نے ابوالحسن سے پہلے یا بعد میں تصنیف کیا تھا تو وہ خود ہی اس حقیقت کی معرفت حاصل کر لے گا جس کا میں ذکر کر رہا ہوں لہٰذا قارئین کے لیے میں یہاں کہنا چاہتا ہوں کہ علماء اباضی اور اُن کے حقیقی آئمہ نے اسلام کے ہر میدان سے متعلق بڑی قیمتی اور نایاب کتب تصنیف کی ہیں حدیث اصول حدیث تفسیر، اصول تفسیر فقہ، اصول فقہ، علم توحید اور علم الکلام کے موضوعات پر نہایت ہی عمدہ مستند معتمد مخرج محقق کتب تصنیف کی ہیں جو ہر زمانے میں نور کی شعاعیں بکھیرتی رہی ہیں اور دنیا اسلام کی عظیم اسلامی لائبریریوں میں ذخیرہ کی ہوئی ہیں جن سے وہ لائبریریاں مزین اور آباد نظر آتی ہیں۔ یہ کتب اسلامی ثقافت تہذیب کا عظیم سرمایہ ہیں اور اس کے اہم مصادر مراجع شمار کی جاتی ہیں جیسا کہ علماء اباضیہ نے سیرت، تاریخ اور تراجم کے میدان میں خاص طور پر اپنے ائمتہ کی سیرت سوانح عمری میں تصنیف فرمائی ہیں مگر افسوس ابو الحسن نے اپنی اس طویل کتاب میں اُن میں سے کسی کا بھی ذکر تک نہیں فرمایا۔ اس کے ساتھ مزید میں یہ کہوں گا کہ ابوالحسن کے زمانے میں اباضی اور ان کے

علماء تمام عربی ممالک میں بالخصوص حجاز، عراق، شام، جنوبی جزیرہ اور مصر میں پھیلے ہوئے تھے مراکش وسطی اور ادنیٰ میں ان کا غلبہ تھا اسی طرح ان کے علماء اس وقت تمام بڑے بڑے اسلامی شہروں میں موجود تھے جن میں مکہ، مدینہ، بصرہ، عمان، یمن، مصر اور شمالی افریقی ممالک وغیرہ۔ مزید یہ کہ ابوالحسن نے اباضی آئمتہ میں سے کسی کا بھی ذکر نہیں کیا جیسا کہ جابر بن زید جعفر بن السماک العبدی، ابوسفیان قنبر، صحار العبدی اسی طرح اُن کی مثل پہلی صدی ہجری کے دوسرے نصف کے علماء یہاں تک کہ ان کے اقوال کا بھی ذکر نہیں کیا۔ ایسے ہی ابوالحسن الاشعری نے دوسری صدی ہجری کے پہلے نصف کے اباضی علماء کا اور نہ ہی اُن کے اقوال کا ذکر کیا ہے جیسا کہ ابوعبیدہ مسلم بن ابو کریمہ، ضمام بن السائب، ابونوح صالح الدھان، عبد اللہ بن یحیی الکندی، الجلندی بن مسعود عمانی، ابوالخطاب عبدالاعلی المعافری، ہلال بن عطیہ الخراسانی اور دیگر انہیں کی مثل وغیرہ۔ اسی طرح اُس دوسری صدی ہجری کے دوسرے نصف کے اباضی علماء کا بھی ذکر نہیں کیا نہ ہی اُن کے اقوال کو بیان کیا ہے جیسا کہ الربیع بن حبیب، ابوسفیان محبوب بن الرحیل، ابوصفرۃ عبدالملک بن صفرۃ، عبدالرحمن بن رستم، محمد بن یانس، ابوالحسن الایدلالی اور اُن جیسے دیگر علماء کرام وغیرہ۔ اسی طرح اس نے تیسری صدی ہجری کے پہلے نصف کے اباضی علماء کا اور ان کے افعال کا ذکر تک نہیں کیا جیسا کہ افلح بن عبدالوہاب، عبدالخالق الفذّانی، محکم الھواری، المھنا بن حیفہ، موسیٰ بن علی، ابوعیسیٰ الخراسانی اور دیگر ان کی مثل علماء کرام وغیرہ۔ اسی طرح اس نے تیسری صدی ہجری کے دوسرے نصف کے اباضی علماء کے اقوال اور ان کا تذکرہ نہیں کیا جیسا کہ محمد بن محبوب، محمد بن عابد، الصلت بن مالک، ابویقظان بن الافلح، ابومنصور الیاس، عمروس بن فتح، ہود بن محکم وغیرہ۔ اسی طرح اس نے چوتھی صدی ہجری کے پہلے نصف کے اباضی علماء کا ذکر نہ ہی اُن کے اقوال کا بیان کیا ہے جیسا کہ ابوخزر یغلا بن ایوب، ابوالقاسم یزید بن مخلد، ابوہارون موسیٰ بن ہارون وغیرہ۔ حالانکہ ابوالحسن الاشعری اس طبقے کے علماء اور وہ جو اس سے پہلے تھے انکا ہم عصر تھا اور نہ ہی اباضی متقدین اور نہ ہی متاخرین کا ذکر کیا ہے حالانکہ اُس نے چوتھی صدی ہجری میں تیس سال کا عرصہ گزارا اس اعتبار سے وہ تیسری صدی ہجری کے دوسرے نصف کے علماء کا اور چوتھی صدی ہجری کے پہلے نصف کے علماء کا ہم عصر ہونے کے باوجود کسی کا کچھ بھی ذکر نہیں کیا۔ اب یا تو وہ ان کو جانتا نہیں اور نہ ہی اُن کے مقالہ جات کا علم رکھتا ہے یا پھر اُن کو جانتا ہے مگر کلی طور پر نہیں جزوی طور پر معلومات رکھتا ہے ان صورتوں میں سے کوئی بھی صورت ایسی نہیں جو اباضیوں پر طنز تشنیع اور تنقید، تعلیق لگانے کی اجازت دے بلکہ ایسے غیر مصدقہ اقوال کو مطلق پیش بھی نہیں کیا جا سکتا یعنی اس نے حقیقی اباضیوں کو مطلق چھوڑ دیا ہے ان کا ذکر تک نہیں کیا اور نامعلوم فرقہ اور افراد تھے ان کو اباضیوں کے کھاتے میں ڈال دیا حتیٰ کہ ان فرقوں کے اقوال مکمل طور پر اباضیوں کے متضاد ہیں۔ یہ سراسر جہالت نہیں تو اور کیا ہے ان مصادر مراجع میں یہ گمان کیا گیا ہے جن سے اخذ کیا گیا ہے کہ یہ فرقے اور مقالہ جات اباضی ہیں یا جو ان میں سے فروعی فرقوں سے منسوب ہیں حالانکہ اباضی اُن سے بری ہیں اور دور کا بھی کوئی تعلق نہیں رکھتے۔ ابوالحسن اس طنز تشنیع کا مرتکب کیسے ہوا جبکہ اُس نے خود شروع سے ہی مقالہ نگاروں کی جعل سازی، غریب کاری اور غلط بیانی سے متنبہ کیا تھا اسی طرح اس نے اوائل زمانے میں مقالہ جات کی شروعات میں جو اخطاء سرزد ہوئیں تھیں ان کے بارے میں بھی متنبہ کیا تھا وہ خود اس جعل

سازی اور غیر مصدقہ اقوال آراء کو اباضیوں کی طرف منسوب کرنے کا مرتکب کیوں ہوا؟ بغیر تحقیق کے ایسی من گھڑت روایات کیوں بیان کیں؟

امام ابوالحسن الاشعری کی اباضیوں پر طنز و تشنیع

اے محترم قاری تو سابقہ فصل میں یہ اچھی طرح جان گیا ہے کہ ابوالحسن نے جن فرقوں اور علماء کو اباضیوں کی طرف منسوب کیا تھا وہ در حقیقت دیگر فرقوں کی طرح بطور فرقہ کے موجود تو نہیں مگر اُن کا اباضی فرقے سے کسی قسم کا تھوڑا یا زیادہ دور کا بھی کوئی تعلق نہیں ہے بلکہ جس فرقے کے اقوال و آراء کو ابوالحسن نے بیان کیا ہے ان پر تو از خود اباضی علماء کی طرف سے مشرک کے فتوے جاری ہو چکے ہیں اس حوالے سے اُن پر شرک کے فتووں سے متعلق اباضیوں کے مقالہ جات کافی ہیں لہٰذا ان فرقوں کا اباضیوں سے کوئی دور کا تعلق بھی نہیں ہے۔ اگر تو مزید اس حوالے سے جاننا چاہتا ہے تو ابوالحسن کے روایت کردہ اُن مقالہ جات کو وہاں سے سن جو اُس نے اباضیوں پر طنز و تشنیع کرتے ہوئے لکھے ہیں اور یہ اقوال و آراء اباضیوں کی طرف طنز تشنیع کی غرض سے جھوٹ پر مبنی من گھڑت منسوب کیے گئے ہیں۔ ابوالحسن کہتے ہیں۔ (اباضیوں نے کہا ہے جس نے پانچ درہم چوری کیے اس کا ہاتھ سزا کے طور پر کاٹ دیے جائیں گے) ان میں سے بعض نے کہا ہے جو شخص بھی مسلمانوں کے دین میں داخل ہو گیا اس پر شریعت کے تمام احکام، قوانین لاگو ہو جائیں گے چاہے اُس نے اُن قوانین کو سنا ہو یا نہ سنا ہو۔ واقفیت حاصل کی ہو یا نہ کی ہو ہر حال میں اُس پر اسلامی شریعی قوانین لاگو ہو جائیں گے۔ اُن میں سے بعض اباضی کہتے ہیں نماز کی طرف جانا حج کے لیے سفر کرنا اور نہ ہی اطاعت کے اسباب میں سے کچھ ہے جن کے ذریعے ان اعمال کی طرف رسائی حاصل ہوتی بلکہ اُن پر عین فعل کرنا ہی واجب ہے۔ اسی طرح تمام اباضیوں کی رائے ہے کہ اُس شخص پر توبہ کرنا واجب ہے جس نے تاویل و تنزیل کی مخالفت کی ہو یا تو وہ توبہ کرے ورنہ قتل کر دیا جائے گا جبکہ اس معاملے میں اختلاف رہا ہے کہ کیا اُس نے جہالت کی بنا پر ایسا کیا یا جانتے ہوئے مخالفت کی۔ اسی طرح انہوں نے کہا ہے! جس نے زنا یا چوری کی اُس پر حد قائم کی جائے گی پھر وہ توبہ کرے اگر وہ توبہ نہ کرے گا تو قتل کر دیا جائے گا۔ ان میں سے بعض نے کہا ہے! کہ جس نے خدا تعالیٰ کی ذات کا انکار کیا وہ اُس وقت تک مشرک نہیں ہو گا جب تک خدا تعالیٰ کے سوا کوئی اور الہ نہ بنا لیا اسی طرح بعض نے کہا ہے! کہ ہر وہ مشروب حلال ہے جس کی زیادہ مقدار نشہ ور ہو صرف شراب بعینہ حلال نہیں باقی تمام مشروبات حلال ہیں چاہے اُن میں کثرت سے نشہ ہی کیوں نہ ہو۔ ابوالحسن کے اباضیوں کی طرف منسوب کردہ یہ وہ اقوال ہیں جن کے پس پردہ اباضیوں پر طنز و تشنیع کے ساتھ ساتھ مسلمانوں کے بقیہ فرقوں میں اس فرقے کو متنفر بنانے جیسے مقاصد کار فرمان ہیں تاکہ دوسرے تمام اسلامی فرقے اس سے نفریت کرنے لگیں۔ آپ اُس کے اس قول میں ذرا غور کرو تمام اباضیوں نے کہا ہے کہ جو شخص تنزیل و تاویل کی مخالفت کرے گا یا تو وہ توبہ کرے ورنہ قتل کر دیا جائے گا۔ لہٰذا وہ اقوال جو ابوالحسن نے اباضیوں یا اُن کے بعض فرقوں کی طرف اپنے گمان کے مطابق منسوب کیے ہیں بہت بڑا تضاد ہے تم اس کا موازنہ اُس کے اس سابقہ قول کے ساتھ کرو اباضی گمان کرتے ہیں کہ نمازیوں میں سے جو بھی اُن کے مخالف ہیں وہ مشرک نہیں بلکہ کفار ہیں ان کی بیویاں اور وراثت حلال ہے۔ کچھ سطروں کے بعد کہتا ہے: "اُن کا قتل اور

قیدی بنانا حرام ہے" یہاں واقعی تضاد نظر آتا ہے اور یہ کہ اس کا مقصد صرف اباضیوں کو اپنی طنز کا نشانہ بنانا ہے۔ ابوالحسن نے ان پر صرف ایک ہی بار تہمت نہیں لگائی بلکہ اُن مصادر اور مراجع پر بھی تہمت لگائی ہے جن پر اُس نے خود اعتماد کیا تھا اور اُن سے سیرابی حاصل کی تھی چاہے وہ مصادر کتابی شکل میں تھے یا صرف زبانی بیان کردہ تھے ہم ابوالحسن کو اس بات پر سزاوار ٹھہراتے ہیں کہ اُس نے اپنی کتاب کے شروع میں خود ہی ان سنگین اور خطرناک امور سے متنبہ کیا تھا وہ یہ کہ جو بھی مقالہ جات فرقوں سے متعلق لکھے گے ان کی اکثریت کذب جھوٹ پر مشتمل ہے اُن میں احتیاط نہیں برتی گئی غیر محقق ہیں روایات کو روایت کرنے میں بہت سی غلطیاں سرزد ہوئی ہیں مگر یہ بات حیران کن ہے کہ ابوالحسن جن خطرناک امور سے ہمیں متنبہ کیا تھا وہ خود اُن کا شکار کیسے ہو گیا اور خود کیسے ان میں گھر گیا اور اسی فریبی سیاست کی چال کا شکار ہو گیا جس چال اور سازش کا شکار اُس کے علاوہ دوسرے مقالہ نگار ہوئے تھے مذہبی تعصب اور طنز و تشنیع کرنے والوں کے دھوکہ میں کیسے آ گیا یہ نہایت ہی عجیب و غریب اور تعجب میں ڈال دینے والی بات ہے۔ ایسے جھوٹے اور مکروفریب والی سیاست کے اشاروں پر چلنے والے لوگ تو بلا استثناء ہر فرقے میں موجود ہیں۔ جب ابوالحسن من گھڑت اور جعل سازی پر مشتمل مقالہ جات اور قصوں کو اباضیوں کی طرف منسوب کرنے کے باب میں داخل ہوتا ہے تاکہ اپنے مخالفین پر طنز کر سکے تو اس نے اپنی سابقہ میں کتاب کے صفحہ نمبر ۱۷۵ پر جو قصہ بیان کیا ہے وہ ذیل میں درج ہے:

"اباضیوں میں سے ایک ابراہیم نامی شخص تھا جس نے یہ فتوی دیا کہ مخالفین کی کنیزوں کو خریدنا جائز ہے اس فتوے سے اور جس نے فتوی دیا تھا اس سے ایک میمون نامی شخص نے برأت کا اظہار کیا۔ ان میں سے ایک ایسی جماعت بھی تھی جو اپنی رائے اور نقطۂ نظر میں نہ حلال تصور کرتی تھی اور نہ ہی حرام سمجھتی تھی خاموش رہی نہ حلال کہا نہ حرام خاموشی اختیار کی بس انہوں نے اس حوالے سے علماء کو فتوی لینے کی غرض سے خطوط لکھے تو ان سب نے یہ فتوی دیا کہ ان کو بیچنا حلال ہے دارِ تقیہ میں لے جانا بھی حلال ہے۔ اہل وقف کو ابراہیم کی خلافت میں رہتے ہوئے اس کے قول کو نہ ماننے پر توبہ کرنے کے لئے کہا گیا اور ساتھ ہی ساتھ میمون کو بھی اپنی رائے سے توبہ کرنے کو بولا گیا اور اس عورت سے بری الذمہ ہونے کو کہا گیا جس کو انہوں نے اپنے ساتھ رکھے رکھا اور وہ فتوی صادر ہونے سے پہلے ہی وفات پا گئی تھی۔ پس اہل وقف میں سے جس نے ابراہیم سے معافی مانگ لی تھی وہ مسلمان سمجھا گیا گویا اس نے اپنے اسلام کو ظاہر کر دیا اور جو اہل وقف میں سے میمون کے ساتھ کھڑے رہے وہ کافر ہیں انہوں نے اپنے کفر کو ظاہر کر دیا اور جو اپنے موقف پر ڈٹے رہے اور توبہ نہیں کی، ثابت قدم رہے اُن کو واقفہ کا نام دیا گیا اُن سے خوارج بری الذمہ ہیں ابراہیم مخالفین کو کنیزوں کو بیچنے کو حلال جاننے کے حوالے سے اپنی رائے پر قائم رہا۔ میمون نے توبہ کر لی اور اپنی رائے سے رجوع کر لیا۔ ابھی یہ قصہ ختم نہیں ہوا بلکہ سات سطروں کے بعد ابوالحسن پھر اسی قصے کی طرف واپس لوٹتا ہے۔ (پھر اس عورت کے معاملے کے حوالے سے جو اختلاف پیدا ہوا تھا دوبارہ شروع ہو گیا اور واقفہ میں سے ایک اور فروعی فرقہ بنا جسے "الضحاكية" کہا جاتا ہے۔ انہوں نے کفار کی جانب سے اس مسلمان عورت سے شادی کرنے کی اجازت دے دی جو دارالتقیۃ میں رہتی ہو جیسا کہ ان میں سے ایک آدمی دارالتقیۃ میں رہنے والی اپنی قوم میں سے کسی کافر عورت سے شادی کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ رہی دارالاعلانیہ

کی بات تو اس کے حوالے سے ان کے حکم کا جواز ملتا ہے اس میں وہ اس بات کو حلال نہیں سمجھتے۔ الضحاکیۃ میں سے ایک ایسا فرقہ بھی ہے جو اپنے فعل سے بری الذمہ نہیں ہوا۔ انہوں نے کہا ہے کفار کی طرف سے اس شادی شدہ عورت کو مسلمانوں جیسے حقوق نہیں دیں گے اور نہ ہی اس کی وفات پر جنازہ پڑھیں گے۔ کچھ اس موقف پر قائم رہے اور کچھ اس سے بری ہو گئے۔ اصحابِ حدود میں بھی اختلاف کیا ہے کچھ ایسے ہیں جو ان سے بری ہوئے ہیں اور کچھ ایسے ہیں جنہوں نے ان کو مانا ہے اور کچھ ایسے ہیں جنہوں نے خاموشی اختیار کی ہے۔ ان لوگوں کا دارالکفر کے حوالے سے بھی اختلاف ہوا ہے۔ کچھ ایسے ہیں جنہوں نے کہا ہے کہ وہ مشکوک ملک کے باشندے ہیں ہم صرف اس کو اپنا دوست اور ولی سمجھیں گے جس کے اسلام کے بارے میں ہمیں پہچان ہو گی کہ یہ مسلمان ہے اور اس کے لیے ہم خاموشی اختیار کریں گے جس کے اسلام کا ہمیں علم نہیں ہو گا بس ان میں سے بعضوں کو بعضوں نے مان لیا ہے اور کہا کہ خلافت مشترک ہے ان کو اصحابِ نساء کا نام دیا گیا۔ واقفہ میں سے جو باقی تھے جنہوں نے مخالفت کی تھی ان کو اصحاب عورت کا نام دیا گیا۔ بس واقفہ کے دو فرقے بن گئے ان کے ساتھ کفار کی عورت سے نکاح جائز قرار دیتے ہیں اور دوسرا فرقہ جو عبدالجبار بن سلیمان کی طرف منسوب کیا جاتا ہے اور یہ کافر عورت سے نکاح کرنے کے حوالے سے خود کو بری الزمہ کہتے ہیں یہ عبدالجبار وہ ہے جس نے اپنی بیٹی ثعلبۃ کی منگنی کی اور اس کی بلوغت کے حوالے سے منکر ہو گیا تھا شاید وہ ابھی سن بلوغت کو نہیں پہنچی تھی تو اس حوالے سے اس نے اس کی ماں سے پوچھا یہاں تک کہ ثعلبۃ اور عبدالکریم کے درمیان اختلاف ہو گیا اتفاق کے بعد اختلاف ہوا۔ رہا عبدالجبار جس نے اپنی بیٹی ثعلبۃ کی منگنی کی تھی اس نے ثعلبۃ کا حق مہر چار ہزار درہم طلب کیا۔ منگیتر نے کنیز کی ماں کو ایک عورت کے ساتھ بھیجا جس کو ام سعید کہا جاتا ہے تاکہ پتہ لگا سکے اسکی بیٹی سن بلوغت کو پہنچ چکی ہے یا نہیں اس نے کہا اگر وہ سن بلوغت کو پہنچ چکی ہے اور اسلام کا اقرار کر لیا ہے تو مجھے اس کے حق مہر کے حوالے سے کوئی اعتراض نہیں۔ ام سعید نے اس تک یہ پیغام پہنچا دیا۔ اس نے کہا میری بیٹی مسلمان ہے بالغ ہوئی ہے یا نہیں اس بات کو بتانے کی کوئی ضرورت نہیں اس نے اس کو دوبار ایسے ہی جواب دیا اسی وقت ثعلبۃ بھی آ گئی دونوں کے جھگڑے کو سن لیا ان کو اس معاملے کے حوالے سے منع کیا پھر اوپر سے عبدالکریم ان کے پاس آیا۔ ثعلبۃ نے اسے بھی اس بات سے آگاہ کیا عبدالکریم نے یہ گمان کیا کہ جب یہ بلوغت کو پہنچے گی تب اس پر اسلام کا اقرار کرنا ضروری ہے اور جب تک یہ اسلام کا دعوی نہیں کرتی تب تک اس سے دور رہا جائے اس پر ثعلبہ نے اس کو جواب نہیں دیا بلکہ وہ اس کی ولایت میں جوان ہوئی ہے اگر یہ اسلام کا دعوی نہیں کرے گی تو اس کا اسلام نہیں پہچانا جائے گا پس اس نقطۂ نظر سے بعض نے بعض سے برات کا اظہار کیا اس طرح یہ قصہ اپنی انتہا کو پہنچا جس نے بہت بڑے امام کی بہت زیادہ مشقت کروائی اور اس کی قیمتی کتاب میں کھلی جگہ گھیر لی اور مزید یہ کہ قاری کے قیمتی وقت کو ضائع کیا۔ جبکہ یہ بات واضح ہے کہ اس قصے کی کوئی اہمیت نہیں۔ ہاں کسی حد تک ہنسی مذاق کا سبب ضرور بنایا پھر ایسی چیز کا جو لوگوں کی مشکلات اور دہشت انگیزی کا سبب بنتی ہے اس قصے میں تمام کردار نامعلوم افراد ہیں اس قسم کے قصے ایک کاتب روزانہ کے حادثات سے متعلق سے ٹکڑوں لکھ سکتا ہے۔ جو لوگوں کے جھگڑے کا باعث بنتے ہیں۔ کچھ ان سے اختلاف اور کچھ جھگڑتے ہیں اور بعض بعض پر طعن کرتے ہیں۔ ایسے قصوں کو ہلاکت اور بربادی کے

حوالے سے جانا جاتا ہے۔ بعض اوقات ان قصوں سے لوگوں کے درمیان جھگڑا اس حد تک پہنچ جاتا ہے کہ وہ یا تو عدالتوں کے کٹہرے میں یا پھر جیلوں میں چلے جاتے ہیں۔ اس طرح کے بہت سے معاملات ہم تمام معاشروں میں دیکھتے اور سنتے بھی ہیں۔ اس طرح کے گھٹیا قصے بعض اوقات لوگوں کے درمیان عجیب و غریب ہلچل مچا دیتے ہیں۔ اگر ابوالحسن نے اپنی کتاب کو لغویات اور افتراپردازیوں سے صاف رکھا ہوتا اور خود اپنی ذات کو ان من گھڑت غیر مصدقہ حکایات سے محفوظ رکھا ہوتا تو اُس کی عزت تکریم کہیں زیادہ ہوتی۔ اگر ابوالحسن نے اس قصے کو اباضیوں کی طرف نہ منسوب کیا ہوتا تو میرے نزدیک اس دورِ حاضر میں اُس کا منفرد عزت و مقام ہوتا مگر افسوس اُس کے اس قصے کو اباضیوں کی طرف منسوب کرنے کی وجہ سے مجھے بھی کچھ اہم پہلوؤں کے حوالے سے تنقید کرنی پڑ رہی ہے۔ وہ نقطے ذیل میں پیش کیے جاتے ہیں۔

۱۔ اس قصے میں چند شخصیات کے نام آتے ہیں وہ ہیں ابراہیم، میمون، عبدالجبار سلیمان، ثعلبہ، عبدالکریم بن عجرد، اُم سعید وغیرہ اسی طرح اس میں کچھ شخصیات کے اوصاف بیان کیے گئے ہیں جیسا کہ علماء کنیزیں ثعلبہ عورت وغیرہ۔ یہ تمام شخصیات نامعلوم ہیں چاہے ان کے نام ذکر کیے گئے ہیں یا پھر اوصاف ہر حال میں یہ مجھول اور نامعلوم ہیں اُن کے حوالے سے کسی بھی چیز کا کوئی علم نہیں اور نہ ہی اس سے متعلق اس جھگڑے کی کوئی علمی تحقیق کے اعتبار سے قیمت ہے جو نامعلوم افراد کے درمیان واقع ہے ایسے لغو قصوں سے عقائد کو ثابت نہیں کیا جا سکتا اسی طرح ایسی آراء کی بنیاد پر امت کے فرقوں سے متعلق نہیں لکھا جا سکتا ابوالحسن نے ان افراد سے متعلق کچھ بھی ذکر نہیں کیا لہٰذا ان کو اباضیوں کے کھاتے میں ڈال دینے کے لیے یہی کافی ہے؟ کیا وجہ ہے اس کو دوسرے مالکی شافعی معتزلی اور شیعہ جیسے اسلامی فرقوں میں نہیں رکھا جا سکتا صرف اباضیوں سے کیوں منسوب کیا گیا ہے پھر اگر یہ فرض بھی کر لیا جائے کہ لوگ اباضیوں میں سے یا دوسرے اسلامی فرقوں میں سے ہیں تو کیا یہ موقف ایک دوسرے پر لعن طعن اور جھگڑے کے لیے کافی ہے کہ ہر شخص اپنے مخالف کے لیے ایک خاص قسم کی رائے بنالے اور کسی فرقے کا سربراہ بن جائے۔

۲۔ اس نوعیت کے اختلاف ہر زمانے میں امت اسلامیہ کے تمام فرقوں اور گروہوں میں پائے جاتے ہیں یہاں تک کہ بعض اوقات ایک ہی فرقے کے اندر باہمی اختلاف پائے جاتے ہیں تو پھر اس جھگڑے کی کون سی انفرادیت تھی جس کی بنا پر ابوالحسن نے خاص اہتمام کیا اور اپنی کتاب میں اُس کو ثابت کرنے کی کوشش کی۔

۳۔ اگرچہ اس قصے میں مذکور ناموں کے حوالے سے تحقیق کرنے میں فائدہ ہی ہے مگر پھر بھی میں ان ناموں (ابراہیم ، سلیمان، ثعلبہ عبدالکریم، میمون) کے حوالے سے تحقیق کی ہے یہاں تک کہ ہر ایک نام سے متعلق جانچ پڑتال کی ہے شاید کسی کا کوئی قریبی نہ سہی دور کا ہی تعلق اباضیوں کے ساتھ نکل آئے اس حوالے سے میں نے مصادر اباضیہ کے تاریخی مراجع اور مقالہ جات کو بھی کھنگالا پھر میں نے یہ کوشش بھی کی کہ میں اس قصے کے مشابہہ ہی کوئی قصہ اباضیوں کے لٹریچر میں تلاش کر سکوں مگر مجھے کوئی قصہ اس کی مثل بھی نہیں ملا بلکہ اس تحقیق کے دوران مجھے یہ علم ہوا کہ یہ اسماء بعض خوارج کے مستقل فرقوں کی طرف منسوب کیے جاتے ہیں جن کا وجود ہے جیسا کہ الثعالبہ، العجاردہ اور المیمونیہ وغیرہ۔ افسوس سے کہنا

پڑ رہا ہے کہ اس طرح کا کوئی قصہ تاریخی یا دینی اعتبار سے اباضیوں سے تعلق رکھتا ہے اور نہ ہی اباضی اسے جانتے ہیں اس طرح کے قصے صرف ملکی توجہ کو مبذول کرنا چاہتے ہیں حقیقت میں اباضی اس طرح کے جھگڑوں میں کبھی پڑے ہی نہیں جیسا کہ لونڈیوں کو بیچنا یا پھر ثعلبہ کی منگنی وغیرہ اور نہ ہی کبھی ایسی سرگرمی میں ملوث ہوئے ہیں جو لعنتوں کا سبب بنے اور جس سے طعن و تشنیع کا بہاؤ تیزی اور گرمی پکڑے بس اس قصے اور اس کے کرداروں کو علماء اباضیہ کی طرف منسوب کرنا تاریخی جھوٹوں میں سے ہے اور تاریخی من گھڑت جعل سازی پر مبنی افتراپردازیاں ہیں جن کو اگر کسی کے پاس تھوڑا سا حیاء بھی ہو تو بیان نہیں کرتا مگر اگر کوئی ان کو جائز سمجھے تو پھر چاہے وہ عظیم علماء میں سے ابوالحسن ہی کیوں نہ ہو وہ بھی بیان کر سکتا ہے اُس کو اس سے کوئی سروکار نہیں کہ یہ مصدقہ بات ہے یا ایک تہمت۔ اس قصے کو منسوب کرنے کی صرف ایک ہی غرض اور مقصد نظر آتا ہے وہ ہے اباضیوں کو مزید فروعی فرقوں میں تقسیم کرنا، دوسرے فرقوں کے ہاں اس کے حوالے سے نفرت پھیلانا اور متشدد فرقہ ثابت کرنا ہے تاکہ تمام اسلامی مذاہب اس فرقے سے دینی اور اعتقادی جذبات اور غیرت دینی کی بنا پر الگ ہو جاہیں۔ اس قصے کو گھڑنے والے کو یہ موقع مل گیا ہے کہ وہ اباضیوں کو فروعی فرقوں میں تقسیم کرے جیسا کہ ضحاکیہ، اصحاب النساء اصحاب المرأة، الواقفۃ۔ اس ساری گفتگو کا خلاصہ یہ ہے جو شخص اباضیوں پر طعن و تشنیع اور تنقید کرنا چاہتا تھا اُس نے اس قصے کو خود سے گھڑ کر جعل سازی کرتے ہوئے بیان کر دیا پھر اس کو ابوالحسن نے پایا تو اس نے فرقوں سے متعلق اپنی آراء کے تناظر میں بغیر تحقیق کے بیان کیا اور پورے اہتمام سے ثابت کرنے کی کوشش کی کاش ابوالحسن اس قصے کو جب لکھ رہا تھا تو اس کو اُس کے اصل مصدر کی طرف منسوب کرتا تاکہ اسکی عزت عظمت برقرار رہتی اور کسی بھی قسم کی ذمہ داری سے بری ہوتا اور منصب بھی اپنے حقیقی لوگوں کو واپس لوٹا دیا جاتا جن کا یہ من گھڑت قصہ تھا انہی کی طرف لوٹ جاتا۔

اباضی مقالہ جات امام الاشعری کی نظر میں

محترم قاری یہ بات بخوبی جان چکا ہے کہ ابوالحسن الاشعری یہ گمان کرتا تھا کہ اباضی سابقہ ذکر کردہ فرقوں میں سے وجود پاتے ہیں لیکن ہم نے قاری کے لیے یہ ثابت کر دیا کہ اباضیوں اور ان کے درمیان کسی قسم کا کوئی تعلق نہیں جیسا کہ وہ اپنے گمان کے مطابق اباضی مقالہ جات پیش کر رہا تھا۔ اس فصل میں ہم امام الاشعری کے اباضیوں کی طرف منسوب کردہ تمام مقالہ جات کا جائزہ لیں گے کیا ابوالحسن نے اپنی کتاب میں اباضیوں سے متعلق منسوب کردہ آراء میں ان لوگوں کی پیروی تو نہیں کی جو محض طعن و تشنیع اور تنقید کرنا چاہتے ہیں جو کبھی تو غموض کا شکار ہوئے تو کبھی وہم والی عبارتوں کے معنی مفہوم کو مکمل طور پر نہیں سمجھ سکے جیسے کہ انہوں نے مجرد اقوال کو منسوب کرنے یا اپنی خاص اغراض کے پیش نظر تبدیل کر کے پیش کرنے کو آسان سمجھا؟ ابوالحسن اپنی کتاب (مقالات الاسلامیین) میں اباضیوں سے متعلق بیان کرتے ہیں! ((اباضیوں کی اکثریت خوارج ہیں اور یہ گمان کرتے ہیں کہ اُنکے اہل نماز مخالفین کفار ہیں مشرک نہیں ہیں اُن کی بیویاں اُن کی وراثت اُن کے اموال اور جنگی اسلحہ وغیرہ سب حلال ہے اس سب کے علاوہ جو بھی ہے وہ حرام ہے اُن

کا قتل کرنا مخفی طریق سے اُن کو قیدی کرنا بھی حرام ہے سوائے اُس کے جس نے دارالتقیہ میں رہتے ہوئے شرک کی طرف دعوت دی یا نیا دین اپنانے کی کوشش کی۔ دار سے مراد مخالفین کا وطن یعنی وہ بھی دارالتوحید ہے سوائے فوج یا بادشاہ کا ٹھکانہ وہ دارالتوحید نہیں ہے۔ بلکہ دارالکفر ہے۔ اسی طرح ان سے یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ انہوں نے مخالفین کی اپنے دوستوں کے حق میں گواہی قبول کرنے کو جائز قرار دیا ہے اگر وہ سرکشی کریں تو ان کے مال و دولت ان کے خون کو حرام قرار دیا ہے یہاں تک کہ وہ اپنے دین کی طرف نہ بلائیں۔ اس معاملے میں خوارج ان سے مکمل طور پر بری ہیں اور کہا ہے کہ کیونکہ ہر فرمانبرداری ایمان اور دین ہے کبیرہ گناہ کا ارتکاب کرنے والے توحید پر ایمان رکھنے والے تو ہیں مگر انہیں مومنین نہیں کہا جائے گا۔ ابوالحسن الاشعری اپنی کتاب میں ایک اور مقام پر کہتے ہیں (اباضی کہتے ہیں اللہ تعالیٰ نے جو کچھ اپنی مخلوق پر فرض کیا ہے وہ ایمان ہے اور ہر کبیرہ گناہ کفر نعمت ہے نہ کہ کفر شرک اور بے شک کبیرہ گناہوں کا ارتکاب کرنے والے ہمیشہ جہنم میں رہیں گے اسی طرح اباضیوں کی اکثریت یہ مؤقف رکھتی ہے کہ مشرکوں کے بچوں کو آخرت میں عذاب ہو گا اور یہ جواز پیش کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ آخرت میں انتقامی انداز میں تکلیف نہیں دے گا اور یہ بھی جواز پیش کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کو جنت میں اپنے فضل سے داخل کرے گا ان میں سے بعضوں نے یہ بھی کہا ہے اللہ تعالیٰ ان کو عذاب مجوزہ طریقے کی بجائے ایجابی انداز میں عذاب دے گا۔ اسی کتاب کے ۱۸۶ صفحے پر وہ کہتے ہیں ان کی کتابوں کے مؤلف اور متکلم عبداللہ بن حزب اور یحییٰ بن کامل ہیں اور یہ سب اباضی ہیں اسی کتاب کے صفحہ نمبر ۱۸۹ میں کہتے ہیں کہ بے شک اباضی لوگوں پر تلوار نہیں اٹھانا چاہتے بلکہ وہ صرف ظالم اماموں اور حکمرانوں کا ازالہ کرنے کے ساتھ ساتھ ان کو تلوار کے بل بوتے پر امامت یا خلافت پر قبضہ کرنے سے روکتے ہیں۔ ابوالحسن نے جو کچھ اباضیوں اور ان کے مقالہ جات سے متعلق بیان کیا ہے ان سب میں زیادہ یہ اہم بات ہے جو میں محترم قاری کے لیے اس سے پہلے بھی بیان کر چکا ہوں۔ یہاں قاری کے لیے میں یہ وضاحت کرنا چاہتا ہوں کہ اس فصل میں ابوالحسن نے جتنے نام ذکر کیے ہیں سوائے دو ناموں کے ان تمام کا اباضیوں سے کوئی تعلق نہیں ہے اور وہ دو نام عبداللہ بن اباض یہ وہ امام ہیں جن کی طرف یہ مذہب منسوب کیا جاتا ہے۔ دوسرے عبداللہ بن یزید انفرادی جو کہ شروع میں اباضی تھا پھر ان سے بعض مسائل میں مخالفت کر کے الگ ہو گیا اور الگ سے اپنا ایک نیا فرقہ منظم کیا جسے 'الفکار' کہتے ہیں۔ ابنِ ندیم نے اس کی طرف بہت سی کتابوں کو منسوب کیا ہے ان میں سے کتاب التوحید، کتاب الرّد علی المعتزلۃ، کتاب الرّد علی الرافضۃ، کتاب الاستطاعۃ میں یہ تو نہیں جانتا کہ یہ کتابیں اپنی جگہ سلامت ہیں یا نہیں مگر اس فرقے کا میری معلومات کے مطابق کوئی وجود باقی نہیں بچا۔ رہے محمد بن حرب اور یحییٰ بن کامل جن کا ابوالحسن نے یہ ذکر کیا ہے کہ وہ اباضیوں کے مؤلفین اور متکلمین میں سے ہیں۔ گویا کہ اس نے سابقہ کے حوالے سے شک کے انداز میں بیان کیا ہے لیکن ان کے حوالے سے وہ مکمل یقین سے کہہ رہا ہے حالانکہ میری معلومات کے مطابق وہ ان کا کوئی تعلق یا ذکر اباضیوں کے ہاں نہیں پاتا۔ یہاں بڑے افسوس سے مجھے اس عظیم امام کی نص کو رد کرنا پڑ رہا ہے۔ اگر وہ چاہے تو ان دونوں کو کسی اور فرقے میں جمع کر دے مگر اباضیوں کے ہاں ان کی کوئی جگہ نہیں کیونکہ اُن کی لائبریروں میں ان کی کتابوں کا کوئی اثر اور نشان نہیں ملتا وہ لائبریریاں جو پہلی صدی ہجری سے اباضی تراث کی محافظ بنی

ہوئی ہیں۔ ان لائبریریوں نے جابر اور ابوعبیدۃ کے مراسلات کو محفوظ رکھنے کے ساتھ ساتھ جابر بن عبداللہ کے دیوان عبدالرحمن بن رستم کی تفسیر، اور تفسیر ابویعقوب الوار جلانی کو بھی مکمل حفاظت سے رکھا ہوا ہے اور ذرا سی چیز بھی اُن میں سے ضائع نہیں ہوئی۔ اباضی تاریخی اور شریعی کتب میں ہمیں ان دولوگوں کی کتابوں کا کہیں کوئی ذکر نہیں ملتا نہ ہی ان کے مقالہ جات اور مؤلفات کا ذکر ملتا ہے جیسا کہ اُن سابقہ کا کوئی ذکر نہیں ملتا جن کو ابوالحسن نے اباضیوں کی طرف منسوب کیا ہے۔ میں یہ ساری بات مطلقاً قاری کے لیے نفی کی نہیں کر رہا بلکہ جتنا میں نے اپنی بساط کے مطابق اباضیوں کی کتب کا مطالعہ کیا ہے اس کے مطابق بات کر رہا ہوں ورنہ تو اباضیوں کی تمام کتب کا مطالعہ کے ذریعے احاطہ کرنا ممکن ہی نہیں۔ اگر کوئی کہنے والا یہ کہے کہ ہو سکتا ہے ان کی کتابیں ضائع ہوگئی ہوں۔ میں کہتا ہوں یہ بات بالکل درست ہے کتابوں کا ضائع ہونا ممکنات میں سے ہے مگر اس کا جواب میں کچھ یوں دوں گا کہ ٹھیک ہے وہ کتابیں ضائع ہوگئی مگر پھر بھی کہیں اُن کا نام یا تذکرہ تو لوگوں کی زبانوں پر ہونا چاہیے تھا یا کبھی کسی نے اُن کی کسی کتاب کے نام کا ذکر تو کیا ہوتا یہ ضروری نہیں کہ اُن سے کچھ اخذ کیا جاتا مگر نام کی حد تک تو ہمیں کہیں ان کتابوں کا ذکر ملتا ہم یہ بات وثوق سے کہہ سکتے ہیں کہ اُن کی کتابیں یا وہ خود بالکل اباضیوں سے کوئی تعلق نہیں رکھتے جیسا کہ وہ اباضیوں کے غیر معروف ہیں یہاں تک کہ جن علماء نے ان کا فرقوں کی تعداد میں ذکر کیا ہے قطب اور عبدالکافی وغیرہ تو انہوں نے بھی اباضیوں کی بجائے دوسروں کے مصادر مراجع پر اعتماد کیا ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ اباضی ہی وہ پہلا اسلامی فقہی مذہب ہے جس نے کتابوں کی تالیف تصنیف کا اہتمام کیا اور اُس کو محفوظ بھی رکھا خاص طور پر اپنے آئمۃ اور علماء کے تراجم، سیرت، تذکرے وغیرہ کا اہتمام بھی بہت خوب کیا اس لیے میری اطلاع اور معلومات کے مطابق ان لوگوں کا اُن میں کوئی تذکرہ نہیں ملتا۔ پس ثابت یہ ہوتا ہے کہ یہ لوگ اباضی نہیں ان کو اباضیوں کی طرف غلط منسوب کیا گیا ہے ایک تو یہ کہ ہم نے اس بات کی وضاحت کر دی ہے کہ ابوالحسن اباضیوں سے متعلق کچھ نہیں جانتا اور جو کچھ ان کی طرف منسوب کیا ہے وہ سب غلط اور جہالت ہے صرف اباضیوں پر طعن و تشنیع اور تنقید کرنے کی غرض سے کیا گیا ہے رہی بات ان مقالہ جات کی جن کو اباضیوں کی طرف عمومی طور پر منسوب کیا گیا ہے اور میں نے ان میں سے بعض کو نقل بھی کیا ہے۔ یہ سب محفوظ ہیں۔ جن میں سے بعض چیزوں کا اباضی اقرار کرتے ہیں اور بعض کا انکار کرتے ہیں اور اس کا رد پیش کرتے ہیں اور اسی طرح جو مرتد اور کافر ہے اس پر حکم بھی لگاتے ہیں مگر جو کچھ ان مقالہ جات میں ان کے عقائد کے موافق آیا ہے وہ اتفاقی طور پر آیا ہے معرفت اور تحقیق کے راستے سے نہیں آیا۔ میں اس فصل کے خاتمے پر محترم قاری کے لیے ایک نئی بات کہنا چاہتا ہوں وہ یہ ہے کہ میں ابوالحسن کو شکوک وشبہات میں رکھ رہا ہوں اور اس کی طرف غلطی اور لغزش اس پہلو کے لحاظ سے منسوب کرتا ہوں کہ جن مصادر مراجع سے اس نے ان اقوال کو نقل کیا ہے اور جن مصادر پر اعتماد کیا ہے وہ مصادر مراجع ایسے زمانے کے تھے جس میں بہت زیادہ جھگڑے ہوا کرتے تھے ہم ابوالحسن کے متعلق اپنے جائزے کا خلاصہ مندرجہ ذیل نکات کے تحت پیش کرتے ہیں۔ ۱۔ جن شخصیات کو ابوالحسن نے اباضی فروعی فرقوں کا سربراہ یا ان کے مؤلفین متکلمین اعتبار کیا ہے ان کا اباضیوں کے ہاں کوئی وجود نہیں۔ ۲۔ اباضی ان لوگوں اور ان کے فرقوں سے متعلق کچھ نہیں جانتے۔ ۳۔ اباضی ان فرقوں میں سے جن کو ابوالحسن نے ان

کی طرف منسوب کیا ہے کسی ایک کو بھی نہیں جانتے اور نہ ان کے اقوال کو جانتے ہیں۔ ۴۔ جن اقوال کو عمومی طور پر اباضیوں کی طرف منسوب کیا گیا ہے یہ مخلوط ہیں۔ بعض اباضیوں کے موافق ہیں اور بعض کو رد کرتے ہیں۔ ۵۔ اباضیوں نے عملی طور پر دوسری صدی ہجری سے کتابیں لکھنی شروع کیں کتابوں اور علماء کا سلسلہ آج کے دن تک جاری ہے مگر اس تسلسل میں اس کا کوئی ذکر نہیں ملتا جس کو ابوالحسن نے ان کی طرف منسوب کیا ہے ابوالحسن اشعری تیسری صدی ہجری میں بھی موجود تھا اور تیس سال چوتھی صدی ہجری میں بھی گزارے۔ اس کے زمانے میں امام اور علماء، مفسر، محدث، متکلم اور فقہا مشرق مغرب اور اسلامی دارالخلافوں میں کثرت سے موجود تھے اس نے ان میں سے کسی ایک کا بھی ذکر نہیں کیا اور نہ ہی ان کی کتابوں کی طرف اشارہ کیا ہے۔ ۶۔ جس زمانے میں ابوالحسن موجود تھا وہ زمانہ مشرق و مغرب میں اباضیوں کی علمی ترقی کا زمانہ تھا مگر اس کے باوجود اس نے علماء اباضیہ میں سے اپنے ہم عصر کسی کی طرف بھی اشارہ تک نہیں کیا۔ اس کا مطلب ہے کہ جن کے متعلق ابوالحسن نے لکھا ہے ان کا حقیقت میں کوئی وجود نہیں بلکہ عملی طور پر حقیقی اباضی موجود ہیں جو دیگر لوگوں کی طرح عام زندگی گزار رہے تھے مگر ان کا کوئی وجود نہیں جن سے متعلق ابوالحسن نے لکھا ہے یعنی ابوالحسن نے حقیقی اباضیوں سے متعلق کچھ نہیں لکھا جب سے ابوالحسن نے اپنی کتاب "مقالات الاسلامیین" تالیف کی ہے تب سے یہ کتاب مقالہ نگاروں کے لیے سیرابی کا چشمہ اور مرجع بن گئی ہے تمام مؤلفین اسی کی طرف رجوع کرتے ہیں اور اسی میں سے نقل کرتے ہیں چاہے وہ غلط ہو یا ٹھیک، حق ہو یا باطل اس سے ان کو کوئی سروکار نہیں کبھی کبھی بعض کو ذکر کرتے ہیں اور کبھی اس کا معنیٰ بیان کرتے ہیں کبھی اس کی طرف اشارہ کر دیتے ہیں اور کبھی اشارے سے بھی غفلت برتتے ہیں ہو سکتا ہے کہنے والا یہاں یہ کہے کہ اس کتاب کے علاوہ جو اور کتابیں بھی ہیں جو اسی موضوع پر اس سے پہلے یا بعد میں لکھی گئی ہیں۔ تو میں کہتا ہوں یہ بات ٹھیک ہے مگر اس کا جواب ہے کہ ابوالحسن کی شہرت اس کا علمی مرکز اور متنازعہ میدانوں میں پختہ دلائل کی بناء پر یہ کتاب درجۂ شہرت پاگئی اور دوسری دو کتابوں پر پردہ ڈال دیا اور بعد میں آنے والے مؤلفین کے لیے یہ کتاب معتبر، معتمد اور اہم مرجع بن گئی۔ میں اس فصل کو اپنی جس بات پر ختم کرنا چاہوں گا وہ ایک اندیشہ ہے جس کا ازالہ کرنا ضروری ہے ہو سکتا ہے یہ سمجھا جائے کہ وہ جابر بن عبداللہ اور ابوعبیدہ کے شاگردوں میں سے ہو اور ان میں سے کسی ایک سے علم حاصل کرنے کی وجہ سے مشہور ہو گیا ہو اور لوگوں نے اس کو اباضی گمان کر لیا ہو جب کہ وہ اباضیوں میں سے نہیں تھا یا یہ اس نے بعض اقوال ایسے کہے ہیں جن سے اباضیوں نے اعراض کیا اور اپنوں میں سے نہیں گردانا۔ نہ ہی ان کا سیرت میں تذکرہ کیا ہے ان کے غیروں نے اس کو اباضیوں کے زمرے میں داخل کرنے کا گمان کیا ہے۔

اباضی اور عبد القاہر بن طاہر البغدادی

ابوالحسن الاشعری کے تقریباً ایک صدی بعد ایک اور مؤلف آئے جنہوں نے فرقوں سے اور اسلامی مقالہ جات سے متعلق بات کرنے کا اہتمام کیا وہ ہیں عبد القاہر بن طاہر البغدادی یہ بھی ایک بار مؤلفین کے درمیان مشہور ہوئے۔ بغدادی نے بھی دوسروں کی طرح فرقوں سے متعلق اپنی کتاب (الفرق بين الفِرق) میں بات کی جس کی تحقیق استاذ محمد محی الدین عبد الحمید نے کی اور اُس پر تعلیق لگانے کے ساتھ ساتھ اسکی اشاعت بھی کی محترم قاری اس کتاب کا مطلق مقدمہ پڑھنے سے ہی محسوس کرے گا گویا وہ ایک آگ کی گرم بھٹی میں داخل ہو گیا ہے اور ایک ایسے جنگجو کی مرافقت میں چل رہا ہے جو مکمل طور پر اسلحے سے لیس ہے گویا اُس نے میدان جنگ میں ایک ہی وقت میں بہت سے اپنے مدمقابل دشمنوں کو پچھاڑنا ہو۔ یا پھر وہ ایک ایسا شخص محسوس ہو گا جیسے خدا تعالیٰ نے حساب وکتاب کے دن راستے میں فیصلہ کرنے اور حکم لگانے کا اختیار دے کر کھڑا کر دیا ہو بس جب وہ دور سے آتے ہوئے کسی گروہ کو دیکھے تو ان کو مخاطب ہو کر اُن کی اپنے نقطہ نظر کے مطابق پائے تو بولے اے گروہ تم اہل سنت ہو تمہاری بخش ہو چکی اس جنتی راستے پر چلے جاؤ یعنی جو راستہ جنت کی طرف جا رہا ہے اُس پر جا سکتے ہو۔ اسی دوران وہ ایک اور گروہ کو آتے ہوئے دیکھتا ہے اور چیخ کر بولتا ہے اے گروہ تم اہل ہوا اور بدعتی ہو اس جہنم کی طرف جانے والے راستے پر چلتے ہوئے جہنم کی طرف چلے جاؤ پھر ایک اور گروہ وہاں آتا ہو دیکھ کر زور سے آواز دیتا ہے، اے وہاں چلنے والوں تم معتزلہ ہو جو کہ ایک گمراہ فرقہ ہے چلو دوزخ میں داخل ہو جاؤ۔ رہی بات تمہاری اے بد بخت فرقہ بس تمہارے بارے بھی یہ کہا جا چکا ہے کہ تم دین اسلام سے نکل چکے ہو لہٰذا تم بھی جہنم میں داخل ہو جاؤ اور جہنم کتنا ہی برا ٹھکانہ ہے۔ اے محترم قاری اگر تو یہ خواہش کرے کہ مذکورہ بالا صورتحال کی وضاحت تفصیل سے ہو سکے۔ اُس کی یہ کتاب (الفرق بين الفِرق) کا مطالعہ کرو باقی اُس میں سے اگر تم چاہو، میں چند نمونے تمہارے لیے پیش کروں تو مجھے اس میں کوئی مسلۂ نہیں۔ اُس کی کتاب کے مقدمے میں سے چند وہ فقرے جن کو اُس نے اپنے قوی اسلوبِ بیان فصاعت بلاغت کا رنگ بھرتے ہوئے ذکر کیا ہے۔ ((اگر تم رسولِ پاک ﷺ سے منقول حدیث ماثور کی شرح کے بارے میں اپنی مراد کے حوالے سے پوچھنا چاہتے ہو وہ حدیث جس میں یہ ذکر ہوا ہے کہ میری امت کے ۷۳ فرقے ہوں گے جن میں سے صرف ایک فرقہ نجات پانے والا اور جنتی ہو گا باقی تمام دوزخی ہوں گے اور جہنم کی طرف لوٹائے جائیں گے لہٰذا تم نے اُن فرقوں میں سے نجات پانے والا اور جنتی فرقے کی معرفت طلب کی ہے اور تم جاننا چاہتے ہو کہ وہ نجات پانے والا جنتی فرقہ کون سا ہے جس کا نہ کبھی پاؤں پھسلا یعنی کوئی غلطی سرزد نہیں ہوئی اور نہ ہی کبھی خدا تعالیٰ کی کرم نوازیاں اُن سے منقطع ہوئی ہیں اور ان گمراہ فرقوں کے بارے میں جو اندھیروں کو نور اور روشنی گمان کرتے ہیں، حق کے عقیدے کو تباہی سمجھتے ہیں وہ عنقریب آگ کی لپیٹ میں ہوں گے اور خدا تعالیٰ کے علاوہ اپنا کوئی مددگار بھی نہیں پائیں گے۔ میں نے تمہاری ضرورت پوری کرنا اپنا دینی فریضہ سمجھا یہ کہ میں اُس دین قویم اور صراط مستقیم کی وضاحت کروں اور اُس کا دوسرے گمراہ فرقوں سے فرق بیان کرتے ہوئے وضاحت کروں کہ وہ کون سا کامیاب جنتی فرقہ ہے؟ کتاب کے اسی صفحے پر اُس نے ذکر کیا ہے کہ اُس کی کتاب پانچ ابواب پر مشتمل ہے۔ پہلا باب حدیث ماثور کے بیان میں جس میں امت کے

۷۳ فرقوں کے حوالے سے بیان ہوا ہے۔ دوسرا باب کون کون سے فرقے امتِ اسلامیہ میں سے مکمل طور شمار ہوتے ہیں اور کون سے ایسے ہےن جو ان میں سے مکمل طور پر نہیں شمار ہوتے۔ تیسرا باب، ہر گمراہ فرقے کی گمراہیاں اور رسوایاں۔ چوتھا باب ان فرقوں کے بیان میں جن کو اسلام کی طرف منسوب کیا جاتا ہے بلکہ فی الحقیقت وہ اسلامی نہیں ہیں۔ پانچواں باب کامیاب فرقے کے بیان میں اور اسکی یقینی کامیابی کے ساتھ ساتھ دین اسلام کے محاسن کا بیان۔ اس طریقے سے مؤلف نے اپنے مختصر کلام کے ذریعے لوگوں کو تین حصوں میں تقسیم کر دیا ہے۔ ایک قسم وہ جو امت اسلامیہ سے خارج ہے اُن سے متعلق بات کرنے کا کوئی فائدہ ہی نہیں۔ دوسری قسم اہل ھویٰ۔ اس قسم کے حوالے سے اُس نے کتاب لکھی تا کہ اُن کی بدعات اور گمراہیوں رسوایوں سے پردہ ہٹا سکے۔ تیسری قسم اُن لوگوں کی ہے جو کامیاب ہونے والا فرقہ ہے۔ اس کتاب کی پہلی فصل میں صفحہ نمبر ۱۴ پر مولف امتِ اسلامیہ لفظ کی وضاحت کرتا ہے وہ کیا بیان کرتا ہے ذیل میں پیش خدمت ہے۔ امتِ اسلامیہ میں بدعات یا تو معتزلہ، خوارج، رافضیہ، امامیہ، زیدیہ، بخاریہ، جہیمہ ضراریہ کی بدعات میں سے ہیں یا پھر مجسمہ فرقے کی بدعات میں سے ہیں یہ تمام فرقے بعض احکام میں امتِ اسلامیہ میں سے شمار ہوتے ہیں جن کو مسلمانوں کے قبرستان میں دفن کرنا جائز ہے اور اگر مسلمانوں کے ساتھ غزوات میں شریک ہوتے ہیں تو ان کو فئی اور مالِ غنیمت سے کبھی محروم نہیں کیا جائے گا اسی طرح مسجد میں نماز پڑھنے سے بھی منع نہیں کیا جائے گا ان احکام کے علاوہ وہ احکام جو جائز نہیں وہ یہ ہیں ان کی نماز جنازہ یا اِن کے پیچھے نماز پڑھنا جائز نہیں۔ ان کا ذبیحہ کھانا حلال نہیں۔ سُنی عورت سے ان کا نکاح جائز نہیں۔ نہ ہی سنی آدمی کے لیے ان کی عورت سے نکاح جائز ہے اگر وہ عورت اِن کے عقیدے پر ہو۔ اس میں کوئی شک نہیں اگر محترم قاری اس کتاب کے مقدمے کا مطالعہ کرے تو وہ اس حقیقت سے بخوبی آگاہ ہو جائے گا کہ اُس نے امتِ اسلامیہ کو تین حصوں میں تقسیم کر دیا ہے ایک وہ قسم ہے جو اسلام سے خارج ہے باوجود اس کے کہ اُن کو اسلام سے منسوب کیا جاتا ہے۔ ایک قسم وہ ہے جو اس کی نظر میں گمراہ ہے اُن کی بدعات گمراہیوں سے پردہ اٹھایا ہے اور ان پر طنز تشنیع کے ساتھ ساتھ اُن کی غلطیاں بیان کر کے یہ بتایا ہے کہ وہ اُس کی نظر میں گمراہ ہیں پھر ان دونوں قسم پر گمراہی کا حکم لگاتے ہوئے اُن سب کو جہنم میں پھینک دیا ہے۔ تیسری قسم کو سعادت مندی سے منسلک کیا ہے کیونکہ وہ اسکی نظر میں اہل سنت ہیں شاعر کا طریقہ اپنایا ہے جس نے یہ کہا تھا:

(اگر میں جنت کے دروازے پر چوکیدار ہوتا تو ضرور بضرور بنی ہمزان سے کہتا سلامتی کے ساتھ جنت میں داخل ہو جاؤ۔)

اِس نے بھی سب کچھ عمومی طور پر بغیر اپنے مخالفین کے مصادر و مرجع کی طرف رجوع کیے بیان کر دیا ہے اگر اس بات کو درست مان لیا جائے تو یہ ثابت ہوتا ہے کہ وہ اپنی رائے پر صرف اس لیے جما ہوا ہے کیونکہ وہ ان تمام لاچار فرقوں کو جہنم کی طرف دھکیلنا چاہتا ہے صرف یہی اُس کا مقصد اور مطلوب ہے جو دکھائی دے رہا ہے۔ بغدادی نے بھی اباضیوں کے متعلق وہی کچھ لکھا جو باقی فرقوں کے متعلق لکھا گیا مگر نہایت ہی افسوس سے یہ کہنا چاہتا ہوں کی اس مؤلف نے بھی حقیقی اباضیوں اور اُن کے علماء کی طرف رجوع کا بالکل اہتمام نہیں کیا تا کہ اُن کے عقائد اور کتابوں کے حوالے سے آگاہ ہو

سکے بلکہ وہ بھی اُن کے غیروں کی طرف ہی لوٹا اور اُن کی روایت کردہ آراء پر ہی اکتفا کیا جو انہوں نے اباضیوں کی مخالفت میں ان کی طرف منسوب کی تھیں۔ اِس کتاب کے مطالعہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ اس نے زیادہ تر انحصار ابوالحسن الاشعری پر ہی کیا ہے کہیں اصل عبارت نقل کی ہے تو کہیں تھوڑی بہت تبدیلی کے ساتھ نقل کیا ہے مگر اُس نے یہ ذکر کہیں نہیں کیا کہ اس نے یہ آراء اور روایات ابوالحسن کی کتاب سے نقل کی ہیں اس کا کہیں اعتراف نہیں کیا۔ اپنی کتاب کے (الفرق بین الفِرق) میں صفحہ ۶۱ پر جو بیان کرتے ہیں ذیل میں پیش خدمت ہے۔ اکثر اباضی عبداللہ بن اباض کی امامت پر متفق ہیں مگر ان میں سے فروعی فرقے موجود ہیں جن کے حوالے اکثر اباضی اس بات پر متفق ہیں کہ وہ اس امت کے کفار ہیں اس سے مراد امت میں سے اپنے مخالفین لیتے ہیں وہ ایمان اور شرک سے بری ہیں نہ تو وہ مومن ہیں نہ مشرک بلکہ کفار ہیں اُن کی گواہی کو جائز سمجھتے ہیں باطنی طور پر اُن کا خون حرام سمجھتے ہیں لیکن اگر وہ اپنے دین کو اعلانیہ طور پر ظاہر کریں تو اُن کا خون حلال کرتے ہیں اُن کی بیویوں سے نکاح درست سمجھتے ہیں یعنی اُن کا بیویوں سے نکاح قائم رہتا ہے ٹوٹتا نہیں اسی طرح وراثت سے بھی وہ محروم نہیں ہیں۔ یہ اباضی اُنکے حوالے سے یہ گمان کرتے ہیں کہ وہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے جنگ کرنے والے ہیں اور دین حق کے علاوہ کسی اور دین کو اپنائے ہوئے ہیں اُن میں سے بعض کا بعض پر مال وثروت بھی حلال ہے جو حلال ہے وہ گھوڑے اور اسلحہ وغیرہ ہے۔ رہا سونا چاندی تو یہ اُن کے مالکوں کو واپس لوٹایا جائے گا اباضیوں سے جو فروعی فرقے وجود میں آئے وہ چار ہیں۔ الحفصیۃ، الحارثیۃ، الیزیدیۃ، اصحاب طاعۃ اس کے بعد کہا کہ یزیدیۃ حد سے تجاوز کرنے والے ہیں اُن کا ذکر عنقریب کرے گا جب (الغلاۃ) کے بارے میں اقوال پیش کرے گا حفصیۃ اور حارثیۃ کے بارے میں وہی کچھ منسوب کیا اور بیان کیا جیسا ابوالحسن نے بیان کیا تھا پھر اس نے اس کے بعد کتاب کے صفحہ ۶۳ پر مندرجہ ذیل بیان کیا۔ اباضیوں نے یہ گمان کر رکھا ہے کہ اُن کے مخالفین کے اوطان دارالتوحید ہیں سوائے بادشاہ کے رہنے کی جگہ یا اُس کی چھاؤنی وہ علاقہ دارالتوحید نہیں ہے وہ اُن کے نزدیک ایک باغی کا علاقہ ہے۔ اس کے بعد اُس نے اباضیوں کی طرف تین منافقت کی باتیں منسوب کی ہیں پھر کہا وہ بات جو ہم نے اُن کے حوالے سے بیان کی ہے وہ ایسی باتیں ہیں جو صرف اسی فرقے کی آراء اور اقوال ہیں یہی منفرد ہیں ان باتوں اور آراء کے حوالے سے ان باتوں میں سے یہ بھی ہے کہ ان اباضیوں میں سے ایک ایسا فریق ہے جو یہ گمان کرتا ہے کہ خبر یعنی حدیث مبارکہ کے علاوہ خدا تعالیٰ کے لیے مخلوق پر کوئی حجت نہیں ہے یا وہ چیز جو اس کے قائم مقام ہے چاہے وہ اشارے میں ہو یا واضح ہو۔ اُن میں سے بعض کا یہ بھی قول ہے! جو بھی دین اسلام میں داخل ہو گا اس پر اُس کے احکام قوانین لاگو ہوں گے چاہے اُس نے اُن کو سنا ہو جانا ہو یا نہ سنا اور جانا ہو ہر حال میں شریعت کے قوانین اس پر جاری ہو جائیں گے۔ اسی طرح ان میں سے بعض نے بھی کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق کی طرف رسول بنا کر بھیج سکتا ہے جو بغیر کسی دلیل کے اُس کی صداقت پر دلالت کرتا ہے۔ اسی طرح بعضوں نے کہا ہے کہ جو روایت بیان کرے کہ اللہ تعالیٰ نے شراب حرام کر دی ہے اور یہ کہ قبلہ تحویل ہو چکا ہے تو اس پر لازم ہے کہ وہ اس بات کہ معلوم کرے کہ یہ روایت کس نے بیان کی ہے کیا وہ مومن ہے یا کافر۔ اسی طرح یہ بھی قول ہے کہ نماز کی طرف جانا اور حج کے لیے سفر کرنا لازم نہیں اور نہ ہی ان اسباب کو اپنانا ضروری ہے جن کے ذریعے واجب کی ادائے گی کی

جاتی ہے بلکہ ان پر وہ واجب افعال بغیر کسی اسباب کے عین اسی طرح ادا کرنا یعنی اس فعل کی عین اطاعت کرنا واجب ہے نہ کہ اُن اسباب کو اپنانا جو ان تک پہنچاتے ہیں۔ اسی طرح ان کے اقوال میں یہ بھی ہے کہ اُن کے مخالفین میں سے اگر کوئی تنزیل و تاویل میں مخالفت کرتا ہے تو وہ توبہ کرے اگر نہ کرے تو اُس کو قتل کر دیا جائے گا چاہے اُس نے یہ اختلاف جان کر کیا ہو یا جہالت کی بنا پر کیا ہو۔ اسی طرح کہا۔ جس نے چوری کی یا زنا کیا اس پر حد جاری ہو گی پھر اُس کو توبہ کرنے کو بولا جائے گا اگر توبہ کی تو ٹھیک ورنہ قتل کر دیا جائے گا۔ اسی طرح یہ قول بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ اگر مکلفین کو فنا کرے گا تو سارا عالم فنا ہو جائے گا اس لیے کہ مکلفین کے لیے تو ہی یہ ساری دنیا بنائی ہے۔ اسی طرح اباضیوں نے ایک ہی چیز میں دو اعتبار سے دو مختلف حکم لگانے کو جائز قرار دیا ہے جیسا کہ کوئی شخص کسی کے کھیت میں مالک کی اجازت کے بغیر داخل ہو جائے تو اللہ تعالیٰ نے اُس کو کھیت سے نکالنے سے منع کر دیا ہے البتہ اگر وہ کھیت کو خراب کرے تو اُس کو باہر نکالنے کا حکم دیا ہے پھر کوئی مذائقہ نہیں۔ اسی طرح یہ قول بھی ہے کہ اگر جنگ میں کوئی سپہ سالار اہل قبلہ اور اہل توحید ہو تو اُس کا پیچھا نہیں کیا جائے گا اور نہ ہی اُن میں سے عورت اور لونڈی قتل کی جائے گی وہ اگر مشبّہ میں سے ہوں تو اُن کا قتل ان کے سپہ سالار کا پیچھا اور قیدیوں اور ان کی لونڈیوں کو قتل کرنا مباح ہے۔ اس کے بعد وہ اس لونڈی کو بیچنے والے قصے کی طرف لوٹتا ہے اور ایک گرم بازار کی طرف لے جاتا ہے جیسے ابوالحسن نے اس سے پہلے ذکر کیا تھا محترم قاری اس کو پڑھنے کے بعد یہ اچھی طرح جان جائے گا کہ بغدادی نے مکمل طور پر ابوالحسن پر اعتماد کیا ہے ہاں کہیں تھوڑا بہت عبارت کو تبدیل بھی کیا ہے کیونکہ ابوالحسن کی بات کبھی ادھر کبھی ادھر طول پکڑ جاتی ہے۔ جو چیز غور فکر کی دعوت دیتی ہے وہ یہ ہے کہ بغدادی نے اباضیوں کو خوارج میں شمار کیا ہے اور کہا ہے یہ فرقہ گمراہ ہے ضروری ہے کہ ان کی گمراہیوں رسوایوں اور بدعات سے پردہ اٹھایا جائے اس لیے اُس نے اُن کو بیان کیا ہے پھر یہ بھی حکم لگایا ہے کہ یہ دعوی اور قول تمام اباضیوں کا ہے اور یہ ان میں سے بعض کا قول ہے وغیرہ۔ بغدادی نے چوتھی اور پانچویں دونوں صدیوں میں زندگی گزاری اُس کے اِس زمانے میں اباضی خراسان سے اندلس تک تمام اسلامی ممالک میں غالب اور معروف تھے اسی طرح ان کی تالیفات اور کتابیں بھی درجہ شہرت کو پہنچ گئی تھیں اور تمام لائبریریوں اور اسلامی ثقافت کی فروعات کی زینت تھی خاص طور ہر علم الکلام اُن میں تاریخی اور سیرت کی کتابیں مدون ہو چکی تھیں اسی طرح اباضیوں کے علماء اور آئمہ اس طبقے میں مشہور ہو چکے تھے جو بعض بعضوں سے روایت کرتے یہاں تک کہ وہ صحابہ کرام تک علمی سند میں پہنچتے تھے جیسا کہ تمام مذاہب اسلامیہ اپنے اصول اور فروع میں ایک دوسرے سے ممیز اور نمایاں نظر آتے ہیں اسی طرح اپنے اقوال علماء اور آئمہ میں منفرد دکھائی دیتے ہیں۔ مزید یہ کہ جن کا ذکر بغدادی نے کیا ہے وہ وہی لوگ ہیں جن کا ذکر اس سے قبل الاشعری نے کیا تھا ان تمام کو اباضیوں کے زمرے میں داخل کرتے ہیں جبکہ اباضی اُن کو اپنی کتب کے حوالے سے اور طبقہ علماء کے حوالے سے جانتے تک نہیں نہ ہی اُن کا کہیں تذکرہ ملتا ہے اور نہ ہی کوئی تعلق ثابت ہوتا ہے۔ بغدادی اپنے سے ما قبل الاشعری کے طریق پر چلا تم اس بات کو بخوبی جان چکے ہو جو کچھ اقوال آراء اباضیوں کی طرف منسوب کی گئیں ہیں ان کا کسی بھی طرح حقیقت میں اُن سے کوئی تعلق نہیں بغدادی الاشعری کے بعد دوسرا شخص ہے جو اسکی طرح اباضیوں سے متعلق کچھ نہیں جانتا جو

کچھ بھی اس نے اباضیوں سے متعلق لکھا یا بیان کیا ہے وہ سب کا سب طعن و تشنیع اور جعل سازیاں ہیں جو ان لوگوں کی جانب سے اُس کو نقل کی گئیں ہیں جو اباضیوں کے خلاف فتنہ کی آگ بھڑکانا چاہتے ہیں اور یہ کہ اباضی تمام مذاہب اسلامیہ کی نظر میں نفرت کی نگاہ سے دیکھیں جائیں اس لیے اُن سے متعلق ایسے کلمات بیان کرتے ہیں جن میں ابہام اور غموض ہو تا کہ رائے عامہ ان کی ضد میں قائم ہو سکے اسی طرح یہ فتنہ پرور اور فسادی لوگ اگر کسی جملے کی شرح یا تفسیر بھی کرتے ہیں تو اسکی مراد اور مقصود کو ویسا درست بیان نہیں کرتے جو حقیقت میں اباضیوں کے نزدیک مراد ہے تا کہ دوسرے لوگوں کے لیے وہم کا بیج بو سکیں اس میں بھی کوئی شک نہیں کہ اس سارے کے پیچھے فریبی سیاست کی انگلیوں کے اشارے کار فرمان تھے کیونکہ جن علماء نے اباضیوں سے متعلق اقوال آراء لکھے اور بیان کیے انہوں نے جن مصادر پر اعتماد کیا وہ تحریف شدہ غیر ثقہ تھے یا اُن سے تحقیقی غفلت برتی گئی تھی اس کے باوجود کہ ان کے ہاں تحقیق، تصدیق کرنے کی قدرت و استطاعت کافی حد تک تھی پھر بھی بغیر تصدیق اور تحقیق کے اباضیوں پر ان جعل سازیوں کی بنا پر گمراہی اور ضلالت کا حکم لگا دیا۔ یہاں اضافی بات کے طور پر ہم واپس اُن اقوال کی طرف لوٹنا چاہتے ہیں جن کو بغدادی نے اباضیوں کی طرف منسوب کرتے ہوئے مقدمے میں بیان کیا تھا کہ یہ خوارج ہیں، اُن فرقوں میں سے ہیں جن کے متعلق ایک سنی کے لیے جائز نہیں کہ ان کی نماز جنازہ پڑھے یا ان کے پیچھے نماز پڑھے اور نہ ہی ان کی عورت کا کسی سنی سے نکاح جائز ہے اسی طرح ان کا ذبیحہ کھانا بھی حلال نہیں وغیرہ اور پھر اس فصل کے خاتمہ پر ہر ایک بات اور قول کو تفصیل سے پیش کیا اور ان پر حکم لگاتے ہوئے عظیم آئمہ کی طرف منسوب کیا ہے لہٰذا میں یہ گمان کرتا ہوں کہ اسکی یہ دعوت سوائے فتنے کی آگ کو مزید بھڑکانے امت کی صفوں میں شگاف ڈالنے وحدت کو ریزہ ریزہ کرنے اور مسلمانوں کے عزت، وقار کو پامال کرنے کے سواء کچھ نہیں ہر حال میں تاریخ بغدادی لپٹ گئی اور اس کے ساتھ ساتھ وہ فرقے بھی لپٹ گئے جو کبھی مسلمانوں کی زندگی کے بڑے بڑے خلاء پر کیا کرتے تھے بغدادی کی کتاب باقی رہ گئی جو غیر مصدقہ اور جعل سازی پر مبنی روایات کی حامل ہے جیسا کہ اُس جیسی دوسرے مذاہب کی کتابیں بھی ویسی ہی آراء اقوال کی حامل ہیں جو اس زمانے میں باقی ہیں بس امتِ اسلامیہ نے یقینی طور پر اُن نتائج کو بھانپ لیا جو مذہبی اور قومی عصبیت اندھی تقلید سیاسی منصوبوں کے تحت رواج پا جانے کے سبب سے پیدا ہوئے تھے پھر دیکھنے والی آنکھ نے اپنی زبوں حالی اور آسودگی کو دیکھا اسی طرح اس مذہبی تعصب کے سبب نقصانات اور پیدا ہونے والی تلخیوں کا ذائقہ بھی بہت خوب چکھا۔ آج یہ امت اپنی وحدت کا بکھرا ہوا شیرازہ واپس دوبارہ جمع کرنے کی کوشش کر رہی ہے اور نامانوس الفاظوں کو رد کرتی ہے اسی طرح ہر اُس داعی، مبلغ کو خاموش کر رہی ہے جو فتنے کی طرف دعوت دینے والا ہے لیکن اس کے ساتھ ساتھ کچھ اقلام پھر اُن باتوں کی طرف لوٹنے کے لیے کھڑے ہو گئے ہیں جن کو تاریخ نے غلطیوں کے ساتھ لپیٹا تھا جو بے وقوفی سادگی اور غفلت سے واقع ہوئی تھیں تا کہ ان کو از سرے نو لکھا جا سکے۔ اللہ تعالیٰ مخلص عالمین کو توفیق دے اور امت کی وحدت کو دوبارہ زندہ کرنے میں اُن کی اعانت کرے جس وحدت کو عہد ماضی میں یعنی سیاسی اہداف نے اپنی سازشوں کے تحت ٹکڑے ٹکڑے کر دیا تھا اور اس امت کا وجود تار تار ہو گیا تھا اسی طرح اسی سیاست نے اور حکومتی مناصب، اقتصادی مذاہب القابات و اسماء، جھوٹے شعار

کے فتنوں نے دور حاضر میں بھی پارہ پارہ کر دیا ہے۔ اس فصل کے خاتمہ پر میں محترم قاری کو یہ کہنا چاہوں گا کہ بعض اقوال جن کو اباضیوں کی طرف منسوب کیا گیا وہ تو خود اپنے تئیں جھوٹے ہیں بالکل بے بنیاد ہیں اسی طرح کچھ ایسے اقوال ہیں جن کے بارے میں یہ گمان کیا گیا ہے کہ یہ تمام اباضیوں کے ہیں یا ان میں سے بعض کے ہیں تو ایسے اقوال آراء بذات خود نہ تو قائم رہ سکتے ہیں اور نہ ہی ختم ہو سکتے ہیں ان کی تکذیب کی حاجت نہیں کیونکہ یہ اباضیوں کے پر کے نیچے پناہ لے چکے ہیں رہی بات ان اقوال و آراء کی جو تمام اباضیوں کی طرف جملہ طور پر منسوب کیے گئے ہیں ان کی طرف کتاب کے آخر پر ہم لوٹ کر آئیں گے اور ہر ایک کا تفصیل سے جائزہ لیں گے کہ کون کون سے اقوال وآراء اباضیوں کے حقیقی طور پر ہیں اور کون سی سے ان کے نہیں بلکہ غیروں کی ہیں ہم اس بات کی بھی وضاحت کریں گے کہ کس بات کو اور رائے کو اباضیوں نے حقیقت میں کہی ہے اور کون سی بات یا رائے ہے جسے نہیں کہا اسی طرح جو کچھ وہم اور ابہام کے طریق پر وارد ہوا ہے اس سے بھی پردہ ہٹائیں گے۔ ان شاء اللہ تعالیٰ۔ اللہ تعالیٰ ہی مددگار ہے۔

ابن حزم اور اباضی

ابن حزم الاندلسی پانچویں صدی ہجری میں تھے ان کو بھی مذاہب اسلامیہ سے متعلق لکھنے والا شمار کیا گیا ہے۔ مجھے یہاں بھی افسوس سے کہنا پڑرہا ہے کہ یہ عظیم عالم بھی اباضیوں سے متعلق حقیقت نہ لکھ سکا بلکہ بعض اوقات تو ان کو مجرم ٹھہراتا ہے مگر اس کا اپنا ہی کلام اس کے کلام کو ایک وقت میں منہدم کر دیتا ہے جیسا کہ اس کے دعوے بھی بعض تو ایسے ہیں جن کی تصدیق کرنا انسان کے بس کی بات ہی نہیں چاہے وہ جتنی ہی تاویلات یا حیلے کر لے اتنے بے بنیاد ہوتے ہیں جن کی تصدیق ممکن ہی نہیں محترم قاری کے لیے اس کے دعوؤں کی چند مثالیں نمونے کے طور پر پیش کرتا ہوں۔ اپنی کتاب (الفصل فی الملل والأهوا و النحل) کی جلد نمبر ۴ اور صفحہ نمبر ۱۴۴ پر بیان کرتا ہے۔

بعض لوگوں نے ذکر کیا ہے جنہوں نے ایسے لوگوں کے اقوال اور مقالہ جات جمع کیے ہیں جو اسلام کی طرف منسوب ہوتے ہیں اباضیوں میں سے ایک فرقہ ہے جس کا سربراہ زید بن اُنیسہ کہا جاتا ہے جو کہ ایک غیر معروف محدث ہیں وہ کہا کرتے تھے کہ اس امت کے اوپر دو گواہ ہیں ایک وہ اور ایک کوئی اور ہے جس کو وہ نہیں جانتے ہو سکتا ہے وہ اُس سے قبل ہوا ہو اور یہ کہ یہود و نصاری میں سے جو بھی لا الہ الا اللہ محمد ﷺ رسول اللہ کہتا ہے وہ عرب کی طرف منسوب ہو گا ہماری طرف نہیں جیسا کہ عیسائی کہتے ہیں حالانکہ وہ یہود میں سے ہیں یہ بھی کہا کہ اگر وہ اسی عقیدے اور یہود و نصاری کی شریعت پر عمل کرتے ہوئے فوت ہو گئے تو وہ مومن ہیں۔ اسی طرح یہ بھی کہا کہ ایک عجمی نبی کے ذریعے دین اسلام منسوخ کر دیا جائے گا وہ صابی دین کے ساتھ آئے گا ایک اور قرآن اس پر سارے کا سارے ایک وقت میں اتار دیا جائے گا یہ عظیم عالم اپنی بات کی مزید پیروی کرتے ہوئے کہتا ہے۔ (ابو محمد نے کہا ہے کہ اباضی جو بھی شخص اس طرح کی باتیں اور اقوال کہے گا اُس پر کفر کا حکم لگاتے ہیں خود اس سے برأت کا اظہار کرتے ہیں اور اُس کے مال، خون کو حلال کرتے ہیں۔ عجیب بات یہ ہے کہ ابن حزم خود اقرار کرتا ہے کہ تمام اباضی ابنِ انیسہ والی آراء اور اقوال نہیں کہتے بلکہ ان باتوں میں سے جو شخص بھی کسی بات کا اقرار کرے تو اس پر کفر کا حکم لگاتے ہیں اُس کے خون اور مال کو حلال کرتے ہیں۔ اُس کے پاس کون سی دلیل باقی ہے جس کے تحت سب سے پہلے تو اس آدمی اور اس کے گروہ کو مسلمانوں کے فرقوں میں شامل کرتا ہے پھر اباضیوں کے کھاتے میں ڈال دیتا ہے حالانکہ وہ تو کفریہ کلمات کہہ چکا ہے اس کا مسلمانوں میں شمار کرنا بھی ایک بہت بڑا جرم ہے۔ جیسا کہ وہ خود اس کا اقرار کر چکا ہے کہ اباضی ہر اُس شخص پر کفر کا حکم لگاتے ہیں جو بھی ایسی باتیں کرتا ہے تو پھر کیا اُنیسہ اور اس کے گروہ کو کوئی اباضیوں سے نسلی یا داماد والا رشتہ ہے یا اپنی اصل میں وہ ایک ہیں یا پھر دونوں کے درمیان کوئی پختہ دوستی کا تعلق ہے جس کی بنا پر ان کو اباضیوں کے زمرے میں ڈال دیا ہے۔ میرے خیال میں ایسی کوئی چیز نہیں دراصل بعض متعصب اور بے جاء طنز کرنے والے ایسے لوگ ہیں جو بولنے سے پہلے تولتے نہیں کہ وہ کیا کہہ رہے ہیں انہی کے یہ جھوٹ پر مبنی اقوال اور جعل سازیاں ہیں۔ نقل کرنے والوں نے نقل کر دیا ان میں سے ایک ابن حزم بھی ہیں مگر ان اقوال کو اضطرابیت سے بیان کیا ساتھ ہی اباضیوں کے موقف کا بھی اقرار کر دیا پھر اپنے جائزے کی پیروی کرتے ہوئے

یہ بھی کہہ دیا کہ یہ گروہ صابی ہے یا تو اُس نے یہ بات اپنی شخصی تصرف سے کہی یا پھر اپنے سے ماقبل جس طرف بغدادی گیا اُس سے یہ رائے لی ہے کیوں کہ اس نے تو اباضیوں کو اسلام سے ہی نکال دیا تھا کہ یہ فرقہ خارج عن الاسلام ہے۔ یہ حقیقت میں اُن مقالہ جات اور اقوال سے متضاد ہے جو ہم نے سابقہ فصول میں دوسرے مقالہ نگاروں کی طرف سے پیش کیے تھے مگر ابنِ حزم کی یہ ذمہ داری تھی جیسا کہ وہ اپنی ذہانت باریک بینی اور وسیع معلومات سے پہچانا جاتا ہے وہ تحقیق سے بات کرتا اور اس بے جا نکتہ چینی اور طنز کا گلا گھونٹ دیتا جو اس حد تک پہنچ چکی تھی مگر افسوس وہ تو خود ہی ویسا ہی اس جعل سازی میں پھسل گیا جیسے اُس سے پہلے پھسل گئے تھے کاش وہ اپنی اس تحریر کو ان جعل سازیوں اور افترا پردازیوں سے پاک صاف کرتا لیکن کوئی فائدہ نہ ہوا اور نہ ہی کوئی نتیجہ نکلا ہاں کسی حد تک کتاب کے صفحات کی تعداد میں ضرور اضافہ ہوا ہے۔ کاش ابن حزم اس فقرے پر ہی اکتفا کرلیتا جس کو وہ جھٹلا چکا تھا مگر اس نے خود کو اس راستے پر جاری رکھا اسی طرح اس نے اپنی کتاب کے چوتھے حصے میں صفحہ نمبر ۱۴۴ پر کہا ہے۔ ((حارث اباضی کے ساتھیوں میں سے ایک گروہ نے کہا ہے جس نے زنا کیا، چوری کی یا جھوٹی قسم کھائی اُس پر حد جاری ہو گی پھر اپنے کیے ہوئے فعل پر توبہ کرنے کو کہا جائے گا اگر توبہ کرلے تو چھوڑ دیا جائے گا اور اگر انکار کیا تو مرتد کا حکم لگاتے ہوئے قتل کر دیا جائے گا۔ ہم نے ابن حزم کے قول کا اپنی سابقہ بحث میں ناقدانہ جائزہ لیا ہے اور یہ ثابت کیا ہے کہ ابن حزم نے جو کچھ بیان کیا ہے اس کی سند ہی نہیں ہے اسی طرح ہم نے کافی حد تک یہ بات بھی ثابت کی ہے کہ اباضی بالکل اس حارث اور اس کے فرقے کو نہیں جانتے اباضیوں کا زانی چور اور جھوٹی قسم کھانے کی حد کے حوالے سے جو حکم ہے یہ تو در حقیقت خدا تعالیٰ اور اُس کے رسول کریم ﷺ کا حکم ہے جیسا کہ شادی شدہ پر رجم، کنواری پر کوڑے چور کے لیے کلایوں تک ہاتھ کاٹنا اور جھوٹی قسم کھانے والے کے لیے کوڑے کی سزاؤں کے احکامات خدا اور رسول ﷺ کے ہیں اور تمام کتب فقہ میں مشروط طور پر تفصیل کے ساتھ موجود ہیں اباضیوں کی کیا مجال کہ وہ اپنی طرف سے کوئی حکم صادر کریں ہاں یہ بات الگ ہے کہ مشرق مغرب میں جب اباضیوں کی حکومتیں قائم تھیں اُس دوران اباضی آئمہ نے شریعت کے مطابق جو سزائیں سنی تھیں اور جو حدود تھیں اُن کو جس پر واجب ہوئیں ضرور جاری کیا تھا اس مناسبت سے کتب تاریخ میں تفصیلی واقعات سے بھری پڑی ہیں لیکن کسی ایک نے بھی کبھی یہ ذکر نہیں کیا کہ اباضی آئمہ حد قائم کرنے میں خدا تعالیٰ کی حدود سے تجاوز کر گئے تھے اور جس کو قتل کرنا شریعی لحاظ سے جائز نہیں تھا اُس کو قتل کیا ہو اسی طرح اباضی کسی پر مرتد کا حکم نہیں لگاتے چاہے اُس نے توبہ کی ہو یا نہیں ایسے قول کا ان کی طرف منسوب کرنا سراسر جھوٹ، کذب ہے۔ اباضی ہمیشہ کسی بھی کبیرہ گناہ کے مرتکب پر حد لگانے کے حوالے سے بری الذمہ رہے ہیں چاہے وہ ایسے کبائر کا ارتکاب تھا جس کے لیے شریعی حدود تھیں یا وہ جن کے لیے شریعی حدود مقرر نہیں تھیں یہاں تک کہ جو شخص معاصی پر مصر رہتا تھا اور توبہ نہیں کرتا تھا اس سے برأت کا اظہار کرتے تھے اور جب وہ توبہ کر لیتا تھا تو اسے دوستی کا لبادہ پہنا دیتے تھے اور میرے خیال میں یہ وہ موقف ہر مسلمان جو اپنے اسلام کا دلدادہ ہے رکھتا ہے۔ توبہ کیسے ممکن ہے کوئی متقی پرہیز گار شخص ایسے انسان کے لیے اپنی محبتوں کے جام چھلکائے اور دوستی بھی رکھے جو گناہ کو اعلانیہ طور پر کرتا ہو اور اس پر مُصر بھی ہو اور وہ شخص جس پر حد قائم ہوتی ہے وہ بھی تب ہوتی ہے جب وہ خود اعتراف

کرے اور توبہ کا اعلان کرے۔ اس بات میں کوئی اختلاف نہیں کہ اس کی سچی توبہ پھر اس کی دوستی کا لازمی ہو جانا اور جب وہ گناہ پر اعلانیہ طور پر مُصر رہے اور توبہ بھی نہ کرے تب اُس پر حد قائم کی جائے گی۔ ان دونوں باتوں اور نقطہ نظر میں اباضیوں کے ہاں کوئی اختلاف نہیں (یعنی اگر وہ توبہ کر لیتے تو اس سے دوستی رکھی جائے گی اور توبہ نہ کرے گناہوں پر اعلانیہ طور پر مُصر رہے تو اس سے برأت کا اظہار کیا جائے گا۔ کون سچا مومن ہو سکتا ہے جو اپنی محبت اور دوستی کا جام اُس شخص کو پلائے جو خدا اور رسول کی نافرمانی اعلانیہ طور پر کرتا ہو۔ میں تو یہ خیال کرتا ہوں کہ توبہ کی حالت میں حد کا لگنا تطہیر اور پاکیزگی جبکہ اصرار کی صورت میں حد کا جاری ہونا سزا ہے لیکن ان دونوں حالتوں میں شارع کی تقدیر حد کے معاملے میں تجاوز نہ کرے اسی طرح معافی کی بدولت جس پر حد لگی اور جس پر نہیں لگی کوئی فرق نہیں کیونکہ اباضیوں کے نزدیک کچھ کبائر ایسے ہیں جن پر حدود نہیں لگتیں مگر ان سے برأت کرنا واجب ہے۔ برأت کا معنی ہے اللہ تعالیٰ کے لیے کسی شخص سے معافی پر ڈٹے رہنے کی وجہ سے بغض و جفا رکھنا اور نافرمان کے لیے مغفرت اور رحمت کی دعا نہ کرنا اس سے زیادہ برأت نہیں ہے۔ اگر ابن حزم نے تھوڑا سا بھی غور، تدبر کیا ہوتا تو اباضیوں کی سیرت اور احکام کی حقیقت ضرور جان جاتا خاص طور پر اس لیے کہ وہ اندلس میں رہتا تھا۔ رشیدی سلطنت اُس سے تھوڑا سا پہلے جزائر میں قائم ہوئی تھی اور اس اباضی سلطنت کے آئمہ کی سیرت تسلسل کے ساتھ لوگوں کی زبانوں پر جاری تھی جیسا کہ حدود قائم کرنے کے طریقے اور حدود کا جاری کرنا وغیرہ جن کو بعض بعضوں سے قصے کی صورت میں بیان کرتے تھے اسی طرح ابن حزم کے لیے یہ بھی ممکن تھا کہ وہ اباضیوں کی فقہی کتب کا مطالعہ کر لیتا تا کہ حدود اللہ کے قائم کرنے سے متعلق اباضیوں کی رائے سے آگاہی حاصل کر لیتا مگر ابن حزم اپنے سابقہ علماء کی طرح غصے اور ناراضگی کے راستے پر چل پڑا وہ ناراضگی جو اس فرقے کی مخالفت کی شدت کے سبب تھی شعوری طور پر اسکی ناراضگی نہیں تھی بلکہ سابقہ علماء نے جیسے اس فرقے کے حوالے سے ناراضگی طعن و تشنیع کا اظہار کیا تھا انہیں کے رائے پر چل کر ابن حزم بھی پھسل گیا یہاں تک کہہ دیا کہ جو کچھ اس نے اقوال آراء اباضیوں کی طرف منسوب کیے ہیں یہ صرف روایات ہی نہیں بلکہ اس کے مشاہدات ہیں۔ اپنی کتاب کے صفحہ ۱۴۴ پر لکھا ہے۔ (ہم نے اندلس میں اباضیوں کا خود مشاہدہ کیا ہے کہ اہل کتاب کا کھانا حرام کرتے ہیں اسی طرح چھوٹی بکرا ہیل اور مینڈے کو خصی کرانا حرام کرتے ہیں۔ اسی طرح اس شخص پر روزے کی قضا واجب کرتے ہیں جو روزے کے ساتھ دن کو سویا اور اُسے احتلام ہو گیا۔ اسی طرح جب وہ کہیں ایسے کنوؤں پر ہوں جن سے صرف پانی پینے کی حد تک میسر ہو تو وہاں تیمم کا حکم دیتے ہیں اس میں کوئی شک نہیں وہ اس کلام کو صرف اباضیوں پر طعن کی غرض سے بیان کر رہا ہے ہم فقہی اجتہادی مسائل کی فصل میں ان مسائل کا جائزہ لیں گے اسی طرح طنز و تشنیع کے باب میں بھی ناقدانہ جائزہ لیں گے۔ اے محترم قاری آگے مزید جو وہ ۱۴۵ صفحے پر بیان کر رہا ہے اس میں ذرا غور کرو ((عبداللہ بن اباض نے ساتھیوں نے ثعلبہ کے قول کی طرف رجوع کر لیا لہٰذا اس کے ساتھی اس سے بری ہو گئے وہ آج عبداللہ بن اباض کو بالکل نہیں جانتے ہم نے جب پوچھا کہ علم و مذہب میں ان میں مقدم کون ہے تو کسی نے بھی اس کو نہیں پہچانا اور نہ ہی ان میں سے کوئی جان سکا۔ یہ ابن حزم کا سب سے زیادہ عجیب و غریب قول ہے اگرچہ بہت سی زبانوں اور قلموں کی طرف سے یہ سوال ہمیشہ تردد کا شکار رہا کہ ثعالبہ

کون ہے اور اس کا وہ کون سا قول ہے جس کی طرف عبد اللہ بن اباض نے رجوع کیا اور کیوں رجوع کیا؟ کیا کسی ایک قول کی طرف یا پھر بہت سے اقوال کی طرف رجوع کیا اور وہ کون سے اقوال تھے جن میں ابن اباض نے ثعالبہ سے رجوع کیا۔ یہ ایسے گرما گرم سوال تھے جن کا جواب نہ تو ابن حزم کے پاس ہے اور نہ ہی اس کے علاوہ دوسروں کے پاس جنہوں نے اس طرح کے دعوؤں کو بیان کیا ہے بغیر کسی تحقیق تصدیق کے اس قدر پھیلایا ہے کہ وہ پوری طرح رسوخ پا گئے ہیں یہ اس بہت قوی دلیل ہے کہ وہ ایسا کچھ لکھ رہے ہیں جن کی ان کو خود بھی خبر نہیں ہے یا کم از کم اس کی صحتِ سند کی تحقیق تک نہیں کی ابن حزم نے کیسے یہ جانا کہ ابن اباض نے ثعالبہ کے قول طرف رجوع کیا؟ اور یہ کہ کیسے جانا کہ اس کے ساتھی اس سے بری الذمہ ہو گئے اور یہ پیشوا کدھر ہے جو ابن حزم کے ساتھ تحقیق کے لیے قائم ہوا یہاں تک کہ اس نے بتایا کہ وہ اپنے امام کے بارے میں کچھ نہیں جانتا؟ بس یہ سارے جھوٹ پر مبنی بے بنیاد دعوے ہیں جو خود ہی ایک دوسرے کو گرا رہے ہیں اور مؤقف ان تمام کے بیان میں کہیں بھی کسی کی سند کے حوالے سے کہیں اشارہ نہیں کرتا اور نہ ہی یہ بتاتا ہے کہ اس نے ان اقوال کے حوالے سے کن مصادر پر اعتماد کیا۔ ابن حزم یہ گمان کرتا ہے کہ اس نے سوال کیا کہ ان کا کون امام ہے تو اس نے جواب دیا کہ ہم تو ابن اباض کو نہیں جانتے جب وہ جانتے نہیں تو کیسے ابن حزم نے جانا کہ وہ اس سے بری ہیں؟ اور کیا یہ معقول باب ہے کہ لوگ کسی سے براءت کا اظہار کریں اور وہ اس شخص کو جانتے تک نہ ہوں؟ اور نہ ہی اس کے حوالے سے کوئی معلومات ہوں کیا یہ عظیم عالم اباضیوں اور ان کے آئمہ کے حوالے سے معلومات لینے گیا کیا اس نے پورے اہتمام سے تحقیق کی اور حق ادا کیا یا پھر یہ طعن و تشنیع پر مبنی ایک خیالی تصویر ہے جو حقیقی معرفت سے مکمل طور پر خالی ہے اگر ابن حزم چاہتا تو علماء اباضیہ سے عملی طور پر ملتا ان سے براہ راست اقوال و آراء کی تصدیق کرتا اور اپنی اس کتاب میں اباضیوں کے متقدمین ایسے علماء کے نام بطور حوالہ کے پیش کرتا جن کا قول اس موضوع کے بابت حجت سمجھا جاتا یا پھر اس کی کتابوں سے معلومات حاصل کرتا پھر ان کو حوالہ کے طور پر پیش کرتا تاکہ انکار کی گنجائش نہ رہتی مجھے ایسا لگتا ہے کہ ابن حزم سے اندلس میں اباضیوں سے متعلق عامۃ الناس سے روایات سنی ہیں یا پھر کوئی ایسے مالدار لوگ تھے جو عوام میں مشہور ہو گئے ان کی شہرت سن کر ابن حزم بھی ان کے پاس چلا گیا اور اباضیوں سے متعلق پوچھا مگر ان کے پاس کچھ نہ پایا ایسی بات بھی نہیں ہے کیونکہ اس صورتحال کو بھی اگر ہم سامنے رکھ کر چلیں تو جب کہ ثقافت کا بہت زیادہ پھیلاؤ ہو چکا ہے ہمیں سو میں سے اسی فی صد ایسے ملیں گے جو اپنے علماء، آئمہ کو جانتے ہوں گے مثلاً اگر ہم راستے میں چلتے کسی عام آدمی سے بھی اتفاقی طور پر سوال کریں کہ وہ کس مسلک اور مذہب کا پیروکار ہے اس کے مسلک کے امام کا نام کیا ہے تو وہ پھر ہمیں کافی ساری معلومات دے سکتا ہے اس کو بھی اپنے امام کا نام اور مسلک کا ضرور پتہ ہو گا اس انداز سے ہم مثلاً محمد بن ادریس الشافعی، کے پیروکاروں سے پوچھیں کہ ان کا مذہب کون سا ہے اس کے امام کون ہیں چاہے وہ عام لوگوں سے تعلق رکھنے والے لوگ ہی کیوں نہ ہوں زراعت تجارت وغیرہ تو وہ بھی بخوبی جانتے ہوں گے کہ وہ کس مذہب کے پیروکار ہیں اور ان کے مذہب کا امام کون ہے۔ وہ ضرور بتائیں گے کہ وہ ہمارے امام ہیں وہ مذہب شافعی کے امام ہیں۔ کیا ہم اس بات پر حکم لگا سکتے ہیں کہ ہم نے امام شافعی کے پیروکاروں سے ان کے حوالے سے پوچھا تو انہوں نے جواب میں یہ کہا کہ ہم تو ان کے

بارے میں کچھ نہیں جانتے ہم پوچھیں اور وہ کہیں ہم نہیں جانتے کیا یہ ممکن ہے؟ اباضیوں میں سے کوئی ایک بھی یہ گمان نہیں کرتا کہ عبداللہ بن اباض نے ثعالبہ کے قول کی طرف رجوع کیا اور نہ ہی کوئی ایک اباضی ایسا ہے جو کہے کہ عبداللہ بن اباض سے بری ہے تمام اباضی اس کی ولایت پر متفق ہیں اور ان کو مسلمانوں کے عظیم آئمہ اور عظیم تابعین مانتے ہیں ان کی سیرت کو محفوظ کیے ہوئے ہیں اس کی سیرت کو اپنی کتابوں میں شائع کر چکے ہیں ان کی فقہی آراء، فقہی مسائل سے بخوبی آگاہ ہیں مگر اس ساری فضیلت کے باوجود کوئی ایسی مقدس ہستی نہیں مانتے جن سے کوئی خطا سرزد ہونے کا امکان ہی نہ ہو۔ بلکہ ایک انسان مانتے ہیں اس لیے ان کے اقوال میں سے بعض کو لیتے ہیں اور بعض کو ترک بھی کر دیتے ہیں ان میں درست بھی ہیں اور کچھ کو خطا بھی مانتے ہیں اور وہ ایسا مقام بھی امام کو نہیں دیتے چاہے وہ ان کا اپنا ہو یا کوئی غیر ہر چیز کو دلیل کے ساتھ کہتے ہیں یہاں تک کہ مقولہ ان میں بہت مشہور ہو گیا: "آدمی حق سے پہچانے جاتے ہیں نہ کہ حق آدمیوں کے ذریعے پہچانا جاتا ہے" عبداللہ بن اباض نے ثعلبۃ کے قول کی طرف رجوع کیا جس بنا پر اس کے ساتھیوں نے اس سے برأت کا اظہار کیا یہ بھی ایک ان دعوؤں میں سے نیا دعوی ہے جن کو اباضیوں اور ان کے آئمۃ کی طرف منسوب کر کے ان کو بدنام کرنے اور طنز و تشنیع کی غرض سے کیا گیا ہے۔ ان مقالہ نگاروں کی عجیب بات یہ ہے کہ وہ اباضیوں کی طرف ایسے افراد کو ان کے آئمۃ اور علماء بنا کر منسوب کر رہے ہیں جو حقیقت میں ان میں سے نہیں ہیں جبکہ علماء اور آئمۃ جو حقیقی طور پر اباضی ہیں ان کو ان کے علاوہ دوسرے مذاہب، مسائل کی طرف منسوب کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ ہو سکتا ہے جن باتوں کے ساتھ ہم اس فصل کا اختتام کر رہیں محترم قاری کو مزید مہلت مل جائے حتمی فیصلہ کرنے کے حوالے سے کہ ابن حزم کے اقوال مصدقہ ہیں یا غیر مصدقہ۔ ابن حزم نے اپنی کتاب کے صفحہ ۱۶۴ پر کہا ہے ((ان کی حماقتوں میں سے بکر بن اخت عبدالوٰحد بن زید کا قول ہے وہ کہا کرتے تھے ہر گناہ چاہے وہ چھوٹا ہو یا بڑا چاہے ناحق رائی کا دانا ہی کیوں نہ لیا ہو یا مذاق کی غرض سے کوئی چھوٹا سا جھوٹ بھی بولا ہو تو یہ سب خدا تعالیٰ کی ذات کے ساتھ شرک ہے۔ یہ بات بھی جیسا کہ محترم قاری بخوبی جانتا ہے کہ ابن حزم کی حماقت ہے جس کی حماقتوں کی وجہ سے تمام عظیم علماء و آئمۃ آج لوگوں کی نظر میں قابل نفرت بنے ہوئے ہیں۔ کون بکر جس کے نہ باپ کا پتہ ہے نہ ماں کا یہاں تک کہ اس کے باپ کے خاندان کا بھی کوئی پتہ نہیں وہ اپنے ماموؤں کی طرف منسوب کیا جاتا ہے پھر یہ کہ نامعلوم حسب و نسب والا بکر امام ہو اور اس کے اقوال کو کتابوں میں بیان اور ذکر کیا جاتا ہو پھر عظیم عالم ابن حزم مسلمان فرقوں سے متعلق تصنیف کرے تو اس کی رسائی اس آدمی تک ہو جس کے لیے کوئی خالی جگہ نہ بچی ہو اس کو شروع ساتھ لے کر چلنا یہاں تک کہ اباضیوں کی صفوں میں اس کو جہاں جگہ نظر آئے تو اسے وہاں چھوڑ دے پھر اس کی تمام حماقتیں اباضیوں کے کھاتے میں ڈال دے کتنی تعجب کی بات ہے۔ حقیقت میں اب ابن حزم طعن و تشنیع میں لوگوں کی نگاہوں سے مخفی نہیں رہا کیونکہ اس شخص کو نہ تو اباضی جانتے ہیں اور نہ ہی اس کے اقوال سے کوئی واقفیت رکھتے ہیں اور نہ ہی وہ اپنے صفحوں کی سفیدی اس کے سیاہ اقوال کی سیاہی سے سیاہ کرنا چاہتے ہیں وہ اپنی کتابوں کو ایسی ضلالتوں اور گمراہیوں سے فارغ دعوؤں اور شفاف مقالہ جات پاک رکھے ہوئے ہیں اور اس طرح کی تعصب پر مبنی حماقتیں، نازیبا دعوے بیمار خیالات اور نقل و بیان میں خیانت پر مبنی روایات و آراء کو

بیان کر کے اپنا اور محترم قارئین کے اوقات کو ضائع نہیں کرنا چاہتے۔ پھر یہ کہ فریبی سیاست کی مختلف چالوں کے دھوکے میں آکر جعل سازیاں لکھیں جیسا کہ بدقسمتی سے علماء میں سے ایک جماعت اس دھوکے میں آئی جن میں سے ابن حزم اس سے سابقہ اور جن کا ذکر بعد میں کام آئے گا ہم عنقریب اس کی طرف بھی اشارہ کریں گے یہ ساری اخطاء تب ممکن ہوئیں جب اس طرح کی حماقتوں جعل سازیوں اور جھوٹے دعوں کو بیان کرنے میں احتیاط سے کام نہیں لیا گیا بغیر تصدیق و تحقیق کے بیان کیا گیا۔ چلو ہم متقدمین کا یہ عذر قبول کر لیتے ہیں کہ اس وقت حقائق تک رسائی مشکل تھی اور وہ حقیقت سے آشنائی میں قاصر رہے ان رکاوٹوں کی وجہ سے جن کی طرف ہم شروع ہی میں اشارہ کر چکے ہیں مگر دور حاضر کے وہ مقالہ نگار اور مؤلفین جن کو تمام طرح کے وسائل مہیا اور مراجع بھی بڑی آسانی سے میسر ہیں۔ اسی طرح مادی اور معنوی کسی قسم کا کوئی دباؤ بھی تحقیق کے راستے میں نہیں ہے اس کے ساتھ ساتھ امت مسلمہ کو پہنچنے والے نقصانات وخطرات اور یہ کہ وہ ٹکڑے ٹکڑے ہو چکی ہے سب کچھ جانتے ہوئے وہ بھی انہی اخطاء اور تقصیر کے مرتکب کیوں ہوتے ہیں کہ وہ یہ بھی جانتے ہیں کہ امتِ مسلمہ کے ٹکڑے ٹکڑے ہونے کا سبب شدت پسند مذہبی فرقوں کے علماء و آئمۃ کے اقوال آراء ہیں جو ہر ایک نے اپنے مخالف کے لیے بولے اور لکھے ہیں تو ایسی شدت پسندی کے اقوال و آراء کے مقابلے میں بھی مخالفین کی طرف سے ردِ عمل کے طور پر ان سے بھی کہیں بڑھ کر تشدد اختیار کیا جاتا ہے جس کے نتیجے میں امت کے وجود کا شیرازہ بکھیر چکا ہے پھر بھی آج دور حاضر میں فرقوں سے متعلق لکھنے والے افراد ویسی ہی جعل سازیاں اور طعن و تشنیع پر مبنی غیر مصدقہ اقوال آراء لکھتے اور بیان کرتے آرہے ہیں آخر کیوں؟ ان کی جانب سے آخر کون سا عذر ہے جو قبول کیا جائے خدا کرے اس امت کی رشد و رہنمائی جاری ساری رہے اسکی صفوں کو متحد کرے اسے پھر سیدھے راستے کی طرف لوٹا دے کتاب و سنت کی محافظ بن جائے اور مسلمان اس کی ہدایت کی اقتداء کریں اسی طرح علماء ایسے لشکر بن جائیں جو اپنے اجتہاد و ادراک، بصیرت کے مطابق شریعت اسلامیہ کی خدمت کریں ان سے اجتہاد درست یا غلط دونوں صورتوں میں صادر ہو سکتا ہے مگر یہ حق نہیں کہ ہم ان کے اعمال کو تولیں اور پھر یہ حکم لگائیں کہ ان میں سے کون راجح ہے اور نہ ہی ان میں سے کسی کو دوسرے پر برتری یا فضیلت دیں ہماری صرف یہ ذمہ داری ہے کہ ان سے وہ اقوال آراء لیں جن کے دلائل کی کتاب و سنت سے تائید ملتی ہو ہم ان کے اقوال و آراء کو قوتِ دلیل پر لیں نہ کہ یہ دیکھیں کہ یہ کن کی طرف سے صادر ہوئے ہیں اور نہ ہی ہم کسی ایسے شخص سے جرح کریں جو اپنے کسی غیر سے کوئی رائے نہیں لیتا کیونکہ ہم لوگوں کی وجہ سے ان کے اقوال نہیں لیتے بلکہ ہم تو احکام باری تعالیٰ سمجھتے ہوئے لیتے ہیں چاہے وہ اقوال جس کے مرضی ہوں اگر ان کے دلائل قوی ہیں قرآن و سنت کی تائید میں سب تو ہمیں بخوشی قبول کرنے چاہئیں ہم ان میں سے نہیں جو قصے کہانیاں بیان کرنے والوں کے ساتھ گزر گئے اللہ تعالیٰ نے ہمیں شعور دیا ہے ہمیں چاہئے کہ ہم کوئی بات قبول کرنے سے پہلے تحقیق، تصدیق کریں اگر قرآن سنت کی تائید کے حوالے سے اس کے دلائل قوی ہیں تو ہمیں قبول کر لینی چاہیے چاہے وہ جس سے مرضی صادر ہوئی ہوں۔

ابو مظفر اسفرائینی اور اباضی

یہ پانچویں صدی ہجری کے ان علماء میں سے ہیں جنہوں نے اسلامی فرقوں سے متعلق لکھا محترم قاری ابو مظفر کی جب کتاب پڑھے گا تو اسے ایک ایسی منفرد صورت بغدادی سے بڑھ کر نظر آئے گی جو اسے چونکا دے گی اور حیرت میں ڈال دے گی یہ موضوع سے متعلق بات کی ابتداء کچھ اس انداز سے کرتا ہے جیسے کوئی جنگجو پرجوش انداز میں اپنے مدِّ مقابل دو دشمنوں سے بیک وقت میدان جنگ میں پر جوش انداز میں بڑے جارہا ہو اور وہ خود کو حسبِ استطاعت اپنی استعداد، قوت اور اس اسلحے کو جمع کر کے تیار کرتا ہے تاکہ وہ اپنے فریق مخالف پر فتح حاصل کر سکے اور اس کو ایسا چکنا چور کر دے کہ دوبارہ کھڑا نہ ہو سکے ابو مظفر اپنی کتاب (التبصیر) کی ابتداء اس انداز سے کرتا ہے کتاب کے مقدمے ہی میں اس نے امتِ اسلامیہ کی دو قسمیں کر دی ہیں ایک قسم پر اہل ہدایت واستقامت پھر جنتی ہونے کا حکم لگایا ہے دوسری قسم پر گمراہی اور جہنمی ہونے کا حکم لگایا ہے اس کی یہ پیش کردہ صورت تقریباً بغدادی کی پیش کردہ صورت کے مطابق نظر آتی ہے ہمیں اس فصل میں اس تمام صورتِ حال سے کوئی سروکار نہیں ہم صرف اسکی اباضیوں سے متعلق گفتگو زیر بحث لائیں گے۔ اس نے اپنی کتاب جس کی اشاعت ۱۹۵۵ء میں ہوئی صفحہ نمبر ۵۶ پر جو کہا ہے وہ ذیل میں پیش خدمت ہے "چھٹا فرقہ اباضیہ ہے اور یہ عبداللہ بن اباضی کے پیروکار ہیں پھر مزید آگے ان کے فروعی فرقے ہیں اور سب یہ کہتے ہیں کہ اس امت کے فرقوں میں سے ہر فرقہ جو ان کے مخالف ہے نہ تو مشرک ہے اور نہ ہی مومن ان کی گواہیوں کو جائز قرار دیتے ہیں اور ان کے خون کو اگر وہ اپنے دین کو پوشیدہ رکھے تو حرام اور اگر اعلانیہ طور پر ظاہر کریں تو ان کے خون کو جائز قرار دیتے ہیں اسی طرح ان کی بیویوں کو اپنے لیے جائز سمجھتے ہیں وراثت ان کے پاس ہی رہنے دیتے ہیں مالِ غنیمت میں سے کچھ حرام کرتے ہیں اور کچھ کو حلال سمجھتے ہیں جو کچھ حلال سمجھتے ہیں اس میں ذبیحہ جانور اور اسلحہ وغیرہ اور جس کو حرام سمجھتے ہیں وہ ہے ان کے زیورات سونا چاندی وغیرہ اسے اس کے وارثوں کی طرف لوٹا دیتے ہیں۔ اس چھوٹے سے مقدمے کے بعد ان فرقوں کو بیان کرنے کی طرف منتقل ہو گیا جن کو ابو الحسن اور بغدادی نے اس سے قبل ذکر کیا تھا مگر اس کی عبارت میں بغدادی کی عبارت کا تھوڑی سی تبدیلی کے ساتھ غالب رنگ نظر آتا ہے ان تمام فرقوں سے متعلق جو جعل سازیوں اور طعن و تشنیع پر مشتمل تھے ذکر کر دینے کے بعد پھر اس لونڈی کے قصے کو بیان کیا جسے ہم نے ابو الحسن کی بحث میں تفصیل سے پیش کیا۔ ابو مظفر نے اسے مختصراً بیان کیا ہے۔ ابو الحسن اشعری اور بغدادی کی طرح اس قصے کو بیان کرنے کا خاص اہتمام نہیں کیا۔ اسفرائینی نے اباضیوں سے متعلق لکھنے میں کوئی نئی جدوجہد نہیں کی بلکہ وہی کچھ لکھا اور بیان کیا جو اس سے پہلوں میں بیان کیا تھا اور یہ کہ اباضیوں کو خوارج کا فرقہ کہا ہے جیسا کہ اس سے پہلے اشعری بغدادی اور ابن حزم نے کہا تھا پھر اس نے بھی اباضیوں کی طرف وہی جعل سازیاں منسوب کیں اور ایسے افراد کو ان کے آئمہ کی طرف منسوب کیا بغیر تحقیق اور تصدیق کے جن کا اباضیوں سے تعلق نہیں ہے۔ اس کی ساری وہی باتیں ہیں جو اس سے قبل علماء کی ذکر ہو چکی ہیں۔ ہاں اتنا فرق ضرور ہے جتنا غصہ، سختی اور لعن طعن۔ اس نے اباضیوں پر کی ہے اتنی کسی نے نہیں کی۔ محمد زاہد کوثری جو اس کتاب کا محقق ہے اس نے کتاب کے مؤلف کے حوالے سے دو اہم نقطوں کے ذریعے خوب بیان کیا ہے اس نے کتاب کے مقدمے میں

صفحہ نمبر ۱۳ پر درج ذیل کہا ہے۔ مصنف ؒ نے اس کتاب میں بغیر کسی خلل اور تنگی کے مختلف فرقوں کے اصحاب کے عقائد کے بیان میں کوئی خلاء باقی نہیں چھوڑا بلکہ بعض جگہ پر تو بڑا سخت مؤقف اپنایا ہے کچھ سطروں کے بعد کہتا ہے کہ اس نے بخاری کے جوابات سے متعلق رازی ابو امنصور بغدادی کو تعصب اور شدت کی بنا پر کڑی تنقید کا نشانہ بنایا اسی طرح ابو فتح شہرستانی پر بھی کڑی تنقید کی مگر ان کے علاوہ دوسروں پر بڑا نرم لہجہ بھی اپنایا اس سلسلے میں جو بیان کیا گیا ہے اور جن کی طرف منسوب کیا گیا غیر مصدقہ بے بنیاد جعل سازی پر مشتمل تھا جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے۔ محترم قاری اگر شیخ کوثری کے کلام کا آخری فقرہ پڑھ لے تو وہ جان جائے گا کہ یہ سارے اقوال جن کی طرف منسوب کیے گئے ہیں غلط منسوب کیے گئے اور یہ کہ لوگوں کی طرف وہ باتیں منسوب کی گئیں جو انہوں نے کہی ہی نہیں جیسے اس نے رازی کے حوالے سے بتایا کہ اس نے بعض اوقات بہت تعصب اور شدت اختیار کی۔ شیخ کوثری کی یہ عبارت ان تنبیہات کی طرف اشارہ کر رہی ہیں کہ علماء نے اپنے مخالف فرقے کے لیے اپنے مؤقف میں کتنی شدت اپنائی اور وہ اس انداز سے بیان کر رہا ہے گویا اس کے نزدیک یہ شدت پسندانہ رویہ کوئی بڑی بات نہیں یعنی علماء نے اپنے مخالف فرقوں سے متعلق لکھتے ہوئے یا بیان کرتے ہوئے سخت مؤقف اپنایا ہے تو یہ اس کے نزدیک غلط نہیں ہے یعنی عام بات ہے۔ گویا یہاں ایسے اقوال ہیں جو غلط منسوب کے گئے ہیں جب کہ وہ عقیدے میں درست تھے اور ان ساری جعل سازیوں اور حماقتوں سے بری تھے جو گمراہی بدعت فسق فجور اور کفر جیسی باتیں ان کی طرف منسوب کی گئی حقیقت میں وہ ان ساری باتوں سے پاک تھے اور بری تھے۔ سابقہ صفحات پر ہم نے محترم قاری کے لیے بہت سی ایسی مثالیں بیان کر کے وضاحت کی تھی کہ سب اقوال بے بنیاد ہیں جیسا کہ یہ بھی منسوب کیا گیا تھا کہ وہ اپنے مخالف پر مرتد یا کفر کا حکم لگاتے ہیں سب جھوٹ ہے۔ جیسا کہ میں نے سابقہ صفحے پر یہ بھی اشارہ کیا ہے کہ ابو المظفر اپنے اسلوب اور منہج میں فرقوں سے متعلق شدید مؤقف اپناتے اور ان پر نازاں ہوتے ہوئے کفر کے فتوے لگانے میں بغدادی سے بہت زیادہ متاثر تھا پھر دوسری طرف جن فرقوں کو وہ اپنی نظر اہل حق سمجھتا تھا ان کی خوب خوشامد کی یہاں تک کہ ان کو تعارف اور مبالغے میں ان ظالم بادشاہوں کے ساتھ ملا دیا جنہوں نے روحوں کو نیست و نابود اور تباہ کر دیا تھا۔ اسفرائینی اپنی کتاب کے صفحے ۱۷۶ پر کہتا ہے (جس کو اہل سنت کا ایک ستون سمجھا جاتا ہے) رہی بات ان علماء اجتہادات کی اقسام جس کا مدار اسلامی ممالک میں اہل سنت والجماعت ہے مشہور انواع میں جیسا کہ اسلامی ممالک میں قیام گائیں اور مساجد کا قیام چاہے وہ بنی امیہ کے دور میں قائم کی گئی یا بنو عباس کے زمانے میں قائم ہوئیں جیسا کہ مسجد دمشق جو کہ ولید بن عبد الملک کے زمانے میں تعمیر کی گئی جس کو خوارج اور روافض نے قتل کیا تھا۔ کچھ سطروں کے بعد کہتا ہے۔ "قطع نظر ولید بن عبد الملک کے دین کے اکثر مؤرخین نے اس کے حوالے سے کہا ہے جیسا کہ (مروج الذھب) میں آیا ہے کہ وہ بہت ظالم ہٹ دھرم اور جابر تھا۔" ولید ۹۶ ہجری میں فوت ہوا اس کے بعد تک بھی اہل سنت کا لفظ نہیں پایا جاتا تھا ابو حنیفہ اس وقت ایک بچے تھے اور امام مالک ایک سال کی عمر کے بچے تھے امام شافعی اور احمد بن حنبل ابھی پیدا بھی نہیں ہوئے تھے۔ اگر فرض کر لیں کہ ولید نے ایسے کارنامے کیے جو مسلمانوں کی عزت و وقار کا سبب بنے اور قابل فخر سمجھے جاتے ہیں تو وہ ان تمام اہل سنت مذاہب اور فرقوں سے پہلے تھا لہٰذا ان کارناموں میں ان اہل سنت کا تو کوئی حق نہ ہوا اور یہ

کہنا کہ وہ سنی تھا ایسا دعوی ہے جو بالکل بے بنیاد ہے اگر یہی فخر اور عزت کو عمر بن عبد العزیز کی طرف منسوب کریں تو وہ اس کے زیادہ مستحق ہیں۔ اسی طرح اگر اہل سنت ان کارناموں پر فخر کرتی ہے جن کو بادشاہوں اور ظالم حکمرانوں نے انجام دیا ان اعمال کو اپنی طرف عزت عظمت سمجھ کر منسوب کرتی ہے تو پھر خانے کعبے پر توپوں کے ذریعے پتھر مارنا اور اسے شہید کرنا یا پھر وہ وحشتناک اور بد افعال جن کو مدینہ منورہ میں بنو امیہ کے زمانے میں ان لوگوں نے انجام دیا وہ سب شرمناک افعال اہل سنت کے اعتبار کیے جاسکتے ہیں؟ اس میں کوئی شک نہیں کہ محترم قاری خود اس چیز کا ملاحظہ کر سکتا ہے کہ اس ساری روایات اور اقوال آراء بیان کرنے کے پیچھے اس فریبی سیاست کا ہاتھ ہے جس نے چالاکی اور عیاری سے امویوں کی خوشامد اور مدح میں علماء کے اقلام کی توجہ دلائی کہ وہ ان امراء کی تعریف میں جعل سازیاں لکھیں اور امویوں کے کارناموں کو مزین کر کے بیان کریں وہ سب کے سب اہل سنت کے اعمال اعتبار کر لیے جائیں جب کہ کوئی اور نیک عمل کرے اور قابل عزت کارنامہ سرانجام دے تو اسے یہ کہہ کر پھینکدیا جائے کہ ان کی نیت میں فساد اور خرابی ہے۔ یہ اس میں سے کچھ ہے جس کی طرف فریبی سیاست نے قلموں کی توجہ دلائی رہی یہ بات کہ اس مؤقف کی جس نے ولید کو سنی اعتبار کیا ہے اور اس کو روافض، خوارج نے قتل کیا تھا تو یہاں یہ کہتا ہوں اس نے ولید کو اس لیے سنی اعتبار کیا کیونکہ اس نے روافض اور خوارج کو قتل کرنے کی طرف توجہ معاونت کی تو قول ورائے میں مسلمانوں میں سے اپنے مخالفین کو قتل کرنے میں معاونت کرنا اہل سنت کے تناقض ہے ان کا نقطہ نظر اس کے برعکس ہے اس چیز کو تھامنا دلیل کے طور پر جو خدا تعالیٰ کی حدود کو قائم نہ کرسکے۔ رسول پاک ﷺ نے فرمایا!((مجھے حکم دیا گیا ہے میں لوگوں سے جہاد کروں یہاں تک کے وہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ نہ پڑھ لیں۔ بس اگر انہوں نے یہ کلمہ پڑھ لیا تو ان کا خون اور مال میری طرف سے محفوظ ہو گیا سوائے اس کا حق ان کا حساب اب اللہ تعالیٰ کے ذمہ ہے۔ جب اسکو یہ بات کہنے کی اجازت ہے کہ ولید سنی تھا اور حالانکہ اس نے اپنے دور میں بہت سے مسلمانوں کو قتل کیا تو پھر کیا حجاج سنی اعتبار نہیں کیا جائے گا؟ جبکہ اس نے ایک بہت بڑی تعداد کو قتل کیا تھا(مروج الذھب) میں صفحہ نمبر ۱۷۵ پر مسعودی نے لکھا ہے۔((حجاج نے جنگوں کے میدانوں میں جو قتل کیے ان کے علاوہ اس کے ہاتھ سے قتل ہونے والوں کی تعداد ایک لاکھ بیس ہزار ۱۲۰۰۰۰ ہے۔ پچاس ہزار لوگ مرد اور تیس ہزار عورتیں جیل میں قیدی کر کے مار دیے وہ اتنا ظالم اور بدبخت تھا کہ عورتوں مردوں کو اکھٹا ایک ہی جگہ جیل میں قید کیا کرتا تھا۔

ابو فتح شہرستانی اور اباضی

ابو الفتح الشہرستانی چھٹی صدی ہجری کے پہلے نصف میں مشہور ہوئے آپ نے اپنی صلاحیت کو عقائد سے متعلق مقالہ جات لکھنے میں خرچ کیا۔ لہٰذا اس موضوع سے متعلق آپکی کتاب (الملل والنحل) مصدر و مرجع شمار ہوتی ہے اس دورِ حاضر کے مقالہ نگار اسی کتاب پر اعتماد کرتے ہیں اور اس کو ایک ایسا مصدقہ مرجع مانتے ہیں جس پر تنقید کی کوئی گنجائش نہیں۔ ہم یہاں اس مؤلف کی کچھ مرافقت اختیار کرنا چاہتے ہیں تاکہ اس کے نقطہ نظر سے آگاہ ہو سکیں اور یہ جان سکیں کیا یہ عظیم عالم بھی سابقہ علماء کی طرح ان خطاؤں سے محفوظ رہا ہے یا نہیں جو اس سے سابقہ علماء نے اس موضوع سے متعلق کیں تھیں؟ ابو الفتح اپنی کتاب کے پہلے جزء جس کی پہلی اشاعت حسین تجارتی پریس نے کی تھی، صفحہ نمبر ۶ پر کہتے ہیں ((اسلامی فرقوں سے متعلق لکھنے کا میرا صرف یہ مقصد ہے اور خود پر یہ شرط عائد کر رہا ہوں کہ میں باطل میں سے حق کا تعین کروں اور درست کو خراب سے نکال کر واضح کر دوں جو بھی میں ان کی کتابوں سے پاؤں بغیر کسی تعصب اور بے جا تنقید کے حق کا باطل میں سے تعین کر دوں اور درست کو خراب سے نکال کر الگ کر دوں اس کے علاوہ اس کتاب کو لکھنے کا کوئی مقصد نہیں ہے۔ صفحہ نمبر ۴ پر کہتے ہیں۔ جیسا کہ یہ بات مشہور ہے کہ کوئی شخص اپنے مقالہ میں دوسرے سے منفرد نہیں ہو سکتا سوائے یہ کہ اس کے مسلئے کو دیکھا جائے گا کہ وہ کتنا متعبر اور مصدقہ ہے جیسے اس نے پیش کیا ہے خالی فصاحت و بلاغت اور غیر مصدقہ اقوال و آراء سے بات نہیں چلے گی۔ تو کیا ابو الفتح اس کتاب کی منصوبہ بندی اور آراء کو اصل مصادر سے لینے کے حوالے سے جو شرائط اس نے خود پر عائد کی تھیں پورا اترا یا نہیں؟ کیا عقائد اور آراء میں اس نے ان کے اصل لوگوں کے مصادر اور مراجع سے لیا یا نہیں؟ مجھے بہت افسوس سے کہنا پڑ رہا ہے کہ اس نے بھی شرائط پوری نہ کیں بلکہ اپنے سے سابقہ علماء کی طرح انہیں کے مسلک پر چلتے ہوئے سب کچھ لکھا اور بیان کیا اس نے بھی مخالفین کی کتابوں سے اخذ کیا اور حقیقی علماء اور آئمہ کی کتابوں کی طرف رجوع نہیں کیا۔ امت اسلامیہ کے ۷۲ فرقے بیان کیے جن میں سے صرف ایک فرقے کو جنتی قرار دیا باقی سب کو اہل جہنم قرار دیا۔ اس سب کچھ کو بیان کرنے میں سابقہ علماء جیسا طریقہ اپنایا بغیر تصدیق و تحقیق کے اقوال آراء کو ان کی طرف منسوب کیا جن کا ان سے دور کا بھی تعلق نہیں تھا ہاں بعض چھوٹے چھوٹے کچھ اجزاء میں ان کی مخالفت کی ہے ورنہ سب کا سب وہی ہے جیسے میرے خیال میں ہم نے سابقہ فصل کے اختتام میں پیش کیا تھا۔ ابو الفتح نے یہ وعدہ کیا تھا کہ وہ صرف مطلق فرقے کو ہی بیان کرے گا صحیح درست یا تنقید نہیں کرے گا نہ ہی درست، غلط قرار دے گا نہ ہی مرجع اور مصدر کی تمیز کرے گا اور نہ ہی حق باطل کا حکم لگائے گا مگر افسوس اس نے اپنے اس وعدے کو پہلے ہی قدم پر توڑ ڈالا اس نے اپنی کتاب کے مقدمے سے ہی اپنی تنقیدی تلوار کو فرقوں کو منظم کرنے اور طویل کالموں میں بیان کرنے کے لیے خاص کر دیا وہ فرقوں سے متعلق مقالہ جات کی جڑوں کو عہدِ ابلیس تک تاریخ کی گہرائیوں میں لے جاتا ہے اور تاریخ کے ہر دور میں ابلیس کے مؤقف کو واضح کرتے ہوئے مشرکین تک سلسلے کو لے گیا پھر وہاں سے آگے بیان کرتے کرتے فرقوں سے متعلق ابلیس کے مؤقف کی کڑی جوڑتے ہوئے نقطہ نظر اور قول آراء سے خاص کر دیا اور انہیں گمراہ کہہ دیا اور یہ کوشش کی ہے کہ ان فرقوں کو اپنی نظر میں گمراہ سمجھتے ہوئے منافقوں مشرکوں سے ملانے کے ساتھ

ساتھ ابلیس شیطان سے ملا دے۔ اس کی نظر میں تمام گمراہ فرقے چار اصولوں کے تحت گمراہ ٹھہرتے ہیں۔ وہ اپنی کتاب کے صفحہ ۱۰ اپر کہتا ہے۔ ا۔ پہلا لعین فرقہ وہ ہے جو کہتا ہے کہ ایسا حکم جسے عقل قبول نہ کرتی ہو ضروری ہے اس پر خالق کا حکم سمجھ کر ایک مخلوق کے طور پر جاری کر دیا، یا پھر مخلوق کا حکم خالق پس پہلے نے غلو کیا دوسرے نے کمی کی یعنی ایک نے زیادتی کی دوسرے نے کمی کی پہلے مؤقف والے مذاہب روافض میں سے حلولیہ (صوفیا کی ایک ایسی جماعت جو اہل سنت کے عقیدے کے بر خلاف حلول کا عقیدہ رکھتی ہے) التناسخیہ (ایسا فرقہ جو ارواح کے قائل ہیں اور بعث بعد الموت کے منکر ہیں)، المشبہ (ایسا فرقہ جو خدا تعالیٰ کی صفات کو مخلوق کی صفات کے ساتھ تشبیہ دیتے ہیں) اس لیے الغلاۃ پھوٹ پڑے یعنی ایک شخص کے حق میں اتنا غلو کیا کہ اسے اللہ تعالیٰ کی صفات کے ساتھ ملا دیا۔ جو دوسرے مؤقف والے ہیں ان سے مذاہب الجبریہ، قدریہ اور مجسمیہ پھوٹ پڑے جنہوں نے صفات خالق کو مخلوق کی صفات کے ساتھ خاص کر دیا۔ لہٰذا معتزلہ افعال کو تشبیہ دیتے ہیں اور مشبہ حلول کا عقیدہ رکھتے ہیں بس دونوں میں سے ہر ایک اندھا اور کانا ہے دونوں آنکھوں میں سے جس سے بھی دیکھے وہ کانا ہے۔ لہٰذا جس نے کہا کہ جو ہماری طرف سے اچھا سمجھا جائے گا وہ خالق کے ہاں بھی اچھا ہے جو ہمارے ہاں قبیح ہے وہ اس کے ہاں بھی قبیح ہے گویا اس نے خالق کو مخلوق سے تشبیہ دے دی اور جس نے یہ کہا کہ خدا تعالیٰ ویسی ہی صفات رکھتا ہے جیسی مخلوق یعنی خالق کے جسم کے قائل ہو گئے تو وہ حق سے الگ ہو گئے اسی طرح قدریہ مذہب پروان چڑھا۔ جو ہر چیز میں علت تلاش کرتے ہیں یہ اصل میں طریقہ شیطان لعین نے اپنایا تھا جب اس نے سب سے پہلے آدم کی خلقت کی رب تعالیٰ سے علت پوچھی اس کو مکلف بنانے کا سبب پوچھا کہ اللہ تعالیٰ اس کو زمین پر اپنا خلیفہ کیوں بنا رہا ہے تیسری یہ کہ آدم ؑ کو سجدہ کرنے کا کیا فائدہ ہو گا اسی شیطان ابلیس کے طرز فکر سے مذہب خوارج پھوٹا جب کہ ان کے اور شیطان کے اس قول میں کوئی فرق نہیں (لاحکم الا للہ) یعنی اقتدار اعلیٰ صرف خدا کی ذات ہے کے ساتھ خاص اسی کے لیے اقتدار، حکومت ہے اور وہ حکومت اقتدار کے لیے لوگوں کو اہل نہیں سمجھتے ایسا ہی قول شیطان کا تھا میں تیرے سواء کسی کو سجدہ نہیں کروں گا جیسے قرآن مجید میں آیا ہے:

﴿قَالَ لَمْ أَكُن لِّأَسْجُدَ لِبَشَرٍ خَلَقْتَهُۥ مِن صَلْصَٰلٍ مِّنْ حَمَإٍ مَّسْنُونٍ﴾

"(ابلیس نے) کہا: میں ہرگز ایسا نہیں (ہو سکتا) کہ بشر کو سجدہ کروں جسے تو نے سن رسیدہ (اور) سیاہ بودار، بجنے والے گارے سے تخلیق کیا ہے"(۱)

اگر ہم یہ بات کہیں تو درست ہو گا کہ دونوں امور کا قصد کرنا قابلِ مذمت ہے۔ پس معتزلہ نے توحید میں اس حد تک غلو کیا کہ صفات تک کی نفی کر دی مشبہ نے اس قدر کمی کی یہ خالق کو اجسام جیسی صفات سے متصف کر دیا۔ اسی طرح رافضیوں نے نبوت، امامت میں غلو کرتے ہوئے اس حد تک پہنچ گئے کہ حلول کا عقیدہ رکھنے لگے جب کہ خوارج نے حکومت، اقتدار میں اس حد تک تقصیر کر دی کہ لوگوں سے مکمل طور پر نفی کر دی۔ تو دیکھ رہے ہو یہ تمام شبہات اس پہلے

---

(۱) الحجر،۱۵/۳۳۔

شیطان لعین کے شبہے سے پیدا ہو رہے ہیں اور یہی اس شبہے کا پہلا مصدر ہے دوسرا اس شبہے کا مظہر ہے۔ تم دیکھ رہے ہو کیسے اس نے فرقوں کی اصل کو ابلیس لعین کے ساتھ ایسے وہم کے کمزور دھاگوں سے مربوط کرنے کی کوشش کی ہے جو اس ترابط کی قدرت کی صلاحیت نہیں رکھتے لہٰذا اسی نے شروع ہی میں ان تمام فرقوں پر گمراہی ضلالت اور اس کی پیروی کو خواہشات پر مبنی حکم لگا دیا۔ اس نے ان تمام فرقوں کا ذکر تفصیلی طور پر اپنی کتاب میں صرف ایک ہی غرض سے کیا ہے وہ یہ کہ ان کی مردم شماری کر سکے اور انکے پیروکار لوگوں کی بہت بڑی تعداد سے برأت کا اظہار کریں تاکہ مقالہ نگار ان کو جہنم کی طرف دھکیل دیں۔ رہی بات اس کے وعدے کی کہ وہ ہر فرقے سے متعلق وہی کچھ لکھے گا جو ان کی کتابوں سے پائے گا تو میں بڑے افسوس سے کہتا ہوں اس نے وعدہ وفا نہیں کیا اور اس شرط پر عمل نہیں کیا یہ رائے تو میں اس بنیاد پر دے رہا ہوں جو کچھ اس نے اباضیوں سے متعلق لکھا بغیر تصدیق و تحقیق کے اپنی شرط کے برخلاف اور وعدہ جفا کرتے ہوئے لکھا۔ رہی بات ان دوسرے فرقوں کی جن سے متعلق اس نے لکھا ہے مجھے ان کا علم تو نہیں کس قدر حق پر مبنی لکھا ہوگا مگر میرا یہی خیال ہے اس جیسا ہی لکھا ہوگا جیسا اس نے اباضیوں سے متعلق لکھا ہے کچھ مختلف نہیں ہوگا فرقوں سے متعلق لکھتے ہوئے اس کا لحاظ رکھنا کہ اقوال آراء جن کو ان فرقوں کی طرف منسوب کیا جاتا ہے وہ انہیں فرقوں کے مصادر مراجع سے تصدیق شدہ ہونے چاہیں یہ بات بہت بڑی اہمیت کی حامل ہے کیونکہ قارئین بھی اسی بات کو ثقہ مانتے ہیں اور اس پر اعتماد کرتے ہیں جو اس فرقے کی کتابوں سے لی گئی ہوں حوالہ جات کے ساتھ اگر ابوالفتح بھی اس شرط کو پورا کرتا تو وہ ہر چیز کی پختگی کے حوالے سے سچا سمجھا جاتا چونکہ وہ اپنا وعدہ پورا نہیں کر سکا اور نہ ہی اس شرط کا لحاظ رکھا جو خود ہی اس نے اپنی ذات پر عائد کی تھی لہٰذا جو کچھ اس نے بیان کیا وہ مشکوک ہو گیا اس کی دوبارہ سے تحقیق ہونا شروع ہو گئی وہ قارئین کی نگاہ میں صادق و امین اور ثقہ نہ رہا۔ اس نے اپنی کتاب کے پہلے جز میں صفحہ نمبر ۲۱۲ پر مزید یہ کہا ہے۔ ((اباضیہ عبداللہ بن اباض کے ساتھی ہیں جس نے مروان بن محمد کے عہد میں خروج کیا لہٰذا عبدالملک بن محمد اس کے پیچھے گیا اور تبالہ کے مقام اس سے لڑائی کی یہ بھی کہا جاتا ہے عبداللہ بن اباض اس کا تمام معاملات میں بہت گہرا دوست تھا۔ عبداللہ بن اباض نے کہا ہے کہ ہمارے تمام اہل توحید مخالفین مشرکین تو نہیں مگر کفار نہیں اسی طرح ان کی بیویاں جائز ہیں وراثت، اموال جانوروں اور اسلحہ وغیرہ حالتِ جنگ میں سب حلال ہے اور جو کچھ حرام ہے وہ ہے ان کا قتل، قیدی کرنا بتری صورت میں سوائے حجت قائم کرنے کے بعد اور یہ بھی کہا ہے کہ مخالفین کا وطن بھی دارالتوحید ہے سوائے بادشاہ کی رہائش گاہ اور ٹھکانے کہ وہ سرکش بغاوت اور باغیوں کا وطن سمجھا جائے گا اپنے ولیوں کے حق میں مخالفین کی گواہی قبول کی جائے گی جو کبائر کا ارتکاب کرتے ہیں اہل توحید تو ہیں لیکن مومن نہیں ہیں۔ پھر اس نے چند اقوال کا ذکر کیا ہے اور کہا کہ ان کو ان سے کعبی نے بیان کیا ہے۔ میں محترم قاری کے لیے ان ملاحظات کو جاننا بہت ضروری سمجھتا ہوں لہٰذا ہمیں پھر ابوالفتح کی کچھ دیر مرافقت اور سنگت اختیار کرنا پڑے گی۔ ا۔ اس نے ذکر کیا کہ عبداللہ بن اباض نے مروان بن محمد کے عہد میں خروج کیا اور تبالہ کے مقام پر قتل کر دیا گیا۔ یہ ایک ایسی خطا ہے جس میں ابوالفتح سے لے کر وہ تمام مقالہ نگار جنہوں نے اس موضوع سے متعلق لکھا ہے بہہ گئے ہیں کیونکہ عبداللہ بن اباض مروان بن محمد کے زمانے میں تھا ہی نہیں وہ تو عبد

الملک کے عہد آخری ایام میں وفات پا گئے تھے۔ مجھے لگتا ہے ان کو دو اور اباضی لوگوں کا شبہ لگا ہے جن کے ضمن میں عبداللہ بن اباض کا ذکر کر دیا ہے وہ ہیں المختار بن عوف یا بلیح بن عقبہ جو کہ عبداللہ بن یحیٰ طالب کے ساتھی ہیں اور یہ سب کے سب اباضی ہیں۔ ۲۔ جو اقوال آراء اس نے اباضیوں کی طرف منسوب کی ہیں وہ تقریباً وہی ہیں جن کے حوالے سے ہم اس قبل بیان کر چکے ہیں۔ ان میں سے بعض فصلوں کو ہم پیش کریں گے اور یہ واضح کریں گے جو کچھ اباضیوں کے اقوال کے موافق ہے اور جو مخالف۔ اسی طرح جو کچھ وہم، ابہام کی صیاغت میں لکھا گیا ہے جس کی وضاحت ضروری ہے۔ ۳۔ اس نے ذکر کیا ہے کہ تمام وہ اقوال جو اباضیوں کی طرف منسوب کیے گئے ہیں ان کو اباضیوں سے کعبی نے بیان کیا ہے۔ ابوالفتح کا یہ موقف درست ہے کہ یہ سارے اقوال کعبی نے اباضیوں کی جانب سے روایت کیے ہیں چاہے وہ مصدقہ تھے یا غیر مصدقہ۔ اور بہت عمدہ طریقے سے اس نے ان اقوال کو منسوب کرنے کی اُس ذمہ داری سے خود کو الگ کر دیا جو اس کے اوپر عائد تھی۔ ۴۔ حفصی، حارثی، یزیدی یہ مستقل فرقے ہیں ان کا اباضیوں سے کوئی تعلق نہیں اس موقف میں تحقیق اور چھان بین ہوئی ہے اس بابت میں اس نے سابقہ علماء کی مخالفت کی ہے جنہوں نے اس موضوع سے متعلق لکھا تھا۔ ۵۔ اس نے ثعلبہ اور لونڈی کو بیچنے والے قصے ذکر نہیں کیے لہٰذا اس کی کتاب اس طرح کی جعل سازیوں اور بے وقعت جھگڑوں سے محفوظ رہی۔ لہٰذا ان ساری باتوں سے واضح ہوتا ہے کہ ابوالفتح فرقوں کی تقسیم اور ان پر حکم لگانے کے حوالے سے اگرچہ دوسروں کے طریق پر چلا ہے۔ مگر اس کی بیان کردہ بعض آراء تحقیق پر مبنی ہیں اور تصدیق، تحقیق میں جدوجہد کے حوالے سے دوسروں پر سبقت لے گیا ہے اور بہت سے نقطہ نظر میں ان کی مخالفت کی ہے ہم اس کی گرفت نہیں کر سکتے اور نہ ہی آڑے ہاتھوں لے سکتے ہیں سوائے دوسروں کی طرح ان احکامات کے جو اس نے تمام فرقوں پر گمراہی کے لگائے ہیں اور یہ کہ اس نے اس شر کی مخالفت کی کہ وہ تمام نقطہ ہائے نظر میں سلبی رائے پر قائم رہے گا نہ کسی فرقے کو درست کہے گا نہ غلط اسی طرح اس نے وعدہ کیا تھا کہ وہ اقوال اسی فرقے کے مصادر مراجع سے رجوع کر کے لے گا لیکن اس حوالے سے بھی اس نے وفا نہیں کی لہٰذا اس مقالے میں وہ قابلِ گرفت ہے۔ اباضیوں کی بابت وہ کعبی کی طرف لوٹا بجائے کہ وہ اباضیوں کے مصادر مراجع کی طرف اور ان کے علماء کی طرف رجوع کرتا لہٰذا وہ ایسی خطاؤں میں ملوث ہوا جن میں اس جیسے بڑے عالم کو نہیں ہونا چاہیے تھا رہی عبداللہ بن اباض کی بات تو یہ اسکی تاریخی حوالے سے بہت بڑی غلطی ہے جس بات کو اس کی مثل دوسرے بہت سے مؤلفین اور مقالہ نگار تسلیم نہیں کرتے۔ بہر حال کسی بھی صورت میں اس نے اباضیوں سے متعلق لکھتے ہوئے اقوال و آراء کی اباضیوں کے مصادر مراجع ان کی کتب اور علماء سے رجوع نہیں کیا بلکہ ان کے غیروں پر اعتماد کیا مگر پھر بھی اس کے فرقوں سے متعلق اقوال کا بیان کسی حد تک دقت باریک بینی اور تحقیق سے موسوم کیا جا سکتا ہے اس نے جو کچھ اباضیوں سے متعلق سنا تھا اسے اپنے ناقدین کی طرف منسوب کر دیا ان میں سے بعضوں کو اباضی اعتبار کیا ان کا مستقل فرقہ نہیں سمجھا اسی طرح اس نے جھگڑے پر مبنی لونڈی اور بچی کے قصے کو ذکر نہیں کیا یہ ایک ایسا پہلو ہے جس میں وہ تنقیدی نقطہ نظر سے دوسرے مؤلفین اور مقالہ نگاروں سے منفرد نظر آتا ہے لہٰذا یہ اس کا قابلِ تحسین عمل ہے۔

دوسری قسم

اباضی علماء معاصرین کی تہمتوں کی زد میں

- ❖ استاد علی مصطفی غوابی
- ❖ ابوزہرۃ
- ❖ عبدالقادر شیبۃ الحمد
- ❖ ڈاکٹر ہویدی
- ❖ ڈاکٹر ہویدی مستشرقین کی پیروی میں
- ❖ عزالدین تنوخی
- ❖ استاد ابراہیم عبدالباقی

وہ کتب جو اس دورِ حاضر میں فرقوں سے متعلق بیان کرتی ہیں چاہے وہ تمام فرقوں سے متعلق بیان کریں یا بعض سے متعلق وہ بہت سی ہیں اور بحث، تحقیق کے مناہج میں بھی مختلف ہیں جن کا احاطہ کرنا ممکن نہیں کیونکہ ان کے اسالیب ایک کاتب سے دوسرے کاتب تک تبدیل ہوتے رہتے ہیں یعنی ہر کاتب کا اپنا اسلوب ہے ان میں سے بعض کاتب تقلیدی ہیں جو قدیم مصادر مراجع کی طرف رجوع کرتے ہیں اور انہیں پر محدود ہیں اور اعتماد کیے ہوئے ہیں وہ یا تو اصل عبارت کو نقل کرتے ہیں یا پھر اس کا معنی بیان کردیتے ہیں اس طریقے سے نہ تو سوچ کا استعمال ہوتا ہے اور نہ ہی کسی رائے پر عمل کیا جا سکتا ہے۔ اسی طرح ان کاتبوں میں سے بعض ایسے کاتب ہیں جو عربی مصادر کی بجائے اجنبی مصادر کی طرف مائل ہوتے ہیں جن سے اسلوب اپناتے ہیں اور پھر اپنی ریسرچ کے لیے ایک منہج وضع کرتے ہیں پھر ان کی آراء اور نظریات سے اقتباس کر کے ان کے مطابق احکام لگاتے ہیں۔ کچھ ایسے بھی ہیں جو مختلف مصادر سے آگاہی کی غرض سے اپنی محنت اور جدوجہد کو خرچ کرتے ہیں اور پھر کسی فرقے پر جب تک اسی کے مصادر مراجع کی طرف رجوع نہیں کر لیتے اور اس فرقے سے متعلق جو کچھ کہا گیا اس کا موازنہ کیے بغیر حکم نہیں لگاتے۔ معاصرین کی اباضیوں سے متعلق لکھی جانے والی کتب اور ان کے مناہج اسلوب جان لینے کے بعد جن علماء کو نمونے کے طور پر میری رائے نے چنا ہے وہ علماء ہیں جو سابقہ جہالت، اندھی تقلید کی نمائندگی کرتے ہیں جن کے نام اور کتابیں درج ذیل ہیں:

۱. استاد علی مصطفی الغوابی(تاریخ الفرق الاسلامیة)

۲. (المذهب الاسلامیة)استاد ابوزہرۃ

۳. (تاریخ المذاهب الفقهیة)استاد ابوزہرۃ

۴. (الادیان و الفرق و المذاهب المعاصرة)استاد شیبۃ الحمد

۵. (تاریخ فلسفة الاسلام فی القارة الافریقیة)ڈاکٹر ہویدی

۶. (مقدمات علی مجموعة من الکتب)استاد عزالدین التنوخی

۷. (الدین و العلم الحدیث)استاد ابراہیم محمد بن عبدالباقی

اب میں محترم قاری سے ان علماء کرام کی سنگت سے لطف اندوزی اٹھانے کی التماس کرتا ہوں۔

استاد علی مصطفی غوابی

یہ دور حاضر کے وہ مؤلف ہیں جنہوں نے اسلامی مذاہب سے متعلق لکھا جس نے میانہ روی، عدم تعصب کو اپنا شعار بناتے ہوئے ایسا اسلوب اپنایا جو لطافت رقت اور باریک بینی سے مزین ہے اس حوالے سے اس کی کاوش قابل صد تحسین ہے۔ اس نے اپنی گفتگو میں تمام اسلامی فرقوں کو محبت، احترام اور تعاون کے کالم میں ڈھالنے کی کوشش ہے کم از کم ہر

فرقے کے مزاج اور عمومی عادات، اسالیب کو بیان کرنے کے ساتھ ساتھ اس کی اسلام کے لیے خدمات کو بھی ذکر کیا لیکن اس کے باوجود وہ مطلق اعتماد اور کامل پختگی کی بنا پر اپنے قدموں کو پھسلنے سے محفوظ نہ رکھ سکا بلکہ اس نے بھی انہیں اقوال آراء پر بھروسہ کیا جو دوسروں نے اباضیوں سے متعلق بیان کیے تھے لہٰذا اس کی نظر میں یہ اباضی خوارج کے فرقوں میں سے ایک فرقہ ہے۔ اس نے یہ مؤقف کن مصادر مراجع پر اعتماد کرتے ہوئے اپنایا وہ مندرجہ ذیل ہیں:

(المقالات) امام اشعری

(الفرق بين الفِرق) بغدادی

(الملل والنحل) شہرستانی

(التبصير) اسفرائینی

یہ وہ کتابیں ہیں جن کے حوالے سے ہم تفصیلی بیان کر چکے ہیں۔ بعض اوقات علی مصطفی الغوابی تھوڑا بہت رازی کی طرف بھی اشارہ کرتا ہے اسی طرح اس نے مستشرق جولد کی کتاب (معرفة موطن الاباضية فی العصر الحاضر) پر بھی اعتماد کیا ابتداء ہی سے یہ بات معلوم ہے کہ اس کے ہاں یہ مصادر معتمد ہونے کے باوجود اپنی رائے قائم کرنے میں اس اسلوب سے نہیں نکلا بس کسی حد تک اپنے نرم اسلوب اور لہجے میں سابقہ سے منفرد رہا۔ ان ساری باتوں کے باوجود اس کی محنت اور کاوش قابل تحسین ہے کیونکہ وہ یہ دلالت کرتی ہے کہ وہ سوچ فکر میں آزاد رہا اپنی عقل وشعور پر عمل کرنے والا تھا یہاں تک کہ وہ کسی راستے پر اس وقت تک نہیں چلتا جب تک اس کے کھڈوں اور رکاوٹوں سے آگاہی حاصل نہیں کر لیتا وہ اپنی اس فہم فراست کے اسلوب میں انفرادی حیثیت کا حامل ہے۔ رہی بات کہ اس نے بھی اباضیوں کو خوارج کا ایک فرقہ سمجھا ہے تو میں یہ کہتا ہوں یہ بھی کلی طور پر نہیں کہا جاسکتا کیونکہ اس نے اباضیوں سے متعلق تھوڑی سی ہی گفتگو کی ہے وہ بھی خوارج کے لفظ کے مختلف تعریفات کی بابت لکھا ہے جس کا میں مضبوط، مستحکم بنیادوں پر جائزہ لے سکتا ہوں اور اس عُقدے کی وضاحت کر سکتا ہوں۔ وہ لفظ خوارج کی تین تعریفات کرتا ہے۔ ۱۔ خوارج کو یہ نام اس لیے دیا گیا کیونکہ وہ حضرت علی کی امامت سے خروج کر گئے تھے۔ اور یہ تعریف ابوالحسن الاشعری کے نزدیک زیادہ معتبر ہے۔ ۲۔ وہ صفحہ کے حاشیہ پر اس بات کو ترجیح دیتا ہے کہ۔ (یہ نام اللہ تعالیٰ کے اس فرمان سے ماخوذ ہے۔

﴿وَمَن يُهَاجِرْ فِي سَبِيلِ ٱللَّهِ يَجِدْ فِي ٱلْأَرْضِ مُرَٰغَمًا كَثِيرًا وَسَعَةً ۚ وَمَن يَخْرُجْ مِنۢ بَيْتِهِۦ مُهَاجِرًا إِلَى ٱللَّهِ وَرَسُولِهِۦ ثُمَّ يُدْرِكْهُ ٱلْمَوْتُ فَقَدْ وَقَعَ أَجْرُهُۥ عَلَى ٱللَّهِ﴾

"اور جو کوئی اللہ کی راہ میں گھر بار چھوڑ کر نکلے وہ زمین میں (ہجرت کے لیے) بہت سی جگہیں اور (معاش کے لیے) کشائش پائے گا، اور جو شخص بھی اپنے گھر سے اللہ اور اس کے رسول (ﷺ) کی طرف ہجرت کرتے ہوئے نکلے پھر اسے (راستے میں ہی) موت آ پکڑے تو اس کا اجر اللہ کے ذمے ثابت ہو گیا"(۱)

اس بنیاد پر یہ نام مدح کے ضمن میں ہو گا مذمت کے حکم میں نہیں چونکہ ان کی زندگی جہاد میں گزر گئی مگر وہ اپنے اصولوں پر قائم رہے۔ ۳۔ خوارج کا ایک معنی یہ بھی ہے ہر وہ شخص جس نے ایسے امام حق سے خروج کیا جو امت مسلمہ کا متفقہ امام تھا اس کو خارجی کا نام دیا جائے گا چاہے اس نے دورِ صحابہ ﷺ میں خروج کیا ہو یا بعد میں تابعین کے خلاف کسی بھی زمانے میں کسی امام حق سے خروج کیا ہو وہ خارجی کہلاتا ہے۔ اس تعریف کا اطلاق مخالفین پر ہو گا اور یہ خوارج کا نام اس وقت تک جاری ہے جب تک حکومتی حکمرانوں اور اصحابِ اقتدار کے خلاف خروج کرنے والے موجود ہیں۔ اس تعریف کو شہرستانی کی طرف منسوب کیا جاتا ہے۔ اس سب کے باوجود وہ دوسری تعریف کو ترجیح دیتے ہوئے صرف یہ کہتا ہے کہ (لیکن اس اصطلاح کے حوالے سے خوارج کے درمیان فرق ہے یعنی وہ تعریف اور اصطلاح جیسے شہرستانی کی طرف منسوب کیا گیا ہے اور وہ خوارج جن کی ہم تاریخ بیان کرتے ہیں وہ ان کی تحریک کا تاریخ کے تناظر میں تذکرہ کرتا ہے لیکن اس کے راستے میں ایک بہت گہرا کھڈا واقع ہو گیا اور وہ اس راستے کو اپنے سے ماقبل دوسرے مؤرخین اور مقالہ نگاروں کی طرح عبور نہیں کر سکا۔ سوائے عمدہ سوچ تفکر اور غور و فکر کے۔ یعنی وہ اپنے راستے کا کھڈا غور و فکر سے ہی عبور کر سکتا تھا۔ پھر وہ کلی طور پر خوارج کی آراء کو پیش کرتا ہے جیسے خوارج کے مصادر ان آراء کی تصویر کشی کرتے ہیں پھر ایک ایک کر کے ان کے اصلی فرقوں کو پیش کرنے کی طرف منتقل ہوتا ہے یہاں تک کہ اباضیوں تک پہنچ جاتا ہے لیکن ان خوارج کے مصادر کی نہج پر چلتے ہوئے ان کی پیروی کرتا ہے۔ لیکن اس کو اتفاقیہ طور پر اور چیزوں نے آلیا جن کا سابقہ نے اہتمام نہیں کیا تھا وہ یہ کہ ان مصادر مراجع نے اس کو غور و فکر اور حیرت میں ڈال دیا ہم محترم قاری کی وضاحت کے پیش نظر ان دونوں نقطۂ نظر کی طرف تفصیل سے لوٹنا مناسب سمجھتے ہیں۔ استاد غوابی خوارج کے مصادر کے مطابق تاریخی تناظر میں خوارج کی تحریک کو خلاصہ پیش کر رہا تھا یہاں تک اس نے یہ ذکر کیا کہ ان سب خوارج کو اہل نہروان میں قتل کر دیا گیا تھا۔ چار ہزار میں سے صرف نو لوگ بچے۔ اور یہ مصادر یہ بھی بیان کرتے ہیں کہ چار ہزار لوگ اپنے مدِّ مقابل دشمنوں کو قتل نہیں کر سکے سوائے ان نو لوگوں کے گویا وہ سارے لوگ قیدی تھے اور مسلح نہیں تھے رہی بات ان نو کی تو وہ اس خوفناک میدان کارِ زار سے بچ کر مختلف ممالک میں پھیل گئے اس میں کوئی شک نہیں کہ ایسی حالت میں کوئی قریبی زمانے میں تحریک کا قیام کر سکے مگر ایسا واقع ہوا۔ مؤلف تاریخ کے واقعات کو پیش کرتا ہے کہ دورِ اموی کی ابتداء اور تمام خوارج کا نہر کے کنارے پر قتل ہو جانے کے بعد لازمی تھا۔ معمول کے مطابق ایک تحریک چلتی رہے لیکن اس نے یہ ظاہر نہیں کیا کہ قتل کیے جانے عالے خوارج اور تحریک خوارج کے درمیان خارجی مصادر کے مطابق تعلق کیسے مربوط ہوا اور یہ تعلق

---

(۱) النساء، ۴/ ۱۰۰۔

جو ان کے درمیان سمجھا جاتا ہے حیرت میں ڈال دینے والا ہے اور سوال کرتا ہے کہ ان کے درمیان کون سا تعلق تھا لیکن اس کا جواب حاصل نہیں کر سکا کیونکہ سابقہ مؤرخین اس کے متعلق کچھ بھی نہیں پیش کر سکے بلکہ انہوں نے اس کا اہتمام ہی نہیں کیا اور نہ ہی اہم سمجھا ہے۔ پس اس کو شکوک و شبہات اور حیرانی سے تسلیم کر لیتا ہے پھر وہ نقطۂ نظر اپناتا ہے اور یہ گمان کرتا ہے کہ وہ اگر کلی حل پیش نہ کر سکا تو کچھ جزوی حل ضرور پیش کرے گا لہٰذا اس نے محکمۃ (یعنی خوارج) کو دورِ حاضر کے خوارج کا اسلاف اعتبار کیا جب کہ اس سلفی تعلق کی وہ وضاحت نہیں کر سکا اور نہ ہی اس کی کوئی تفسیر پیش کر سکا کہ اس نے دورِ حاضر کے خوارج کا اوائل زمانے کے خوارج سے کیسے تعلق مربوط کیا پس جتنا ممکن تھا اس نے اس تعلق کو بیان کرنے کی کوشش کی اس وراثتی فکر کے تناظر میں جو اس نے حاصل کی تھی اس کے مطابق جس حد تک وہ تعلق کو بیان کر سکا اس کو بیان کرنے کی کوشش کی جبکہ محکمۃ اور امیر المومنین حضرت علی کے درمیان اختلاف واقع ہوا تھا جو کہ ۳۷ ہجری میں ختم ہو گئے تھے۔ رہی بات خوارج کی ان کے مؤقف کو خاص اصولوں کے تحت امویوں کی ضد میں سن ۶۴ ہجری کے تناظر میں پیش کیا جن کی قیادت الازارقہ اور نجدات کر رہے تھے۔ جیسا کہ استاد غوابی کی رائے ہے اس بات کے پیش نظر قدیم خوارج (محکمۃ) اور آج کے خوارج کے درمیان عملی تاریخی فرق ہے اسی طرح ان دونوں کے درمیان فکری اختلاف بھی پایا جاتا ہے اگرچہ اس اختلاف کا ذکر استاد غوابی نے نہیں کیا لیکن تم اس کی کتاب کا مطالعہ کرنے کے دوران اس چیز کو محسوس کرو گے وہ یہ کہ محکمۃ (قدیم خوارج) دورِ حاضر کے خوارج سے طرزِ عمل میں بالکل مختلف تھے وہ ایسے کہ جب قدیم خوارج کے مصادر کو بیان کرتا ہے تو اس میں اس کو تشدد کے عناصر نظر آتے ہیں مگر جب ان کو ایک ایک فرقے کے طور پر الگ الگ بیان کرتا ہے تب اباضیوں کو جن مصادر پر اعتماد کرتے ہوئے خوارج کا فرقہ شمار کرتا ہے۔ ان مصادر کے اندر پر تشدد تعصب پر مبنی صورت نہیں پاتا چاہے وہ ان خوارج کی جانب سے تصویر بنائی گئی ہو یا ان کی تصویر کسی اور نے پیش کی ہو کہیں بھی وہ غصہ اور تشدد نظر نہیں آئے گا جو محکمۃ (قدیم خوارج) کے مصادر میں نظر آتا ہے۔ دوسرے موقف کے حوالے سے عادت کے مطابق تمام مؤرخین غور و فکر کرتے رہے مگر کوئی حل پیش نہیں کر سکے جیسا کہ مؤلف ان تمام مصادر مراجع پر یہ تہمت بھی نہیں لگا سکتا کہ محکمۃ (یعنی قدیم خوارج) دور حاضر کے خوارج ہی ہیں لیکن یہ دور حاضر والے اپنے اسلاف سے فکری طور پر بدل گئے ہیں تشدد سے آسانی اور نرمی کی طرف آ گئے ہیں کیونکہ اباضی مصادر جو مزاج اور طعیبتس بیان کرتے ہیں وہ (محکمۃ) کے مکمل طور پر مختلف ہیں۔ اسی طرح اباضیوں کے نقطہ ہائے نظر میں ان متشدد (محکمۃ) سے بالکل متفق نہیں ہیں جس کی بنا پر یہ کہا جا سکتا ہو کہ اباضی محکمۃ کے بعد میں آنے والے خوارج ہی ہیں وہ پہلے تھے یہ بعد میں آئے ہیں صرف انہوں نے اپنے مؤقف میں نرمی اور آسانی پیدا کر لی ہے جب کہ پہلے والے متشدد تھے ہر گز ایسی بات نہیں اباضیوں اور محکمۃ (یعنی قدیم خوارج کے درمیان کوئی دور کا بھی تعلق نہیں ہے چاہے وہ فکری اعتقادی یا نظری ہو کسی بھی طرح کا کوئی مربوط تعلق ان کے درمیان نہیں ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ سوچ صرف اصولی طور پر استاد غوابی کے ذہن میں ایک خیال کی طرح پیدا ہوئی جس کے ذریعے وہ کوشش کر رہا ہے کہ وہ اس گہرے کھڈے سے نقطہ نظر تبدیل کر کے نکلنے کا حل دے سکے جیسے تمام مؤرخین اور مقالہ نگاروں نے بغیر اہتمام کے ترک کر دیا

تھا۔ وہ ایک خیال کے طور پر اس کے ذہن میں منتقل ہوا پھر ایک مفروضہ بنا یہاں تک کہ اس کو ایک حقیقت سمجھ کر اپنی فکر وسوچ اور نقطہ نظر کی اس پر بنیاد رکھ دی لیکن یہ خیال ایک مفروضے کے طور پر اس لکڑی کی طرح باقی رہا جیسے ایک گہرے کنوے کے اوپر رکھا جاتا ہے تاکہ گزرنے والا اس کے اوپر سے گزر کر اس کنوے ں کو عبور کر سکے لیکن جب وہ اس پر سے گزر رہا ہوتا ہے تو اس کے پاؤں کانپ رہے ہوتے ہیں پھسلنے کے ڈر سے اور وہ اس کے نیچے کی صورت حال کو پوشیدہ حقیقت کے طور پر محسوس کرتا ہے یہاں میں یہ بات کہنا پسند کروں گا کہ جن مقالہ نگاروں نے خوارج کو اپنی بحث کا موضوع بنایا ہے۔وہ تین طرح کے ہیں۔ پہلی قسم وہ متشدد مقالہ نگار جو خوارج کو اسلام سے نکال دینے والے ہیں یا قریب ہے کہ تاریخی اسلامی کے تمام زوال کے بوجھ ان کے کندھوں پر ڈال دیں گے۔ایک دورِ حاضر کا مؤرخ کہتا ہے۔ "جب سے انہوں نے حضرت علی ﷛ کی امامت سے خروج کیا تب سے فتنے کا ایک ایسا دروازہ کھلا جو آج تک کبھی بند نہیں ہو سکا اور نہ ہی اس وقت تک بند ہو سکتا ہے جب تک اس کے ساتھی مددگار زمین میں موجود ہیں۔" دوسری قسم وہ مؤرخ ہیں جو بغیر تحقیق، تصدیق اور غور فکر کے جو کچھ مصادر میں پاتے ہیں نقل کرنے والے ہیں اپنی رائے بھی اتفاقیہ مانتے ہیں جب وہ ایسے مصادر پاتے ہیں جو خوارج کی فضیلت کی طرف میلان رکھتے ہیں تو ان کی رائے ان کے بارے میں بڑی پر لطف اور نرمی والی ہو جاتی ہے اور جب ناپختہ مصادر کی طرف ان کی نظر جاتی ہے جو ان کے مخالفت میں لکھتے ہیں تو تب ان کی ان کے بارے میں مختلف ہو جاتی ہے یعنی کوئی پختہ رائے کے حامل نہیں ہیں جدھر کی ہوا ہوتی ہے ادھر کا رخ کر لیتے ہیں۔ تیسری قسم وہ لوگ ہیں جو ان کے حوالے سے معتدل نقطہ نظر رکھتے ہیں ان کو مسلمان شمار کرتے ہیں اور ان سے متعلق رواداری اور لطافت کی سوچ رکھتے ہیں بعض آراء میں ان کو اہل عذر سمجھتے ہیں لیکن بعض آراء اور اصولوں میں ان کی تائید کرتے ہیں۔ اس تیسری قسم میں استاد علی الغوابی کا شمار ہوتا ہے جس نے سابقہ مقالہ نگاروں اور مؤلفین کی طرح خوارج کو صاحبِ عذر ٹھہرایا ہے اور ساتھ ہی ساتھ ان کے حوالے سے اپنے نقطۂ نظر میں اعتدال اور رواداری کے پیش نظر نرمی بھی برتی ہے۔ اے محترم قاری میرے لیے یہ ممکن ہے کہ میں استاد غوابی کا خوارج اور اباضیوں سے متعلق نقطۂ نظر کے حوالے سے مندرجہ ذیل نکات کی روشنی میں خلاصہ پیش کروں:

۱۔ خوارج کا دینی تعلیم کے حوالے سے سطحی ادراک تھا۔

۲۔ وہ دین کو اپنی فہم کے مطابق جتنا بھی سمجھیں اس میں ان کا اخلاص بہت زیادہ تھا۔

۳۔ ان کے عقائد میں ان کا اخلاص ہی تھا جس نے ان کو ہر اس شخص کے لیے متشدد بنا دیا جو امورِ دینی ہمیں کسی معاملے کی مخالفت کرتا تھا۔

۴۔ یہی وہ تشدد تھا جس نے ان کو اپنے مخالفین پر شرک اور کفر کا حکم لگانے پر مجبور کر دیا۔

۵۔ اوائل خوارج کے ہاں احکام میں گہرائی نہیں تھی۔

تم دیکھتے رہو کہ وہ ان کو کیسے معذور سمجھ رہا ہے یہاں تک کہ ان کے حوالے سے مؤقف اور رائے میں نرمی رکھتا ہے جبکہ دوسروں نے اس صورت حال کے برعکس شدید ترین رویہ اختیار کیا اس ساری صورت حال میں مقالہ نگاروں کے ہاں جو بنیادی مسلئہ ہے وہ یہ ہے کہ ان میں سے ہر ایک اپنے لیے دو حقوق خاص کر لیتا ہے ان کے تناظر میں وہ اپنی تحریر لکھتا چلا جاتا ہے۔ پہلا حق یہ ہے کہ جس فرقے سے وہ مقالہ نگار تعلق رکھتا ہے وہ اسی فرقے کو حقیقی اسلام کا ترجمان سمجھ رہا ہوتا ہے۔ اس کے نزدیک اس کا فرقہ تنقید اور موازنہ کے لیے ہے ہی نہیں اور یہ سب کچھ اس کے علاوہ دوسرے فرقوں کے لیے ہے یہ تو خالص اسلامی فرقہ ہے اس پر تنقید اور موازنہ کرنا مناسب نہیں اور نہ ہی اس کے عقائد اور آراء اس ترازو میں تولے جاسکتے ہیں جس میں دوسروے فرقوں کے عقائد و آراء تولی جاتی ہیں اسی طرح وہ مقالہ نگار اپنے لیے جو دوسرا حق خاص کر لیتا ہے وہ یہ دیکھ رہا ہوتا ہے کہ جب تک وہ اپنے حقیقی اسلامی ترجمانی کرنے والے فرقے کے ساتھ جب تک منسوب ہے تو اس بنا پر وہ اب خود کو ایسی صلاحیتوں کا حامل سمجھتا ہے جن کے ذریعے وہ دوسرے فرقوں پر حکم جاری کر سکے۔ اپنے اور دوسرے فرقوں کے درمیان جو اختلاف پاتا ہے ان کی بنیاد پر وہ اپنے مخالف فرقے کے لیے اسلام سے قرب و بعد کا تعین کرتا ہے کہ یہ فرقہ اسلام سے کتنا دور ہے اور کتنا قریب ہے وہ اس اعتبار سے ذرا بھی پرواہ نہیں کرتا کہ وہ دوسرے فرقوں پر اپنی رائے کے مطابق عمومی حکم لگا رہا ہے یا خصوصی طور پر لگا رہا ہے اس لیے استاد غوابی نے باوجود اس کے کہ اس نے مسلمانوں کی وحدت کی خاطر محبت و اعتدال کا اسلوب اپنایا۔ اپنے لیے اس نے ایک پختہ مؤقف خاص کیا ہے لہٰذا اس نے اپنی بلند مؤقف کی بنیاد پر دوسرے فرقوں کو خطاوار ٹھہراتا ہے۔ مگر جب اس کو یہ خیال آتا ہے کہ وہ فرقہ معذور ہے تو الفت و محبت کے لیے نرم مؤقف اپنالیتا ہے اور یہ سمجھتا ہے کہ یہ فرقہ بہت سادہ لوح ہے اس کے پاس دینی حوالے سے فہم بصیرت میں زیادہ گہرائی نہیں ہے اس بنا پر وہ اس فرقے سے موانست اور محبت کا گوشہ اپنے اندر پیدا کر لیتا ہے اور ان کے لیے اپنائیت کے جذبات رکھ لیتا ہے کم از کم وہ جب خوارج کے حوالے سے بات کرتا ہے تو اتنا ضرور کہتا ہے کہ اباضی خوارج میں سے ایک فرقہ ہیں اور جو کچھ خوارج کے لیے کہا جاتا ہے اس پر اباضیوں کی آراء عقائد مشتمل ہیں۔ مجھے اس کا وہ بیان نقل کرتے ہوئے مسرت شادمانی ہوگی جو اس نے خاص طور پر اباضیوں کے لیے کہا ہے۔ اس کی قیمتی کتاب (تاريخ الفرق الاسلامية) کی خوارج سے متعلق فصل میں آیا ہے۔ (رہے اباضی تو وہ امام اشعری کے نزدیک اصلی فرقہ ہے ان کا سربراہ عبداللہ بن اباضی کو سمجھتے ہیں اس فرقے کی فروع مندرجہ ذیل ہیں:

۱۔ حفصیہ ان کا امام حفص بن مقدام ہے۔

۲۔ یزیدیۃ ان کا امام یزید بن انیسہ۔

۳۔ حارثیہ حارث بن اباض کے ساتھی۔

۴۔ انہیں میں سے کچھ ایسے ہیں جن کو اصحابِ طاعت کا نام دیا جاتا ہے جو اطاعت سے مراد خدا تعالیٰ کی ذات مراد نہیں لیتے۔

اسی طرح ان میں سے واقفیہ ضحاکیہ ہیں اور ایک اور بھی واقفیہ بھی ہیں ان دونوں کو واقفیہ کا نام اس لیے دیا گیا کیونکہ دونوں فریقین کے درمیان ٹھہر گئے دونوں مخالف فرقوں میں سے کسی ایک کے ساتھ بھی مکس نہیں ہوئے بلکہ کہا ہم ٹھہرتے ہیں تو اس سے نام پڑ گیا واقفیہ۔ محترم قاری ان تمام فرقوں سے بخوبی سابقہ قدیم مقالہ نگاروں سے متعلقہ فصلوں میں آگاہ ہو چکا ہے وہاں وہ یہ جان گیا تھا ان فروعی فرقوں کا اباضیوں سے کوئی نسبت یا تعلق نہیں جن کی طرف یہ مقالہ جات منسوب کیے جاتے ہیں یہ اقوال و آراء بھی اباضیوں نے نہیں کہیں۔ خاص طور پر ایسی باتیں کہنے والے ہر اباضی خود کفر کا حکم لگاتے ہیں اسی کتاب میں استاد غوابی نے مزید کہا ہے کہ ((اباضیوں نے کافی سارے مسائل میں تساہل اور نرمی برتی ہے جن میں ان کے اسلاف بہت سخت تھے انہوں نے اہل قبلہ میں سے اپنے مخالفین کے لیے کہا ہے کہ وہ مشرک نہیں کافر ہیں ان کی بیویاں حلال وراثت اور وہ مالِ غنیمت جو جنگ میں وصول ہوا حلال ہیں جنگی غنائم کا تعین کیا تھا کہ اسلحہ جانور وغیرہ حلال ہے باقی سارا حرام ہے دھوکے اور خفیہ طور پر ان کا قتل کرنا حرام ہے لیکن اگر وہ علانیہ طور پر حجت قائم کرنا شروع کر دیں تو ان کا خون جائز ہے جب انہوں نے ان کو قتال کا کہا ہو اور یہ کہ جو کچھ خدا تعالیٰ نے فرض کیا ہے وہ ان کے نزدیک ایمان ہے اعمال بھی اس میں بطور ایک جزء داخل ہوتے ہیں اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ رائے غالب طور پر خوارج کے فرقوں کی ہو سکتی ہے یہ فرقہ اعمال کو مقدس سمجھتے ہیں انہیں کی بدولت رفعت اور بلندی کو محمول کرتے ہیں یہ رائے تو بہت اچھی ہے کاش مسلمان اس کو تھام لیتے مگر جب کوئی مؤمن کسی کبیرہ گناہ کا مرتکب ہو جائے تو وہ ان کے نزدیک کافرِ نعمت ہو جاتا ہے نہ کہ کافرِ شرک۔ لیکن اس کے ساتھ وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ وہ ہمیشہ جہنم میں رہے گا اسی طرح وہ کہتے ہیں کہ ان کے مخالفین کا وطن اہل توحید اور اسلام کا وطن ہی سمجھا جائے گا نہ کہ کفر کی سرزمین یہ بھی تساہل اور آسانی کی بابت ہے جب کہ ان کے اسلاف اس کو بھی کفر کی سرزمین سمجھتے تھے کیونکہ وہ شرک کی سرزمین کہتے تھے اسی طرح مزید جن مسائل میں ان لوگوں نے اپنے اسلاف کی مخالفت کی ہے اور نرمی آسانی کی طرف گئے ہیں وہ ہے مخالفین کی گواہی کو قبول کرنا اسی طرح مشرکین کے بچے کہ ان کو قیامت میں سزا تو ملے گی مگر بطریق انتقام نہیں اور پھر ان کو جنت میں داخل کر دیا جائے گا۔ بعضوں نے یہ بھی کہا ہے کہ واجب ہے۔ ہم یہاں دیکھ رہے ہیں کہ بعد میں آنے والے خوارج اپنے مخالفین سے متعلق معاملات کے حوالے سے اپنے اسلاف سے کافی حد تک مختلف ہیں اور تساہل رواداری، نرمی کا معاملہ کرتے ہیں اس آسانی اور نرمی میں یکے بعد دیگرے اضافہ ہی ہوتا جا رہا ہے اس کا کیا سبب ہے ہم وثوق سے تو نہیں کہہ سکتے لگتا ہے جنگوں کی کثرت کی وجہ سے بہت زیادہ کمزور ہو گئے ہیں اس وجہ سے نرمی کا مؤقف اپنا لیا ہے اور وہ چاہتے ہیں کہ آہستہ آہستہ اپنے مخالفین کی قربت حاصل کر لیں تاکہ وہ ان کے مقابلے میں قتال کے لیے کھڑے نہ ہو سکیں۔ اس نرمی کا ایک اور سبب بھی ہو سکتا ہے وہ ہے کہ شاید یہ سمجھتے ہیں کہ ان کی ادراک کی قوتیں زیادہ وسیع ہو چکی ہیں۔ جبکہ ان کے اسلاف ان دیہاتی عربوں میں سے تھے جو بہت سادہ تھے اور سوچ میں گہرائی رکھنے والے نہیں تھے یہ لوگ اپنی ادراکی وسعت اور فکری تعمق کی بنا پر اپنے اسلاف سے زیادہ معتدل اور نرم موقف اپنانے والے ہو گئے ہیں اگر دونوں سبب بھی اس نرمی کے برتاؤ کے لیے شمار کر لیے جائیں تو کچھ مانع نہیں ہے کیونکہ جنگوں نے ان کے جوش کو کمزور کر دیا اور ان کی

ادراکی قوتیں اپنے اسلاف سے زیادہ وسیع ہو چکی ہیں لہٰذا ان کی نگاہ دین میں غور فکر اور تدبر کے حوالے سے اپنے اسلاف سے زیادہ تحقیقی اور گہری ہو چکی ہے۔ پھر وہ اپنی کتاب میں ایک اور مقام پر کہتا ہے۔

جیسا کہ میں نے کہا ہے کہ اوائل خوارج کے ہاں دینی احکامات میں گہرائی نہیں پائی جاتی تھی۔ جبکہ بعد میں آنے والے خوارج نے احکامات میں غور و فکر کیا اور ادراکی قوت میں گہرائی حاصل کی اور ہر عمل کو اس کے مطابق احکامات پر پرکھا۔ انہوں نے اپنے دینی احکام میں تجاوز نہیں کیا جیسا کہ اُن کے اسلاف نے کیا تھا۔ جیسا کہ ہم سابقہ گفتگو میں اس چیز کا تفصیلی جائزہ لے چکے ہیں اور اس بات سے بخوبی آگاہ ہو چکے ہیں۔ کہ آج کے خوارج اپنے مخالفین سے متعلق فتاویٰ جات اور احکامات میں برداشت اور نرمی کا موقف رکھتے ہیں۔ جس میں ان کے نزدیک ہر مخالف کافر یا مشرک نہیں سمجھا جاتا۔ اسی طرح مشرکین کے بچے ہمیشہ جہنم میں نہیں رہیں گے۔ ان کے ساتھ ویسا معاملہ نہیں کیا جائے گا جیسے معاملے کے مستحق ان کے آباؤ اجداد ہوں گے۔ ان تمام نظریات اور آراء میں اوائل خوارج بہت سخت مؤقف رکھا کرتے تھے۔ جن کے برعکس آج یہ لوگ اپنے نظریات میں نرم اور صاحب برداشت ہو گئے ہیں۔ جب ان کی جنگی قوت کمزور پڑ گئی تو ان کی ذاتوں نے علمی پروڈکشن کی طرف توجہ دی۔ یہاں تک کہ فقہی، کلامی، لغوی اور ادبی قیمتی کتابیں ان کی پہچان بن گئیں۔ اسی طرح یہ بھی ملاحظہ کیا جا سکتا ہے۔ کہ ان کے فرقے دشمنوں کی جانب سے مکمل طور پر تباہ نہیں کیے گئے۔ بلکہ ہمارے اس دورِ حاضر میں اُن میں سے کافی جماعتیں اباضی خوارج میں سے شمالی افریقہ میں سکونت پزیر ہیں اور یہ لوگ مراکش کے شہر طرابلس کے جبل نفوسہ صوبے میں مقیم ہیں۔ اسی طرح ان کا ایک گروہ مشرقی افریقہ میں زنزیاد کے علاقے میں پائے جاتے ہیں۔ استاد غوابی نے خاص طور پر اباضیوں کے بارے میں لکھا ہے۔ اس سے ظاہر ہے کہ اس نے جن مصادر مراجع پر اعتبار کیا ہے۔ وہ اباضیوں کے علاوہ دوسرے لوگوں کے تھے کیونکہ اس نے اپنی اس گفتگو کے دوران اباضیوں کی کتابوں میں سے کسی ایک کتاب کا بھی حوالے کے طور پر ذکر نہیں کیا اور نہ ہی خوارج کی کسی کتاب کا ذکر کیا ہے۔ حالانکہ ان کی کتابیں بھی موجود ہیں۔ میں یہ چاہتا ہوں کہ جو کچھ استاد غوابی نے بیان کیا ہے ان کا پوائنٹ وائز جائزہ لوں، ان کا ناقدانہ علمی محاکمہ کروں نقاط درج ذیل ہیں:

پہلا نقطہ: اباضیوں کے مخالفین

وہ لوگ جنہوں نے اباضیوں سے متعلق لکھا اور یہ گمان کرتے ہیں کہ وہ خوارج میں سے ہیں۔ دراصل وہ ایک خاص سوچ و فکر کے حامل تھے۔ انہوں نے اُن کے وہی اقوال آراء نقل کیں اور اپنی کتابوں میں بیان کیں جو انہوں نے اپنے مخالفین کے لیے کہیں تھیں۔ اس کے علاوہ کسی اور موضوع کو نہیں لیا اور نہ ہی اباضیوں کے موقف، نقطۂ نظر جاننے کی کوشش کی۔ جو انہوں نے دین کے دوسرے میدانوں سے متعلق دی تھیں۔ اُن کی علمی، فقہی، ادبی، لغوی خدمات کو بالکل پس پشت ڈال دیا اور صرف وہی اقوال آراء کو پیش کیا جو مخالفین کے لیے تھیں۔ اس حوالے سے بھی یہ نہیں دیکھا کہ کیا انہوں نے یہ آراء اور فتوی جات ردِ عمل کے طور پر تو نہیں دیے؟ آخر وہ کون سا ماحول تھا اور کیسی صورتحال تھی اور اُن

کے مخالفین نے اُن کے لیے کیسا معاملہ کیا تھا۔ جس کے نتیجے میں ردِ عمل کے طور پر ان کی جانب سے احکامات اور فتوے جاری کیے گئے۔ لہٰذا مقالہ نگاروں اور مؤلفین نے اس موضوع کے دوسرے پہلو کی طرف توجہ نہیں دی اور نہ ہی غور و فکر کیا کہ اُن کے مخالفین کا ان کے ساتھ کیسا معاملہ تھا۔ وہ کیا برتاؤ کرتے تھے جس کے نتیجے میں یہ ردِ عمل ہوا۔ اسی طرح ان مقالہ نگاروں نے یہ بھی نہیں سوچا کہ کیا یہ طرزِ عمل اُن کے مخالفین کے لیے ان سے دفاع کے طور پر تھا یا اُن کے برتاؤ کا ردِ عمل تھا۔ یعنی اِن اباضیوں اور خوارج کے مخالفین کے لیے کہے گئے اقوال آراء اور فتووں کو تو بیان کیا گیا مگر اُن کے مخالفین کے حوالے سے کچھ ذکر نہیں کیا کہ اُن کا اِن کے ساتھ کیسا معاملہ تھا۔ جس کے پیشِ نظر یہ احکامات ان کی جانب سے جاری کیے گئے۔ موضوع کے اِس دوسرے پہلو کو کسی بھی مؤلف اور مقالہ نگار نے نہیں لیا۔

اس طریق پر چلتے ہوئے استاد غوابی نے اباضیوں اور خوارج کے مخالفین کے حوالے سے بہت کم فقرات میں بات کی ہے۔ تقریباً دس بار تو واضح طور پر مخالفین کے حوالے سے ذکر کیا ہے۔ بہر حال کچھ نہ کچھ اُس نے موضوع کے اس پہلو کو لیا ضرور ہے۔

یہ وہ اہم نقطہ ہے جس کی طرف ہر مقالہ نگار کو لازمی توجہ دینا ہوگی۔ اسی طرح ہر ریسرچر کے لیے یہ تحقیق کا بنیادی نقطہ ہے۔ میں اس نے اہم نقطے کو (خوارج سے متعلق مقالہ نگاروں کے لیے اہم عقدہ) کا نام دیا ہے۔

دوسرا نقطہ: رو کے ساتھ بہہ جانا

استاد غوابی بھی انہی مقالہ نگاروں میں شمار ہوتا ہے جو اسی موضوع کی صرف ایک ہی جانب کو بیان کرنے والے ہیں۔ اس کی مثال یہ ہے کہ استاد غوابی نے اباضیوں سے متعلق گیارہ اقوال ذکر کیے ہیں جن میں سے آٹھ مخالفین سے تعلق رکھتے ہیں اور شاید اس کے پیچھے مقصد صرف اباضیوں کے حوالے سے ڈر، خوف اور دہشت پھیلانا تھا (یعنی وہ کفار ہیں، مومن نہیں۔ اُن کی عورتیں حلال ہیں، ان کے اموال وراثت یہاں تک کہ جنگی اسلحہ بھی حلال ہے۔ ہاں! اسلحے کے علاوہ ان کا مال حلال نہیں، ان کا قتل کرنا، چھپا کر اور دھوکے سے جائز نہیں۔ ہاں! اعلانیہ طور پر اور حجت قائم کرنے کے بعد دشمنوں سے قتال کرنا جائز ہے، ان کا وطن دار الاسلام ہے۔ ان کے نقطہ نظر کے لیے مخالفین کی گواہی قبول کرنا جائز ہے۔ یہ تمام ایک ہی موضوع سے تعلق رکھنے والے فروعی مسائل ہیں اور ایک ہی اصل پر قائم ہوتے ہیں، وہ ہے اسلام۔ گویا اباضیوں کے نزدیک جو کلمہ توحید الاپتا ہے۔ وہ اس کلمہ توحید پڑھنے کی بنا پر تمام حقوق کا وارث ہے جو دوسرے مسلمانوں کو اسلام دیتا ہے۔ لہٰذا اس کی ضرورت نہیں کہ ہم ان فروعی مسائل کو ایک ایک کرکے بیان کریں۔ بس وہ ایک مسلمان ہونے کی حیثیت سے تمام حقوق کا مستحق ہے۔ جو اسلام تمام مسلمانوں کو دیتا ہے۔ لہٰذا وہ حقوق اس سے صرف انہیں اسباب کے پیشِ نظر ساقط ہوں گے جن کو شریعت نے مقرر کیا ہے۔ جیسے کہ سرکش و باغی، عزت، مال پر ڈاکہ ڈالنے والے کے حقوق ساقط ہو جاتے ہیں۔ مگر پھر بھی اس کا مال اور اُس کے عیال کو قیدی نہیں کیا جائے گا یہ جائز نہیں ہے بلکہ یہ حقوق تو ہر مسلمان کے ہمیشہ کے لیے محفوظ ہیں قطع نظر اس کے کہ وہ جیسے بھی معاصی کا ارتکاب کرے یہ حقوق اس کے صرف اسلام سے نکل

جانے سے ہی ساقط ہو سکتے ہیں۔ ورنہ ہمیشہ اسی کے لیے محفوظ ہیں۔ صرف ایک چیز ایسی ہے جسے انسان کھو دیتا ہے۔ اس کے باوجود کہ وہ ایک مسلمان ہے۔ جب ان اسباب میں سے کوئی سبب پایا جائے جن کو شریعت نے مقرر کیا ہے۔ اور وہ ہے اس کا خون اور یہ باغی اور زانی کے لیے حکم ہے۔ یہ شریعت نے سزا مقرر کی ہے اس کا اسلام کے کسی بھی فرقے سے کوئی تعلق نہیں۔

تیسرا نقطہ: بعد میں آنے والے خوارج کی تساہل پسندی اور نظریات میں نرمی

استاد غوابی نے یہ بھی تکرار کے ساتھ کہا ہے کہ بعد میں آنے والے خوارج نے اوائل خوارج سے کافی حد تک نظریات میں مخالفت کی ہے۔ وہ جن نظریات اور اقوال میں مخالفین کے لیے سخت تھے یہ اتنے ہی نرم ہو گئے ہیں۔ مجھے سمجھ نہیں آتی اس نے اپنی اس رائے کی بنیاد کس چیز پر اعتماد کرتے ہوئے رکھی ہے۔ کیونکہ نہ تو اس کا ذکر اباضی کتابوں میں ملتا ہے اور نہ ہی اس نے بطورِ حوالہ کسی کتاب کا ذکر کیا ہے۔ دوسری یہ بات ہے کہ اجتہاد اسلامی شریعت کے محاسن میں سے ہے۔ موقف میں تغیر و تبدل اور اجتہادات کا بدلتے رہنا شریعت کی خوبصورتیوں میں سے ایک خوبصورتی ہے۔ اس سے کوئی بھی اسلامی مذہب خالی نہیں یہاں تک کہ ایک ہی مسئلہ میں ایک ہی عالم کی رائے تبدیل ہوتی رہتی ہے۔ تو اس کا مطلب یہ ہرگز نہیں کہ وہ اپنی پہلی رائے کے اعتبار سے یہ سمجھا جائے کہ سطحی اور تنگ نظر تھا۔

میں یہاں استاد غوابی کو یہ بارآور کروانا چاہتا ہوں۔ کہ اباضی اپنے اسلاف سے بالکل کسی بھی مسئلے اور رائے میں اختلاف نہیں رکھتے سوائے مشرکین کے بچوں کے حوالے سے جو کہ اسلاف کے نزدیک کہ وہ سزا پائیں گے۔ جب کہ بعد میں آنے والے اباضیوں نے اس موقف سے رجوع کر لیا ہے۔ جب انہوں نے بہت سی احادیث رسول ﷺ میں پایا کہ مشرکین کے بچے جنت میں اہل جنت کے خادم ہوں گے خدمت پر مامور ہوں گے۔

رہی باقی آٹھ مسائل کی تو وہ دراصل اس ایک ہی موضوع کے فروعی مسائل ہیں۔ جن کی اصل ایک ہے ان سے متعلق اباضیوں کی وہی رائے ہے جیسے ہم نے لکھ دیا ہے۔

اس بات پر بہت سی کتب تاریخ مجتمع ہیں۔ کہ سب سے پہلے جس نے اپنے مخالفین پر شرک کا حکم لگایا اور ان سے مشرکین جیسا معاملہ کرتے ہوئے سابقہ ان تمام حقوق سے محروم کر دیا۔ جو اسلام نے ان کو دیے تھے۔ وہ تھا نافع بن الازرق اسی طرح تاریخی کتب اس بات پر بھی متفق ہیں کہ عبداللہ بن اباض پہلا شخص تھا۔ جس نے نافع بن الازرق کی اس رائے کو رد کیا۔ بلکہ ۶۵ ہجری سے عبداللہ بن اباض اور جابر بن زید کے خوارج سے متعلق بہت نظریات اور آراء ہیں۔ جو اپنے مخالفین کو مشرک کہتے تھے اس مسئلہ پر خوارج کے ساتھ بہت سے مناظرے بھی ہوئے خاص طور پر خوارج کا کبیرہ گناہ کے مرتکب کے حوالے سے مشرک ہونے کا فتویٰ وغیرہ۔ حقیقت تو یہ ہے کہ اباضی اس مسئلہ میں خوارج کے ساتھ سب سے زیادہ سخت ترین موقف رکھنے والے تھے۔ بلکہ وہ ایسے شخص کو اپنی مجالس میں آنے سے منع کرتے تھے۔ جو

خوارج کی فکر رکھتا ہوتا تھا۔ بلکہ ان خوارج کی آراء سے متعلق وہ کسی کو لوگوں کے گمراہ ہونے کے خوف سے بات کرنے سے بھی منع کرتے تھے۔ میں یہ چاہوں گا کہ استاد غوابی اور ہر وہ شخص جو اُس کی رائے کو درست سمجھتا ہے۔ اس بات کو اپنے ذہن میں بٹھالے کہ صحابہ کرام ﷺ کے بعد اباضیوں کے اسلاف وہ لوگ ہیں جو تقریباً تمام امتِ اسلامیہ کے فرقوں کے اسلاف ہیں۔ اُنہی میں سے اباضی بھی ہیں۔

صحابہ کرام ﷺ کے بعد جو سلف صالحین تھے وہ یہ لوگ تھے۔ جابر بن زید، عبد اللہ بن اباض، جعفر بن السمابک العبدی اور صحار بن العباس العبدی وغیرہ۔ پھر وہ لوگ جنہوں نے اِن سے فیض حاصل کیا یعنی تبع التابعین۔

لہٰذا صحابہ کرام ﷺ کے بعد ان سے بڑھ کر کوئی سلف صالحین میں سے نہیں ہو سکتا۔

رہی بات ان تابعین کی جو جابر کے طبقے کے ہیں۔ جیسے الحسن وسعیدین اور عطاو غیرہ جو اُن کے درجے میں ہیں۔ یہ بھی تمام امت اسلامیہ کے لیے سلف صالحین ہیں۔ لہٰذا اباضی اِن کو صحابہ کرام ﷺ کے بعد سب سے اونچے طبقے میں رکھتے ہیں اور ان سے فیض حاصل کرتے ہیں۔ اس لیے اس بات کا کوئی مطلب نہیں ہے کہ اباضی اپنے موقف میں سلف صالحین سے مختلف ہو گئے ہیں۔ وہ سخت تھے تو یہ نرم ہیں۔ ایسی بالکل بات نہیں ہے ہاں رہی دوسری فقہی عملی معاملات، مسائل تو اس میں اجتہادی طریق پر یہ بھی دوسرے اسلامی فرقوں کی طرح تغیر، تبدل کے حامل ہیں۔ بہت سے ایسے فقہی مسائل ہیں۔ جن میں سلف اباضی سخت رائے رکھتے تھے بعد میں آنے والے اباضی نرم رائے رکھتے ہیں۔ یہاں اس حوالے سے میں دو مثالیں بیان کرنا چاہتا ہوں:

پہلی مثال:

رمضان المبارک کے روزے کی قضا کے حوالے سے ہے کہ اوائل اباضیوں میں یہ معمول رہا تھا۔ کہ تسلسل سے قضا والے روزے رکھے جائیں گے۔ بغیر کسی وقفے کے ان کو مسلسل رکھنا ویسے ہی واجب ہے۔ جیسے ان کو ادا کرنا تسلسل کے ساتھ واجب تھا۔ لیکن استاد بکلی عبد الرحمٰن جو کہ علماء اباضیہ میں سے ہے لوگوں کی آسانی کا لحاظ کرتے ہوئے اور دوسرے فقہی مذاہب اور علماء سے رائے لیتے ہوئے اس طرف گئے ہیں۔ کہ روزے کی قضا تسلسل کے ساتھ واجب نہیں ہے۔ یعنی اس نے اجتہاد کے طریق پر چلتے ہوئے اوائل اباضیوں سے اختلاف کیا ہے۔ وہ تسلسل کے قائل تھے۔ جبکہ یہ تسلسل کا قائل نہیں ہے۔

دوسری مثال:

دوسری مثال یہ ہے کہ سلف اباضیوں کے نزدیک ذمی اہل کتاب کا کھانا کھانا حلال تھا۔ جبکہ جو غیر ذمی ہے اُس کا کھانا اور اُن کی عورتوں سے نکاح کرنا حلال نہیں تھا۔ انہوں نے اس رائے میں بنیاد جزیہ پر رکھی تھی۔ یعنی اگر وہ جزیہ دیتے ہیں

تو خود بخود ہی اسلام کی ذمہ داری میں آجاتے ہیں اور اگر جزیہ نہیں دیتے تو اسلام ان سے بری الذمہ ہے۔ لہٰذا اس کے ساتھ وہ اکرام اور اعزاز بھی منعدم ہو جاتا ہے۔

مگر دورِ حاضر کے اباضی ائمۃ اور مجتہدین میں سے استاد ابراہیم نے اس مسئلۂ میں اوائل اباضیوں سے اختلاف کیا ہے۔ جب انہوں نے یورپ کا دورا کیا تو وہاں وہ بہت سے اسلامی طلبہ سے ملاقات انہوں نے کھانے کے حوالے سے وہاں در پیش مسائل سے آگاہ کیا اور مسئلہ پوچھا کہ ہم کیا کریں یہاں ہمیں کھانے کے حوالے سے بہت مشکلات کا سامنا ہے۔ تو انہوں نے ان کی آسانی کے لیے اور دوسرے مذاہب اسلامیہ کی رائے پر عمل کرتے ہوئے اجتہادی طریق پر چلتے ہوئے اہل کتاب کے کھانے کو حلال قرار دے دیا۔ بغیر کسی شرط کے چاہے وہ ذمی ہوں یا نہ ہوں ان کا کھانا حلال ہے۔

دراصل استاد غوابی کو مسئلۂ یہ ہوا ہے کہ اس نے اُن مقالہ جات اور آراء پر اعتماد کیا ہے۔ جو اباضیوں کے مخالفین کے تھے۔ اُس نے اباضیوں کی کسی کتاب کسی مصدر مرجع کی طرف تصدیق و تحقیق کے لیے رجوع نہیں کیا۔ اس نے یہ رائے دوسروں کے مقالات پر اعتماد کرتے ہوئے قائم کی کہ جدید اباضیوں نے اپنے اوائل سلف اباضیوں سے اختلاف کیا ہے۔ جبکہ ایسی بات نہیں ہے اگر اُس نے اباضیوں کی کتب کا مطالعہ کیا ہوتا تو وہ اس خدشے کا شکار نہ ہوتا۔

چوتھا نقطہ: اسباب کی تحقیق

استاد غوابی نے اباضیوں سے متعلق ایک اور خدشہ ظاہر کیا تھا۔ کہ انہوں نے اپنے سلف اباضیوں سے اختلاف کرتے ہوئے کافی سارے مسائل۔ جن میں اسلاف سخت موقف رکھتے تھے اور بعد میں آنے والے اباضی نرم موقف رکھتے ہیں۔ یعنی اپنے سلف صالحین کی مخالفت کی ہے۔ اس مخالفت کے کچھ اسباب بیان کیے تھے جو درج ذیل ہیں۔ آئیں ان کا جائزہ لیتے ہیں:

۱۔ یہ کہ خوارج جنگوں کی کثرت کے سبب کمزور پڑھ گئے وہ چاہتے ہیں۔ کہ ایک ایک چیز میں آہستہ آہستہ آسانی اور نرمی کرتے جائیں۔ اپنے مخالفین سے تقرب کی غرض سے اقوال، آراء میں نرمی کریں تاکہ اُن کے مابین دوبارہ سے جنگ نہ ہو سکے۔

۲۔ دورِ حاضر کے خوارج کی ادراکی قوت اس قدر وسیع ہو گئی۔ جس کی بدولت دین کے امور میں فہم، بصیرت حاصل کرلی اور مسائل کو اس قدر گہرائی سے سمجھا جو کہ ان کے اسلاف اوائل خوارج سمجھنے سے قاصر رہے۔

۳۔ اوائل خوارج چونکہ دیہاتی عربی تھے جو قدرے سادہ تھے اور غور و فکر میں گہرائی نہیں تھی۔

یہ تمام اسباب استاد غوابی کے اپنے قائم کردہ مفروضہ جات ہیں۔ بلکہ ان مفروضوں اور جعل سازیوں نے مزید بہت سی مشکلات پیدا کر دی ہیں۔ ہمیں اس بات سے قطعاً غرض نہیں کہ اس نے یہ مفروضہ جات مستشرقین کے مصادر پر اعتماد کرتے ہوئے بنائے یا پھر دوسرے مقالہ نگاروں پر اعتماد کیا۔ ہمیں اسکی یہ بات بہت اچھی لگتی خوب اس کو سراہتے اگر اس

نے حاصل شدہ نتائج اور خلاصہ کی براہِ راست اباضیوں کی کتب پڑھ کر بنائے ہوئے اور اپنے خیال کی بنیاد اباضیوں کے مصادر پر اعتماد کر کے رکھتا تو کتنا ہی اچھا ہوتا۔

اس نے کہا کہ جنگوں کی کثرت نے ان کو کمزور کر دیا۔ جبکہ اگر محترم قاری کے سامنے حقیقی صورت رکھی جائے تو صورتحال کو بالکل برعکس دیکھتے ہوئے چونک جائے گا۔

وہ حقائق درج ذائل ہیں:

اگر ہم اباضیوں کی جنگی تاریخ کا مطالعہ کریں اور ان کی کتب کا اس حوالے سے جائزہ لیں تو یہ بات روزِ روشن کی طرح عیاں ہے کہ اُس زمانے میں تمام اسلام عربی ممالک میں اباضی علماء و آئمہ کا پھیلے ہونے کے باوجود سوائے اُس ایک جنگ کے جو عبد اللہ بن یحیٰ الکندی المشہور طالب الحق کی قیادت میں اموی خلافت کے خلاف لڑی گئی کسی اور جنگ کا عربی جزیرہ میں ذکر تک نہیں ملتا۔ جبکہ اس وقت اُن کا مرکز شہر بصرۃ تھا۔ اسی طرح اس مذہب کا سربراہ عبد اللہ بن اباض بھی موجود تھا۔ جو کہ اموی بادشاہوں کے شدید خلاف تھا۔ اس کے کافی عبد الملک بن مروان کے ساتھ مناظرے بھی ہوئے۔ اس طرح خوارج کے حوالے سے بھی اس کے کافی سارے مقالہ جات اقوال و آراء کتب میں لکھی ہوئی شکل میں موجود ہیں۔ ہاں یہ الگ بات ہے کہ وہ نہ تو ان کے خلاف کسی جنگ میں شریک ہوا اور نہ ہی اُن کے خلاف کسی جنگی سرگرمی میں حصہ لیا۔ بلکہ امیوں کے خلاف اٹھنے والے لوگوں نے جب ان سے بیعت کرنا چاہا۔ تو آپ نے سختی سے ٹھکرا دیا۔ ان کو مساجد، نماز اور ذکر سے آباد کرنے کا حکم دیا اور بڑے ہی احتجاجی لہجے میں کہا (کیا ان لوگوں کے لیے خروج کرنا جائز ہے) اس بات سے یہ واضح ہوتا ہے۔ وہ زمانہ خون سے لبریز تھا۔ اس کے باوجود اباضیوں نے خون بہانے سے خود کو روکے رکھا۔ ہاں کسی حد تک کچھ لوگ مختلف ناموں والے اباضیوں کی طرف منسوب کیے جاتے ہیں۔ وہ بھی نام کسی حد تک اصولی بنیاد پر ثابت نہیں کہ انہوں نے جنگوں میں حصہ لیا۔ اباضی نام پر اسلامی ممالک کے اندر چار مقامات پر چند سلطنتیں وجود میں آئیں جن میں سے:

ا۔ سلطنتِ عمان

جو کہ ابو العباس السفاح کے دور میں ۱۳۲ھ میں عباسی سلطنت سے آزاد ہو کر ایک مستقل سلطنت کے طور پر قائم ہوئی جو آج کے دن تک قائم ہے۔ کبھی بھی کسی کے ساتھ جنگ نہیں کی نہ ہی کبھی آگے پھیلنے کی کوشش کی ہے۔ لیکن بہت بار باغیوں اور حملہ آوروں سے اپنے دفاع کی غرض سے لڑائی کی ہے۔ جتنی بار بھی دشمنوں نے اس پر حملہ کیا تو اس مملکت نے اپنے دفاع کے لیے خوب مقابلہ کیا۔ اسی طرح اسے اندرونی سازشوں کا بھی سامنا کرنا پڑا۔ جیسا کہ ملکیوں اور امامیوں کے درمیان تنازعات کھڑے ہوئے تھے۔ تو اُس کو کچلنے کے لیے بہت سخت مقابلہ کیا۔ تاکہ داخلی امن و امان قائم رہ سکے۔ اسی طرح تقریباً چار صدیوں سے سامراجی مغربی طاقتوں کے مقابلہ کرتی رہی جب پانچویں صدی ھ سے مغربی سامراج نے

مشرق کی طرف رخ کیا تھا۔ تو یہ صرف سلطنت عمان ہی تھی۔ جو اِس وقت سے لے کر آج کے دن تک اس مغربی سامراج کا مقابلہ کرتی چلی آرہی ہے۔

زنجبار جو کبھی عمانی سلطنت کے ماتحت تھا پھر خود ہی اُس سے آزاد ہو گیا مگر جب اُسمیں افریقی تعصب اور الحادی لوگوں کا عربوں اور اسلام کے خلاف فتنہ شروع ہوا تو اس فتنے کا سر بھی اسی سلطنت نے کچلا اور یہ فتنہ ہمیشہ کے لیے ختم کر دیا۔

۲۔ وہ سلطنت جو ۱۴۰ھ میں لیبیا میں قائم ہوئی زیادہ عرصہ آباد نہ رہ سکی تقریباً تین سال بعد ہی ختم ہو گئی۔

۳۔ وہ سلطنت جو الجزائر میں ۱۶۰ھ میں قائم ہوئی اور تقریباً ۲۹۶ھ تک باقی رہی پھر ان پر عبیدیوں نے قبضہ کر لیا مگر آج تک اباضیوں نے اسلامی مراکش میں مسلمانوں کے خلاف اسلحہ نہیں اٹھایا اور نہ ہی کبھی خون بہانے کی طرف ہاتھ بڑھایا۔ ہاں کسی حد تک اہلِ جزیرہ نے اسپانی غزوات کے خلاف بہت ہی عمدہ نقطہ نظر چند صدیوں تک ضرور اپنائے رکھے۔ اُن کے وہ نظریات ایسے عظیم ہیں جن سے مسلمانوں کو عظمت ملتی ہے۔ اسلام اور مسلمانوں کو عزت کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔ اسی طرح تمام سامراجی جنگوں میں فرانس کے خلاف تونس کے ہر شہری کے ساتھ ان کی حمایت رہی۔ لہٰذا اباضیوں کی مثالی حمایت مغربی سامراج کے حملے کے وقت اور اُن کو اسلامی ممالک سے نکالنے اور اسلامی ممالک کو آزاد کرانے کے حوالے سے لیبیا، تونس اور الجزائر کے ساتھ رہی اور ہمیشہ سامراج کے خلاف اسلامی ممالک کی حمایت کرتی رہی۔

۴۔ وہ سلطنت جو اندلس میں اور خاص طور پر دو جزیروں (میورقہ اور مینورقہ) میں قائم ہوئی اِس کے حوالے سے ہمارے پاس زیادہ معلومات تو نہیں ہیں۔ یہ اس دن ختم ہو گئی جس دن اندلس کی اسلامی سلطنت ختم ہوئی اور مغربی سامراج نے ان ممالک میں اسلام کا شعلہ ہمیشہ کیے بجھا دیا۔

اس مختصر تصویر کشی سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ اباضی اُن سارے نقطہ ہائے نظر سے استاد غوابی نے منظر کشی کی ہے۔ اس نے کہا تھا کہ جنگوں کی کثرت کے سبب اباضی کمزور ہو گئے حالانکہ حقیقت میں۔ وہ تمام طرح کی جنگی سرگرمیوں سے کوسوں دور تھے۔

ہاں اس نے جو یہ بات کہی کہ لوگوں سے تقرب کی غرض سے نرم موقف اپنایا ہے۔ تو یہ بات بالکل درست ہے یہ ایک حقیقت ہے۔ لیکن اس کی بنیاد استاد غوابی کے گمان پر نہیں رکھی جاسکتی بلکہ اس کی بنیاد ایک فرمانِ رسول ﷺ سے ملتی ہے۔ جس کا مفہوم یہ ہے:

”تم لوگوں کو اپنے مال و دولت کے ذریعے قریب نہیں کر سکتے بس اُن کو حسنِ اخلاق کے ذریعے قریب کر سکتے ہو“ (او كما قال عليه الصلاة والسلام)

رہی یہ بات کہ بعد میں آنے والے اباضیوں کی اور ان کی فکر کا دائرہ اپنے اسلاف سے زیادہ وسیع ہو گیا تھا۔ تو اس معاملے میں یہ بھی دوسرے مسلمانوں کی طرح ہیں جیسا کہ اس میں کوئی شک نہیں کہ علوم فکر و ترقی و تقدم کے مرہون منت ہیں۔ یہ تقدم زندگی کے گوشوں میں سے ایک گوشہ ہے۔ ہاں اگر علوم شریعہ کی بابت بات کی جائے تو معاملہ برعکس ہو سکتا ہے۔ کیونکہ اسلاف عہدِ نبوی کے قریب ہونے کی بنا پر ہم سے زیادہ قرآن و سنت کو سمجھنے والے تھے یہ بات صرف اباضیوں سے متعلق ہی نہیں بلکہ باقی تمام مسلمانوں کے حوالے سے ہے۔ کہ ان کے اسلاف اُن سے زیادہ کتاب و سنت کو سمجھنے والے تھے۔ تمام اصولین کے ہاں یہ بات مشہور ہے کہ اجماع؟ سلف صالحین کا معتبر میں ہوتا ہے۔ لہٰذا اسلاف کے ہاں جو اجماع میری مراد جو خلافت راشدہ کے زمانے میں صحابہ کرام ﷺ کا اجماع ہوا وہ ہم سے زیادہ بہتر جانتے تھے کیونکہ انہوں نے ہی بعد میں آنے والوں کی طرف اُسے نقل کیا ہے۔ لہٰذا مصادر تشریع میں سے ہمارے پاس باقی قیاس اور استدال بچا ہے۔ جو کہ اجتہاد سے متعلق ہے اور روز مرہ کے پیدا ہونے والے مسائل کے حوالے سے احکامات استنباط سے تعلق رکھتے ہیں۔ لہٰذا اس اجتھاد میں متاخرین کا اپنے متقدمین کے مقابلہ میں وافر حصہ ہے۔ یعنی بعد میں آنے والوں کی اجتھاد کے باب میں اپنے اسلاف کے مقابلہ میں زیادہ کاوشیں ہیں۔

جب جب اور جیسے جیسے زندگی کا دائرہ کار وسیع ہوتا ہے۔ تب تب اجتھاد کا باب میں مسائل اور احکامات کا دائرہ بھی وسیع ہوتا چلا جاتا ہے۔ مگر ان مصادر تشریع کی اصل کتاب و سنت ہے۔ جن کو صرف اباضی ہی نہیں بلکہ تمام مسلمانوں کے اسلاف متاخرین سے زیادہ سمجھنے والے تھے۔ جتنا قرآن وحدیث کو ہمارے اسلاف سمجھتے تھے اتنا ہم نہیں سمجھ سکتے کیونکہ وہ دورِ نبوت ورسالت کے زیادہ قریب تھے۔

یہ بات ہم اُس جد وجہد اور محنت، مشقت کے حوالے سے کر رہے تھے۔ جو بنیادی مصادر تشریع، کتاب، سنت، اجماع میں کی جاتی ہے۔ اِس جد وجہد میں ہم اپنے اسلاف کے مقابلہ میں کچھ بھی نہیں ہیں۔ لہٰذا اب اجتہاد دین اسلام میں ایک ایسا باب ہے جو قیامت تک کھلا ہے اور دین کو ہر دور میں Update رکھتا ہے۔ رہی بات کتاب و سنت اور اجماع کی تو یہ خلافت راشدہ کے زمانے تک ہی موقوف ہے۔ کیونکہ کتاب و سنت کو جتنا وہ سمجھتے تھے اتنا ہم نہیں سمجھتے۔

اسی طرح استاد غوابی نے اباضیوں سے متعلق جو یہ کہا ہے کہ اِن کے اسلاف دیہاتی عربی تھے۔ سادہ اور سیدھے سادھے تھے۔ زیادہ ذہین اور چلاک نہیں تھے۔ تو اس نے یہ سوچ مستشرقین کی قلموں سے لکھے جانے والے مقالہ جات سے لی ہے۔ جب انہوں نے فتوحات اسلامیہ کی بابت تحریر کیا تو وہ یہ گمان کرتے ہیں۔ کہ یہ تمام فتوحات کی تحریک ایک خاص قسم کے دیہاتی، صحرائی بدو عربوں کے حملوں کا نتیجہ تھیں۔

ان کی یہ جنگ ترقی یافتہ ممالک کے خلاف تنگ دستی کے سبب تھی وہ مال و دولت کمانا چاہتے تھے اور ترقی یافتہ ممالک پر قبضہ کر کے اپنی محرومیوں اور تنگ دستیوں کا ازالہ کرنا چاہتے تھے۔

یہ سب سادہ لوح سطحی فکر رکھنے والے دیہاتی لوگوں کا ایک مجموعہ تھا۔ جن کی قیادت ذہین اور چالاک لوگ کر رہے تھے۔ جو اُن کو اپنے اغراض ومقاصد کے لیے استعمال کر رہے تھے اور بڑی دلچسپ عمدہ فتوحات سے مستفید ہو رہے تھے۔

یہ وہ نغمہ اور تصویر ہے جسے مستشرقین نے اپنے تعصب اور نفسانی خواہش کی بنیاد پر مسلمانوں کی عظیم فتوحات اور کارناموں کے حوالے سے گھڑا ہے۔ یہی وہ فریبی چال تھی جس کے پیش نظر خوارج کو بدنام کیا گیا اور یہی وہ جعل سازی اور جھوٹی منظر کشی ہے جسے اباضیوں کی طرف محترم کاتبین نے منسوب کر دیا ہے۔

یہاں پر ہم استاد غوابی سے یہ پوچھنے کے حق بجانب ہیں کہ اس نے یہ فکر اور سوچ کہاں سے لی کہ قدیم اباضیوں سے بعد میں آنے والے اباضیوں کی ادراکی قوت کا دائرہ زیادہ وسیع ہے۔ جبکہ اس نے اباضیوں کی کسی کتاب کا مطالعہ نہیں کیا اور نہ ہی قدیم وحدیث اباضیوں کی آراء کو پڑھا ہے۔ بلکہ اس نے یہ سب کچھ ان کے غیروں کے مصادر سے لیا اسی طرح اس نے یہ بات کہاں سے لی کہ وہ قدیم اباضی سطحی فکر کے حامل تھے اور سادہ لوح تھے۔ جبکہ اس نے اُن کی تاریخ کے حوالے سے کسی بھی کتاب کا مطالعہ نہیں کیا۔ ہاں کسی حد تک اُن کے مخالفین کے مصادر پر اعتماد کیا ہے۔ جو صرف لوگوں کو اباضیوں سے نفرت دلانا چاہتے ہیں اور جنہوں نے اباضیوں کی ایک وحشتناک بگڑی ہوئی صورت لوگوں کے سامنے رکھنے کی کوشش کی ہے۔

استاد غوابی نے جو اباضیوں کے اوپر احکامات جاری کیے ہیں۔ وہ سب غیر مستحکم بنیادوں پر استوار ہیں اگر اس نے اباضیوں کی تاریخی کتابوں کا مطالعہ کیا ہوتا نہ کبھی ایسی خطا نہ کرتا اس لیے مجھے یہ کہنا پڑ رہا ہے۔ کہ استاد غوابی بھی امت اسلامیہ کے فرقوں سے متعلق لکھتے ہوئے اگر چہ وہ نفرتوں کو مٹا کر امت مسلمہ کی وحدت کے حوالے سے اپنی دعوت میں مخلص ہے اور ہر فرقے کی اُس نے خوبیاں اور خامیاں بیان کی ہیں۔ باوجود وہ جعل سازی اور من گھڑت بے بنیاد اقوال آراء کو اباضیوں کی طرف منسوب کرنے کے حوالے سے جہالت کے گڑھے میں گر گیا ہے اور اس کے قدم ویسی ہی جعل سازیوں میں پھسل گئے ہیں جیسا کہ سابقہ علماء پھسل گئے تھے۔

اس کو مذاہب اسلامیہ کے درمیان واقع فروق سے ذرا سی واقفیت نہیں ہے اسی لیے اس نے ان تمام فرقوں کو خوارج کی طرف منسوب کر دیا ہے۔ میں اس فصل کے اختتام پر یہ کہہ کر اپنی بات مکمل کرنا چاہتا ہوں۔ کہ اباضی چاہے وہ متقدمین تھے یا متاخرین ہمیشہ مسلمانوں کو متحد کرنے کی کوشش کرتے رہے ہیں اور مجموعی طور پر ان کی کاوششیں امتِ اسلامیہ کی رفعت، بلندی کے لیے تھیں اسی طرح وہ اپنے دیگر اسلامی مذاہب سے تعلق رکھنے والے مسلمان بھائیوں سے حسنِ معاملہ کرتے آئے ہیں۔ یہاں تک کہ اُن کو اپنے عقائد کے مطابق احکامات پر عمل کرنے کا حق دے رکھا ہے۔ لہٰذا وہ بھی اپنے علاوہ دوسرے اسلامی مذاہب سے متعلق مسلمانوں سے یہی حق طلب کرتے ہیں ۔کہ وہ ان کو بھی اُنکے عقائد نظریات کے مطابق عمل کرنے کا حق دیں۔ بجائے یہ کہ ان کی طرف جعل سازیاں منسوب کر کے ان پر کُفر کے فتوے لگائے جائیں اور خارجِ اسلام سمجھا جائے۔

استاد ابوزہرۃ:

استاد محمد احمد ابوزہرۃ اباضیوں سے متعلق اپنے کتاب (تاریخ المذاهب الاسلامية) کے پہلے حصے کے صفحہ ۹۱ پر کہتا ہے:

"اباضیہ عبداللہ بن اباض کے پیروکار ہیں خوارج میں سے سب سے زیادہ معتدل ہیں اپنی فکر، سوچ میں اہل سنت کے زیادہ قریب ہیں جعل سازیوں بدعات اور غلو سے بہت زیادہ دور ہیں" اسی وجہ سے ان کا آج بھی وجود باقی ہے ان کی اپنی مستقل فقہ ہے اسی طرح ان کے بہت نامور علماء ہیں۔ ان میں سے بعض مغربی صحراء کے علاقوں میں اور بعض زنجبار میں مقیم ہیں۔ فقہی آراء میں ان کی ایک پہچان ہے ان کے وراثت کے حوالے سے قانون مصری قانون کا حصہ ہے۔ وہ یہ کہ اباضیوں کے رائے میں عصباتِ نسبیہ تمام ورثاو حتی کہ زوجین سے بھی موئخر کیا ہے۔ جب کہ مذاہب اربعہ تمام کے تمام عصباتِ نسبیہ سے مقدم کیا ہے۔

اباضیوں کی آراء:

ا۔اپنے مخالفین کو نہ تو مسلمان کہتے ہیں اور نہ ہی مشرک بلکہ ان کو کفار نعمت کا نام دیتے ہیں۔یعنی وہ عقیدے میں کفار نہیں بلکہ کفار نعمت ہیں۔ اس وجہ سے کہ انہوں نے خدا تعالیٰ کی ذات کے ساتھ کُفر نہیں کیا بلکہ اُس کی جناب میں تقصیر کی ہے۔

ب۔ان کے مخالفین کا خون حرام ہے اور اُن کا وطن دارالتوحید ہی ہے۔ سوائے بادشاہ کی رہائش اور قلعے کے وہ دارالکُفر ہے۔ لیکن اس بات کو وہ ظاہر نہیں کرتے بس اپنے تہیں وہ یہ سمجھتے ہیں کہ ان کے مخالفین کا وطن اور ان کا خون حرام ہے۔

ج۔جو اِن کے ساتھ جنگ میں مد مقابل ہوتے ہیں۔اُن سے لڑائی کرتے ہیں۔اُن کا جنگی اسلحہ اور گھوڑے وغیر مالِ غنیمت سمجھتے ہیں۔ جبکہ باقی تمام مال سونا چاندی وغیرہ حرام سمجھتے ہیں اور وہ اُن کو واپس لوٹا دیتے ہیں۔

د۔ مخالفین کی گواہی کو جائز قرار دیتے ہیں۔اُن کی عورتوں کو اور وراثت کو حلال سمجھتے ہیں۔

ان تمام جملہ آراء سے اُن کا اپنے مخالفین کے لیے اعتدال اور انصف ظاہر ہوتا ہے کہ وہ اپنے مخالفین کے لیے کس قدر رودار ہیں۔ کس قدر انصاف پسندانہ اور معتدل نقطہ نظر رکھتے تھے۔

اسی طرح استاد ابوزہرۃ اپنی کے دوسرے حِصے کے صفحہ نمبر ۳۵ پر کہتے ہیں۔

وہ اسلامی مذاہب جن کی اپنی مستقل فقہ ہے:

یہ سیاسی فرقے جن میں سے کچھ ایسے ہیں جن کی اپنی مستقل فقہ نہیں ہے اور کچھ ایسے ہیں جن کا اپنا کوئی فقہی مذہب نہیں بلکہ وہ کسی دوسرے ایسے فقہی مذہب کی پیروی کرتے ہیں جو عقیدے میں ان کے قریب تر ہے۔

لیکن وہ فرقے جن کو اپنی مستقل معتبر فقہ ہے وہ تین ہیں:

اثنا عشریہ – زیدی – اباضی

اثنا عشریہ:

اس فرقے کی مستقل فقہ ہے۔ خاص دینی فکری منطق کا حامل ہے۔ اس فقہی مذہب کو امام جعفر الصادق علیہ السلام کی طرف منسوب کیا جاتا ہے۔ ہم اس کے حوالے سے کچھ وضاحت امام جعفر الصادق سے متعلق اپنی گفتگو کے ضمن میں پیش کریں گے۔

زیدی:

اس فرقے کا بھی ایک مستقل فقہی مذہب ہے جو اپنی آراء اور منطق میں اہل سنت جماعت کے زیادو قریب ہے اس کے امام، پیشوا عظیم امام زید بن علی زین العابدین ہیں۔

اباضی:

یہ فرقہ عبداللہ بن اباض کے پیروکاروں کا ہے۔ ان کی بھی ایک مستقل معتمد مدوّن فقہ ہے۔ اسی طرح ان اباضیوں کی اپنی مستقل مدوّن فقہ کی تحریر میں قابلِ صد تحسین جدوجہد اور کاوشیں ہیں۔

استاد ابوزہرۃ اگرچہ دور حاضر کے ایک نامور ایسے عالم دین ہیں جن کی طرف اسلامی مسائل میں رجوع کیا جاتا ہے اور اُن کی بات کو سنا جاتا ہے اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی کہ وہ ایک معتدل نقطہ نظر کے حوالے سے پہچانے جاتے ہیں۔ خاص طور پر فرقوں کے حوالے سے اُن کی بات کو بہت پر لطف اور قابل رقت سمجھا جاتا ہے۔ اسی طرح اُن کی فرقوں سے متعلق اور خاص طور پر اباضیوں کے حوالے سے اقوال، آراء کو جدید آراء کا رتبہ دیتے ہوئے رقم کیا جاتا ہے۔ مگر اس سب کے باوجود یہ بھی سابقہ علماء کہ غیر مصدقہ اقوال آراء اور غموض، ابہام پر مبنی آراء سے متاثر ہونے سے محفوظ نہیں رہ سکے۔ ہم تو استاد ابوزہرۃ کے عِلمی مقام و مرتبے کے پیش نظر اس چیز کے منتظر تھے۔ کہ وہ تمام فرقوں سے متعلق اپنے سابقہ علماء سے متاثر ہوئے بغیر مطلق اپنی گفتگو اور معلومات پر اعتماد کرتے ہوئے بات کرے گا۔ اور ثابت شدہ مصدقہ مصادر پر اعتماد کرے گا۔ مگر اسلامی معرفت کے حوالے سے ایک منفرد مقام رکھنے کے باوجود وہ بھی اسی تباہ کن تاریخی رو میں بہہ گیا جیسا کہ اُس سے سابقہ بہہ گئے تھے۔

یہ بھی فرقوں سے متعلق سابقہ کی طرح اپنی گفتگو میں عصبیت اور فریبی سیاست کے عوامل اور چالوں کی زد میں آگیا اور اُس کی فکر، سوچ میں فریبی تعصب پر مبنی سیاست عقل، علم اور دین کے غلبے سے زیادہ غالب آگئی۔ اس فریبی سیاست کے محققین کی قلموں اور منوؤں پر غالب آگئے یعنی حقیقت جھوٹ کی زد میں آگئی۔

جیسا کہ استاد ابو زہرۃ اُن ہم عصر مقالہ نگاروں کے طریق پر چلا ہے۔ جنہوں نے اِن جعل سازیوں کو ایسے لیا کیا ہے جیسے اقوام متحدہ کے ارکان ناقدین بین الاقوامی مسائل کا جائزہ لیتے ہیں جن کے پیچھے خاص قسم کے اغراض و مقاصد ہوتے ہیں یا پھر ایسے ناقدانہ جائزہ لیا ہے جو کہ مستشرقین کی منصوبہ بندی کے مطابق ریسرچ کے مناہج تشکیل دیے گئے ہیں۔ یعنی مستشرقین کے طریق اور منہج پر چلتے ہوئے ان فرقوں سے متعلق موضوعات کو زیر بحث لایا تھا۔ ان علماء اور مقالہ نگاروں کی استاد ابو زہرہ نے پیروی کی ہے۔

چونکہ مستشرقین جب اسلامی مسائل و معاملات کا جب ناقدانہ جائزہ لیتے ہیں تو وہ اسلام سے مخلص ہوتے ہوئے یا بھلائی کی نیت سے جائزہ نہیں لیتے اور نہ ہی خیر کے ارادے سے تحقیق کرتے ہیں بلکہ اس کے پیچھے ان کے خاص مقاصد کارفرماں ہوتے ہیں ایک خاص منصوبا بندی ہوتی ہے جس میں سے سب سے بڑھ کر اسلام پر نقطہ چینی اور تنقید مقصود ہوتی ہے۔

اسی طرح وہ امت اسلامیہ کو اپنی اقوام کی مروجہ زندگی کے تناظر میں جب دیکھتے ہیں تو بہت بڑا تضاد نظر آتا ہے۔ ان کے ممالک میں گروہی زندگی ہے ہر گروہ کی ہر قوم کی لائف ایک دوسرے سے مختلف ہے۔ ہر ایک کا لائف سٹائل دوسرے گروہ اور قوم سے مختلف ہے طریقہ کار حیاۃ سب کے ہاں یکساں نہیں ہے۔ جبکہ اسلام میں پوری امت اسلامیہ کا زندگی گزارنے کا ایک طریقہ ہے اور ایک ثقافت اور اسلامی تہذیب ہے کوئی گروہی یا قومی فرق نظر نہیں آتا۔ ایک مسلمان امت ہونے کے ناطے اور ایک دین اسلام سے منسلک ہونے کی وجہ سے ان سب کی زندگی اپنے دین کے مطابق ایک ہی طریق پر چلتی ہے اُن کو کوئی فرق نظر نہیں آتا۔ تب وہ اپنے گروہی زندگی کو مسلمانوں میں ویسے ہی ثابت کرنے کی غرض سے امت اسلامیہ کی تقسیم کر دیتے ہیں اور مذہبی دینی فرقوں کا نام دے دیتے ہیں۔ یعنی یہ مذہبی فرقے اور یہ غیر مذہبی فرقے ہیں۔ اس کے پیچھے غرض یہ ہوتی ہے کہ یہ فرقے اور گروہ صرف ہمارے مذاہب اور اقوام میں ہی نہیں بلکہ مسلمانوں میں بھی ہیں۔

جبکہ صورتحال اس کے بالکل برعکس ہوتی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ شیعہ اور خوارج یہ مذہبی فرقے ہیں۔ جبکہ دوسرے غیر مذہبی ہیں۔ اُن کو اسلامی مذاہب کا نام دیتے ہیں یا اسلامی جماعتیں اس اعتبار سے عالم اسلام دو بڑے لشکروں میں تقسیم ہو جاتا ہے۔ دینی گروہ دوسرا اسلامی جماعتیں لہٰذا اس تقسیم کو بعض معاصرین مقالہ نگاروں اور کاتبوں نے بھی استعمال کیا ہے۔ جیسا کہ ابو زہرۃ نے بھی اپنی کتاب میں اس اصطلاح کو استعمال کیا ہے۔

حالانکہ اس کے حوالے سے یہ انتظار کیا جارہا تھا۔ کہ وہ ان اصطلاحوں اور ناموں میں غور وفکر کرے گا اور ان کے پیچھے پوشیدہ اغراض و مقاصد کو سمجھے گا۔ اور ایسی حقیقت کو واضح کرے گا جس کے پیچھے کوئی بھی سامراجی یا دشمنانِ اسلام کی سازش کار فرماں نہیں ہوگی۔ اسی طرح وہ ہر اس لاغرپن اور کمزوری کو چھوڑ دے گا۔ جس کے پیچھے خاص قسم کے مقاصد یا ایسے فضا کار فرماں ہوگی جو سراسر اسلام سے دور ہوگی۔ جس کا اسلام اور مسلمانوں کے ساتھ دور کا بھی کوئی تعلق یا ناطہ نہیں۔ جبکہ صورتحال بلکل برعکس نظر آتی ہے۔ ابوزہرۃ کے قدم بھی سابقہ کی طرح اس مذاہب سے متعلق ریسرچ اور تحقیق کے میدان میں پھسل گئے ہیں۔

لہٰذا وہ ان کاتبوں اور مقالہ نگاروں سے متاثر ہوا جنہوں نے اباضیوں کو ایک خوارج کا فرقہ گردانتے ہوئے دینی گروہوں میں سے ایک گروہ ثابت کیا تھا۔

اسی طرح اس بات میں بھی کوئی تردد نہیں ہے۔ کہ جن لوگوں نے امت اسلامیہ کو گروہوں اور مذاہب میں تقسیم کیا ہے وہ اُن مذاہب کے افراد کو اپنے ذہنوں میں یوں سمجھتے ہیں اور لوگوں کو یہ بارآور کروانے کی کوشش کی ہے کہ یہ وہ لوگ اور دینی گروہ ہیں۔ جن کی نہ تو کوئی اپنی مستقل فقہ اسلامی میں قابل صد تحسین کاوشیں ہیں۔ یعنی اُن کی نظر میں اِن کی یہ جہود بالکل بے فائدہ ہیں۔ جو ایک نظر دیکھنے کی بھی مستحق نہیں ہیں۔

ابوزہرۃ نے اباضیوں کو پھر بھی خوارج کی صف سے نہیں نکالا حالانکہ اُسنے اُن کے حوالے سے یہ بھی بیان کیا اور تسلیم کیا ہے کہ وہ راہ اِعتدال کو تھامے ہوئے ہیں اور اپنے مخالفین کے لیے بھی انصاف کے دامن کو ہاتھ سے نہیں چھوڑتے اور یہ کہ ان کی ایک مستقل فقہ ہے اور اُن کے علماء کی بہت عظیم خدمات ہیں۔ یہاں تک کہ ان کو اس اصطلاح اور نئے نام سے موسوم کردیا ہے۔

دینی گروہ (الاحزاب الدینیہ) حالانکہ ایسی صفات سے زیدیوں جعفریوں اور شیعوں کو متصف کیا گیا تھا۔

اسی طرح اس نے فقہ سے متعلق اِن کی کتب اور نقطہ ہائے نظر کا بھی اعتراف کیا ہے لہٰذا اس کی اِس ساری گفتگو اور باتوں کو پیش نظر رکھتے ہوئے مجھے تو یہ محسوس ہوتا ہے کہ وہ اباضیوں کی حقانیت اور عظمت کو جانتا بھی ہے۔ اِس کا اعتراف بھی کرتا ہے مگر بعض مخصوص اسباب کے تحت وضاحت اور علانیہ کہنے کی جسارت نہیں کر رہا پتہ نہیں اس کے پیچھے وہ کون سا دباؤ ہے۔ جس کے سبب وہ اباضیوں کی فضیلت، عزت، عظمت، اور انفرادیت کو علانیہ طور پر بیان کرنے کی جسارت نہیں کر رہا دل سے تسلیم ضرور کر رہا ہے۔

یہاں پر میں ایک بات اور بھی کہنا چاہوں گا وہ یہ کہ استاد ابوزہرۃ نے جب ایسے فرقوں سے متعلق لکھا جن کا وجود باقی نہیں رہا تھا یہاں تک کہ ان کی کتب بھی ختم ہو چکی تھیں تو اس بناء پر اس نے ان سے متعلق معلومات کے لیے دوسرے مصادر پر اعتماد کیا کیونکہ ان فرقوں کے اپنے مصادر یا علماء موجود ہی نہیں تھے۔ مگر یہ عذر اباضیوں سے متعلق لکھتے ہوئے نہیں تسلیم کیا جاسکتا کہ اس نے مخالفین کے مصادر پر اس لیے اعتماد کیا کیونکہ اباضی مذہب کا وجود خطہ ارضی پر ختم ہو چکا

تھا۔ اور ان کی کتب اور علماء بھی موجود نہ تھے۔ لہٰذا اس نے ان مصادر پر اعتماد کیا جو مکروفریب والی سیاست اور مذہبی تعصب کے زمانے میں تحریر کیے گئے جو صرف اور صرف مخالفین پر طعن و تشنیع اور بے جاء تنقید پر مشتمل تھے۔

حالانکہ ہرگز ایسی بات نہیں استاد ابوزہرۃ مصر کے دارالخلافہ قاہرہ میں رہتا تھا۔ جس کے ساتھ اس کے ہم عصر اباضی مکتبہ فکر کے بہت سے علماء بھی وہاں موجود تھے۔ جن میں سے کچھ ابوزہرۃ کے دوست، احباب بھی تھے۔ اس کے ساتھ ساتھ مصر کا سب سے قدیم اور سب سے بڑا اسلامی کتب کا ذخیرہ رکھنے والی لائبریری (دارالکتب مصری) میں اباضی مکتبہء فکر کی بہت سی کتب جن میں سے کچھ مطبوعہ اور کچھ غیر مطبوعہ مخطوطوں کی صورت میں موجود تھیں۔ جو کہ مختلف موضوعات سے متعلق تھیں۔ جن میں سے فقہ، عقائد، اصول اور تاریخی کتب جن میں امت مسلمہ کے فرقوں کا ماحاصل اور اعتراضات کا رد اور اتحاد امت کے لیے ضروری امور سے متعلق بھی تھیں۔ جن میں سے بعض کتب کا مطالعہ اِس نے بھی کیا تھا۔ تبھی تو اس نے یہ بیان کیا ہے کہ اباضی ایک ایسا مذہب ہے جس کی مستقل مدون فقہ علماء ہیں اور مخالفین کے لیے معتدل اور انصاف پر مبنی موقف رکھتے ہیں۔ اس سب کے باوجود اس نے اگر اباضیوں سے متعلق لکھتے ہوئے اُن کے مخالفین کے مصادر پر کیوں اعتماد کیا اس بات پر ہم اس کو سزاوار ٹھہراتے ہیں۔

کیونکہ ہم تو اس سے یہ توقع کر رہے تھے کہ وہ اباضیوں کی آراء اور نقطہ نظر کو انہی کے مصادر مراجع سے لے کر اپنے الفاظ میں بیان کرے گا۔ یا پھر ہو بہو اُن عبارتوں کو اِن کے مصادر سے لے کر ذکر کر دے گا۔ میرے خیال میں مصادر سے براہ راست عبارتوں کو لے کر ہو بہو اسی طرح بیان کرنا محترم قاری کے اطمنانِ قلب کے لیے زیادہ موزوں تھا۔

لہٰذا اس نے اباضی کتب پر اکتفا کیوں نہیں کیا؟ کیا وہ مصادر جو اس کے پاس تھے کافی نہیں تھے تو کیا ایک محقق کے طور پر اس کا یہ فرض نہیں تھا کہ وہ ان مصادر تک رسائی حاصل کرتا جو اسکی بحث کے لیے معتمد اور کافی تھے چاہے اس تحقیقی عمل پر اُسے کچھ خرچ ہی کرنا پڑتا یا خود کو تھکانا ہی پڑتا ہر حال میں کیا یہ اس کا بنیادی فریضہ نہیں تھا؟

وہ تو ایسے مصادر کی طرف لوٹا ہے جن میں غموض تھا اور جن کی وضاحت اور تحقیق کرنا امر صعب تھا۔ بلکہ ان مصادر سے بغیر تصدیق، تحقیق کے کلام نقل کرتا چلا گیا۔ گویا وہ اس غموض اور وہم میں خود مبتلا ہونا چاہتا ہے۔

علمی تحقیق اور واضح تعبیر حقیقت سے پردہ اٹھانے کے لیے ہوتی ہے اور یہ ثابت کرنا مقصود ہوتا ہے کہ کون سا فریق اور کون سا فرقہ حق بجانب ہے۔ چاہے اس کے حوالے سے کچھ بھی کسی طرح کے بھی مخصوص حالات میں لکھا جا چکا ہے۔ تحقیق میں یہ نہیں ہوتا کہ وہ تمام اقوال آراء اسی طرح نقل کر دی جائیں اور ان پر ایک موقف قائم کر لیا جائے بلکہ ان کی جانچ پڑتال اور تحقیق کرنا ضروری ہوتا ہے تاکہ حق کو ثابت کیا جا سکے۔

استاد ابوزہرۃ کا وہ کلام جو میں پہلے نقل کر چکا ہوں۔

(اباضیوں کے نزدیک ان کے مخالفین نہ تو مومن ہیں اور نہ ہی مشرک بلکہ ان کو کفار نعمت کا نام دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ وہ اعتقادی کفار نہیں بلکہ کفار نعمت ہیں۔)

یہ عبارت تھوڑی سی لفظوں کی تبدیلی کے ساتھ تقریباً دس صدیوں سے اباضیوں سے متعلق لکھے جانے والے مقالہ جات اور موضوعات میں نقل ہوتی چلی جارہی ہیں اور میرا نہیں خیال کہ جس نے اس عبارت جس نے بھی سب سے پہلے نقل کیا تھا۔ تحقیق کی ہو۔ زیادہ تر اس عبارت کو تم امام ابوالحسن الاشعری اور ملطی کے مقالات میں پائے گئے۔ ان کے اوائل دور کے بڑے بڑے نامور علماء محدثین کی قلموں کی زینت بھی رہی ہے۔ وہ علماء جو اس میدان اور فن کے کمال درجے تک مہارت رکھتے تھے۔ پتہ نہیں انہوں نے اس عبارت کو حسنِ نیت سے بیان کیا یا پھر اباضیوں کے مقالات اور اقوال سے جہالت برتی گئی اور حقیقت کو نہیں پہچانا گیا یا پھر طعن، تشنیع کی غرض سے بیان کی گئی تاکہ دیگر مسلمانوں کے دلوں میں اباضیوں کی نفرت کا بیج بویا جائے۔

اس بات میں کوئی تردد نہیں اگر کوئی مسلمان یہ سنے کہ وہ اباضیوں کی نظر میں کافر ہے۔ تو وہ فوراً اُن پر غصے ہو جائے گا۔ بلکہ پورے غیض و غضب سے ان پر ٹوٹ پڑے گا۔ کہہ دے گا کہ یہ فرقہ گمراہ، باطل ہے۔ لعنت کا مستحق ہے۔ جس نے مجھے مسلمان نہیں سمجھا بلکہ کافر کہا اور وہ لفظ کافر کے معانی اور فروق کی شرح و وضاحت بھی سننا گوارہ نہیں کرے گا۔ بس وہ لوگ جن تک یہ بات پہنچی کہ اباضی ان کو مسلمان نہیں بلکہ کافر سمجھتے ہیں۔ تو ان لوگوں کی جانب سے اباضیوں کے حوالے سے سخت ترین ردِ عمل ہوا۔ بعض اوقات تو توقع سے بھی زیادہ ردِ عمل اور غیض و غضب کا مظاہرہ کیا گیا۔ اُسی ردِ عمل کے پیشِ نظر اباضیوں کے خلاف مقالات لکھے گئے اور سخت ترین موقف اپناتے ہوئے ان کو خوارج کا فرقہ بنا دیا گیا۔

یہ بہت عجیب بات ہے کہ ابوزہرۃ جیسے محقق عالم کی قلم بھی اپنی بلاغت و سلاست کے ساتھ انہیں تعبیرات اور عبارات کہ نقل کرنے کے لیے جاری ہوگئی جن سے کسی بھی زمانے میں حق کا قصد نہیں کیا گیا۔ اس کی یہ ذمہ داری تھی کہ وہ نقل کرنے سے پہلے ان عبارتوں کی تحقیق و تصدیق کرتا۔ جیسا کہ اس کے ہم پلہ اور ساتھی استاد ابراہیم محمد عبدالباقی نے اس موضوع کے تناظر میں کی تھی۔

اس نے اپنے کتاب (الدین و العلم الحدیث) کے صفحہ ۲۶۹ پر اباضیوں سے متعلق بات کرتے ہوئے بیان کیا ہے۔ جو ذیل میں پیش خدمت ہے:

> "چوتھے یہ کہ وہ اہل قبلہ کی تکفیر نہیں کرتے سوائے یہ کہ کوئی اسلامی عقائد سے خالی ہو جائے۔ یعنی ضروریات دین میں سے کسی چیز کا انکار کر دے۔ جیسا کہ وہ خُدا تعالیٰ کی کسی صِفت یا انبیاء کرام میں سے کسی کی بے ادبی یا پھر قرآن پاک کے کسی حرف کا انکار کر دے تو وہ کافر ہو جائے گا۔ ورنہ تو وہ اہلِ توحید اہل قبلہ ہے۔"

اے محترم قاری ذرا ان دو نامور علماء کے مقالات کا موازنہ کرو جو ایک ہی مسلک کے ہیں اور ایک ہی آب و ہوا میں پرورش پائی ہے۔

ایک نے غیر مصدقہ مقالات اور اقوال اباضیون کی طرف منسوب کیے ہے۔ ایسے مصادر پر اعتماد کرتے ہوئے جو سرے سے اباضیوں کو مسلمان ہی نہیں سمجھتے۔ بلکہ گمراہ فرقہ سمجھتے ہیں اور وہ ایسے مصادر ہیں۔ جن میں غموض، ابہام ہے۔ ان کی حقانیت ثابت نہیں ہے۔ بس اس نے ان مصادر سے جو سمجھا اُسے بیان کر دیا اور اسی کو ہی حجت سمجھا۔

دوسرا وہ عظیم عالم ہے جو مسلمانوں کی وحدت کی کوشش کرتا ہے اور ایسی کتابت کرتا ہے جو امتِ اسلامیہ کو کلمہ توحید پر جمع کرتی ہے اور تمام اسلامی مذاہب کو اس نقطہ نظر پر جمع کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ جو ان سب کے ہاں مستشرق ہے۔ ان کی تمام آراء کو بہت قوی دلائل کے ساتھ بیان کرتا ہے۔ بڑی عمدہ وضاحت پیش کرتا ہے۔ جن سے کوئی بھی محقق مستغنی نہیں ہو سکتا۔ اسی طرح وہ کوشش کرتا ہے کہ اس پردے کو ہٹا سکے جیسے امت اسلامیہ کی آنکھوں پر صدیوں سے ارادی یا غیر ارادی طور پر ڈال دیا گیا تھا۔

ان دونوں علماء کرام کے اباضیوں سے متعلق بیان کردہ نقطۂ نظر میں واضح تضاد دیکھتے ہوئے ایک عام قاری حیرت میں پڑھ جاتا ہے۔ اُسے کچھ سمجھ نہیں آ رہی ہوتی کہ کس بات کو درست سمجھے اور خود کو اباضیوں کے رتبے میں رکھے۔

نہ تو وہ اباضیوں کے ہاں اپنا کوئی رتبہ، مقام سمجھتا ہے اور نہ ہی ان کا اپنے ہاں مقام، مرتبہ محسوس کرتا ہے۔ وہ سراپا حیرت ہے۔

ابو زہرۃ نے قدیم مقالہ نگاروں اور کاتبوں سے متاثر ہوتے ہوئے اباضیوں سے متعلق جو سب سے زیادہ اہم بات کہی ہے اور جس میں بہت زیادہ وہم ابہام اور تردد پایا جاتا ہے۔ وہ ہے کلمہ کفر۔ جب اباضی اس کلمہ کا کسی پر اطلاق کرتے ہیں تو وہ اپنے مخالف یا موافق کا اعتبار نہیں کرتے۔ کیونکہ حقیقت میں یہ کلمہ اپنی بناوٹ کے لحاظ سے لغوی اعتبار سے مخصوص معانی پر دلالت کرتا ہے۔ جن کو شارع نے نقل کیا ہے اور کبھی محدود شرعی حقائق پر دلالت کے تناظر میں استعمال کیا ہے۔

لہٰذا اس کی دلالت کے لیے نہ تو اباضیوں سے اور نہ ہی ان کے مخالفین سے کوئی سروکار ہے۔ اس کلمہ کے شریعت میں مخصوص معانی لیے گئے ہیں اور مخصوص احکام میں دلالت کے لیے خاص کیا گیا ہے۔ جس کا نہ تو کوئی تعلق اباضیوں سے ہے اور نہ ہی اُن کے مخالفین سے ہے۔ یہ تو شریعی معاملہ ہے۔

حقیقت میں کلمات کفر، ایمان، نفاق، نافرمانی، شرک، اور کبیرہ گناہ اسلام یہ سب لغوی مباحث ہیں اور شریعی اصطلاحات ہیں۔ یہ وہ شرعی حقائق ہیں۔ جن کو بہت سے علماء نے اپنے قلموں کی زینت بنایا ہے اور اپنی رائے اور نقطہ نظر میں اختلاف بھی کیا ہے۔ بعض اوقات اُن کا کسی بات پر اتفاق بھی ہوا ہے۔ کبھی ان اصطلاحات کے حوالے سے علماء میں

اس قدر جھگڑا طول پکڑ گیا کہ لڑائی کی حد تک بھی معاملہ پہنچا۔ لہٰذا اباضیوں کی بھی آراء اور نقطہ نظر دوسروں کی طرح ہیں۔ ان کی بھی وہی حیثیت ہے۔ جو دوسرے فرقوں کی ہے۔

اباضیون اور دوسرے فرقوں میں سے جنہوں نے رشوت کھانے والے پر کلمہ کفر کا اطلاق کیا ہے۔ انہوں نے اپنے اس قول کو رسول خدا ﷺ کے اس فرمان سے تقویت دی ہے۔

شریعت میں رشوت کفر ہے۔ اسی طرح اگر کوئی کاہن یا نجومی کے پاس آئے اور اس کے قول کی تصدیق کر لی اور سچ مان لیا۔ تو وہ بھی کافر ہے۔ رسول خدا ﷺ کے اس فرمان کے مطابق:

"اگر کوئی کسی کاہن اور نجومی کے پاس آیا اسکی بات سنی اور اُسے سچ مان لیا اسکی تصدیق کر دی گویا اس نے جو کچھ محمد ﷺ پر نازل ہوا تھا۔ اس کا انکار کر دیا یعنی کفر کر دیا۔"

اس طرح نماز میں کاہلی کرنے والے پر کلمہ کفر کا اطلاق کیا گیا ہے۔ رسول پاک ﷺ کے فرمان کے مطابق:

"جس نے نماز جان بوجھ کر چھوڑ دی اس نے کفر کیا۔"

اسی طرح جس پر حج فرض تھا استطاعت کے باوجود نہ کیا تو قرآن پاک کے اس فرمان کے مطابق کفر کیا۔

﴿فِيهِ ءَايَٰتٌۢ بَيِّنَٰتٌ مَّقَامُ إِبْرَٰهِيمَ ۖ وَمَن دَخَلَهُۥ كَانَ ءَامِنًا ۗ وَلِلَّهِ عَلَى ٱلنَّاسِ حِجُّ ٱلْبَيْتِ مَنِ ٱسْتَطَاعَ إِلَيْهِ سَبِيلًا ۚ وَمَن كَفَرَ فَإِنَّ ٱللَّهَ غَنِىٌّ عَنِ ٱلْعَٰلَمِينَ﴾

"اس میں کھلی نشانیاں ہیں (ان میں سے ایک) ابراہیم (ؑ) کیجائے قیام ہے، اور جو اس میں داخل ہو گیا امان پا گیا، اور اللہ کے لیے لوگوں پر اس گھر کا حج فرض ہے جو بھی اس تک پہنچنے کی استطاعت رکھتا ہو، اور جو (اس کا) منکر ہو تو بے شک اللہ سب جہانوں سے بے نیاز ہے"(۱)

اسی طرح جس نے سودی معاملہ کیا تو اس پر بھی قرآنی فرمان کے مطابق کلمہ کفر جاری ہوتا ہے۔

﴿يَمْحَقُ ٱللَّهُ ٱلرِّبَوٰا۟ وَيُرْبِى ٱلصَّدَقَٰتِ ۗ وَٱللَّهُ لَا يُحِبُّ كُلَّ كَفَّارٍ أَثِيمٍ﴾

"اور اللہ سود کو مٹاتا ہے (یعنی سودی مال سے برکت کو ختم کرتا ہے) اور صدقات کو بڑھاتا ہے (یعنی صدقہ کے ذریعے مال کی برکت کو زیادہ کرتا ہے)، اور اللہ کسی بھی ناسپاس نافرمان کو پسند نہیں کرتا"(۲)

---

(۱) آل عمران، ۳/۹۷۔

(۲) البقرہ، ۲/۲۷۶۔

اس طرح کی بہت سے نصوص وارد ہوئی ہیں۔ جن میں کلمہ کفر استعمال ہوا ہے۔ بعض جگہ اس سے شرک کی تاویل کی گئی ہے۔ کہیں پر مرتد ہونے کی اور کہیں کفر نعمت کی تاویل کی گئی ہے۔ جس کا معنی ہے نافرمانی، فسق، فجور وغیرہ۔

محدثین اس کلمہ (کفر نعمت) کی وضاحت کچھ یوں کرتے ہیں (بغیر کفر کے کفر)۔ لہٰذا رسول پاک ﷺ نے رشوت لینے والے کاہن عراف کی تصدیق کرنے والے شکی اور نماز میں سستی کرنے والے اور مسلمانوں میں سے جو بعض بعض سے مقاتلہ کریں فرمایا(میرے بعد کفار مت بن جانا جو بعض بعضوں کی گردنوں پر مارتے پھریں) ان سب کو کفر کے کلمہ کے ساتھ متصف کیا ہے۔

اس لیے اباضیوں نے نافرمان اور فاسق پر اگر کفر کے کلمے کا اطلاق کیا ہے تو کون سا جرم کیا ہے۔ یہ یقین کرتے ہوئے کہ رسول خدا ﷺ نے جب رشوت خور اور شکی وغیرہ وغیرہ کو کفر سے متصف کیا ہے تو ان پر شرک کا حکم ہرگز نہیں لگایا اور نہ ہی ملت سے نکالا ہے۔ لہٰذا اباضیوں نے بھی کلمہ کفر کو انہیں مقامات میں استعمال کیا ہے جہاں جہاں رسول پاک ﷺ نے فرمایا ہے اور اس کفر سے مراد شرک یا مرتد نہیں لیا اور نہ ہی ملت سے نکلنا مراد لیا ہے۔

اگر ہم ان تمام پر کفر سے مراد شرک یا مرتد ہونا سمجھیں اور ملت سے نکل جانے ہی کو کفر سمجھے جن جن کو رسول خدا ﷺ نے کلمہ کفر سے متصف کیا ہے۔ تو پھر سوائے تھوڑی سی تعداد کے مسلمان تو باقی بچیں گے ہی نہیں سب ہی کافر ہو جائیں گے اور دین اسلام سے نکل جائیں گے۔ چند ایک ہی مسلمان بچیں گے۔

اگر ہم اسی منطق کو ہی لے لیں اور رسول خدا ﷺ کے اس فرمانکے پیش نظر تمام مسلمانوں پر جو بھی ایک دوسرے کی گردنوں پر مارتے ہیں، قتال کرتے ہیں، شرک یا پھر ملت سے نکل جانے کا حکم لگادیں اور کفر سے مراد مرتد، مشرک یا ملت سے نکل جانا سمجھ لیں تو رسولِ پاک ﷺ کے عہدِ مبارک کے کچھ ہی دیر بعد مسلمانوں نے ایک دوسرے کی گردنوں پر مارنا اور آپس میں قتال کرنا شروع کر دیا تھا جو آج تک جاری ہے۔ بلکہ مسلمانوں کا مسلمانوں کے ہاتھوں خون اور قتل وغارت ہر دن اور آج کے دن تک ہو رہی ہے جو کہ ختم ہونے کا نام ہی نہیں لے رہی تو کیا ہم اُن تمام پر مشرک مرتد ہونے کا حکم لگائیں؟ اور ملت سے نکل جانے کا حکم جاری کریں؟ کیا وہ سادہ لوح مسلمان جو ہر ایک کی بات کو سچ سمجھتے ہیں چاہے وہ کاہن کی ہو یا عرّافہ کی تو کیا اُن پر شرک اور مرتد کا حکم لگائیں۔

لہٰذا اگر اباضیوں نے کلمۂ کفر کا نافرمان اور فاسق پر حکم جاری کیا ہے۔ اپنوں اور مخالفین کے درمیان فرق کیے بغیر تو استاد ابوزہرۃ کو یہ زیب نہیں دیتا کہ وہ اپنے سابقہ کی پیروی کرتے ہوئے یہ کہے (کہ ان کے مخالفین نہ تو مومن ہیں اور نہ ہی مشرک بس وہ کفارِ نعمت ہیں) اور اس بات کی تعبیر وہم ابہام میں لپیٹ کر بیان کر دے جو لوگوں کو اباضیوں سے متعلق نفرت دلائے اور وہ کلمہ کفر سے یہ مراد لینے لگیں کہ اس سے مراد اباضیوں کے نزدیک ان کے علاوہ تمام مسلمان مرتد اور کافر ہیں۔

یہ کلمہ کفر کسی بھی مسلمان کے ذہن میں اباضیوں کے حوالے سے غیض وغضب کا سبب بنے گا۔ جب وہ یہ سنے گا کہ اُن کے نزدیک یہ نہ تو مسلمان ہے نہ ہی مشرک بس کافر نعمت ہے۔ گویا اس پر اسلام سے نکل جانے کا حکم جاری کیا گیا ہے۔ وہ چاہے کتنی ہی نافرمانیوں کا مرتکب ہو کبھی بھی اس حکم کو اپنے بارے میں قبول نہیں کرے گا۔ جبکہ وہ ردِ عمل کے طور پر اباضیوں کو ہی کافر کہنا اور خوارج کا فرقہ سمجھنا شروع کرے گا اور یہ کہے گا کہ یہ فرقہ باطل اور گمراہ ہے۔

ابوزہرۃ نے اس عبارت کو ان مصادر سے لیا جو خاص منصوبہ بندی اور اشاروں کے تحت تحریر کیے گئے تھے۔ جن میں اباضیوں کو نشانہ بناتے ہوئے یہ جعل سازی منسوب کردی گئی تھی کہ وہ اپنے مخالفین کو کافر سمجھتے ہیں۔

اگر استاد ابوزہرۃ کلمہ کفر کی اباضیوں کے نزدیک جو تاویل اور شرح موجود تھی۔ اس کو ہی بیان کر دیتا تو شاید اتنی شدت پیدا نہ ہوتی جتنی کہ اب ہوئی ہے۔ حالانکہ وہ اس کلمہ کی اباضیوں کے نزدیک جو شرح ہے اُسے بخوبی جانتا ہے۔ اِس کے باوجود اس نے تو مزید ایسی تعلیق لگائی ہے۔ جو مزید اس کے لیے غموض اور ابہام کا سبب بنی ہے جو شرعی اصطلاحات سے واقفیت نہیں رکھتا۔ کاش ابوزہرۃ نے اس شگاف کو بند کیا ہوتا اور اس انگارے کو بجھایا ہوتا اور تمام اسلامی گروہوں کے درمیان برداشت کشادگی کی فضا پیدا کرتا۔ مگر وہ ایسا نہیں کرسکا۔

اسی طرح ہم نے سابقہ اس کی بات کو نقل کیا جس میں اس نے کہا ہے کہ (وہ اپنے اندر اس بات کو چھپائے ہوئے ہیں کہ ان کے مخالفین کا وطن اور خون حرام ہے۔ کاش میں سمجھ سکتا کہ ابوزہرۃ نے اس بات سے کیسے آگاہی حاصل کی جبکہ وہ اپنے اوپر چھپائے ہوئے تھے؟ پھر یہ کہ وہ کون سی ذات تھی جس نے اپنے اندر اس راز کو چھپایا ہوا تھا۔ ایک فرد تھا یا پھر ایک جماعت؟ پھر وہ کون شخص تھا جس نے اس راز کو فاش کیا اگر اباضی اس کو جان جاتے تو اس کی زبان کاٹ دیتے!

ہمیں اس عظیم عالم کے قلم سے ایسے کلام کی ہرگز توقع نہیں تھی جسے عقل وخرد قبول نہیں کرتی مگر ہم کیا کہہ سکتے ہیں جب وہ خود ہی ایسے زمانے میں جینا چاہتا ہے۔ جس میں کلام کے ساتھ کھیل تماشا کیا گیا۔ وہم کے ساتھ وہ جنگ لڑتا ہے۔ اور ابہام کے ذریعے مناقشہ اور تجزیہ کرتا ہے۔ اگر اس نے کتب اباضیہ کی طرف رجوع کیا ہوتا تو وہ ضرور اس حقیقت سے اگاہ ہو جاتا کہ اباضی تو رسول خداﷺ کے اس قول مبارک کو تھامنے والے ہیں۔ (مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں لوگوں سے قتال کروں یہاں تک کہ وہ لا الہٰ الا اللہ کا اقرار کرلیں۔ جب وہ لا الہٰ الا اللہ پڑھ لیں گے تو ان کا مال وخون میری جانب سے محفوظ ہو جائے گا سوائے وہ خون جو حق پر بہے اب ان کا حساب خدا تعالیٰ کے ذمہ ہے)۔

لہٰذا اباضی شریعتِ الٰہی جیسے اس کو رسولﷺ نے پہنچایا ہے اعلانیہ طور پر عمل کرواتے ہیں نہ کہ پوشیدہ طور پر وہ اس شریعت مطاہرہ کا اعلانیہ طور پر اپنی کتابوں دروس اور مجالس میں ذکر کرتے ہیں کہ مسلمانوں کا مال، خون ان کی عزتیں کلمہ توحید کی وجہ سے حرام ہیں اور یہ کہ نبیﷺ کے خطبے کی صداؤں کی گونج آج بھی ہر مسلمان کے سینے میں آرہی ہے۔

(خبردار تمہارے اموال، خون اور عزتیں تم پر حرام ہیں)

اس حکم کو رسول خدا ﷺ نے خطبہ حجۃ الوداع میں علانیہ طور پر بیان فرمایا تو اباضی اس کو کیوں چھپائیں گے انہوں نے اپنی طویل تاریخی داستان میں کبھی اس حکم کی مخالفت نہیں کی اور ویسے بھی اس کو چھپانے میں اِن کی کوئی مصلحت نہیں ہے۔

استاد ابوزہرۃ کا اس فصل کی ابتداء میں ہم نے قول نقل کیا تھا (کہ اباضی وہ فرقہ ہے جس کی اپنی ایک مستقل مدون فقہ ہے اسی طرح اباضیوں کے اپنے مذہب کے حوالے سے کتب لکھنے میں قابل صد تحسین جہود ہیں)۔

پھر وہ ایک اور مقام پر کہتا ہے۔ (اُن کی فقہ بہت عمدہ اور معتمد ہے اسی طرح ان میں بہت نامور عظیم علماء بھی ہیں)۔

ان تمام احکام کا اطلاق ابوزہرۃ نے اباضیوں کی موافقت میں کیا ہے۔ پھر ان سے ایسے دور ہوا ہے گویا وہ تاریخی لعنت سے بھاگنا چاہتا ہے اس سے ملحق نہیں ہونا چاہتا اور ایسا بھاگا کہیں ٹھہرا ہی نہیں صرف اس جگہ کچھ توقف کیا جہاں فقہی مذاہب سے متعلق لکھنا شروع کیا۔

احناف سے متعلق اس نے چھیالیس صفحے لکھے مالکیوں کے متعلق پچاس، شوافع سے متعلق چھپن صفحے حنابلہ کے متعلق اسی صفحے ظاہریوں کے متعلق ستاسٹھ صفحے مذہب ابن تیمیہ کے حوالے سے ستاون صفحے زیدیوں سے متعلق چھپن جعفریوں سے متعلق چالیس صفحے لکھے مگر افسوس اباضیوں سے متعلق کچھ نہ لکھا۔ کس چیز نے اس کی قلم کو دوسروں کے مذاہب کے حوالے سے لکھنے کے لیے جاری کیا اور اباضیوں سے متعلق لکھنے کے لیے قید کر دیا دوسروں کے لیے لکھا اِن کے لیے نہیں لکھا۔

اس نے زیدیوں، جعفریوں کو اباضیوں کی طرح دینی گروہ اعتبا کیا تھا۔ مگر اباضیوں کے علاوہ باقیوں کو فقہ کے ساتھ ملحق کیا ہے جبکہ اباضیوں کو یہ درجہ نہیں دیا۔ دوسرے دو گروہوں کا اعتراف کیوں کیا ہے اِن کا معترف کیوں نہیں ہوا جبکہ اس نے خود ہی جن گروہوں کو دینی گروہ شمار کیا تھا ان میں اباضی بھی تھے اور ویسے بھی اباضیوں کو جب اس صفت سے متصف کیا تھا کہ ان کی ایک مستقل مدون فقہ ہے تو کیا ان کا حق نہیں تھا کہ ان کو بھی زیدیوں، جعفریوں کے ساتھ فقہ کے موضوع میں بیان کرتا۔

ابوزہرۃ اباضیوں سے متعلق کیوں ایسا موقف رکھ رہا ہے۔ اس لیے کہ سابقہ اقلام کے احترام میں جنہوں نے اباضیوں کو خوارج کا فرقہ شمار کیا تھا۔ کیا نقصان ہوتا اگر ابوزہرۃ خارجیت کا معنی خود ہی اباضیوں کی کتب اور اسلوب سے تحقیق کر کے ذکر کرتا تاکہ ان پر پختہ حکم لگا سکتا۔

اگر وہ ایسا کرتا تو ہو سکتا تھا کہ خارجیت کا معنی ہر اس بات سے زیادہ واضح پاتا جو اباضیوں کے بارے میں کہا جاتا ہے۔ اس عربی کہاوت کی طرح (رمتنی بدائها وانسلّت) بلکہ وہ ذرا سا بھی خارجی اثر اباضیوں میں نہ پاتا اگر وہ اُن کی کتابوں میں لفظ خارجیت کی وضاحت دیکھ لیتا۔

اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ استاد ابوزہرۃ ان مصادر کی مخالفت نہیں کرنا چاہتا جن پر اس نے اعتماد کیا ہے اور اباضیوں سے متعلق ان سے معلومات لی ہیں۔ اگر اباضیوں سے متعلق ان سے ہی معلومات لیں جائیں تو اباضیوں کی اصل حقیقت کے اعتراف سے بہت سارے جھوٹے غیر مصدقہ احکام منہدم ہوجاتے جو اباضیوں پر جاری کیے گئے ہیں اور ان کا اطلاق اِن پر کیا گیا ہے۔

اسی طرح وہ نہ ہی اُن کے مصادر مراجع اور کتب پر اعتماد کرنا چاہتا ہے کیونکہ اس نے اُن سے متعلق یہ بات سن لی ہے کہ وہ اپنے اندر کچھ چھپاتے ہیں، بیان کچھ اور کرتے ہیں۔ یہ بات اس کی آنکھوں میں شک کی پٹی باندھ رہی ہے اور اس کی ذات میں شکوک وشبہات پیدا کر رہی ہے۔

بس اس طرح وہ اپنے سے سابقہ علماء کے مصادر پر اعتماد کرنے میں منفرد نظر آتا ہے جو اس سے پہلے زمانے میں گزرے تھے اور ان کو ہو بہو نقل کرتا ہے چاہے وہ حق ہوں یا نہ ہوں وہ اپنے اعتراف کی خاطر ان تمام حقائق اور سچائیوں سے غفلت برتتا ہے خاص طور پر فقہی پہلو سے بھی غفلت برتی ہے۔ جہاں اس نے دوسرے مذاہب کے بیان سے اپنی کتاب کو بہت طول دیا ہے وہاں اس نے اباضی مذہب کو فقہی لحاظ سے بھی کوئی مقام نہیں دیا اور نہ ہی اُن کو ذکر کیا ہے۔

استاد ابوزہرہ نے اباضیوں کو جن اقوال، آراء کی بنا پر خوارج میں شمار کیا ہے وہ اقوال آراء صرف اباضیوں کے ہی ہیں یا پھر اُن کے علاوہ تمام مذاہب اسلامیہ کے ہیں کیا وہ تمام مسلمانوں کے معاملات اور آراء ہیں یا صرف انہیں کے ساتھ خاص ہیں خاص طور پر اباضیوں کی طرف منسوب کردہ وہ فقرہ جو تکرار کے ساتھ پیش کیا گیا ہے جس سے وہم ابہام پیدا ہوتے ہیں وہ یہ کہ (اباضی اپنے مخالفین کا خون حرام سمجھتے ہیں ان کے وطن کو دار اسلام گردانتے ہیں سوائے جنگ کے ان کے اموال کو مالِ غنیمت نہیں سمجھتے سوائے اسلحہ کے اس طرح اپنے مخالفین کی گواہی کو جائز قرار دیتے ہیں۔ ان سے شادی کرنا اور وراثت کو جائز قرار دیتے ہیں کیا اباضیوں کے علاوہ دوسرے مذاہب ان آراء کے قائل نہیں صرف اباضی ہی کہتے ہیں۔ اگرچہ مستثنیات تو ہر فرقے میں ہوتی ہیں جن پر تعصب اور غلو کا غلبہ ہوتا ہے۔

اگر استاد ابوزہرہ ماضی کی تمام جعل سازیوں اور ناکامیوں سے خلاصی چاہتا اور ان تمام غیر مصدقہ اقوال سے نجات چاہتا جن کے پیچھے سیاسی فریب کاریاں تھیں تو اُسے چاہیے تھا کہ وہ سب سے پہلے کلمہ کفر کی وہ شرعی شرح کرتا جس معنی میں اباضیوں نے اپنے ہاں استعمال کیا ہے تو اس کے لیے اس مسئلے کو اور غموض کو حل کرنا ابتداء ہی سے بہت آسان تھا جب اس نے خود یہ بیان کیا تھا کہ اباضی کلمہ کفر کو کفر نعمت کے معنی میں استعمال کرتے ہیں جس کا اطلاق گنہگار اور فاسق پر ہوتا ہے۔ جب بھی انہوں نے اس کلمہ کا اطلاق اہلِ توحید پر کیا تو اس سے مراد کفر نعمت تھا جیسا کہ بعض دوسرے مذاہب بھی اس کی تعبیر کرتے ہیں جب اس کا معنی واضح ہو جائے تو پھر قدیم علماء کے نہج پر چلتے ہوئے ان کے مصادر اور اقوال آراء پر اعتماد کرنے کا جواز ہی نہیں رہ جاتا خوامخواہ ان جعل سازیوں اور وہم ابہام میں پڑنا ہے اس کی کوئی ضرورت ہی نہیں رہ جاتی۔

اسی طرح کی ان مباحث میں مخالفین کی بات جس کے پس پردہ فریبی سیاست کار فرماں ہے اس کی بھی کوئی ضرورت نہیں رہ جاتی (یعنی وہ لوگ نافرمانی کے زمرے میں آتے ہیں جو خطا میں ملوث ہوں یا ان سے خطا سرزد ہوئی ہے یا ان سے کسی عمل میں سستی ہوئی ہو۔ اباضی کلمہ کفر کو عاصی پر ہی اطلاق کرتے ہیں جیسا کہ ہم نے کچھ دیر پہلے ذکر کیا تھا اور مندرجہ بالا تمام افراد جن کا ذکر کیا گیا ہے عصیان، نافرمانی کے زمرے میں آتے ہیں اور وہ ان شروط کی بنیاد پر جن کو ابو زہرہ نے بیان کیا ہے چاہے وہ اباضی ہوں یا کوئی اور سب کے ساتھ ایک جیسا تعامل اور برتاؤ کرتے ہیں۔ ان میں سے کوئی بھی عاصی، نافرمان ہو تو اباضی اس کو مسلمان کا نام دیتے ہوئے اہل توحید سمجھتے ہیں، مشرک نہیں شمار کرتے۔ اس کا خون حرام سمجھتے ہیں سوائے یہ کہ ایسا فعل کرے جو ایک مسلمان کے خون کو بہانا حلال کر دیتا ہے۔ اسی طرح اس کا مال بھی حرام ہے سوائے وہ عمل جو مسلمانوں کے مال کو حلال بنا دیتا ہے اسی طرح ان کا وطن دارالاسلام ہی ہے اگر وہ ان سے جنگ کرے تو اسلحے کے علاوہ اس کی کوئی چیز حلال نہیں ہے یہ تمام باتیں ابو زہرہ کی بیان کردہ روایات کے بالکل مخالف ہیں۔ اسی طرح اباضی اس کے ساتھ ویسا ہی تعامل، برتاؤ کرتے ہیں جیسا دوسرے مسلمانوں کے ساتھ کرتے ہیں خاص طور پر گواہی نکاح اور وراثت وغیرہ کے معاملے میں)

ہم اس بات میں ذرا سا بھی تردد نہیں کرتے کہ ابو زہرہ اباضیوں سے متعلق کچھ بھی جانتا ہے جتنا اباضی اپنی آراء، اقوال کو جانتے ہیں اگر وہ خود کو ماضی کی تقلیدات اور خامیوں سے آزاد کرتا تصدیق، تحقیق کر لیتا تو ان کو خوارج میں ذکر کرتا اور نہ ہی دینی گروہوں میں شامل ذکر کرتا۔

ہم مندرجہ ذیل نقاط کی روشنی میں استاد ابو زہرہ کی اس طویل تھکا دینے والی بحث کا خلاصہ بیان کر سکتے ہیں۔

۱۔ اس نے وہی غموض وہم ابہام سے لپٹی تعبیرات کو استعمال کیا ہے جن کو صدیوں سے نامور مقالہ جات کی کتب استعمال کرتی چلی آرہی ہیں۔

۲۔ اس نے اباضیوں اور ان کے اقوال کے بیان میں دوسرے لوگوں کے مقالات اور مصادر پر اعتماد کیا حالانکہ اس کے لیے خود کتب اباضیہ سے براہ راست سیرابی کرنا ممکن تھی۔

۳۔ اس نے سیاسی مکر و فریب سے غفلت برتی اور صرف دو لشکروں پر توجہ رکھی (اباضی اور مخالفین) اس لیے مخالفین کا لفظ اس کی بات کا محور تھا۔

۴۔ وہ بھی مستشرقین یا جو ان سے سیرابی حاصل کرتے ہیں ان کے اسلوب اور ہر بات کی پیروی میں چلا جنہوں نے امت اسلامیہ کو دو بڑے حصوں میں تقسیم کر دیا تھا۔ فقہی مذاہب اور دینی گروہ وغیرہ۔ ابوزہرۃ نے بھی اس بات میں انہیں کی پیروی کی ہے۔

۵۔ اس نے مذہب اباضی اور اس کی فقہ سے متعلق کچھ نہ لکھا۔ سستی اور کاہلی کا مظاہرہ کیا جبکہ دوسرے تمام مذاہب جن کو دینی گروہ کا نام دیا تھا ان سے متعلق اور ان کی فقہ کے بارے میں خوب ذکر کیا۔

٦۔ اس نے اپنے سے سابقہ مقالہ نگاروں اور علماء کی رضامندی کی خاطر اباضیوں کو خوارج کے فرقے میں ڈالا ہے۔ جبکہ اس نے خود کسی قسم کا کوئی رابطہ یا تعلق خوارج کے ساتھ اباضیوں کا نہیں پایا یا پھر ان کو ایسا بیان کیا ہے کہ ان کے نقطۂ نظر کو منفرد انداز سے پیش کیا ہے تاکہ دوسروں سے بالکل منفرد سمجھے جائیں۔ جیسا کہ اس نے ان کی طرف جو اقوال منسوب کیے ہیں۔ اس انداز میں ذکر کیے ہیں۔ گویا یہ صرف انہی کے ہیں۔ حالانکہ وہ آراء تو تمام امتِ اسلامیہ کے ہاں خوارج کے علاوہ قدرِ مشترک ہیں۔ یہاں تک کے چند علماء کے علاوہ اہلِ سنت کی اکثریت بھی وہی آراء رکھتی ہے۔ لیکن اس نے اس انداز سے بیان کی ہیں۔ گویا یہ صرف اباضیوں کی آراء ہیں۔ کسی اور کی امت اسلامیہ کے باقی فرقوں میں سے نہیں ہیں۔ صرف اباضی ہی ان آراء کے حامل ہیں۔

ہم تو یہ خواہش کر رہے تھے کہ ابو زہرۃ کا موقف ان اہم مسائل میں بڑا واضح اور روشن ہو گا۔ ماضی کی جعل سازیوں اور خطاؤں ناکامیوں سے آزاد ہو گا اور یہ کہ اس کی یہ کاوش اور سرگرمی مسلمانوں کے تمام گروہوں اور جماعتوں کے درمیان قرب کا ذریعہ بنے گی۔ اسی طرح اس کی بات سے زمانہ ماضی، حاضر کے تمام سیاسی، سامراجی تعصب اور جہالت کا ازالہ ہو گا مگر افسوس ایسا کچھ نہ ہو سکا۔

اس فصل کے اختتام پر میں اپنی ہر وہ عبارت جس سے استاد ابو زہرۃ بے ادبی محسوس کرے معذرت کرنے میں مسرت، شادمانی محسوس کرتا ہوں۔ میں ہر حال میں اس کا احترام کرنے والا ہوں۔ اس کی دین اسلام کے لیے واقعی ایسی خدمات ہیں جن کو آج کے زمانے کی مسلمان نسل کبھی بھلا نہیں سکتی وہ ہمارے جلیل القدر کرام میں سے ہے۔

سابقہ نقاط میں میں نے جو موقف اپنایا ہے اس پر ملامت کا رویہ تو ایک طالب علم ہونے کی حیثیت سے اپنایا ہے ورنہ وہ تو ایک ایسے عالم ہیں جو اپنے مضمون میں معلومات اور وسعت اطلاع کے حوالے سے ایک سمندر ہیں۔ میں تو ان کے سامنے کچھ بھی نہیں وہ ایسے وسیع ظرف انسان ہیں جو متعلمین کے شغب اور شوق کو دیکھتے ہوئے صبر و تحمل سے اور محبت سے ان کو برداشت کرنے والے حلیم الطبع ہیں۔

عبد القادر شیبۃ الحمد

۱۳۸ ہجری میں مجھے روضہ رسول ﷺ کی زیارت کا شرف حاصل ہوا وہاں رسول پاک ﷺ کی بارگاہ میں ہدیہ درود و سلام حرم نبوی میں نماز کی ادائیگی مقامات وحی عبادے کی جگہ ٹھہرنے اور مقامات رسول ﷺ اور مقامات صحابہ ﷺ کی زیارت کے بعد مجھے اسلامک یونیورسٹی مدینہ منورہ اور اس کے علماء سے ملاقات کا موقع ملا اُن سے شخصی تعارف بھی ہوا۔ مجھے وہاں کے

مشائخ، اساتذہ کرام سے ملاقات اور معرفت سے آگاہی کا موقع دیا گیا۔ بس اس کے چانسلر سے بعض اہم مسائل معاملات میں ان کے بقول مشغولی کے باعث ملاقات نہیں ہو سکی۔

میں نے اس یونیورسٹی کا دورا کیا اس کے کلاسز میں حاضر ہوا بعض لیکچرز بھی سننے کو ملے جب میں واپس آنے لگا تو مجھے تحفۃً کچھ ایسی مطبوعات اور کتابیں پیش کی گئیں جو وہاں کے نصاب میں شامل تھیں میں وہاں سے قلبی سکون اور صدری وسعت کے ساتھ نکلا کیونکہ یہ وہ یونیورسٹی ہے جو مدینہ رسول ﷺ میں قائم ہے جو تقریباً ستر سے زیادہ ممالک میں نور، ہدایت کی شعاعیں بکھیر رہی ہے۔ جہاں تک مجھے بتایا گیا کہ اس میں تقریباً ستر ممالک میں سے آئے ہوئے طلبہ زیر تعلیم ہیں۔ میں بہت خوش ہوا کہ یہ تو بہت بڑا خدا تعالیٰ کا فضل ہے۔

اگر اپنی دعوت و فکر میں اور تعلیمی خدمات میں اسی نہج پر چلتی رہی تو وہ وقت دور نہیں کہ تمام اطراف، اکناف عالم میں اس کی فکر و دعوت کو پھیلانے والے داعی، مبلغین موجود ہوں گے۔ جو عالم اسلام کے بیٹوں کے درمیان محبت و مودت کے پختہ تعلقات قائم کریں گے۔ محبت رواداری کا تعلق تمام دینی بھائیوں میں قائم کردیں گے ہر طرح کا تعصب و نفرت کو جڑ سے اکھاڑ دیں گے۔

امتِ اسلامیہ کو ہر طرح کی سیاست، عصبیت، قومیت سے آزاد کر کے ان میں اتحاد پیدا کر دیں گے۔ جیسی وحدت کی بنیاد رسولِ پاک ﷺ اور ان کے اصحاب ﷺ نے قائم کی تھی۔

میں اُن قیمتی کتابوں کا سرمایہ لے کر اپنے گھر خوشی خوشی لوٹا جو مجھے اس آبادیونیورسٹی سے تحفے میں پیش کی گئی تھیں۔ انہی کتابوں میں سے ایک کتاب (الادیان والفرق ، المذاهب المعاصرة ، فرقے اور جدید مذاہب) کے نام سے تھی۔ یہ کتاب اس یونیورسٹی میں بی۔ ایس لیول پر دو شعبوں میں ایک نصابی کتاب کے طور پر پڑھائی جاتی ہے۔ شعبہ اصول الدین اور شرعیہ کے نصاب میں شامل ہے۔

اس کتاب کے مؤلف عبد القادر شیبۃ الحمد ہیں جن کے مغرب، عشاء کے درمیان مسجد نبوی میں مائک پر لیکچرز بھی ہوتے ہیں اور ان کے لیے خاص کرسی وہاں لگائی جاتی ہے۔ مجھے ان سے ملاقات کا موقع بھی ملا اور لیکچر سننے کا شرف بھی حاصل ہوا۔ عبد القادر شیبۃ الحمد میزائیلوں اور ٹیکنالوجی کے دور میں جی رہے ہیں اور مدینہ رسول میں مسجد نبوی کے اندر اُن کے لیے ایک خاص کرسی لگائی جاتی ہے تاکہ لوگ ان کے لیکچرز سنیں اور اپنی علمی پیاس بجھائیں۔ مدینہ رسول ﷺ ایک ایسی جگہ ہے جہاں پر بیٹھ کر وہ تمام عالم اسلام کے مذہبی فرقوں جماعتوں اور گروہوں سے مل سکتے ہیں۔ ان سے اسلامی مذاہب کے حوالے سے براہ راست آگاہی حاصل کرسکتے ہیں۔

جس کی بنیاد پر وہ اُن علماء کے مقابلے میں مذاہب سے متعلق زیادہ محقق اور پختہ بات کرسکتے ہیں۔ جن علماء کو یہ تمام سہولیات میسر نہیں تھیں اور وہ ایسی جگہ سے دور تھے۔ جہاں تمام مذاہب، فرقوں کا سنگم ہوتا ہے اُن کو سابقہ زمانوں میں مذاہب سے متعلق لکھنے کے حوالے سے مواقع میسر نہیں آئے جو عبد القادر شیبۃ کو حرمِ نبویؐ میں آئے ہیں۔ اس کے لیے یہ

بہت آسان بات تھی کہ تمام مذاہب اسلامیہ کی آراء، اقوال سے اگاہی براہ راست موسم حج میں حاصل کر سکتا تھا۔ جب اسلامی دنیا بلکہ پورے عالم سے وفود وہاں حج کرنے آتے ہیں ان سے علمی تبادلہ اور مواقف سے آگاہی حاصل کی جاسکتی ہے۔ وہ معلومات جن کو وہ مذاہب سے متعلق اپنی کتابت کی زینت بنانا چاہتا ہے یا پھر اپنے لیکچرز میں پیش کرتا ہے۔ اسی طرح اس کے لیے اُن مذاہب کی کتب اور اُن کے ائمہ تک رسائی حاصل کرنا بھی آسان ہے تاکہ اُن کے متعلق لکھتے وقت وہ ان مصادر پر اعتماد کر سکے اور محقق بات کر سکے جو صحت اور حقیقت کے لحاظ سے زیادہ قریب ہو۔

مگر افسوس صد افسوس استاد عبد القادر نے بھی ایسا بالکل نہیں کیا نہ ہی ان فرقوں سے متعلق لکھتے ہوئے اُن کے مصادر کی طرف رجوع کیا نہ ہی تحقیق کی بلکہ ویسا ہی بیان کیا اور دوسرے مصادر پر اعتماد کیا جیسا کہ اس سے سابقہ علماء نے بیان کیا تھا۔ اسی جعل سازی کا شکار ہوا جس کے سابقہ علماء شکار ہوئے تھے۔ انہیں سابقہ علماء کے نہج پر چلتے ہوئے غیر مصدقہ وہی اقوال آراء اباضیوں کی طرف منسوب کر دیے ہیں جو ان لوگوں نے کہے تھے۔ اس کے باوجود کہ اُسے سعودی عرب نے خوب نوازا اور اس حد تک عزت اکرام بخشا کہ اس کو علم و تحقیق کا موقع فراہم کیا ایک یونیورسٹی میں رکھا اس کے حوالے امتِ اسلامیہ کے نوجوان کیے تاکہ وہ اُن کے علم میں اضافے کے ساتھ ساتھ اسلحۂ ایمانی سے آراستہ کر سکے اور تمام نوجوانوں میں محبت، اخوت کا تعلق پیدا کر سکے مگر افسوس اس نے ایسا کچھ بھی نہیں کیا۔

اس نے قرون اولی کی کتابوں میں بیان کردہ تمام اقوال آراء کو خلاصہ اپنی کتاب میں جمع کیا جس میں سے بعض عباریں اس نے بغدادی کی لیں اس غرض سے کہ اس کی عبارتوں میں شدت اور انتہاپسندی زیادہ نمایاں تھی۔ ان تمام کو جمع کر کے ایک کتاب بنا دیا پھر اس مکسچر کو یونیورسٹی کے طلباء کے اندر انڈیلنے کے لیے ایسا انداز سے لے کر آیا گویا وہ شیر کو اس کے کانوں سے پکڑ کر کھینچ کر لا رہا ہو۔

مجھے اباضی طلباء میں سے ایک نے بتایا کہ جب وہ اباضیوں سے متعلق گفتگو کرتا ہے تو کسی تحقیق اور تصدیق کا اہتمام نہیں کرتا بلکہ اگر اس سے کوئی طالبعلم اباضیوں سے متعلق مزید تبصرہ طلب کرے تو اس کی بات تک نہیں سنتا اسی طرح جب اس سے کہا جاتا ہے کہ اس نے اباضیوں سے متعلق جو اقوال، آراء بیان کی ہیں ان کے اقوال میں سے نہیں ہیں اور اس بات کی یقین دہانی کراتے ہیں کہ وہ اباضیوں کے مصادر مراجع سے اس حقیقت کو اور اپنے دعوے کو ثابت کر سکتے ہیں۔ تب بھی اس نے اُن کے مراجع کی طرف وہ رجوع نہیں کرتا کبھی اگر کسی طالبعلم نے اس حوالے سے اس سے سوال کرنے کی کوشش کی تو اس کو اپنی نگاہ اٹھا کر اشارۃً ایسے خاموش کر دیا جیسے کوئی ہٹ دھرم استاد کسی طالبعلم کو خاموش کر دیتا ہے۔ حتٰی کہ اس کو مسخریہ انداز سے اپنی سختی کا نشانہ بناتا ہے۔ جس پر تمام طلباء بھی اس طالبعلم کا مذاق اڑاتے ہوئے ہنس پڑتے ہیں۔ جس سے بہت سے باقی سنجیدہ طلباء کو بہت تکلیف پہنچتی ہے وہ دوبارہ سوال کرنے کی جسارت بھی نہیں کرتے۔

اس انداز سے استاد عبد القادر ستر ممالک سے آئے ہوئے طلباء کو فرقوں سے متعلق ایسا فلسفہ پڑھاتا ہے جس کا وجود حقیقت میں اُن مذاہب، فرقوں کے ہاں ہوتا ہی نہیں اور ایسے علماء سے معلومات اقوال آراء لے کر بیان کرتا ہے۔ جو نہ تو

اُن فرقوں کو جانتے ہوتے ہیں اور نہ ہی وہ فرقے ان کو جانتے ہیں یعنی ان کا آپس میں کوئی تعلق ہی نہیں ہوتا۔ جن کو وہ ان کی طرف منسوب کرتا ہے بلکہ وہ تمام مذاہب، فرقے اُن تمام غیر مصدقہ منسوب کردہ اقوال، آراء سے بری ہوتے ہیں۔ ان کا کوئی بھی تعلق نہیں ہوتا اُن جعل سازیوں سے جو ان کی طرف منسوب کی جاتی ہیں۔

سب سے عجیب بات تو یہ ہے کہ استاد عبد القادر ان کتابوں کی سیر کرتا ہے جو بہت سی صدیاں پہلے لکھی گئیں اور ایسے فرقوں کے متعلق لکھتا ہے۔ جن کا اور جن کے ساتھیوں کا وجود بھی آج مکمل طور پر پارہ پارہ ہو چکا ہے۔ ان کی ہڈیاں بھی بوسیدہ ہو چکی ہیں یہ ان کو جدید فرقوں کے نام سے موسوم کرتا ہے۔

یہ فرقے جن کا آج صرف نام ہی باقی ہے ویسے مکمل طور پر ختم ہو چکے ہیں تو ان کو کیسے وہ جدید فرقوں کا نام دیتا ہے؟

سب سے بڑھ کر دکھ وہ بات تو یہ ہے کہ یہ کتاب ایک ایسی دور حاضر کی سب سے بڑی یونیورسٹی میں نصابی کتاب کے طور پر پڑھائی جارہی ہے جو ایسی سرزمین پر موجود ہے جس کے ذمہ خدا تعالیٰ نے حرمین شریفین دین کی خدمات اور اس کے مقدس مقامات کی حفاظت لگائی ہیں۔ مزید یہ کہ حج کے موسم میں تمام مسلمانوں کا استقبال کرنا ان کو دین کی مدد اور اسکو سمجھنے کی دعوت دینا جو مختلف مذاہب سے منسلک ہیں اور زمین کے مختلف کونوں سے حج کرنے آئے ہیں۔ ان کو وعظ نصیحت کرنا دین اسلام پر عمل کرنے میں پابندی اور اس مصطفوی نظام کا قیام کرنے کے حوالے سے تبلیغ کرنا جس کو خدا تعالیٰ نے رسول پاک ﷺ پر انسانیت کی سعادت مندی کے لیے اتارا ہے۔ اس طرح کی تمام عظیم ذمہ داریاں اس مملکت کے ذمہ ہیں۔

لہٰذا کیسے یونیورسٹی کی مینیجمنٹ مدینہ رسول ﷺ میں فرقوں سے متعلق جعل سازیوں اور من گھڑت روایات دنیا کے مختلف ستر ملکوں سے آئے ہوئے طلباء جو ان فرقوں سے منسلک ہیں اگر ان غیر مصدقہ جھوٹی روایات کی تصدیق اور تحقیق کے لیے اساتذہ سے سوال کریں اور یہ کہیں کہ وہ اپنے فرقوں کو بہتر جانتے ہیں۔ ان کی آراء یہ نہیں ہیں یہ صرف خرافات ہیں۔ جو غلط منسوب کی گئی ہیں تو ان کو سوال کرنے کی اجازت نہیں دی جاتی حالانکہ وہ ان خرافاتی روایات کی درستگی کرنا چاہتے ہیں۔ مگر ان کی بات ہی نہیں سنی جاتی بلکہ بعض اوقات ان کی بات سننا درکنار ان کو سزا کے طور پر پڑھائی سے محروم کر دیا جاتا ہے اور یہ ساری استاد عبد القادر کی کاوش ہے۔ جس فرقوں سے متعلق اپنی رائے کو نافذ کرنا چاہتا ہے اور اصحاب مذاہب پر اپنا ایسا پختہ حکم جاری کرنا چاہتا ہے جو کہ نہ تو جواب لینا پسند کرتا ہے اور نہ ہی کوئی رد پیش کرنے کی اجازت دیتا ہے۔ وہ اپنی رائے اور نقطہ نظر کا تعاقب کروانا ہی نہیں چاہتا۔

اگر اس اندھی تقلید یا راحت، آرام کی محبت یا پھر عدم تحقیق یا پھر بری نیت جیسے اسباب ہیں۔ جن کی بدولت استاد عبد القادر نے یہ مواقف اپنائے ہیں تو کیا یہ آباد و شاد یونیورسٹی اس کی نگہداشت سے غافل ہے حالانکہ اس کی دعوت و فکر کے ارکان میں سے یہ سب سے اہم رکن ہے کہ کلمہ حق کو قائم کیا جائے اور اس پر امت اسلامیہ کو متحد کیا جائے اسی طرح طلباء کو علوم شریعہ میں سے جو کچھ پڑھایا جارہا ہے وہ مصدقہ ہونا چاہیے۔ اگر یونیورسٹی اپنے طلباء کے حوالے سے جو ان

کو پڑھایا جارہا ہے غافل ہے تو پھر سلطنت ایسے افراد کو کیوں اجازت دیتی ہے کہ وہ یونیورسٹی کی نصاب سازی کریں اور اس کی تعلیم و تربیت کا منصوبہ بنائیں کیا یہ اُس سلطنت کی ذمہ داری نہیں ہے کہ وہ یونیورسٹی کے نصاب اور کورس بنانے والی کمیٹی کی سربراہی اور نگرانی کرے۔ خاص طور پر شرعی مضمون میں جو نصاب شامل ہے اس کی تحقیق ہونی چاہیے۔ وہ محقق ہے یا نہیں کیونکہ وہ امت، اسلامیہ کے بیٹوں کو پڑھایا جارہا ہے۔ اس پر ان کی فکر و سوچ کی بنیاد قائم ہوتی ہے۔ لہٰذا اگر وہ نصاب محقق ہوگا تو ان کے نقطہ نظر اور توجیہات درست ہوں گی۔ یہ بہت اہم بات ہے یونیورسٹی کے تمام ذمہ داران افراد کے لیے اور خصوصی طور پر سلطنت کے ذمہ دار معتبر شخصیات کے لیے لمحہ فکر یہ ہے۔ وہ کیوں غافل ہیں ان کو اس کا تعاقب کرنا چاہیے۔ اگر نصاب میں خرافات شامل کرکے طلباء کو پڑھائی جائیں گی تو انہی خرافات اور جعل سازیوں پر اُن کی فکر استوار ہوگی۔ جو کہ مستقبل میں تمام اسلامی ممالک کے اندر داعی بن کر ابھریں گے۔ جب خود ان کی فکر درست نہیں ہوگی تو وہ دیگر انسانوں کی فکر اور توجیہات کو کیسے درست کریں گے۔ لہٰذا یہ بہت خطرناک اور سنگین معاملہ ہے مجھے آگاہ نہ کیا ہوتا اور میں نے استاد شبہ کی کتاب کا مطالعہ نہ کیا ہوتا تو کبھی اس سنگین معاملے سے پردہ نہ اٹھتا۔ لہٰذا اب میں اپنی اس تڑپ اور سوز دل کو استاد عبد القادر کی طرف نہیں بھیج رہا۔ اس نے تو اپنی سوچ و فکر اپنی کتاب میں بیان کردیا ہے۔ بلکہ یونیورسٹی کی دوسری معتبر اور عزت مآب باثر شخصیات اس کے چانسلر، ایڈمن اور اساتذہ کو بھیج رہا ہوں کہ وہ اس حوالے سے اپنا کردار ادا کریں۔ یونیورسٹی کے نصاب کی نظر ثانی کریں تاکہ جعل سازیوں اور خرافات سے بچا جاسکے اور طلباء کو دینی مضامین میں محقق اور پختہ نصاب کو پڑھایا جاسکے۔ جس سے ان کی فکر و سوچ اور توجیہات درست ہوسکیں۔

ہم تو یونیورسٹی سے یہ توقع کررہے تھے کہ وہ فرقوں سے متعلق بیان کردہ جعل سازیوں اور خرافات کی تحقیق کرے گی ان مذاہب اور فرقوں کی آراء کو ان کی کتب سے لے گی تاکہ خرافات کا ازالہ ہوجائے اسی طرح اس تحقیق کے تحت ہی یونیورسٹی کلمہ حق کا اعلان کرسکتی ہے اور امت، اسلامیہ کے بکھرے ہوئے شیرازے کو جمع اور اسکی کی صفوں کو متحد کرسکتی ہے۔ ایسے ہی وہ امت، اسلامیہ کے تمام مذاہب کی روحانی قیادت کا مرکز بن سکتی ہے کیونکہ اس نے نور علم، یقین کا ان کے درمیان فرش بچھا دیا ہے۔ اور ادار کی قوت کا دائرہ اس قدر وسیع کردیا ہے کہ تمام افراد اپنے فرقوں کے علاوہ دوسرے فرقوں سے متعلق آگاہی حاصل کرسکتے ہیں۔

اگرچہ قدیم زمانے میں مولفین کے لیے مذاہب اور فرقوں کے اصل مصادر تک رسائی حاصل کرنا بہت دشوار تھا۔ جس کی بناء پر ان کو روایات پہنچی انہوں نے قطع نظر اس کے کہ اس میں کون سی حق ہیں اور کون سی باطل آگے نقل کردیں لیکن آج کا دور اس سے مکمل طور پر مختلف ہے۔ آج میڈیا کا دور ہے جس نے دنیا کو ایک گاؤں بنادیا ہے۔ ہر فرقے سے متعلق مصادر مراجع باآسانی میسر ہوسکتے ہیں اور خاص طور پر علماء سعودیہ کے لیے تو یہ کام بہت ہی آسان ہے کیونکہ ان کے پاس بشری امکانات مادی اور روحانی تمام تر اسباب میسر ہیں۔ وہ معرفت ان کہ میسر ہوسکتی ہے۔ جو دنیا کے دوسرے علماء کو میسر نہیں ہوسکتی چاہے وہ کتابوں کی شکل میں معلومات ہوں یا پھر لوگوں کے ذریعے براہ راست ملیں۔ لہٰذا سعودی عرب کے وہ علماء جو مذاہب اور فرقوں سے متعلق مقالہ جات لکھتے ہیں۔ وہ اس تحقیق میں اور خرافات کا ازالہ کرنے میں بہت اہم

کردار ادا کر سکتے ہیں اگر وہ دین کے حوالے سے مخلص ہیں تو ان کو ان مادی روحانی بشری سہولیات کا فائدہ اٹھاتے ہوئے مذاہب، فرقوں سے متعلق اقوال آراء برائے راست اُن کے مصادر مراجع سے لینی چاہیں تاکہ زمانہ ماضی کے خامیوں اور خرافات سے بچا جا سکے اور امتِ اسلامیہ کے نوجوانوں تک حقیقت پہنچ سکے۔ اسی طرح اس یونیورسٹی کے لیے یہ ممکن ہے کہ وہ ہر سال ایک ایسی کانفرنس منعقد کرے جس میں تمام اسلامی مذاہب سے متعلق علماء حاضر ہوں۔

ان کے سامنے دور حاضر کے مسائل اور امتِ اسلامیہ کو در پیش چیلنجز پیش کیے جائیں۔ وہ ان کا مل کے حل دیں اور ہر ایک عالم دین اپنے فرقے کی آراء کو معتمد مصادر کی روشنی میں واضح کرے تاکہ خطاؤں اور غلط فہمیوں کا ازالہ ہو سکے۔ یہ کانفرنس وضاحت اور مسائل کے حل کے لیے ہو نہ کہ جھگڑے کے لیے ہو جس میں ہر شخص اپنے فرقے کو حق ثابت کرے اور دوسرے فرقوں پر گمراہی اور باطل ہونے کے احکامات جاری کرے۔ کیونکہ اگر یہ باب کھل گیا تو کلی نتیجہ طور پر برعکس نکلے گا۔

ہم تو اس یونیورسٹی سے یہ بھی امید کرتے ہیں کہ تمام مذاہب اسلامیہ سے متعلق معتبر علماء کی ایک کمیٹی بنائی جائے جو اس کا شرعی نصاب بنانے کا ایک منہج تیار کریں ایسا منہج جو تمام اسلامی مذاہب کی نمائندگی کرتا ہو اس منہج کے مطابق یونیورسٹی میں نصابی کتب لگائی اور طلباء کو پڑھائی جائیں جن میں وہ جدید مذاہبِ اسلامیہ سے متعلق حقیقی اقوال آراء ہوں۔ اگر ایسا ہو جائے تو تنگ نظری اور غرور و تکبر عصبیت کا مکمل طور پر خاتمہ ہو جائے گا جس سے بغیر کسی شخصی تاثر کے تمام مسلمان طلباء کی توجہ اور فکر کو بدلا جا سکتا ہے۔

اس یونیورسٹی کی ذمہ داریوں میں سب سے اہم ذمہ داری یہ بھی ہے کہ کسی ایک خاص مذہب یا فرقے کو لے کر نہ چلے کیونکہ یہ یونیورسٹی مجموعی طور پر تمام مسلمانوں کی ہے۔ کسی خاص فرقے یا مذہب کی نہیں ہے تمام مسلمانوں کی نمائندہ ہے۔ لہٰذا ایسی اسلامی ثقافت کو پیش کرے جس کا صاف شفاف سرچشمہ قرآن و سنت ہو اس کے بعد اگر علماء کرام اور انسانی کلام کی طرف منتقل ہونا چاہیں وہ کسی مذہب کی آراء ہوں یا کسی فرد واحد کی ضروری ہے کہ ان کی وضاحت پختہ اور معتمد مصادر سے کی جائے۔ کیونکہ کتاب، سنت کے بعد بشری کلام غلط بھی ہو سکتا ہے درست بھی کیونکہ انسان معصوم نہیں ہے بلکہ میرا موقف تو یہ ہے کہ یونیورسٹی میں کتاب، سنت اور اجماع مصادر شریعت ہی ہونے چاہئے۔ ان کے بعد افراد کی ذاتی آراء کا درجہ ہونا چاہیے۔ وہ بھی پوری چھان بین کے بعد اس پر حکم لگایا جائے کہ وہ غلط ہیں یا ٹھیک۔

اسی طرح وہ ان ثابت شدہ آراء کو بغیر کسی مذہبی تعصب اور خاص فکر کے طلباء کو پیش کرے۔ اگر ایسا کرے تو مختلف مذاہب، فرقوں سے منسلک لاکھوں مسلمانوں کے دل جیت لے گی اور خرافات کو سرے سے مٹا دے گی۔ ہر مسلمان فرد یہ اچھی طرح جان جائے گا کہ اس کا بھائی کس بنا پر کسی دوسرے مسلک اور مذہب سے منسلک ہے۔ اس سے وہ خوشی خوشی درست آراء اور اقوال کو اپنی کتب کی زینت بناتے ہوئے تحریر کرے گا۔ ایسا کچھ لکھے گا جس سے ہر مذہب، فرقے سے منسلک شخص کو خوشی شادمانی ہو گی۔

اس پوری گفتگو کے بعد میں یہ درخواست کرتا ہوں کہ میری یہ تنقید صرف اسلامک یونیورسٹی مدینہ منورۃ کے لیے خاص نہیں ہے بلکہ یہ مخلصانہ دعوت تمام اسلامی انسٹیٹیوٹس کے لیے ہے کہ وہ اپنے نصابی مناہج میں نظر ثانی کریں اور ایسا نصاب وضع کریں جو انتہا پسندی کی بجائے اعتدال پر مبنی ہو جس میں شدت کی بجائے برداشت ہو اور نہ ہی اسلامک یونیورسٹی مدینہ منورۃ کے اساتذہ کی ہتک کرنا مقصود ہے۔ بلکہ میں تو خود بنفس نفیس وہاں گیا ہوں۔

مشائخ سے ملا ہوں یہاں تک کہ عبدالقادر شیبۃ الحمد سے بھی ملاقات کی ہے میں تو اس عظیم یونیورسٹی کے طلباء میں خود کو ایک طالبعلم سمجھتا ہوں اور اس پر مجھے فخر محسوس ہوتا ہے۔ میں نے تو وہاں کے مشائخ اساتذہ کے لیکچرز بھی ان کی صحبت میں بیٹھ کر سنے جن میں سے شیخ شنقیطی، افریقی، الجزائری اور کتانی ہیں۔

میں نے تنقید کی غرض سے اپنی بات نہیں کی ہے بلکہ میری یہ مخلصانہ معروضات ہیں جو تمام عالم اسلام کے مکاتب فکر کے لیے ہے کہ ہم کیسے فرقوں مذہبی تعصب اور شدت سے آزاد ہو سکتے ہیں ہم کیسے تمام مذاہب اور فرقوں کے درمیان اختلاف ختم کر کے محبت، مودّت پیدا کر سکتے ہیں؟ خدارا ہمیں کوئی ایسا راستہ اور منہج تلاش کرنا ہوگا جس سے امتِ اسلامیہ کا بکھرا ہوا شیرازہ مجتمع اور متحد ہو جائے۔ یہاں مجھے یہ بات اہم محسوس ہو رہی ہے کہ محترم قاری کو ایک بار پھر عبدالقادر شیبہ کی سنگت میں لایا جائے۔

عبدالقادر شیبہ الحمد اپنی کتاب کے صفحہ ۱۳۸ پر کہتے ہیں:

> (عبداللہ بن اباض کی رائے کے مطابق ان کے مخالفین اہل توحید نہ تو مومن ہیں نہ ہی مشرک لیکن کفار ہیں۔ مگر ان کی عورتیں ان کی وراثت اور گواہی حرام نہیں بلکہ جائز ہے کیونکہ ان کے پاس جو دعوت ہے وہ اسلامی دعوت ان کے اور اُن کے درمیان قدر مشترک ہے۔ اسی طرح ان کے مخفی حالت میں خون حلال نہیں مگر اگر وہ علانیہ طور پر کھڑے ہو جائیں تو ان کا خون مباح ہے
>
> اسی طرح عبداللہ اباض کا یہ موقف ہے کہ حالت جنگ میں ان کا مال بطور غنیمت لینا جائز نہیں جیسے سونا، چاندی وغیرہ ہاں اگر جنگی اسلحہ اور گھوڑے وغیرہ ہیں تو وہ حلال ہیں)

پھر اس نے مروان بن محمد کے دور میں عبداللہ بن اباض کے خروج کا قصہ بیان کی جس کا تبالہ میں قتل ہوا۔ (ہم اس سے پہلے اس قصے کے حوالے سے یہ ثات کر چکے ہیں کہ ہو قصہ جعل سازی ہے)۔

پھر اس نے ابن حزم کے قول کو ذکر کیا جیسے دیگر مقالی نگاروں نے بھی نقل کیا ہے کہ عبداللہ بن اباض نے ثعالبۃ کے حوالے سے اپنے قول سے رجوع کر لیا تھا۔ حالانکہ اباضی اندلس میں رہتے تھے۔ اُسے جانتے تک نہیں (اس جھوٹی روایت کا بھی ہم اپنی سابقہ گفتگو میں جائزہ لے چکے ہیں اور یہ ثابت کر چکے ہیں کہ یہ باطل ہے اس کا حقیقت سے کوئی تعلق نہیں۔

پھر عبد القادر شیبۃ الحمد نے ذکر کرتے ہوئے یہ بیان کیا ہے کہ اباضیوں کے سات فرقے ہیں یزیدی، حفصی، حارثی وغیرہ (اس روایت کا بھی ہم ابوالحسن کے مقالہ میں تفصیلی جائزہ لے چکے ہیں اور یہ ثابت کیا ہے اگرچہ ان فرقوں کا اب کوئی وجود نہیں مگر کسی بھی حال میں ان کا کسی بھی طرح کا تعلق اباضیوں سے بالکل نہیں ہے)۔

پھر اس نے اباضیوں کی طرف منسوب کردہ دیگر فرقوں کا ذکر کیا جن میں سے ابراہیمی، میمونی، واقفی اور بیہسی ہیں۔

ان خرافات اور جعل سازیوں کا کچھ اس طرح عبد القادر شیبۃ الحمد نے خلاصہ نکالا ہے کہ اس نے وہ لونڈی اور ثعلبۃ کی بیٹی والا قصہ بیان کیا ہے۔ اس قصے کا بھی ہم ناقدانہ جائزہ ابوالحسن کے مقالے کے باب میں لے چکے ہیں اور یہ ثابت بھی کر چکے ہیں کہ اس میں بالعموم اور اباضیوں کے حوالے سے بالخصوص کوئی حقیقت نہیں ہے۔ یہ جھوٹا قصہ ہے اس کا سچائی سے کوئی واسطہ نہیں اسی طرح ہم یہ بھی وضاحت کر چکے ہیں کہ ان مذکورہ بالا فرقوں کا اباضیوں سے کوئی تعلق نہیں ہے ہو سکتا ہے اس طرح کی غیر مصدقہ روایات، اقوال کو کوئی بھی انسان پڑھے گا تو وہ عبد القادر پر طنزیہ انداز میں ضرور ہنسے گا کہ اس نے کس طرح کی خرافات کو اپنی قیمتی کتاب کا حصہ بنایا ہے؟

اسی طرح مزید وہ اپنی کتاب کے صفحہ ۱۴۱ پر ذکر کرتا ہے:

(ابراہیمی ایک اباضی شخص کے پیروکار ہیں جیسے ابراہیم کہا جاتا ہے ان کا کوئی مستقل مذہب نہیں ہے جس سے یہ منفرد ہو سکیں۔ ابراہیم نے ان کو ایک مرتبہ اپنے گھر دعوت دی پھر آگے اس نے وہی ابراہیم کی لونڈی کی بیع کا ذکر کیا جیسے دیگر مقالہ نگاروں نے بھی اپنی کتب میں نقل کیا ہے)۔ بس اس کے سبب وہ الگ سے اباضیوں میں سے ایک نیا فرقہ بن گئے یعنی اس لونڈی کی بیع کے حوالے سے اختلاف ہو گیا اور اباضیوں سے الگ ہو کر ایک نیا اباضی فرقہ وجود میں آ گیا۔

مذہب اباضی کا خلاصہ

۱۔ اپنے مخالفین کے وطن کو دارالتوحید ہی سمجھتے ہیں سوائے بادشاہ کے ٹھکانے کی جگہ اُسے ایک باغی کی سرزمین سمجھتے ہیں۔

۲۔ نفاق سے متعلق تین اقوال ہیں۔

- اباضیوں کے ایک گروہ نے کہا ہے کہ وہ شرک اور ایمان تمام چیزوں سے بری ہیں اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کے مطابق ﴿مُّذَبْذَبِينَ بَيْنَ ذَٰلِكَ لَآ إِلَىٰ هَٰٓؤُلَآءِ وَلَآ إِلَىٰ هَٰٓؤُلَآءِ ۚ وَمَن يُضْلِلِ ٱللَّهُ فَلَن تَجِدَ لَهُۥ سَبِيلًا﴾ "اس (کفر اور ایمان) کے درمیان تذبذب میں ہیں نہ ان (کافروں) کی طرف ہیں اور

ان (مومنوں) کی طرف ہیں، اور جسے اللہ گمراہ ٹھہرادے تو آپ ہرگز اس کے لیے کوئی (ہدایت کی) راہ نہ پائیں گے"(۱)

❖ دوسرے گروہ نے کہا ہے کہ نفاق اسی معنی میں رہے گا جس کی تخصیص اللہ تعالیٰ نے نزول قرآن کے وقت فرمائی۔ اس کے علاوہ ہم نفاق کا کوئی اور مطلب نہیں لے سکتے یا کوئی اور حکم نہیں لگا سکتے۔

❖ اباضیوں میں سے ایک اور گروہ نے یہ کہا ہے کہ منافقین اہل توحید ہیں لیکن اہل کبائر ہیں۔ ہم نہ تو ان کو مشرک کے حکم میں داخل کر سکتے ہیں اور نہ ہی ان کو کافر کہہ سکتے ہیں۔

۳۔ جس نے زنا یا چوری کی اس پر حد قائم ہوگی پھر اس سے توبہ کا کہا جائے گا اگر توبہ کر لی تو ٹھیک ورنہ قتل کر دیا جائے گا۔

۴۔ عورتوں، بچوں کے قتل کو مباح نہیں سمجھتے۔

۵۔ مشبہ فرقے اس کے پیروکاروں کو قتل کرنا ان کو لونڈیوں اور عورتوں کی قیدی بنانا مرتد کے حکم میں شمار کرتے ہوئے مباح سمجھتے ہیں۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے بھی مرتدوں کے ساتھ ایسا ہی سلوک کیا۔

بس اس طرح استاد عبد القادر شیبۃ الحمد نے اباضی مذہب کا ان سطروں میں خلاصہ نکالا ہے اور ان کو پانچ نکات میں محصور کر دیا ہے جیسا کہ اس سے قبل استاد ابو زہرۃ نے کیا تھا۔

اباضیوں کی دوسرے اسلامی مذاہب کی طرح اصول شریعہ اور فروعات ہیں دسیوں کتابیں ہیں جن کی سینکڑوں جلدیں ہیں مگر مجھے سمجھ نہیں آتی استاد عبد القادر کو وہ سب کچھ نظر نہیں آیا صرف ان پانچ نقاط میں ہی پورے اباضی مذہب کو محدود کر دیا ہے۔ اسی طرح اس اباضی مذہب کے علماء نے ان (دار المخالفین، معنی، نفاق زنا چوری کی حد عورتوں بچوں کی زندگی مشبہ کا معاملہ وغیرہ) ان چند مسائل کے علاوہ دین کے دوسرے اہم مسائل و معاملات میں کوئی توجہ نہیں دی ان چند مسائل کے علاوہ اُن کی دیگر امور دینیہ میں کوئی خدمات نہیں ہیں۔ اس میں تحقیق نہیں کی جا سکتی یا ان میں ان کی آراء اور عقیدے کو نہیں رکھا جا سکتا۔ کیا عبد القادر کی رائے میں یہ ہے کہ اباضی صرف انہیں نقاط میں اختلاف کرتے ہیں باقی تمام میں اتفاق کرتے ہیں؟ یا کیا تمام مسلمانوں کا باقی مسائل میں اتفاق ہے؟ یا پھر وہ یہ سمجھتا ہے کہ اسلام صرف انہیں نقاط میں محدود ہے باقی تمام احکام کا عقیدے یا سلوک سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ محترم قاری جو بھی سوچ لے بالآخر نتیجہ یہی نکلے گا کہ بس خدا خیر ہی کرے جو طلباء اپنے گمان کے مطابق وہاں پڑھ رہے ہیں۔ ان کے دماغوں کو لغویات اور خرافات سے بھرا جا رہا ہے۔

---

(۱) النساء، ۴/۱۴۳۔

اگر استاد عبد القادر اباضیوں کی کتب کا مطالع کرے تو وہ بخوبی اس سے آگاہ ہو جائے گا کہ اُن کی کتب اصول شریعہ ان کی فروعات اور تمام اسلامی ثقافتوں کے حوالے سے دلچسپ ابحاث سے بھری پڑی ہیں۔ ان تحقیقات اور فقہی بحوث میں وہ دیگر اسلامی مذاہب کے ساتھ مجتمع ہیں سوائے اجتہادی مسئلہ کے وہ بھی بہت شاذ و نادر ورنہ کسی چیز میں بھی دوسروں سے منفرد نہیں ہیں اور اگر کسی اجتہادی مسئلہ کے حوالے سے اپنی رائے میں دوسروں سے منفرد بھی ہوئے ہیں تو اس رائے کی بنیاد اس دلیل پر رکھی ہے جیسے اپنے نزدیک راجح سمجھتے ہیں جیسا کہ دوسرے مذاہب میں ہوتا ہے۔

اور یہ مذاہب میں اختلاف اسلام کی زندہ خصوصیات میں سے ہے اور عقلوں کی وسعت اور قابل فہم ہونے پر دلیل ہے اس اجتہادی اختلاف کی بنیاد پر یہ دین اسلام ہر زمانے کے لیے کارآمد ہے۔ اجتہادی مسائل میں ہمیشہ مجتہدین کا اختلاف رہا ہے ہر ایک اپنی نظر میں جس بات کو درست سمجھتا تھا اس پر قائم رہتا تھا ہر اس دلیل پر اعتماد کرتے تھے جو ان کے نزدیک زیادہ صحیح اور معتبر ہوتی تھی۔ لوگ اس مسئلہ پر کچھ زمانہ عمل کرتے پھر جب کسی دوسرے عالم کی رائے کے مطابق کوئی اور دلیل راجح ہوتی تو اس پر عمل پیرا ہو جاتے تھے۔ پچھلا قول کتابوں کی حد تک موجود رہتا ویسے متروک ہو جاتا۔ یہ اختلافی حالت تقریباً ہر مذہب میں رہی ہے یہاں تک کہ ایک ہی مذہب میں علماء کا آپس میں اجتہادی اعتبار سے اختلاف ہوتا رہا ہے اسی لیے تو کہا جاتا ہے۔ قدیم شوافع اور جدید شوافع ایسے ہی دوسرے مذاہب میں بھی ہے۔

جب ہر مذہب میں اقوال، آراء کے اختلاف کی یہ کیفیت ہے تو عبد القادر شیبۃ الحمد کو آخر کس چیز نے اکسایا کہ وہ صرف مذہب اباضی کو پانچ نقاط میں محدود کر دے؟ اور وہ بھی حقیقت سے تعلق نہ رکھتے ہوں بلکہ فریبی سیاست کی اور وہ لوگ جو اباضیوں کے کردار کو اپنے تعصب کی بنا پر خراب کرنا چاہتے تھے چالیں کار فرماں تھیں۔ ان کی جانب سے یہ سب باتیں جعل سازیاں اور خرافات تھیں۔ جن کو اباضیوں کی طرف خاص فریبی سیاست کے منصوبے کی تحت منسوب کیا گیا ہے۔ اسنے در حقیقت اباضیوں کے متعلق کچھ نہ سمجھا کیونکہ اس نے ان کی کتب کی طرف رجوع نہیں کیا بلکہ ان کے مخالفین کی کتب اور مصادر پر اعتماد کیا۔ لہٰذا ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ اس نے ان نقاط میں سے بعض میں خطاء کی ہے اور بعض ایسے ہیں جن کی عبارتوں میں وہم ابہام پایا جاتا ہے۔ یہی وجہ تھی کہ مجھے یہ ضرورت محسوس ہوئی کہ میں ہر نقطے کی الگ الگ وضاحت کروں چاہے مخصوص فصلیں بنا کر یا پھر اجتہادی فروعی مسائل سے متعلق وضاحت پیش کروں۔

ہم نے جو عبد القادر کے حوالے سے تبصرہ پیش کیا ہے اگر محترم قاری اس کو اچھی طرح سمجھے تو اس پر یہ بات بخوبی واضح ہو جائے گی کہ عبد القادر نے جو نقاط یا اقوال، آراء اباضیوں کی طرف منسوب کیے ہیں وہ خود بھی اُن سے موافقت نہیں رکھتا۔ اس نے مکمل طور پر ان مذاہب کے بارے میں غلط تصویر پیش کی ہے۔ کچھ اس طرح کا تشویش ناک معاملہ باقی اسلامی مذاہب کو بھی پہنچا ہے۔ جن کو اس نے اپنی کتاب میں بیان کیا ہے۔

یہ اسکی مذہب سے متعلق اور انکے حقیقی مقالاجات کے حوالے سے بہت بڑی جہالت ہے جیسا کہ اسکی بات مذاہب کی آراء سے متعلق مخلوط ہے۔ کسی کی بات کسی کی طرف اور کسی کی کسی طرف منسوب کر دی ہے۔ اس ساری صورتحال سے جو

نتیجہ نکلتا ہے بہت ہی بھیانک ہے۔ لہٰذا علماء دینیہ کو لازمی طور پر اس سے الگ رہنا چاہیے اور خاص طور پر وہ اساتذہ جو دین اسلام کی درس، تدریس سے وابستہ ہیں۔ اس طرح کی مشکوک مخلوط گفتگو اور خرافات سے خود کو ضرور الگ رکھیں تا کہ ہم ایک ایسی اسلامی نسل تیار کر سکیں جو نور، ہدایت کی مشعل بردار ہو۔

وہ سوسائٹیاں اور سکولز جنہوں نے تدریس کے لیے اسلامی نصاب وضع کیا ہوا ہے ان کو چاہیے وہ مذہبی تنگ نظری سے بالاتر ہو کر علمی بحث تحقیق کے لیے سینوں میں کشادگی پیدا کریں۔ اسی طرح وہ ان ممالک اور اوطان کو ملحوظ خاطر نہ رکھیں۔ جن میں ایسے مخصوص فکری مذاہب کے مراکز موجود ہیں جو ایک خاص فکر سے آزاد ہونا ہی نہیں چاہتے خاص طور پر وہ ممالک جو کسی خاص مذہبی فکر، سوچ پر قائم ہوئے ہیں اور وہ اپنی فکر و سوچ پر جمے ہوئے ہیں اس تنگ نظری سے نکلنا ہی نہیں چاہتے۔ ان تمام سکولوں اور سوسائٹیوں کو ہر حوالے سے ان سے دور رہنا چاہیے۔ ہر طرح کے مذہبی تعصب سے بالاتر ہو کر دین اسلام کی تنگ نظری کی بجائے سینوں میں کشادگی اور برداشت کا پیکر بن کر خدمت کریں۔

اسی طرح وہ تمام دینی مذہبی مدارس اور سوسائٹیاں جو شریعہ اسلامیہ کی تدریس کر رہی ہیں۔ ان کے لیے لازمی ہے کہ وہ اپنے تدریسی مناہج کو تبدیل کریں اور ایک ایسا منہج وضع کریں۔ جس میں تمام مذاہب کی آراء و اقوال اور عقائد کو پڑھنے اور پیش کرنے کا موقع ملے ہر مذہب دوسرے مذہب کی آراء کو پڑھے اور سنے ایک دوسرے کو برداشت کرنے کی فضا پیدا ہو۔

ہر اسلامی مذہب کی آراء کو اُن کے اصل مصادر سے ثابت کرنے کا موقع ملے نہ کہ اس کے مخالفین کے مصادر سے ثابت کیا جائے جو غیر مصدقہ ہوں اور ان کا حقیقت سے تعلق ہی نہ ہو بلکہ ایسا ہونا چاہیے کہ جس مذہب سے متعلق کوئی رائے پیش کی جائے اسی مذہب مصادر سے اس کو لیا جائے۔ دوسرے مخالفین کے مصادر سے نہ لیا جائے جنہوں نے اس کی بالکل بگڑی ہوئی شکل بیان کی ہوئی ہے۔ بلکہ ہر رائے اس کے کہنے والے کی طرف ہی تمام مستند دلائل کے ساتھ منسوب کی جائے من گھڑت نہ ہوں۔ اسی طرح اس بات کا بھی لحاظ رکھیں کہ کسی مذہب سے متعلق کوئی بھی رائے ایسے شخص کی نہ دی جائے جو نا معلوم ہو بلکہ اس مذہب کے نامور اور معتبر علماء کی آراء کو پیش کیا جائے ایسے علماء جو معرفت اور مسائل میں تمیز کرنے کی طاقت رکھتے ہوں اور اس کامل علمی درجے پر فائز ہوں جو یہ جانتے ہوں کہ کونسے اقوال و آراء ایسی ہیں جو متروک ہو چکی ہیں اور جن پر عمل کیا جا رہا ہے اور یہ اقوال کس حد تک صحت کے اعتبار سے معتمد، مشہور ہیں یا شاذ ہیں اس کی بھی وہ علماء تمیز کرتے ہوں یعنی اس حد تک علمی رسوخ والے علماء کی آراء پیش کی جائیں تا کہ امتِ اسلامیہ کے تمام مذاہب کے درمیان غلط فہمیاں دور ہو سکیں اور پھر سے اس کا بکھرا ہوا شیرازہ مجتمع اور اکٹھا ہو سکے۔ یہ دینی مدارس اور اسلامی سوسائٹیاں امت کو متحد کرنے میں اہم کردار ادا کر سکتی ہیں۔

ڈاکٹر ہویدی

یہ بھی ایک دور حاظر کے ان علماء میں سے ہیں جس نے مذاہب سے متعلق کتاب لکھی (تاریخ فلسفة الاسلام في القارة الافريقية) اس کتاب کا پہلا جز اس نے شمالی افریقہ کے لیے خاص کیا ہے اس جز کو مزید اس نے دو حصوں میں تقسیم کیا ہے۔ پہلی قسم ایسے مذاہب اسلامیہ سے متعلق ہے جس کو خوارج اور شیعہ کا نام دیا ہے۔

دوسری قسم ایسے مذاہب سے متعلق ہے جن کو اس نے سنی اسلام کا نام دیا ہے۔

ڈاکٹر ہویدی جس زمانے میں جی رہا ہے وہ ایسا زمانہ ہے جس میں ہر ایک مسلمانوں کی صفوں میں اتحاد پیدا کرنے جیسے عمل کو اپنی بنیادی ذمہ داری سمجھتا ہے اور تمام مسلمانوں میں نرم ولطیف کلمات کے ذریعے محبت و موٗدت پیدا کرنا ضروری سمجھتا ہے۔ قطع نظر اس کے کہ وہ کس مذہب یا گروں سے منسلک ہیں بس زمانے کا یہ تقاضا ہے کہ ایسے نقاط ایک دوسرے کے قریب لائے جائیں جو ان تمام کے درمیان قدر مشترک ہوں تا کہ امت میں اتحاد پیدا ہو سکے۔

دوسری یہ بات کہ ڈاکٹر ہویدی نے پیرس کے اندر وہاں کے ماحول میں رہ کر فلسفے میں پی۔ ایچ۔ڈی کی ہے۔ جو وسعت نظر اور کشادگی کا تقاضا کرتا ہے مگر اس سب کے باوجود ڈاکٹر ہویدی کی فکر سوچ میں تنگ نظری ہی محسوس ہوتی ہے۔ اگر اس کی کتاب کا کوئی حصہ بھی پڑھیں تو پتہ چلتا ہے کہ کوئی طاقتور بیرونی سازش ہے جو خاص طریق پر اس کے قلم کو چلاتے چلاتے تباہ کر دیتی ہے۔ گویہ وہ اپنی کتاب کی تصنیف میں بغیر سوچے سمجھے لکھتا چلا جا رہا ہے۔

اس کی کتاب کے صفح نمبر ۵۴ پر درج ہے۔

(اباضی فلسفہ جس کا خلاصہ ابوالحسن الاشعری نے اپنی کتاب (مقالات الاسلامين و اختلاف المصلين) میں ان نقاط میں پیش کیا ہے جن کو اس نے جمہور اباضیوں سے متعلق گفتگو کے دوران بیان کیا تھا۔

ہم اپنی بساط کے مطابق ان نقاط کو درج ذیل کو صورت کے تحت جمع کر سکتے ہیں)

پھر وہ ایک عجیب و غریب مخلوط گفتگو کرتا ہے بعض اقوال آراء کو مخلوط شکل میں ذکر کرتا ہے جن میں سے بعض ابوالحسن نے اباضیوں کے طرف عمومی طور پر یا پھر بعض فرقوں کی طرف خصوصی طور پر منسوب کیا تھا۔ پھر اس مشکل اور مخلوط بحث سے کچھ نقاط نکالتا ہے جن سے وہ یہ گمان کرتا ہے کہ ابوالحسن الاشعری نے اباضیوں کا نچوڑ ان نقاط میں بیان کرتا ہے۔

یہاں ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ کس چیز نے ڈاکٹر ہویدی کو اکسایا ہے کہ وہ دس صدیاں پہلے ابوالحسن کے اباضیوں سے متعلق منسوب کردہ غیر مصدقہ اقوال و آراء کی طرف رجوع کرے۔ حالانکہ وہ اباضیوں سے متعلق اس زمانے میں بات کر رہا ہے۔

کیا یہ اچھی بات نہیں تھی کہ وہ اباضیوں کی کتب سے معلومات براہ راست حاصل کرتا ان پر اعتماد کرتا کیا یہ حق اور سچ بات نہ تھی کہ وہ اباضیوں سے متعلق اقوال آراء کو انہی کے مصادر، مراجع پر اعتماد کرنے اور ان تک رسائی حاصل کرنے کے حوالے سے زیادہ آسان تھا پھر بھی اس نے ایسا کیوں نہیں کیا آسانی کو چھوڑ کر مشکل کی طرف کیوں گیا؟ جب اس نے مالکیوں کے بارے میں بات کی تو ان کے کتب اور مصادر پر اعتماد کیا مگر جب اباضیوں سے متعلق بات کی تو اُن کی کتابوں پر اعتماد نہیں کیا بلکہ اُن کے بارے میں معلومات حاصل کرنے کے لیے دوسروں کی طرف رجوع کیا جو دس صدیاں پہلے گزر چکے تھے اور جو دس صدیاں پہلے ان میں کہا جا چکا تھا۔

ڈاکٹر ہویدی اپنی کتاب کے صفحہ ۴۴ پر مزید کہتا ہے:

(وہابی خود پر مسلمان کے لفظ کا اطلاق کرتے ہیں کیونکہ وہ یہ گمان کرتے ہیں کہ صرف وہی ہیں جو اس نام کے مستحق ہیں۔ کیونکہ وہ قرآن، سنت پر قائم ہیں۔ ہاں رہی بات مالکیوں اور احناف کی جو افریقی ممالک میں پھیل چکے ہیں۔ ان پر موحد کے لفظ کا اطلاق کرتے ہیں کیونکہ وہ ان کی نظر میں مشرک تو نہیں لیکن مسلمان بھی نہیں ہیں۔ اسی طرح وہ یہ گمان کرتے ہیں کہ ان موحدین کی دین حق کی طرف دعوت خوارج کے مبادی میں سے ہے جو کہ ہر وہابی کے لیے فرض کفایہ ہے۔ بس ہر وہابی کے لیے لازمی ہے کہ سب سے پہلے تو ان سے حسنِ سلوک سے پیش آئے اگر وہ انکار کریں تو پھر ان سے قتال کرنا اس پر واجب ہے لیکن موحدین سے مشرکین کی طرح جزیہ نہیں لیا جائے گا۔ انہی موحدین کو اباضیوں کی نظر میں عیسائی، یہودی اور زردشتی کے طور پر پیش کرتا ہے۔ یعنی وہ یہ کہتا ہے کہ اباضیوں کی نظر میں یہ موحدین ایسے ہیں۔ لہٰذا ان پر جزیہ واقع ہوتا ہے۔

اس کلام کے دو بریکٹوں میں لکھتا ہے۔ (الشماخي: كتاب السير)

اس میں کوئی شک نہیں جب محترم قاری شماخی اور اسکی کتاب کا نام دیکھے گا تو وہ فوراً یہی سمجھے گا کہ اس نے یہ کلام شماخی کی کتاب سے نقل کیا ہے۔ بے شک ہو بہو نص نہ بھی ہو اس کا معنی مفہوم ہی کیوں نہ ہو مگر لیا تو اس کی کتاب سے ہی ہے۔

حقیقت میں استاد شماخی کی کتاب تاریخی اور سوانح عمری کے حوالے سے ہے۔ اس میں اس ساری بات کا اشارۃ بھی کہیں ذکر نہیں ملتا کوئی قریب بعید میں بھی اس موضوع سے متعلق کوئی بات نہیں ملتی۔

مجھے سمجھ نہیں آتی ڈاکٹر صاحب سے کیسے احتیاط نہیں برتی گئی اور خود کو ایسی مشکل میں ڈال دیا کہ وہ ایسی بات کی طرف منسوب کرے جو اس نے کہی ہی نہیں یا پھر ایسی کتاب کی طرف منسوب کرے جیسے وہ بات موجود ہی نہیں ہے۔

کیا وہ یہ گمان کرتا تھا کہ یہ کتاب نوادرات میں سے ہے۔ لوگ اس سے نہ آگاہ ہیں اور نہ ہی پڑھتے ہیں۔ لہٰذا جب ایسا معاملہ ہے تو اس کی طرف کچھ بھی منسوب کر دیا جائے اس سے کچھ فرق نہیں پڑتا کیونکہ لوگوں کو تو اس کتاب تک رسائی حاصل نہیں ہوگی تو وہ کیسے جان سکیں گے کہ یہ غلط منسوب کیا گیا ہے؟

لہٰذا ڈاکٹر صاحب کی ایک لغزش یہ کافی ہے جس سے پتہ چلتا ہے کہ وہ کس کے راستے پر چلا ہے اور کس کی پیروی کی ہے لیکن ہم پھر بھی مزید اس کی کتاب سے چند نمونے پیش کریں گے تاکہ محترم قاری پر اچھی طرح اس کا منہج واضح ہو جائے۔

وہ اپنی کتاب کے صفحہ نمبر ۴۹ پر بیان کرتا ہے!

(اباضی فرقوں میں سے نفوسی اور تمزینی بھی ہیں جو ابو یونس اور وسیم النفوسی التمزینی کے ساتھی ہیں۔ ابو یونس وہ شخص تھا جس نے ابو بکر بن افلح کے خلاف آب پاشی کے پانی میں ناانصافی کی بنا پر بغاوت کی تھی۔

(الشماخی کتاب السیر ص ۱۹۵)

اگر محترم قاری شماخی کی کتاب کی طرف رجوع کرے تو وہ صفحہ نمبر ۱۹۵ پر ڈاکٹر ہویدی کی بیان کردہ روایت کے بالکل برعکس پائے گا اور جو کچھ اس نے ابو یونس سے متعلق کہا ہے یا جو شماخی کی طرف منسوب کیا ہے وہاں بالکل برعکس ذکر ملتا ہے۔

اس نے تو جب یہ روایت بیان کی ہے ساتھ میں مولف اور کتاب یہاں تک کے صفحہ نمبر بھی ذکر کر دیا ہے ذرا سی بھی احتیاط نہیں کی کاش اس نے یہ سب کچھ بیان نہ کیا ہوتا صرف مولف کا نام ہی ذکر کر دیتا تو اس کا دفاع ہو سکتا تھا۔ تب ہو سکتا تھا کہ کوئی انسان اس کی اس بات کو کسی حد تک مان ہی لیتا لیکن افسوس اس نے خود ہی جعل سازی کو ثابت کر دیا۔

دراصل ڈاکٹر ہویدی لوگوں اور قارئین کو یہ باور کروانا چاہتا ہے کہ وہ کتنا علمی و تحقیقی اسلوب پر چل رہا ہے۔ مولف کا نام کتاب اور اس کے صفحہ نمبر بھی بیان کرتا ہے کتنا علمی تحقیقی اسلوب اپنایا ہے؟ اس بنا پر وہ اس مشکل میں پھنس گیا ہے۔

اب اے محترم قاری اگر تو استاد شماخی کی کتاب کے صفحہ نمبر ۱۹۵ کا مطالعہ کرے تو یہ بات پائے گا جو ذیل میں پیش ہے:

(ان میں سے ابو یونس وسیم النفوسی التمزینی بھی ہیں جن کو امام نے قنطرارۃ اور اس کے نواحی علاقوں پر والی بنایا ہوا تھا وہاں لوگوں کے درمیان آب پاشی کے لیے پانی کی نہروں میں ناانصافی ہو رہی تھی۔ بارش کے موسم میں معتبر لوگ پانی پر قبضہ کر لیتے تھے کمزور لوگوں کو آب پاشی نہیں کرنے دیتے تھے۔ ابو یونس نے وہاں کے لوگوں کے درمیان اس معاملے میں انصاف کیا اور وہاں کے رعایا سے حسن سلوک کیا وہ بہت ہی حسن سیرت کا مالک تھا۔ قنطرارۃ کے باسیوں کے مابین پانی کی ناانصافی کے مسئلہ کو حل کرنے کی خاطر خلیفہ نے ابو الحسن کو جبل نفوسہ سے قنطرارۃ والی بنا کر بھیجا تاکہ وہ اس آب پاشی کے معاملے کو انصاف کے ساتھ حل کر سکے اور یہ جھگڑا ختم ہو جائے۔ آپ وہاں اس مرتبے پر فائز تھے۔ آپ اعلان کیا

کرتے تھے صدقہ سے کوئی مفر نہیں کیونکہ صدقے سے مفر تکلیف دہ ہے اسی بات کو دھراتا رہا اپنی ولایت پر عدل، انصاف کے ساتھ قائم رہا یہاں تک کہ بہت ہی خوبصورے موت کے ساتھ اپنے رب سے جا ملا۔

بلاشک، شبہ محترم قاری شماخی کی کتاب صفحہ ۱۹۵ پر بیان کردہ روایت اور ڈاکٹر ہویدی کی بیان کردہ روایت میں کُلی تضاد دیکھ سکتا ہے چونکہ اُسے اس بات سے مکمل اگاہی ہو گئی ہے کہ ڈاکٹر ہویدی روایات کو منسوب کرنے میں کس حد تک ثقہ ہے۔

میں محترم قاری کے لیے مزید نمونے اسکی کتاب میں نقل کرتا ہوں۔

شماخی اپنی کتاب کے صفحہ ۲۱۴ پر کہتا ہے!

(ابوزکریا نے بیان کیا ہے کہ ابویونس وسیم بن سعد نے اپنے بیٹے سعید کو علم حاصل کرنے تہرت بھیجا اس کے ساتھ نفاث بن نصر بھی تھا بس جب دونوں تحصیل علم کر چکے تو خدا کی ذات کی مرضی کے مطابق وہ دونوں قنطرارۃ کے والی ابویونس کی وفات کے وقت واپس اپنے وطن لوٹے۔ لہٰذا امام افلح نے ابویونس کے بعد اپنے باپ کے منصب پر بیٹے سعد کو بٹھا دیا۔ یہ وہ اصل نص ہے جو شماخی کی کتاب میں بیان کی گئی ہے۔ جس میں اس نے ابویونس کو ورع، تقوی جیسی عمدہ صفات سے نوازا ہے۔ یہی وجہ تھی کہ اُسے قنطرارۃ کا والی بنایا تھا۔ آپ اس عبارت اور ڈاکٹر ہویدی کی عبارت میں واضح تضاد دیکھ سکتے ہیں۔

شماخی نے اپنی کتاب میں اس بات کا بھی اقرار کیا ہے کہ ابویونس قنطرارۃ پر اپنی وفات تک والی رہا پھر اس کے بعد افلح نے اس کے بیٹے سعد کو وہاں کا والی بنایا تھا۔ جیسے ابویونس نے امام کے پاس تہرت میں علم حاصل کرنے بھیجا تھا۔

یہ وہ صورت ہے جیسے شماخی نے ابویونس کے حوالے سے بیان کی ہے جو کہ ڈاکٹر ہویدی کی بیان کردہ روایت کے بالکل برعکس ہے۔

ہویدی نے تو یہ گمان کیا ہے کہ ابویونس نے اپنے ماتحت لوگوں کو خلیفۂ وقت افلح کے خلاف بڑھکایا تھا اور اس کے خلاف بغاوت پر اکسایا تھا۔ جس پر لوگ اس کے ساتھ وابستہ ہوتے چلے گئے۔ یہاں تک کہ ایک الگ سے مستقل فرقہ بن گیا جیسے نفوسی اور تمزینی کا نام دیا جاتا ہے۔ یہ ایک ایسا کلام ہے جس کا نہ تو حقیقت سے کوئی تعلق ہے اور نہ ہی (کتاب السیر) اور دیگر اباضیوں کی تاریخی کتابوں میں کوئی ذکر ملتا ہے۔

ہو سکتا ہے ہویدی نے یہ کلام مستشرقین کی کتابوں سے نقل کیا ہو کیونکہ وہ شماخی کے اس کالام کو اچھی طرح نہیں سمجھے اور ہویدی کی بیان کردہ تصویر کو ہی وضاحت کرتے ہوئے پیش کر دیا ڈاکٹر نے بھی بغیر اصل مراجع کی طرف رجوع کے نقل کر دیا ہے۔ اس کے علاوہ اس تضاد کی وضاحت کسی اور اعتبار سے نہیں کی جا سکتی۔

شماخی کی عبارت بڑی واضح ہے کی تفصیل اور تفسیر کی محتاج نہیں ہے۔

اسی طرح ڈاکٹر ہویدی نے ایسے کلام لوگوں کی طرف منسوب کیے ہیں جو انہوں نے کہے ہی نہیں یا پھر اس نے ان کے کلام کی تحریف کی ہے اسی سلسلے کی ایک کڑی ابوالحسن کے حوالے سے اس نے جو بات کہی ہے کہ اس نے کچھ نقاط میں اباضیوں کا خلاصہ بیان کیا ہے تو اس میں بھی وہ مصنف کے اصلی مقصود کو سمجھ ہی نہیں سکا اس کی مراد یہ نہیں تھی جو ہویدی نے سمجھی ہے۔

ڈاکٹر ہویدی کی کتاب کے صفحہ ۵۴ پر آیا ہے۔

(ابوالحسن اشعری نے اپنی کتاب (مقالات الاسلامیین واختلاف المصلین) جس کی دوسری اشاعت ۱۹۶۳ میں ہوئی کچھ نقاط میں مذہب اباضی کا خلاصہ پیش کیا ہم ان کو اپنی بساط کے مطابق ذیل میں اس بنا پر جمع کر سکتے ہیں۔

حضرت عثمان ؓ کے بارے میں ویسی ہی تاویل کرتے ہیں جیسی اہل تشیع حضرت ابو بکر ؓ اور عمر فاروق ؓ کے حوالے سے کرتے ہیں اور یہ گمان کیا ہے کہ قرآن مجید میں مذکورہ لفظ حیران سے مراد حضرت علی ؓ ہیں۔

﴿قُلْ أَنَدْعُواْ مِن دُونِ ٱللَّهِ مَا لَا يَنفَعُنَا وَلَا يَضُرُّنَا وَنُرَدُّ عَلَىٰٓ أَعْقَابِنَا بَعْدَ إِذْ هَدَىٰنَا ٱللَّهُ كَٱلَّذِى ٱسْتَهْوَتْهُ ٱلشَّيَٰطِينُ فِى ٱلْأَرْضِ حَيْرَانَ لَهُۥٓ أَصْحَٰبٌ يَدْعُونَهُۥٓ إِلَى ٱلْهُدَى ٱئْتِنَا ۗ قُلْ إِنَّ هُدَى ٱللَّهِ هُوَ ٱلْهُدَىٰ ۖ وَأُمِرْنَا لِنُسْلِمَ لِرَبِّ ٱلْعَٰلَمِينَ﴾

"فرما دیجئے: کیا ہم اللہ کے سوا ایسی چیز کی عبادت کریں جو ہمیں نہ (تو) نفع پہنچا سکے اور نہ (ہی) ہمیں نقصان دے سکے اور اس کے بعد کہ اللہ نے ہمیں ہدایت دے دی ہم اس شخص کی طرح اپنے الٹے پاؤں پھر جائیں جسے زمین میں شیطانوں نے راہ بھلا کر درماندہ و حیرت زدہ کر دیا ہو جس کے ساتھی اسے سیدھی راہ کی طرف بلا رہے ہوں کہ ہمارے پاس آجا (مگر اسے کچھ سوجھتا نہ ہو)؟ فرما دیں کہ اللہ کی ہدایت ہی (حقیقی) ہدایت ہے، اور (اسی لیے) ہمیں (یہ) حکم دیا گیا ہے کہ ہم تمام جہانوں کے رب کی فرمانبرداری کریں"(۱)

اور آپ کے ہدایت یافتہ ساتھی اہل نہروان ہیں یہ بھی گمان کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ آیت حضرت علی ؓ کے بارے میں نازل کی ہے

---

(۱) الانعام، ۷۱/۶۔

﴿وَمِنَ ٱلنَّاسِ مَن يُعۡجِبُكَ قَوۡلُهُۥ فِي ٱلۡحَيَوٰةِ ٱلدُّنۡيَا وَيُشۡهِدُ ٱللَّهَ عَلَىٰ مَا فِي قَلۡبِهِۦ وَهُوَ أَلَدُّ ٱلۡخِصَامِ﴾

"اور لوگوں میں کوئی شخص ایسا بھی (ہوتا) ہے کہ جس کی گفتگو دنیاوی زندگی میں تجھے اچھی لگتی ہے اور وہ اللہ کو اپنے دل کی بات پر گواہ بھی بناتا ہے، حالاں کہ وہ سب سے زیادہ جھگڑالو ہے"(۱)

اور عبد الرحمٰن بن ملجم کے حوالے سے یہ آیت اتاری تھی:

﴿وَمِنَ ٱلنَّاسِ مَن يَشۡرِي نَفۡسَهُ ٱبۡتِغَآءَ مَرۡضَاتِ ٱللَّهِۚ وَٱللَّهُ رَءُوفُۢ بِٱلۡعِبَادِ﴾

"اور (اس کے برعکس) لوگوں میں کوئی شخص ایسا بھی ہوتا ہے جو اللہ کی رضا حاصل کرنے کے لیے اپنی جان بھی بیچ ڈالتا ہے، اور اللہ بندوں پر بڑی مہربانی فرمانے والا ہے"(۲)

اگر محترم قاری ابو الحسن کی کتاب کا بغور مطالعہ کرے تو پتہ چلے گا کہ ابو الحسن نے یہ بات اباضیوں سے متعلق ہی نہیں لکھی بلکہ اس نے ایک دوسرے حفصی فرقے کی طرف ایسی بہت سی اور شدید طعن، تشنیع اور خرافات منسوب کی ہیں نامور علماء اباضیہ اس طرح کی اقوال آراء اور انتہا پسندی سے بری الذمہ ہیں۔ ان کا اور نہ ہی ان کے ساتھیوں کا ایسی آراء سے کوئی تعلق ہے۔

یعنی حفص اور اس کے پیروکاروں کی بدعات سے اباضیوں کا کوئی تعلق نہیں ہے۔ لیکن ڈاکٹر ہویدی کے لیے یہ کوئی بڑی بات نہیں ہے کہ وہ ابو الحسن کی طرف وہ کچھ منسوب کرے جو اس نے کہا ہی نہیں کیونکہ اس نے ویسا ہی معاملہ شماخی کی طرف منسوب کر کے کیا تھا۔

جب ابو الحسن نے حفصیوں کے اقوال کو بیان کیا ساتھ اس نے اس بات کی وضاحت کر دی تھی کہ اباضی ان اقوال سے بالکل بری ہیں۔ ڈاکٹر ہویدی نے کوئی ایک فقرہ ابو الحسن کا حفصیوں سے متعلق لے لیا پھر اُس کو اباضیوں کی طرف غیر مصدقہ منسوب کردہ اقوال آراء کے زمرے میں شامل کر دیا پھر وہ تمام ابو الحسن کی طرف منسوب کر دیا کہ اس نے اباضیوں سے متعلق یہ کہا ہے۔

ابو الحسن کے قول کی وضاحت کرتے ہوئے (اباضیوں کی اکثریت ان سے بری ہے) یہ کہتا ہے کہ وہ نقاط جو اباضیوں سے متعلق ہیں۔ ابو الحسن نے کہا ہے کہ اباجی ان سے بری ہیں۔ جب ڈاکٹر ہویدی نے اس کے اس کلمہ (یبرؤون) یعنی بری ہوتے ہیں کا ترجمہ کیا تو اس نے اس کو (یلتقون) یعنی ملتے ہیں کہ کیا اتنی بڑی جہالت اور اتنی غفلت اس سے اندازہ لگایا جا

---

(۱) البقرہ،۲/۲۰۴۔

(۲) البقرۃ،۲/۲۰۷۔

سکتا ہے کہ ڈاکٹر ہویدی نے کس قدر جعل سازی اور جہالت، غفلت کا مظاہرہ کیا ہوگا جب اس نے ایسی متداول کتابوں کے ساتھ ساتھ ایسا سلوک کیا ہے تو غیر متداول کتابوں سے کیسا سلوک کیا ہوگا۔

اور وہ اس طرح کے شرمناک عمل کے حوالے سے ذرا بھی آر محسوس نہیں کرتا نہ ہی کوئی حرج سمجھتا ہے۔

اگر کوئی شخص ڈاکٹر ہویدی کی اس تحریر کا جائزہ لے جو اس نے اباضیوں سے متعلق لکھا ہے۔ کوئی بھی بات کوئی بھی چیز مصدقہ اور حقیقت سے تعلق نہیں رکھتی چاہے وہ شریعہ اسلامیہ سے متعلق آراء ہون یا تاریخ اور ممالک کے حوالے سے جغرافیائی اعتبار سے ہوں کوئی رائے اور بات درست نہیں ہے۔

ہم محترم قاری کے لیے اب اس کی تحریر کے کچھ ایسے نمونے پیش کر رہے ہیں جن میں اس نے تاریخی جغرافیائی اخطاء کی ہیں۔ اپنی کتاب کے صفحہ ۵۸ پر بیان کرتا ہے۔

وارجلانی جبل نفوسہ کے رستمی اباضیوں کے فقہاؑ اور فلاسفہ میں سے ایک ہے اسی طرح ابو یعقوب جیسا کہ مشہور ہے کہ وہ رستمی نہیں تھا بلکہ سدراتی تھا وہ جبل نفوسہ میں سے نہیں بلکہ سدراتیہ میں سے تھا۔ مگر وہ ورجلان میں سکونت پزیر رہا جس بنا پر اس مناسبت سے مشہور ہوا اور اسے ابو یعقوب وارجلانی کہا جانے لگا۔

حالانکہ رستمی تاہرت میں رہتے تھے اور ابو یعقوب سے تین صدیاں پہلے ہی ان کا وجود ختم ہو گیا تھا جب ابو یعقوب وارجلان میں رہتا تھا۔ وارجلان الجزائر کے جنوب مشرق میں واقع ہے جبکہ تاہرت شمال مغرب میں واقع ہے۔ رہی بات جبل نفوسہ کی تو وہ لیبیا میں واقع ہے تینوں مقامات ایک دوسرے سے بہت زیادہ دور ہیں۔ جس کی بنا پر ہم یہ کہ سکتے ہیں کہ ابو یعقوب اور رستمیوں کے درمیان کسی قسم کا کوئی تعلق یا واسطہ نہیں ہے۔

لیکن محترم ڈاکٹر ہویدی اپنے خیالات اور سوچ میں ان علاقوں کے درمیان کوئی فرق محسوس نہیں کرتا اور یہ فرق محسوس کرنا یا نہ کرنا ان کے نزدیک زیادہ اہم بھی نہیں اس کو اس سے کوئی سروکار نہیں ہے۔

اسی طرح وہ اپنی کتاب کے صفحہ ۴۹ پر بیان کرتا ہے:

(ابو یونس وسیم النفوسی التمزینی جس نے اپنے ساتھیوں سے ملکر ابو بکر بن افلح کے خلاف بغاوت کی)

حالانکہ ابو یونس نے اپنے امام کے خلاف کبھی بغاوت نہیں کی بلکہ اپنی وفات تک اس کا گورنر بن کر رہا اس کی ہم نے اچھی طرح وضاحت کر دی ہے۔ اُسے ابو بکر کی ولایت مل ہی نہیں سکی کیونکہ وہ افلح کی ولایت میں وفات پا گیا تھا۔ اس کی وفات کے بعد اس کا بیٹا سعد امام افلح کی جانب سے قنطرارة پر والی بنایا گیا۔ اس فقرے میں ہویدی نے جو کچھ بیان کیا ہے بہت ہی غلط بیان کیا ہے اس کا یہ کلام کڑی تنقید کا مستحق ہے۔ اس لیے کہ اس نے صرف غلط بات بیان ہی نہیں کی بلکہ اُسے شماخی کی طرف بھی غلط منسوب کر دیا۔ کتاب کا صفحہ اور کتاب کا نام تک بیان کر دیا۔ جبکہ وہ کتاب اور صفحے پر لکھا ہوا مکمل طور پر ہویدی کی بیان کردہ روایت کے برعکس اور متضاد ہے۔

یہ وہ شواہد ہیں جن کو ہویدی نے اباضیوں سے متعلق بیان کیا ہے جو صرف طعن و تشنع پر مبنی ہیں حقیقت سے ان کا کوئی تعلق نہیں ہے۔ اس طرح اس نے مستشرقین کے کلام کو نقل کیا جو بنی میزاب سے متعلق ہے جو سراسر ایسی جعل سازی ہے جس پر نفوس بھی دہل جاتے ہیں۔ اس نے مستشرقین کی عبارتوں کا لفظی ترجمہ کیا ہے چونکہ یہ مستشرقین بنی میزاب کے بارے میں بہت زیادہ تعصب رکھتے ہیں اس لیے انہوں نے بنی میزاب کے حوالے سے بہت جعل سازی اور طعن تشنیع کی ہے۔ جن کی عبارتوں سے کمزوری لچرپن تعبیر میں خطا اور اسماء کے نطق میں غلطیاں ظاہر ہوتی ہیں۔

اس کے باوجود کہ ہویدی نے بعض اباضیوں سے متعلق بیان کردہ عبارتوں کی اباضی فلسفی عبارتوں سے وضاحت بھی کی ہے۔ مگر پھر تمام تحقیق اور ریسرچ کو مستشرقین کی ان عبارتوں سے ثابت کیا ہے جن میں بہت زیادہ اخطاء اور غیر مصدقہ باتیں تھیں۔ اسی طرح اس نے علمی اور تاریخی تحریک کے حوالے سے جہالت، غفلت سے کام لیتے ہوئے کم عقلی اور اندازوں پر مبنی گفتگو کی ہے جو کہ بالکل ناپختہ باتیں ہیں۔

ایک بار پھر ڈاکٹر ہویدی کے سنگ

کسی چیز کی شرح اور وضاحت کرنا مشکل ترین عمل ہے جو شارح سے تقاضا کرتی ہے کہ وہ اس اہم اور مشکل ترین عمل کو کر گزرنے کی صلاحیت رکھتا ہو اس مشکل کام کے حوالے سے بہت سے وسائل کو اپنانا ضروری ہوتا ہے جن میں سے اہم وسیلہ غیر معمولی فطری صلاحیتوں کا ملکہ ہونا ضروری ہے اور یہ کہ شارح کسی چیز کو صحیح سمجھنے کی صلاحیت رکھتا ہو موضوع کو بخوبی سمجھتا ہو۔ شرح کرتے ہوئے غلطیوں سے محفوظ رہنے والا ہو اور معانی کو نقل کرنے میں خیانت سے کام نہ لیتا ہو اسی طرح تعبیرات کو اور لغوی اشتقاقات کو سمجھنے میں ماہر ہو۔

اس کی شرح صرف عبارت میں موجود غموض کا ازالہ کرنا اور مخلوط صورت کو واضح کرنا مقصود نہ ہو۔

مگر ڈاکٹر ہویدی اباضیوں سے متعلق لکھنے میں مُصر ہے۔ ان کی عبارتوں کی وضاحت اور شرح کا حریص بھی ہے حالانکہ وہ شروحات اور وضاحت کے حوالے سے اخطاء کا سزاوار ہوا ہے۔ ہر حوالے سے اس نے ہر طرح کی غلطیاں کی ہیں۔ ہم ان شاء اللہ اس فصل میں دو مثالوں کے ذریعے اختصار سے جائزہ لیں گے اور اپنی اس بات کو ثابت کریں گے۔

پہلی مثال لغوی حوالے سے اس کی غلط فہمی کو ثابت کرتی ہے۔ دوسری مثال فقرے اور اصطلاح کو درست نہ سمجھنے پر دلالت کرتی ہے۔

پہلی مثال:

وہ اپنی کتاب میں (تاریخ الفلسفه الاسلامیة) میں شماخی سے متعلق صفحہ ۳۷ پر بیان کرتا ہے۔ (اس دن کے لیے تیاری کرو جس دن وہ سب جمع ہوں گے) اس میں ڈاکٹر ہویدی نے لفظ (اتعدوا) کی اپنے قول میں یہ شرح کی ہے یعنی (سامان تیار کرو) (اعدوا العُدّة) اس کو دو بریکٹوں کے درمیان رکھا جبکہ میرے گمان کے مطابق شماخی کی عبارت بالکل واضح

ہے۔ اس میں کوئی شبہ نہیں اور نہ ہی کسی وضاحت کی محتاج ہے۔ ڈاکٹر ہویدی نے خواہ مخواہ اپنی بات کو اس بے مقصد وضاحت کے ذریعے طول دیا ہے۔

حالانکہ تمام لوگ اس لفظ کے معنی کے حوالے سے اس بات پر متفق ہیں کہ (اتعدو) کا مطلب ہے۔ انہوں نے وعدہ کیا ہے کہ وہ تمام اس دن جمع ہوں گے۔ یعنی بعض نے بعض سے ملاقات کا وعدہ کیا یعنی انہوں نے کوئی ملنے کا وقت مقرر کیا جبکہ ڈاکٹر ہویدی نے اس کا معنی (اتعدو) کیا ہے تیار کرنا۔ یعنی اپنی تیاری کریں جبکہ لغت میں (اعدو، اتعدو، اور استعدوا) میں بڑا واضح فرق موجود ہے۔

اتعدو (وَعَدَ) سے مشتق ہے اور اس کا مادہ عَدَّ سے مختلف ہے اسی طرح اعدّ اور استعدّ وغیرہ۔ لیکن محترم ڈاکٹر ہویدی ان کلمات کے معانی کی لغوی وضاحت کے حوالے سے خود کو تھکانا نہیں چاہتا اور نہ ہی لغوی معاجم کے طرف رجوع کرنا چاہتا ہے۔ بلا سوچے سمجھے جو دل میں آ رہی ہے وضاحت کرتا چلا جاتا ہے۔ یہاں تک کہ عبارت کے سیاق وسباق میں بھی ذرا سا تامل نہیں کرتا میرا خیال ہے کہ جو شخص فلسفی بحثوں کا شغف رکھتا ہے اس سے لغوی تحلیل اور کلمات کے معانی کی وضاحت میں گہرائی اور سنجیدگی مناسبت نہیں رکھتی جس گہرائی اور تحقیق کا حقائق کے حوالے سے فلسفہ تقاضا کرتا ہے۔

یعنی اس کی فلسفی طبیعت لغوی تحلیل اور کلمات کی شرح سے سنجیدگی کے حوالے سے موافقت نہیں رکھتی اس لیے اس نے کلمات کی لغوی شرح میں خطاؤں کا ارتکاب کیا ہے۔

دوسری مثال:

ڈاکٹر ہویدی اپنی کتاب کے صفحہ ۴۴ پر کہتے ہیں:

(اباضیوں کو خوارج کہا جاتا ہے (وہابی) یا (وہبی) وہابی خود پر مسلمان لفظ کا اطلاق کرتے تھے کیونکہ وہ سمجھتے تھے کہ صرف وہی اس لقب کے مستحق ہیں اور یہ کہ سنت پر وہی قائم ہیں۔ رہی بات مالکیوں اور حنفیوں کی جو افریقہ میں پھیل گئے تھے اُنکو وہابیوں نے موحد کا لقب دیا تھا۔ کیونکہ وہ ان کی نظر میں نہ تو مشرک ہیں اور نہ ہی مسلمان اور یہ کہ ان کی دین اسلام کی طرف دعوت خوارج کے بنیادی اصولوں میں سے ہے یعنی دعوتِ دین ان کے اور خوارج کے درمیان قدر مشترک ہے۔ یہ دعوت ہر وہابی پر فرض کفایہ ہے۔ لہٰذا ان کے نزدیک یہ بھی ہے کہ سب سے پہلے تو ان سے حسنِ معاملہ کرتے ہوئے دعوت دیں اگر انکار کر دیں تو ان سے قتال کرنا واجب ہو جاتا ہے۔ لیکن ان سے کسی بھی حال میں مشرکین کی طرح جزیہ نہیں لیا جائے گا۔ اسی طرح ڈاکٹر ہویدی بیان کرتا ہے کہ اباضیوں کی نظر میں یہ موحدین عیسائیوں یہودیوں اور زرتشتیوں کی طرح ہیں کیونکہ ان کے نزدیک ان پر جزیہ لاگو ہوتا ہے)۔

ڈاکٹر ہویدی نے شروع سے لے کر آخر تک یہ کوشش کی ہے کہ لفظ خوارج کا اباضیوں پر اطلاق کرے گویا اباضی لفظ یا خوارج لفظ ایک دوسرے کی تفسیر بیان کرتے ہیں۔ اس لفظ کو اس نے تقریباً تیس سے زیادہ صفحات پر بیان کیا ہے جس

سے قاری کے اندر نفرت اور ناگواری پیدا ہوتی ہے اس رائے کے حوالے سے جو کاتب کے حواس پر پوری طرح چھا چکی ہے اور گوارہ نہیں سمجھتا گویا وہ یہ خوف رکھتا ہے کہ اگر اباضیوں کو خوارج کے ساتھ نہ جوڑے تو بات ہی مکمل نہیں ہو گی۔ لیکن اس کے برعکس جب بھی اس نے مذہب مالکی کا ذکر کیا تو کوشش کی ہے کہ اس کو لفظِ سنی سے ملحق کرے۔

اس طرح کی من گھڑت رائے پر جمنا اور قائم رہنا بہت ہی عجیب و غریب ہے۔

وہ ایسا محسوس کر رہا ہے جیسے مالکی بہت سے مذاہب ہوں جن میں سے ایک کو مالکی سُنی ثابت کرنا چاہتا ہے یا پھر اس یہ خوف ہو کہ مذہب مالکی سے متعلق مکمل طور پر وضاحت نہیں ہو گی جب تک اس کے ساتھ لفظِ سُنی ملحق نہ کرے اس مالکی سادہ لفظ سے مکمل اس مذہب کی ترجمانی نہیں ہو سکتی۔ اگر بات ایسی ہے تو اس کی تصدیق کرتا ہے اور نہ ہی اس پر اعتماد کر رہا ہے اس کی بات سے تو اس کا اندر کا وہم ظاہر ہو رہا ہے وہ اس شخص کی طرح بیان کر رہا ہے جو اپنی بات میں خود ہی پر اعتماد نہیں یا اُسے یہ خدشہ ہوتا ہے کہ لوگ اس کی بات پر یقین نہیں کریں گے۔ لہٰذا وہ اپنی ہر بات کے ساتھ قسم اٹھاتا ہے حالانکہ اس سے قسم طلب نہیں کی جاتی۔

ڈاکٹر ہویدی کہتا ہے (وہابی خود پر مسلمان کے لفظ کا اطلاق کرے تھے) پھر خود ہی اس کی وضاحت تاکید کے ساتھ کرتا ہے۔ وہ گمان کرتا ہے کہ وہابی اس لقب کے حوالے سے خود کو ہی مستحق سمجھتے ہیں۔ کیونکہ وہ سمجھتے ہیں کہ وہی کتاب سنت پر قائم ہیں۔

میں ڈاکٹر ہویدی سے بڑی مختصر اور واضح عبارت کے ذریعے یہ کہنا چاہوں گا کہ اباضیہ مسلمان کے لفظ کا تمام اہل قبلہ پر اطلاق کرتے ہیں جب کہ وہ خود بھی اس میں داخلی ہیں۔ اباضیہ ایک قرینہ کے تحت اس کا اطلاق کرتے ہیں اور وہ ہے لفظ مواحد کا مترادف۔ لہٰذا ڈاکٹر ہویدی کا کلام درست نہیں ہے۔ اسی طرح ان شرعی اصطلاحات (مومن، موحد، مسلم، مشرک، کافر، منافق، فاسق، عاصی) وغیرہ سے متعلق علماء کی بہت طویل مباحث موجود ہیں جن سے کتب بھری پڑی ہیں اور وہ تعلقات جو عموم، خصوص کے اعتبار سے ان اصطلاحات کے درمیان ہیں اُن سے موضوع سے متعلق ہر اسلامی مذہب کی مخصوص آراء اور نقطہ نظر ہے اسی طرح اباضیوں کا بھی اس حوالے سے اپنا ایک مخصوص موقف ہے۔ رہی بات کہ وہ خود کو ہی مسلمان سمجھتے ہیں تو یہ ہر اسلامی مذہب کا حق ہے کہ وہ خود کو مسلمان سمجھ سکتا ہے۔ اگر وہ یہ گمان کرتا ہے کہ وہ قرآن وسنت پر قائم ہے تو اس کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ خود پر مسلمان کے لفظ کا اطلاق کر سکتا ہے۔ یہ وجہ ہے کہ ہم ہر اسلامی مذہب کو دیکھتے ہیں کہ وہ خود کو اہلِ سنت، اہل حق اور اہل استقامت سمجھتے ہیں۔ شاید ڈاکٹر ہویدی کو اس بات میں کچھ تردد تھا کہ تمام اسلامی مذاہب خود کو بعض مخصوص قرائن کی بنا پر مسلمان سمجھتے ہیں کہ مسلمان لفظ کا خود ہی پر اطلاق کرتے ہیں۔

اگر اس نے ذرا سا غور بھی مذہب مالکی سنی کی کتابوں میں کیا ہوتا تو اسے سینکڑوں مرتبہ یہ بیان ملتا کے انہوں نے امام مالک کے پیروکاروں پر لفظِ سُنی کا اطلاق کیا ہے اور اس میں کوئی حرج بھی نہیں یہی معاملہ دوسرے مذاہب کے ساتھ بھی ہے پتہ نہیں ڈاکٹر ہویدی کو ایسی کیا ضرورت پڑی جو مذہب مالکی کے ذکر کے ساتھ لفظِ سنی بار بار استعمال کرتا رہا۔

اسی طرح ڈاکٹر ہویدی کو اس بات کا بخوبی علم ہونا چاہیے کہ اباضی جب اباضیوں سے متعلق بات کرتے ہیں تو ان کے ہاں بھی کچھ خاص القاب اور الفاظ متداول ہیں جیسے کہ اباضیہ، وھبیہ اہل دعوت اور اہل استقامت وغیرہ اسی طرح جو الفاظ ان کی کتابوں میں بار بار استعمال ہوئے ہیں وہ ہیں (قال اصحابنا) ہمارے ساتھیوں نے کہا (ھذاقولا صحابنا) یہ ہمارے ساتھیوں کا قول ہے۔ یہ اصحاب اور اہل استقامت جیسے الفاظ دوسرے مذاہب میں بھی متداول ہیں۔

اباضی، وہابی، اہل الدعوہ یہ تما الفاظ اباضیوں کے ہاں زیادہ متداول ہیں۔

اس تفسیر اور وضاحت کے بعد ڈاکٹر ہویدی کا قلم ایک ایسی عبارت کی طرف پھسلتا ہے جس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ وہ اباضیوں، مالکیوں اور احناف کے درمیان فتنہ کی آگ کو بھڑکانا چاہتا ہے۔

اس نے کہا ہے!

(مالکیوں اور حنفیوں کے حوالے سے یہ ہے کہ وہ افریقہ میں پھیل چکے ہیں وہابیوں نے ان پر موحد کے لفظ کا اطلاق کیا ہے یعنی ان کی نظر میں یہ نہ تو مشرک ہیں اور نہ ہی مسلمان)

مجھے یہ سمجھ نہیں آرہی کہ ڈاکٹر ہویدی اس عبارت کو بیان کرتے ہوئے اس چیز کو محسوس کر رہا تھا یا نہیں جو اس پر دلالت کرتی ہے اس دور حاضر میں وہ ایسی بات کر رہا ہے جو ایک فتنے کو بھڑکا دینے والی ہے۔ امتِ اسلامیہ کی وحدت کو پارہ پارہ کر دینے والی اور لوگوں کے درمیان بغض، عناد کا بیج بونے والی ہے۔

اس نے ان دو مذاہب (مالکی اور حنفی) کو ہی اپنی گفتگو کے لیے خاص کیوں کیا باقی مذاہب کو کیوں نہیں لیا۔ گویا وہ صرف ان کی طرف سے آگ کی بھٹی گرمانا چاہتا ہے ورنہ تو کیا وجہ ہے وہ کیوں ایک وہم شدہ عبارت کی ترف لوٹا جیسے دس صدیاں پہلے کہا گیا تھا۔ آج کے زمانے میں اُسے اِس کو بیان کرنے کی آخر کیا ضرورت تھی؟

لفظِ موحد کا اباضیوں کے نزدیک ہر اس شخص پر اطلاق ہو گا جو خدا تعالیٰ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہے یہ مالکیوں اور حنفیوں کے لیے ہی خاص نہیں بلکہ ان پر اور خود اباضیوں پر بھی یہاں تک کہ تمام دوسرے اسلامی مذاہب پر اس کلمہ کا اطلاق ہوتا ہے۔

اباضی مالکیوں اور دیگر اسلامی مذاہب پر مسلمان کے لفظ کا اطلاق کرتے ہیں وہ تمام کے ساتھ حسنِ معاملہ کرتے ہیں سوائے ان کے لیے دعاء استغفار اور خدا تعالیٰ کی جانب سے رحمت طلب کرنے کے اور کسی چیز میں بھی کوئی کمی نہیں کرتے تمام اسلامی مذاہب کے افراد کے ساتھ حسنِ معاملہ کرتے ہیں۔ بلکہ یہ تو شخصی اور ذاتی حقوق ہیں۔ اباضیوں کے نزدیک ہر

وہ مسلمان دوستی کا مستحق ہے جو بھی عملِ صالح پر قائم ہو اور ہر وہ شخص جو خدا تعالیٰ کی رضا کے لیے ہو یعنی محبت بھی خدا، رسول ﷺ کی خاطر ہو اور بغض عداوت بھی خدا، رسول ﷺ کی خاطر ہو۔

ہمارے اس پوری بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ اباضی تمام مسلمانوں پر بغیر کسی تفریق کے مسلمان کے لفظ کا اطلاق کرتے ہیں۔ کبھی کبھی وہ بعض مخصوص قرینوں کے سبب مسلمان کے لفظ کا بعض مخصوص لوگوں پر اطلاق کرتے ہیں۔ جس کا پتہ سیاق وسباق سے لگایا جاسکتا ہے اور یہ اسلوب تمام گروہوں اور مذاہب کے ہاں پایا جاتا ہے۔ جب مسلمانوں اور دشمنوں کے لشکروں کے درمیان فتح، شکست کی بات کرتا ہے تو جیسا کہ بہت سی عبارتوں میں ذکر آیا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ سپین میں مسلمانوں کو فتح حاصل ہوئی یا پھر شکست ہوئی۔ لہٰذا اس سے مراد وہ تمام مسلمان مراد ہوتے ہیں جو بھی دشمنوں کا مقابلہ کر رہے ہیں۔ اسی طرح اس میں بھی کوئی شک نہیں کہ وہ لوک جو قتال سے دور اپنے اپنے علاقوں میں موجود ہیں وہ بھی مسلمان ہیں۔ وہ بھی لفظِ مسلم میں شامل ہوں گے۔

اسی طرح جب یہ قتال مذاہب اور دینی فرقوں کا آپس میں ہو گا تب وہ شخص جس بھی فاتح یا شکست گروہ خوردہ سے منسلک ہے۔ تو اس مسلمان کا لفظ خاص گروہ پر دلالت کے لیے استعمال کرے گا۔ لیکن اس تعبیر اور دلالت کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ دوسرے گروہ مسلمان ہی نہیں یا ان پر کفر کا اطلاق کر دیا جائے۔

میرے خیال میں ڈاکٹر ہویدی نے جو نقطہ غیر حقیقی طور پر بیان کرنے کی کوشش کی ہے اس کی وضاحت کے لیے یہ بات کافی ہے۔

اس سارے کے بعد ڈاکٹر ہویدی خوب پھسلتا ہے اور کہتا ہے۔

(کہ وہبی یہ اعتقاد رکھتے ہیں کہ مالکیوں اور حنفیوں کی دینِ حق کی طرف دعوت خوارج کے بنیادی اصولوں میں سے ہے جس بنا پر ہر وہبی پر یہ دعوت فرض کفایہ ہے وہ سب سے پہلے تو حسنِ سلوک کرے اور اچھے پیار کے انداز سے دعوت دے اگر وہ انکار کریں نہ مانیں تو ان سے قتال کرنا واجب ہے لیکن موحدین سے ویسا جزیہ نہیں لیا جائے گا جیسا کہ مشرکین سے لیا جاتا ہے۔

ان مالکیوں اور حنفیوں کے متعلق اباضیوں کی رائے بیان کرتا ہے کہ وہ ان کے نزدیک عیسایوں، یہودیوں اور زرتشیتوں کی طرح ہیں۔ لہٰذا ان پر جزیہ واقع ہو گا)۔

درحقیقت یہ کلام بھی درست اور سیلم نہیں بلکہ سقیم ہے مصنف کو تو فرض کفایہ اور فرض العین کے درمیان فرق کا بھی علم نہیں ہے۔

اس کا یہ دعویٰ کہ موحدین کی دعوت جو کہ خوارج کے اصولوں پر قائم ہے۔ اباضیوں کے نزدیک فرض کفایہ ہے۔ اس کا یہ قول مکمل طور پر متناقض ہے وہ گمان کرتا ہے کہ یہ ہر فرد پر واجب ہے ہر ایک پر یہ فرض ہے کہ وہ اچھے اور عمدہ

طریقے سے دعوت دے اگر وہ قبول نہ کریں تو ان سے قتال کرے یہ سارا کلام خود ہی بعض بعض کے متناقض ہے گویا اس نے یہاں یہ گمان کیا ہے کہ اباضیوں کے نزدیک دینِ حق کے مبادی خوارج ہیں یعنی کوارج کے اصول ہی دین حق ہیں۔ لیکن اسی فصل کے خاتمے پر جب وہ اباضیوں کو مزید فروعی فرقوں میں تقسیم کرتا ہے تو کہتا ہے۔

(کہ تمام اباضی فرقے خوارج سے بری ہیں ان کا اُن سے کوئی تعلق نہیں ہے) جب اباضی ان سے بری ہیں تو پھر ان کی دعوت خوارج کے اصولوں پر کیسے قائم ہے۔ تو کیسے ان کے مبادی کو دینِ حق سمجھ لیا جائے گا۔ لہٰذا ہم یہ بات پورے وثوق سے کہہ سکتے ہیں کہ اس بات کی اباضیوں کے ہاں کوئی جگہ نہیں ہے اور نہ ہی اُن کے نزدیک عین واجب ہے نہ ہی فرض کفایہ اور نہ ہی فرض العین کے طور پر کہ ہر وہ بھی دوسرے مذاہب کے لوگوں کو اپنے مذہب کی طرف بلائے اور نہ ہی ان سے قتال کرنے کی اباضیوں کے نزدیک اجازت ہے۔ ان کے نزدیک آخری حد امر بالمعروف اور نہی عن المنکر ہے وہ بھی حسنِ خلق کے طریق پر ضروری ہے۔

لگتا ہے فلسفی ڈاکٹر صاحب کو کوئی ایسی کتب کا مطالعہ کرنے کا موقع ملا ہے جن میں یہ کہا گیا ہے کہ امام پر یہ واجب ہے کہ وہ اپنے مخالفین کو گمراہی کو ترک کرنے کی دعوت دے اگر وہ نہ رکیں تو ان سے قتال کرے اسکوئی ایسی کتب کا مطالعہ کرنے کا موقع ملا ہے جن میں یہ کہا گیا ہے کہ خلیفے پر یہ واجب ہے کہ وہ اپنے مخالفین کو گمراہی کو ترک کرنے کی دعوت دے اگر وہ نہ رکیں تو ان سے قتال کرے عمومی صفت کے تحت جو بھی ملت سے نکلتا ہے اس سے متعلق ہے۔

ایسی حالت میں امام پر وہ خارجی گروہ جس نے اس کے خلاف بغاوت کی ہے قتال کرنا واجب ہے اس سے یہ مراد نہیں کہ مذاہب اسلامیہ کے گروہ اور فرقے جیسے کہ مالکی حنفی وغیرہ۔ یہاں اس بات سے مراد صرف باغی گروہ ہے چاہے وہ جس بھی فرقے سے تعلق رکھتا ہو اس کے ساتھ قتال کرنا خلیفہ وقت پر واجب ہے۔ امام ان سے واپس امت کی طرف رجوع کرنا طلب کرے گا۔ اگر انہوں نے بات نہ مانی تو وہ ان سے قتال کرے گا۔ دونوں موضوعات میں بہت فرق ہے۔

میرے خیال کے مطابق ہر ذی شعور اور درست فکر کا حامل شخص کوئی بھی ایسا نہیں ہو گا جو یہ سمجھے کہ اگر کوئی اس کے مذہب کی دعوت کو قبول نہ کرے تو اس کے ساتھ قتال کرے نہیں ہر گز ایسا نہیں ہو سکتا بر حال کسی بھی صورت میں ایسی بات اباضیوں کے ہاں نہیں ہے۔

رہی اس کی عبارت (کہ موحدین پر ویسا جزیہ نہیں جیسا کہ اس کے برعکس مشرکین سے لیا جاتا ہے اور یہ کہ اباضی ان کو یہودیوں، عیسائیوں اور زرتشتیوں کی طرح ہی سمجھتے ہیں کیونکہ ان پر جزیہ واقع ہوتا ہے)۔

میرے خیال کے مطابق اس بات کا بھی موضوع سے کوئی تعلق نہیں میرا گمان یہ ہے کہ ڈاکٹر صاحب نے اس بات کو بھی مستشرقین کی کتب سے لیا ہے اور بغیر غور و فکر اور توجہ کے بیان کر دیا ہے جو کہ اس بات کو خود بھی اچھی طرح نہیں سمجھ سکا بس اس جگہ اتفاقی طور پر اس نے دو بریکٹوں کے درمیان بیان کر دی ہے۔

میں یہاں محترم قاری کے لیے ڈاکٹر ہویدی کی اخطاء کی خلاصہ تصحیح کرنا چاہتا ہوں جن کا اس نے شروحات میں ارتکاب کیا ہے۔ جبکہ حقیقت سے انکا کوئی تعلق نہیں ہے۔

۱۔ (اتعد القوم) یعنی بعض نے بعض سے وعدہ کیا یعنی انہوں نے ملاقات کے لیے کسی وقت یا دن کا تعین کیا یعنی کسی جگہ ملنے پر اتفاق ہوا اس کا معنی (اعدّ والعدّة) (یعنی سامان تیار کرو) نہیں ہے۔

۲۔ لفظ خوارج اباضیوں سے مربوط نہیں رہا حتی کہ اس شخص کی رائے کے مطابق بھی جو اباضیوں کو خوارج میں سمجھتا ہے کہ اس لفظ کا کبھی بھی اباضیوں پر اطلاق نہیں کیا گیا۔

۳۔ اباضی عام طور پر مسلمان کے لفظ کا اطلاق امت اجابت پر کرتے ہیں یہ ان کے ہاں زیادہ مستعمل ہے اگرچہ بعض اوقات بعض قرائن کے پیش نظر اباضی خود پر بھی اس کا اطلاق کر دیتے ہیں مگر عمومی طور پر وہ امتِ اجابت پر اس کا اطلاق کرتے ہیں۔

۴۔ لفظ موحد کا اباضی مسلمانوں میں سے ہر ایک شخص پر اطلاق کرتے ہیں جس نے بھی کلمہ توحید کا اقرار کیا ہے نہ کہ صرف مالکیوں اور حنفیوں پر جیسا کہ ڈاکٹر ہویدی کی عبارت سے ظاہر ہوتا ہے۔

۵۔ اس نے لفظ موحد کی شرح میں جو کہا ہے کہ وہ نہ تو مشرک ہیں اور نہ ہی مسلمان یہ بات بالکل درست نہیں ہے۔ بلکہ مسلمان ہیں ہی موحد تمام کے تمام مسلمان ہر زمانے میں موحد ہی رہے ہیں۔ جو بھی کلمہ توحید کا اقرار کرتا ہے۔ وہ موحد ہے۔

۶۔ کسی بھی اباضی پر یہ واجب نہیں کہ وہ کسی دوسرے شخص کو مذہبِ اباضی کی طرف دعوت دے اور نہ ہی مطلق قتال کا حکم ہے چاہے وہ ان کی دعوت قبول کرے یا نہ کرے اسی طرح چاہے وہ شخص اِن کو اپنے مذہب کی دعوت دے یا نہ دے کسی بھی حال میں اُس کے ساتھ قتال نہیں ہے۔ کیونکہ دعوت دینا اس کا شخصی حق ہے۔ لہٰذا کسی پر اس کو بنیاد بناتے ہوئے قتال کرنا نہیں ہے اگر کوئی کسی کو اس حوالے سے قتل کرے گا تو اس پر قصاص واجب ہو جائے گی اُسے قصاص دینی پڑے گی۔

۷۔ اباضیوں کے نزدیک خوارج کے مبادی باطل اور گمراہی ہیں۔ وہ ان کو دین حق کے مبادی، اصول نہیں سمجھتے۔ لہٰذا ان مبادی کی طرف دعوت دینا باطل ہے چاہے وہ اچھے انداز سے دی جائے یا پھر شدت سے کسی بھی حال وہ دعوت باطل ہے۔

۸۔ اباضی مشرکین، اہل کتاب اور صابیوں سے متعلق احکامات میں فرق کرتے ہیں۔ سب کے لیے ایک جیسے احکامات کا اطلاق نہیں کرتے ہر ایک کے لیے جدا جدا احکام ہیں۔ لہٰذا جزیہ میں ان سب کے درمیان برابری یہ ڈاکٹر صاحب کی غلط فہمی ہے۔ بلکہ مشرکین اہل جزیہ ہیں ہی نہیں اور نہ ہی ان سے مزید قبول کیا جائے گا۔

۹۔ اس نے کافی فرقوں کا ذکر کیا کہ یہ اباضی فرقے ہیں۔ پھر کہا (یہ تمام فرقے دیگر خارجی فرقوں سے بری ہیں ان کا اُن سے کوئی تعلق نہیں ہے) جیسا کہ ازارقہ، بیہسیہ، محبدات اور صفریہ وغیرہ لیکن وہی نام کا تمام پر اطلاق کیا جاتا ہے۔ ہاں یہ ٹھیک ہے کہ وہی اباضی تمام خوارج کے فرقوں سے بری ہیں لیکن یہ بات بالکل درست نہیں کہ لفظِ وہی تمام اباضی فرقوں پر جاری ہوتا ہے۔

ہم اس بات کی ضرورت محسوس کر رہے ہیں کہ اس موضوع پر ایک مخصوص فصل قائم کریں وہاں تفصیل سے جائزہ لیں۔ لہٰذا ابھی محترم قاری سے التماس ہے کہ وہ اس موضوع سے فی الحال خود کو واپس موڑ لے۔

یہ نقاط میرے خیال میں ڈاکٹر ہویدی کی کتاب کی قیمت کو ثابت کرنے اور اسکی کم عقلی اور غفلت کو ظاہر کرنے کے لیے کافی ہیں یہ اس کے وہ (۱۲۴؟) اور اندازے ہیں جو اس نے اباضی فلسفے سے متعلق اپنی کتاب میں پیش کیے۔

ڈاکٹر ہویدی مستشرقین کی پیروی میں:

مستشرقین جب بھی اسلام کے متعلق لکھتے ہیں چاہے ان کی مراد ایک دین کے طور پر یا ایک امت کے طور پر یا پھر مذاہب یا فرقہ مراد ہو اُن کے اسلوب کے پیچھے کچھ خاص اغراض و مقاصد کار فرمان ہوتے ہیں۔ لہٰذا چاہے وہ اپنی تحقیق میں کتنے ہی مخلص کیوں نہ ہوں مگر پھر بھی وہ اس سے کہیں زیادہ بڑھ کر اپنے ان مقاصد کے ساتھ زیادہ مخلص ہوتے ہیں۔ ان کے وہ مقاصد اور اہداف جنہوں نے ان کو اسلام اور مسلمانوں کے متعلق لکھنے پر اکسایا حقیقت میں اپنے لیکچرز اجتماعات سیمینار، کتابوں اور کانفرنسوں کے ذریعے اپنے اُن اغراض مقاصد اور اہداف میں کامیاب ہوئے ہیں۔ اُن کے مقاصد میں سے سب سے زیادہ نمایاں ہدف اسلامی ممالک میں اپنی ثقافت کے سایہ کو قائم کرنا ہے اور اُن اغراض مقاصد کا سایہ اسلام ریاستوں اور ممالک میں چھوڑنا ہے۔ عام طور پر مشرقی ممالک میں وہ اس مقصد میں کافی حد تک کامیاب ہوئے کہ وہ ان مشرقی ممالک میں اپنی فکر و سوچ رکھنے والے افراد تیار کر سکیں۔ جو ان کی فکر کے حامل ہوں اور وہ بھی اہل مشرق کو اسی نگاہ سے دیکھیں جس نگاہ سے مستشرقین دیکھنا چاہتے ہیں۔ بس دونوں میں فرق صرف اتنا ہے کہ مستشرقین اہل مشرق کے ساتھ مغربی مصلحت کے پیش نظر معاملہ کرتے ہیں یعنی اپنے ممالک کی مصلحت اور مفاد میں جبکہ اہل مشرق جو مستشرقین کی آراء سے متاثر نہیں اور ان کی فکر کے حامل ہیں وہ اپنی خدمات اس مقصد کے لیے پیش کرتے ہیں تا کہ اہل مشرق میں سے مستشرقین یا پھر مغرب کے خلاف مد مقابل قوتوں سے مستشرقین کا دفاع کر سکیں گویا انہوں نے ان اہل مشرق میں سے اپنی فکر کے متحمل افراد کو اس لیے یہیں چھوڑا ہے تا کہ وہ ان کے اشاروں پر حرکت کریں جب بھی کوئی مزاحمت مستشرقین کے خلاف ہو تو یہ لوگ اس کا مقابلہ کریں اور مستشرقین کا دفاع کریں۔

وہ ان کی فکر اور فلسفے سے کلام کریں انہی کی منطق اور اسلوب اپنائیں ان کے دلائل کو تقویت دیں چاہے وہ من گھڑت اور لہو ہی کیوں نہ ہوں ان کی آراء کو قوی بنائیں اور تقویت دیکر بیان کریں چاہے وہ خرافات اور جعل سازیوں پر ہی کیوں نہ مشتمل ہوں ان کے پیچھے انہی کے کار فرماں ہوں وہ اپنے مقاصد اشاروں سے اِن سے پورے کردار ہے ہوں چاہے

وہ اشارہ کہیں دور سے ہی کیوں نہ ہو مگر وہ ہر حال میں اپنے اغراض و مقاصد کو ان اہل مشرق ان کی فکر کے حامل لوگوں سے پورے کرواتے ہیں وہ ان کی فکر و سوچ کے بعد مشرق میں عمومی طور پر اور اسلامی ممالک میں خاص طور پر سائے ہیں تاکہ ان کے خلاف کوئی مزاحمت پیدا نہ ہو سکے۔

اس باب میں اے محترم قاری شاید ایسا ہی کوئی مستغرب کا کلام تجھے چونکا دے جس کو وہ مغربی کاتب سے ترجمہ کرتے ہوئے نقل کرتا ہے تو یہ بات بھی جان جائے گا کہ ایک مغربی کاتب ایک مسلمان سکالر کے کلام کی نص کو لیتا ہے پھر اُسے دوسرے زبان میں ترجمہ کی صورت میں منتقل کرتا ہے۔ پھر ایک مسلمان یا مستغرب آتا ہے۔ اس نص کا دوبارہ سے عربی میں ترجمہ کر دیتا ہے۔ اُسے یہ علم ہی نہیں کہ نص فی الحقیقت عربی میں ہی تھی۔ جب تو اس نص کا مطالعہ کرے گا تو تجھے اس قدر دکھ ہو گا جو تیرے دل کو پگھلا کر رکھ دے گا کیونکہ اس کا عربی سے دوسرے زبان میں پہلے ترجمے نے اس کی آدھی نص کی روح کو کو ماند کر دیا تھا لیکن جب اس کا دوسرا ترجمہ دوبارہ سے عربی میں کیا گیا تو باقی آدھی روح بھی ماند پڑ گئی وہ نص ایک مردہ نص کے علاوہ باقی کچھ نہ بچی۔

ایک مستغرب کاتب جو اپنی فکر میں مستشرقین سے متاثر ہے دو باتوں میں سے کسی ایک بات سے ضرور تعلق رکھتا ہے۔

یا تو اسلامی معاملات کے حوالے سے جو کچھ اس مستشرق نے لکھا ہے اس پر بھرپور اعتماد کرتا ہے اور مصادر اسلامیہ پر اعتماد نہیں کرتا وہ ان تمام نصوص ان کے اصحاب اور ان کی مناسب مواقعوں سے مکمل طور پر غفلت اور جہالت برت رہا ہے یہاں تک کہ اسے یہ بھی علم نہیں کہ خود مستشرقین نے ان نصوص سے کس قدر استفادہ کیا۔

یا پھر بات یہ ہے کہ وہ اس سب کو جانتا تو ہے لیکن وہ اس نص کو عربی فلسفی کی طرف منسوب کرنے میں زیادہ قدر قیمت اور عزت محسوس کرتا ہے اور اپنی کتابت کے حوالے سے زیادہ مفید سمجھتا ہے ان لوگوں کے کانوں میں عربی عجمی ناموں کی خاص گھنٹی بج رہی ہے۔ جیسا کہ ہندوستان کے حاکموں اور یونانی فلاسفروں کے ناموں کے لیے تاریخ کے بعض زمانوں میں خاص گھنٹی بنائی گئی۔

ڈاکٹر ہویدی بھی انہی لوگوں میں سے ہے جنہوں نے اسلامی فلسفے کی تحلیل کے لیے مستشرقین کے مصادر پر اعتماد کیا اور ان کی آراء کو تقویت دی۔ اسی لیے ان کی جانب سے ان کی آراء کو نقل کیا ہے۔ ان کی آراء کو وہ بہت قوی دلائل کا رتبہ دیتا ہے۔ جن کے اوپر وہ بہت بڑے بڑے مسائل اور نظریات کی بنیاد رکھتا ہے۔

وہ اپنی کتاب کے صفحہ ۲۷۰ پر کہتا ہے۔

(اپنی کتاب تاریخ المسلمین فی اسبانیا) میں بیان کرتا ہے کہ مستشرق دوزیہ تحریک کلفانیہ کو خوارج کی تحریک کے ساتھ تشبیہ دیتے ہوئے یہ بیان کرتا ہے کہ جیسے خوارج کی تحریک مغرب میں قائم ہوئی اور کامیاب ہوئی ایسے ہی سکاٹ لینڈ میں تحریک کلفانیہ قائم ہوئی اور کامیاب ہوئی اور یہ دونوں تحریکیں دین میں جمہوریت کے مبادی اور اصولوں میں ایک جیسے

ہیں۔ چونکہ ان تحریکوں میں سے ہر ایک نے اپنے دینی شعار کو قائم کرنے کے لیے جدوجہد کی تھی۔ انہوں نے دین مسیح کو قائم کرنے کے لیے تحریک چلائی جبکہ خوارج نے دین اسلام کو قائم کرنے کے لیے تحریک چلائی لیکن جوتیہ اپنی کتاب (العصور المظلمه المقرب) میں اس بات اور رائے کے مخالف گیا ہے۔ یہ کہنا کہ تحریک خوارج جمہوریت کے اصولوں کو قائم کرنے کی غرض سے قائم ہوئی تھی یہ بات بالکل ٹھیک ہے اور مغرب کی یہ بہت بڑی غلط فہمی ہے جو اس اسلوب اور منہج میں یہ تعبیر کرتے ہیں کہ خوارج کی تحریک مذہبی تعصب پر قائم تھی۔ جمہوری اقدار اور اصولوں پر نہیں تھی۔ ہمیں بہت سے ایسے افراد ملے ہیں جو کہ عوامی لوگ تھے۔ جیسا کہ (میسرۃ) پہلا خارجی خلیفہ جو کہ ابنِ اثیر کے مطابق جسے ہمیں ایک معمولی ماشکی تھا جو لوگوں کو پانی پلایا کرتا تھا اسی طرح اس تحریک کو ایسے افراد کی اعانت اور مدد حاصل تھی یعنی اس کے پاس ایسے افراد تھے جو اپنی فطرات میں ہی بڑے جنگ جو تھے۔ جیسے زناتیہ قبائل لیکن ان سب نے اپنے معاملات ایک جمہوری قیادت کے سپرد کر دیے تھے جو ارستقراط سے تعلق رکھتا تھا۔

جیسے (ابو قرۃ) جو بغیر کسی شک کے امیر تھا (یہاں مستشرقین کا کلام ختم ہوتا ہے۔)

اس پر ڈاکٹر ہویدی اپنے قول سے تعلیق لگاتا ہے۔ لیکن ہم یہاں جوتیہ کی مخالفت کرتے ہوئے یہ کہتے ہیں کہ خوارج کی تحریک جمہوری تھی جب ہم ان کے اصولوں اور عملوں کو دیکھتے ہیں اگرچہ وہ مختلف افراد کا مجموعہ تھی۔ اس کا امیر قبول کرنا جمہوری ہونے کی دلیل نہیں ہے۔ عوامی اصول جو خوارج کو جمہوریت کی طرف لے گئے اور خوارج نے جن اصولوں کے تحت لوگوں کو دعوت دی۔ وہ حقیقت پر مبنی نہیں تھے۔

ہم اس بات کا اقرار کرتے ہیں کہ خوارج کی تحریک کے اصول وضوابط اگرچہ جمہوری رنگ سے رنگے ہوئے تھے مگر پھر بھی وہ کسی حد تک قومی تعصب کا شکار تھے۔ اپنے عربی ہونے کی بنیاد پر غلاموں کو حقیر جانتے اور ان سے نفرت کرتے تھے۔

ابنِ ابو حدید نے نہج البلاغہ سے حضرت علی ؓ کی طرف ایک روایت منسوب کرتے ہوئے بیان کی ہے کہ ایک غلام نے خارجی عورت سے منگنی کی جس پر خوارج نے اس عورت سے کہا تونے ہم سب کو شرمندہ کر دیا ہماری عزت خاک میں ملا دی۔ لہٰذا یہ بات ان کے تعصب کو ظاہر کرتی ہے۔ جبکہ کسی طرح کا کوئی تعصب جمہوریت کے اصولوں میں نہیں ہے۔ یعنی کسی بھی جنسی تعصب کا تعلق جمہوریت سے نہیں ہوتا۔

ہم پیش کردہ اس نمونے کی نص کا جائزہ لیتے ہیں تاکہ محترم قاری پر مستشرقین کے اسلوب، مناہج واضح ہو جائیں اور ہر اس شخص کا اسلوب بھی واضح ہو جائے جو اُن کے تیار کردہ منصوبے پر چلتا ہے۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ مستشرقین کے خاص اغراض مقاصد اور منصوبے ہوتے ہیں جن کے پیشِ نظر وہ اسلام کے بارے میں تحقیق کرتے ہیں اور اپنی تحقیق کے دوران اسلامی معاملات اور مسائل کو اپنے منصوبے اور خاص آراء میں ڈھال کر بیان کرتے ہیں۔ اور اپنی آراء کے مطابق حل کرنے کی کوشش کرتے ہیں ان مسائل و معاملات کو اپنے خاص پیمانوں میں

ڈھالتے ہیں ہو سکتا ہے اس کا جائزہ لینے سے ہمیں ڈاکٹر ہویدی کے بارے میں بھی علم ہو جائے کہ وہ بھی اس ہی راسے پر چلا ہے یا پھر اے محترم قاری تو اس کے سابقہ فقروں میں غور کر لے تب بھی تجھ پر اس کا اسلوب اور منہج واضح ہو جائے گا۔ وہ اسلام کی دس صدیاں پرانی تحریکوں کا حل آج کے مغربی پیانوں میں ڈھال کرسے کرنا چاہتا ہے۔

وہ اس حوالے سے مستشرقین کی کتابوں پر مکمل اعتماد کرتا ہے اور انہیں کے اسلوب و منہج پر چلتے ہوئے دلائل براہین کو پیش کرتا ہے۔

اس کے اس سابقہ فقرے میں غور کرو

(مستشرق دوزیہ کے رائے کے مطابق خوارج کی تحریک کلفانیہ تحریک کے مشابہہ ہے) کیونکہ وہ مذہبی اصولوں پر قائم ہوئی ہے۔ مستشرق جوتیہ کی رائے کے مطابق خوارج کی تحریک مکمل طور پر جمہوری تھی۔ جس کے اثبات میں وہ مثال کے طور پر کو پیش کرتا ہے کہ استقراطی تھا مگر اس کے باوجود خوارج کی امامت کے لیے اس کی بیعت لی گئے اور وہ خوارج کا امیر بنا۔

جبکہ ڈاکٹر ہویدی مستشرق جوتیہ کی رائے کی مخالفت کرتے ہوئے اس کا رد کرتا ہے یہ کہتے ہوئے کہ تحریک خوارج جمہوری اصول، ضوابط میں رنگی ہوئی ہونے کے باوجود حقیقت میں مکمل طور پر جمہوری نہیں تھی۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ ان میں عربی ہونے کے حوالے سے قومی تعصب موجود تھا۔ وہ خود کو عربی ہونے کی وجہ سے دوسروں پر فخر کرتے تھے یہی وجہ ہے کہ وہ غلاموں کو حقارت سے دیکھتے تھے اور ان سے نفرت کرتے تھے جس کا اندازہ اس روایت سے لگایا جا سکتا ہے کہ ایک خارجی عورت سے ایک غلام نے منگنی کر لی جس پر تمام خوارج ناراض ہوئے اور کہنے لگے تو نے ہماری عزت کو خاک میں ملا دیا۔

اگر انہوں نے ارستقراط قبیلے کے کسی آدمی کو اپنا امیر بنایا بھی ہے تو اس کا یہ ہرگز مطلب نہیں ہے کہ یہ تحریک جمہوری تھی۔

لیکن اگر ڈاکٹر ہویدی کے مستشرق دوزیہ کی بیان کردہ رائے کو اپنے سابقہ فقرے میں غور کیا جائے جس میں اس نے کہا ہے کہ خارجی تحریک کی کامیابی اس کا مذہبی جمہوری اصول پر قائم ہونا تھا۔ یعنی مذہبی اصولوں کی بنیاد پر یہ تحریک کامیاب ہوئی۔

لیکن مستشرق جوتیہ اس رائے سے متاثر نہیں ہوا بلکہ اس کو رد کرتے ہوئے یہ کہتا ہے کہ ارستقراطی شخص اس تحریک میں مل گیا۔ یہ تحریک مشرق میں تھی۔ اس لیے یہ مناسب نہیں کہ ہم اس کو مغربی آنکھ سے دیکھیں اس کا تو یہ مطلب ہوا کہ انہوں نے ارستقطراتی شخص کو اپنے ساتھ اس لیے ملنے کی اجازت دی تا کہ ان کی تحریک مشرق میں پھل پھول سکے۔

اس کے بعد ڈاکٹر ہویدی آتا ہے سب سے پہلے جوتیہ کی رائے کی تردید کرتا ہے کہ خوارج کی تحریک جمہوری نہیں تھی اس کے لیے کہ ارستقراطی اپنی ارستقراطیت سے الگ ہو چکا تھا اور جمہوری اصولوں کو گلے سے لگا چکا تھا۔ اس سب کے باوجود خوارج کی تحریک عربی قومی تعصب کی بنیاد پر ایک جمہوری تحریک نہیں تھی۔ ان کے تعصب پر اس غلام کی بات دلیل ہے جس نے خارجی عورت سے منگنی کی تھی تو تمام خوارج غصے ہو گئے تھے اور کہا تھا تو نے ہماری عزت خاک میں ملا دی ہے۔

اے محترم قاری کچھ اس طرح تو اس کی فلسفی بحث کو دیکھ رہا ہے۔ جس نے بہت اہم مسلئے کو اپنا موضوع بنایا ہوا ہے وہ ہے جمہوریت جو ایسی اہم تاریخی تحریک کے حوالے سے ہے جو چین سے بحیرہ اٹلس تک پھیلی ہوئی ہے۔

جس مسلئے کا ناقدانہ جائزہ تین فلسفی لے رہے ہیں دو مستشرق اور ایک عربی کسی ایک کی رائے پر بنیاد رکھتے ہوئے نفی، اثبات کر رہے ہیں ایک نفی کرتا ہے تو دوسرا اثبات کرتا ہے۔ حالانکہ ان سب نے یہ ساری طویل بحث ایک کی رائے پر اعتماد کرتے ہوئے چھیڑی ہے یا پھر ادبی کتاب میں روایت کردہ قصے پر بنیاد رکھی ہے جس کی صحتِ سند خدا تعالیٰ کی ذات ہی بہتر جانتی ہے اگر وہ قصہ ٹھیک بھی ہو تو اس کا اس موضوع سے کوئی واسطہ نہیں تھا۔

مستشرق جوتیہ بار بار اس بات کو کرتا ہے کہ مشرق میں جمہوری تحریک تھی جبکہ اس کے رد میں مستشرق دوزیہ یہ ثابت کرتا ہے کہ یہ تحریک اس لیے کامیاب ہوئی کیونکہ یہ جمہوری دینی اصولوں پر قائم تھی۔ یعنی مذہبی جمہوریت پر استوار تھی ڈاکٹر ہویدی اپنی رائے میں دوزیہ کو تعبیر کرنے میں خطاوار سمجھ رہا ہے کیونکہ وہ اس مشرق میں قائم ہونے والی تحریک کو پوری آنکھ سے دیکھ رہا ہے۔ وہ اس میں مبالغہ کر رہا ہے۔ یعنی اگر یہ تحریک یورپ میں قائم ہوتی تو پھر اُسے مکمل طور پر جمہوری کہتا ہے جبکہ یہ مشرق میں ہے۔ لہٰذا کسی بھی حوالے سے اس کو جمہوری نہیں کہہ سکتے یہ ایک مذہبی جمہوری تحریک ہے۔ کیونکہ جوتیہ کے رائے کے مطابق جمہوریت مشرقی تفکیر کا حصہ ہے۔

لیکن جب ہویدی نے اس تحریک کی اس کے سربراہان کے درمیان تحقیق کی چھان بین کی تو اس نے یہ واضح کیا کہ یہ تحریک جمہوری نہیں ہے۔ جب اس نے دیکھا کہ زمین کے کسی کونے میں اس تحریک کی قیادت ارستقراطی شخص کے سپرد کی گئی ہے۔ اور وہ اس کا امیر تھا اس بنا پر اس کے لیے یہ بات حکم لگانے کے لیے کافی ہے کہ یہ تحریک جمہوری نہیں تھی۔

وہ تحریک جو جزیرۃ عرب میں قائم ہوئی مشرق میں چین تک اور مغرب میں بحر محیط تک پھیلی ہوئی ہے۔ جس کو کئی صدیاں گزر چکی ہیں کئی نسلیں اس تحریک کا حصہ بنی پھر دنیا سے چلی گئیں یہ سب کچھ صرف ایک مستشرق کے رائے سے منہدم ہو جائے گا۔

اور یہ کہ یہ زناتہ قبائل تھے اور خوارج کا نظریہ رکھنے والی ایک عوامی تحریک تھی جنہوں نے اپنی قیادت ابو قرۃ کے سپرد کر دی تھی جس کے بارے میں یہ گمان کرتا ہے کہ وہ ارستقراطی تھا۔ لہٰذا زمین کے کسی حصے میں اس شخص کے سپرد قیادت کرنے کی بدولت اسی تحریک کی جمہوریت خراب ہو گئی ساری ضائع ہو گئی۔ اسی طرح اس شخص کے بارے میں یہ

وثوق کے ساتھ نہیں جانتا کہ وہ واقعی امیر تھا یا وہ واقعی ارستقراطی تھا یا کیا وہ جب امیر بنا تو استقراطیت پر قائم رہا یا چھوڑ دی تھی اور نئے اصولوں کو اپنا لیا تھا۔ جس کی خطر اس کو اس امارت کے لیے اختیار کیا گیا تھا پھر یہ بھی کہ وہ تمام خوارج کا امیر نہیں تھا بلکہ کسی علاقے کے خوارج کا امیر تھا۔ بلکہ وہ ایک ایسا شخص تھا جس کو لوگوں کے ایک مجموعے پر امارت حاصل ہوئی ریاست کے خلاف جنگی معرکے کرنے لگے بعض میں اس کو کامیابی ملی اور بعض میں وہ ناکام ہوا۔ اس کے بعد ہویدی اسی منطق اور اسلوب کو دوسرے مناہج میں استعمال کرتا ہے۔ گویا اس نے ایک مخصوص منصوبہ بنایا ہوا ہے۔ جس کے تحت وہ جوتیہ کی رائے کی تردید اس لیے کرنا چاہتا ہے تاکہ کہیں ابو قرۃ ارستقراطیہ سے الگ نہ ہو جائے اور جمہوری مبادی کے اصولوں کو اپنا نہ لے۔

ڈاکٹر صاحب نے بالکل اس بات کا لحاظ نہیں رکھا کہ جو وہ بات کر رہا ہے اور اتنی بڑے تحریک کو غیر جمہوری قرار دے رہا ہے۔ صرف ایک شخص کے سبب اسی طرح اس نے اس طعنے کا خیال بھی نہیں کیا۔ اگر یہی تحریک یورپ میں ہوتی تو جمہوری کہلاتی اب چونکہ اس کا تعلق مشرق سے ہے۔ لہٰذا یہ جمہوری نہیں ہے۔

ڈاکٹر ہویدی جوتیہ کی رائے کو رد کرتے ہوئے کہ خووارج کی تحریک ایک جمہوری تحریک نہیں ہے ایک اور سبب کی طرف لوٹتا ہے۔ جس سے یہ ثابت کرتا ہے کہ خورج جمہوریت کے ساتھی نہیں ہیں وہ یہ کہ وہ اپنے نہج البلاغۃ کے مطالعہ سے اس قصے تک پہنچا۔ جس میں ایک غلام نے خارجی عورت سے نکاح کر لیا تھا۔ جس پر تمام خوارج غصہ ہو گئے کہ تو نے ہماری عزت خاک میں ملا دی۔ بس اس نے بغیر سوچ سمجھے کہ یہ قصہ کس حد تک درست ہے یا خرافات میں سے ہے اس نے اس پر بنیاد بناتے ہوئے یہ ثابت کر دیا کہ خوارج اپنی عربیت کو تھامے ہوئے ہیں اور یہ عربیت قومیت ہے۔ جبکہ قومیت جمہوریت کی ضد ہے بس اس ایک نوجوان لڑکی کے قصے سے یہ بات ثابت ہوتا ہے کہ جمہوریت تحریک خوارج سے بہت دور ہے۔ خوارج کا جمہوریت سے کوئی سروکار نہیں ہے۔

مجھے فلسفہ پڑھنے کا اعزاز تو حاصل نہیں ہوا مگر میں یہ بات بڑے وثوق سے کہتا ہوں کہ فلسفی آراء کی بنیاد بھی ثابت شدہ حقائق پر ہوتی ہے یا پھر کم از کم تصدیق شدہ اور تاکید پر مبنی ہوتیں ہیں۔ تو اس میدان میں اس قصے کی کیا وقعت ہے۔ جس کے بارے میں یہ بھی کہا گیا ہے کہ بے بنیاد ہے۔ اس پر ڈاکٹر ہویدی نے اپنے فلسفہ کی بنیاد رکھی اور اس نے اپنی اس فلسفی رائے میں اس قصے کو ایک بہت بڑی دلیل بنایا ہے۔

اُس وقت خوارج تمام عالم اسلامی کے اطراف، اکناف میں پھیلے ہوئے تھے ان میں وہ تمام مسلمان قومیں شامل تھیں۔ جو تمام اسلامی ممالک میں سکونت پزیر تھیں۔ ان کی بے شمار قیادتیں ہیں کچھ متصل ہیں اور کچھ غیر متصل ہیں اسی طرح رسم، رواج اور معاملات میں بھی ان کی کثیر تعداد ہے ہم اس غلام کو نہیں جانتے جس نے ایک خارجی نوجوان لڑکی سے نکاح کی جسارت کی کیا وہ قومیت کے اعتبار سے عربی تھا یا کسی اور قوم سے تھا اور ہم یہ بھی نہیں جانتے کہ اس لڑکی کے اہلخانہ اس پر کیوں غصہ ہوئے۔ اس لیے کہ وہ نوجوان غلام تھا یا پھر اس لیے کہ وہ عربی نہیں تھا؟

اگر اس حکایت کو درست بھی مان لیں تو یہ کیسے ممکن ہے کہ ہم تمام خوارج کی ایک جامع تحریک کی خدمات اور کاوشوں کو اس حکایت کی بنیاد پر نفی کر دیں کیا یہ اس سے زیادہ آسان نہیں کہ ہم اس عورت اور اس کے خاندان کو جمہوری نظام سے نکال دیں یا پھر خوارج کی قطار سے نکال دیں بجائے کہ ہم اس پوری تحریک کو جمہوریت سے نکال دیں جو پورے عالم اسلامی پر چھائی ہوئی اور محیط ہے صرف اس عورت کے خاندان کے کلمات کی بنیاد پر اس کے مرکزی قائدین کو ہی جمہوریت سے نکال دیں اور کہیں کہ یہ تحریک اور اس کے پیروکار جمہوری نہیں ہیں۔ صرف ایک من گھڑت خرافاتی قصے پر بنیاد رکھتے ہوئے میرے خیال میں بہت بڑا ظلم ہو گا۔ میں یہاں یہ ثابت نہیں کرنا چاہتا کہ تحریک خوارج جمہوری ہے یا نہیں اور نہ ہی یہاں اس موضوع کی کوئی مناسبت ہے میں تو صرف محترم قاری کے سامنے مستشرقین کے اسلوب اور مناہج کو پیش کرنا چاہتا ہوں کہ وہ کیسے کسی چیز کا ناقدانہ جائزہ لیتے ہیں اور کیسے اپنے اغراض و مقاصد کو حاصل کرنے کی خاطر اسلامی مسائل کو اپنے مخصوص پیمانوں میں ڈال کر حل کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اس طرح ہم محترم قاری پر ان لوگوں کا بھی منہج اور اسلوب واضح کرنا چاہتے ہیں جو اپنی تحقیق میں مسلمان ہونے کے باوجود انہیں مستشرقین کی پیروی کرتے ہیں اور اسلام کے معاملات اور مسائل کو مغربی پیمانوں میں ڈھال کر حل کرتے ہیں اُنکے معیاروں کو اور مصادر کو درست سمجھتے ہیں ان پر اعتماد کرتے ہیں انہی میں سے ایک ڈاکٹر ہویدی بھی ہے۔

یہ ہے مستشرقین اور جس نے ان کی پیروی کی پہلے اسلوب، خاص معیار اور پیمانے بناتے ہیں جن سے ان کے اغراض و مقاصد کا حصول ممکن ہو سکے پھر ان پیمانوں پر اسلامی مسائل کو رکھتے ہیں اور ان اصلی ثابت شدہ اسلامی حقائق پر ان بے بنیاد قصوں اور خرافات کے پیش نظر احکامات جاری کرتے ہیں۔ شاذ رویتوں اور قصوں سے اصلی ثابت شدہ حقائق پر حکم لگاتے ہیں۔

آپ نے دیکھا کہ کیسے دینی جمہوریت کے نظریے کی کیسے ایک مستشرق نے تحریک خوارج پر تطبیق کی ہے کیونکہ وہ اس کے ضمن میں وہ اپنی ایک پوری تحریک کو اس خوارج کی تحرک کے ساتھ موازنہ کر کے ثابت کرنا چاہتا ہے دوسرے ایک مستشرق نے اس کی نفی کرتے ہوئے کہا ہے کہ وہ یورپی نظر سے مشرق کو نہ دیکھے اور وہ ایک شخص کے بارے میں شک کرتا ہے۔ جس کے بارے میں کہا گیا تھا کہ وہ خوارج کی مرکزی قیادت تک پہنچا تھا پھر ایک عربی فلسفی اس کی اس بات کی بھی نفی کرتا ہے کہ اس نوجوان عربی لڑکی کے اہل خانہ کسی غلام سے اپنی بیٹی کا نکاح اچھا نہیں سمجھتے تھے۔ یعنی وہ غلام سے نکاح کرنا پسند نہیں کرتے تھے۔

افسوس صد افسوس ڈاکٹر ہویدی مستشرقین سے اس حد تک متاثر ہوا کہ اس نے اپنی بات کو پیش کرنے کے لیے ان کے اسلوب پر عمل کیا اور اُن کی پیروی کرتے ہوئے شاذ اور خرافات جعل سازیوں کو واضح حقائق سے غفلت برتتے ہوئے بیان کرتا چلا گیا حقائق کو چھپاتا گیا یہاں تک ان کے اس لہجے سے متاثر ہوا جو وہ اپنی گفتگو میں استعمال کرتے ہیں گویا کہ وہ

اپنی ذات کے حوالے سے اسلام اور مسلمانوں سے مکمل طور پر اجنبی ہیں اس لیے جب بھی وہ اسلام یا مسلمانوں کے متعلق لکھتے ہیں تو اجنبیت کو اپنی کتابت میں ظاہر کرتے پھر بڑائی کو ظاہر کرتے ہیں اور بالآخر اسلام پر اپنے احکام دیتے ہیں۔

گویا شروع میں ایسا محسوس کرواتے ہیں کہ اسلام سے متعلق وہ کچھ نہیں جانتے پھر اس قدر اپنی علمیت دکھاتے ہیں کہ اس اسلام پر اپنی فکر و سوچ کے مطابق حکم لگانا شروع کر دیتے ہیں۔ اس لیے جب تو ہویدی کی کتاب کا مطالعہ کرتا ہے تو ایسا محسوس کرے گا گویا تو کسی مستشرق کی کتاب پڑھ رہا ہے کیوں کہ مستشرقین کے اسلوب کا شعور ہی اس کی کتاب میں ملے گا۔

شروع میں عملی طور پر تجھے محسوس ہو گا کی ڈاکٹر ہویدی بالکل اس موضوع سے متعلق کوئی اگاہی نہیں رکھتا وہ اس موضوع میں اجنبی ہے۔

یہی احساس تو تب بھی محسوس کرے گا جب تو اس کی ان فرقوں سے متعلق مجرد غصے اور ناراضگی والی کتابت کا مطالعہ کرے گا۔ سب سے زیادہ دکھ دہ بت یہ ہے کہ یہ اسلوب اختیار کیا ہے یہاں تک کہ (سنی اسلام) کے بارے میں بھی اسی انداز سے لکھا ہے۔ حالانکہ اس کا تو وہ دفاع کرنا چاہتا ہے اور سنی اسلام کے پیروکاروں کو اس پر ثابت کرنا چاہتا ہے۔ مگر افسوس اس ضمن میں بھی وہ مستشرقین کے منہج اور اسلوب سے باہر نہیں نکل سکا اسی طرح یہ بھی دکھ دہ بات ہے کہ ڈاکٹر ہویدی مزید اس پھندے میں گرا ہے جس میں سے ایک پھنداہ اسلام کو سنی اسلام، تشیعی اسلام اور خارجی اسلام میں تقسیم کر دیتا ہے مجھے لگتا ہے کہ بعد میں آنے والے اس فکر کو مزید وسعت دیتے ہوئے اسلام کو مزید فروعی حصوں میں اس طرح تقسیم کریں گے کہ حنفی اسلام، مالکی اسلام، ظاہری اسلام وغیرہ سمجھیں۔

یعنی کوئی اگر پی ایچ ڈی کرنا چاہتا ہو تو اسلام کی اتنی زیادہ اقسام ہوں کہ اس کو اپنے ریسرچ موضوع کے لیے دقت نہ ہو بلکہ آسانی سے اسلام کی اقسام میں سے کسی پر پی ایچ ڈی کی بآسانی ڈگری حاصل کر سکے۔

ہم مستشرقین کی اغراض، مقاصد کہ بخوبی جانتے ہیں کہ انہوں نے کن اہداف کے تحت اسلام کو تقسیم کر کے مختلف نام دے دیے ہیں۔ کیونکہ وہ یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ دینِ سلام ایک بشری فکر ہے اُلوہی نہیں ہے اور مذاہب اسلامیہ اس بشری فکر سے باہر نہیں نکل سکتے چاہے وہ اپنی فکر میں جمود کا شکار ہوں یا پھر ان فرقوں کے سربراہوں سے کچھ اصراف کر کے جھگڑوں میں پڑھ جائیں یونہی فرقوں میں اختلافات پیدا ہو جائیں جس سے یہ باآسانی ثابت ہو جائے گا کہ یہ بشری فکر ہے اُلوہی نہیں۔ ڈاکٹر ہویدی بھی اس پھندے میں گرا ہے اور اس نے وہی نام اور اصطلاحات اپنی کتاب میں بار بار استعمال کی ہیں جن کو مستشرقین نے استعمال کیا ہے۔ ایک ہی لفظ اور صیغے کو ایک ہی فصل میں تقریباً دس سے زیادہ مرتبہ استعمال کیا ہے۔ جس کو مستشرقین نے استعمال کیا تھا۔ اس کے نمونے محترم قاری کی خدمت میں پیش کرتا ہوں۔

وہ اپنی کتاب کے صفحہ ۱۴۱ سے ۱۵۲ میں کہتا ہے۔

۱۔ شیعی اسلام کے مقابلے میں سنی اسلام کہا جاتا ہے کیونکہ شیعہ اسلامی فرقوں میں سے اہل سنت فرقے کی ضد میں ہے۔

۲۔ ہم سنی اسلام کی تاریخ کو اپنی گفتگو کا موضوع بنائیں گے جس میں ہم اس فکری تطور کو اجاگر کریں گے جس کی اسلامی فلسفی فکر نے گواہی دی ہے۔

۳۔ یہ اچھی بات ہوگی اگر ہم محترم قاری کے لیے شمالی افریقہ میں سنی اسلام کے مراحل کو بیان کرنے سے اپنی گفتگو کا آغاز کریں۔

۴۔ ہمارے لیے ممکن ہے کہ ہم شمالی افریقہ میں سنی اسلام کے نقطہ آغاز کو ۶۴ ہجری سے لیں۔ جب عقبہ بن نافع نے مغرب (مراکش) کی طرف خروج کیا اور مدینہ قیروان کی بنیاد رکھی۔

۵۔ وہ مرحلہ جس میں مغرب (مراکش) کی طرف ان فقہا کی آمد ہوئی اور وہ لوگوں کو امور دینیہ سمجھانے لگے۔ شمالی افریقہ میں سنی اسلام پھیلنے کا اہم ترین مرحلہ ہے۔

۶۔ ہم عبدالرحمٰن بن حبیب افہری کی ولایت، خلافت کے مرحلے کو شمالی افریقہ میں سنی اسلام کے استقرار کے مراحل میں سے اہم ترین مرحلہ کہہ سکتے ہیں۔

۷۔ اغالبہ کی حکومت کا مرحلہ شمالی افریقہ میں سنی اسلام کے استقرار کے لیے اہم ترین شمار ہوتا ہے۔

۸۔ اغالبہ کی حکومت کے قیام کا مرحلہ شمالی افریقہ میں سنی اسلام کے استقرار مراحل میں سے اہم ترین مرحلہ شمار ہوتا ہے۔

۹۔ رہی علم الکلام کے تطور کی بات اور وہ رو جس کا مختلف فرقوں اور مدارس کے درمیان اسلامی فکر نے مشاہدہ کیا وہ سب اوائل علوم سے متاثرہ تھے جس سے علماء میں فلسفی ابحاث اور جھگڑوں نے جنم لیا اور اوائل علوم علوم یونان اور یونانی فلسفی رویّیں تھیں جنہوں نے اسلامی فکر کو علم الکلام کی بابت مناظر کیا اگرچہ وہ اوائل علوم اس فلسفے سے بہت دور تھے۔ جس کو ہم قرآنی فلسفے کا نام دیتے ہیں۔ بس ہم صرف اس یونانی فلسفے کو فکری تطور کا نام دے سکتے ہیں۔ اگرچہ اس کا اسلام اور قرآنی فلسفے سے کوئی تعلق نہیں ہے یا پھر ہم اس فلسفہ کو سنی اسلام کی فکر کا پھیلاؤ کہہ سکتے ہیں یا پھر سنی اسلام کے درست مذاہر میں سے ایک مظاہر کہہ سکتے ہیں۔

اے محترم قاری کیا تو اُس کے اس آخری فقرے کو نہیں دیکھتا جس میں وہ یہ کہتا ہے کہ علم الکلام اور مختلف مدارس اور فرقوں کے درمیان اختلافی رو علوم یونان کے حسین امتزاج سے کوسوں دور ہے اور یہ یونانی فلسفہ سنی اسلام کے درست مظاہر میں سے ایک مظہر ہے۔ میں چاہتا تھا کہ سابقہ فقرے کی تلخیص کروں مگر کسی بھی حال میں اس کے یہی معنی دیتا تھا یا اس کے قریب قریب کا معنی دیتا۔ اس کا چوتھا فقرہ جس میں اس نے بتایا کہ شمالی افریقہ میں سنی اسلام کی ابتداء ۶۴ ہجری

میں عقبہ بن نافع کی آمد سے ہوئی تو اس سے قبل جو فاتحین وہاں گئے تھے وہ کیا کرنے گئے تھے۔ کس لیے گئے تھے؟ جس میں ان کا خون بھی چلا گیا ان ممالک میں اسلامی لشکر کیا کر رہے تھے؟ اور وہ کون سا اسلام تھا جو عمرو بن عاص اور اس کے بعد عقبہ کی آمد سے پہلے تک آنے والے لے کر آئے تھے۔

اے محترم قاری اگر تو ان تمام فقروں کا مکمل طور پر اس کی کتاب سے مطالعہ کرے تو تو محسوس کرے گا کہ وہ ایسا شخص ہے جو اسلام سے بالکل اجنبی ہے۔ کچھ بھی اسلام کے بارے میں نہیں جانتا۔ اس سے کسی قسم کا فکری جائزہ لینے کی کی امید بھی نہیں کی جاسکتی وہ گویا کسی بھی بشری فکر کا جائزہ نہیں لے سکتا۔ اسی طرح اس نے سنی اسلام کے لفظ کا دس بار ایک ہی فصل میں ذکر کر کے خوب کھیل تماشا کیا۔ اس کے پیش نظر یہ کہا جاسکتا ہے کہ اس کی شخصیت اسلامی حوالے سے اس موضوع سے مربوط ہی نہیں لگتی۔ اس نے مذہب مالکی کے لیے اپنا تعصب خوب ظاہر کیا ہے یہاں تک کہ قریب تھا کہ اس کی کتاب بطریق فلسفہ اس کی طرف دعوت کی کاوش سے مکمل ہو جاتی ہے اس طرح تو ایک تند مزاج اور کرخت چیز اسلام اور ایک شخص کے درمیان محسوس کرے گا۔ یہاں تک کہ اس کی کتاب پڑھتے ہوئے تو اس کے اور اس مذاہب کے درمیان جس کی وہ عظمت بیان کرتا ہے ایک خاص قسم کی لاتعلقی اور جدائی محسوس کرے گا۔ اسی طرح بالعموم تقرب کا کوئی مظہر نہیں پائے گا۔ کسی طرح بھی یہ تند مزاجی پوشیدہ نہیں رہ سکتی۔ بس ایک پر تکلف صورت ظاہر ہوتی نظر آتی ہے۔ جبکہ حقیقت میں قلم اپنے صاحب کے عقیدے کے علاوہ لکھتا ہے۔

اے محترم قاری تو اس کی سابقہ عبارے میں غور کر سکتا ہے جس میں اس نے کہا ہے۔

(یہ سنی اسلام کے مظاہر میں سے ہے)

یہ عبارت بھی کتنی روکھی اور کرخت ہے گویا اسلام میں یہ ہے وہ ہے وغیرہ۔۔۔

کوئی بھی مستشرق جب اسلام سے متعلق ریسرچ یا تحقیا کرتا ہے تو اس کے اہداف میں سے یہ بہت بڑا ہدف ہوتا ہے کہ وہ مسلمانوں کے ذہنوں میں اس طرح کے مفاہم یا اس طرح کے اسالیب کو داخل کرے یہ دشمنان اسلام کا ماحاصل ہے کہ خود مسلمان اسلام کے بارے میں کوئی کرخت بات کرے تاکہ بشری آراء کی طرح وہ اسلام کو بھی بشری فکر ہی سمجھے اور مذاہب اسلامیہ کو قرآن کریم سے دور اعتبار کرے اور اوائل یونانی علوم، فلسفیوں سے متاثر ہو اور یہ گمان کرنے لگے کہ قرآن کریم درست نہیں ہے اور یہ کہ تمام اسلامی مذاہب اور فرقے قرآن سے صدیوں سے دور ہو چکے ہیں۔ اس کی جگہ ان مذاہب میں دوسرے یونانی علوم فلسفے نے لے لی ہے۔ جب ڈاکٹر ہویدی اسلام کی ایسی صورت اور مذاہب اسلامیہ کی ایسی بگڑی ہوئی شکل پیش کرے گا تو ایسے شخص سے خیر کی کیسے امید کی جاسکتی ہے جو سرے سے ہی اسلام کو منہدم کرنا چاہتا ہے۔

اگر مستشرقین اسلام کے ساتھ یہ معاملہ بری نیت سے کرتے ہیں تو ڈاکٹر صاحب نے اس معاملے کے حوالے سے کون سا اچھا اور نیک مقصد ملحوظ خاطر رکھا ہے۔

مجھے تو یہ سمجھ نہیں آرہی کہ ہویدی نے اپنے (۱۵۲ صفحے پر) کیسے یہ قدرت حاصل کرلی کہ وہ اسلام کو مختلف اقسام میں تقسیم کردے۔ بعض کو شکست خردہ اور بعض کی نصرت کرکے فتح یاب کردے۔

اسلام ایک مکمل دین ہے جس کو خواہشات آراء مفاہم کے تحت تقسیم نہیں کیا جاسکتا نہ ہی شخصیات مذاہب اور فرقوں کے ماتحت اس کو تقسیم کیا جاسکتا ہے۔ بلکہ لوگوں کی آراء اور ان کے اعمال اسلام کی تعلیمات کے ماتحت تقسیم ہوتے ہیں۔ میرا نہیں خیال کہ کوئی متقی شخص یہ قدرت حاصل کرلے کہ وہ کہے یہ سنی اسلام ہے یہ شیعی ہے یا یہ کہے کہ یہ اسلام سنی ہے اور یہ بدعتی ہے اس طرح یہ اسلام شافعی ہے اور یہ مالکی ہے۔

عزالدین تنوخی

استاد عزالدین تنوخی دمشق کی عربی سائنسی بورڈ کونسل کے رکن ہیں جو اپنی ثقافتی اسلامی خدمات اور عربی لغوی خدمات میں مشہور و معروف ہیں۔ اس نے اباضی تراث کا شرعی اور ادبی میدانوں میں خاص اہتمام کیا ہے۔ اس نے اباضیوں کے متعلق بڑی طوالت اور تفصیل سے لکھا ہے میں محترم قاری کے لیے اس میں سے چند ٹکڑے پیش کرنے میں خوشی محسوس کرتا ہوں۔

اس نے ابو بکر بن احمد بن سعید الستالی کے دیوان کے مقدمہ میں ص ا پر بیان کیا ہے جس کی اشاعت دو ادیبوں (سلیمان اور احمد ہمارے فاضل شیخ محمد بن عبد اللہ السالمی) کے بیٹے کی جانب سے ۱۸۳ھ ۱۹۶۴ ہوئی۔

عمان اور اس کے باسیوں سے متعلق جہالت کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ امت اسلامیہ کا سوادِ اعظم عرب عجم سے جن کے بارے میں وہ گمان کیا جاتا ہے کہ وہ انتہا پسند خوارج میں سے ہیں جیسے ازارقہ، نجدات اور صغریہ وغیرہ یہاں تک کی ابن خلدوں نے بھی لکھا ہے اس کی نص ملاحظہ ہو۔

خوارج بہت سے فرقے ہیں لیکن اس سب کے باوجود اباضیوں پر لفظ خوارج کا اطلاق ان جھوٹے فاجر دعوؤں میں سے ہے جو ایک جہت سے سیاسی تعصب سے وجود میں آئے جبکہ دوسرے جانب سے مذہبی تعصب کارفرماں تھا۔ جب مذاہب کی انتہا پسندی ظاہر ہوتی تو وہ اباضیوں، ازارقہ، صفریوں اور نجدیوں کے درمیان مخلوط ہو گئے لیکن اباضی صفریوں اور ازارقہ کے ساتھ سوائے اس حکومت کے انکار کے جو حضرت علی رضی اللہ عنہ اور معاویہ کے درمیان واقع ہوئی ہیں جمع نہیں ہوئے۔ رہی بات اہلِ توحید کے اموال اور خون کو مباح کرنا اور ان پر کفر، شرک کے حکم لگانا وغیرہ تو اس میں ازارقہ، نجدی اور صفریہ ہی شامل ہیں۔

جبکہ اباضی تو وہ ہیں جو اہل توحید کا ایک قطرہ خون بہانا مباح نہیں سمجھتے بس کچھ ایسے لوگ تھے جنہوں نے خود کو حق تلاش کرنے کی تھکاوٹ میں نہیں ڈالا اور بغیر غور فکر کے اباضیوں کو ان لوگوں سے ملا دیا جو نافرمانی سے خون بہانا مباح سمجھتے ہیں۔ یہاں تک کے بچوں کو قتل کر دیا کرتے تھے۔ لہٰذا مستحل اور محرِم کے درمیان بہت بڑا فرق ہے۔ حق کے بعد گمراہی کے سوا کیا بچتا ہے۔

﴿فَذَٰلِكُمُ ٱللَّهُ رَبُّكُمُ ٱلْحَقُّ ۖ فَمَاذَا بَعْدَ ٱلْحَقِّ إِلَّا ٱلضَّلَٰلُ ۖ فَأَنَّىٰ تُصْرَفُونَ﴾

”پس یہی (عظمت وقدرت والا) اللہ ہی تو تمہارا سچا رب ہے، پس (اس) حق کے بعد سوائے گمراہی کے اور کیا ہو سکتا ہے، سو تم کہاں پھرے جا رہے ہو؟“(۱)

(۱) یونس، ۳۲/۱۰۔

ہمارے علماء کی عمان اور اہل عمان سے متعلق اس قدر جہالت کہ انہوں نے ان کی کتب اور اباضی فقہ کا بھی مطالعہ نہیں کیا جو کہ کتاب، سنت پر مبنی ہے نہ ہی حدیث میں مسند امام الربیع بن حبیب کا مطالعہ کیا جو سند کے اعتبار سے ثلاثی ہیں۔ ابو عبیدہ التمیمی سے جابر بن عبداللہ اور وہ صحابہ کرام سے نقل کرتے ہیں۔ اس طرح سے امام الربیع بن حبیب اپنی مسند میں بیان کردہ احادیث اِن تین واسطوں سے رسول پاک ﷺ تک سلسلہ سند پہنچتا ہے جو فنِ حدیث میں ثلاثیات کہلاتی ہیں۔ ہمارے علماء نے اس مسند کو بھی نہیں دیکھا۔

جابر بن زید اور ابو عبیدہ نے براہ راست صحابہ کرام سے احادیث لیں اور جابر بن زید امام بخاری اور امام مسلم کی روایت کردہ احادیث کے رجال میں آتے ہیں۔ اسی طرح جابر بن زید نے تقریباً ستر بدری صحابہ کرام ﷺ سے علم حاصل کیا۔ آپ جرالأمتہ حضرت عبداللہ بن عباس کے شاگرد رشید تھے۔ یہ قدیم مسند امام عبداللہ السالمی کی شرح کے ساتھ تین جلدوں میں شائع ہوئی دو جلدیں مصر میں جبکہ تیسری دمشق میں شائع ہوئی۔

استاد تنوخی نے بزرگ، برتر سالمی خاندان اور ان کی علمی ادبی خدمات کے ساتھ ساتھ ثقافتی وراثت کی عمان میں نشرواشاعت کے حوالے سے گفتگو کرنے کے بعد کہا ہے۔

عمان اور اس کے باسیوں سے ہماری کس قدر جہالت ہے کہ ہم نے وہاں کے شعراء کا بھی اپنی تراجم کی کتابوں میں ذکر تک نہیں کیا جیسا کہ ثعالبی نے عربی ممالک کے شعراء کا تفصیل سے ذکر کیا مگر عمان کے شعراء کا ذکر بالکل نہیں کیا اسی طرح عمان اور اس کے باسیوں سے سیاسی اور مذہبی تعصب کے پیش نظر مورخین نے ایسی غفلت اور جہالت کا مظاہرہ کیا ہے۔ وہاں کی ثقافت اور مذہب کے حوالے سے غفلت برتی ہے اور خاص طور پر تمام بلاد عرب اُن کی عربیت سیاسی اور علمی تاریخ یہاں تک کے ان کی وحدت کے لیے کاوش خاک میں مل جائے گی۔ اگر وہ اسی جہالت اور غفلت کا شکار ہوتے رہے موؤرخین کا یہ فریضہ تھا کہ وہ اہلِ عرب کو ان تمام نقصانات کے حوالے سے اگاہ کرتے مگر انہوں نے عمومی طور پر تمام عربی ممالک اور خصوصی طور پر عمان سے غفلت برتی ہے۔ مذہب اور ثقافت کے حوالے سے بات تک نہیں کی یہ سارے وہ معاملات ہیں جو اس عربی قوم کے متعلق تحقیق بحث کرنا ضروری قرار دیتے ہیں۔

جو قوم نسب میں واضح اور حسب میں عظیم و برتر ہے اپنی فصاحت اور عربی شجاعت جہاد میں ضرب المثل ہے۔ سامراج کا مقابلہ کرنے والی ہے۔ اس کی کہیں مثال نہیں ملتی آج کے دن ہمیں اس قوم سے متعلق بحث، ریسرچ کرنے کی، ان کی عربی علمی ادبی لغوی تاریخی وراثت، ثقافت کو بیان کرنے کی ضرورت ہے۔

امام نبہانی کے دیوان کے مقدمہ کے صفحہ ۲۶ میں آیا ہے!

ان کتابوں میں سے بعض بالآخر دمشق میں شائع ہوئیں جیسے کہ مسند الربیع بن حبیب کی شرح کا تیسرا حصہ جو کہ احادیث کی کتابوں میں سب سے زیادہ قدیم اور صحتِ سند کے اعتبار سے درست ترین ہے جس کا شارح علامہ نورالدین سالمی ہے۔ میں نے بہت سی اس مسند کی احادیث اور دیگر اہل سنت کی صحاح ستہ کتب سے تخریج کی ہے جو اس چیز پر دلالت کرتی

ہیں کہ عمانی اور مغربی (مراکشی) اباضی مذہب اہل سنت کے قریب تر ہے۔ جیسا کہ امام نے اپنی کامل میں اور دیگر ابن حزم محققین وغیرہ نے بی اس بات کا ذکر کیا ہے۔

اس نے اپنی کتاب (خلاصۃ الوسائل فی ترتیب المسائل) کے مقدمہ میں درج ذیل بیان کیا ہے۔

ائمۃ عمان نے مصائب، آفات اور امور دینیہ میں مشکلات میں اپنے علماء سے فتاوی لینے میں عرب و عجم کے مسلمان بادشاہوں کی پیروی کی ہے۔ وہ ان تمام سوالات کا اپنے ہاتھ سے جواب لکھ کر دیا کرتے تھے۔ جو سوالات گورنر ان کو بھیجا کرتے تھے یہ بات احکامات میں ان کے اخلاص اور ایمانی سچائی پر دلالت کرتی ہے اور یہ کہ وہ کتنا قرآن وسنت پر اعتماد کیا کرتے تھے وہ ہمیشہ اپنے والیوں اور گورنروں کو رعایا سے متعلق معاملات میں خدا تعالیٰ سے ڈرایا کرتے تھے اور یہ کہ ہمیشہ رعایا کے مصلحت اور مفاد پر نظر رہے۔ کیونکہ اللہ تالیٰ کے دین کا ہر حکم کسی نہ کسی مصلحت کا احاطہ کیے ہوئے ہے۔ اسی طرح وہ اپنے والیوں اور گورنروں کو ہمیشہ کتاب، سنت آثارِ صحابہ ﷺ اور سلف صالحین، مجتہدین کے اقوال کو تھامے رکھنے کی نصیحت کرتے تھے۔

اس طرح مختلف قبائل سے تعلق رکھنے والے عمانی لوگ ائمۃ اور فقہاء سے بلاؤں، آفات کے وقت فتاوی جات لیا کرتے تھے اور اپنے دعوٰں کو ان کے فتووں سے ثابت کیا کرتے تھے۔ یہ تمام فتوے اور سوالوں کے جوابات بعض اوقات فقہی، مفتی اور قاضی کے پاس جمع ہو جاتے تھے یا پھر کبھی ان میں سے اہم فتووں کو کسی کتاب کی صورت میں جمع کیا جاتا اور کبھی ان فتووں کو مفتیوں کی اولاد اور ان کے شاگرد جمع کیا کرتے تھے۔

جیسا کہ امیر فاضل البار السید صالح بن علی الحارثی نے عظیم کام کیا ہے۔ انہوں نے اپنے دادا امام محتسب الشہید صالح بن علی الحارثی کے فتووں کو ایک کتاب کی صورت میں جمع کر کے نشر کروایا اور اس کتاب کا نام (عین المصالح فی اجوبۃ الشیخ الصالح) رکھا خدا تعالیٰ اس کو جزائے خیر عطا فرمائے۔

اس ساری گفتگو کے بعد اس نے مغرب (مراکش) کے بادشاہوں میں سے ایک مجموعے کا ذکر کیا جو اسی طریق پر چلے اور مختلف مذاہب سے تعلق رکھنے والے مفتیان عظام کے ان فتووں کو جمع کروایا جو مخصوص حالات آفتوں اور مصیبتوں میں اہم شمار ہوتے تھے۔

اس کے بعد اس نے ذکر کیا ہے:

جو شخص بھی عمانی فتوؤں کا مطالعہ کرے گا وہ مصنف کے حوالے سے بخوبی آگاہ ہو جائے گا کہ اس نے سب سے پہلے کتاب اللہ پھر سنت رسول ﷺ پر اعتماد کیا ہے۔ پھر وہ ان احوال، حالات پر ایک نظر ڈالتا ہے جن کے تناظر میں سلف صالحین مجتہدین نے یہ فتوے دیے تھے۔ اگر وہ اہل سنت علماء میں سے کسی کا کوئی فتوی نہیں پاتا جیسے امام ابو حنیفہ، امام شافعی، امام احمد بن حنبل امام مالک اور امام اوزاعی وغیرہ تو ایسا فتوی جاری کرتا ہے۔ جس کے مشابہہ دوسرے فتوے اور اس سے ماقبل

ائمہ، مجتہدین کے اقوال ہوں اور وہ اس کے فتوے کی تائید کر رہے ہوں۔ اگر مجھے طوالت کا خوف نہ ہوتا تو میں اس حوالے سے یہاں کچھ مثالیں پیش کرتا۔

یہ بات بھی ذہن نشین ہونی چاہیے کہ علماء اباضیہ سندِ حدیث میں امام الربیع بن حبیب کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ جو اپنی احادیث کو ابو عبیدہ سے وہ جابر بن زید سے وہ صحابہ کرام سے رویت کرتے ہیں۔ آپ کی اکثر احادیث صحیحین اور حدیث کی امہات الکتب میں موجود ہیں۔

امام جابر بن زید جر الامۃ حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کے ک بڑے نامور شاگردوں میں سے تھے اسی طرح آپ نے دیگر کبار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے بھی علم حاصل کیا جن میں سے ستر کے قریب بدری صحابہ ہیں۔ ایک مرتبہ اہل بصرۃ میں سے کسی شخص نے حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے کوئی سوال پوچھا آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا تمہارے پاس جابر بن زید موجود ہے۔ پھر بھی تم مجھ سے سوال پوچھ رہے ہو؟

اور سفیان کی حدیث انہوں نے ابن دینار سے انہوں نے عطا سے روایت کیا ہے کہ عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

"اہل بصرہ کو جابر بن زید کے قول کی طرف رجوع کرنا چاہیئے کیونکہ کتاب اللہ کے سمجھنے کے حوالے سے وہ ان سب سے زیادہ وسیع فہم رکھتے ہیں"۔ ابنِ ابو حاتم رازی کی کتاب (جرح، تعدیل) میں آیا ہے۔ انہوں نے ابو خسیمۃ سے روایت کیا ہے۔ انھوں نے کہا ہے میں نے یحیٰ بن معین کو یہ کہتے ہوئے سنا "ابو الشعثاء جابر بن زید نے قتادۃ سے نقل کیا ہے جو ثقہ بصری ہیں اور وہ سب یحیٰ بن معین کے ثقاہت اور حافظے پر متفق ہیں" اسی طرح وہ احمد بن حنبل سے روایت کرتے ہیں۔ یحیٰ بن معین سے حدیث کی سماعت سینوں کے لیے شفا ہے۔ اللہ نے آپ کو اس لیے پیدا کیا تاکہ جھوٹوں کے جھوٹ کو ظاہر کر سکیں مزید یہ فرمایا کہ ہر وہ حدیث جسے یحیٰ بن معین نہیں جانتا وہ حدیث ہی نہیں۔ آپ سے بخاری، مسلم، ابوداؤد، اور بہت سی مخلوق نے احادیث لی ہیں۔ جن کو شمار کرنا ممکن نہیں وہ لوگ جو جھوٹوں کے جھوٹ کو ظاہر کر سکتے ہیں۔ سچوں کی سچائی کو ظاہر کر سکتے ہیں وہ ابو شعثاء جابر بن زید اباضیوں کے امام ہیں اور میں نے مسند ربیع بن حبیب الفراھیدی کی جامع الصیح کی شرح کی تیسری جلد میں جو بات کہی ہے۔ "اہل سنت میں سے اباضیوں کے متعلق سب سے زیادہ علم لکھنے والے اور سب سے زیادہ خوارج سے متعلق لکھنے والے الا امام المبرد نے اپنی کتاب (الکامل) میں جو کہا ہے اس کی نص یہ ہے"۔

"ابنِ اباض کا قول سنت کے زیادہ قریب ہے۔ خوارج میں سب سے زیادہ بدترین غلاط ہیں اور قولِ حق کے سب سے زیادہ قریب اباضی ہیں ہیں نور الدین سالمی جو کہ مسند امام ربیع کے شارع ہیں اپنی کتاب (تحفۃ الاعیان) کے مقدمے میں کہتے ہیں کہ ہم نے خدا کے فضل سے اپنے دین میں کسی قسم کا غلو اور نہ ہی اپنے معاملے میں کوئی ظلم زیادتی اور نہ ہی کوئی ایسی سرکشی دیکھی ہے جو ہمیں جدا کر دے۔ اللہ ہمارا رب ہے، محمد ﷺ ہمارے نبی ہیں۔ قرآن ہمارا امام ہے۔ سنتِ نبوی ﷺ ہمارا راستہ ہے، بیت اللہ ہمارا قبلہ ہے اور اسلام ہمارا دین ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں جو بھی یہ بات کہے اور اس چیز کا اعتراف کرے وہ ایک سچا کامیاب مسلمان ہے اور جو بھی اباضیوں پر ضلالت و گمراہی کی تہمت لگاتا ہے وہ فتنہ پرور اور دین

میں تفرقہ ڈالنے والے لوگوں میں سے ہے حالانکہ تمام مسلمان ایک ہی گروہ اور امت ہیں اور یہ فتنہ پرور لوگ ظالم، جاہل ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اسے جمع کر دیا ہے جسے انہوں نے منتشر کیا تھا اور جسے توڑا تھا اسے جوڑ دیا اور سامراج کی سازشوں کو تباہ و برباد کر دیا اللہ تعالیٰ کافروں کا احاطہ کیے ہوئے ہے۔ استاد تنوخی نے جامع الصحیح مسند امام ربیع بن حبیب کی شرح کے مقدمے میں کہا ہے:

"جن لوگوں کو اللہ تعالیٰ حدیث میں مہارت دیتا ہے تو وہ دور بیع بن جاتے ہیں۔ ایک ربیع بن صبیح اور ربیع بن حبیب ہیں جنہوں نے دو احادیث کی جامع کتابیں تصنیف کیں۔

مگر افسوس کہ ہم مسند ابن صبیح کے حوالے سے کوئی چیز نہیں جانتے کاش کہ محققین اس کتاب کے مخطوطوں پر ریسرچ کرنے کا اہتمام کرتے۔ پس یہ خدا تعالیٰ کا لطف و کرم ہے جس نے ہمارے پاس مسند ربیع بن حبیب باقی چھوڑی ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے مجھے بھی اس مسند کی شرح کی نظر ثانی اور دوبارہ سے اشاعت کرانے کی توفیق بخشی ہے جس کی شرح عمان کے علامہ عبد اللہ بن یحییٰ بن حمید سالمی نے کی تھی اگرچہ اس مسند اور اس کی شرح سے علمائے مصر، شام، عراق بہت تھوڑی حد تک آگاہ ہوئے ہیں۔

ثلاثیات

آئمہ احادیث نے صحتِ سند کے حوالے سے احادیث کے رتبے مقرر کیے ہیں اور فرمایا ہے کہ وہ احادیث سب سے صحیح اور عالی رتبہ ہوں گی جو سند کے اعتبار سے ثلاثی ہوں جیسے الزہری کی سند وہ مالک سے اور وہ نافع سے اور وہ عبد اللہ بن عمر سے اور وہ اپنے باپ سے نقل کرتے ہیں اسی طرح ابراہیم نخعی کی سند جو کہ علقہ سے وہ ابن مسعود سے نقل کرتے ہیں اسی طرح مالک کی سند جو نافع سے اور وہ ابن عمر سے اور وہ اپنے باپ سے نقل کرتے ہیں یہ امام بخاری کا قول ہے یہ احادیث سب سے زیادہ صحیح کے رتبے پر شمار ہوتی ہیں کیونکہ یہ سند کے اعتبار سے سب سے مختصر سند والی ہیں یعنی (ثلاثیات) ہیں اور چشمہ محمدی ﷺ کے سے زیادہ متصل ہیں ان احادیث کے راوی اپنے حافظے اور ثقاہت میں بہت مشہور ہوئے ہیں اور کمال صدق حفاظتِ امانت میں بھی ان کی مثال نہیں ملتی۔

امام ابو منصور تمیمی کی رائے کے مطابق یہ ہے کہ مالک بن انس سے روایت کرنے والوں میں سب سے زیادہ مشہور اور ثقاہت، صدق اور حافظے کے حوالے سے امام الشافعی ہیں۔

اسی طرح جنہوں نے امام شافعی سے احادیث نقل کی ہیں ان میں سب سے زیادہ معتمد اور مشہور راوی امام احمد بن حنبل ہیں ان احادیث کے سلسلہ سند کو (سلسلہ الذہب) یعنی سونے کی زنجیر نام دیا جاتا ہے۔

اسی طرح کا سلسلہ ذہبیہ سند ربیع بن حبیب کا ہے اور ابو عبیدۃ کی ثلاثیات (ابو عبیدۃ سے جابر بن زید سے وہ صحابہ کرام ﷺ اور وہ نبی پاک ﷺ سے) سلسلہ ربیعیہ کی تمام راوی سب سے زیادہ ثقہ حافظ اور سچے ہیں ان سے روایت کردہ کسی

بھی حدیث میں کسی منکر مرسل منقطع یا پھر معضل کا شک بھی نہیں کیا جاسکتا کیونکہ ثلاثیات اسناد میں متصل ہیں۔ ان کی سند میں کوئی ایک بھی راوی ساقط نہیں ہے۔

معضل:

وہ حدیث ہوتی ہے جس کی اسناد میں دو یا دو سے زیادہ پر بالترتیب راوی ساقط ہوئے ہوں جیسے امام مالک کا قول۔ (کہ رسول پاک ﷺ نے فرمایا) اسیطرح امام شافعی کا قول۔ (ابن عمر رضی اللہ عنہ نے کہا) ہمارے اس قول پر رد پیش کیا جاسکتا ہے کہ مسند الربیع میں بلاغ اور سماع ہے جو حدیث کو مرسل بنا دیتا ہے۔ تو اس قول پر یہ جواب دیا جائے گا۔ (اس مسند کے راوی جب کوئی حدیث بغیر مشافہہ کے نقل کرتے ہیں تو کہتے ہیں (مجھے یہ پہنچی یا ہمیں یہ پہنچی) یا پھر میں نے فلان سے سنی یا اس طرح کے الفاظ سے جو حدیث کی سند کو تدلیس سے دور کرتا ہے۔ وہ تمام افراد بہت بڑے متقی ہیں۔ خدا ان پر رحم کرے ان لوگوں جیسے نہیں جو لوگوں کو وہم میں ڈالیں کہ انہوں نے سماعت کی مگر حقیقت میں نہ کی ہو جس سے عن، عن ظاہر ہو جائے گا جو حدیث کو متصل سند سے مقطوع کردے گا۔ کیونکہ ابو عبیدۃ نے جابر بن زید سے روایت لی اور انہوں نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے براہ راست لی یہاں تک کہ یہ بھی کہا گیا ہے کہ ابو عبیدۃ نے بھی ان صحابہ رضی اللہ عنہم کو پایا ہے جن کو جابر بن زید نے پایا تھا۔

اسی طرح ان ثلاثیات کی خوبیوں میں سے بڑی خوبی یہ ہے ان کو زبانی یاد کرنا بہت آسان ہے اسی طرح ثلاثی احادیث کے راویوں کے نام زبانی یاد کرنا ان طویل سندی سلسلے سے آسان ہے جن احادیث کا سلسلہ سند بہت طویل ہوتا ہے۔ ان کے رجال کو زبانی یاد کرنا بہت مشکل ہوتا ہے۔ جبکہ ثلاثیات کے رجال کو یاد کرنا نہایت ہی آسان ہوتا ہے۔ کیونکہ وہ تھوڑے ہوتے ہیں۔ اسی طرح ان کے شخصی اوصاف صدق امانت حفظ ضبط وغیرہ کے حوالے سے اگاہی حاصل کرنا کہیں آسان ہے جبکہ طویل سلسلۂ سند کے رجال بہت سے حلقات پر مشتمل ہوتے ہیں۔ ایک طویل سلسلہ ہوتا ہے ایک ایک شخص کی ذاتی حوالے سے معلومات یاد رکھنا بہت مشکل ہوتا ہے۔ بعض کے حوالے سے انسان کا صدق امانت میں دل ہی مطمئن نہیں ہوتا جس سے حدیث کی سند ضعیف اور غیر مقبول ہو جاتی ہے۔ لہٰذا احادیث کے سلسلۂ سند میں ثلاثیات کو بلند ترین مقام حاصل ہے۔

اسی طرح ثلاثیات کی یہ بھی خوبی ہے کہ ان کا سلسلہ سند پختہ اور آسان ہوتا ہے جس میں شک کی کوئی گنجائش نہیں ہوتی۔ لہٰذا بہت سارے محدثین نے (ثلاثیات) پر تصنیفات مرتب کیں جن میں سے ہم احمد بن حنبل کی ثلاثیات کا ذکر کرتے ہیں جس کی آخری اشاعت ۱۳۸۰ھ دمشق میں ہوئی پھر اس کی امام محمد السفارینی دو جلدوں پر مشتمل اس کی شرح کی ہے جو ۱۶۵ ثلاثیات احادیث کی تعداد کا مجموعہ ہے۔

اسی طرح امام بخاری کی ثلاثیات اور وہ اس کی صحیح بخاری میں تقریباً تعداد میں ۲۲ موجود ہیں۔ جن کے راوی زیادہ تر مکی بن ابراہیم ہیں۔ جنہوں نے طبقہ اولی کے تابعین سے روایت کی ہیں۔ امام بخاری کے شیوخ میں سے بھی ہیں مثلاً محمد بن عبد اللہ الانصاری، ابو عاصم بن نبیل، ابو نعیم، خلاّد بن یحیی اور علی بن عباس ہیں۔

ثلاثیات امام دارمی:

اسی طرح امام دارمی کی ثلاثیات ہیں جن کی تعداد پندرہ ہے۔ جن کو اس نے اپنی سند کے ساتھ روایت کیا ہے۔

اس طرح

ثلاثیات الشیخ ابو اسحاق ابراہیم بن محمد بن محمود الناجی اور دیگر ثلاثیات وغیرہ۔۔۔اسی طرح آج ہم انہی ثلاثیات کی طرف مسند الربیع بن حبیب الازدی کی وضاحت کرتے ہیں جن کی احادیث سب سے زیادہ صحیح اور سند کے اعتبار سے بہت بلند ہیں۔ اس کی ثلاثیات احادیث کے راویوں کے حلقے میں ابو عبیدہ التمیمی جابر بن زید الازدی اور عبد اللہ بن عباس جابر بن زید کے شیخ اور ان کے علاوہ صحابہ کرام ﷺ اور یہ تمام صداقت عدالت امانت حفاظت اور ضبط میں مشہور معروف ہیں اور یہ سند دیگر ثلاثیات کی کتب میں اختلاف کی طرح نہیں بلکہ مسند کے تمام ابواب میں ایک ہیں کوئی اختلاف نہیں ہے۔

مسند کی احادیث میں سے یہ متصل کے حکم میں ہے اور ارسال، ابلاغ کی بنا پر مقطوع ہے اور اگر دوسرے طرق سے ثبوت مل جانے سے پہنچ جائے تو پھر یہ صحیح کے حکم میں ہو جائے گی۔

اسی طرح حدیث مرسل (تدریت) میں ابن جرید سے روایت آئی ہے۔ انہوں نے کہا ہے (تمام کے تمام تابعین مرسل حدیث کو قبول کرنے پر جمع ہیں ان میں سے کسی نے بھی انکار نہیں کیا اسی طرح ان کے بعد پہلی دو صدیوں میں آنے والے تابعین نے بھی انکار نہیں کیا۔ ابن عبد البر نے کہا ہے کہ اس میں سب سے پہلے امام شافعی ہیں۔ جنہوں نے قبول کرنے سے انکار کیا ہے۔ امام سخاوی نے اپنی کتاب فتح المغیث میں کہا ہے۔ (ابو داوٗد نے اپنے رسالے میں کہا ہے احادیث مرسلہ کے حوالے سے تمام علماء مسائل میں ان کو حجت اور دلیل کے لیے لیتے تھے۔ مثلاً سفیان ثوری، امام مالک اور اوزاعی لیکن امام شافعی جب آئے تو انہوں نے اس میں کلام کیا ان کی پیروی پھر امام احمد بن حنبل اور دیگر نے بھی کی حدیث کے میدان میں جو لوگ ہمارے ملک شام، مصر، اور عراق وغیرہ میں کام کر رہے ہیں بہت کم ایسے ہوں گے۔ جو سندِ ثلاثیات کے رجال کے بارے معرفت رکھتے ہوں۔ اسی طرح یہ بہت عمدہ بات ہو گی اگر ہم مسند سے پہلے راویوں کا تعارف پیش کریں اگرچہ اختصار سے ہی کیوں نہ ہو۔

ابو عبیدۃ مسلم بن ابو کریمۃ تمیمی

یہ وہ عظیم امام ہیں جن کی وفات ابو جعفر منصور کی خلافت کے دور میں ہوئی انہوں نے بھی ان صحابہ کرام کو پایا جن کو جابر بن زید نے پایا تھا۔ گویا ان کی جابر بن زید سے روایات ایک تابعی کی تابعی سے روایات ہیں اسی طرح جابر بن زید نے جابر بن عبد اللہ، انس بن مالک، ابو ہریرۃ ابن عباس، ابو سعید خدری، اور حضرت عائشۃ ام المومنین ؓ سے روایت کیا ہے۔ آپ کی ان روایات میں سے بعض المسند الصحیح میں موجود ہیں اور یہ تابعی کی صحابی سے روایت ہے۔

آپ کے شیوخ

ابو عبیدۃ نے صحابہ کرام سے اور جابر بن زید اور عبد اللہ بن جابر سے صحار العبی اور جعفر سماک سے احادیث لیں ہیں یہ تمام حدیث کی روایت میں ان کے شیوخ ہیں۔

آپ کے تلامذۃ

ابو عبیدہ سے بہت سی خلقت نے علم حاصل کیا جن میں سے ربیع بن حبیب الفراہیدی اس مسند ثلاثیات کے موکف اسی طرح کچھ مغرب (مراکش) سے ہیں۔ جن میں سے ابو الخطاب المعاضری، عبد الرحمٰن بن رستم، عاصم السدارتی اسماعیل ابن درار الغدامسی اور ابو داؤد القبلّی النفزاوی وغیرہ۔ ابو خطاب المعاضری یمن سے آیا تھا۔ اہل مراکش میں سے چار لوگوں کی اُسے مصاحبت ملی ان کے ساتھ ان کے ممالک کی طرف نکل پڑا۔ وہاں ان لوگوں نے اس کو اپنے شیخ ابو عبیدۃ کے حکم پر اپنا امیر بنا لیا۔ اسی طرح امام عبد اللہ بن یحییٰ الکندی کو سرزمین یمن کے لیے انہی کے حکم پر امیر بنایا گیا۔ لہٰذا اس کے پاس دو امارتیں یمن اور حجاز میں رہ کر علم حاصل کیا جب وہاں سے جانے کا وقت آیا آپ سے اسماعیل بن درار نے تین سو مسائل سے متعلق سوالات پوچھے اس سے ابو عبیدہ نے کہا۔

اے ابن درار کیا تو قاضی بننا چاہتا ہے؟

اس نے جواب دیا اگر میں اس منصب کی آزمائش میں مبتلا ہو جاؤں تو آپ کی کیا رائے ہے؟

جابر بن زید الجوفی الازری ابو شعثاء (وفات ۹۳ھ) عمان اور مغرب (مراکش) میں مذہب اباضی کی اصل ہیں اور عبد اللہ بن عباس کے صحبت یافتہ ہیں۔ آپ حضرت عبد اللہ بن عباس کے مشہور شاگردوں میں سے تھے ابو طالب مکی نے اپنی کتاب (قوت القلوب) میں ذکر کیا ہے۔ عبد اللہ بن عباس ؓ نے فرمایا ہے۔

جابر بن زید سے سوالات کیا کرو اگر اہل مشرق مغرب مل کر اس سے سولات پوچھیں تو پھر بھی ان سب پر اُس کا علم غالب رہے گا۔ ایاس بن معاویہ نے کہا ہے (میں نے بصرۃ میں جابر بن زید کے علاوہ کسی کو مفتی نہیں دیکھا)۔

حصین بن حیان سے روایت ہے انہوں نے کہا (جب جابر بن زید کی وفات ہوئی اور اس کی خبر حضرت انس بن مالک ﷺ تک پہنچی تو آپ ﷺ نے فرمایا تھا (آج وہ فوت ہو گیا جس سے بڑھ کر اس کرّہ ارضی پر کوئی عالم نہیں ہے۔ جب جابر بن زید کو دفن کر دیا گیا تو قتادہ نے کہا مجھے اس کی قبر کے قریب کرہ انہوں نے قریب کر دیا آپ نے کہا (آج عرب کا عالم وفات پا گیا) حضرت ابن عباس سے مروی ہے، آپ ﷺ نے فرمایا (جابر بن زید لوگوں میں سب سے زیادہ صاحبِ علم تھے)۔

اسی طرح آپ سے روایت ہے کہ (اہل عراق پر مجھے تعجب ہوتا ہے ان کے پاس جابر بن زید موجود ہے پھر بھی علم میں ہمارے محتاج کیوں ہیں۔ اگر وہ اس کے پاس چلے جائیں تو اس کا علم ان سب پر حاوی ہو جائے گا۔ اگر وہ سب مل کر بھی اس سے سوالات کریں تب بھی اس کا علم ختم نہیں ہو گا۔ بلکہ ایک بحر بیکراں بن کر ابھرے گا۔

آپ کے شیوخ اور شاگرد جنہوں نے آپ سے علم حاصل کیا یا جن سے آپ نے علم حاصل کیا۔ ان میں سب سے اہم اور خاص عبد اللہ عباس ہیں۔ آب نے اپنا بہت سا علم ان سے حاصل کیا۔ پھر عبد اللہ بن عمر ﷺ سے بھی حاصل کیا۔ جنہوں نے آپ سے علم حاصل کیا ان میں سے قتادہ، عمر بن دینار، ایوب کے علاوہ بہت سی مخلوق بھی شامل ہے۔

اگر انسان اس مسند کی روایات میں غور کرے تو وہ کثرت سے ایسی روایات پائے گا جو وہ صحابہ سے روایت کرتے ہیں۔ جس نے علم بھی صحابہ کرام ﷺ سے حاصل کیا ہو جن میں سے ستر بدری صحابہ کرام ﷺ ہوں تو آپ کا کیا گمان ہے۔ وہ کس پائے کے صحابہ کرام ﷺ ہوں گے جن سے اس نے علم حاصل کیا ہے۔ اس کے مشہور ساتھی جنہوں نے جابر بن زید سے روایت کیا ہے ان میں سے ابو عبیدۃ ضمام بن سائب ابو نوح اور حیان اعرج وغیرہ ہیں اور یہ تمام فقہا مجتہدین ہیں تیرے لیے جابر بن زید کا یہ قول ہی کافی ہے میں نے ستر صحابہ کرام ﷺ سے علم حاصل کیا سب کے سمندرِ علم کا احاطہ کیا مگر عبد اللہ بن عباس ﷺ کے علم کا احاطہ نہیں کر سکا۔

مسند کی شرح

اس مسند کی شرح کرنے والے سے متعلق بیان کرنا میں بہت ضروری سمجھتا ہوں۔ خاص طور پر ان کی سوانح عمری اور علماء کے درمیان علمی مقام مرتبہ کے حوالے سے آگاہ ہونا بہت اہم ہے۔ وہ شیخ نورالدین ابو محمد عبد اللہ بن حمید بن سلوم بن عُبید بن خلفان بن خمیس السالمی الضبی ہیں (۱۲۸۶ - ۱۳۳۲ھ) آپ پر عمانی سلطنتِ علم ختم ہو جاتی ہے اور انکا یہ علم ان کی مختلف فنی کتب میں ظاہر ہوتا ہے جو انہوں شریعہ اسلامیہ اور عربی لغت پر لکھیں ہیں۔ تالیف میں آپ کی کتابیں اور رسائل مسائل کی تحقیق کے ساتھ بہت ہی عمدہ علمی فنی شاہکار ہیں۔

آپ کی صفات عالیہ

آپ ماشاء اللہ بہت ذہین اور بڑے قوی حافظے والے تھے اور عمانی قوم کی بیداری شعور میں آپ کا حصہ وافر ہے۔ آپ عمانی سرزمین پر امامت کو واپس لانے میں بہت زیادہ کاوشیں کی ہیں جبکہ آپ سے پہلے قدیم زمانے میں اس امامت کو وہاں

کے بادشاہوں نے بہت کم پہچانا تھا۔ اس امامت کے حوالے سے کبھی کبھار شاذ و نادر زمانے میں شاید کوئی محنت کی گئی جیسا کہ بنی نبهان کے دور میں ابن بطوطہ کی خدمت کے وقت امامت کی محنت کی گئی ہو۔ لیکن شیخ نورالدین سالمی نے عمانی قوم کی امامت کے حوالے سے بیداری شعور میں بے مثال کردار ادا کیا۔

آپ کی امامت کے حوالے سے آراء اور آپکا اس طرف طبعی میلان سلطان عمان (فیصل بن ترکی) سے مخفی نہیں تھیں لیکن اُسے انگریزوں کی اس فریبی سیاست نے امامت کا اعلان کرنے کی جرأت نہ کرنے دی۔ جو ہر وقت عربی ممالک میں دراڑ ڈالنے اور ان پر چڑھائی کرنے کے لیے ہر وقت اور ذخائر پر قبضہ کرنے کے لیے خاص طور پر پٹرول وغیرہ جو محتاج بیان نہیں ہے تیار رہتے تھے۔

لیکن یہ باعمل عالم ہیں جو اپنی اس امامت کی دعوت پر عوام کو اکسانے سے رکے نہیں ان کی ایسی بے باق شخصیت تھی جو خدا کی ذات کے علاوہ کسی کی ملامت کی پرواہ نہیں کرتے تھے۔ نہ ہی اس معاملے میں کسی ظالم کے اقتدار سے خوف کھایا۔ یہاں تک کہ علماء کے سامنے برطانیہ نے بھی اپنے گھٹنے ٹیک دیے اور مسقط کے سلطان کی تقرری کے لیے علماء کے حق میں اپنی حمایت کا اعلان کر دیا۔ جس پر تمام علماء نورالدین السالمی کی قیادت میں اکٹھے ہوئے اور امام التقی سالم بن راشد الخروصی کے ہاتھ پر بیعت کر کے اس کی امامت کا اعلان کر دیا۔

اس کے ساتھ ہی پوری سلطنت کی ذمہ داری آپ کے کندھوں پر آگئی سامراج کے خطرے تو ٹل گئے لیکن اصل امتحان تو ان کا تھا کہ کیسے نظام امامت کو کامیاب کر کے دکھاتے ہیں تو وہ آپ نے خدا تعالیٰ کے فضل سے کامیاب کر کے دکھایا۔ آج عمان میں تمام علماء آپ ہی کے شاگرد ہیں۔ اگر ان کے اندر سامراج کے مقابلے میں قومیت باقی ہے تو صرف اور صرف ان کے سبب سے ہے۔ وہی اس آگ کو ان کے سینوں میں بھڑکانے والے ہیں اور وہی اس آگ کو گرمانے والا ہے اسی طرح انسان جب ان کے حوالے سے یہ سوچتا ہے تو تعجب میں پڑ جاتا ہے کہ کیسے اتنی تھوڑی سی عمر میں ابھی پچاس سال کی عمر بھی نہیں ہوئی تھی اور کتابوں کی ایک پوری لائبریری تصنیف کر دی ان کی عمر تھوڑی اور مختصر ہے مگر کتابیں بے شمار ہیں ان کی کتابیں دمشق میں ہمارے شیخ الجمال القاسمی کی مثل ہیں ان کتابوں میں سے چند اہم درج ذیل ہیں۔

١. (تحفة الاعيان في تاريخ عمان) دو جلدیں ایک مصر میں چھپی ہے۔

٢. (الحجج المقنعة في احكام صلاة الجمعة) یہ کتاب اپنے (شرح طلعة الشمس) اصول فقہ میں حاشیہ کے ساتھ چھپی ہے۔

٣. (شرح المسند الصحيح) امام الربیع بن حبیب الفراہیدی دوسری صدی ہجری کے ائمۃ میں سے ہیں تین جلدوں پر مشتمل ہے پہلی اور دوسری جلد ازہاد بارونیہ جبکہ پریس سے چھپی ہیں جبکہ تیسری جلد اس سال دمشق سے عمومیہ پریس سے چھاپی گئی ہے۔

۴. (سواطح البرهان) یہ ایک اہل زنجبار میں سے کسی کے سوال پر رسالہ لکھا گیا تھا (تاریکی میں دور حاضر کی ترقی)

۵. (مدارج الکمال) یہ فقہی فروعات سے متعلق بحر رجز پر تقریباً دو سو سے زیادہ اشعار پر مشتمل منظوم کتاب ہے اور یہ مختصر الخصال کتاب جو نثری شکل میں ہے اس کی منظوم شعری صورت میں لکھی جانے والی کتاب ہے۔ مختصر الخصال امام ابو اسحاق الحضرمی کی لکھی ہوئی نثر کی شکل میں کتاب ہے۔

٦. (معارج الآمال) اس ارجوزۃ منظوم کتاب کی شرح ہے۔ یہ ایک ایسی کتاب ہے جو علمی سمندر ہے اور شرعی علم میں رسوخ کے رتبے میں ہے بتایا گیا ہے کہ اس کی ١٦ جلدیں ہیں۔

۷. (غاية المراد) اصول کلام میں سے ایک متن ہے۔

۸. (مشارق انوار العقول) اصول الدین میں یہ ارجوزہ کی شرح ہے اس کتاب کی نورالدین سالمی نے ایسی سیر حاصل شرح کی ہے۔ جس کو کتب اصول میں تحقیق، تحریر اور تنسیق کے لحاظ سے درجہ ملا ہے۔ مصر میں شائع ہوئی ہے۔

۹. (انوار العقول) اصول دین میں تین سو ارجوزہ شعروں پر مشتمل ایک نایاب کتاب ہے۔

۱۰. (بهجة الانوار) یہ انوار العقول کی شرح ہے جو طلعة الشمس کے حاشیہ کے ساتھ شائع کی گئی ہے۔

۱۱. (شمس الاصول) یہ اصول فقہ سے متعلق کتاب ہے لیکن اصول فقہ کے متون کے پیش نظر یہ بہت آسان فہم ہے۔

۱۲. (شرح طلعة الشمس) یہ بھی اصول فقہ سے متعلق ہے اس کی نفاست اور اسلوب کی سلاست کو دیکھا جائے تو اس لائق ہے کہ اسے کتب اصول میں جگہ دی جائے۔

۱۳. (جوهر النظام) یہ شرعی اور دینی احکام میں منظوم ارجوزہ بحور پر تیار کردہ دس ہزار سے زیادہ اشعار پر مشتمل ہے۔

۱۴. (بلوغ الامل) یہ ارجوزہ اشعار پر مبنی کتاب ثلاثی جملوں کے اعراب سے متعلق ہے۔ یہ بھی بہت ہی نفیس کتاب ہے۔

۱۵. (الفتاوي العمانية) سات اجزاء پر مشتمل ہے جن میں سے ایک (حل المشكلات) کتاب بھی ہے۔

۱٦. (رسالة تلقين الصبيان لمدارس عمان) یہ کتاب دمشق میں عمومیہ پریس کی جانب سے شائع کی گئی ہے جو کہ بچوں بڑوں سب کے لیے نہایت ہی مفید کتاب ہے۔

۱۷۔ (المنهل الصافی فی العروض والقوافی) یہ بھی ارجوزہ تقریباً تین سو سے زیادہ اشعار پر مشتمل منظوم کتاب ہے۔

اگر کوئی منصف شخص مسند الربیع کی اس شرح کا مطالع کرے جو نورالدین اسالمی نے کی ہے۔ تو وہ دورانِ مطالعہ یہ محسوس کرے گا کہ شارح معلومات کا اپنے اندر ایک سمندر سموئے ہوئے ہے شرح بڑی واضح تعبیرات فصیح اور درست اسلوب بڑا معتدال جس میں نہ تو بے جا طوالت اور نہ ہی بے وقعت ایجاد، اختصار ہے رہی اس کی تحقیق، تخریج تو وہ اعتدال پر مبنی کسی بھی قسم کے تعصب سے ہر طرح سے محفوظ ہے۔ بلکہ اس نے دوسرے علماء سے بہت زیادہ نقل کیا ہے جیسا کہ علماء احناف، شوافع، مالکی اور حنابلہ وغیرہ۔ اسی طرح دلیل کے لیے احادیث بھی بخاری اور مسلم کی صحیحین سے اور دیگر ائمہ حدیث سے لیتا ہے۔ جیسے ابو داؤد، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ، دار قطنی، طبرانی اور بیہقی اسی طرح دیگر اہل السنت جماعت کے ائمہ حدیث وغیرہ۔

یہ اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ مشرق، مغرب میں مذہب اباضی مذاہب اہل سنت کے قریب تر ہے۔

اور شیخ سالمی عالم عمان کی شرح پر جو بھی نگاہ ڈالتا ہے ان تمام باتوں سے اس کا دل مطمئن ہو جاتا ہے جو کچھ میں نے اس شرح کے حوالے سے ذکر کیا ہے۔

ہم نے ایسے بہت کم غیر سنی مذاہب کے علماء اور لوگوں کو دیکھا ہے جنہوں نے اہل سنت جماعت کے ائمہ حدیث اور علماء سے روایات لی ہوں۔ اگر لی بھی ہیں تو بے جا تنقید کی غرض سے لی ہیں۔

میں نے اس شرح میں زیادہ تر احادیث مسند کی تخریج کے حوالے سے احادیث کا استشہاد اہل سنت کی کتب احادیث سے دیکھا ہے خاص طور پر جن کو بخاری اور مسلم نے روایت کیا ہے۔ اس سے اہل سنت جماعت کے بیٹے جو میرے بھائی ہیں ہو سکتا ہے ان کے دلوں کو اطمنان مل جائے کہ مسند الربیع کے اوپر مذہبِ اباضی کی بنیاد ہے اور وہ تمام احادیث صحیحہ کا مجموعہ ہے۔ ان میں سے اکثر بخاری اور مسلم میں بھی وارد ہوئی ہیں اور جابر بن زید ان ائمہ مشائخ میں سے ہیں جن سے امام بخاری اور دیگر نے روایت کیا ہے۔ تا کہ اباضی مذہب کے حوالے سے کوئی خدشہ باقی نہ رہے کہ یہ لوگ خوارج میں سے ہیں جیسے ازارقہ، نجدی اور صفری ہیں۔ لوگوں پر یہ بات واضح ہو جائے کہ وہ لوگ جاہل یا مذہب اباضی سے تعصب رکھتے ہیں جنہوں نے ان کو خوارج کا فرقہ گمان کر لیا ہے یا پھر ان کو اس مذہب کے حوالے سے اگاہی نہیں ہے۔ درحقیقت یہ مذہب دوسرے مذاہب کی طرح ایک مستقل معتمد فقہ کا حامل ہے اور اہل سنتجماعت کے بہت زیادہ قریب ہے۔ خوارج سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہے۔

اہل سنت کے سب سے بڑے عالم اور خوارج سے متعلق سب سے زیادہ لکھنے والے امام المُبرّد نے بھی اباضیوں سے متعلق اپنی کتاب میں جو لکھا ہے اس کی نص یہ ہے۔

(عبداللہ بن اباضی کا قول اہل سنت کے اقوال کے بہت زیادہ قریب ہے) ابن حزم نے کہا ہے:

خوارج کی سب سے بری شکل غلاۃ ہیں اور اہل حق کے قول کے زیادہ قریب اباضی ہیں۔

عبداللہ بن اباض معاویہ کا ہم عصر ہے جیسے شماخی نے تابعین میں شمار کیا ہے جو کہ جابر ین زید کے جو اس مذہب کو عبداللہ بن عباس کے شاگرِ د رشید جابر بن زید کی طرف منسوب کریں تو میری رائے کے مطابق یہ علمی حوالے سے زیادہ درست اور نسبتی حوالے سے زیادہ صداقت پر مبنی ہو گا۔

یہاں آپ کے لیے میں معتدل، منصف، شارح کی بات پیش کرتا ہوں جو اس نے اپنی کتاب (تحفة الاعیان) کے مقدمہ میں کہی ہے۔

ہم کتاب اللہ معرفتِ حق اور امانتوں کے اہل افراد کی طرف بلاتے ہیں۔ جس نے ان میں سے حق کو پہچانا اس کا اقرار کیا ہم نے اس کو اپنا والی اور رہبر مان لیا اس کا خون ہم نے حرام کر دیا ہے لیکن جس نے اللہ کے حق کا انکار کیا۔ اندھوں کو ہدایت کے مقابلے میں اہمیت دی مسلمانوں میں تفرقہ ڈالا ان کی مخالفت کی ہم نے اس سے قتال کیا اور خود سے الگ کر دیا یہاں تک کہ خدا تعالیٰ کا حکم پورا ہو جائے یہاں پھر وہ اپنی گمراہی پر ہی ہلاک ہو جائے مگر یہ گوارا نہیں کہ ہم ان کو بتوں کے پجاری بننے دیں اُن کے قیدی اور پناہ گزین اور اموال حلال نہیں ہیں نہ ہی ان کو وراثت سے محروم کیا جائے گا (جیسے کے خوارج میں سے غلاۃ) ہم اپنی قوم کو ٹکڑے ٹکڑے ہوتا نہیں دیکھنا چاہتے۔ اگر وہ گمراہ بھی ہیں اور اپنی گمراہی کو چھپائے ہوئے ہیں۔ تو ہم ان کو قتل کرنا جائز نہیں سمجھتے کیونکہ خدا تعالیٰ نے اپنی کتاب میں ایسا کرنے کا حکم نہیں دیا اور نہ ہی مسلمانوں میں سے کسی ایک نے بھی مکہ کے مستشرقین کے ساتھ ایسا معاملہ کیا تھا۔ تو ہم اہل قبلہ کے ساتھ ایسا برا معاملہ کیسے کر سکتے ہیں۔

اسی طرح ہماری قوم کی عورتیں اور ان کی وراثت اس وقت تک ہم پر حرام نہیں ہے جب تک وہ ہمارے قبلہ کی طرف رخ کرنے والے ہیں اور نہ ہی ان میں سے جو بھی اہل قبلہ ہے اس پر کوئی ایسی تہمت لگانا چاہتے ہیں جس کا ہمیں علم نہ ہو بخلاف خوارج کے جو کسی شخص کے حوالے سے جانتے بھی ہوں کہ اس نے زنا نہیں کیا تو اس پر پھر بھی تہمت لگاتے ہیں اور حد جاری کرتے ہیں وہ اس معاملے میں گمراہی میں ہیں۔

اس دور حاضر میں عمان اور مغرب (مراکش) میں خوارج میں سے معتدل اباضی مذہب باقی ہے۔ جو کتاب و سنت کو تھامے ہوئے ہیں۔ نورالدین السالمی نے بھی کہا ہے (ہم اپنے مذہب میں خدا تعالیٰ کے فضل سے کوئی غلو اپنے معاملے میں کوئی ظلم، زیادتی اور نہ ہی کوئی ایسی بات دیکھتے ہیں جو ہمیں فرقوں میں بانٹ دے۔ خدا تعالیٰ ہمارا رب ہے۔ محمد مصطفیٰ ﷺ ہمارے نبی، قرآن ہمارا امام سنت ہمارا راستہ بیت اللہ ہمارا قبلہ اور اسلام ہمارا دین ہے)۔

لہٰذا اس بات پر مسلمان کو دوسرے مسلمان بھائی پر دینی حوالے سے کسی قسم کی تہمت لگانا حرام ہے۔ کیونکہ اس طرح کے فعل سے وہ ان لوگوں میں سے ہو جائے گا جو خدا بن جاتے ہیں اور مسلمانوں پر کفر کے فتوے لگاتے ہیں۔ اس لیے ان لوگوں کو رسول پاک ﷺ نے اپنے قول مبارک سے تنبیہہ کی ہے۔(میری امت میں سے ان لوگوں کی بربادی ہو جو خدا بن جاتے ہیں یعنی اپنے قول سے خدا تعالیٰ کی ذات پر جھوٹ بولتے ہیں اور خود خدا بن کر حکم لگاتے ہیں کہ فلاں جنتی ہے اور فلاں دوزخی ہے۔ جب کہ یہ حق صرف اللہ تعالیٰ کے پاس ہے۔ لہٰذا آپ ﷺ نے ایسے لوگوں کو تنبیہہ کرتے ہوئے فرمایا ہے بربادی ہو ایسے لوگوں کی جو دوسرے مسلمانوں پر کفر کے فتوے لگاتے ہیں اور یہ کہتے ہیں کہ یہ دوزخی ہے اور یہ جنتی۔

اس مسند کی شرح سے یہ بات بھی سمجھ آتی ہے کہ شارحِ حدیثِ صحیصہ کو اور راجح اربابِ نظر کو تھامنے والا ہے۔ رسول پاک ﷺ کے اقوال اور ان شخصیات کے اقوال کو استشہاد کے لیے لیتا ہے جنہوں نے آپ ﷺ کی سنت کو تھاما اور آپ ﷺ کے اعمال مبارکہ پر عمل کیا ہے۔ وہ اس شرح میں علماء کے اقوال کی چھان بین کرتا ہے اور ان اقوال کو لیتا ہے جو حدیث میں درست اور صحیح ہیں۔ وہ ان میں سے نہیں جو حدیث کی بجائے اپنی فقہ پر عمل کرنے کو ترجیح دے شارح نے (صراط مستقیم) میں کہا ہے جب ان سے پوچھا گیا کیا کوئی مجتہد کا پیروکار اپنے مذہب کو ترک کر کے اس حدیث پر عمل کر سکتا ہے؟

اس حوالے سے متقدمین کی نظر میں حدیث پر عمل کرے گا کیونکہ حضور پاک کی ذات کو خدا تعالیٰ نے تابعداری اور فرمانبرداری کے لیے مخصوص کیا ہے۔ ان کے علاوہ جو بھی ہے جب حضور پاک ﷺ کا عمل واضح ہو جائے تب کسی غیر کے قول پر عمل کرنا معقول نہیں ہے۔

میں یہاں یہ بات کہوں گا کہ مذہب کے ساتھ اس حد تک بھی انتہا پسندی اور تعصب نہیں ہونا چاہیے کہ حدیث رسول ﷺ کی حقارت ہو جائے یا اس سے کھلی بیہودگی کا ارتکاب ہو جائے تو یہ فسق و فجور میں سے ہے۔ دین سے دوری ہے اور سیرت صحابہ اور تابعین سے خروج ہے۔

مگر جو متعصب اور ضدی ہیں اگر کوئی حدیث ان کو ایسی ملے جو ان کے مذہب کے موافق ہو تو اس کی بڑی کھلی طبعیت سے پیروی کرتے ہیں اور اگر کوئی ایسی حدیث ملے جو ان کے مذہب کے مخالفت میں ہو اور کسی دوسرے مذہب کی موافقت میں تو اس پر ان کی طبیعتوں میں قبض ہو جاتی ہے۔

﴿فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتَّىٰ يُحَكِّمُوكَ فِيمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوا فِي أَنفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوا تَسْلِيمًا﴾

"پس (اے حبیب!) آپ کے رب کی قسم یہ لوگ مسلمان نہیں ہو سکتے یہاں تک کہ وہ اپنے درمیان واقع ہونے والے ہر اختلاف میں آپ کو حاکم بنا لیں پھر اس فیصلہ سے جو آپ صادر فرما دیں اپنے دلوں میں کوئی تنگی نہ پائیں اور (آپ کے حکم کو) بخوشی پوری فرمانبرداری کے ساتھ قبول کر لیں"(۱)

یہی وجہ ہے جہاں تک میری معلومات ہیں اہل عمان کا مذہب اہل سنت کے اس لیے زیادہ قریب ہے کیونکہ وہ سنتِ نبوی ﷺ پر قائم ہے اور یہ کہ فقہ پر عمل کی بجائے حدیث پر عمل کرنے کو مقدم کیا جاتا ہے جیسا کہ اس مذہب کے بانی جابر بن زید نے عمل کیا جب ان کے شیخ عبد اللہ بن عمر ﷺ نے نصیحت کی تھی۔ جو (حجة البالغة) میں ذکر آیا ہے۔

تم بصرہ کے فقہا میں سے ہو لہٰذا فتویٰ ہمیشہ قرآنِ ناطق اور سنتِ مطاہرۃ سے دینا اگر تو نے اس کے علاوہ کچھ کیا تو ہلاک ہو جائے گا اور دوسروں کو ہلاک کرے گا۔ لہٰذا یہ بڑی معقول، مقبول بات ہے کہ ہم خدا تعالیٰ کے اس فرمان سے رہنمائی لیتے ہوئے فقہ کے مقابلے میں حدیث پر عمل کو مقدم رکھیں۔

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُولِي الْأَمْرِ مِنكُمْ ۖ فَإِن تَنَازَعْتُمْ فِي شَيْءٍ فَرُدُّوهُ إِلَى اللَّهِ وَالرَّسُولِ إِن كُنتُمْ تُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ ۚ ذَٰلِكَ خَيْرٌ وَأَحْسَنُ تَأْوِيلًا﴾

"اے ایمان والو! اللہ کی اطاعت کرو اور رسول (ﷺ) کی اطاعت کرو اور اپنے میں سے (اہلِ حق) صاحبانِ اَمر کی، پھر اگر کسی مسئلہ میں تم باہم اختلاف کرو تو اسے (حتمی فیصلہ کے لیے) اللہ اور رسول (ﷺ) کی طرف لوٹا دو اگر تم اللہ پر اور یومِ آخرت پر ایمان رکھتے ہو، (تو) یہی (تمہارے حق میں) بہتر اور انجام کے لحاظ سے بہت اچھا ہے"(۲)

---

(۱) النساء، ۴/۶۵۔

(۲) النساء، ۴/۵۹۔

ابراہیم محمد عبدالباقی کی معیت میں!

جس نے بھی استاد ابراہیم محمد عبدالباقی کی کتاب (الدين و العلم الحديث) پڑھی ہے اس کو یہ چیز محسوس ہوئی ہوگی استاد ابراہیم ایک صاف شفاف کاتب ہیں جو امتِ مسلمہ کی وحدت کے حریص ہیں اور ہر اس شخص سے بزور قوت جنگ کرنے والے ہیں جو بھی فتنے اور فرقے کا سبب بنتا ہے جیسا کہ وہ ہر اس شخص سے بھی اپنی بصیرت سے جنگ کرتا دکھائی دیتا ہے۔ جس نے کسی بدعت کو وجود دیا ہے۔ جس نے مسلمانوں کے حسین اخلاق کو تباہ کر دیا اور حسنِ خلق سے منحرف ہو گیا ہے اور بہت سے سادہ لو مسلمانوں کے عقائد گمرہ کر دیے ہیں حتی کہ ان کے دلوں میں خالص توحید کے معنی کو بھی زنگ آلود کر دیا ہے۔

انہوں نے اباضیوں سے متعلق بھی بات کی ہے مجھے اس کو یہاں پیش کرنے میں خوشی محسوس ہو رہی ہے اس نے اپنی کتاب کے صفحہ ۲۵۲ پر کہا ہے۔

خوارج کے عقائد کے حوالے سے میں یہ کہوں گا کہ مسلمانوں کے درمیان یہ بات پھیل گئی ہے کہ تمام خوارج غیر مسلم ہیں لیکن دیانت دار ناقد ان میں سے بعض کو مطلق اسلام سے نکال دینے کو درست نہیں سمجھتا کیونکہ مذہب سے نکلنے کی ان کے لیے کوئی تاویل تو ہونی چاہیے۔ ان میں سے بعض زہد ورع اور عباد گزار ہیں جن کی عبادت اور زہد ورع سے کتب کے پیٹ بھرے پڑے ہیں۔ یہاں اگر قلتِ وقت کا خوف نہ ہوتا تو میں پوری تفصیل سے ان کے حوالے سے بیان کرتا اور ان کی حقیقت کے حوالے سے بحث کرتا، نقاب کشی کرنا ان افراد کے ایک گروہ کے رہنما سے میں ملا جس کے پاس ان کے حوالے سے بہت زیادہ معلومات تھیں۔ اس گروہ کے مذہب کو اباضی کہا جاتا ہے۔

اس رہنما کو ابو اسحاق ابراہیم اطفش کا نام دیا جاتا ہے جو کہ دارالکتب مصری میں ایک ملازم ہے اس نے میری ان کے حوالے سے ریسرچ میں بڑی معاونت کی اس نے درج ذیل بات کہیں۔

اس مختصر مقدمہ کے بعد استاد ابراہیم نے اس فصل کو ذکر کیا جو ابو اسحاق اطفش نے خوارج کے حوالے سے لکھی تھی ہم اس فصل کو اس کتاب میں خوارج سے متعلق مختصر تعارف کے عنوان کے تحت پائیں گے اس کے بعد استاد ابراہیم نے درج ذیل کہا!

استاد ابو اسحاق ان مذاہب کے حوالے سے بات کرنا چاہتا ہے جو متعفن ہو چکے ہیں اور وہ پھر بھی اپنے مذہب سے چمٹے ہوئے ہیں چاہے دوسرا مذہب حق پر بھی ہو وہ اس کو اپنانے کی بجائے اپنے مذاہب کو چھوڑنا نہیں چاہتے۔ یہ بہت بڑی مصیبت ہے جو قدیم اور جدید ہر دور میں مسلمانوں کو لاحق رہی ہے۔ حالانکہ حق ہی پیروی کا مستحق ہے اور جو بھی منصف ہے وہ ہمیشہ حق کے ساتھ چلتا ہے۔ جدھر بھی اہل حق چلیں ایک منصف اور حق پرست شخص ہمیشہ حق اور اہل حق کے ساتھ رہتا ہے۔ حضرت عمر فاروق ﷛ کبھی بھی کوئی فیصلہ کرنے لگتے تو سب سے پہلے قرآن مجید سے دیکھتے اگر حل مل جاتا تو

فیصلہ فرمادیتے اگر قرآن کریم سے نہ ملتا تو حدیث رسول ﷺ کی طرف رجوع کرتے اگر وہاں سے بھی نہ ملتا تو علماء کو اکٹھا جمع کرتے وہ ملکر اس کا کوئی حل دیتے اگر کسی مسئلہ کے حوالے سے وہ تمام علماء کا اتفاق ہو جاتا تو آپ اس فیصلے کو لاگو کر دیتے اب لوگوں نے اسی بات کی مخالفت کر دی ہے۔ اب لوگ کتاب اللہ، سنتِ رسول کو نہیں بلکہ صرف اپنے مذہب کی پیروی کرتے ہیں بے شک ان کا مذہب خلافِ سنت ہی کیوں نہ ہو مجھے استاد ابو اسحاق نے بتایا کہ اباضی مذہب زیادہ تر جنوبی جزائر (وادی میزاب) تونس میں (جزیرة جربی) لیبیا میں جبل نفوسہ اور یمن میں (زنجبار، عمان) کثرت سے پھیلا ہوا ہے۔ اس اعتبار سے کہ نظام بیعت ان کے اندر ویسا ہی پایا جاتا ہے۔ جیسا نظام بیعت خلفاء راشدین کا ہوتا تھا۔

اس مختصر تعلیق کے بعد استاد ابراہیم استاد مصطفیٰ الشکعہ کے مقالات میں سے چند ٹکڑے نقل کرتا ہے جن کو ہم اس کتاب کی ایک مستقل فصل میں بیان کریں گے۔ استاد ابراہیم نے ابو اسحاق اور مصطفیٰ الشکعہ کے مقالات کے بیان کے بعد کہا ہے میں نے اپنی ریسرچ کے حوالے سے اِن کی کتب کی ورق گردانی کی جو درج ذیل ہیں:

۱. (جوهرالنظام في علمي الاديان والاحكام)

امام نورالدین ابو محمد عبداللہ بن حُمید بن سلوم السالمی العمانی آپ کی اس پر تعلیق بھی ہے (۱۲۸۶-۱۳۳۲ھ)

۲. (شامل الاصل والفرع) محمد بن یوسف اطفیش

۳. (جامع اركان الاسلام)

شیخ علامہ سیف بن ناصر بن سلیمان الخروصی آداب پریس کی جانب سے ۱۳۳۱ھ میں پہلی بار شائع کی گئی۔

۴. (مشارق انوارالعقول)

اس کتاب کو محروسہ پریس سے ۱۳۱۴ھ میں محترم حمود بن محمد بن سعد سلطانِ زنجبار نے شائع کروایا۔

۵. (الواضع)

اصول اور فقہ میں مختصر کتاب جس کے مصنف امام ابوذکریا یحیی بن ابو الخیر الجنّاونی اس کی نشرواشاعت استاد ابو اسحاق ابراہیم اطفیش نے کی اور اس پر تعلیق بھی لگائی جو کہ پریس فجالہ سے شائع ہوئی۔

ان کتابوں کا مطالعہ کرنے کے بعد میں نے جو نتیجہ نکالا وہ درج ذیل ہے:

۱. اللہ تعالیٰ مطلق ہر چیز سے پاک ہے متشابہہ اشیاء کی تاویل خدا تعالیٰ کی شان کے مطابق کرتے ہیں۔ جیسے ہاتھ جس کی تاویل کرتے ہیں کہ اس سے مراد اس کی قوت ہے اور بعض اوقات اس سے مراد نعمت بھی ہوتی ہے ان کا مذہب محکم اور متشابہات کے حوالے سے دوسروں سے بالکل مختلف ہے۔

۲. رؤیت الٰہی کے حوالے سے اس مذہب کی تحقیقات کے مطابق کہتے ہیں کہ دنیا آخرت کہیں بھی ممکن نہیں اور یہ خدا تعالیٰ کے کمال میں سے ہے کیونکہ اس کی رؤیت مخلوق سے مشابہت پر دلالت کرتی ہے وہ قرآن پاک کی اس آیت سے استدلال کرتے ہیں۔

﴿لَّا تُدْرِكُهُ ٱلْأَبْصَٰرُ وَهُوَ يُدْرِكُ ٱلْأَبْصَٰرَ ۖ وَهُوَ ٱللَّطِيفُ ٱلْخَبِيرُ﴾

"نگاہیں اس کا احاطہ نہیں کر سکتیں اور وہ سب نگاہوں کا احاطہ کیے ہوئے ہے، اور وہ بڑا باریک بین بڑا باخبر ہے"(۱)

جو حدیث رسول ﷺ میں آیا ہے وہ قرآن کریم کی مخالفت نہیں کرتا کیونکہ وہ خبر آحاد ہے اور خبر آحاد ظن کا فائدہ دیتی ہے اور عقائد میں ظن پر دلیل قائم کرنا درست نہیں ہے اس آیت میں (محجوبوں) کی تفسیر بیان کرتے ہیں۔

﴿كَلَّآ إِنَّهُمْ عَن رَّبِّهِمْ يَوْمَئِذٍ لَّمَحْجُوبُونَ﴾

"حق یہ ہے کہ بے شک اس دن انہیں اپنے رب کے دیدار سے (محروم کرنے کے لیے) پس پردہ کر دیا جائے گا"(۲)

کہ اس سے مراد ہے رؤیت خدا تعالیٰ نہیں ہو گی۔

۳. خدا تعالیٰ کی صفات ذاتی ہیں قائم بزاتہ نہیں ہیں۔

۴. کسی بھی اہل قبلہ پر کفر کا حکم نہیں لگائے جب تک کہ وہ عقائد اسلامیہ سے خالی نہ ہو جائے جیسا کہ دین میں ان چیزوں کا انکار کرنا جو لازمی اور ضروری ہیں۔ اسی طرح انسان خدا تعالیٰ کی کسی صفت کا انکار یا پھر کسی نبی کا انکار یا قرآن کریم کے کسی حرف کا انکار کر دے تو گویا اس نے دینی عقائد کی مخالفت اور انکار کر دیا۔

۵. قرأت سبع ان کی نظر میں متواترہ ہیں۔

۶. اپنے قول سے مذہب اجتہادی کی تعریف کچھ یوں بیان کرتے ہیں۔ مذہب سے مراد ایک فرقے کا دوسرے فرقے سے فروعات میں اختلاف کرنا جس پر کوئی گناہ نہیں ہے۔ آزادی رائے اور آزادی مذہب ضمانت یافتہ ہیں اور یہ کہ خلافت اہل حل وعقد کے پاس ہی ہونی چاہیے وہی اس کے مستحق اور اہل ہیں۔

۷. کبیرہ گناہ کا مرتکب ان کے نزدیک مشرک نہیں ہے اسی طرح جنتی ہمیشہ جنت میں اور دوزخی ہمیشہ دوزخ میں رہیں گے۔ کیونکہ وہ ہمارے عقیدے کی مخالفت کرتے ہیں۔ جو مومنین میں سے عاصی ہے وہ جہنم میں کچھ وقت

---

(۱) الانعام، ۶/۱۰۳۔

(۲) المطففین، ۸۳/۱۵۔

کے لیے جائے گا تاکہ گناہ سے پاک ہو سکے کیونکہ گناہ ایک نجاست ہے اور جنت پاک ہے۔ لہٰذا جنت میں پاک اور مطاہر ہی داخل ہوگے۔

8. وہ فقہ کی بعض فروعات میں ہمارے عقیدے کی مخالفت کرتے ہیں جیسا کہ نماز میں تکبیرات کے وقت رفع یدین کرنا، سجدہ تلاوت کے وجوب کے حوالے سے اس طرح کے دیگر مسائل میں جن کا اجماع سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

استاد تنوخی اور ابراہیم عبدالباقی کی معیت میں

اے محترم قاری میں نے تمہارے سامنے وہ سب کچھ پیش کر دیا ہے جو استاد التنوخی اور ابراہیم عبدالباقی نے اباضیوں سے متعلق جو بھی کہا تھا میں نے ان کے کلام کی بعض نصوص کو بھی نقل کیا ہے اسی طرح میں نے یہ بھی بتایا ہے کہ وہ اپنی ریسرچ میں جس منہج اور اسلوب پر چلے ہیں وہ بالکل فرقوں سے متعلق لکھنے کے لیے مناسب ہے جو بھی شخص کسی فرقے سے متعلق لکھنا چاہے تو اسے اسی منہج پر چلنا چاہیے وہ اسلوب یہ ہے کہ کسی فرقے کے باطل یا حق پر ہونا یا صدق امانت سے متصف کرنے کے لیے اسی فرقے کی مصادر اور کتب پر اعتماد کرنا چاہیے۔ اگر کوئی شخص کسی فرقے سے متعلق ریسرچ اور تحقیق کرنا چاہتا ہے حق باطل کا حکم اس پر لگانا چاہتا ہے تو اُسے اس فرقے کی ہی کتابوں پر اعتماد کرنا چاہیے نہ کہ ان کے مخالفین کی کتابوں پر اعتماد کرے۔ کیونکہ جو اس فرقے کا مخالف ہے تو یہ فطری بات ہے وہ اس کے بارے میں فسادی اور غلط موقف ہی لکھے گا۔ دشمنی پر مبنی موقف ہوگا اس میں حق کی بات نہیں ملے گی۔ یہ وہ بنیادیں ہیں جن پر کوئی کاتب اپنی گفتگو اور تحقیق کی بنیاد استوار کرے ان کے اقوال اور آراء کو ان کی کتابوں سے بغیر کسی تحریف اور تنقیص، ابہام اور تدلیس کے بیان کرے۔ ان میں کسی قسم کا غوض یا ابہام پیدا نہ کرے۔

اس درست منہج پر استاد التنوخی اور ابراہیم عبدالباقی چلے ہیں انہوں نے اباضیوں کی کتب اور مصادر مراجع پر چلتے ہوئے اباضیوں سے متعلق لکھا ہے۔

یہی وجہ ہے کہ ان کی کتابت سابقہ متقدمین اور متاخرین علماء کی خرافات اور جعل سازیوں سے پاک ہے۔ اسی طرح اس بے جا خلا اور غیر مصدقہ اقوال آراء سے بھی ان کی کتاب محفوظ ہے جو غیر مصدقہ اقوال سابقہ علماء سے لے کر بیان کیے ہیں۔ قدماء نے جن پر مقدس کپڑا ڈال دیا ہے تاکہ کلمہ حق کے اعلان کی ذمہ داریوں سے آزاد ہو جائیں۔

جو کچھ ان دونوں نے بیان کیا ہے اگر اس کی طرف رجوع کیا جائے تو ایسا محسوس ہوتا ہے کہ اب وہ مزید کیس جائزہ اور تحقیق کا محتاج نہیں ہے سوائے ایک نقطے کے اور وہ نقطہ یہ ہے کہ اِن سب نے اپنے موقف میں اس بات کا ذکر کیا ہے کہ اباضی خوارج کا فرقہ ہیں۔ ہم اس حوالے سے اُن کو خطاوار نہیں ٹھہراتے بلکہ یہ کہتے ہیں یہ ایک تاریخی گندگی ہے۔ جو اس طرح کے جھوٹے دعوں کو اس قدر باوثوق انداز سے بیان کرتی ہے کہ وہ جھوٹ بھی حقیقت محسوس ہونے لگا تھا۔

یہاں تک کہ کہ خود اباضیوں پر بھی یہ فریبی چال چلی گئی۔ ان میں سے بعض قدماء اور بعض متاخرین بھی یہ سمجھنے لگے کہ وہ خوارج میں سے ایک فرقہ ہے۔ لہٰذا استاد التنوخی اور ابراہیم عبد الباقی نے ان کو اگر خوارج کے فرقے سے خاص کیا ہے۔ تو ان کا کوئی قصور نہیں۔ یہ تو تاریخی جعل سازیاں اور جھوٹے دعوے ہیں۔ جن کے پیچھے فریبی تعصب پر مبنی سیاسی چالیں تھیں۔ جنہوں نے اس جھوٹ کو اس پختہ انداز سے پیش کیا کہ وہ حقیقت لگنے لگا۔

بلکہ مجھے بعض تاریخی متخصص نوجوانوں کے بارے میں یہ اطلاع ملی ہے کہ وہ خود پر فخر کرتے ہیں اور عزت محسوس کرتے ہیں کیونکہ وہ خوارج سے تعلق رکھتے ہیں۔ خارجی ہونا اُن کے لیے قابلِعزت چیز ہے کیونکہ وہ تاریخی حادثات اور واقعات سے اگاہی حاصل کرنے کے بعد خوارج کے حوالے سے یہ سمجھے ہیں کہ وہ تاریخ کے ہر دور میں ظلم، فساد کے خلاف ہمیشہ ڈٹ کر مقابلہ کرتے رہے۔ لہٰذا آج کے نوجوان ان سے نسبت رکھنے کی وجہ سے خود عزت دار محسوس کرتے ہیں کیونکہ تاریخ یہ بتاتی ہے کہ وہ ہمیشہ بہادری سے ظالموں جابروں کا مقابلہ کرتے رہے کسی کے سامنے جھکے نہیں۔ یہی اسباب ہیں جن کی بناپر نوجوان خارجی ہونے پر فخر کرتے ہیں۔ یہ وہ انقلابی صورت ہے جو آج کے نوجوانوں کو تاریخ میں حکمرانوں کے ظلم وستم کا مقابلے کرنے والے نوجوانوں سے متاثر کرتی ہے وہ نوجوانوں جن کو فاسد، ظالم حکمرانوں کے ظلم وستم کے حالات نے اپنا لقمہ اجل بنایا تھا۔ وہ شہید ہوگئے۔ لیکن ان کے سامنے ڈٹے رہے جھکے نہیں ہمیشہ ظالموں کے سامنے مقابلہ کرتے رہے یہ وہ انقلابی صورت ہے جو صرف خوارج، اباضی یا کسی مخصوص فرقے سے خاص نہیں ہے یہ انقلاب ظلم وستم اور بد عنوانی کے خلاف تھا اور یہ وہی راستہ ہے جس کو اسلام لے کر آیا۔ یہ اسلامی تعلیمات کا آئنہ دار ہے۔ اسلام نے اسی منہج اور راستے کی طرف مسلمانوں کو دعوت دی ہے اور تمام مسلمانوں نے بھی اسی راستے کی طرف لوگوں کو بلایا ہے۔ اس راسے اور منہج پر تاریخ کے مختلف ادوار میں قائم بھی رہے ہیں۔ کبھی بھی زبانیں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر سے خاموش نہیں رہیں نہ ہی ہاتھ کسی کو ظلم سے روکنے کے لیے رُکے ہیں۔

اسی طرح تمام مذاہب اسلامیہ کی طرف سے ہر ظالم بادشاہ کو ہر دور میں میں مزاحمتوں کا سامنا رہا ہے یہاں تک کہ ان ائمہ کے پیروکار بھی ان ظالموں کا مقابلہ کرتے رہے اور سامنے جھکے نہیں جو آئمہ خود اپنی زندگیوں میں لوگوں کو تشدد کے استعمال اور فتنے سے ڈراتے رہے جو بادشاہ کے ظلم کو برداشت کرنا گوارا کر لیتے تھے۔ لیکن یہ پسند نہیں کرتے تھے کہ کوئی فتنہ پیدا ہو یا امت اسلامیہ میں کوئی واقعات رونما ہوں یا پھر خواہ مخواہ لوگوں کا خون بہے لیکن اُن کے پیروکار بھی صبر نہ کر سکے جب ظلم کی انتہا ہو گئی تو وہ بھی ظالم حکمرانوں کے خلاف نکل پڑے انہوں نے بھی ان ظالموں کا خون بہایا جنہوں نے اپنے ہاتھوں سے مظلوم بے گناہ لوگوں کا خون بہایا تھا۔

آپ اس ظلم کا مظاہرہ اس ظلم وستم پر قائم ہونے والی حکومت کے ہاں کر سکتے ہیں جو خلافت راشدہ کے بعد بزور بازو قائم کی گئی اور خلافتِ اسلامیہ پر قبضہ کر کے اُسے ظلم وجبر کی سلطنت بنا دیا گیا تھا جسکو رسول پاک ﷺ نے (ظلم وجبر کی ریاست) کا نام دیا تھا۔ اگر چہ ان ظالم حکمرانوں نے خود کو ہمیشہ امیر المومنین کے طور پر ہی پیش کیا۔ نام کی حد تک خلافت کا

نام ہی دیتے رہے اور خود کو مسلمانوں کا امیر المومنین ہی کہلاتے رہے مگر یہ سب ظاہری طور پر تھا۔ حقیقت میں ایک ظلم و جبر کی سلطنت قائم کر چکے تھے۔ خلافت راشدہ کے نظام سے کلیتاً ہٹ چکے تھے۔

اباضی بھی دوسرے مذاہبِ اسلامیہ کی طرح ہمیشہ منحرف حکام کو کڑی تنقید کا نشانہ بناتے رہے اور ہمیشہ امور سلطنت کی باگ ڈور احکام اسلام سے مقید کرنے کا مطالبہ کرتے رہے تھے اور یہ کہ اسلامی سلطنت کے نظام کو خلافت راشدہ کے طریق پر منظم کیا جائے۔ وہ خلفاء راشدین جن سے خدا اور وہ خدا کے رسول ﷺ راضی ہو گئے تھے اور یہاں تک کہ امتِ اسلامیہ بھی ان سے راضی ہو گئی تھی۔

یہاں ہمارے نوجوان بھائیوں پر یہ بات واضح ہو جانی چاہیے کہ اباضی اس وجہ سے ظالم حاکموں کو اپنی کڑی تنقید کا نشانہ بنایا کرتے اور بعض اوقات ان کے خلاف قتال بھی کرتے تا کہ اسلامی خلافت دوبارہ سے قائم کر سکیں اور نظام امامت کو بحال کر سکیں۔ جو خلفاء راشدین کا راستہ تھا۔ اس مقصد کی خطر ان کو ظالموں کے مقابلہ میں تشدد بھی اختیار کرنا پڑتا تا کہ ظالم حکمرانوں سے ریاست اسلامیہ کو آزاد کرایا جا سکے اور پھر سے نظامِ امامت، خلافت بحال کیا جا سکے۔

اس ساری صورت حال اور معاملے کو صرف خوارج سے ملحق نہ کیا جائے نہ ہی سب کو ایک ہی کالم میں ڈھالا جائے اور نہ ہی ان کو ایک الگ فرقہ سمجھا جائے بلکہ اس عمل میں تمام اہلِ حق مسلمان کی مجموعی کاوشیں ہیں۔ جب امیوں نے خلافت راشدہ کو ختم کر کے اسلامی ریاست پر ظلم و جبر کی حکومت قائم کی اور اُسے نظام اسلام سے پھیر کر ظلم و جبر کی سلطنت کر طرف موڑ دیا۔ اس کے سبب ایک بہت بڑا گہرا کھڈا امتِ اسلامیہ کی زندگی میں واقع ہوا اور سب متردد ہو گئے۔ پھر ان سب کا اس ظلم و ستم کے گہرے کھڈے سے باہر نکلنا امر صعب ہو گیا اس کی بہت سی زندہ مثالیں تابعین اور تابع التابعین بلکہ بقیہ صحابہ کرام ﷺ سے ملتی ہیں۔ وہ تمام ظلم و ستم اور فساد کے خلاف سب سے زیادہ بغاوت کرنے والے تھے۔ اس ظلم و جبر کی ریاست کے خلاف خروج کرنے والے تھے۔ جس کو خلافت راشدہ سے ظلم کی طرف موڑ دیا گیا تھا۔ اصحاب دنیا جس ریاست پر قبضہ کرنے کی غرض سے جنگ اور خون ریزی کرتے تھے۔ اس راستے میں بہت نامور شخصیات نے جام شہادت نوش کیا ہے۔ اس کے باوجود انہون نے خود کو خوارج کا نام نہیں دیا اور نہ ہی اس نام سے اپنی عزت افزائی سمجھی ہے اور نہ ہی ان کے پیروکار اس نام یا اس لقب سے کبھی متاثر ہوئے ہیں۔

میرے لیے ان نامور عظیم شخصیت جنہوں نے ظلم اور ظالموں کے خلاف بغاوت کی ہے ان کا ظلم قبول نہیں کیا شہید کربلا نواسہ رسول ﷺ امام عالی مقام علیہ اسلام کی مثال ہی کافی ہے۔ عبداللہ بن زبیر دو دوپٹوں والی حضرت ابو بکر صدیق ﷺ کی بیٹی حضرت اسماء ﷺ کے جانشین، صاحبزادے سعید بن جبیر، زید بن علی بن حسین وغیرہ۔ ان میں سے ہر ایک امت اسلامیہ کے لیے بہترین مثال ہے جو ظلم جبر کے خلاف کھڑے ہوئے۔ ظالم حکمرانوں کے سامنے نہیں جھکے۔ بلکہ ان کا مقابلہ کرتے رہے یہاں تک کہ جام شہادت نوش کر لیا۔ اگر محترم قاری ان تمام شخصیات کی فہرست تیار کرنا چاہے جنہوں نے تاریخ کے ہر دور میں ظالموں کا مقابلہ کیا بعضوں کو کامیابی اور فتح حاصل ہوئی اور بعضوں بظاہر کو شکست بھی ہوئی۔

ظالموں کے مقابلے میں ان کا خون بھی بہا تو کئی جلدیں بن جائیں گی لیکن اُن کے نام ختم نہیں ہوں گے۔ ان مجلدات میں اباضیوں کا بھی میں ایک وافر حصہ پائے گا لیکن امتِ اسلامیہ کے شاہینوں کی کتاب کی کوئی بھی جلد ان اباضیوں سے خالی نہیں ملے گی۔ ہر جلد میں زیادہ نہیں تھوڑا ہی سہی مگر ذکر ضرور ملے گا کوئی بھی جلد ان سے خالی نہیں رہ سکتی۔

ابتداء سے ہی ان تمام بہادروں نے کبھی بھی اسلامی حکمرانوں کے خلاف تشدد کا راستہ نہیں اپنایا اور نہ ہی لوگوں کے حوالے سے اس چیز کو حلال کیا ہے۔ جیسے اسلام نے حرام کیا تھا۔ کلمہ توحید نے تمام مسلمانوں کی عزت آبرو اور خون کو محفوظ رکھا۔ یہ تمام امتِ اسلامیہ کے بہادر سپاہی اہل حق جن کی ابتداء نواسہ رسول ﷺ سے ہوئی اور پھر ایک تسلسل سے تاریخ کے مختلف ادوار میں ان کی پیروی کرتے چلے آئے۔

یہی نقطہ انقلابیوں اور خارجیون کے درمیان حدِ فاصل ہے۔ انقلابی کبھی بھی اسلامی حکمرانوں کے خلاف نہیں کھڑے ہوئے اور نہ ہی کبھی بے گناہ معصوم لوگوں کی جان لی ہے اور نہ ہی کسی کی عزت آبرو کو تار تار کیا ہے۔ کیوں ان سب کو اسلام نے حرام قرار دیا ہے صرف ظالموں کے خلاف کھڑے ہوئے ہیں۔ ان کے ساتھ قتال کیا ہے جبکہ خوارج وہ ہیں جنہوں نے شدت پسندی اور تشدد کے راستے پر جب چلے تو اس حد تک چلے کہ انہوں نے معصوم ابریاء لوگوں کے خون بھی بہایا اور ان اموال اور عزتوں کو لوٹنا حلال جانا جن کو حکم خدا سے محفوظ کیا گیا تھا جو ان پر حلال نہیں تھا۔ لہٰذا ہمیں آج کے دور حاضر میں تاریخ کے ان حادثات اور واقعات کو انقلاب کا نام دینا چاہیے نہ کہ انتہا پسندی اور بغاوت کا دیا جائے۔

مثلاً عبد اللہ بن زبیر ایک ظالم ریاست اور جابر حکمرانوں کے خلاف کھڑے ہوئے انہوں نے بغاوت کی ایک قائم شدہ ریاست کی لیکن ان کو خارجی کا نام نہیں دیا جائے گا اور نہ ہی وہ خود کو خارجی کہلائیں گے نہ ہی ان کے پیروکار یہ لقب پسند کریں گے۔ یہاں تک ان کے مخالفین میں سے کوئی ایک بھی ان کو خارجی کہنے کی جرأت نہیں کرے گا۔

اے دیکھنے والے آخر کیوں ان کو خارجی نہیں کہا جائے آخر کیوں؟ کیونکہ لفظ خوارج سے مراد یہ ہے کہ کوئی قائم نظام کے خلاف بغاوت کرے لیکن وہ اس نظام سے کوئی سروکار نہ رکھے کہ یہ نظام عدل ہے یا ظلم کا نظام ہے۔ بلکہ وہ اپنے ہر مخالف کا خون بہانا اس کے مال اور عزت کو حلام سمجھے اور اپنے مخالفین کو مشرک سمجھتے ہوئے ان پر کفر کے فتوے لگائے گا۔ جہاں تک ممکن ہو اوہ ان تمام چیزوں کا ان پر نفاذ کرے گا یہ تمام پر غندہ افکار آراء اور صیفات عبد اللہ زبیر رضی اللہ عنہ کی سیرت میں نہیں تھے۔

لہٰذا ہم ان کو انقلابیوں کی فہرست میں شمار کریں گے نہ کہ خارجیوں کی فہرست میں کیونکہ وہ انقلابی تھے خارجی نہیں تھے۔ وہ خوارج جیسا معاملہ نہیں کرتے تھے نہ ہی اپنے غیر پر شرک کا حکم لگاتے تھے نہ ہی ان کا جان مال عورتوں بچوں کو قیدی بنانا اور نہ ہی ان کا خون بہانا وہ حلال سمجھتے تھے۔ جو ان کے مدِ مقابل آیا ہی نہیں اس پر سے اسلحہ اٹھا لیتے تھے بلکہ وہ یہ دیکھتے تھے کہ تمام مسلمان آپس میں بھائی بھائی ہیں۔ وہ اپنے انقلاب کو صرف ظالموں جابروں کے خلاف مخصوص کرنے والے اور پکڑ دھکڑ کرنے والے لشکر کے خلاف اسی طرح ہر اس شخص کے خلاف ان کا انقلاب تھا جو ظلم کے حامیوں کو

ثابت قدمی دینے کی کوشش کرتے تھے۔ بس یہی موقف ہم باقی اسلامی تاریخ کے اور ظلم فساد کے ادوار میں کھڑے ہونے والے انقلابیوں اور مجاہدوں کے لیے رکھتے ہیں۔ ان میں سے کسی نے بھی یہ لقب پسند نہیں کیا اور نہ ہی لوگوں میں سے کسی نے ان کو دیا ہے۔

یہاں ہم مجاہد اور خارجی کے درمیان مزید فرق واضح کرنے کے لیے یہ بات بھی کرتے ہیں کہ خارجی وہ افراد ہیں جو سلطنت، حکومت کے خلاف کھڑے ہوئے قائم حکومت کی خلاف ورزی کی لیکن ان کا حقیقی ارادہ ظلم کو دور ہٹانا نہیں تھا۔ بلکہ حکومت حاصل کرنا مقصد تھا اسی طرح وہ مسلمانوں کو مشرکین کی صفوں میں ڈالتے ہیں اور ان کی ہر اس چیز کو حلال اور مباح کرتے ہیں جس کو کلمہ توحید کی گواہی اور اقرار کی بدولت خدا تعالیٰ نے حرام کیا ہوا ہے۔

ظلم اور ظالموں اور نظام حکومت کے اندر فتنہ، فساد کے خلاف جہاد کرنا مسلمان کے واجبات میں سے ہے۔ یہی وہ مبداء ہے۔ جس پر تمام مسلمانوں کے ائمہ مختلف مناہج اور طرق کے ساتھ چلے۔ ان میں سے کچھ ایسے تھے جنہوں نے یہ جہاد اپنی زبان سے کلمہ حق بول کر کیا۔ کچھ نے اپنی تحریک کے آغاز سے ہی اپنے ہاتھ کو تلوار کی طرف بڑھادیا۔ کچھ ایسے تھے جنہوں نے زبان اور تلوار دونوں سے ایک ساتھ جہاد کیا اور کچھ ایسے بھی تھے جنہوں نے ظالموں جابروں کے خلاف غیر مباشر موقف اپنایا اور یہ ایسے کہ صرف ظلم کو تنقید کا نشانہ بنایا۔ قطع نظر اس کے کہ اس ظلم سے متصف کون ہے اور بعض اوقات ظلم اس حد تک سنگین ہو گیا کہ اس نے ہاتھوں کو قید کر دیا اور منوں کو بند کر دیا لیکن اس سب کے باوجود لوگوں کے سینوں میں ایک غیر محسوس انقلاب موجزن ہو گیا یعنی کچھ لوگ ایسے بھی تھے جو اپنے دل میں ظالموں، جابروں اور انکے ظلم کے خلاف نفرت رکھتے تھے اور ایک پوشیدہ انقلاب ان کے سینوں میں تھا۔ ظاہری طور پر مجبور تھے اندر سے اُنکے خلاف تھے اور نفرت کرتے تھے وہ سینوں میں چھپا ہوا انقلاب ایک دن ایسا لاوا بن کر پھوٹا کہ ظالموں اور ان کے ظلم کو باوجود لمبے عرصے کے تباہ کر دیا یہاں تک کہ ان کو خس، خاشاک کی طرح بہا کر لے گیا۔

جب خوارج نے اپنے نظریہ اور اعتقاد کے مطابق ظلم اور نظام خلافت نظام شوری سے نکل کر ایک امریت کی طرف منتقل ہوتا ہے۔ دیکھا تو اس کے خلاف بغاوت کر دی لیکن ان کا یہ انقلاب اور بغاوت صرف فاسد نظام حکومت تک ہی خاص نہیں رہا بلکہ انہوں نے انتہا پسندی کی حد کر دی یہاں تک کہ مسلمانوں پر کفر و شرک کے فتوے لگانے لگے۔

مسلمانوں کی وہ چیزیں اور امور مباح کیے جو خدا تعالیٰ نے کفار کے ساتھ خاص مباح کیے تھے۔ لہٰذا اس انتہا پسندی کی وجہ سے وہ انقلابی اور جہادی وصف سے نکل کر وصف خارجی سے متصف ہو گئے۔ جس کا معنی ہے دین سے خروج یعنی وہ اس تمام مسلمانوں کے مجموعے سے نکل گئے جو حقیقی طور پر حق کی تائید کرتے رہے تھے۔ اگرچہ اپنے دلوں میں پوشیدہ رکھتے ہوئے ہی سہی مگر ان کی تائید حق کے ساتھ تھی یعنی اخلاقی تعاون حق کے ساتھ تھا یہ خوارج تو مسلمانوں کے اس مجموعے سے بھی نکل گئے ہیں جو تلوار ہاتھ میں لے کر کسی بھی طرح کے جہاد میں شریک نہیں ہوئے تھے۔ یہ خوارج ایک الگ تھلگ

ایسا فرقہ بن گئے جن سے امتِ اسلامیہ کے کسی فرقے کا کوئی تعلق نہیں ہے۔ کیونکہ خوارج وہ ہیں جنہوں نے امتِ مسلمہ پر کفار مشرکین کے احکام جاری کیے ہیں۔

یہ تمام اسلامی فرقے ان کی نگاہ میں کفار ہیں چاہے اس بنا پر کہ وہ ظالموں کے ساتھ رہے یا پھر اُس ظلم، جبر کی حکومت کے تحت اپنی رضامندی سے باقی رہے۔ لہٰذا پھر رد عمل کے طور پر امت اسلامیہ نے بھی ان خوارج پر ایک انتہا پسند اور شدت پسند فرقے کے طور پر ان پر حکم لگایا۔ خوارج ان پر خارجیت کے لفظ کا اطلاق کر دیا اس کا معنی یہ ہے کہ جو بھی اس مذہب پر ہے وہ دین اسلام سے خارج ہے اس بات پر کہ اس فرقے کے مسلمانوں پر شرک کے احکام لگاتے ہوئے ان کے ساتھ وہ معاملہ کیا ہے جو کہ مشرکین کے ساتھ کیا جاتا ہے۔ اس طرح امتِ اسلامیہ اور ان کے درمیان مسافت طویل ہو گئی شگاف اور زیادہ وسیع ہو گیا۔

مختصر یہ کہ خوارج کے نزدیک ظالم حکمران اور ان کی جو بھی مدد کرنے والا ہے یا ان کے ظلم پر راضی ہے یا پھر ان کے سامنے خاموش ہے وہ تمام کفار ہیں۔ ان کی عورتیں بچے، اموال اور خون مباح ہیں۔ جبکہ امتِ اسلامیہ کے دیگر تمام فرقے یہ نظریہ رکھتے ہیں کہ خوارج کفار ہیں کیونکہ انہوں نے مسلمانوں کو کافر بنایا ہے اور مسلمانوں پر کفر کے فتوے جاری کیے ہیں۔

یہاں میں محترم قاری کی توجہ ایک سوال کے طرف دلانا چاہتا ہوں وہ یہ ہے کہ:

کب اور کیسے ایک فرد یا گروہ کو خارجی اعتبار کیا جائے گا؟

اس سوال کا درست جواب اباضیوں کی نسبت موقف کو محدود کرتا ہے اور ان کو فطری طور پر باقی مذاہب اسلامیہ کے اندر جگہ دیتا ہے اور ان کو ان کے فطری اور حقیقی مقام دیتا ہے۔

ہم نے اس بات کو واضح کر دیا ہے کہ مطلق کوئی بھی اگر کسی ظلم کی حکومت کے خلاف کھڑا ہوتا ہے تو اس پر خارجی کا حکم نہیں لگایا جائے گا اور نہ ہی خوارج کے تمام اعمال اس کے کندھوں پر ڈالے جائیں گے اور نہ ہی کوئی ایسا فعل اس پر مسلط کر دیا جائے گا جسے تاریخ نے خوارج پر مسلط کیا تھا۔ وہ احکام جن کو خوارج نے اپنے غیروں پر جارے کیے تھے۔ اہل امصار حضرت عثمان غنی ؓ کے خلاف نکلے ان پر کسی نے خارجی کا حکم نہیں لگایا۔ حالانکہ وہ دیکھا جائے تو ایک خلیفے کے خلاف نکلے تھے۔ اسی طرح حضرت عائشہ ؓ، حضرت طلحہ ؓ اور حضرت زبیر ؓ امام علی ؑ کے خلاف نکلے وہ بھی چوتھے خلیفے تھے کسی نے بھی ان پر کبھی خارجی ہونے کا حکم نہیں لگایا۔ اسی طرح معاویہ امیر المومنین حضرت علی ؑ کے خلاف نکلا اور اس نے بغاوت کی اس طرح حضرت امام عالی مقام امام حسین بن علی عبد اللہ بن زبیر، سعید بن جبیر بن علی، یحیٰ بن زید ہیں۔ جنہوں نے اموی سلطنت کے خلاف بغاوت کی تو کسی نے بھی ان میں سے کسی کو خارجی کا نام نہیں دیا بلکہ عباسی سلطنت کے قائدین اور سردار اموی سلطنت کے خلاف کھڑے ہوئے ان کو بھی کسی نے خارجی نہیں کہا بلکہ امین نے مامون کی بیعت توڑ دی جس پر مامون اس کے خلاف نکلا ان میں سے بھی کسی پر کسی نے کوئی خارجی ہونے کا لقب جاری نہیں کیا۔

لہٰذا اس سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ مجرد کسی سلطنت یا حکومت کے خلاف کھڑے ہونے سے خارجی نہیں بنتا چاہے اس کا نظام عدل پر مبنی ہو۔ جیسے نظام خلفاء راشدین یا پھر ظلم پر ہو جیسے اموی دور ظلم وجبر کی سلطنت یا کوئی ان کے بعد میں آنے والے ظالم گورنروں کے خلاف کھڑا ہو جیسے حجاج، زیاد عبید اللہ بن زیاد اور دیگر ظالم گورنر وغیرہ

یہ بات کافی نہیں ہے کہ اس پر خارجیت کا فتویٰ لگا دیا جائے۔ صرف اس بات پر ان کو خارجی کہہ دیا جائے کہ وہ حکومت، سلطنت کے خلاف نکلے ہیں بلکہ ظلم کی سلطنت سے خروج کرنا اور فاسد نظام کو دور ہٹانے کی غرض سے انقلاب برپا کرنا امت اسلامیہ کے واجبات میں سے ہے۔ اس حال میں کہ جب کسی بڑے نقصان کا خدشہ نہ ہو جو بھی اس واجب اور ذمہ داری کو پوری کرنے کے لیے قائم ہو جائے گا۔ اس کو کبھی بھی خارجی نہیں کہا جائے گا۔ سوائے یہ کہ وہ اس حد تک تجاوز کر جائے کہ مسلمانوں پر مشرک کے فتوے لگانے شروع کر دے اور ان کے خون عزت مال اولاد کو مباح کر دے۔ یہ درحقیقت کسی بھی انقلاب یا پھر کوئی بھی مسلحہ تحریک جو ایسے افعال سرانجام دے اور اس انتہا پسندی کو پہنچ جائے تو ان کو خارجی کہا جائے گا یہ ہیں خارجیت کے معانی۔

اور یہ واضح رہے کہ خارجیت کا معنی اسلام سے نکل جانا ہے۔ کسی سلطنت سے نکلنا نہیں اگر ایسا معاملہ ہو تو وہ لوگ باغی تو کہلائیں گے لیکن اسلام کی غلامی کا طوق ان کے گلے ہی میں رہے گا۔ وہ مسلمان ہی ہیں اور وہ دین اسلام کی ان تمام صفات سے باغی ہونے کے باوجود بھی متصف ہیں۔ کیونکہ خدا تعالیٰ نے ان کو ان صفات سے موصوف کیا ہے۔ امر بلمعروف نہی المنکر اور خدا تعالیٰ کی ذات پر ایمان وغیرہ۔ ان پر ان کے اعمال کی بدولت سزا کا حکم لگایا جائے گا۔ لیکن ان کو خارجی سمجھ کر نہیں بلکہ ایک مسلمان سمجھ کر جو اسلام کی رو سے ان پر حکم لگتا ہے۔ وہ لگایا جائے گا۔ چاہے وہ اپنی بغاوت میں غیض وغضب کی انتہائی شدت تک ہی پہنچے ہوئے ہوں لیکن وہ خارجی نہیں ہیں پھر بھی مسلمان ہیں۔

اگر یہ بات درست ہے تو پھر اباضیوں اور خوارج کے درمیان کیا تعلق کیا ربط ہے؟ بس ہماری اس طویل گفتگو سے یہ بات ثابت ہو گئی ہے کہ خوارج اور اباضیوں کے درمیان کسی بھی قسم کا کوئی تعلق نہیں ہے۔

اباضی تو مسلمانوں کے ان حقوق پر سب سے زیادہ حریص اور محتاط ہیں جن کو نصوصِ شریعہ نے بیان کیا ہے۔ وہ تو یہ اعتقاد رکھتے ہیں کہ جس شخص نے بھی کلمہ پڑھ لیا ہے۔ وہ مسلمان ہے اور اس کے وہی حقوق ہیں جو دیگر مسلمانوں کے ہیں۔ کسی مسلمان کا خون حلال نہیں سوائے جس کا خون شریعت نے مباح کیا ہے جیسے حکمِ مرتد اور کسی جان کا قتل کرنا وغیرہ۔ نہ ہی کسی کا مال حلال ہے سوائے ان شرعی طریقوں کے جیسے رضامندی سے ہبہ کرنا اور تجارت کرنا وغیرہ رہی بات بے گناہ کو اور معصوم بچیوں اور عورتوں کو قتل کرنا تو کلمہ توحید نے تمام مسلمانون کو اپنی حفاظت میں لیا ہوا ہے۔ اور کلمہ توحید ان کو اس ذلت تباہی سے بچانے والا ہے۔ یعنی جس نے یہ کلمہ پڑھ لیا ہے اب اس کی عزت، مال، اولاد، جان سب کچھ اسی کلمہ کی حفاظت میں آ گیا ہے۔ یہاں تک کہ باغی اور حد سے تجاوز کرنے والے چاہے وہ کسی بھی اپنے ظالم مسلک تک پہنچ گئے

ہوں۔ ان کی عزت جان مال اولاد عورتیں بھی اسلام مباح نہیں کرتا۔ ان کو کلمہ توحید کے اقرار نے محفوظ کیا ہوا ہے۔ ان پر صرف وہی حدود اور احکام جاری کرنے جائز ہیں جو شریعت اسلامیہ نے مقرر کیے ہوئے ہیں۔

بس وہ تمام وجوہات جن کی بنا پر خوارج کا نام دیا جاتا ہے۔ ان کا اباضیوں کے ہاں کوئی وجود نہیں بلکہ وہ عقیدے، قول اور فعل میں ان سے بہت زیادہ دور ہیں۔ اس کے باوجود کہ ان کو خوارج میں سے شمار کیا جاتا رہا۔ انہوں نے اپنی کتابوں اور مقالہ جات میں اس چیز کی عملی گواہی دی ہے اور اپنی کتابوں میں باقائدہ طور پر لکھا ہے کہ ان کا خوارج سے عقیدے اور قول، فعل میں کسی بھی حوالے سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

اگر خارجیت حسب نصب کے طور پر ہوتی تو کہا جاسکتا تھا کہ ان کا اباضیوں سے کوئی حسبی نسبی تعلق ہے۔ اور یہ گمان کیا جاتا کہ خوارج کے چچا ماما یا کوئی دوست اباضیوں میں سے ہے۔ جبکہ معاملہ بالکل مختلف اور برعکس ہے۔ یہ معاملہ تو مخصوص عقیدے سے متعلق ہے۔ جس پر چلنے کا ایک راستہ استوار ہوتا ہے اور پھر اس راستے پر چلنے کی بدولت کچھ اثار پھوٹتے ہیں۔ لہٰذا یہ خارجیت کہاں اباضیوں کے پاس آگئی؟ مقالہ نگار اور فرقوں سے متعلق لکھنے والے علماء کیوں اس موقف پر ہمیشہ مُصّر رہے ہیں کہ اباضی خوارج میں سے ہیں۔ استاد مصطفیٰ شکعہ کہتے ہیں!

ان پر یہ لقب اس لیے پھینک دیا گیا ہے کیونکہ انہوں نے قریشیوں کو قبول نہیں کیا یعنی امام قریشی ہو اس بات کو تسلیم نہیں کرتے۔ جس بنا پر قریشیوں کو نہیں مانا۔ جبکہ حقیقت میں مورخین اور مقالہ نگاروں کے ہاں ایسی کسی بات کا کوئی ذکر نہیں ملتا کہ اباضیوں پر خوارج کے لقب کا اس لیے اطلاق کیا گیا یا تو قریشیوں کی نفی یا پھر تحکیم کو خطا اعتبار کیا گیا ہے۔ ہاں وہ خوارج کے ساتھ اس پوائنٹ پر مجتمع ہوتے ہیں۔

اس بات سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ ہر شخص جو بھی کسی قوم سے تعلق رکھتا ہے سوائے اموی فریبی سیاست کے کسی نے بھی شخص کو ان امویوں کو اچھا نہیں سمجھا بلکہ اپنی کڑی تنقید کا نشانہ بنایا ہے۔ لیکن یہی بات اگر اباضیوں نے کی۔ قریشیوں کے معترف نہیں ہوئے نہ ہی امامت کے لیے اہل سمجھا اور نہ ہی امامت کی بنیاد قریشیوں پر استوار کی ہے۔ تو ان پر فوراً خارجیت کا لقب جاری کر دیا گیا۔ پھر ان قریشیوں اور فریبی سیاست کے حواری آئے۔ انہوں نے کچھ بدعات اور خرافات اباضیوں کے عقیدے سے متعلق گھڑلیں جو سراسر جعل سازیاں تھیں۔ اباضیوں کا اس سے کوئی تعلق نہیں تھا۔ یہ جعل سازیاں اباضیوں کی پہچان بن کر لوگوں کے درمیان اس قدر پھیل گئیں۔ بغیر ان کو سمجھے یہاں تک کہ وہ لوگوں کے درمیان طواف کرنے لگیں اور ایک وقت آیا کہ ان کو اقلام نے اپنی تحریر کے لیے چنا اور اس انداز سے بیان کر دیا کہ وہ جھوٹ حقیقت نظر آنے لگا۔ یہ جعل سازیاں ایک ایسا پردہ بن کر حائل ہو گئیں۔ جنہوں نے اصل موضوع سے توجہ ہی ہٹا دی اور جو موضوع کا بنیادی سبب تھا۔ اس سے ان جعل سازیوں نے ایسا حقیقت اور سچائی کا لباس پہنا کہ نظر ہی ہٹادی۔

اسی طرح ہم نے یہ بات اچھی طرح واضح کر دی ہے کہ اگر تحکیم (یعنی الحکم للہ اقتدار حکوت صرف خدائی) خطاء بھی ہو تو اپنے قائل کو اسلام سے نہیں نکالتی اور نہ ہی ملتِ اسلامیہ سے اس کو جدا کرتی ہے۔ اسی طرح یہ بات ہمیں اس چیز کی

بھی اجازت نہیں دیتی کہ ہم اس پر ایک ایسا خوفناک اور ہیبت والا حکم مسلط کریں جو اُسے مسلمانوں کی نگاہ میں ناپسندیدہ کر دے۔ پھر ہم اس حکم کو تاریخ کے تمام مراحل میں جاری وساری رکھیں۔

اسی طرح اگر ہم یہ بات کریں کہ تحکیم کا انکار ایک سیاسی چال تھی جو امیر المومنین حضرت علی ؑ کے لشکر کو متفرق کرنا چاہتی تھی تو یہ خارجیت ہے یا اس پر لفظ خوارج کا اطلاق ہو گا۔ تو پھر ہم عمار بن یاسر مالک بن اشتر عبداللہ بن عباس ؓ کو خوارج کے ائمہ مانیں گے۔ اس کے علاوہ کوئی چارہ نہیں ہے اور یہ بھی بات ہے کہ اگر اس بات کو ہی خارجیت سمجھ لیا جائے تو بہت سی کتب تاریخ تحکیم کے موضوع کے حوالے سے اس بات پر متفق نظر آتی ہیں کہ امام امیر المومنین حضرت علی ؑ وہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے اس سیاسی فریبی چال کا پردہ فاش کرتے ہوئے تحکیم کو نہیں مانا۔ یہاں تک کہ آپ نے بڑی شدت سے اس کی مخالفت کی آپ نے اپنے لشکر کی پانچویں قطار صرف اس تحکیم کے پس پردہ سیاسی فریبی چال کا قلع قمع کرنے کے لیے خاص کر دی تھی اور آپ فرماتے تھے کہ میں کبھی اس سیاسی چال کو قبول نہیں کروں گا بجز یہ کہ میں بے بس ہو جاؤں۔

وہ اس طرح کہ میری فوج کو اس سازش سے مقابلہ کرتے ہوئے بہت زیادہ خون ریزی اور تباہی کا سامنا کرنا پڑے تب میں مجبور ہو جاؤں گا ورنہ کبھی بھی اس تحکیم کو قبول نہیں کروں گا۔ یہ تحکیم کے دعوے دار اپنے دعوے میں جھوٹے ہیں۔ یہ حقیقت میں کتاب وسنت کی تحکیم نہیں چاہتے۔ حضرت علی ؑ اور آپ کے اصحاب کی تحکیم سے متعلق جو رائے ہے اسی پر امتِ اسلامیہ کے بڑے بڑے ائمہ بھی قائم ہیں۔ جن میں سے دو بڑے عظیم امام اس رائے پر تھے۔ حضرت امام حسین بصری اور مالک بن انس ہیں جیسا کہ المُبرّد نے اپنی کتاب الکامل میں اور ابن ابوالحدید نے نہج البلاغۃ کی شرح میں بیان کیا ہے۔

یہاں میں ایک بات کہنا چاہتا ہوں یہ حادثات اور تحکیم کے حوالے سے سیاسی فریبی چال جس کو تقریباً تیرا صدیاں گزر چکی ہیں اور وہ فسادی لوگ اس بات کو بھی علم الیقین کے ساتھ جانتے ہیں۔ اس تحکیم کا قرآن، سنت سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ یہ سب کچھ جانتے ہوئے بھی اپنے شرمناک فعل سے باز نہیں آئے۔ یہاں تک کہ حضرت علی ؑ کے لشکر کی اکثریت کو اذیت پہنچانے کا سبب بنے اور بہت سے سپاہیوں کو شہید بھی کر دیا۔ ان سارے گھنونے افعال کی بنا پر کیا ہم ان کو خارجی لقب دے سکتے ہیں یا پھر آج کے دور میں بھی ان کے حوالے سے یہ محسوس کیا جا سکتا ہے کہ وہ خوارج ہیں اور یہ سازش پر مبنی تحکیم کی رائے رکھنے والا خارجی ہو سکتا ہے۔ ہم اس کو خارجی کہہ سکتے ہیں؟ اگرچہ اس میں کوئی شک نہیں کہ اباضی التحکیم کو ایک دھوکہ اور فریب سمجھتے ہیں۔ اس کو قبول کرنا مناسب نہیں سمجھتے اس فہم اور رائے پر مختلف مذاہب کے دیگر ائمہ مسلمین بھی اپنا عقیدہ رکھتے ہیں۔ اگر خوارج بھی یہ رائے رکھتے ہوتے تو کیا یہ مناسب تھا کہ اباضی اور جو بھی ان کی تحکیم یا خلافت سے متعلق مسلئے کے حوالے سے رائے پر متفق ہیں۔ وہ خوارج ہو جائیں۔ اس لیے کہ وہ اس فکر وسوچ میں خوارج سے موافقت رکھتے ہیں؟ نہیں ہرگز نہیں ہے۔

میرے گمان کے مطابق یہ ہی ایک نقطہ ہے جو اباضیوں اور خوارج کے درمیان مشترک ہے اس نقطہ میں امت میں سے دیگر لوگ بھی خوارج سے متفق نظر آتے ہیں تو کیا وہ خوارج ہیں؟

رہی بات خلافت کی تو اس حوالے سے پوری امت اسلامیہ قول و عمل میں خوارج کی رائے سے متفق نظر آتی ہے۔ جبکہ اباضی اس رائے میں مکمل طور پر جدا ہیں۔ یہاں تک کہ خوارج سے بھی سوائے سابقہ تحکیم کے نقطہ کے مکمل الگ ہیں۔ کوئی بھی کسی بھی حوالے سے ان سے تعلق نہیں رکھتے۔ لیکن تمام امت اسلامیہ امن، جنگ میں بہت سی آراء میں خوارج کے ساتھ متفق نظر آتی ہے۔ جب وہ امن میں ان کے ساتھ ہوتے ہیں تو یہ ان سے جرأت کا اظہار کرتے ہیں اور ان کو اپنی مجالس سے نکال دیتے ہیں۔ ان سے شدت کا برتاؤ کرتے ہیں اور ناپسند کرتے ہوئے غلام تسلیم کرتے ہیں۔ جبکہ ان کا خوارج کے حوالے سے جو موقف ہے۔ اباضیوں کا اس سے کہیں زیادہ شدید ہے۔ قطع نظر فوجی نقطہ نظر کے چونکہ اس کو حکومتیں خود بناتی ہیں۔ اپنی حکومتوں اور تخت اقتدار بچانے کی غرض سے دینی اعتقادی بنیادوں پر قائم نہیں ہوتے بلکہ وہ فوجی موقف ان کی حکومتوں کی اپنی مصلحت کے پیش نظر بنائے جاتے ہیں۔ مزید یہ کہ اموی دور میں اس کے پیچھے ایک سیاسی محرک تھا۔ جس نے اباضیوں پر خارجیت کا لقب جاری کروایا بعد میں مؤرخین آئے۔ اس لقب کو اپنی کتابوں، اپنی باتوں اور خاص و عام مجالس میں پھیلا دیا۔ اس کے بعد کاتبین اور مقالی نگار آئے انھوں نے یہ سب کچھ بغیر کسی تحقیق، تصدیق کے اپنی مذاہب سے متعلق گفتگو کا حصہ بنالیا۔ اس جھوٹے لقب کو کذابوں، ظالموں اور طعن و تشنیع کرنے والوں نے ایک جھوٹ اور جعل سازی کا کھلا میدان پایا تو انہوں نے ان خرافات اور جعل سازیوں کو لوگوں میں ایسا پھیلایا کہ وہ حقائق سمجھے جانے لگے۔ کاتبین اور محققین نے ان خرافات اور جعل سازیوں کو ایک علمی مضمون کے طور پر لیا اپنی کتابوں کے خلا کو پُر کیا۔ یہاں تک کہ یہ خرافات ثابت شدہ حقائق کا ایسا رُتبہ حاصل کر گئے جن لوگوں نے اباضیوں کو خوارج میں سے شمار کیا ہے۔ ان میں سے ہر ایک کا خاص منہج اور خاص مقاصد تھے اور ان کے یہ اسلوب اور اغراض ان تین اقسام کے علاوہ نہیں ہو سکتے۔

۱) پہلی قسم ایسے لوگوں کی ہے جنہوں نے اباضیوں کو خوارج کا فرقہ مانا اور اس پر عقیدہ رکھتے ہیں اور وہ اسی عقیدے کے قائل ہیں کہ یہ ایک بدعتی گمراہ فرقہ ہے۔ یہاں تک کہ اگر ممکن ہو تو اس سے بھی بدتر ہیں۔ اس بات سے ان کا اباضیوں کے بارے میں حسد اور بغض نمایاں ہوتا ہے اور یہ لوگ اباضیوں کے حوالے سے ہر جعل سازی اور تہمت کو رضامندی کے ساتھ قبول کرنے کے لیے تیار ہیں۔ اس روایت میں چھان بین اور تحقیق کے حق میں ہی نہیں ہے۔

۲) دوسری قسم وہ لوگ ہیں جنہوں نے ان مصادر مراجع پر اعتماد کیا ہے۔ جو ان کے پاس موجود تھے اور یہ کوشش نہیں کہ ان کے پیچھے اباضیوں سے متعلق کیا حقائق ہیں۔ ان کو جاننے کی زحمت ہی نہیں کی اور وہ یہ گمان کرتے ہیں کہ انہوں نے جو کیا ہے وہی ان کے لیے مناسب ہے۔

۳) تیسری قسم وہ لوگ ہیں جنہوں نے اباضیوں سے متعلق پڑھا ہے ان کی کتب کا مطالعہ کیا ہے اور یہ جان گئے ہیں کہ اباضیوں اور خوارج کے درمیان زمین آسمان کا فرق ہے اور اس بات سے بھی بخوبی آگاہ ہو گئے ہیں کہ مقالہ جات کی کتب میں جو کچھ اباضیوں سے متعلق کہا گیا ہے۔ اس کی کوئی بنیاد نہیں ہے۔ وہ سب بے بنیاد ہے لیکن اس کے ساتھ ہی انہوں نے اس تاریخی رو سے متاثر ہو کر اس بات کو تسلیم کیا کہ اباضی نام کی حد تک خوارج میں سے ہیں ان کی فکر کے حامل نہیں ہیں وہ اباضیوں پر خوارج کا یہ لقب اس طرح استعمال کرتے ہیں جیسے کوئی مکروہ لفظ یا لقب کسی شخص پر دلالت کے لیے بولا جاتا ہے۔ اس کی علامت کے طور پر کہ وہ فلاں سے منسوب ہے۔ لہٰذا اس نسبت کے اعتبار سے کہتے ہیں جبکہ وہ اس لقب کی فکر کا حامل نہیں ہوتا۔ استاد عزالدین تنوخی ابراہیم محمد عبد الباقی اور جو بھی ان کے راستے پر چلا وہ اس تیسری قسم کے لوگوں سے تعلق رکھتے ہیں۔ اس کے باوجود کہ انہوں نے اباضیوں کی خوارج سے دوری کا اقرار کیا ہے اور واضح فرق کو ثابت کیا اور اس چیز کی جرأت نہیں کی کہ وہ اباضیوں کو خوارج کا فرقہ سمجھیں لیکن استاد ابراہیم محمد عبد الباقی نے یہ جرأت کی ہے کہ اس کا دوست ابو اسحاق اباضیوں کے ایک گروہ کا رہنما ہے۔ مجھے یہ بات سمجھ نہیں آتی کہ اتنے بڑے امام کے دل میں اباضیوں سے متعلق پڑھنے کے بعد یہ احساس کیسے پیدا ہوا اور اس کا اپنے دوست کے ساتھ ملاقات کیسی تھی۔ لیکن بہر حال ابو اسحاق نے اپنے شخصی مؤقف میں بھی خارجی لفظ کے اطلاق کے حوالے سے کوئی اعتراض نہیں کیا بلکہ اس نے اتنے بڑے کاتب کو قبول کیا اور اس کو خوارج کی جگہ میں رکھا اور پھر اس استاد ابراہیم کے ماتحت رکھ دیا۔ جس نے اپنی قیمتی کتاب کی نص کے ذریعے اس مؤقف کو نشر کر دیا۔ حقیقت یہ ہے کہ اباضی تمام زمانوں میں خوارج سے بری رہے ہیں اور اس خارجی معنی سے بھی دور رہے ہیں۔ جن کو ہم نے اپنی سابقہ گفتگو میں بیان کیا ہے۔ ان کے کان اپنے لیے خارجی لفظ قدیم، جدید زمانوں میں سن سن کر تھک گئے ہیں۔ کچھ نے تو اس کو چیلنج کے طور پر لیا ہے۔ اور بہت سے اباضی ایسے ہیں جنہوں نے اس سے موانست اختیار کر لی ہے اور وہ اس کو محسوس نہیں کرتے۔ اس انسان کی طرح جیسے اس کے ساتھی اور دوست کوئی ناپسندیدہ لقب دے دیں اور ہر وقت اسی لقب سے اسے پکارتے رہیں۔ ابتداء میں تو وہ ان پر غصے ہو گا پھر آہستہ آہستہ نرم پڑ جائے گا اور اس لقب کو تسلیم بھی کرے گا اور ایک طویل مدت تک اس کا اعتراف کرتے ہوئے مان جائے گا۔ اس طرح کے القابات بہت سے افراد خاندانوں، قبیلوں کو دیے گئے۔ ابتداء میں تو وہ لڑتے جھگڑتے تھے مگر بالآخر اس کو تسلیم کر لیتے تھے۔ اس بات کے پیش نظر بہت سے اباضیوں کو سابقہ زمانوں میں خوارج کا نام دیا گیا۔ انہوں نے خاموشی اختیار کرتے ہوئے اس کو تسلیم کر لیا۔ بلکہ قدیم و جدید دور میں بعض ایسے بھی اباضی ملتے ہیں جنہوں نے اس لقب پر فخر کرتے ہوئے اپنی عزت افزائی سمجھی اور بعض ایسے بھی تھے جنہوں نے حکمت کے پیش نظر خود کو خوارج سے منسوب کر لیا ان تمام شاز و نادر انتہا پسند افراد کا اعتبار کیے بغیر اباضی مذہب ایک اسلامی مذہب کے طور پر اپنے قوائد اور ان اصولوں کے ساتھ باقی ہے۔ جن اصولوں کی بنیاد کتاب و سنت، اجماع، قیاس میں سے معتبر شریعت پر ہے۔ علوم شریعہ کو اعتدال

کے ساتھ لیے ہوئے ہیں۔ اس سے تحریف اور جھوٹوں کی جعل سازیوں اور جاہلوں کی تاویل کی نفی کرتے ہیں یعنی اس دین اسلام کو تمام بدعتیوں کے شبے سے دور رکھتے ہوئے ان تمام خرافات اور جعل سازیوں کی نفی کرتے ہیں۔

خلاصہ:

اباضی خوارج کے ساتھ صرف ایک نقطے پر متحد نظر آتے ہیں وہ ہے " التحکیم" یعنی اقتدار اور حکومت صرف اللہ تعالیٰ کے لیے ہے۔ اس دعوے میں اباضی سچے تھے جبکہ خوارج جھوٹے تھے۔ ان کی اس بات میں مکروفریب تھا۔ حضرت علی ﷛ بھی تو خدا تعالیٰ کے حکم ہی کو چاہتے تھے مگر خوارج اس (التحکیم) کے نعرے میں جھوٹے تھے۔ حضرت علی ﷛ نے فرمایا تھا!

(کلمه الحق ارید بها الباطل)

دعویٰ تو سچا ہے مگر اس سے مراد باطل لیا جارہا ہے۔ لہٰذا اس ایک نقطے کے علاوہ اباضیوں اور خوارج کے درمیان کوئی دور کا بھی واسطہ یا تعلق نہیں ہے۔ دونوں میں زمین آسمان کا فرق ہے۔

تیسری قسم:

مستشرقین

- امیل فیکس جوتیہ
- کارلو الفونسو نیلنیو
- اباضیوں اور اہل سنت کے درمیان نقطہ اتحاد

مستشرقین

مستشرقین نے اسلامی معاملات کے متعلق ریسرچ، تحقیق کا بڑا خاص اہتمام کیا ہے جن میں انہوں نے بڑی وسیع ریسرچ اور مختلف بحثیں پیش کیں ان میں سے کچھ نہایت قیمتی تحقیقات ہیں اور کچھ بلکل بے قیمت ہیں۔

میں نے ان کی کتابوں سے اباضیوں کے موضوع پر نظر ثانی کرنے کی کوشش کی ہے لیکن ان کے موضوع کو بقیہ مذاہب اسلامیہ سے متعلق ان کی ابحاث اور ریسرچ میں سے الگ نہیں کر سکا ان کی عمومی طور پر مشرق سے متعلق اور خصوصی طور پر اسلام کے مسائل و معاملات کے حوالے سے تحقیقات میں اپنائے جانے والے اسالیب نے مجھ پر ان تحقیقات کے اوپر جائزہ لینے کے لیے اپنے منہج کو تبدیل کرنا لازمی کر دیا ہے۔ میں نے اپنے خیال کے مطابق اس کتاب کی مباحث کو مندرجہ ذیل اسلوب اپناتے ہوئے پیش کرنے کا فیصلہ کیا ہے۔ ان ابحاث کو بہتر انداز میں پیش کرنے کے لیے مجھے یہی اسلوب اچھا نظر آیا ہے۔

۱. مستشرقین

اس میں میں ان کی کتابوں سے بعض نمونے پیش کروں گا اس ان میں سے بعض فقروں کی مختصر تحلیل اور وضاحت بھی کروں گا۔

۲. امیل جوتیہ

اس میں اس مستشرق کی بعض بحث کے نمونے پیش کروں گا ان دیگر متعصب مستشرقین کی طرح جنہوں نے اہل مشرق کے حوالے سے لکھا ہے۔ جس میں ان کی سامراجی فکر، نظریہ ان کے جزبات سے جدا نہیں ہوتا اور قیادت کی

وہ منطق جیسے وہ پورے عالم پر پھیلانے چاہتے ہیں اور وہ ان کے ذہنوں میں پختگی کے ساتھ موجود ہے۔ یعنی وہ ان کے دماغوں سے مخفی نہیں ہے۔

۳. کارلو نیلنیو

اس کی بعض نصوص کو ان مستشرقین کے اسلوب کے مطابق پیش کروں گا جنہوں نے علمی اسلوب کا اہتمام کیا ہے اور ظاہری طور پر ایسا محسوس کروایا ہے کہ وہ کسی خاص نظریے یا فکر و سوچ اور خاص مقاصد کے تحت اپنی ریسرچ پیش نہیں کر رہے بلکہ ثقافتِ انسانی کے جزبے سے سرشار ہیں۔

۴. اباضیوں اور اہل سنت کے درمیان ان نقاط کا مختصر موازنہ اور جائزہ جن کو نیلنیو نے اباضیوں اور اہل سنت کے درمیان نقطہ اتحاد قرار دیا ہے۔ یعنی وہ نقاط اور اقدار جو ان کے درمیان مشترک ہیں جن پر یہ متحد ہیں۔

حقیقت میں یہ چھوٹی مختصر فصول مستشرقین کی جہود کے حوالے سے حقیقی صورت بیان کرنے کے لیے کافی نہیں ہیں۔ ان جہود میں سے بعض بڑی نبیل صاف ستھری ہیں اور بعض مکر و فریب پر مشتمل ہیں۔ خدا تعالیٰ مجھے (مستشرقین کے ہاں مسائل معاملات اسلامیہ کے موضوع کی طرف لوٹ جانے کی ایسی توفیق خاص دے کہ میں ان کی ابحاث اور تحقیقات کو زیادہ گہرائی درست فہم وسیع معلومات سے پیش کروں اور ایسی ریسرچ جس میں خوب محنت کر کے اور نہایت ہی پر لطف، خوبصورت اور مہذب انداز میں بیان کر سکوں۔

مستشرقین

میں نے اس کتاب کی بعض فصول میں کہا کہ مستشرقین نے جب بھی اسلام کے بارے میں بطور ایک دین یا امت اسلامیہ ایک مجموعی اعتبار سے یا پھر اس کے فرقوں میں سے کسی ایک فرقے یا مذہب سے متعلق لکھتے ہیں تو ان کی اس کتابت کے کچھ خاص اغراض، مقاصد ہوتے ہیں۔ اسی طرح ان کے کچھ مخصوص مناہج اور اسباب بھی ہوتے ہیں۔ جن میں سے کچھ اسالیب ایسے اپنائے ہیں جن سے ان کے مقاصد اور اہداف بالکل واضح ہو جاتے ہیں اور کچھ اسلوب بہت دقیق اور مخفی اپنائے ہیں جن سے ظاہری طور پر ان کی کتابت میں پتہ نہیں چلتا کہ ان کے اس کے پیچھے کونسے اہداف ہیں اور وہ کس حد تک خطرناک ہیں وہ اسلام سے متعلق لکھنے کے حوالے سے اتنے مخلص نہیں جتنا وہ اپنے مقاصد اہداف کو پورے کرنے کے خواہاں ہیں وہ کسی بھی حال میں یہ بات نہیں بھولتے کہ ان کے اقلام اس صلیبی جنگ کی تکمیل کر رہے ہیں جو تلوار سے نہیں کر سکے اور یہ کہ اپنی یونانی، رومی ثقافت کا بول بالا کر سکیں۔ جس پر وہ یقین رکھتے ہیں۔ وہ مغربی اقوام کو مشرقی اقوام پر غالب کرنا چاہتے تھے۔ جس ثقافت اور عسکری جنگ کو اقوام پر مستشرقین یہ دیکھتے ہیں کہ یہ تفوق ہر دور میں ان کے اور ان کی نسلوں کی قلموں سے جاری رہے ان میں سے ہر ایک ہر زمانے میں اپنی ثقافت کو مشرق پر غالب کرنے کا مقصد کی نمائندگی کرتا ہے چاہے اس کے پاس فوجی اسلحہ نہ بھی ہو تو وہ اپنے قلم سے ثقافتی جنگ ضرور لڑتا رہتا ہے۔

یہ مستشرقین جب ان بحثوں کو اپنا موضوع بناتے ہیں تو مختلف اسلوب اپناتے ہیں۔ ان میں سے کچھ ایسے ہیں جو فوجی آفیسروں کی طرح اپنی کتابت میں اس انداز سے بیان کرتے ہیں جو کسی دوسرے پر قبضہ کرنا چاہتے ہوں اور ان کے اہداف مکمل طور پر واضح ہو جاتے ہیں کہ ان کی کتابت کے پیچھے کون سے مقاصد کار فرماں ہیں۔ جبکہ کچھ اس انداز سے اپنی کتابت کرتے ہیں اور ایسا منہج، اسلوب اپناتے ہیں۔ جس سے ان کے خاص، اغراض و مقاصد واضح طور پر قارئین پر ظاہر ہوتے وہ ایسا دراصل اس لیے کرتے ہیں تا کہ کوئی سخت ردِّ عمل نہ ہو سکے اس طرح متقارب وسائل استعمال کرتے ہیں یعنی ظاہری طور پر وہ محسوس کراتے ہیں کہ ان کی ریسرچ ایک فنی اور علمی ہے۔ جبکہ داخلی وسیلہ اپنے اغراض مقاصد کو قارئین کے اندر منتقل کرنا ہے۔ ان کی کتابت سے پہلی نظر میں قاری متعجب ہوتا ہے دوسری نظر میں تصدیق کرتا ہے۔ تیسری نظر میں اُسے معتمد اور ثقہ نظر آتی ہے۔ بس مطالعہ کرتے کرتے بالآخر ان کی فکر کے حامل ہو جاتے ہیں۔ اس قسم کی ریسرچ اور تحقیق میں مصادر مراجع کی ایک طویل فہرست لے آتے ہیں۔ ایسے مصادر مراجع کا بھی ذکر کرتے ہیں جن کا وہاں کوئی تعلق بھی نہیں ہوتا بس یہ ظاہر کرنا چاہتے ہیں کہ قاری پر یہ تاثر پڑے کہ ان کی بات اور ریسرچ کتنی مصدقہ ہے اور ان کی تخریج تحقیق کس حد تک علمی اور پختہ ہے کہ اس قدر مخرّج، محقق ہے۔ اتنے مصادر مراجع ہیں۔ خاص طور پر عربی مصادر مراجع چاہے وہ ریسرچ کے درمیان یا آخر پر لائیں ضرور لاتے ہیں ان کا موضوع سے تعلق ہو یا نہ ہو صرف اپنا کہ وہ قارئین تک اپنے مقاصد کو اس پختہ انداز میں پہنچائیں کہ وہ بغیر کسی شک وشبہ کے قبول کر لیں۔ وہ ان مصادر مراجع کو صرف نام کی حد تک بیان کرتے ہیں پھر وہ ان کے ذریعے اپنے مقاصد کا شکار کرتے ہیں ان مصادر کے ذریعے اپنے مقاصد کی تائید کرواتے ہیں اور میں یہ بات یقین سے کہہ سکتا ہوں کہ ان کو اپنی ریسرچ اور تحقیق کے مصادر مراجع تک رسائی کی غرض سے اور خاص مقاصد کی تبلیغ کے خاطر شخصی جد وجہد کے ساتھ ساتھ حکومتی اور مالی مراعات بھی ملتی ہیں۔ مصادر مراجع کے لیے تمام تر وسائل ان کو مہیا کیے جاتے ہیں جس کے تحت ان کو وسیع معلومات اکٹھے کرنے اور مضمون میں گہرائی حاصل کرنے میں کوئی دقت نہیں ہوتی بلکہ بڑے آرام سے میسر ہو جاتی ہے۔ ان کو اس قدر سہولیات ملتی ہیں جو ان کے مقابلے میں کسی غیر کو میسر نہیں۔ اگرچہ اس میں کوئی شک نہیں کہ ان کی جہود اور مضمون میں گہرائی بھی ہوتی ہے۔ چونکہ ان کو تمام تر وسائل میسر ہوتے ہیں لیکن پھر بھی وہ مصادر مراجع کیا یک طویل فہرست اس لیے لاتے ہیں تا کہ قارئین کو متاثر کر سکیں۔

میں چونکہ مستشرقین کے حوالے سے ایک آندھی تقلید کرتے ہوئے اپنی رائے کے مطابق اس مسلک پر چل رہا ہوں ہو سکتا ہے میری یہ رائے ہر مستشرق پر منطبق نہ ہوتی ہو اور نہ ہی میں یہ دعویٰ کرتا ہوں کہ میری رائے مکمل طور پر درست ہے کیونکہ میں نے تمام مستشرقین کی کتابوں اور مقالات کا مطالعہ نہیں کیا ہے۔ اور نہ ہی میں نے اس مستشرق کی تمام کتب کا مطالعہ کیا ہے بس اپنی بساط کے مطابق جن مستشرقین کی کتابوں کا جو بھی مطالعہ کیا ہے اس کی روشنی میں یہ اسلوب اور منہج بیان کیا۔ اب میں یہاں محترم قاری کے لیے مستشرقین کی نصوص کے نمونے پیش کر رہا ہوں تا کہ وہ خود

بھی ملاحظہ کر سکے۔ جو صورتیں میں نے بیان کی ہیں ان کو محترم قاری کے لیے اس موضوع کے تحت پیش کرتا ہوں (مستشرقین کی کتابوں اور ریسرچ سے چند نمونے اور اقتباسات)

متمکن سامراجی فکر

میں اگر استاد امیل فلیکس جوتیہ کی کتاب جس کا ترجمہ استاد ہاشم الحسینی نے کیا اور فرجانی نے اُسے نشر کیا ہے (ماضی شمال افریقیا) کو تو تم اس کے مقدمہ سے اگر پڑھنا شروع کرو تو محسوس کرو گے گویا یہ ایک فرانسی سامراجی مخبر کی مغرب سے متعلق وضاحت اور گفتگو ہے جو (مغربی) مراکش بیٹوں کو ایک طرف تو سامراجی نظام کے خلاف اکسانے کی خاطر بات کرتا ہے تو دوسری جانب اسی سامراجی نظام کو مزید تپش دیتا اور گرماتا ہے۔ جب وہ قدیم رومیوں کے کارناموں سے متعلق گفتگو کرتا ہوتا ہے خوب تعریف کرتا ہے اور اس سامراجی نظام کو گرماتا اور بیان کرتا ہے وہ دراصل اس تناظر میں دو مختلف نقطوں کی وضاحت کرنا چاہتا ہے۔

پہلا نقطہ:

وہ مغربی مراکشی عوام کو ان کے ممالک کے حوالے سے یہ شعور دینا چاہتا ہے کہ ان کے ممالک فقیر اور محتاج ہیں بے سہارا ہیں وہ خارجی سامراج کے ہاتھوں ہی قائم رہ سکتے ہیں۔ اس کی دلیل یہ ہے دورِ ماضی میں ان کے ممالک کو رومی سامراج کے ذریعے ترقی ملی۔

دوسرا نقطہ:

مشرقی ممالک پر مغربی سامراج کا حق ہے اور اس کے واجبات میں سے ہے کہ وہ ان کی فکر کرے کیونکہ مغرب (مراکش) روم کو غلہ فراہم کرتا تھا اور اس غلے کا سب سے بڑا مصدر اور منبع مشرقی ممالک ہیں جو کہ مراکشی معیشت کے مدمقابل بھی ہیں۔ لہٰذا مغربی سامراج کو مشرقی ممالک پر اپنی توجہ مبذول کرنی چاہیے اور اس وضع کو جاری و ساری رہنا چاہیے یہاں تک کہ تمام مشرقی ممالک مغرب کے غلے کا مصدر منبع بن جائیں۔

استاد جوتیہ اپنی سابقہ کتاب کے صفحہ ۹ پر کہتا ہے! ہر چیز ((اپنی ابتدا اور اصل سے وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ بدل جاتی ہے چاہے وہ لغت، دین یا پھر سیاسی معاشرتی تصورات ہی ہوں تاریخ ایک ایسی چیز ہے جو شدید ٹکڑوں کا شکار ہوئی ہے اس کے بعض اجزاء بعض سے کلی طور پر جدا ہو چکے ہیں یورپ میں ایک تسلسل سے ترقی ہو رہی ہے جبکہ (مراکش) میں تغیر، تبدل عدمِ استحکام اور آفتوں مصیبتوں کا ایک سلسلہ ہے۔ یورپ نے ایک خاص منصوبہ بندی کے تحت ترقی حاصل کی ہے

اور ترقی کا سفر جاری رکھے ہوئے ہیں۔ جبکہ مراکش شروع سے لے کر اب تک عدم استحکام کا شکار ہے۔ ترقی کا کوئی منصوبہ نہیں بن سکا)

کچھ سطروں کے بعد کہتا ہے!

سرزمینِ مراکش رہائش اور کھیتی باڑی کے قابل ہے لیکن بعض چھوٹے چھوٹے معمولی اسباب کے تحت بے کار پڑی ہے۔ کیونکہ یہ بحر متوسط اور بحر محیط کی ۳۰۰ کلو میٹر طول اور ۱۵۰ کلو میٹر عرض لپیٹ میں ہے۔ اس فطری سبب کے تحت آج تک اس کو آباد نہیں کیا گیا)۔

کچھ سطروں کے بعد پھر کہتا ہے!

(مراکش ایک ایسی اکائی ہے جس کو تسخیر کرنا اور ترقی دینا بھی آسان ہے لیکن زوال بھی آسانی سے آسکتا ہے۔ یہ سلطنت عطروں کی طرح ہے۔ رات کو اگر کوئی شئے اگتی ہے تو دن ہوتے ہی ضائع ہو جاتی ہے۔ یعنی اس سرزمین کی ترقی بھی آسان ہے اور زوال بھی آنے میں دیر نہیں لگتی)۔

پھر کچھ سطروں کے بعد کہتا ہے!

(ان ممالک کے تمام وعلاقے جہاں پانی میسر ہے وہ ایک ایسے بنجر بے کار چمکتے ہوئے صحرائی ساحلوں سے عبارت ہیں جو نمک سے بھرے ہوئے ہیں۔ اس لیے قابل کاشت نہیں ہیں)۔

پھر کچھ سطروں کے بعد کہتا ہے!

(تم وہاں کسی بھی جگہ اگر راستوں پر چلوگے تو ہر سمت نمک ہی نمک پائیں گے)۔

پھر کہتا ہے!

(یہاں تک کہ سرزمین الجزائر زرخیزی کے لیے رطوبت کافی نہ ہونے کے باوجود زراعت اور قابل کاشت ہے۔ جبکہ (مراکش) کی مٹی بخارات کی وجہ سے چونے والی بن چکی ہے)۔

پھر کچھ سطروں کے بعد کہتا ہے:

(دورِ اباطرۃ میں روم اپنی قوم کے ٹیکسوں کے ذریعے اشیاء خوردونوش میں کفالت کرتا تھا۔ اس وقت افریقہ تقریباً ساڑے تین لاکھ رقم برائے تاوان یعنی ٹیکس ادا کرتا تھا۔ یہ بھی ممکن ہے اس رقم کو روم کے لیے بطور تحفہ مان لی جائے لیکن اس رقم اور ان تاوان اور ٹیکسوں کے حوالے سے جتنے بھی جدید اسلوب اپنا لیے جائیں نفی نہیں کی جاسکتی خاص طور پر ان نمکین علاقوں میں خاص قسم کی زراعت ممکن ہے۔ لیکن راستے بہت دشوار اور مشقت والے ہیں۔ (مراکش) کی زمین نہ تو زیادہ زرخیز ہے اور یہ ملک جانوروں کے

پالنے کے لیے بہتر نہیں ہے۔ مراکشی بیل یورپی گدھے کے جثے سے بھی کم ہے کیونکہ مویشیوں کے پالنے کے لیے قحط سالی میں ایسے پرامن راستوں کا ہونا ضروری ہے۔ جن کے ذریعے خوراک غذادانہ پانی وغیرہ کا حصول ممکن ہو سکے جو کہ مراکش میں ممکن نہیں ہے۔ اسی طرح یہ ایک صنعتی ملک بھی نہیں۔ اس کی وادیاں بھی ایسی نہیں ہیں جو پانی کو ذخیرہ کر سکیں۔ وہاں کی زمین کوئلے اور گوند کی بھی محتاج ہے۔ کوئلے کی صرف ایک ہی کیناسا کی مقبوضہ کان ہے۔ جو کہ اتنی اہمیت والی نہیں ہے۔ جرادۃ کی کان اس کی اہمیت بہت زیادہ ہے لیکن ابھی تک زیر قبضہ نہیں آسکی۔ پٹرول ابھی تک نہیں نکلا اور ابھی تک جیالوجی کے سکالروں نے جنگلی درختوں کے کوئلے تک بھی رسائی حاصل نہیں کی۔ ہاں نمک اور چونے تک پہنچ گئے ہیں۔ جو کہ نمکین علاقوں کے لیے ابتدائی زمانوں سے ایک لعنت ہے)۔

پھر کچھ سطروں کے بعد کہتا ہے!

(اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ اہل مراکش نے کبھی فقر، فاقے اور انتہا درجے کی رسوا کن غریبی کا شکوہ کیا ہو الجزائر نے ایک بڑے عظیم تاریخی ترقی کا دور بھی دیکھا ہے)۔

پھر کچھ سطروں کے بعد کہتا ہے!

(یہ ترقی فرانس کے زمانے میں تھی)۔

مزید کہتا ہے اس کے کچھ سطروں کے بعد!

(رہی بات رومی جزائر کی تو جیولوجی کے سکالر کہتے ہیں زیتون کی زراعت کی ترقی کا شہر تھا۔ اٹلی کے آثار قدیمہ تک رسائی ہوئی ہے جن سے پتہ چلتا ہے کہ شمالی افریقہ سے تیل آیا کرتا تھا)۔

(لوگ اس اسلامی مورخ کی عبادت کو رد کرتے ہیں جس نے عہدِ روم میں افریقہ کی ترقی کے حوالے سے بات کی تھی۔ طنجہ سے لے کر تمام طرابلس کے علاقے ایک ہی جہت پر گاؤں اور بستیوں کا ایک سلسلہ ہے۔ عبارت اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ طرابلس اور طنجہ کے درمیان سفر سائے کا محتاج تھا یعنی سائے کے بغیر سفر کرنا ناممکن ہوتا تھا)۔

پھر کہتا ہے!

(ہم جانتے ہیں زیتون، انجیر، انگور ایسے پھل ہیں جو اٹلی وسطی اور بحر ابیض کے علاقوں متوسط کی ترقی کے سبب تھے کیونکہ اس مقصد کے لیے خارجی راستے بہت کشادہ موجود تھے۔ چونکہ ترقی کسی حد تک سیاسی مستحکم حالات سے بھی منسلک ہے)۔

پھر وہ کہتا ہے!

(صنعت بیرون ممالک میں گاہکوں کی محتاج ہے اس حوالے سے شمالی افریقہ کا بہت اچھا نصیب ہے کیونکہ اس میں فاسفیٹ پایا جاتا ہے۔ جو کہ تمام ترقی یافتہ ممالک کو ایکسپورٹ Export کرنے میں مرکز بن گیا تھا۔

اسی طرح اس میں لوہا، زنک، سلفیٹ اور سیسہ کافی زیادہ کمیت میں پایا جاتا ہے۔ ان تمام معادن کو رومی شہنشاہت سے لے کر فرانسی قبضے تک دریافت نہیں کیا جا سکتا۔ یہ بھی ممکن نہیں کہ ان معدنیات کی صنعت کاری اسی ملک میں ہی کی جائے اسی لیے ہمیں یہاں کی جزائری بندرگاہوں کو ان معدنیات کے علاوہ دوسری معدنیات کا سازو سامان ایکسپورٹ کرتی دکھائی دیتی ہیں۔ سیسے اور زنک کا لفافوں میں ڈال کر بھیجا جاتا ہے۔ لوہے اور فاسفیٹ کی بہت بڑی کمیت بیرون ملک سفر کی منتظر ہے)۔

پھر کہتا ہے!

(اگر فرانس نے فیڈل ڈی لابلاش کے قول پر عمل کرتے ہوئے آج ایک ترقی یافتہ ملک بن گیا ہے تو (مراکش) کی صورتحال اس کے کلی طور پر برعکس ہے)۔

پھر کہتا ہے!

(جبکہ ان ممالک کی پٹی ۳۰۰۰ مشرق سے مغرب تک طول بلد اور عرض بلد تک پھیلی ہوئی ہے۔ جہاں آسمان ایک ہے مٹی ایک جیسی ہے کوئی بھی ملک دنیا کے ممالک میں سے ہر طرح کی خصوصیات کے حوالے سے ایک دوسرے کے اتنے قریب نہیں ہیں جتنے یہ ہیں لیکن وہاں کی خشک آب و ہوا داخلی ترقی کے لیے بہت بڑی رکاوٹ بنی ہوئی ہے۔

کشادہ ممالک میں سے جیسے کہ مغرب (مراکش) جو معدنیات، صوف، تیل اور نبیذ جیسی قدرتی امکانیات سے مالا مال ہے۔ یہاں کے اس قیمتی اثاثے سے بغیر منصوبہ بندی کے استفادہ نہیں کیا جا سکتا اور نہ ہی اصل رسد کو منتظم کے بغیر کوئی فائدہ اٹھایا جا سکتا ہے۔ اسی طرح پیداوار کے دائرے کو وسیع کے بغیر اور ایکسپورٹ کی ضمانت کے بغیر ہم اس تمام تر اصل رسد سے بھی فائدہ نہیں اٹھا سکتے۔ لہٰذا (مراکش) اپنی داخلی فضاء کی وجہ سے خود معاشی حوالے سے فائدہ نہیں اٹھا سکتا وہ معاشی ترقی میں کسی غیر کے تعاون کا محتاج ہے۔

میں نے محترم قاری کے لیے اس کی کتاب کے مقدمے میں سے کافی حد تک عبارتیں نقل کر دی ہیں تاکہ وہ صورت واضح ہو جائے جس کی میں وضاحت کرنا چاہتا تھا۔ اب میں ان تمام مذکورہ بالا عبارتوں کا درج ذیل خلاصہ پیش کرتا ہوں۔

۱) مستشرق جوتیہ نے مغرب (مراکش) کی تصویر کچھ اس انداز سے پیش کی ہے کہ اس کی ۳۰۰۰ کلومیٹر ساخت ہے اور یہ علاقہ فقیر ہے اس کی سرزمین پر نمک جیسی لعنت ہونے کی وجہ سے خود کبھی بھی ترقی حاصل نہیں کر سکتی۔ بعض

اوقات اس نے یہ بھی ذکر کیا ہے کہ مغرب (مراکش) مال ثروت اور قیمتی اثاثوں سے خالی اور محرم ہے۔ کیونکہ اس کی مٹی چونے والی پانی نمکین اور معدنیات پوشیدہ ہیں۔ ان میں سے جو معدنیات دریافت ہو چکی ہیں ان پر بھی مکمل طور پر قبضہ نہیں ہوا اختیارات نہیں ملے پٹرول بھی ابھی تک نہیں نکلا مال مویشی پالنے کے لیے بھی ٹھیک نہیں ہے یہاں کا بیل یورپی گدھے سے بھی کمزور ہوتا ہے۔ صناعت کے لیے بھی غیر صالح ہے وادیاں بھی ایسی ہیں جو پانی کا ذخیرہ کرنے سے قاصر ہیں۔

اس مغرب (مراکش) کے حوالے سے منظر کشی بیان کرنے کے بعد سامراجی فکر کو چالاکی اور عیاری سے یہ کہہ کر قاری کے دل میں ڈالنے کی کوشش کرتا ہے کہ یہ مغرب (مراکش) عصر قدیم میں جب روم کے زیر سایہ تھا تو اس حد تک ترقی کر گیا تھا کہ بحر ابیض متوسطہ کے شمالی ساحل تک خود کفیل ہو گیا تھا اور دوسروں کی کفالت کرتا تھا۔ اسی طرح دورِ حاضر میں فرانس کے سامراجی نظام کے تحت اس نے ترقی کی ہے یہ ترقی اب بھی جاری رہ سکتی ہے۔ اگر منصوبہ بندی کی جائے اور بنیادی رسد کو کام میں لایا جائے پیداوار کا دائرہ وسیع کیا جائے اور ایکسپورٹ کی ضمانت فراہم کی جائے۔ ان تمام امور پر عمل کیا جائے تو آج بھی اس کی ترقی کا یہ سفر جاری رہ سکتا ہے۔ استاد جوتیہ اپنی واضح عبارت کے ذریعے اس طرف اشارہ کرتا ہے کہ اس ترقی کے حوالے سے اہل مغرب خود اپنے ت پاؤں پر کھڑے نہیں ہو سکتے وہ اس معاملے میں کسی غیر کی معاونت کے محتاج ہیں)۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ استاد جوتیہ یہ کہنا چاہتا ہے کہ اگر مراکش کے بیٹے اپنے وطن کو ترقی دینا چاہتے ہیں تو خود نہیں دے سکتے بلکہ اس کام میں وہ فرانس کے سامراجی نظام کے محتاج ہیں۔ جب اس نے یہ لفظ بولا (مع الغیر) یعنی فرانسی سامراجی نظام پر اعتماد کرنا پڑے گا اور جو بھی یہ کہہ رہا ہے کہ مغرب (مراکش) اس دور حاضر میں بھی روم کے ساتھ کھڑا ہو جائے کتنی عجیب بات ہے وہ بھی جوتیہ کی منطق پر چلا ہے وہ مغرب (مراکش) کی ایسی محتاج لاچار صورت پیش کر رہا ہے مغربی تیل اٹلی تک پہنچایا کرتا تھا اور روم اس سے ۲۵۰۰۰۰ نسبتاً غذائی کفالت کرتا تھا۔ اس سب کے باوجود مراکش فقیر ہے وہ خود معاشی ترقی نہیں کر سکتا اس کے ساتھ ہی وہ اپنی سیاہ نگاہوں سے محبت کا اظہار کرتے ہوئے رومی دور سے لے کر فرانسی دور تک سامراجی نظام کو مراکش پر غالب کرنے کا حریصاں ہے اور اس میں وہ صرف خدا تعالیٰ کی رضا کی خاطر مراکش پر ترس کھا کر کر رہا ہے۔ یہ ہے سامراج کی منطق جو سامراج کی قلموں سے ظاہر ہوتی ہے۔ چاہے اس منطق کی خاطر تحقیق اور علم پر ہی انکو حملہ کیوں نہ کرنا پڑے۔

خاص طور پر جوتیہ کی اس عبارت سے مذاق اور ہنسی آتی ہے جس کو بیان کرتے ہوئے وہ خود فخر محسوس کر رہا ہے۔ جس عبارت سے یہ احساس ہوتا ہے کہ اگر مغرب (مراکش) فرانس کی خدمات سے مستثنیٰ ہو گیا تو کیا ہو گا اس نے کہا ہے!

(اگر فرانس فیڈل ڈی لا بلاش کے قول کی حد تک عمل کر کے آج ایک ترقی یافتہ ملک بن گیا ہے تو مغرب بھی اس کے تحت ترقی کر سکتا تھا لیکن آج اس کی حالت فرانس کے بالکل برعکس ہے۔)

گویا قاری کاتب کی آنکھوں سے اس حسرت کی وجہ سے بہنے والے آنسوں کو محسوس کر سکتا ہے وہ یہ کہ مغرب (مراکش) ہائے افسوس فرانس سے آزاد کیوں ہو گیا۔ یہ موقف اس مالدار یتیم کے وکیل کے موقف جیسا ہے جو اب سن بلوغت کو پہنچ گیا ہے اور اپنے مال کو حاصل کرنے کے لیے تیار ہو گیا ہے۔ اب اس یتیم کا کفیل جس نے اس کی خدمت کی تھی پالا پوسا تھا۔ ایسا موقف اپناتا ہے جس میں ظاہر، باطن میں تضاد ہوتا ہے۔ اندر کچھ اور باہر کچھ یتیم کو یہ بات کہتے ہوئے اپنی مخفی اندر کی سوچ کا اظہار کرتا ہے۔

(اے احسان فراموش تو نے آج وہ تمام خدمات بھلا دی ہیں جو میں نے تیرے لیے پیش کی تھی کوئی بات نہیں مجھے بھوک قتل نہیں کرے گی۔ لیکن تو اپنے مال و ثروت میری عنایت اور توجہ کے بغیر ضائع کر بیٹھے گا پھر یتیمی میں زور زور سے آنسو ٹپکاتے ٹھوکریں کھاتے ہوئے پھر رہا ہو گا۔)

۲) پختگی ثقاہتِ قول کے لیے مصادر اسلامیہ کا ایک طوفانی رو کی تیزی کی طرح کثرت سے استعمال ان مستشرقین کے اسالیب میں سے ایک یہ اسلوب بھی ہے کہ اپنی بات اور رائے کی پختگی کے لیے مصادر اسلامیہ کو اتنی کثرت سے بیان کریں گے جس کی کوئی حد ہی نہیں تاکہ قارئین اس موقف اور رائے کو بغیر کس شک، شبہ کے ثقہ سمجھ لیں اس حوالے سے مجھے کسی تعلیق کی کوئی ضرورت نہیں ہے بلکہ میں چند ایسی عبارتوں کے ٹکڑے اس ضمن میں یہاں نمونے کے طور پر پیش کر دیتا ہوں۔ محترم قاری پر خود بخود ان عبارتوں سے اس بات کی وضاحت ہو جائے گی۔

کتاب (ماضی شمالی افریقہ) میں سے اس ضمن میں چند نمونے:

صفحہ ۴۷:

(اگر ہم عربی مصادر کو تھوڑی تعداد میں بیان کرنا چاہیں گے تو ہمارے لیے باتوں کو سمجھانا مشکل ہو جائے گا۔ کیونکہ مشرقی تحقیقات میں رائے عامہ کے حوالے سے بہت ایسی بندشیں اور ناقابل فہم باتیں ہیں۔ جن کی وضاحت کے لیے عربی مصادر کو کثرت سے لانا بہت ضروری ہے ہم ان کو تھوڑی تعداد میں بیان کرنے سے قاصر ہیں۔)

صفحہ نمبر ۶۹:

(پرانے زمانے کی عقل خرافات، جعل سازیوں اور حقیقت میں تمیز کرنے سے قاصر تھی۔ اہل مغرب کو اس حقیقت سے بہت زیادہ ٹکرانا پڑا اور بہت سے اہم امور کی حقیقت تک رسائی حاصل کرنے کے لیے بہت سی صعوبتیں برداشت کرنا پڑیں۔ جن کے بارے میں اتفاقیہ طور سے سنا تھا کہ یہ خرافات اور من گھڑت ہیں۔)

صفحہ نمبر ۴۴:

(عربی کی بربری کی طرح مثال ہے جس کی طرف تاریخ میں توجہ نہیں دی گئی اور اسلام میں علمی فضیلت کی بیداری بعد میں آنے والے عباسیوں کے عہد سے پہلے کبھی نہیں ہوئی تھی اس مرحلے میں داخلی افکار کو بیان کیا گیا۔)

صفحہ نمبر ۴۸:

(یہ امر صعب نہیں بلکہ مؤرخین کی وہ عقلیں جنہوں نے مغربی مؤرخین سے اختلاف کیا ہے یہ معاملہ بہت سنگین ہے کیونکہ ان کو سمجھنا ہمارے لیے بہت دشوار ہے۔)

صفحہ نمبر ۵۵:

(ہم یورپیوں کے نزدیک دین کی کوئی اہمیت نہیں ہے جبکہ اہل مشرق کے نزدیک تاریخ کی کوئی اہمیت نہیں ہے۔ لہٰذا دینی اور تاریخی دونوں شعور متعارض ہیں۔)

صفحہ نمبر ۷۰:

(ہم اس بات کو نہیں بھول سکتے کہ ہمارے کاتب نے ان مبالغہ آرائیوں سے پردہ ہٹایا ہے جو صرف چھوٹے کاتبوں کے ہاں ہی نہیں بلکہ بہت بڑے نامور کاتبوں نے بیان کی ہیں جیسا کہ مسعودی اور بکری وغیرہ۔)

صفحہ نمبر ۷۱:

(یہ عرب مؤرخین گمان کرتے ہیں کہ بادشاہون کے ناموں، القابات اور ان کے حکومتی کارناموں ذکر کر کے اپنی ذمہ داری کا کامل طریقے سے ادا کر دی ہے۔)

صفحہ نمبر ۸۷:

(روض القرطاس کے مؤقف کے حوالے سے ابن خلدون دیگر کاتبوں کی نسبت بہت نامور اور واضح موقف رکھنے والے ہیں۔ مگر تمام کے تمام مشرقی ذہنیت رکھتے ہیں۔ ان کے تصورات اہل مغرب بغیر تاویل کے نہیں مانتے۔)

صفحہ نمبر ۹۸:

(ابن خلدون چونکہ چودویں صدی میں تھا۔ لہٰذا لازمی طور پر وہ قدیم مؤرخین اور افرقوس کی خرافات جن کو نسلیں عربی تاریخ کی عادت اور مزاج کے مطابق نسل در نسل بیان کرتے آئے ہیں متاثر ہوا ہو گا۔)

صفحہ نمبر ۱۰۰:

(عرب مؤرخین کی تاریخ سے عدم دلچسپی حیران کن بات ہے۔)

(کیا یہ بات غور طلب نہیں کہ عرب مؤرخین اس گدھے کو نہیں بھولے اس کی فکر سے ان کے اذہان بھرے پڑے ہیں جبکہ (یونانی قرطاجے) سے کبھی بھی پردہ نہیں اٹھایا۔)

صفحہ نمبر۱۷۵:

(عرب موٴرخین جو مبالغہ آرائی میں بڑے مشہور ہیں بطریق کی بیٹی کی خبر کا ذکر کیا ہے۔)

(درحقیقت عرب موٴرخین کی بیان کردہ تاریخ میں خرافات اور حقیقت میں تمیز کرنے کا معاملہ ہمارے لیے ہمیشہ امر صعب رہا ہے۔)

صفحہ نمبر۱۷۸:

یہ غموض اور ابہام ان لوگوں کے سبب نہیں ہے جنہوں نے عربی بربری تعلقات سے متعلق عرب موٴرخین کی کتابوں پر اکتفا کیا ہے۔)

(ہو سکتا ہے یہ قصہ من گھڑت اور خرافاتی ہو لیکن چونکہ اس طرح کی خرافات عربی موٴرخ کے لیے عام سی بات ہے۔)

صفحہ نمبر۱۸۹:

(عرب مورخین اس چیز کے اسباب کے حل کے حوالے سے عدم توجہ اور بے مروتی کا ذکر نہیں کرتے کہ انہوں نے یہ روکھا پن اور عدم توجہ کیوں برتی؟)

صفحہ نمبر۱۹۲:

(سب سے زیادہ حیرانی کی بات تو یہ ہے کہ کاہنہ نے عرب موٴرخین کے خیالات کو جلا بخشی اور ان سے ایک زندہ فکر لی ہے ان کی کتابت کی عادت کے برخلاف یہ بڑی عجیب بات ہے۔)

(عصر اسلامی میں بعض موٴرخین، اطباء اور فلاسفہ خاص طور پر جنہوں نے عربی لغت سے متعلق لکھا ہے ان کے تجربات نے اس بات میں وضاحتی اضافہ ضرور کیا ہے لیکن اس سب کے باوجود ان کے اقوال، آراء کو بیان کرنے میں احتیاط سے کام لیا جائے کیونکہ وہ تاریخی خطاؤں اور مسائل و معاملات کے اختلاط سے بھرے پڑے ہیں (التراث الیونانی) کتاب ماکس میرہوف)

ان فقروں کی طرف جو میں نے ان مصادر مراجع سے بیان کیے ہیں جن تک رسائی حاصل ہوئی اور میرے ہاتھ لگے رجوع کیا جائے تو تمھیں پتہ چلے گا کہ وہ صورت جیسے قاری کے ذہن میں عام طور پر مشرقی اور خاص طور پر عربی تاریخی مصادر کے حوالے سے بٹھانے کی خواہش کی گئی ہے وہ درج ذیل ہے:

۱. مشرقی تحقیقات میں رائے عامہ ناقابل فہم ہے۔

۲. مشرقی عقل حقیقت اور خرافات میں تمیز نہیں کر سکتی۔

۳. عربی کی مثال بربری کی طرح ہے جو تاریخی توجہ کے لائق ہی نہیں۔ مشرقِ اسلامی میں علمی فضیلتیں داخلی اندرونی، افکار کا نتیجہ ہیں۔

۴. مشرقی مؤرخین کے نزدیک تاریخ کی کوئی اہمیت نہیں ہے وہ صرف دینی احساس سے لکھتے ہیں۔

۵. عرب مؤرخین نے بادشاہوں اور ان کی حکومت کے کارناموں کو لکھ کر یہ گمان کر لیا ہے کہ انہوں نے اپنا فرض کامل طریقے سے ادا کر دیا ہے۔

۶. ابن خلدون سمیت تمام مشرقی مؤرخین مشرقی ذہنیت رکھتے ہیں۔ ان کے تصورات کو اہل مغرب تاویل کے بغیر قبول کرنے سے قاصر ہیں۔

۷. عرب مؤرخین تاریخی خرافات کو عربی تقلیدیِ مفہوم کے مطابق نقل کرتے ہیں۔

۸. عرب مؤرخین کے نزدیک تاریخ کی کوئی اہمیت نہ ہونا حیران کن بات ہے؟

۹. عرب مؤرخین مبالغہ آرائی میں بڑے مشہور ہیں۔

۱۰. عرب مؤرخین کی بیان کردہ تاریخ میں حقیقت کی تمیز کرنا امر صعب ہے۔

۱۱. عرب مؤرخین کی کتب ابہام، غموض کے حوالے سے پہچانی جاتی ہیں۔

۱۲. خرافاتی قصے کہانیاں بیان کرنا ایک عربی مؤرخ کا معمول ہے۔

۱۳. عرب مؤرخین اسباب کے حل کے حوالے سے بے مروتی اور عدم توجہ برتنے جیسی صفات سے متصف ہیں۔

۱۴. عصر اسلامی میں مؤرخین فلاسفہ، اطباء نے اگرچہ بڑی واضح صورت پیش کی مگر پھر بھی ان کے اقوال کو بیان کرنے اور نقل کرنے میں احتیاط سے کام لیا جائے گا۔ کیونکہ وہ تاریخی غلطیوں اور مسائلی اختلاط سے بھرے پڑے ہیں۔

جیسا کے محترم قاری دیکھ رہا ہے کہ یہ وہ انجکشن ہیں جن کو مستشرقین انسانی ثقافتی اور علمی خدمات کی صورت میں اپنی ریسرچ اور تحقیقات کے ذریعے چالاکی اور عیاری سے لگانا چاہتے ہیں۔ یہ تو وہ انجکشن ہیں جو بڑے واضح ہیں اور قارئین بڑی آسانی سے ان کی عبارتوں سے محسوس کر سکتے ہیں اور ہر شخص جس کی نظر سے یہ فقرے اور عبارتیں گزریں گی۔ وہ بھی محسوس کر سکتا ہے۔ ہاں اس میں کوئی شک نہیں کہ ان کی کتابت میں سے ہم نے جن آراء کا ذکر کیا ہے وہ بہت زیادہ خطرناک سب سے زیادہ مخفی اور پوشیدہ ہیں۔ قارئین کے ذہنوں میں تیزی سے سرایت کر جانے والی ہیں۔ خاص طور پر وہ قارئین جو عادی ہیں اور وہ جو ہر جدید چیز کو قبول کرتے ہیں اور ہشاش بشاش ہو جاتے ہیں

جب ایک عام قاری اور محقق کے پاس سے یہ انجکشن گزرتے ہیں تو ابتدائی طور پر تو بڑے نرم ملائم محسوس ہوتے ہیں۔ پھر آہستہ آہستہ اس قدر واضح ہو جاتے ہیں۔ جو ایک حقیقت کا لباس پہن لیتے ہیں۔ جب مستشرق یہ گمان کرنے لگتا ہے کہ اب مشرقی قاری اس کی طرف مائل ہو گیا ہے اور اسکی توجہ اس میں مبذول ہو گئی ہے تب وہ ایک ایسی ضرب مارتا ہے۔ جو ہر چیز کو تباہ، برباد کر کے رکھ دیتی ہے۔ جب اس کو یہ یقین ہو جاتا ہے کہ قاری ان مراحل سے گزر گیا ہے۔ جن میں اُسے احتمال ہوتا ہے کہ ابھی وہ مکمل مائل نہیں ہوا تب تک وہ پر زور حملہ نہیں کرتا وہ مراحل جیسا کہ سب سے پہلے شک، پھر تنقید، پھر لوٹانا، حقارت، غفلت اور پھر فکری تحول پھر قاری کا اس منہج پر چل پڑنا جس کو ایک چالاک مستشرق چاہتا ہے۔

محترم قاری ان منصوبہ جات اور خاکوں کو مستشرقین کی اکثر کتب میں بڑی آسان سے دیکھ سکتا ہے۔

ہم سابقہ فقروں سے درج ذیل مثالیں اخذ کر سکتے ہیں:

أ. شک پیدا کرنے کا منصوبہ

(اگر ہم عربی مصادر کو تھوڑی تعداد میں ذکر کریں تو ہمیں معاملات کو سمجھنے میں بڑی دقت ہو گی۔ اس لیے ہمیں کثرت سے عربی مصادر، مراجع کی طرف رجوع کرنا پڑتا ہے۔)

(مشرقی عقل کے مزاج میں یہ ہے کہ وہ حقائق اور خرافات میں بالکل تمیز نہیں کر سکتی)

ب. تنقید، نقطہ چینی

(ہم یہ بات نہیں بھول سکتے کہ ہمارے عظیم کاتب نے ان مبالغہ آرائیوں کے حوالے سے پردہ ہٹایا ہے۔ جو بڑے نامور مؤرخین اور جغرافی سکالروں کی کتب میں ملتی ہیں جیسا کہ مسعودی اور بکری وغیرہ۔ یہ مبالغہ آرائیاں صرف چھوٹے درجے کے کاتبوں کے ہاں ہی نہیں ہیں۔

ج. احساسِ حقارت:

ہو سکتا ہے کہ قصہ خرافاتی ہو اس طرح کی خرافات اور جعل سازیاں عربی مؤرخ کے نزدیک معمولی بات ہے۔ عرب مؤرخین بہت سے مسائل کا حل اور ان کے اسباب کو بیان کرنے سے بے مروتی اور عدم توجہ کا مظاہرہ کرتے ہیں۔ زیادہ ذکر نہیں کرتے۔ جبکہ یہ بڑی عجیب بات ہے کہ کاہنہ نے عربوں کے خیالات کو جلا بخشی ہے اور ان سے زندہ سوچ لی ہے جو کہ عربوں کی طبعیتوں اور مزاج کے بر خلاف ہے۔

د. مستشرقین کے منہج پر چلنا

جب سابقہ تمام مراحل پورے ہو جاتے ہیں تو محترم قاری اس قدر متاثر ہو جاتا ہے کہ وہ اس مستشرق کے منہج پر چل پڑتا ہے اور اپنی تحقیق میں اس کے اسلوب کو اپناتا ہے اسی کے اسلوب کے مطابق چلتے ہوئے مشرقی مسائل کو حل کرنے اور ان کا معالجہ کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ میری مراد یہ ہے کہ وہ اب ایک دوسرا مستشرق بن جاتا ہے یا پھر وہ ایک مغربی فکر کا حامل ہو جاتا ہے کیونکہ وہ اپنے وطن ثقافت دین اور اپنے معاشرے کے مسائل، معاملات کا علاج اس منہج اور اسلوب پر چلتے ہوئے کرتا ہے اور اُسے مغربی دور بین سے دیکھنے لگتا ہے۔

جو فکر اس کو مستشرق نے دی تھی اس کے تناظر میں وہ اپنے دینی ثقافتی معاشرتی مسائل و معاملات کا علاج کرنے لگتا ہے۔ اپنے خیمے کو لپیٹ دیتا ہے پھر وہ مطمئن ہو کر چل پڑتا ہے کہ اس کی سامراج کے لیے خدمات کاوشیں کبھی بھی بے کار اور بے سود نہیں جائیں گی۔

ہ. اسلام کے بارے میں شکوک وشبہات پیدا کرنا

یہ اسلام کے بارے میں شکوک و شبہات پیدا کرنا ہی ہے یہ کہنا کہ یہ ایک وہ بشری تحریک ہے جو ایک صحرائی جزیرے میں رہنے والے عربوں کی محرومی کے اسباب کے تحت وجود میں آئی اور اس نے انسانیت کے لیے کوئی خدمت نہیں پیش کی اس میں کوئی خیر کی بات نہیں سابقہ تہذیبوں سے ماخوذ ہے۔ یہ ان صفات کی پیروی میں ہے جن سے بدو اور بے مروت عرب متصف تھے۔ یہ دین علم اور فلسفے سے جنگ کرتا رہا یہ وہ اہم اسلحہ ہے جسے مستشرقین نے اسلام کے ساتھ جنگ میں استعمال کیا اور اس سابقہ گفتگو سے کہیں بڑھ کر بہت سے ایسے خطرناک انجیکشن ہیں جنھیں مستشرقین نے اپنی چالاکی کے تحت اپنی کتابت کے مختلف اسالیب میں کبھی تو پوشیدہ رکھا ہے اور کبھی اس حد تک اعلانیہ طور پر ظاہر کیے ہیں جو ایک شکست دینے کی حد تک اظہار تھا اور یہ سب کچھ وہ ایک علمی اور انسانی خدمت کے پردے میں رکھ کر پیش کرتے ہیں۔ یعنی ظاہری طور پر وہ لوگوں کو یہ بارآور کرواتے ہیں کہ وہ اپنی ریسرچ اور تحقیقات علمی اور انسانیت کی خدمت کے لیے پیش کر رہے ہیں۔ جبکہ اس کے پس پردہ اس طرح کے خطرناک سنگین اور شرمناک مخصوص اغراض و مقاصد کار فرمان ہوتے ہیں۔ یہاں محترم قاری کے لیے اس کی چند مثالیں پیش کی جاتی ہیں (نیک مسلمان کے لیے ان علوم سے بچنا ضروری ہے جس حد تک ہو سکے وہ اجتناب کرے کیونکہ وہ دین کے لیے خطرناک ہیں۔ اس وجہ سے لوگوں کے لیے اس قول کو دلیل بنایا کہ نبی ﷺ نے جب ان علوم پر توجہ دی تو اپنے رب سے ان کے حوالے سے پناہ مانگی اور فرمایا! میں اس علم سے پناہ مانگتا ہوں جو نفع رسا نہیں۔)

(رسمی اسلام صرف نظریے کی حد تک کشف سے جنگ کرنے والا ہے لیکن حقیقت میں اور عملی طور پر جمہور کے عقیدوں میں اس کے نفاذ کی اجازت دیتا ہے۔)

(اسلام کے نزدیک اولیاء اللہ اور نبیوں کے نزدیک تمام ارواح مقدسہ یہاں تک کے محمد ﷺ جو تمام ارواحِ مقدسہ کے سب سے اعلیٰ نمونہ ہیں۔ جب انتہا کو پہنچ جائیں گے تو ان سے ایک ایسی عقل وجود پائے گی جو ازل سے ہے اور وہ کریم قدیر نجات دہندہ ہو گی۔ عیسائیوں کے نزدیک حضرت عیسیٰ علیہ اسلام)

(دینی اور قومی حوالے سے نظریاتی رو جو کہ نظریہ، عمل اور جادو کے ایک گروہ سے تعلق رکھتی ہے۔ اسی طرح جادو، علمِ نجوم (خرافی علم) کی غیر معلوم چیز پر بحث کرنا، خواب، علم الاعداد، فوائدِ محبت اور تعویذات وغیرہ۔ انہی جادو اور نظریات کی انواع کا ایک مجموعہ ہے جو اب عربی اسلامی نظریات بن چکے ہیں۔)

(آج ہم دیکھ رہے ہیں کہ اسی کی ایک قسم اسلامی جادو جو اُن زنوجی وحشی ممالک کو فتح کرنے کے لیے اسلامی سورج بن کر طلوع ہو رہا ہے جو کہ اس کے بڑے طویل عرصے کے بعد تک اس رسمی اسلام پر ایمان نہیں رکھتے تھے۔)

(اسلام بذات خود کچھ نہیں ہے یہ تو نظریات کا ایک تسلسل ہے جو آہستہ آہستہ ایک ایشیائی دین بن گیا ہے۔)

(صرف یہ کہ اس نے جب دیکھا اسلام تو ایک نئی چیز ہے۔ دوسرے پہلو سے یہ کہ تہذیب اور دین ایک ہی چیز ہیں تو یہاں سے عربوں کی خرافات نے جنم لیا یہی خرافات ہیں جنہوں نے موَرخین کی آنکھوں پر پردہ ڈال دیا جس سے یہ خرافات رؤیتِ حقیقت جو کہ بڑی واضح ہے اور موَرخین کے درمیان حائل ہو گئیں اور یہ تہذیب بہت قدیم ہے اور اس کے حامل اس کے اصلی بنیادی افراد تھے۔ اسی کا دنگل اور میدان جاری رہا اسلام تو اس کے مقابلے میں بہت ہی اجنبی پردیسی تھا جس نے عالم قدیم کو فتح کرنے کا ارادہ کیا تھا لیکن بعد میں وہی عالم قدیم جو تفوق، بلندی پر قائم تھا اس کے سامنے اسلام شکست کھا گیا یعنی اس کے سامنے جھک گیا اور اسی کا پیروکار بن گیا۔)

(یہ کہ قانون روم دعوت نبوت سے کچھ ہی عرصہ پہلے ترتیب دیا گیا جس کا شریعت اسلامی کے ہر مسئلہ اس کے بعد میں اثر پڑنا بڑی واضح بات ہے یہاں تک کہ قریب تھا کہ اس کا ہر اصول قانون روم کے اصولوں میں سے ہو جاتا یعنی اسلام شریعت کے قوانین میں رومی قانون کا اس قدر اثر پڑا کہ ہر اصول ہی رومی اصول میں سے ہو گیا تھا۔ چونکہ وہ دعوتِ نبوت سے کچھ ہی عرصہ پہلے ترتیب دیا گیا تھا۔)

(اگر ہم ان ملکوں کی تہذیبوں کا جائزہ لیں جن کو عربوں نے فتح کیا تھا تو ہم یہ حکم بآسانی لگا سکتے ہیں کہ اسلام میں وہی تمام چیزیں باقی رہیں جو عہد قدیم میں وہاں ان ملکوں میں تھیں۔ اسلام نے ان کو کوئی نئی چیز نہیں دی چاہے وہ سیاسی، جنگی، اقتصادی، علمی، فنی یا پھر صنعت کاری کے میدان ہی کیوں نہ ہوں اسلام نے اس باب میں کوئی نیا اضافہ نہیں کیا۔)

(اس وقت اہل مشرق کی اٹھان، ترقی جس کا ہم مشاہدہ کر رہے ہیں وہ قدیم اور اوائلی تراث سے مربوط نہیں بلکہ جدید یورپی تراث سے مربوط ہے۔ (کارل بکر سابقہ مرجع)

جو (الفِرق الاسلامية في شمال افريقيا) کتاب میں آیا جس کے مصنف الفرد بل اور مترجم ڈاکٹر عبدالرحمٰن بدوی ہیں۔ درج ذیل ہے:

(یہ ممالک میں زرعی مال و ثروت، جزیرہ عرب کے صحرائی بدوؤں کی طرف منسوب کردہ معمولی ثروت نہیں ہے۔)

(ابتداء میں عرب فاتحین کے لشکر اصلی عرب جنگجو افراد سے تشکیل پائے ہوئے تھے اور ان کی اکثریت جزیرہ عرب کے فقیر لاچار محروم غریب صحرائی بدوؤں پر مشتمل تھی جبکہ ان کی قیادت مہذب، ذہین چالاک شہری عربوں کے ہاتھوں میں تھی۔)

(جدید مجاہدین اور سپہ سالار وہاں اپنے وطنوں میں لوٹ کر نہ جانے کی غرض سے نہیں آئے تھے جن وطنوں میں وہ اپنی عورتیں اور بچے چھوڑ کر آئے تھے۔ ایک مقرر مدت کے بعد ان میں سے بہت سے اپنے حصے کا مال غنیمت لے کر واپس لوٹ آئے تھے۔)

(عربوں کی اپنے صحراء سے ساتویں صدی عیسوی میں ہجر کرنا کوئی پہلی بات نہیں تھی بلکہ یہ ان ہجرتوں کا ایک تسلسل تھا جو ابتداء تاریک سے شروع ہو گئیں تھیں۔)

(وہ سب ایک قوی بادشاہ محمد ﷺ کی قیادت میں جمع ہو گئے پھر ان کے بعد والے سلطان کے ماتحت جمع ہوئے یہ وہ عرب تھے جو مادی دنیا کے پیاسے تھے کیونکہ صحرائی زندگی نے ان کو تنگدست اور محروم کر دیا تھا۔ زندگی کی فروانی کم ہو گئی تھی۔)

(اسلامی فتوحات کے لشکر ایسے عرب تھے جو جزیرہ عرب سے آنے والے بدو لوگ تھے جن کے اندر دینی اسلامی اور تقوی کی شدید غیرت نہیں تھی۔)

(ہم اسلامی فتوحات کے ابتدائی لشکروں میں یہ دیکھتے ہیں کہ وہ تمام صحرائی بدو تھے یہاں تک کے ہمیں ان لشکروں کی قیادت ان بدو سرداروں کے پاس بھی نظر نہیں آتی بلکہ ان کی قیادت شہری عرب کر رہے تھے ان قائدین میں سے زیادہ تر مکہ، مدینہ کے رہنے والے تھے اسی طرح ہم اس لشکر کے سپاہیوں میں ایسے لوگ بہت کم دیکھتے ہیں جو ایمان کے نور سے روشن ہوں اور دین جدید کو پھیلانے کی غرض سے مرنے کے لیے بھی تیار ہوں۔)

(ابتداء اسلام میں لشکروں کی جو صورت تھی ایک ہاتھ میں تلوار دوسرے ہاتھ میں قرآن تا کہ قوموں کو دین جدید کے تابع بنا سکیں جو کہیں بھی قابل قبول نہیں ہے اور ایسی صورت کا شعراء کے خیالات کے علاوہ عملی طور پر ہونا ممکن ہی نہیں ہے۔)

(تاریخ کے تناظر میں ہمیں قلت تقوی اور عقیدہ توحید کو بلندی دینے کے حوالے سے مسلمان قاصر، عاجز نظر آتے ہیں۔)

(بدولوٹ کھسوٹ اور خون بہانے میں بڑے جوشیلے تھے۔ لیکن خود قتل ہونا پسند نہیں کرتے تھے یعنی خود موت کے عذاب سے دوچار ہونا پسند نہیں تھا۔)

(اس میں کوئی شک نہیں کہ فتوحاتِ اسلامیہ میں جنگی سپہ سالار مخلص مومن اور اللہ رسول ﷺ کے لیے سچے لشکر موجود تھے جیسے کہ مشہور سپہ سالار عقبہ بن نافع الفہری (قیروان کا بانی) جو کہ اصل میں مکہ سے تعلق رکھتا تھا لیکن ایسے لوگوں کی تعداد ابتدائی غزوات میں بہت کم دکھائی دیتی ہے جن کے اند مغربی مال و ثروت اکٹھا کرنے کی کوئی حرص لالچ نہیں تھا۔ ہم ایسے غذوات کو درجہ بدرجہ ترتیب دے سکتے ہیں جن کو اسلامی غذوات کے دوران بہت سے اموال غنیمت ہاتھ لگے لیکن وہ ایسے متقی مسلمان تھے کہ ان کی طرف حرص اور لالچ کی نِگاہ سے نہیں دیکھا چند نام زہدورع کے حامل ان لشکروں میں موجود مسلمانوں کے اغناطیوس جولد تسہیر نے بھی جمع کیے ہیں لیکن عام طور پر یہ صفت ان ابتدائی اسلامی لشکروں میں بہت کم دکھائی دیتی ہے۔)

(یہاں ہمارے لیے مثال کے طور پر ان صحابہ کرام ﷺ کا عمل ہی کافی ہے جن کو نبی پاک ﷺ نے جنت کی بشارت دی تھی ااور ان کے تقوی اور ایمان کی تصدیق کی تھی۔ زبیر بن عوام طلحہ بن عبید اللہ وہ دونوں (۲٦۰؟)

(اس میں کوئی شک نہیں کہ مجاہدین نے مصر عراق اور شام کے غزوات کے دوران مال و دولت کی ایک بھاری کمیت جمع کی اس میں بہت سے بدو بھی اسلام کو قبول کر چکے تھے اور جہاد میں شریک ہوئے یہاں یہ بات بآسانی سمجھی جا سکتی ہے کہ ان بدوں کا کیسا جہاد ہو گا جو صحرائی اور عدم استقرار والی زندگی گزار رہے تھے۔)

(یہ وہ بنیادی اسباب تھے جو ساتوی صدی عیسوی کے وسط میں عرب قبائل کو قدیم عالم روم، فارس کو سرنگوں کرنے کی طرف لے گئے۔ ان اسباب میں سے ضرورت اور مادی طمع بھی تھا جیسا کہ جولد تسہر نے (العقیدة والشریعة فی الاسلام) کتاب کے صفحہ ۱۱۳ میں ذکر کیا ہے جس کا ترجمہ فرانسی زبان میں ہوا یہ تمام اسلامی

لشکر اور فتوحات کرنے والے دنیا کے طمع اور لالچ میں قتال کیا کرتے تھے یعنی ان کا مطمعٔ نظر مال و دولت تھا۔)

(ہم اس جہت سے بھی بات کرنا چاہتے ہیں کہ ان کا جہاد ان کے لیے ہر حال میں نفع بخش تھا اگر زندہ بچ گئے تو مال و دولت اور غنائم کی ایک بھاری قیمت کے ساتھ واپس لوٹیں گے اگر موت ہو گی تو ایک تو دینا کی صحرائی محرومی اور تنگدستی والی زندگی سے نجات مل جائے گی اور اگر خدا تعالیٰ کی رضا کی خاطر سچے مومن تھے جو فی سبیل اللہ اخلاص کے ساتھ لڑتے لڑتے مر گئے۔ تو وہ شہادت کے رتبے کو پہنچ جائیں گے اور ان کے لیے آخرت کی نعمتوں بھری زندگی ہے گویا ان کا جہاد ہر حوالے سے نفع ہی نفع ہے۔)

(بر حال کسی بھی صورت میں ابتدائی غزوات میں فی سبیل اللہ اخلاص کے ساتھ جہاد کرنا دین اسلام کی نشر اشاعت کی خاطر جذبہ جہاد سے سر شار ہونا پہلی ترجیح کی بجائے ثانوی حیثیت رکھتا تھا۔

جو امیل جوتیہ کی کتاب (ماضی شمال افریقیا) میں آیا ہے جس کا ترجمہ ہاشم حسینی فرجانی نے کیا ہے وہ درج ذیل ہے:

(یہ رومی شہنشاہت کے خاتمے اور دور جدید کے درمیان بہت بڑا گہرا کھڈا ہے اس زمانے میں مغرب کو ہم ایسا دیکھتے ہیں گویا وہ اپنی اور جماعت سے الگ ہو کر پرندوں کی طرح نغمہ سرائی کر رہا ہو گویا کہ وہ جس کرہ ارضی پر ہے وہ مسلمانوں کی سرزمین سے الگ ہی ہے یعنی مسلمانوں کی کرہ ارضی اہل مغرب کی کرہ ارضی سے الگ ہے وہ کسی اور ہی کرہ ارضی پر جی رہے ہیں۔)

(ان فارسی علوم کا کیا قصور تھا اور کیا ملا جن کو عمر ﷺ نے عربی فتح کے بعد ضائع کر دیا تھا اسی طرح کلدانیوں، اشوریوں، بابلیوں اور یونانی قبطیوں کے علوم کو ضائع کر کے کیا حاصل ہوا۔)

(ابن خلدون اس بات کا اعتراف کرتا ہے کہ اسلام سے قبل جتنے بھی علوم تھے ہمیشہ کے لیے ضائع اور تلف کر دیے گئے اب ان کا حصول ناممکن ہے۔)

(مشرق میں کوئی بھی ایسی چیز نہیں جیسے دین سے جدا سمجھا جائے ابن خلدون نے بیان کیا ہے کہ اسلام کا دائرہ کار اس اس کا پھیلنا ایسے ہے گویا وہ ایک دوسری فوجی شہنشاہت ہے۔)

(ابن خلدون کے ملاحظات اور نظریات کے مطابق ہم یہ دیکھ سکتے ہیں کہ مشرقی سلطنت جس کی بنیادیں دین پر ہیں جبکہ وہ ایک شہنشاہت ہے اور وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ ثقافت کو منہدم کر رہی ہے۔)

(قدیم قرطاجنہ نے قبول اسلام کے لیے بربریوں کی ایک تعداد کو اپنا نشانہ بنایا۔)

(غزوات، فتوحات اور شکستوں کی بھیڑ میں جن کو فتح مغرب کا نام دیا جاتا ہے اگر ہمارے ذہنوں میں ان کی اصل صورت واضح ہو جائے تو پتہ چلے گا کہ تمام مصر کے طنجہ، تیارت (تاہرت) اور اورس کے اردگرد ہی نظر آتے ہیں یعنی ان تمام معرکوں کا ہدف یہی رہے ہیں۔)

(ہم جب اسلامی مغرب (مراکش) کو دیکھتے ہیں جو آج اپنے پڑوسی ممالک سپین، صقلی اور مصریوں پر فوقیت رکھتا ہے یہ بات ہمارے کانوں پر نہیں رینگتی کہ ان کی جهود عہدِ رومی سے یکجا ہو کر جاری، ساری ہیں۔)

(شمال افریقہ میں کس چیز نے عیسائیوں کا خاتمہ کیا روم نے سب سے بڑا تحفہ جو مراکش کو دیا وہ ہے اس میں اونٹوں کا داخل کرنا یہ وہ اونٹ ہے جس نے رومی سلطنت کے خاتمہ کے لیے تیر پھینکا۔)

(لہٰذا بدووں اور قافلوں کو دوسرے ممالک میں جانے کی اور رخت سفر باندھنے کی کیا ضرورت تھی یا پھر ان کے بارے میں ابن خلدون نے نہیں بتایا جو ان سے محبت بھی کرتا ہے کہ وہ اپنے چولہے میں آگ جلانے کی خاطر ایک پتھر نکالنے کی غرض سے وہ پورا گھر منہدم کر دیتے ہیں۔ جیسا کہ اسی طرح رینان ایک اور جہت سے بات کرتا ہے کہ سامی ملکی فکر، سوچ کو نہیں مانتے۔)

(یہاں ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ بدو عربوں کی قیادت کے زیر سایہ کلدانی صقلی اور اندلسی ممالک نے کیسے ترقی پائی؟ ان کے لیے یہ کیسے ممکن بنا وہ مسافر ہیں پھر بھی اچھے مفید جانور لے کر بلاد مراکش کو کیسے گئے۔ اگر روم ابتداء ہی سے اپنی سلطنت اور اپنی قوم کی استقراری حالت اور مزاج کو سمجھ گیا تھا تو اس نے ایسا کیوں ہونے دیا؟)

یہ وہ چھوٹے چھوٹے چند ٹکڑے ہیں جو میں نے مستشرقین کی ان کتابوں سے لیے ہیں جو میرے ہاتھ لگے ہیں اور میں نے ان کا مطالعہ کیا اور پھر یہ فصل لکھی ان کی کتابوں کی طرف اگر محترم قاری رجوع کرے تو یہ بات واضح ہو جائے گی کہ یہ خاص طور پر اسلام کے بارے میں شک پیدا کرنے کی کوشش کرتے ہیں کہ یہ آسمانی دین نہیں ہے اس بات کی قاری کو یقین دہانی کراتے ہیں اور وضاحت کرتے ہیں کہ یہ مسیحی نظریات، افکار کا ایک تسلسل ہے اسی طرح یہ کہ اسلام نے سول رومی قانون سے مکمل طور پر استفادہ کیا یہاں تک کہ اسلام کا کوئی بھی مسئلہ اس قانون سے خالی نہیں رہا۔

یہ مستشرقین مسلمانوں کے حوالے سے جنگی موقف کو انتہا پسند تشدد کی صورت میں علم ہونے کے باوجود پیش کرنے کی کوششیں کرتے ہیں اور یہ کہ مسلمانوں نے اپنی فتوحات اور جنگوں کے دوران سابقہ اوائل علوم کو جلا دیا اور لائبریریوں کو بھی تباہ کر دیا اور اپنے پیروکار کو ان پرانے فلسفوں، علوم عقلیہ کی پیروی کرنے اور ان کو پڑھنے سے منع کرتے ہیں۔

اس ساری چیزوں سے بڑھ کر یہ ہے کہ انہوں نے اولین مسلمان فاتحین کی یہ منظر کشی کی ہے اور یہ تصور دیا ہے کہ ان کو لڑائی جھگڑے قتال اور غزوات کی طرف ان کی تنگدستی فقر، فاقہ اور تمام تر فراوانیوں سے محرومی لے گئی اور یہ کہ ان کے نزدیک یہ فتوحات مال دولت جمع کرنے کے علاوہ کچھ نہ تھا۔ بعض مستشرقین "تسہیر" اور "بل" نے کہا ہے (ان مسلمان فاتحین کا سب سے بڑا مقصد اور بنیادی مطمع نظر مال، دولت کی طلب تھی۔ وہ دنیا کے طمع اور لالچ میں قتال کرتے تھے۔ رہی مستشرق جوتیہ کی بات تو اس کی عربوں پر عضبنا کی اور برہم ہونا اس حد تک پہنچ گیا کہ اس کی درست رائے کو بھی لے گیا اس نے یہاں تک کوشش کی کہ وہ عربوں کو مکروہ اور حقیر ثابت کرے کیونکہ وہ اس کے نظر میں بدو ہیں۔ مزاج اور طبعیت میں بدو ہیں اگر چاہیے تو اس کے ان سابقہ فقروں سے اس بات کو جان سکتا ہے)۔

ان کے لیے یہ کیسے ممکن بنا کہ یہ بدو عرب قافلوں کی صورت میں مفید حیوانات کے ساتھ مغرب (مراکش) میں آئے جیسے کہ اونٹوں کے قافلے اگر شروع ہی سے روم اس پر کنٹرول کر لیتا ان کو انہ آنے دیتا تو کبھی بھی روم مغلوب نہ ہوتا۔ یہ جوتیہ کا کلام ہے گویا وہ یہ چاہتا ہے یہ شدتِ حسد کینہ نفرت اور شک، شبہ پیدا کرنا اس درج ذیل بات سے مزید ظاہر ہوتا ہے۔

(یہاں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کلدانی صقلی اور اندلسی ممالک نے بدو عربوں کی قیادت کے زیر سایہ کیسے ترقی کی؟)

مستشرقین محترم قاری کے ذہن میں اس سوچ کا بیج بونا چاہتے ہیں کہ دینِ اسلام عربوں کا وضع کردہ بشری دین ہے الوہی نہیں اور یہ کہ عرب ان بدوں کے مجموعے کا نام ہے جو زندگی کی محرومیوں اور تنگدستیوں کے سبب غازی اور فاتحین بنے جن کا مطمع نظر صرف دنیا کا حرص، لالچ تھا۔ اسی طرح امتِ اسلامیہ نے بالعموم پوری انسانیت اور خاص طور پر عربوں کے لیے کسی نئی چیز کو پیش نہیں کیا یعنی کچھ بھی جدید چیز پیش کرنے سے قاصر رہی ہے جس مبداء اور اصول پر یہ امت قائم ہے اور جیسے وہ اپنا دین سمجھتی ہے وہ سابقہ تہذیبوں اور نظریات کا ایک تسلسل ہے۔ یہاں تک کہ بربریوں کا اسلام قبول کرنا اسلام سے محبت کی خاطر نہیں تھا بلکہ قرطاجنہ کی روح اور فکر ان میں سرایت کر چکی تھی جس کے نتیجے میں انہوں نے اسلام کو قبول کیا تھا کیونکہ قدیم قرطاجنہ نے بربریوں کو اسلام قبول کرنے لے لیے اپنا ہدف اور نشانہ بنایا تھا۔

ایسے ہی جوتیہ کہتا ہے!

میں بر حال یہی کہتا ہوں کہ ان مستشرقین کی کتابت میں موجود زہر کسی کشف یا اظہار کا محتاج نہیں ہے۔

صنفِ نازک کا استعمال:

اہل مشرق کے خلاف جنگ میں سب سے قوی اسلحہ جو اہل مغرب نے استعمال کیا وہ تھا عورت کا استعمال جب صلیبیوں نے اسلام کے مقابلہ کے لیے تمام تر اسلحہ استعمال کرنے کے باوجود شکست کھائی تو انہوں نے اپنے جنگی منصوبوں اور طریقوں پر نظر ثانی کی اور اس نتیجے تک پہنچے کہ وہ کبھی بھی مسلمانوں پر حقیقی فتح حاصل نہیں کر سکتے جب تک کہ وہ ایسے اسلوب اور طریقوں اور وسائل کے ذریعے جنگ نہیں کرتے جو دیکھنے میں بالکل غیر محسوس ہوں آرام، سکون سے خاموشی کے ساتھ بیٹھے ہوئے مسلمانوں کو فتح کرلیں۔

ان وسائل، ذرائع میں سے ایک عورت کا استعمال تھا یعنی انہوں نے سوچا کہ اگر وہ اپنے مقصد کے حصول کے لیے نہایت ہی مفید ذریعہ تلاش کریں تو عورت کے استعمال سے زیادہ کوئی نہیں ہو سکتا۔ اہل مغرب نے عورت کا استعمال دو جہتوں سے کیا۔

پہلی جہت

مغربی عورت کو مشرقی اخلاق وعادات اور اخلاقی قدروں کو تباہ برباد کرنے کے لیے پیش کرنا اسی طرح عورتوں کے انفرادی مسائل کو مسلہ بنا کر اُسے مردوں کے قائم مقام درجہ دینا اور یہ فکر دینا کو عورت مرد کے شانہ بشانہ کام کر سکتی ہے۔

چاہے اس فکر کی عملی صورت اغیار کی خواتین کا فوج میں کام کرنا یا پھر ترقی یافتہ معاشروں میں خواتین کا مردوں کے ساتھ ملکر کام کرنا ہو اور اس عمل کو ثقافتی، تہذیبی ترقی کا نام دے دیا جاتا ہے یہ اغیار کی خواتین ترقی یافتہ ممالک میں جاکر مسلط ہو جاتی ہیں اُن کے عزائم کو اپنے شیطانی حسن کے دھوکے سے کمزور کر دیتی ہے اور ایسا حسن کا جادو چلاتی ہیں کہ وہ عزائم اور بیداریٔ فکر سے جذبات میں آکر دور ہو جاتے ہیں یہ خواتین ان معاشروں کے افراد پر ان کی سوچ، فکر میں تہذیب، ثقافت میں اپنے جادوِ حسن کے ذریعے مکمل طور پر چھا جاتی ہیں اور ایسا مسلط ہوتی ہیں کہ ان سے آزاد ہونا ناممکن ہو جاتا ہے۔

یہ نوجوان اور شہوت کی پیاسی خواتین کی فوج متوسط ممالک میں غریب مسکین لوگوں پر اپنے حسن کے جادو چلاتی ہیں اور ان کے دلوں میں شہوت کے بیج بوتی ہیں۔

بالآخر ان کو عملی زندگی میں شرمناک افعال میں ملوث کر دیتی ہیں جیسے کہ منشیات بوٹیاں اور تمام نشہ آور چیزیں وغیرہ۔

بس اغیار کی یہ عورت اپنے مقصد میں خوب کامیاب ہوئی یہاں تک کہ وہ معرکے سر کر لیے جن کو بڑے بڑے ہیرو، سپہ سالار اور بڑی بڑی فوجیں نہ کر سکیں۔

دوسری جہت

مشرقی عورت خود ان رزائل اخلاق سے وابستہ ہوگئی۔ایسی مشرقی خاتون جو قومیت میں مشرقی ہے لیکن اپنی فکر و سوچ میں مغربی ہے وہ مغرب کو اپنا آئیڈیل مانتی ہے مغربی تہذیب و تمدن سے متاثر ہے اور خود کو مشرقی تہذیب سے نکالنا چاہتی ہے گویا وہ ایک مغرب پسند ایسی خاتون ہے جو رہتی مشرق میں ہے مگر وہ ان سامراجی اغیاروں کی خواتین کی فکر کی حامل ہے اور ان کی نمائندہ بن کر یہاں کام کر رہی ہے گویا اس نے مغربی اغیار کی خاتون سے اس کے مقاصد کی ذمہ داری اپنے کندھوں پر لے لی ہے۔

اس عمل میں بھی ان کی فکر کامیاب ہو گئی ہے۔ مسلم مشرقی عورت میں بھی ان کی فکر کامیاب ہو گئی ہے۔ مسلم مشرقی عورت نے مغربی خواتین کے کردار سے منسلک ہونے کی کوشش کی ہے اور امت اسلامیہ جس کی اپنی ایک شریعت اور صاحب سالت ہے۔ شریعت محمدی ﷺ کی حامل ہے۔ اس میں عریانی، فحاشی اور شہوت کا بیج بو دیا ہے اور ایک اسلامی معاشرے کو عریانی، فحاشی کا گہوارہ بنا دیا ہے۔

یہ عورت درحقیقت اپنے ابتدائی سفر میں متردد تھی اور تذبذب کا شکار تھی ہو سکتا تھا یہ اغیار کی تہذیب ثقافت سے بچ جاتی لیکن اس کو ایسے مضبوط ہاتھوں نے تھاما ہوا تھا جو اس کو اس کے ناچاہتے ہوئے اس انتہا تک دور لے گئے کہ اس کو ایک نمائندہ کے طور پر مغربی تہذیب پرست خاتون بنانے میں کامیاب ہو گئے یہاں تک کہ اب وہ ان کی نمائندہ بن کر اسلامی معاشرے میں ان کے پراغندہ مقاصد کو کامیابی سے ہمکنار کرنے کے لیے شہتوں، عریانیوں اور فحاشیوں کے بیج بونے لگی جو کہ نہایت ہی افسوس ناک بات ہے۔

لہٰذا مستشرقین جب اپنے اہداف، مقاصد کو اپنی کتابت اور ریسرچ میں پیش کرتے ہیں تب وہ اس صنفِ نازک کے استعمال کے موضوع کو بالکل بھی نہیں بھولتے جنسی اور فریبی سیاست کی چالوں کے تحت اُسے پیش کرتے ہیں تاکہ وہ عمومی طور پر اہل مشرق اور خصوصی طور پر اسلام کو اپنے شر کا نشانہ بنا سکیں ایک مسلم خاتون کو آزادی فکر و رائے کی آڑ میں اپنی پراغندہ تہذیب کی طرف مائل کر سکیں اور اپنی عیاری سے اُسے اعتقاد میں اسلام سے متنفر کرنے کی غرض سے یہ سوچ دیں کہ اسلام نے عورت کے حقوق کی تلفی کی ہوئی ہے اور پوری طرح سے وہ حقوق نہیں دیے جو مردوں کو دیے ہیں جن حقوق کی بدولت وہ مغربی عورتوں کی طرح آزاد عریانی فحاشی والی زندگی سے لطف اندوز ہو سکتی تھی۔ اور یہ کہ اسلامی خاتون اسلامی معاشرہ میں یورپی سامراجی تہذیب کا آئینہ دار ہو کر ان کی فکر کو پھیلانے والی ہو سکتی تھی یہ ہیں وہ حقوق جو اسلام نے خاتون سے تلف کر لیے ہیں۔ لہٰذا یہ بہت بڑا ظلم کیا ہے۔

ہو سکتا ہے آنے والے مستشرقین کی عبارتوں سے لیے ہوئے اقتباسات میں اُن کی یہ فکر و سوچ اور طریقہ واردات محترم قاری پر واضح ہو سکے۔

مستشرق الفرد بل اپنی کتاب (الفرق الاسلامية فى الشمال الافريقى) کے صفحہ نمبر ۱۵ پر کہتا ہے!

(اسلام میں عورت کی حیثیت اور اس کے حقوق اضطراب کا ہمیشہ شکار رہے ہیں مثلاً اگر عورت ایک شرعی بیوی ہو تو بھی وہ اپنے شوہر کی ملکیت ہوتی ہے کیونکہ اُسے اس کے شوہر نے اس کے اہل سے کچھ معاوضہ دے کر خریدا تھا۔ ایسا معاوضہ جس پر اس کے اہل کا اتفاق ہوا تھا اسی طرح عورت ایک لونڈی کی صورت میں خریداروں کے بیچ کچھ معاوضے میں بکتی پھر رہی ہوتی ہے یہاں تک کہ جنگی حالت میں اُسے قیدی بنالیا جاتا ہے پھر اس کی کسی کے ساتھ شادی کردی جاتی یعنی ہر حال میں عورت ایک لونڈی ہی رہی ہے اسلام میں اس کی آزادی کو صلب کیا گیا ہے اس کے حقوق اضطرابیت کا شکار رہے ہیں۔)

کچھ سطروں کے بعد کہتا ہے!

(شوہر اپنی بیوی کو کسی کے ساتھ زنا کرنے کی اجازت نہیں دیتا اس لیے کہ کسی اجنبی کے خون کو اپنی اولاد میں مکس ہونے کو پسند نہیں کرتا اور اس لیے بھی کہ خاندانوں کی بنیادیں خونی تعلق سے ہی مربوط ہیں دوسرا یہ سبب ہے کہ بیوی اسکی ملکیت ہے وہ نہیں چاہتا کہ اس کی پراپرٹی میں کوئی شریک ہو یا وہ کسی اور کو اپنی پراپرٹی میں شریک کرے۔)

(شادی کا یہ تصور دو بنیادی نتیجوں کی طرف لے جاتا ہے پہلا یہ کہ بربر کے ہاں عرف عام میں اہر شریعہ اسلامیہ میں بیوی کا زنا قانونِ عامہ کے تحت ایک ایسا جرم شمار کیا جات ہے جس کی سزا صرف موت ہے۔ اسی طرح طلاق کے حق صرف مرد کے پاس ہے بیوی کسی بھی طرح کے نازیبہ حالات اور بدسلوکی کے پیشِ نظر خود طلاق طلب نہیں کرسکتی اور جو شوہر اپنی بیوی کو طلاق دیتا ہے ہو سکتا ہے وہ قیمت خرید بیوی کے والد سے یا پھر اس کے نئے شوہر سے وصول کرے اس لیے وہ قیمت وصول کرنا ممکن ہے۔)

یہ وہ جھوٹی اور جعل سازی کی تصویر ہے جیسے مستشرق نے سامراجی چالوں اور سازشوں کے تحت پیش کیا ہے جس کے پس پردہ صرف مسلمان نوجوانوں کو ان کے دین سے متنفر کرنے کا مقصد کار فرماں ہے اور یہ ثابت کرنا کہ شریعہ اسلامیہ ایک نہایت ہی پر تشدد شرعیت ہے۔ حالانکہ وہ انسانیت کے لیے سراپا سعادت مندی ہے۔ خدا تعالیٰ نے اُسے خوش بختی اور سعادت مندی بنا کر انسانیت کے لیے نازل کیا۔

اس چالاک وعیار مستشرق نے بڑی چالاکی کے ساتھ بربری قدیم تاریخ سے متعلق بات شروع کی پھر بڑی نرمی کے ساتھ ان کی اسلامی تاریخ کی طرف منتقل ہو گیا اور پھر بڑی ہی نرمی اور غیر محسوس انداز سے اپنی بات کو شریعہ اسلامیہ کی طرف کھسکا دیتا ہے۔ تاکہ (مراکش) میں اس امت اسلامیہ کی ترجمانی کرے اور شریعہ اسلامیہ کو اپنی فکر و سوچ اور اپنے فریبی پیمانوں سے تول کر بیان کرے۔

یہاں میں محترم قاری کے لیے اس ضمن میں ایک بات کہنا چاہتا ہوں وہ یہ کہ کوئی بھی مستشرق اسلام سے قبل بربریوں یا کسی اور قوم کے متعلق بات کرے جیسے دل چاہے کرے جیسے اس کی خواہش ہے کیونکہ دور جاہلیت میں قوموں سے متعلق بات ہمارے لیے کوئی معنی نہیں رکھتی اور نہ ہی ہمارے پاس ان قوموں کی کوئی درست تصویر موجود ہے ہاں اگر

وہ مشرق و مغرب میں امتِ اسلامیہ سے متعلق ایسی بے ہودہ غیر مصدقہ گفتگو کرے یہاں تک کے امتِ مسلمہ اور اسلام پر بے بنیاد الزام لگائے گا تو اس کا اُسے حساب دینا پڑے گا وہ قابلِ گرفت ہو گا۔

اس کا یہ تصور پیش کرنا کہ عورت کو کچھ قیمت کے عوض شوہر کے حوالے کر دیا جات ہے اور طلاق کی صورت میں شوہر اپنی رقم بیوی کے باپ یا اس کے نئے شوہر سے وصول کرے گا۔ یہ ایسے بے بنیاد الزامات اور جھوٹ ہیں جو اس نے عہد بربری اور اسلام پر لگائے ہیں۔ ایسے الزامات بے ہودہ بے حیا انسان ہی لگا سکتا ہے جس کے ہاں بزرگی عظمت جیسی کوئی بھی چیز نہیں ہے جس نے بربریوں کے ہاں عرفِ عام میں اور شریعہ اسلامیہ کے قانون کے تحت فعل زنا کی سزا موت بیان کی ہے اس قدر جھوٹ بولا ہے اور دین اسلام پر بے بنیاد الزام لگایا ہے اور یہ ایک طرح سے شریعتِ اسلامی میں تحریف ہے۔

بربری یا کسی بھی خطہ ارض پر موجود مسلمان ہوں دین اسلام پر وہ عمل کرتے ہیں اسلامی شریعت نے سب کے لیے ایک جیسا قانون بنایا ہے۔

زنا کی سزا بیوی یا شوہر سب کے لیے برابر ہے اور اس کی مختلف صورتیں ہیں اگر زانی شادی شدہ ہے تو اس کی سزا رجم ہے حتیٰ کہ اس کی موت وقع ہو جائے اور اگر وہ گیر شادی شدہ ہے تو اس کی سزا کوڑے ہیں اور یہ سزا تمام مسلمانوں کے لیے یکساں ہے چاہے وہ بربر ہوں عرب ہوں یا پھر فرانس کے باسیوں میں سے مسلمان ہوں سب کے لیے برابر ہے۔

مستشرق نے جو یہ تصویر پیش کی ہے کہ عورت ایک خرید، فروخت والا تجارتی سامان ہے اور یہ کہ طلاق کی صورت میں شوہر اس کے باپ سے یا نئے شوہر سے ادا کردہ قیمت وصول کرے گا یہ ایسے پراغندہ خیالات اور ابہامات ہیں جن کی بدولت وہ مسلمان خاتون کو بھڑکانا اور اشتعال دلانا چاہتا ہے۔ اسی طرح وہ ایسی جعل سازیوں اور خرافات کے ذریعے اسلام کی صورت بگاڑ کر پیش کرنا چاہتا ہے اس میں کوئی شک نہیں یہ سامراج کے ان اغراض مقاصد اور افکار میں سے ہے جن کے ذریعے وہ ایسے مسلمان نوجوانوں کی عقلوں کو گمراہ کرنا چاہتے ہیں جو اسلام کے متعلق کچھ نہیں جانتے انہوں نے اپنے اسلام کو پڑھا ہوا ہی نہیں ہے اور نہ ہی اسلام کے ان قوانین کو جانتے ہیں جن پر خاندانی زندگی کی بنیاد ہے اسلام کے قیمتی قوانین سے ان کو واقفیت نہیں ہے۔ لہٰذا یہ مستشرقین ایسے نوجوانوں کو گمراہ کرنے کے لیے ایسی اسلام سے متعلق جعل سازیاں اور بے بنیاد الزام لگاتے ہیں۔

میرے خیال کے مطابق یہ مستشرق "الفرد بل" کی جہود اور کاوشوں کی محترم قاری کے لیے اتنی صورت اسلامی ثقافت کی خدمت کے لیے کافی ہے۔ یہ وہ شخص ہے جس نے حکومتی فرانسیسی ادارے میں ۱۹۱۴ سے ۱۹۴۲ تک تقریباً تیس سال کا عرصہ گزارا ہے جس کی مغرب اور سامراج کی خدمت کے حوالے سے جہود کو استعمال کیا گیا ثقافت اور علمی خدمات کے پردے میں سامراجی فکر کو پروان چڑھایا گیا۔ اس میں بھی کوئی شک نہیں کہ اس مستشرق کا ایک ہی جگہ تیس

سال کا عرصہ قیام کرنے کے سبب مستشرقین کے ہاں بہت نام مشہور ہوا اور اپنا مقام، مرتبہ منوایا جو اس طرح کے مسائل سے متعلق اپنی خدمات پیش کرتے تھے۔ لہٰذا اس بنا پر اس کا قول حجت اور دلیل کی حیثیت رکھتا ہے۔

مستشرق امیل فیکس جوتیہ اپنی کتاب (ماضی شمال افریقیا) جس کا ترجمہ ہاشم الحسینی نے کیا ہے اس میں بیان کرتا ہے!

سبتیموس نے اپنی شامی بیوی کو ملنے کی غرض سے اپنے ملک کا سب کچھ چھوڑ دیا اور سب کچھ اپنی بیوی کو حاصل کرنے کے لیے لٹا دیا۔

پھر وہ کہتا ہے!

(کہ سبتیموس نے فینقی بیوی جولیا کی اس کی بدنامیوں رسوایوں کے باوجود دیکھ بھال کی یہ استرطاجنی شخص اور فینقی عورت کے درمیان گہرے جبی تعلق پر دلالت کرتا ہے۔)

پھر کہتا ہے!

(پھر کرکولا نے اپنے باپ کے طریق پر چلتے ہوئے اپنی ماں جولیا کے خاندان سے ایک شامی عورت سے شادی کی وہ چاہتا تھا کہ اپنی مشرقی خاندانی فضا ہموار کرے۔

اگرچہ مشرق میں عورتوں کی سازشیں بڑی مشہور تھیں۔ اس کے باوجود جولیا نے اپنے بیٹے کرکولا کو اس کے بھائی کو قتل کرنے کے لیے کیوں نہیں اکسایا؟ یہ بات بھی درست ہے کہ آگر بین یا نیرون کے ہاں مقابلہ بازی بھی تھی لیکن تیرے لیے مشرق میں ہونے والے وہ واقعات ہی کافی ہیں جن کو گزارے ہوئے ایک سو چالیس سال ہو گئے ہیں۔ بھائیوں کو اور عورتوں کو قتل کرنا مشرقی ممالک کے ہاں بہت ہی آسان کام تھا وہاں کا عام معمول تھا اور یہ کام وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ جاری رہا ہے۔)

پھر وہ کہتا ہے!

(بطریق جرجیر کی بیٹی جس کو آمنہ کا نام دیا گیا ایک انصاری آدمی کے حصے میں آئی اس نے اس کو ایک اونٹ پر بٹھایا اور ساتھ ساتھ چل دیا۔ یہ جواب بھی دے رہا تھا اے جرجیر کی بیٹی عنقریب تو پیدل چلے گی حجاز میں تیری سردار تیرا انتظار کر رہی ہے تو عنقریب مشک میں پانی بھر کر اٹھا کے لائے گی۔)

پھر کہتا ہے!

(وہ اروستقراطی خاتون جو خانہ بدوش بدوؤں کے ہاتھ لگی ایک خاص نوعیت کی وضع قطع کی ترجمانی کرتی ہے۔ عربوں کی ذہانت اور ان کی شدت میں سے تھا کہ انہوں نے عورت سے صرف لطف اٹھایا اور تمتع حاصل کی اس کے علاوہ ان کو اس سے کوئی سروکار نہ ہوتا تھا۔ بلکہ بہت زیادہ بدسلوکی کی۔)

پھر کہتا ہے!

(خاندانی مسئلہ اور عورت کی وضع قطع دو بڑے اہم معاملے ہیں اور بلاشک، شبہ یہی دو معاملے اہل مشرق، مغرب کے مابین بہت بڑے گہرے کھڈے ہیں۔)

مزید کہتا ہے!

(یہاں یہ ایک نئی بات ہو گی جو مشرقی عورت کے موضوع سے متعلق بڑا اہم نقطہ ہے اس کی طرف اگر ہم اشارہ کریں۔ جس نقطے کو اہل مغرب نے نہیں سمجھا۔ اگرچہ یہ بات درست ہے کہ مشرقی عورت تنہا زندگی گزارتی ہے لیکن وہ اپنی نسوانی وضع قطع کی حفاظت رکھتی ہے۔ اگرچہ یہ ہو سکتا ہے کہ وہ اپنی جہالت کے سبب یورپی عورت سے اپنی طبعیت اور مزاج کے حوالے سے زیادہ سخت اور جذبات میں زیادہ کرخت ہو۔ ہم سب نے عورتوں کے ان مکر و فریب کو سنا ہوا ہے۔)

یہ ایک دوسرا مستشرق ہے جس نے مغربی سامراج کے لیے اپنی خدمات کا آغاز جزیرہ مدغشقر سے کیا پھر جزائر آ گیا وہاں آکر اس نے علمی خدمات کے لباس میں مغربی سامراج کی خدمت میں مشغول ہو گیا اور وہی خدمت جاری رکھی جو پہلے جزیرہ مدغشقر میں کیا کرتا تھا۔ بس ظاہری طور پر اسکو علمی تحقیقات اور ریسرچ کا نام دیتا تھا۔

اپنی مسلمانوں سے اور بالعموم اہل مشرق سے متعلق کتابت میں ایسی بگڑی ہوئی صورت پیش کرنے کی کوشش کرتا جس کی اصل اُسے قصوں کہانیوں کی کتابوں سے ملتی ہے جیسا کہ (الف لیلۃ ولیۃ) وغیرہ۔ جبکہ عورت کے موضوع سے متعلق جب بات کرتا ہے۔ تو وہ کوشش کرتا ہے کہ مصادر حقیقی میں شکوک شبہات پیدا کرے اس کے حوالے کے طور پر مصادرِ حقیقی کو بیان کرتا ہے اور خواتین پر مغربی تصورات کے تناظر میں توجہ مرکوز رکھتا ہے جیسا کہ ان کے محلات میں ایک مرد کے ساتھ بہت سی خواتین موجود ہوتی ہیں ان کے ساتھ صرف ایک مرد تمتع حاصل کرتا ہے وہ تمام عورتیں اپنی چالاکی سے ایک آدمی کے دل کو جیتنے کے لیے ایک تنگ سے گھر میں قید ہو کر رہتی ہیں وہ اس طرح کے تصورات کو ذہنوں میں اجاگر کرنے کی کوشش کرتا ہے بلکہ وہ اس حوالے سے غزل کو بطور گواہی پیش کرتا ہے جس نے سوائے دو عورتوں کے کسی کا ذکر نہیں کیا اور وہ بھی دو عورتیں گھریلو خواتین میں سے نہیں تھیں۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ عورتوں کا اپنی مکاریوں اور چلاکیوں سے فاسق، فاجر لوگوں کے ساتھ جرائم کے لیے بادشاہوں گورنروں اور استقراطین کے محلات میں جمع ہونا ہے فرانس اور دیگر یورپی ممالک کے ثقافت میں شامل تھا اسی طرح باغی، سرکش خواتین شرعی بیویوں کے ساتھ کشمکش اور ہاتھاپائی اور بادشاہوں پر اس طرح چھا جانا کہ دیس پر امور سلطنت بھی ان کے حکم سے تہہ پاتے ہوں۔ انکے داخلی اور خارجی سیاست پر گہرے اثرات ڈالنا محبت کو ظاہر کرنا اور عملی طور پر معاملات میں خیانت کرنا پھر ان گانے والیوں کا کنیسائی احکام، معاملات سے ٹکراؤ۔ اسی طرح پھر سلطنت کا ان کی کنیسوں کی ضد میں حمایت کے لیے مداخلت کرنا ایک واضح یورپی تاریخ کی تصویر ہے اس تصویر کی ترجمانی مشرق میں سوائے ایک معمولی صورت کے بالکل نہیں ملتی لیکن یہ مکروہ صرت ابھی تک یورپ میں موجود ہے جو کہ مستشرقین کی منطق میں مغربی عورت کی ترقی پر دلالت کرتی ہے۔ بقول جوتیہ

کے کہ مشرقی عورت اپنی لاعلمی کے باوجود اس یورپی عورت کے مقابلے میں جذبات کے حوالے سے کہیں زیادہ جذباتی ہے۔

اس موضوع میں یہ بھی ممکن ہے کہ وہ اپنے پھینکے ہوئے تیروں سے ملنا فاتحین کی طرف توجہ دلانا چاہتا ہو اور ان کے حوالے سے بدنما صورت دکھانا چاہتا ہو۔ جس طرح اس نے ایک مسلمان فاتح فوجی کے حوالے سے منظر کشی کی ہے کہ اس نے جرجیر کی بیٹی کو قیدی بنا کر اونٹ پر سوار کر کے افریقہ سے جزیرہ عرب لے جا رہا تھا۔ یہاں تک ہی اکتفا نہیں کیا بلکہ اس کے درد، الم کی ترجمان کرتے ہوئے اس سے کہتا ہے۔

(کہ تو عنقریب اپنے قدموں پر چلتے ہوئے اپنی سردار کے پاس پہنچے گی تاکہ تو اس کے لیے مشک میں پانی بھر کر لائے۔)

اس تصویر پر مزید تعلیق لگاتے ہوئے کہتا ہے کہ عربوں کی یہ ذہانت ہے کہ انہوں نے اس المیہ کو جان لیا مگر پھر بھی اتنی سختی کی کہ وہ اس سے تمتع لطف اندوز ہوتے ہیں اس پر ترس نہیں کھاتے۔ جبکہ اس میں کوئی شک نہیں کہ ملین مشرقی خواتین عہد روم سے جزائر میں فرانس کے آخری دورِ حکومت تک مغربی سامراج کے ہاتھوں طرح طرح کے درد الام اور عذابوں کا شکار ہوئیں مگر ان کے طرف نظر نہیں جاتی اور نہ ہی ان کے معاملے کو المیوں میں شمار کیا جاتا ہے اور نہ ہی ان ے معاملے کو شدت سختی کے ساتھ معلق کیا جاتا ہے۔

کاش میں یہ سمجھ سکتا کہ غیزل نے مشرقی عورت سے متعلق ریسرچ کی لیکن اُسے سوائے دو عورتوں کے کوئی بھی نہ ملی وہ بھی ایسی عورتیں جن کے گھریلو خواتین میں شمار بھی نہیں ہوتا۔

یہ ہے مستشرقین کا اسلوب جب وہ مشرق کے حوالے سے عمومی اور اسلام کے حوالے سے خصوصی طور پر لکھتے ہیں اور اُسے ایک علمی تحقیقی ریسرچ کا لباس پہنا دیتے ہیں۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ ان میں سے بعضوں کی علمی میدان میں گراں قدر خدمات ہیں لیکن بہت سے ایسے ہیں جن کی کتابت سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ انہوں نے سامراج کی خدمت کی ہے یا پھر مغرب کا مشرق کے حوالے سے تعصب واضح ہوتا ہے یعنی انہوں نے سامراجی ثقافت اور تعصب کو علمی خدمات کے لبادے میں پیش کیا ہے۔

استاد جوتیہ بھی انہی مستشرقین کے اسلوب پر چلا ہے او اس نے اپنی ریسرچ اور تحقیق میں علمی اسلوب نہی اپنایا بلکہ اپنی ریسرچ کو ان سامراجی اہداف، مقاصد کے تابع کر کے چلا ہے جو سوچ سامراج بلاد اسلامیہ میں اور خصوصی طور پر بلاد مشرق میں پھیلانا چاہتے ہیں استاد جوتیہ اُسی فکر، سوچ کو اپنی تحقیق اور علمی ثقافتی خدمات کے لبادے میں پیش کرتا ہے اور سامراج کی خوشنودی کے لیے جدوجہد کرتا ہے۔

میں محترم قاری کے لیے مزید استاد جو تیہ کی عبارتوں کے چند ٹکڑے نمونے کے طور پر پیش کرتا ہوں تا کہ مزید وضاحت ہو جائے۔

(یہاں ہم اس تاریخ پر توجہ مرکوز کرنا چاہتے ہیں جیسے عہد اسلام میں تاریخ مغرب (مراکش) کا ہم نام دیتے ہیں تا کہ ہم یہ بات ثابت کر سکیں کہ اس عہد اسلامی کی مگربی (مراکش) تاریخ میں ایسے مختلف تصادم اور حادثات ہوئے جن کو انسانی ذہن می ایسے مختلف تصادم اور حادثات ہوئے جن کو انسانی ذہن شمار میں نہیں لا سکتا اور نہ ہی ان کے اسباب نتائج کبھی معلوم ہو سکے بس اس دور میں کوئی بھی ایسی مملکت وجود میں نہیں آئی جس نے اپنی مد مقابل مملکت کو بغیر کسی سبب کے ختم نہ کیا ہو اور بغیر کسی سبب کے خون ریزی نہ کی ہو بلکہ ہر قائم ہونے والی مملکت نے دوسری کو گرایا اور بلا وجہ خون بہایا یہ تاریخ بھوکی، پیاسی اور خشک نظر آتی ہے بلکہ ایک ایسا خشک صحراء ہے جس کے ابتداء میں کھڑا ہوا شخص آخر پر کھڑے ہوئے کو نہ دیکھ سکتا ہو۔)

(دیہاتی زندگی ہی ہے جس سے مشرق میں سیاسی تنظیم سازی منفرد حیثیت رکھتی ہے اور یہ دیہاتی زندگی ہے جو مشرق کو مغرب سے ممتاز کرتی ہے۔)

(افریقی قرطانجہ اور اندلس ثقافتی لحاظ سے دو بہت ہی تقارب رکھنے والے ممالک ہیں اور مراکش میں صرف یہی دو ممالک اسلامی ہیں کیونکہ اسلام سے قبل جس نے بھی یہاں اپنا کردار ادا کیا صرف اس غرض سے کیا تھا تا کہ وہ اپنا نیا دین لوگوں پر غالب کرے اور زبردستی لوگوں کو اپنے دین کا پیروکار بنائے۔)

(یہاں ہم اس سبب سے متنبہ کرنا چاہتے ہیں جس کی وجہ سے آج تک مشرق، مغرب کے درمیان جھگڑا اور تصادم رہا ہے اور وہ ہے افریقا میں لاتینی اور مسیحی خون کی ندیاں بہانا ہے۔)

(پھر کہتا ہے کہ شہنشاہت نے چاہا کہ ویسا ہی ایک انقلاب برپا کرے مگر غیر ارادی طور پر سیاسی، اجتماعی خطرناک قسم کی مزاحمتیں پیدا ہو گئیں جن کی بنا پر کوئی نتیجہ نہ نکل سکا۔)

(افریقہ نے عہدِ روم کو اپنا سنہری دور جانا ہے جس میں اسکی آبادی اور اقتصادی تناسب میں اضافہ ہوا۔ بس روم نے دوسروں کا سہارا لیا۔ وہ یہ کہ اونٹ کو اپنے ممالک میں داخل کر دیا یعنی عرب قافلوں کو داخل کر دیا۔)

(یونانی رومی تہذیب کے تاثر کے لحاظ سے افریقہ مغربی (مراکش) ستون کی بنیاد اور گہوارہ ہے۔)

(ان ممالک میں اس طرح کا تصرف کوئی عجیب، غریب معاملہ نہیں تھا بلکہ ہم تو تین ہزار سال سے قدیم شہر کے مفہوم کو ایک وطن کے مفہوم میں بیان کرنے کو ناپسندیدہ سمجھتے ہیں ہم اس عرصے کی تاریخ کو قابل ذکر ہی نہیں سمجھتے بلکہ ذکر کرتے ہوئے شرمندگی محسوس ہوتی ہے۔

(یہ ممالک آہستہ آہستہ کمزور ہو گئے اور ساتویں صدی کے رومی کسان زراعت اور ثروت منتشر ہو گئی بس پہاڑوں اور ساحلوں کے درمیان نقل مکانی کی زندگی رواج پا گئی۔)

ہو سکتا ہے یہ ایک لطیفہ ہی ہو اگر میں اس فصل کا اختتام اس مستشرق کے حوالے سے دو ایسے جائزوں پر کروں جو مضحکہ خیز نتائج پر مبنی ہیں۔

پہلی غور طلب بات

وہ اسی کتاب کے صفحہ ۱۵۳ پر درج ذیل بیان کرتا ہے:

(ہمارے لیے ضروری ہے کہ ہم اصل کے اعتبار سے زناتیہ اور یہودیہ کے درمیان تعلق قرابت کا ذکر کریں۔)

کیا تو نے نہیں دیکھا اس کی تحقیق میں کتنی گہرائی ہے اور کس قدر نتیجہ خیزی کی قدرت ہے اور اس کی منطق کی تو کیا بات ہے۔ زناتیوں کی پہلی ملکہ کاہنہ میں سے تھی اور لفظِ کاہنہ کوہین کے قریب ہے اور کوہین دراصل ایک یہودی کا نام ہے۔ لہٰذا اس بنا پر زناتہ اور یہود کے درمیان بڑا ہی گہرا تعلق ہے۔ یہ مستشرق بھول گیا ہے کہ اس ملکہ کا نام داھیی تھا کاہنہ نہیں کاہنہ عربی لفظ ہے جس کا عربوں نے کاہنوں کے اعمال کرنے والوں پر اطلاق کیا تھا جبکہ لازمی طور پر اس لفظ کا معنی کرتے ہوئے ہم کہیں گے کہ اصل میں یہ لفظ بربری تھا۔ بربریوں پر اطلاق کیا جاتا تھا عربوں نے اس لفظ کو ہمیشہ کے لیے مٹا دیا۔ لہٰذا یہ بات درست نہیں کہ ہم ان دو لفظوں کے درمیان مجرد کوئی ربط پیدا کریں آج مسلمان جن کے انبیاء کو موسیٰ ہارون، اسحاق سلیمان اور داؤد علیہم السلام کا نام دیتے ہیں۔ اس میں اس مستشرق کی کیا رائے ہے میرے خیال میں اس حوالے سے بھی اس کی رائے بڑی ہی نامعقول ہے۔

دوسری قابل غور بات

وہ اسی کتاب کے صفحہ ۱۵۳ پر بیان کرتا ہے۔

(یہ بات بہت معروف ہے کہ یہودی انقلاب شہنشاہ تراجان کے دور میں شروع ہوا جو برقہ سے نکلا تھا۔ جس کا سبب رینان کا اس انقلاب پر شدید دھاوا بولنا تھا۔ اس ظلم، تشدد کے نتیجے میں وہاں کے لوگ اٹھے ان کی قیادت جو شخص کر رہا تھا۔ اُسے (لوقوفا) پکارا جاتا ہے۔ اُس کو وہاں کے لوگوں نے اس سبب سے اپنا بادشاہ مان لیا تھا کیونکہ اس نے یونانیوں اور رومیوں کو وسیع پیمانے پر ذبح کیا ان کے گوشت کو کھایا۔ ان لوگوں نے اس کی قیادت میں ان کے خون سے اپنے ہاتھ آلودہ کیے ان کے جسموں سے کھال کھینچ لیتے تھے تاکہ اپنے جسموں کا لباس بنائیں اور پہن سکیں۔ برقہ میں جو لوگ اس ظلم کا شکار ہوئے اور جن کو ذبح کیا گیا تقریباً بائیس ہزار لوگ تھے یعنی وہاں کے تقریباً تمام باسی ذبح کر دیے گئے تھے وہ علاقہ دوبارہ سے ایک نیا خشک صحرا بن گیا صرف یہودی دینی تعصب کے تحت ایسے واقعات ہی نہیں ملتے بلکہ وہ تمام اس انقلاب کے لیے منظم نظر آتے ہیں۔

اس فقرے کو میں بغیر تعلیق لگائے محترم قاری کے لیے چھوڑ رہا ہوں تا کہ وہ خود اپنا حکم لگائے۔

امیل فلیکس جوتیہ کے سنگ

بعض مستشرقین نے بھی اباضیوں سے متعلق کچھ ویسا ہی لکھا ہے جیسا کہ دیگر مسلمانوں میں سے مقالہ نگاروں نے لکھا تھا میرے خیال میں ایک ہی ایسا نقطہ ہے جس سے جب مستشرقین اسلامی معاملات سے متعلق خصوصی طور پر اور بالعموم مشرق سے متعلق لکھتے ہیں آغاز کرتے ہیں۔ لہٰذا ہر ریسرچ کرنے والا اور محقق انسان ان مستشرقین کی کتابوں میں سے اس نقطے کا تعین کر سکتا ہے۔

رہی بات ان اسباب کی جن کی بدولت ان مستشرقین میں سے جب کوئی کسی مسلک معاملہ یا کسی فرقے سے متعلق لکھتا ہے تو اس میں ہر ایک کا اسلوب اور منہج دوسرے سے مختلف ہوتا ہے اور ایک سلطنت کے حوالے سے کتابت دوسری سلطنت سے جدا ہوتی ہے۔ لہٰذا اس طرح کی کتابت میں وہ ان اصولوں کو سامنے نہیں رکھتے جو مجموعی طور پر انکے اہداف اور مقاصد ہوتے ہیں بلکہ ہر ایک کی کتابت اس کے طبعی مزاج سے موسوم ہوتی ہے یا پھر اس کا وہ ادراک جیسے وہ اپنے قاری کے لیے محسوس کرتا ہے اس کے مطابق ہوتی ہے۔ لہٰذا وہ ایسا اسلوب اپناتا ہے جس سے اس کے قارئین کے ذہنی اشکال دور ہو سکیں اس طرح وہ ان کے ذہنی رجحان کا بھی خیال رکھتا ہے تاکہ وہ اس کے احساسات اور جذبات پر مکمل جاری ہو سکے اور جن مسائل کا وہ حل پیش کر رہا ہے ان کی تاثیر اس قاری کی شخصیت پر پڑے اور وہ اس کی کتابت پڑھ کر متاثر ہو۔ لہٰذا اس طرح کے موضوعات پر جب کوئی مستشرق لکھتا ہے تو وہ اپنے اصول ثابتہ کی بجائے قارئین کے مزاج کو سامنے رکھتا ہے اور ایسا اسلوب اپناتا ہے جس سے وہ اپنے قارئین کو متاثر کر سکے۔

مستشرقین بھی اباضیوں کی طرف اُسی جہت سے دیکھتے ہیں جیسا کہ دیگر مسلمان مقالہ نگاروں نے دیکھا ہے۔ لہٰذا یہ بھی اباضیوں کو ایک خوارج کا فرقہ شمار کرتے ہیں۔ صرف اتنا ہی نہیں بلکہ وہ سب کچھ اباضیوں کی طرف منسوب کرتے ہیں جو بعض غیر معروف خوارج سے اقوال، آراء اور واقعات صادر ہوئے یا وہ لوگ جو طلبِ مال حکومت، اقتدار کے لیے تشدد پر مبنی تحریکوں کو چلاتے رہے۔

میرے پاس اباضیوں سے متعلق مستشرقین کی لکھی ہوئی کتابت کا مجموعہ موجود ہے لیکن میں ان میں سے صرف دو نمونے کے طور پر لوں گا اور ان کا ناقدانہ تجزیہ کروں گا۔

امیل فلیکس جوتیہ

یہ ایسا مستشرق ہے جو اپنی ریسرچ میں واضح علمی منہج کے تحت چلا ہے۔

اس فصل میں ہم مختصر عبارتیں جوتیہ کی کتابت سے نمونے کے طور پر اس لیے لیں گے کیونکہ یہ ایسا مستشرق ہے جو اس حد تک انتہا پسند ہے کہ وہ اپنی کتابت میں مغرب کے حوالے سے اپنے تعصب کو پوشیدہ نہیں رکھتا ہے اور نہ ہی اپنے اسلوب میں کسی چال کو مخفی رکھتا ہے بلکہ ہر چیز واضح طور پر بلا کسی خوف، خطر ظاہر کر دیتا ہے۔

کارلو الفونسو نیلیو

یہ ایسا مستشرق ہے جو اپنی ریسرچ میں واضح علمی منہج کے تحت چلا ہے۔

اس فصل میں ہم مختصر عبارتیں جوتیہ کی کتاب (ماضی شمال افریقا) سے لیں گے حقیقت یہ ہے کہ جب قاری اس کتاب کا مطالعہ کرے گا تو اسکو واضح طور پر سامراجی مکروفریب ہر صفحہ پر محسوس ہوگا اور فریبی سیاست کی چالیں اس کی آنکھوں کے سامنے رقص کریں گی جب وہ اس کتاب کے ہر موضوع کو پڑھے گا۔ محترم قاری کے لیے ان میں سے بعض صورتیں پیش کرتا ہوں جن میں اس بات کی وضاحت ہوگئی ہے اگرچہ یہ عبارتیں قرأت میں گزر چکی ہیں۔

۱. اس نے بربری قبائلی فسادی کو ہوا دی ہے اور یہ کہ ان کو یاد کروائے کہ وہ جن مختلف قبائل سے منسوب ہیں ان میں سے ہر ایک قبیلے کی اصل ہے بلکہ کچھ تو ایسے قبائل بھی تھے جو حکومت اور سرداری کے مستحق تھے۔ جبکہ ان کے مقابلے میں دوسرے قبائل اس عظیم شرف کے مستحق نہیں تھے اور ان کے درمیان یہ مزاحمتیں اور تشدد پر مبنی جو جھگڑے اور فسادات ہوئے ہیں ان کے خارجی اسباب ہیں جو کہ اسلام کے آنے کی وجہ سے تھے اور جن قبائل نے اسلام کی حمایت کی۔ یہ ایسے اسبابت تھے جو بربری قبائل نے ان جھگڑوں اور فسادات کے سبب بزرگی اور عظمت کا بہت بڑا موقع ضائع کر دیا۔

اے محترم قاری یہ صورت اور تصویر کشی تو اس کے ہر موضوع میں دیکھے گا۔

۲. اس نے عربوں اور بربریوں کے درمیان قبائلی فسادات کو ابھارنے کی سعی کی ہے اس نے یہ اعتبار کیا ہے کہ فتح اسلامی کے دور میں جو جو معرکے ہوئے وہ ایمان اور کفر کے درمیان نہیں بلکہ قبائلی جنگ تھی یا یہ ایسے غزوے تھے جن کی بدولت وہ سامراج اور سرمایہ کاری چاہتے تھے اور ان کے ممالک کی زمینی پیداوار پر قبضہ کرنا چاہتے تھے۔ اس کے بعد بھی جو انقلابات اٹھے وہ سراسر ایک سلطنت کے خلاف بغاوت تھی اور قبائلی جنگ کی طرف لے جانے والے تھے۔

۳. عربوں کا مقابلے میں تہذیبی اعتبار سے بربریوں کو حقارت کا احساس دلانا اس مستشرق کا مقصود تھا اسی طرح عربوں کی روم، یونان اور انکے مشرقی پڑوسی ممالک جیسے کہ فارس وغیرہ کے مقابلے میں حقارت بیان کرنا مقصود تھا۔

۴. مراکش کی تہذیبی ترقی کا سہرا عصر قدیم میں روم کے سر اور عصر حدیث میں فرانس کے سر پر باندھتا ہے یعنی مراکش کی عصر قدیم میں ترقی روم کی بدولت ہوئی اور عصر حدیث میں فرانس کی بدولت ہوئی ہے وہ خود اپنے پاؤں پر کھڑا نہیں ہو سکتا۔

۵. اس نے شمال افریقہ میں رہنے والے خوارج کی تصویر ایسے پیش کی ہے کہ وہ بدو تھے دیہاتی تھے ان کے ہاتھوں تہذیب کی ترقی ممکن ہی نہیں تھی۔ یہی تصویر اس نے بربر اور عربوں کے بارے میں پیش کی ہے ایسے ہی اس نے اسلامی تہذیب و ثقافت جیسے اس نے (تہذیبی، ثقافتی حس) کا نام دیا ہے جس کی جڑیں پھیلی ہوئی ہیں ان تہذیبوں اور ثقافتوں میں سب سے اہم رومی تہذیب ہے۔

یعنی اسلامی تہذیب کی بنیاد رومی تہذیب پر ہے گویا اس کی اپنی کوئی اصل ہی نہیں ہے۔

٦. یہ گمان کہ اسلامی ادوار میں جو تہذیبی ترقی ہوئی وہ بنیادی طور پر اسلام سے قبل وہاں کی تہذیب پر قائم تھی۔ یہاں تک کہ اسلامی مراکش کے اہم شہر بھی روم کے قدیم شہروں کو گرا کر ان پر قائم ہوئے ہیں۔

۷. تحریک خوارج کی یہ تصویر پیش کی ہے کہ وہ ایک (بدعتی) تحریک تھی جس کی جڑیں مسیحی دوناتیوں سے نکلتی ہیں بس کچھ اس طرح کی منظر کشی اور تصویریں اس کی کتابت سے واضح ہوتی ہیں۔ اگر تو اس کی دیگر عبارتوں کو پڑھے تو مزید ایسی صورتیں تجھ پر عیاں ہو جائیں گی۔

رہی بات اباضیوں سے متعلق کیا لکھا ہے تو میں محترم قاری سے التماس کروں گا کہ وہ درج ذیل خطوط میں میرے ساتھ ساتھ چلے کبھی تو مؤلف اباضیوں کے خوارج کے ضمن میں ذکر کرتا ہے اور کبھی اپنی گفتگو میں ان کو موضوع خاص بناتا ہے۔ وہ اپنی کتاب (ماضی شمال افریقہ) جس کا ترجمہ ہاشم الحسینی نے کیا ہے اس کے صفحہ ۲۰۰ پر بیان کرتا ہے۔

(تاکہ ہم اباضی مذہب کو سمجھ سکیں سو ہم ان کو دیگر سے جدا نہ کریں بلکہ ان کو ان دیگر مراکش میں اٹھنے والے انقلابات کے پیچھے دینی صورت اور لبادے میں طبقاتی اور خارجی اضطرابیت اور ہلچل دیکھتے ہیں جو کہ مسیحی بدعتی دین کے مشابہہ ہے اور یہ دوناتی ہے جو اس زمانے میں پیدا ہوئی جب ہر چیز دینی آڑ میں شائع ہو رہی تھی۔ ماسکواری نے دوناتی اور خارجیت کے درمیان مشابہت کے وجود کا ڈھاوا بول دیا۔

مزید وہ اپنی کتاب کے صفحہ ۲۰۲ پر بیان کرتا ہے۔

(ماسکواری نے خوارج اور دوناتیوں میں جو شبہہ ذکر کیا ہے وہ حق ہے بلکہ خارجیت دونائیت ہی ہے جو کہ مسیحی طرز پر نقل ہوتے ہوتے اسلامی طرز پر پہنچ گئی ہے۔

یہ کسی پر حکم لگانے کے حوالے سے جوتیہ کا طرز عمل ہے یعنی اگر ہم خارجیت کا معنی مفہوم سمجھنا چاہیں تو ہمیں ان کو مراکش میں اٹھنے والے انقلابات جوتیہ کے مطابق طبقاتی قبائلی اور جذباتی اضطرابیت کے سبب تھے۔ جن کو دینی لبادا اڑایا گیا تھا اور یہ کہ خارجی اسلام سے تعلق نہیں رکھتے ہیں بلکہ وہ مسیحی مذہب کے ایک فرقے دوناتیہ سے منسلک ہیں لیکن زمانہ گزرنے کے ساتھ ساتھ وہ آج اس طرز پر ظاہر ہو گئے ہیں۔ گویا مسلمانوں کے ہاں ان کے بقول وہ تشدد اور انتہا پسندی بھی

دراصل دین مسیحی سے ہی منتقل ہوئی ہے اور یہ کہ اہل مشرق اپنے تئیں کوئی قوت طاقت نہیں رکھتے اور نہ ہی ان کی اپنی کوئی اصل ہے یہ سب کچھ دین مسیحی سے ہی منتقل ہوا ہے۔

اسی کتاب پر مزید کہتا ہے!

مراکش کے خوارج دو فرقوں میں تقسیم ہوتے ہیں (الصفریہ، الاباضیہ) صفریہ انتہا پسند ہیں جبکہ اباضی معتدل ہیں وہ بلاشفہ اور مناشفہ کے مشابہہ ہیں ان کے درمیان نفرت اور دوری کی بہت گہری جڑیں ہیں۔

شہر قیروان کے صفریوں کے فرقے نفزاوہ، ورفجومہ نے ایسا وحشتناک دھاوا بولا جس کی نظیر نہیں ملتی۔

پھر وہ ۲۰۹ صفحے پر کہتا ہے!

(طرابلس کے زناتہ اور ہوارہ سے اباضیوں نے بنی ورفجومہ کی جانب پیش قدمی کی مگر بقایا قیروان ان سے باز رہے اس لیے کہ ان کی مداخلت کسی انسانی ہمدردی کے تحت نہیں تھی اور ان پر بعض منفعت کے لیے فتح حاصل کرنا مقصود تھا۔)

یہ ہے استاد جوتیہ کی منطق جس سے وہ حادثات کا جائزہ لیتا ہے ان کے اسباب کا حل پیش کرتا اور ان کی طرف لے جانے والے مقاصد عوامل کی علت بیان کرتا ہے۔ پہلے تو وہ یہ فرض کرتا ہے کہ اباضی اور صفری مذہب میں بھائی بھائی ہیں پھر فرض کرتا ہے کہ ان کے مابین بہت پیچیدہ اور گہری قسم کی دشمنی ہے جیسے بلاشفہ اور مناشفہ میں تھی پھر ذکر کرتا ہے کہ صفری قیران پر قبضے کی غرض سے بغاوت پر اتر آئے اور اس تناظر میں انہوں نے بڑے رسوا کن اور شرمناک افعال کا ارتکاب کیا پھر ذکر کرتا ہے کہ اباضیوں نے ان قیروان کے صفریوں کو بہت تیزی کے ساتھ دھتکار دیا۔

پھر تیسری مرتبہ یہ فرض کرتا ہے کہ اباضیوں کا یہ عمل کسی انسانی محرک کے پیشِ نظر نہیں تھا پھر چوتھی بار فرض کرتا ہے کہ اباضیوں نے قیروان کو ورفجومہ سے خلاصی دلائی وہ صرف اپنے دینی بھائیوں سے حسد کی بنیاد پر تھا اور ان پر فتح حاصل کرنا کسی منفعت کے تحت تھا یہ ایک انسانی جذبہ اور محرک نہیں تھا اور نہ ہی کوئی ان کو انسانی ہمدردی تھی جس کے تحت یہ عمل کیا تھا۔

یہ من گھڑت خامیوں اور کوتاہیوں پر مبنی مفروضے ہیں جو ایک دوسرے کو بغیر بنیاد کے پروان چڑھا رہے ہیں اور وہم، ابہام کی بنیاد پر کھڑے ہونے کی کوشش کی جارہی ہے اور ایسا مشرقی تصور اور منظر کشی پیش کی گئی ہے جو بالکل بے بنیاد ہے اسی طرح ایسے نفسانی جھگڑے ہیں جن کی نہ تو کوئی علمی بنیاد ہے اور نہ ہی کوئی سند درست ہے اور صدیوں پہلے کے واقعات کو اس نے جو بیان کیا ہے ان کے حوالے سے عربی تاریخی کتب، جو سوانح، سیرتوں پر لکھی گئی ہیں ان میں بیان کردہ واقعات مکمل طور پر متناقض ہیں۔

اس مستشرق کے ایسے بے بنیاد مفروضے اور غیر مصدقہ واقعات کو نفوس میں داخل کرنے کے پیچھے کیا اسباب تھے؟ یہ سب مفروضے سوائے مغربی سوچ، فکر کے کوئی حیثیت نہیں رکھتے بلکہ بے بنیاد اور جھوٹے ہیں یہ محض مغربیوں کی قیاس آرائیاں ہیں۔

وہ بیان کرتا ہے کہ اباضی قیروان کے حوالے سے صفریوں سے حسد اور طمع کی غرض سے الگ ہو گئے اور ان کو دھتکار دیا جبکہ حسد ایک داخلی مخفی محرک ہے جس کو یہ ذہین مستشرق صدیوں گزر جانے کے بعد ظاہر کر رہا ہے۔

اگر اس کا یہ دعویٰ سچ مان لیا جائے کہ اباضیوں نے قیروان کو صفریوں سے خلاصی بعض دنیاوی مفاد کی خاطر دلائی تو پھر ان تاریخی کتب کا کیا کریں گے جو اس بات پر مجتمع ہیں کہ اباضیوں نے قیروان سے کچھ حاصل نہ کیا سوائے دو سپاہی جنہوں نے جنگ کے دوران مدمقابل شہید ہونے والوں کی جیبوں سے کچھ چیزیں چوری کی تھیں جب امام کو پتہ چلا تو اس نے ان کو اپنی آنکھوں کے سامنے سزا دلائی تھی۔ لہٰذا پتہ چلتا ہے مستشرق جو تیہ کی سوچ، فکر سراسر سامراجی فکر ہے اور سامراجی فکر سوائے منفعت اور مقاصد کے بالکل نہیں پھوٹ رہی اس کی بات کہ انسانی ہمدردی کے محرکات تو ان محرکات کو تو مغربی احساس نے قتل کر دیا ہے مغربی زبانوں اور قلموں نے اس انسانی ہمدردی جیسے محرکات کو قتل کر دیا ہے اس سے پہلے کہ اس کو مفادات کے طالب یا مسلّح افراد قتل کرتے خود انہوں نے اپنی زبانوں اور قلموں سے قتل کر دیا ہے کوئی بھی مغربی فوجی حملہ اہل مشرق پر زمانہ قدیم یا حدیث میں نہیں ہوا سوائے یہ کہ اس سے پہلے ان کی قلموں اور زبانوں نے اسکی ابتداء کی ہو پھر کچھ وہ قلمیں جنہوں نے ان کو بری کیا اور ان کی عظمت کے گن گائے وہ بھی فوجی حملے سے پہلے حملہ آور ہوئیں آج اگر تو ان مستشرقین کی تحریر اور کتابوں کو پڑھتا ہے تو مجھے علم ہوتا ہے کہ وہ کیسے یونانیوں اور رومیوں کے حملوں سے برأت کا اظہار کرتے ہیں بلکہ ان کے حوالے سے وہ فخر اور عزت، عظمت کو بیان کرتے ہیں وہ ان سے متعلق بیان کرتے ہوئے یہ احساس نہیں کرتے کہ ان کے سامراجی پسی ہوئی تاریخ میں حملے دنیاوی مفادات اور منفعت کی غرض سے تھے اور نہ ہی یہ محسوس کرتے ہیں کہ ان کے یہ حملے غرور، تکبر اور حسد پر مبنی تھے۔ لہٰذا ان مستشرقین کی مغرب کے حوالے سے معاملات اور مسائل کو ڈیل کرنے کی الگ منطق ہے جبکہ مشرق کے حوالے سے الگ منطق ہے۔ اور کبھی بھی مشرق، مغرب کو مظاہر زندگی کے اعتبار سے برابر نہیں سمجھتے اگرچہ وہ ایسے نقطۂ نظر کو مختلف رنگوں میں عمل سے خالی صرف نظریات کی حد تک علمی ریسرچ کے لبادے میں بیان تو کرتے ہیں مگر عملی طور پر حقیقت سے بہت دور ہیں ان من گھڑت اور بے بنیاد دعووں کو علمی تحقیق کا نام دیتے ہیں۔

وہ اپنی کتاب کے صفحہ ۲۲۴ پر بیان کرتا ہے!

(تاہرت سلطنت کے پس پردہ ایک روشن صاحب متانت شخصیت موجود ہے جیسا کہ سلطنت اور فاتمی خاندان کی کیفیت، حالت ہے۔ وہ عبدالرحمٰن بن رستم ہے جس کی اصل اس مشہور رستم کی طرف لوٹتی ہے جس نے قادسی معرکے

میں فارسی فوج کی سپہ سالاری کی وہ کسری کے نواسوں میں سے تھا اگر ہم اس کا عہدِ عباسی میں ان ہر اطقہ گروہ کے لیڈر کے طور پر اس زمانے میں مشاہدہ کریں۔ جب انہوں نے فارسی اقتدار کو تقویت دی تو یہ بات قابلِ تعجب نہ ہو گی۔

اس طرح مستشرق جوتیہ سلطنت رستمی کی کامیابی کی علت کو سلطنت عباسی میں فارسی اقتدار اور تاثیر کو پیوست کر کے بیان کرتا ہے اور اس کے ستونوں کو تقویت دیتا ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں ہے کے رستمی سلطنت عبدالرحمٰن کی قیادت میں اور اس کے بعد بھی عباسی سلطنت کے مد مقابل تھی۔ لہٰذا جوتیہ کیسے ان دونوں کے درمیان موافقت کو بیان کرتا ہے اور رستمی سلطنت کی کامیابی کا سبب ٹھہراتا ہے بلکہ یہ تو صرف فارسی ہاتھوں کے وجود کی طرف لوٹتی ہے۔ کیونکہ عباسی سلطنت میں فارسی ہاتھ کا اثر رسوخ بڑے وسیع پیانے پر تھا تو یہ کیسے ممکن ہے کہ وہ بااثر فارسی ہاتھ اس عباسی سلطنت سے پیچھے کھینچ لے جو قائم ہی اس کی بدولت ہے اور اس کو ختم کر دے؟ اور ایسی سلطنت کو مارے جو اس کی بدولت قائم ہے؟

یہ تاریخی واقعات اور منطق میں واضح تناقض ہے کیونکہ عربی مراکش میں عبدالرحمٰن بن رستم کا وجود ایسا تھا جس کا کسی بھی قسم کا کوئی تعلق فارسی قومیت سے نہیں تھا اور نہ ہی ان فارسیوں کے ساتھ تھا جو عباسیوں میں سرایت کر گئے تھے۔ اسی طرح اس کا ان فارسیوں کے اکابرین سے بھی کوئی تعلق نہ تھا جو ظہور اسلام کے وقت ختم ہو گئے تھے۔ لہٰذا سبب بڑا واضح ہے۔ اور وہ یہ کہ عبدالرحمٰن بن رستم کا فارس سے ہر طرح کا تعلق منقطع ہے ہاں اس کے بچپن کا زمانہ غیر واضح ہے کیونکہ تاریخ کتب بیان کرتی ہیں کہ اس نے اپنے والد کے ساتھ حج ادا کیا۔ وہاں مکہ میں ہ اس کے والد وفات پا گئے تھے۔ لہٰذا آپ کی والدہ نے ایک مراکشی قیروانی شخص سے شادی کر لی۔ لہٰذا ماں بیٹا دونوں وہاں اس کے ساتھ چلے گئے وہاں قیروان میں پھر عبدالرحمٰن نے ایک مکمل مسلم معاشرے میں پرورش پائی آپ کے اہل خانہ عربوں اور بربریوں میں سے تھے۔ کسی ایک کا بھی فارسی ہونے کا ذکر نہیں ملتا۔ لہٰذا کسی بھی حال میں اس تحریک کا مشرقی دوسرے تحریکوں سے جو صرف قومیت پر قائم ہوئیں تھیں۔ تعلق جوڑنا ناممکن، محال ہے۔ مستشرق جوتیہ نے اپنا نقطہ نظر ایک ثابت شدہ مفوضے کی صورت بیان کر دیا ہے جس کو اس سے پھیرا نہیں جاسکتا۔ اس نے کر لیا فرض یہ ہے کہ اسلام اپنے تمام مذاہب یا بعض کا ترجمان ہے۔ اس کے ہاتھ پر کوئی تہذیب قائم نہیں ہوتی اگر کسی جگہ کوئی تہذیب قائم ہوئی ہے تو وہ کسی ایسے سبب سے ہوئی ہے جو اسلام اور مسلمانوں سے خارج تھا۔ اسی طرح سلطنتِ رستمیہ اپنے قدموں پر خود قائم ہوئی ہے اور اس کی تہذیب ایسی ہے جس کو تاریخ جھٹلا نہیں سکتی۔ مستشرق جوتیہ اس تہذیب کا اعتراف تو کرتا ہے لیکن اس بات کو پسند نہیں کرتا کہ اس کے ساتھ اباضی قائم ہوں بلکہ اس تہذیب کی ترقی کو رومی تہذیبی حسی ترقی سے منسوب کر کے عزت دیتا ہے اور اس فارسی قومیت سے منسوب کرنے میں اس تہذیب کو عزت دار بناتا ہے جس کے ساتھ عبدالرحمٰن بن رستم کو منسوب کیا گیا ہے۔

گویا وہ یوں کہنا چاہتا ہے۔

کہ مراکش اسلامی کے لیے قیادت تیار کرنا ممکن ہی نہیں اور جب بھی وہاں کوئی تحریک شروع ہوئی تو اس کی قیادت باہر سے کسی نے کی جیسا کہ جوتیہ کے مطابق سلطنت ادریسہ، فاطمیہ اور رستمیہ وغیرہ۔ گویا اس سلطنت کے پاس خود سے قیادت پیدا کرنے کی صلاحیت ہی نہیں ہے اسی طرح اس کی نظر میں اباضی ہیں۔ جو ایک ہراطقہ فرقہ ہیں قیادت کے محتاج ہیں۔ لہٰذا ان کی قیادت کے لیے کوئی فارسی شخص ہو جو مراکش میں ایسے سرایت کر جائے جیسے اس کے فارسی بھائی مشرقی ممالک میں سرایت کر گئے ہیں۔ چاہے وہ عباسی سلطنت کی تائید میں فارسی منصوبہ بندی سے متعارف ہی کیوں نہ ہو یہ وہ مکمل تاویل ہے جو جوتیہ کے مفروضوں کو سیدھا کرنے کے لیے ہے تا کہ اس کے مفروضے درست اور ٹھیک ہو سکیں۔

استاد جوتیہ اپنی کتاب کے صفحہ ۲۲۷ پر بیان کرتا ہے!

(ماسکواری اس شہر کی ترقی کے حوالے سے بات کرتا ہے جو قابس، فجوتج اور سجلماسہ وادیوں کے درمیان واقع ہے اور کہتا ہے اس شہر کی ترقی خوارج کے سر جاتی ہے چاہے وہ صفری خوارج تھے یا پھر اباضی مگر ہر حال میں ور عربوں کے سردار تھے۔)

صفحہ نمبر ۲۲۸ پر کہتا ہے!

(تاہرت اس دور میں اہم سیاسی مرکز تھا جب مشرق سے وہاں اونٹ سوار قافلے آئے تھے جن کا ارکان نومیدیا کو جھنجھوڑنے میں بڑا اہم کردار ہے۔)

پھر کچھ سطروں کے بعد بیان کرتا ہے!

(کچھ اس طرح تاہرت ایک ٹھنڈا خوشگوار علاقہ شمار ہوتا ہے جس کی طرف صحراء کے باسی شدتِ گرمی سے بھاگ آتے ہیں اور اس علاقے میں آکر اپنی گرمیاں گزارتے ہیں۔)

پھر صفحہ نمبر ۲۲۹ پر کہتا ہے!

(جغرافیے کے لحاظ سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ تاہرت خالص بدوں اور دیہاتیوں کی سلطنت ہے اباضیوں نے پوشیدہ رہتے ہوئے اپنا ایک دینی فرقہ ہونے کی حیثیت سے اس زمانے میں جبل نفوسہ اور میزاب یعنی صحرائی علاقوں میں منظم کیا تھا جب یہ ایک چھوٹی جماعت تھی اور رستمی سلطنت کی قوت، طاقت اس صحراء میں اچانک اتفاقی طور پر پیدا نہیں ہوئی تھی۔)

پھر وہ صفحہ ۲۲۹ پر بیان کرتا ہے!

(ہر حال میں یہ بات تہہ ہے کہ رستمی قبائل بدو خانہ بدوشوں میں سے تھے۔)

مزید صفحہ ۲۳۰ پر کہتا ہے!

(کہ رستمی سلطنت کا سارا حدود حربہ سخت اور صحرائی زمین پر مشتمل ہے۔)

جوتیہ یہ مفروضہ قائم کرتا ہے کہ اباضی دیہاتی بدو قبائل میں سے ہیں اس بات پر اپنی پوری توجہ بڑی شدت سے مرکوز کرتا ہے یہ بھی دعویٰ کرتا ہے کہ جس سرزمین میں وہ جی رہے ہیں فطری اور جغرافیائی لحاظ سے دیہاتی صحرائی زمین ہے لیکن تاہرت کا ایک تہذیبی لحاظ سے واضح طور پر ترقی یافتہ ہونا اس مستشرق کے دعوے کو جھوٹا کر دینے کے لیے کافی ہے اس نے مصیبت میں مقابلہ یا اس کا سامنا کرنے سے بھاگنے کی کوشش کی ہے یہ گمان کیا ہے کہ اباضی خالص دیہاتی بدو ہیں اور تاہرت ان خالص دیہاتی بدوں کی سرزمین ہے لیکن کوئی ایک بھی یہ نہیں سوچ سکتا کہ دیہاتی بدوں ہو کر انہوں نے ایک سلطنت کیسے قائم کرلی ہے جیسا کہ تاہرت کی سرزین اپنے مزاج اور فطرت میں ایک دیہاتی تاثیر رکھتی ہے۔ اس بات کو بھی یہ مستشرق خود ہی صفحہ ۲۲۸ پر بیان کرتا ہے!

(تاہرت کی سرزمین ۱۲۰۰ میٹر بلند سطح کی حامل ہے اور اس کا ارتفاع ہر علاقے کے لحاظ سے ایک ہزار سے کم نہیں ہوتا اسی طرح تاہرت کی سردی اپنی ٹھنڈک، رطوبت بہاؤ اور برف کے لحاظ سے ممتاز ہے یعنی صحراء کے بالکل برعکس ہے۔ جب یہ ثابت ہو گیا کہ تاہرت بدوی دیہاتی وصف کے متعارض ہے تو پتہ چلا کہ اباضی ایک ایسی سرزمین پر سکونت پزیر ہیں جو تقریباً ڈیڑھ صدی سے بلا انقطاع ترقی یافتہ ہے اس کا یہ وصف اباضیوں کو دیہاتی وصف سے دور کرتا ہے۔ اس نے یہ خیالی فرض ہی کیا ہے کہ اباضی خالص دیہاتی تھے اور گرمیوں میں صحرائی گرمی سے بھاگ کر تاہرت کی طرف سفر کرتے تھے گویا تاہرت خانہ بدوش دیہاتیوں کے لیے موسم گرما گزارنے کا علاقہ تھا یعنی رستمی سلطنت مختلف علاقوں میں تقسیم تھی۔ جب گرمی آتی تو وہ سب تاہرت میں قیام کے لیے جمع ہو جاتے اور سلطنت ایک مخفی محرک کے ذریعے پردے کے پیچھے کھیلنے میں مصروف ہے یعنی وہ کھیل تماشے میں لگی ہوئی ہے۔ اس کے سامنے کوئی مقصد ہی نہیں ہے اور نہ ہی اس میں کوئی ٹھہراؤ ہے۔

جوتیہ صرف انہی مفروضوں پر ہی اکتفا نہیں کرتا بلکہ مزید مفروضے قائم کرتا ہے۔

جیسا کہ اس کا پہلا مفروضہ تھا (کہ اباضی خالص دیہاتی خانہ بدوش قبائل میں سے ہیں) ایسا مفروضہ ہے جو اس کے نزدیک قابل جائزہ اور تنقید ہے ہی نہیں جب ان مفروضوں کی بدولت مشکلات ترتیب پاتی ہیں تو اس مستشرق پر یہ بھی تو ضروری ہے کہ وہ ان کے درمیان کوئی حل تلاش کرے لیکن مفروضہ جاتکے مجموعے کے بعد حل آتا ہے وہ بھی ایسے مفروضوں کا مجموعہ جو بعض بعض پر قائم ہیں۔

پہلا مفروضہ: اباضی خانہ بدوش دیہاتی ہیں۔

دوسرا مفروضہ: خانہ بدوش بدو کبھی بھی تبدیل نہیں ہوسکتے اور نہ ہی ایک نئی تہذیب کی بنیاد رکھ سکتے ہیں حالانکہ تاہرت میں ایک تہذیب کا قیام تب ہوا جب وہ اباضی قیادت کے تابع تھی۔

تیسرا مفروضہ: اباضی تاہرت میں کبھی بھی مستقل طور پر مقیم نہیں ہوئے بلکہ صرف گرمیاں گزارنے آتے تھے دوسرے موسموں میں وہ اس سے دور اور علاقوں میں جا کر زندگی بسر کرتے تھے۔ لہٰذا کیسے اباضیوں کے ماتحت ایک نئی تہذیب قائم ہوئی؟

جوتیہ کے نزدیک اس کا جواب نہایت ہی مختصر اور واضح ہے۔ تاہرت میں تہذیب کا قیام سابقہ روحانی سول حس کے بلبوتے پر ہوا جیسا میں نے محترم قاری کے لیے اس کی پہلے ہی وضاحت کر دی ہے یعنی وہاں کی تہذیب کا قیام اباضیوں کے ہاتھوں نہ ہی وہاں کے باسیوں کے ہاتھوں اور نہ ہی ان کی سلطنت کے ہاتھوں عمل آیا اس بات کی وضاحت کے لیے جوتیہ کی صفحہ ۲۲۷ پر اس عبارت کو پڑھیں!

(آج کے دور میں تاہرت میں رومی تہذیب کے آثار کے علاوہ بھی موجود نہیں ہے۔ "غیزل" بھی فرض کرتا ہے کہ رومیوں نے سرحدوں پر فوجی مراکز قائم کیے اور شہریوں کے لیے شہر کے شہر قائم کیے اور آباد کیے لیکن آج کے دور میں ایسے آثار موجود نہیں ہیں جو اس کی اس فکر کی تائید کریں۔ تاہرت کی بیزنیطی غلبے کے دور میں بہت گراں قدر اہمیت تھی۔)

کچھ سطروں کے بعد کہتا ہے!

(پرانے اصلی آثار میں سے جنوبی تاہرت میں مرتفع مینا (ایک وادی کا نام) جدار کے آثار قدیمہ ہیں (یہ ایسے آثار ہیں جو مختلف کمروں پر مشتمل ہیں کہا گیا ہے کہ یہ قبریں ہیں جو اس انداز سے بنائی گئی ہیں کہ ہر ایک کی بنیاد دوسری سے جدا ہے اسی طرح عربی عامیہ زبان میں ان کو لجدار کہتے ہیں یعنی راستے کے سنگ میل)

اور یہ قبریں مدغاس میں موجود آثار قدیمہ اور قبر مسیحی کی ترجمانی کرتی ہیں لیکن ان کی طرف توجہ بہت بعد میں دی گئی یونانی کتابوں میں ان کی طرف توجہ بہت بعد میں دی گئی ان کی کتابوں میں ان کے بارے میں بتایا گیا تھا جن کے ذریعے ان تک رسائی ہوئی ہے۔ جیسا کہ ان کی بنیادوں میں ایسی چیزیں استعمال کی گئی ہیں جو پرانے زمانے کی طرف لوٹتی ہیں۔ جیسا کہ مسیحی انجیرنگ اور لکھے ہوئے نقوش وغیرہ اس کا "غیزل" نتیجہ نکالتا ہے اور کہتا ہے یہ عہد بیزنطی میں تھے اور اہلیانِ تاہرت کی طرف منسوب کیے جاتے ہیں۔

جوتیہ کہتا ہے!

(تاہرت بیزنطی دور میں جس جگہ قائم تھا آج بھی وہیں پر قائم ہے اور رستمیوں کا نئے تاہرت میں دارالخلافہ پرانے تاہرت سے پانچ میل دوری کی مسافت پر ہے اگر رستم نے اپنے شہر کو نیا لقب دیا ہے تو یہ اس بات کی وضاحت کرتا ہے کہ پرانا شہر لازمی طور پر ذہنوں میں موجود تھا اگر محترم قاری اس ساری فصل کی بحث کا احاطہ کرنا چاہے جس کی منظر کشی جوتیہ کی ہے تو اس ساری بحث کا اہم نچوڑ درج ذیل پیش کر سکتے ہیں:

اباضی دیہاتی بدو ہیں اور بدو اپنے مزاج میں کسی ایک جگہ استقرار نہیں پاسکتے نہ ہی کوئی تہذیب یا نظام اور نہ ہی کوئی حکومت قائم کر سکتے ہیں حالانکہ عملی طور پر اباضیوں کے ماتحت ایک سلطنت اور تہذیب کا قیام وجود میں آیا تھا جو تقریباً ڈیڑھ سو سال قائم رہا تو وہ کون سا سبب تھا جس کے تحت یہ سلطنت قائم ہوئی؟ بس وہ سبب فارسی تہذیب تھی جس نے اپنی مدد اور خون پسینے سے اس اباضی سلطنت کو قائم کیا تھا۔ اس میں ان کا اپنا کوئی کمال نہیں تھا اور ملک کے اندر فتح اسلامیہ سے قبل کی بیز نیطی اور رومی تہذیبیں قائم تھیں۔ لہٰذا مکان اور جگہ ہی تو تہذیب کو پروان چڑھاتی ہے اور حکومت کو استقرار دیتی ہے جو کہ رومی بیز نیطی تہذیبوں کا آئینہ دار تھی۔

اسی طرح اس تاہرت کی سرزمین سے اباضیوں کا صرف اتنا ہی تعلق ہے کہ سال میں صرف ایک مرتبہ گرمیاں گزارنے یہاں آتے ہیں رہی اس کی تہذیبی حکومتی حقیقی بنیاد تو وہ دو مستحکم بنیادوں پر استوار ہے۔ عبدالرحمٰن کے ساتھ مشرق سے آنے والی بیرونی فارسی تہذیبی حس اور دوسری بنیاد تاہرت میں موجود مغربی تہذیب جو انکے دور خلافت سے وہاں قائم ہے رہی بات اس تہذیب کا اسلام یا اس کے کسی مذہب کی طرف منسوب کرنا تو یہ صرف ایک ظاہری جھاگ اور مطلق ناموں کے علاوہ کچھ نہیں ہے۔

یہاں میں وہ چیزیں بھی ذیل میں پیش کرنا پسند کروں گا جو جوتیہ کے مفروضوں کے بالکل متعارض، متناقض ہیں اس اس کے ان خیالی مفروضوں کو رد کرتی ہیں۔

۱. عبدالرحمٰن بن رستم اگرچہ فارسی النسل تھا لیکن وہ بچپن میں وہاں سے چلا گیا تھا اس نے وہاں کی کچھ بھی تہذیب کا زیور نہیں پہنا تھا اور نہ ہی وہ فارسی تہذیب، ثقافت کو ذرا سا بھی جانتا تھا اس نے قیروان میں زندگی گزاری اور بربری ماحول میں اس کی صلاحتیں پروان چڑھیں پھر کچھ عربی تہذیب کا رنگ بھی چڑھا پھر یہ کہ وہ صرف ایک فرد ہی اس کی کیا حیثیت ہے کہ وہ اکیلا پوری سلطنت کی تہذیب کو بدل ڈالے اور اپنی تہذیب میں رنگ دے یہ عملی طور پر ممکن ہی نہیں ہے۔ لہٰذا تاہرت کی قائم شدہ تہذیب کا عبدالرحمٰن کی طرف منسوب کرنا ایک خیالی مفروضے کے علاوہ کچھ نہیں ہے۔

۲. اس نے یہ اعتبار کیا ہے کہ تاہرت کی تہذیب صدیوں سے قائم رومی تہذیب کے آثار باقیہ میں سے ہے جبکہ تہذیب صرف اپنے مخصوص علاقوں سے ہی جنم لیتی ہے جیسا کہ خاص قسم کی مٹی سے ہی درخت اگتے ہیں اور اس مخصوص مٹی کے لیے ضروری ہے کہ کسی بھی زمانے میں ایسی سلطنت اُسے تیار کرے جو تہذیب، ثقافت کے ستونوں پر قائم ہو اس کو بنیاد بناتے ہوئے ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ تاہرت کی سرزمین نے اباضی دورِ حکومت میں اپنی تہذیب، ثقافت کو جنم دیا کیونکہ اس کی مٹی اس تہذیب کے لیے سابقہ زمانوں میں رومیوں کے تیار کرنے کے بعد بالکل صالح اور درست تھی۔ یعنی وہ بالکل تیار تھی جس میں نئی تہذیب کا بیج بویا جا سکتا تھا۔ اس منطق کو دیکھا جائے تو یہ بھی وہم وخیال ہی نظر آتا ہے۔

حالانکہ مٹی یا جگہ نہیں بلکہ انسان تہذیب ثقافت کو بناتا ہے انسان سے تہذیب تکوین پاتی ہے۔ وہ خود اس کے لیے ماحول اور جگہ کا چناؤ کرتا ہے۔ لہٰذا مسلمانوں نے اپنے مذاہب میں اختلاف ہونے کے باوجود متعدد مختلف تہذیبوں کو مختلف جگہوں اور چناؤ کے ساتھ تکوین دیا جیسا کہ ان کے غیروں نے تکوین دی تھیں گر یہ اتفاقی طور پر ممکن ہو سکتا ہے کہ اقوام متحدہ کی ایک مقام اور جگہ پر متعدد تہذیبیں موجود ہوں تو اس کا مطلب یہ ہرگز نہیں ہے کہ مکان یا جگہ تہذیب کو جنم دیتی ہے۔ بلکہ انسان ہی ہے جو یہ جانتا ہے کہ کیسے تہذیب کو بنائے اس حوالے سے صرف اُسی کے پاس اختیار ہے۔ زمین اور جگہ کے پاس یہ صلاحیت نہیں ہے۔

۳. اس کا یہ مفروضہ کہ اباضی خالص بدو دیہاتی تھے اس کی تاریخ تائید نہیں کرتی اور نہ ہی اسلامی مراکش کی تاریخ اس پر دلالت کرتی ہے وہ تو واضح طور پر یہ ثابت کرتی ہے کہ وہ اس کے گمان کے مطابق نہیں ہیں بلکہ وہ اپنے تمام باسیوں اور ہم وطنوں میں سب سے زیادہ تہذیب یافتہ اور شہری ہیں اس بات کی وضاحت درج ذیل صورتیں پیش کرتی ہیں۔

پہلی صورت:

اباضی جبلِ نفوسہ کے شہروں اور بستیوں میں آباد تھے جو کہ لیبیا میں واقع ہے ان کی وہاں آج کے دن تک مہذب شہری زندگی ہے اسی طرح وہ جزیرہ جربہ میں آباد تھے وہاں بھی زندگی اب تک شہری ہے اور مستقر ہے اسی طرح زوارہ اور زواغہ میں رہتے تھے۔ وہاں بھی شہری زندگی ہے ان میں سے کچھ جنوب تونس کے شہروں اور بستیوں میں آباد تھے چاہے وہ پہاڑی علاقے تھے یا صحرائی لیکن آج بھی وہ شہری زندگی کے آئنہ دار ہیں اس قریبی زمانے میں بھی ان کی مستقل شہری زندگی کا ثبوت ملتا ہے ایسے ہی تقرت، بغائی میں جسے تاریخ نے رقم کیا ہے پھر وہ ورجلان اور سدارتہ میں آباد تھے۔ یہاں بھی مستقل شہری زندگی ہے بلکہ سدراتہ دورِ اسلامی میں جزائری تاریخی شہروں میں سے ایک شہر شمار ہوتا ہے۔ ورجلانہ بھی جزائر اور بیلک افریقہ کے درمیان بہت بڑا تجارتی مرکز تھا اسی طرح یہ قافلوں کی آمدورفت کے حوالے سے بھی مرکزی حیثیت کا حامل تھا جو آج تک ہے اسی طرح کچھ اباضی وادی میزاب میں سکونت پزیر تھے۔ وہاں بھی زندگی شہری تھی بلکہ اس کے شہر آج تک دوسرے شہروں کے اوپر فوقیت رکھتے ہیں۔

مراکش میں اباضیوں کے یہ اہم مقامات تھے جہاں وہ آباد تھے۔ لہٰذا کسی بھی صورت ان کے حوالے سے یہ نہیں کہا جا سکتا کہ یہ دیہاتی خالص قسم کے بدو تھے یہاں تک ان میں سے وہ جو مراکش کے آخری کنارے اور بعض اندلسی ممالک میں رہتے تھے ان کو بھی دیہاتی صفت سے متصف نہیں کیا جا سکتا۔

دوسری صورت:

وہاں کچھ ایسے دیہاتی بدوی قبائل تھے جنہوں نے مذہب اباضی کو قبول کیا تھااور کچھ زمانہ اپنی ثقافتی تہذیبی زندگی پر قائم رہے تھے ورنہ تو اباضی ہمیشہ بدوں اور دیہاتیوں کے مد مقابل رہے اور ان کے ساتھ بڑا سخت قسم کا موقف اپناتے تھے۔ یہاں تک کہ شہری لڑکی کی دیہاتی لڑکے سے شادی کرنا پسند نہیں کرتے تھے اس حوالے سے یہ بات بیان کرتا ہوں کہ انہوں نے ابو عثمان الدجی پر انتہا کی سختی برتی جب اس نے اپنے دیہاتی اقارب میں سے کسی کے ساتھ ذاتی بنیاد پر اپنی بیٹی کی شادی کی تھی اس پر ابو عثمان بعد میں بہت شرمندہ ہوا۔

ان کے علماء میں سے ایک عالم کا ایک شخص کے متعلق قول ہے جس کے بارے میں وہ جانتا تھا کہ وہ ایک چرواہا ہے۔

(وہ بکریاں کتنی اچھی ہیں جن کو داڑھی چرارہی ہے لیکن وہ داڑھی کتنی بری ہے جو بکریوں کو چرارہی ہے۔)

جب ان کو محسوس ہوتا کہ دیہاتیوں کو دیہاتی زندگی سے الگ نہیں کیا جاسکتا تو موقع ان کی بستیوں میں فراہم کرتے مختلف مساجد اور سکول بنواتے جہاں ان کو تعلیم کے زیور سے آراستہ کیا جاتا جن کو آج ہم سکول کیمپ کا نام دیتے ہیں یعنی چھوٹے چھوٹے عارضی سکول قائم کرنا جہاں پر دیہاتی لوگ بھی تعلیم حاصل کرسکیں چھوٹے چھوٹے ان کو کورس کروائے جاسکیں۔

تیسری صورت:

اباضی معاشی کا دارومدار زندگی عمومی طور پر تین چیزوں پر تھا۔

۱) تجارت

اس میں اہل جربہ، وارجلان اور وادی میزاب بہت مشہور تھے۔ یہاں تک کہ تونس اور پورے جزائر کی معیشت اباضیوں کی تجارتی صلاحیتوں پر اعتماد کرتی تھی۔ جزائر اور تونس کا کوئی شہر کوئی علاقہ اباضی تاجروں سے خالی نہیں تھا۔

۲) صنعت کاری

صنعت کاری میں خاص طور پر صوف کی صنعت میں جبل نفوسہ، جبال دمّر اور وادی میزاب بڑے مشہور تھے یہ صنعت ایک خاندانی اہم اور ملکی معیشت میں اہم رکن سمجھی جاتی تھی یہاں تک کہ شہروں میں بہت مشہور ہوگئی تھی۔

۳)زراعت

زراعت مال و ثروت میں ایک بنیادی مصدر ہے جو صحراؤں کے علاوہ سارے اباضی ممالک میں موجود ہے۔ اس سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ کوئی بھی قوم جو اپنی زندگی کی بنیاد ایسی معیشت پر رکھتی ہو جو تجارت، صنعت اور زراعت پر قائم ہو اُسے ہم کسی بھی طرح سے بدوؔ اور دیہاتی قوم نہیں کہہ سکتے چونکہ خالص دیہاتی اور بدو ان مختلف اصولوں سے اپنی دیہی زندگی سے نہیں لڑ سکتے یہاں تک کے معاملہ اس حد تک پہنچ جائے کہ شہری ان دیہاتیوں سے شادی کرنے پر بھی راضی نہ ہوں اس نقطے کا ناقدانہ جائزے کے لیے جوتیہ کا یہ قول ہی کافی ہے جو اس صفحہ ۲۳۳ پر کہا ہے!

(اباضیوں نے اہل شر پر بڑی عبرتناک سزائیں مقرر کیں زانی رجم کیا جائے گا اور چور کے ہاتھ کاٹ دیے جائیں گے۔)

جوتیہ یہ نہیں جانتا کہ یہ سزائیں اباضیوں نے نہیں اسلام نے مقرر کی ہیں اور تمام مذاہبِ اسلامیہ ان کے پابند ہیں چاہے کوئی حکومت ان کا عملی طور پر نفاذ کرے یا نہ کرے اس نے سب سے پہلے تو ان کو اباضیوں کی طرف منسوب کیا ہے تاکہ قاری کے ذہن میں بات ڈال سکے کہ اسلام الوہی نہیں بلکہ بشری ہے انسان کے بنائے ہوئے قوانین کا مجموعہ ہے دوسری بات وہ قاری کے ذہن میں یہ بٹھانا چاہتا ہے کہ اباضی متشدد خوارج میں سے ہیں اور دیہاتی سخت مزاجوں اور طبعیتوں والے اپنے احکام میں شدت پسند سختی والے ہیں۔ اس کے اثبات کے لیے زانیوں اور چوروں کی سزاؤں کے حوالے سے ان کے بنائے ہوئے قوانین ہی کافی ہیں۔ ہو سکتا ہے محترم قاری کے لیے استاد جوتیہ کا اسلوب درج ذیل صورتوں میں سمجھنا آسان ہو جس اسلوب کو اس نے اباضیوں سے متعلق بات کرتے ہوئے اپنایا ہے۔

پہلی صورت

اس نے اباضیوں سے متعلق کتاب کے صفحہ ۲۳۰ پر درج ذیل صورت بیان کی ہے۔

(ابوزکریا اباضیوں سے متعلق تصویر کشی کرنے میں ہماری مدد کرتا ہے۔

لمبے بالوں والا ایک چمکدار لمبی دودھاری تیز تلوار اٹھانے والا پنڈلی کے ساتھ خنجر باندھے ہوئے یہ ایسے لگ رہا ہے جیسے کوئی کومیڈین کسی ایک یا چند افراد کی خاص قسم کی تصور کی مصوری کر رہا ہو جس کا مقصد صرف اور صرف مزاح ہو۔

ابوزکریا کی بیان کردہ اباضیوں کی یہ تصویر کشی سے ہم درج ذیل باتیں اخذ کر سکتے ہیں:

لمبے بال، ایک لمبی سیدی دو تیز دھاروں والی تلوار پنڈلی سے مربوط ایک خنجر جب یہ تین چیز ایک ہی شخص کے پاس دستیاب ہوں تو وہ اباضی شخص ہوگا۔ اگر ان میں سے کوئی ایک چیز بھی کم ہوئی تو وہ جوتیہ کی رائے میں اباضی نہیں ہوگا۔

یہ تصویر صرف ایک ہنسی اور مزاح کا سبب ہی بن سکتی ہے یہ ایسا بے بنیاد کلام ہے جیسے درست اور غلط کے پرکھنے کے لیے پیانہ نہیں بنایا جاسکتا۔)

دوسری صورت

جو تیہ اپنی کتاب کے ۲۳۰ صفحہ پر اباضیوں سے متعلق جو تصویر بیان کرتا ہے!

(میرے گمان کے مطابق ماسکواری کا ابن طوارق کے ساتھ موازنہ حق بجانب ہے وہ ہمیں بیان کرتا ہے کہ اباضی عورت مہذب، مثقف ہوتی ہے اس کی وضاحت مزید اس بات سے ہوتی ہے کہ طوارق کے نزدیک عورت علم و ثقافت میں مراکشی دوسری عورتوں سے منفرد اور ممتاز مقام رکھتی ہے۔)

ماسکواری نے طوارق کی طرف بڑی توجہ دی ہے یعنی یہ ہر حال میں خارجی دیہاتی بدو ہیں جنہوں نے طوارق کے لیے بھی علم و ثقافت کے امتیازات چھوڑے ہیں اور وہ قبیلہ ہوارۃ کے بقیہ افراد ہیں۔

اس طرح اے محترم قاری تو دیکھ رہا ہے کہ ماسکواری نے طوارارق پر بڑی توجہ دی ہے اور ان کے اور اباضیوں کے مابین موازنہ کیا ہے یہ گمان کرتا ہے کہ ان کے اور اباضیوں کے درمیان اوصاف مشترک اوصاف پائے جاتے ہیں۔

ایک طرف تو اباضیوں کی یہ تصویر پیش کی ہے کہ لمبے بالوں والے لمبی دو دھاری تیز تلوار والے اور پنڈلی سے مربوط خنجر والے دوسری جانب یہ کہ اباضی عورت بڑی مثقف ہوتی ہے۔ لہٰذا اس حوالے سے اباضیوں اور طوارق کے درمیان قدر مشترک ہے یعنی طارقی عورت علمی ثقافتی مقام، مرتبہ مراکشی کی دوسری خواتین سے زیادہ رکھتی ہے۔ لہٰذا ان کے اس موازنے سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ آج دورِ حاضر میں طوارق نے ان اباضیوں سے یہ امتیازات حاصل کیے ہیں۔

افسوس کاش ان کی منطق درست ہوتی۔۔۔۔۔

یہ دونوں بڑے مستشرق اپنے اس بنیادی دعوے کو بھول گئے ہیں جس پر پوری فصل میں انہوں نے بڑا زور دیا تھا کہ اباضی خالص بدو، دیہاتی ہیں اور بدو کبھی بھی علم و ثقافت کا مصدر نہیں بن سکتے تو کیسے ایک اباضی عورت کو مثقف اور علمی تہذیبی زیور سے آراستہ کیا جاتا ہے پھر اس کا موازنہ اس طارقی عورت سے کیا جاتا ہے جس نے اس اباضی خاتون سے وہ امتیازات حاصل کیے تھے پھر یہ کہا جاتا ہے کہ یہ عورت علمی ثقافتی لحاظ سے مراکش کی دیگر عورتوں پر فوقیت رکھتی ہے؟

یہاں ماسکواری اور جو تیہ کی عقل کیسے یہ گمان کر رہی ہے کہ طارقی عورت جو خیموں میں صحرائی علاقوں کے اندر زندگی گزارنے والی ہے۔ جہاں بارش کے علاوہ پانی میسر نہیں ہوتا اور زیادہ تر جس کی زندگی مویشی چرانے میں صرف ہوتی ہے وہ علم، ثقافتمیں اس رباطی، جزائری تلمسنی، قسنطینی اور ہروانی عورت پر فوقیت رکھتی ہے جس نے ان آباد شہروں میں اپنی زندگی گزاری ہے۔

ماسکواری کا کلام ایک تاویل کے ذریعے قبول کیا جاسکتا ہے اس نے اباجی عورت کو مثقف کہا ہے یہ بات ایک دور کی جہت سے درست ثابت ہو سکتی ہے حقیقت یہ ہے کہ تمام اباضی اور خاص طور پر جزائری اباضی چند صدیوں سے ایک محدود عدد میں شہروں کے اندر آباد ہیں وہ بدوی (خانہ بدوشی) اور دیہاتی زندگی کے مزاج سے کلی طور پر دور ہیں۔ اگر ان میں سے کچھ صحرائی علاقوں میں رہتے تھے تو ان کے لیے چوتھی صدی ہجری کے شروع میں (عزابۃ) نامی ایک تنظیم بنائی گئی تھی یہ عورت کو شرعی میدانوں میں تعلیم و ثقافت کی سرگرمی کے لیے اپنے ساتھ شریک کرتی تھی۔ جیسا کہ اس تنظیم کی خواتین کی تعلیم تربیت کے لیے مختلف اسلوب اور صنعت کار عورت کے لیے اور ہوتے تھے۔ لہٰذا اس میں کوئی شک نہیں کہ جزائر کے رہنے والے اباضیوں کے نزدیک تہذیبی ثقافتی مظاہر ان کے مقابلے میں زیادہ قوی تھے جو ساحلوں پر آباد شہروں میں رہتے تھے اس طرح کے استقرار پذیر معاشروں میں اگر کوئی عورت علمی ثقافتی صفت سے متصف ہوتی ہے تو ہم اس بات میں کوئی تردد نہیں کرتے عورت کا دینی حوالے سے معرفت حاصل کرنا اس میدان میں مثقف ہونا بدرجہ اولیٰ ثابت ہے پھر عورت کو اس اسلوب کو جاننا ضروری ہے جو اس کے معاشرے میں رائج ہے۔ لہٰذا جس معاشرے میں عورت رہ رہی ہو اس سے وہ بہت کچھ ثقافتی اجتماعی رنگ سیکھتی ہے ایک مستقل قائم معاشرے میں اس حقیقت سے انکار ہی نہیں کیا جاسکتا۔

لہٰذا اباضی مثقف وہ عورت جو شہروں میں آباد ہے اس کے اور طارقی عورت جو نقل مکانی خانہ بدوشی اور مویشیوں کو چرانے میں زندگی بسر کرتی ہے۔ مابین موازنہ بنتا ہی نہیں زمین آسمان کا فرق ہے ان کے درمیان موازنہ جچتا ہی نہیں ہے۔

اگرچہ ماسکواری حق بجانب تھا جب اس نے اباضی عورت کو مثقف کہا لیکن جوتیہ نے ایسی چھلانگ لگائی ہے کہ اس نے تو ثقافتی مرتبے سے علمی مرتبے تک تجاوز کر لیا اور یہ گمان کیا کہ طارقی عورت علمی ثقافتی مقام میں مراکش کی دوسری عورت پر فوقیت رکھتی ہے۔

ابتداء ہی سے یہ کہ طارقی عورت علمی مرکز ہے ایسا وصف ہے جس پر کوئی بھی چیز دلالت نہیں کرتی اگر ایسے مجرد وصف ہی سمجھ لیا جائے تو وہ تحقیق اور نظر ثانی کا تقاضا کرے گا رہا یہ دعویٰ کہ وہ اپنی مراکشی دوست سے ثقافتی لحاظ سے زیادہ مقام مرتبہ رکھتی ہے تو یہ دعویٰ باطل ہے اس کی کوئی سند ہی نہیں ہے۔

بس مختصر یہ کہ اباضیوں کا طوارق کے ساتھ موازنہ کرنا ایک لغو کلام اور باطل قول ہے۔ یہ ایک ایسی حقیقت ہے جو کسی بھی بحث، تفکیر کی محتاج نہیں ہے۔ بات یہ ہے کہ اباضیا یک اسلامی مذہب ہے۔ اس کے اصول، قوائد ہیں۔ ممکنات میں سے اس کے عقائد اور عبادات سے متعلق مخصوص مسائل ہیں۔ ان کو بعض طوارق قبول کریں یا سارے جیسے اس مذہب کو قبول کرنے کے حکم کے حوالے سے باقی قبائل اور بشری قومیں آتی ہیں۔

طارقی ایک جنس قبیلہ یا ایک نسب ہے جبکہ اباضی ایک سوچ، مذہب اور ایک دین ہے تو ان کے مابین کون سی چیز قدر مشترک ہے جس کے تحت موازنہ ہو سکے۔

کیا تم یہ کہہ سکتے ہو کہ اوس خزرج اور مذہب مالکی کے مابین قدر مشترک ہے جس پر موازنہ ہو سکے؟ یا یہ کہنا درست ہو گا کہ اب مالکی اوس خزرج کے طریق سے ہٹ گئے ہیں؟

پھر یہ کہ لباس و اسلحہ کا مذہب، عقیدہ سے کیا تعلق ہے؟ اس میں کوئی شک نہیں کے مختلف ماحول میں لباس اور مستعمل اسلحہ کی انواع مختلف ہوتی رہتی ہیں اس میں مذہب کی کوئی مداخلت نہیں؟ ہم جانتے ہیں کہ اہل مراکش اور جزائریوں کے ہاں لباس اور اسلحے کے استعمال مختلف ہیں۔ اسی طرح تونس، لیبیا، مصر وغیرہ تمام لباس اور اسلحے کے استعمال میں مختلف ہیں۔ اسی طرح ہم یہ بھی جانتے ہیں تمام اصحابِ مذاہب ایک ماحول میں رہنے والے مظاہر حیات اور لباس، عادات میں رہنے والے مظاہر حیات اور لباس، عادات میں متفق نظر آتے ہیں۔ اسی طرح وہ اباضی جو جزائر میں رہتے ہیں ان کا لباس تونس اور لیبیا کے اباضیوں سے مختلف ہے۔ اسی طرح طوارق کا بھی اپنا ایک خاص لباس اور عادات ہیں جب ان میں سے کوئی اباضی مذہب کو قبول کرتا ہے تو وہ اپنی عادات اور لباس میں طوارق کے مطابق ہی رہے گا۔ کیا مذاہب اور طوارق کے مابین لباس یا عادات کے حوالے سے موازنہ ہو سکتا ہے؟ لیکن یہ بات آسان ہے کہ ان کے درمیان لباس، عادات کا موازنہ کر کے تو یہ کہہ سکتا ہے کہ یہ طارقی ہے اور یہ جزائری ہے اور یہ لیبی ہے۔

اس نقطے نے ہم سے استحاق سے زیادہ توجہ لی ہے اور یہ نقطہ واضح دلیل ہے کہ مستشرقین جعل سازیوں اور لغویات کو موضوع بناتے ہیں پھر ان پر پوری توجہ مرکوز کر دیتے ہیں تا کہ قاری کا ذہن ان موضوعات سے پھر جائے جو زیادہ اہم اور توجہ کے مستحق ہیں۔

تیسری صورت

جو تیہ اس تصویر کی مصوری کرتے ہوئے صفحہ نمبر ۳۳۳ پر بیان کرتا ہے۔

(ماسکواری نے ان اباضیوں اور وہابیوں کے مابین جو متوسط جزیرہ نما میں انیسویں صدی کے وقت موجود تھے۔ قدر مشترک کے حوالے سے بات کی ہے۔ اس کے حوالے سے "بلغریف" نے ایک سیر حاصل کتاب لکھی ہے۔ یہ کہا ہے کہ جغرافی لحاظ سے آپس میں مشابہ ہیں۔ وہاں اور یہاں ہم ایسے دیہاتی پائے ہیں۔ سمندر سے دور صحراؤں میں قحط کی زندگی جی رہے ہیں۔ بدو شہروں میں سے کسی بھی شہر پر غلبہ نہیں پا سکتا۔ بیچارا شدید ترین فقر، فاقہ سے دوچار ہے۔ تنگ دستی کی زندگی میں جی رہا ہے اس کی یہ لاچاری پھر دینی انتہاپسندی میں بدل جاتی ہے۔

یہ ہے وہ ان دو بڑے مستشرقین کی اباضیوں سے متعلق بیان کردہ تصویر جب وہ اباضیوں سے متعلق بات کرتے ہیں پھر خوارج کے متعلق یہی منظر کشی کرتے ہیں جب ایک اسلامی تحریک یا امتِ اسلامیہ سے متعلق بات کریں تب بھی یہی صورت پیش کرتے ہیں بلکہ مستشرق جوتیہ تو اپنی ہر اسلام یا مسلمانوں سے متعلق بات میں یہی دیہاتی بدوؤں کی صفات کو مسلمانوں کی طرف منسوب کرتا ہے وہ یہ ثابت کرنے پر اپنی ساری توجہ لگا دیتا ہے کہ مسلمان اور تمام اسلامی مذاہب کے

لوگ دیہاتی بدو اور صحرائی ہیں۔ تہذیب ثقافت سے کوئی تعلق نہیں جاہل ہیں خود اپنے قدموں پر کھڑے نہیں ہو سکتے ترقی اور حکومت نہیں کر سکتے محرومیوں فقر، فاقہ کی زندگی سے دوچار ہیں اور یہی محرومی ان کو مذہبی انتہا پسندی کی طرف لے جاتی ہے۔ مال، ثروت کو چھیننے کی غرض سے اپنی محرومیوں سے تنگ آکر جنگ جدال کرتے ہیں جن کو وہ غزوات اور فتوحاتِ اسلامیہ کا نام دیتے ہیں۔

سابقہ تین صورتوں کا خلاصہ

۱. طوارق اور اباضیوں کے درمیان تشابہہ پایا جاتا ہے یہ دراصل زبانوں میں اباضی ہی تھے جو اب ان سے الگ ہو گئے ہیں۔

۲. یہ دعویٰ کی علمی ثقافتی لحاظ سے طارقی عورت مراکشی دوسری عورت پر فوقیت رکھتی ہے۔ اسی طرح یہ دعویٰ کہ اباضی عورت تہذیب، تمدن اور علمی لحاظ سے مثقف ہے۔ لہٰذا یہ دلیل ہے کہ آج کے طوارق اصل میں اباضی ہی تھے جو آہستہ آہستہ اب ان سے دور ہو گئے ہیں۔

۳. اباضیوں اور وہابیوں کے درمیان تشابہہ اس حوالے سے پایا جاتا ہے چونکہ دونوں صحرائی بدوی دیہاتی تنگدستی کے زندگی سے دوچار تھے جس نے ان کو زہد تقوی اور غزوات کے نام سے لڑنے پر اور مال، ثروت جمع کرنے پر اکسایا تھا۔

میرا یہ خیال ہے کہ مستشرق جوتیہ کے یہ مفروضہ جات اور یہ موازنے بدترین ہیں جن کو اس نے اپنی کتاب کی زینت بنایا ہے اگرچہ کتاب میں جس قدر بھی سامراجی فکر و سوچ کی وسعت ظاہر کرلے درحقیقت یہ فقرے بے وقوفی اور سطحی فکر پر دلالت کرتے ہیں۔

کارلو الفونسو نیلینو کے سنگ

اس مستشرق نے معتزلہ کے بارے میں لکھا ہے اور جو ناقدانہ جائزہ لیا ہے درج ذیل ہے:

۱. ان کا معتزلہ نام کے حوالے سے کہ اس کی اصل کیا ہے۔

۲. قدریوں کے نام کے حوالے سے بات۔

۳. شمال افریقہ میں مقیم مذہب معتزلہ اور اباضی کے درمیان تعلق۔

۴. اس مغربی فکر سے متعلق گفتگو جیسے قرآن کی محافظ ہونے سے منسوب کیا گیا ہے۔

عبد الرحمٰن بدوی نے ان ابحاث کا ترجمہ کر کے مستشرقین کی دوسری ابحاث کے ضمن میں ایک کتاب میں نشر کیا ہے جس کا نام (التراث اليوناني في الحضارة الاسلامية) رکھا ہے جس کی تیسری اشاعت عربی اٹھان پریس نے کی ہے۔

میرا دل کرتا ہے کہ ان بحوث میں سے تیسری بحث کا محترم قاری کے ساتھ ملکر جائزہ لوں وہ ہے (شمال افریقہ میں مذہب اباضی اور معتزلہ کے مابین تعلق تاکہ اس بڑے مستشرق کی آراء کا اس موضوع سے متعلق مناقشہ ہو سکے۔

اس کتاب میں نیلینو صفحہ ۲۰۴ پر کہتا ہے۔

(جولد تسہیر نے مجلہ تاریخ الادیان میں اس مذکورہ موضوع سے متعلق ایک نیا نقطہ بیان کیا ہے۔

(مجلہ نمبر ۵۲ سال ۱۹۰۵ص ۲۳۲) عمرو بن جمیع کا عقیدہ اباضیہ کے بارے میں رسالہ جیسے موتیمنسکی نے نشر کیا تھا اس میں اس نے ہمارے سامنے معتزلہ کے حوالے سے واضح اقوال رکھ دیے ہیں ان مسائل کو دلیل کے طور پر ذیل میں پیش کرتا ہے:

۱. قرآن مخلوق ہے۔

۲. آخرت میں رؤیت الٰہی ممکن نہیں۔

۳. بعض فروعی مسائل کی مجازی تاویل جیسے (میزان + صراط)۔

۴. ظاہری تشبیہ اور خاص طور پر خدا تعالیٰ کا عرش پر استوا فرمانا مجازی تاویل کی جائے گی حقیقی نہیں۔ لیکن اس اتفاق کے حوالے سے "جولد تسہیر" بہت دور چلا گیا ہے جو ان دو مذہبوں کے درمیان واقع ہے۔

دونوں مذاہب بعض امور پر متفق ہیں اور بعض میں اختلاف کرتے ہیں اہل سنت کے ساتھ جن مسائل میں اختلاف کرتے ہیں وہ بھی ایسے ہی ہیں۔ وہ درج ذیل ہیں:

۱. اللہ تعالیٰ کبیرہ گناہوں کے مرتکب لوگوں کی مغفرت نہیں کرے گا سوائے یہ کہ موت سے پہلے انہوں نے توبہ کر لی تو خدا تعالیٰ معاف کر دے گا۔

۲. کبائر کے مرتکبین کے لیے دوزخ کا عذاب ابدی ہے اگر وہ بغیر توبہ کے مر گیا تو اس کو کسی نبی فرشتے یا ولی کی شفاعت نفع نہیں دے گی۔

۳. صفاتِ الٰہیہ خدا تعالیٰ کی ذاتی صفات ہیں اضافی نہیں ہیں۔

اباضیوں کے عقیدے اور اصولوں کی شرح کے بعد ذکر کرتا ہے ہمارے لیے یہ بھی ایک نئی بات ہو گی کہ ہم شیخ عامر کی کتاب کا ملاحظہ کریں جس میں اس نے مسلمانوں کے درمیان نو (۹) ایسے اصول بیان کیے ہیں جن میں اختلاف ہے۔

وہ ان اصولوں کو درج ذیل نقاط کے تحت پیش کرتا ہے:

۱۔ توحید

۲۔عدل

۳۔ تقدیر

وہ اس کتاب میں ۲۰۵ صفحہ پر درج ذیل بیان کرتا ہے۔ شیخ عامر بن علی کی کتاب (اصول الدیانات) میں جو کہ جبل نفوسہ میں اباضیوں کی گراں قدر کتابوں میں سے ہے۔ بہت زیادہ طویل اور گہرے جائزے کے بغیر خلاصہ پیش کرتا ہے۔ شمال افریقہ میں مذہب اباضی میں سے ایک بڑی تعداد معتزلہ ہے انھوں نے مشرق میں رہتے ہوئے اس مذہب کو لیا اس سے قبل کہ وہ مراکشی ممالک کی طرف سفر کرتے یا پھر انھوں نے اس مذہب کو قدیم طنجہ صوبے کے معتزلہ اور اہل تشیع سے پڑھائی کے ذریعے جو تاثیر حاصل کی تھی اس کی وجہ سے قبول کیا ہے۔ جو اہل سنت کی ضد میں ردِّ عمل کے سبب اپنے اندر جذبات کو سموئے ہوئے تھے کیا ان جذبات نے ان کو معتزلہ مذہب قبول کرنے پر اکسایا؟ یا پھر مراکش کے اباضیوں نے اپنے کوئی نئے معتزلہ افراد تیار کیے تھے ان مشترکہ امور پر جو مشرقی کی اباضیوں اور معتزلہ کے درمیان مشترک تھے۔ یا پھر مشرق میں اباضی مذہب اور مراکش میں اباضی مذہب معتزلہ تاثیر کے تحت کسی ایک خط پر یکساں ہو گئے تھے زیادہ غور طلب بات یہ ہے کہ زیادہ تر مستشرقین ایک ملا جلا اسلوب اِختیار کرتے ہیں۔ جس کے تحت اسلامی موضوعات داخل کرتے ہیں اور مسلمہ حقائق کے حوالے سے ایسے مفروضے اور جھوٹے دعوے کر دیتے ہیں جو جھگڑے کے محتاج ہی نہیں ہوتے اور ایسے بنیادی اصولوں کے بارے میں اختلافی معروضے قائم کر دیتے ہیں جن میں کوئی اختلاف ہوتا ہی نہیں پھر ان مفروضوں سے آگے اپنے حسب منشاء ضروعی موضوعات مناقشے کے لیے چن لیتے ہیں۔ اسی معاملے سے متعلق مستشرق نلینوں ایسا مفروضہ قائم کیا ہے جس کے تحت ایسے حقائق کو زیر بحث لایا۔ ہے جس میں کسی بھی حوالے سے اختلاف نہیں پایا جاتا پھر اس کے اوپر اس نے احکامات جاری کئے ہیں اور پھر ان کی وضاحتوں کی بنیاد رکھی ہے۔ اس نے یہ مفروضہ قائم کیا ہے کہ ”مسلمان دو بڑے لشکروں میں تقسیم ہوتے ہیں اور وہ ہیں اہل سنت اور معتزلہ“ باقی دوسرے تمام مذاہب اپنے اصولوں میں ان دو مذہبوں میں سے کسی ایک کی طرف لوٹتے ہیں۔

اسی طرح اس نے یہ بھی فرض کیا ہے کہ ان دو مذہبوں کے اپنے اپنے کچھ مخصوص اصول ہیں۔ جو ایک دوسرے سے امتیازی حیثیت رکھتے ہیں اگر کسی ایک مذہب میں یہ اصول پائے جائیں تو اس کا مطلب ہے اس نے اصلی مذہب سے لیے ہیں۔ اس چیز کو بنیاد بناتے ہوئے وہ یہ فرض کرتا ہے کہ مراکش کے اباضیوں نے اپنے عقائش معتزلہ سے اخذ کیے ہیں اور وہ اس کو ایک مسلمہ حقیقت سمجھتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ ان اسباب اور وجوہات کو تلاش کر رہا ہے۔ شمال افریکہ میں کیسے معتزلہ عقائد تک اباضیوں کو رسائی حاصل ہوئی استاد نیلنیو نے اپنی ریسرچ میں جو بنیاد بنائی ہے اس میں یہ اعتبار کیا ہے کہ مسلمان دو بڑے گروہوں میں تقسیم ہوتے ہیں۔ وہ اہل سنت اور معتزلہ ہیں اور ان میں سے ہر ایک نے اپنے لیے خاص

اصول وضوابط کا تعین کیا ہے دوسرے فروعی مذہب ان دو بڑے مذہبوں سے نکلے ہیں۔ بس یہ ایک وہمی اور ذہنی خیالی بنیاد ہے جس کا حقیقت سے اور تاریخ میں کسی بھی حوالے سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

اس کے باوجود کہ نیلنیو نے ان مفروضوں کو قائم کرنے میں بڑی جدوجہد کی ہے اور ان ثابت شدہ حقائق کو اعتبار کیا ہے کہ وہ اہل تشیع اور اباضیوں میں اقدار مشترکہ کو جمع کرنے اور ان سب کو دو بڑی قسموں میں سے معتزلہ کہ طرف لوٹا دیں۔ یہ تمام مذاہب اور اس کے خیالی مفروضے کے مطابق اہل سنت کے ساتھ اختلاف کرتے ہیں۔ مستشرق جولد (عقیدہ الاباضیہ) کتاب سے متعلق یہ بیان کرتا ہے کہ یہ معتزلہ کی فکر کی حامل ہے کیونکہ اس کتاب میں اباضیوں کے عقیدے سے متعلق جو اصول بیان کیے گئے ہیں وہ معتزلہ کے عقائد سے متعلق اصولوں سے مشابہت رکھتے ہیں۔ پھر اس کے وہ شواہد پیش کرتا ہے لیکن مستشرق نیلنیو صرف اس تعلیق پر ہی اکتفا نہیں کرتا بلکہ اباضی اور معتزلہ اس سے بھی بڑی ایک چیز ہے جس میں مشابہت رکھتے ہیں۔ لہٰذا شمال افریقہ میں جو اباضی ہیں انہوں نے معتزلہ سے اپنے مذہبی اصول لیے ہیں یہ اصول عقائد سے متعلق تحقیق میں انتہا پسندی کا ہے۔ گویا یہ اصول ایک عملی نقشے میں حاضر کر دیئے گئے ہیں۔ جن میں سے اپنی آرا کو متحد سمجھتے ہوئے معتزلہ نے لے لیا ہے اور جو اصول اہل سنت سے اتفاق کرتے تھے انہون نے لے لیا ہے۔ اسی طرح کچھ ایسے اصول اور قوانین ہیں جو ان کی مخصوص آرا کے ساتھ منسوخ ہیں اس کے ساتھ ہی یہ عام کانفرس ختم ہو جاتی ہے۔ اب اس کے بعد ان موضوعات سے متعلق جو بھی بات کرے گا گویا اس کا اس کانفرنس کی کسی فروعی اصول سے تعلق ہو گا اس طریقے سے ہر محقق کے لیے کسی بھی اسلامی مذہب کی اصل کی طرف لوٹنا آسان ہو گا۔ جیسا کہ نلیسنوں نے شیعوں اباضیوں کو ان کی اصل معتزلہ کی طرف لوٹایا ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ سارے اصول اور سوالات اور اشکالات جن کے گرد یہ مباحث گردش کر رہی ہیں یہ آج کے دن کی پیداوار نہیں ہیں اور نہ ہی یہ اجتماعات میں پڑھے جانے والے مکالموں سے پیدا ہوئے ہیں یا اس علمی تحقیقی ریسرچ سے بھی پیدا نہیں ہوئے جو ایک ریسرچ کے ڈیپارٹمنٹ میں پیش کی جاتی ہے تاکہ اس پر ایک آخری فیصلہ سادر ہو۔ یہ سب کچھ اس مکان اور جگہ سے منسلک ہے جس میں علماء حاضر ہوئے اور انہوں نے اللہ تعالیٰ کی کتاب اور سنت رسول ﷺ اور صحابہ اکرام کے نقطۂ نظر پر اعتماد کرتے ہوئے اپنے اپنے موقف اپنائے۔ لہٰذا ان بنیادی شرعی مصادر کی روشنی میں ہر عالم دین کا اپنی فہم اور سمجھ کے مطابق نقطہ نظر رہا ہے بلکہ ایسے بہت سے فروعی مسائل میں بھی یہ اختلاف پایا جاتا ہے جن کا قرآن وسنت کی نصوص تعین نہیں کرتی۔

یہ ایسے اصول ہیں جن میں دو یا دو سے زیادہ آراء کا احتمال اور وجوہات پائے جاسکتے ہیں ہو سکتا ہے کسی ایک عالم سے کوئی رائے صادر ہو تو وہی رائے کسی دوسرے عالم کی بھی ہو تو اس کا یہ ہر گز مطلب نہیں کہ اس نے اس عالم سے لی ہے بلکہ ان دونوں کے قرآن، سنت پر اکتفا کیا ہے اور اپنی اپنی فہم، بصیرت سے اقوال آراء اخذ کی ہیں بے شک وہ ایک رائے میں متفق نظر آتے ہیں لیکن ان دونوں نے اپنی جد وجہد سے براہ راست مصادر سے اخذ کیا ہے۔ ایک دوسرے کی نقل نہیں کی ہے اور یہ ضروری بھی نہیں کہ اگر ایک عالم کی کسی دوسرے عالم سے رائے متفق ہو جاتی ہے تو اس نے اس عالم کی پیروی کی ہو نہیں بلکہ اس نے مصادر دینہ سے اپنی فہم سے لیا ہے اس نے اپنی فہم سے اخذ کی ہے۔

اسلام کے ابتدائی دور سے ہی قضا و قدر رؤیت الٰہی اور مرتکبِ کبائر وغیرہ جیسے مسائل امتِ اسلامیہ کے علماء کے درمیان پھیل گئے تھے۔ لہٰذا امتِ اسلامیہ کے علما کی آراء اور نقطہ نظر ان مسائل کے حوالے سے اپنی اپنی قرآن، سنت کی فہم پر مشتمل ہے ہر ایک نے قرآن، سنت کی نصوص سے اپنی فہم کے مطابق جو رائے حق سمجھی بیان کر دی ہے۔ اس طرح کے مسائل مشکلات جھگڑے جدال اور مناظرے کی صورت اختیار کر گئے۔ مختلف مقامات پر ان مسائل میں علماء کے درمیان بحث ہوا کرتی تھی پھر اس بحث کے نتیجہ میں کچھ محدود آراء وجود میں آئیں لوگوں نے ان پر قناعت کی اور ان کو تھام لیا ان مسائل سے ایک فردعی شکل نے جنم لیا ہر محقق نے ان مسائل کو لیا اور اپنی فہم، بصیرت اور بساط کے مطابق تحقیق کی پھر ان سے استدال کیا کچھ آراء تمام علماء کے ہاں متفقہ قرار پا گئیں کچھ میں اختلاف ہو گیا ہر ہر رائے پر لوگوں کی ایک جماعت نے قوی دلائل، واضح براہین کی روشنی میں عمل شروع کر دیا اور اپنے عقیدے کے مطابق ان آراء کو لیا جو بطور ایک واضح دلیل کے ان کے عقیدے کو ثابت کرتی تھیں اسی طرح یہ دینی، مذہبی گروہ اس تصور میں نہیں لیے جاتے تھے جیسے کی مستشرقین نے پیش کیا ہے بلکہ ابتداء زمانہ میں ان مذاہب اور گروہوں کا باقاعدہ مخصوص ناموں کے ساتھ کوئی وجود نہیں تھا اور نہ ہی یہ باقاعدہ مذہب کی حیثیت سے وجود پائے تھے۔

اگر تم پہلی صدی یا دوسری صدی کے ابتدائی ایام میں نظر ڈالو تو تمہیں یہ منظر نظر آئے گا اگر تو نماز کے بعد مسجد کے دروازے پر کھڑا ہو جائے اور ہر نکلنے والے نمازی سے اس کے مذہب یا فرقے سے متعلق پوچھے گا تو میرے خیال میں کوئی ایک بھی ایسا شخص نہیں پائے گا۔ جو یہ جواب دے کہ وہ سنی ہے شیعہ ہے یا معتزلی ہے نہ ہی یہ کہے گا کہ وہ حنفی، مالکی ہے یا اباضی ہے کیونکہ یہ تمام مذاہب اور گروہ بعد میں تشکیل پائے ہیں لیکن اگر تو قضاء قدر کے حوالے سے کسی سے سوال کرے تو ہو سکتا ہے کہ وہ تمہیں اپنی رائے کے مطابق جواب دے چاہے وہ اثبات میں ہو یا نفی میں لیکن وہ تیری جانب بڑی حیرانی اور آنکھیں پھاڑ کر دیکھے گا اور تجھے ایک فتنہ سمجھتے ہوئے وہاں سے چلا جائے گا یا وہ حیرت سے تمہیں دیکھے گا اور چلا جائے گا اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ تمہارے مقصود کو سمجھا ہی نہیں ہے۔ اسی طرح کی منظر کشی تمہیں رویئتِ الٰہی سے متعلق موضوع میں بھی ملے گی۔

اگر تو مسجد کے دروازے پر کھڑا ہو جائے اور نکلنے والے نمازی سے رویئت باری تعالیٰ کے حوالے سے سوال کرے گا کہ ممکن ہے یا مستحیل ہے تو تو پائے گا کوئی تو ایسے اشخاص ہوں گے جو یہ کہیں گے کہ جی ہاں دنیا آخرت دونوں میں ممکن ہے کیونکہ رسول پاک ﷺ نے اپنے رب کو دیکھا ہے کچھ ایسے ہوں گے جو کہیں گے کہ روایت الٰہی دنیا، آخرت میں ناممکن محال ہے کچھ ایسے ہوں گے جو کہیں گے دنیا میں جائز نہیں لیکن آخرت میں باری تعالیٰ کا دیدار ہو گا کچھ اشخاص تم ایسے بھی پاؤ گے جو تم سے اعتراض کریں گے اور تجھے ایک فتنہ یا تمہارے مقصود کو نہ سمجھتے ہوئے حیرانی سے دیکھ کر چلے جائیں گے۔

اگر اسی طرح کے سوالات عقائد سے متعلق کسی خاص فرقے یا مذہب کی طرف منسوب کرنا چاہو گے تو تمہیں اسلام کے اس ابتدائی دور میں ایسے کوئی گروہ یا جماعتیں نہیں ملیں گی جو عقائد کی بنیاد پر وجود میں آئی ہوں کیونکہ یہ مذہبی، فرقوں کے نام بعد میں باقاعدہ طور پر آئے ہیں لیکن ان عقائد مسائل سے متعلق تو کسی سے اس کی رائے کے بارے میں پوچھے گا تو وہ دو طرح کے جواب دے گا اگر وہ اہل علم ہو تو اپنی رائے کے حوالے سے قرآن، سنت کی نصوص کا ذکر کرے گا اور اپنی رائے کو تمہارے سامنے ذکر کرے گا اور اگر وہ اس علمی درجے پر نہ ہوا تو تمہیں ممالک اسلامیہ پر آباد کسی عالم دین کے بارے میں بتائے گا کہ اس کی رائے یہ ہے یا پھر وہ کہے گا کہ وہ اس حوالے سے کوئی بھی فہم نہیں رکھتا۔

قرآن، سنت سے ماخوذ کچھ ایسے اصولوں کا مجموعہ ہے جن کی طرف تمام مختلف مذاہب، فرقوں سے تعلق رکھنے والے علماء درپیش چیلنجوں اور مسائل کے حل کے لیے رجوع کرتے ہیں یہاں تک کہ مسائل کے حل کے لیے کسی عالم کو یہ بات روکتی نہیں کہ وہ دوسرے عالم کی رائے کو نہ لے اگر کسی مسلئے کا حل کوئی عالم دوسرے عالم کی رائے لے کر پیش کرتا ہے تو اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ وہ فرقہ یا عالم دوسرے فرقے سے وجود پایا ہے چونکہ مصادر شریعہ کی روشنی میں بنائے ہوئے یہ ایسے اصول ہیں جو تمام امت اسلامیہ کے علماء کرام کے ہاں مشترک ہیں ہر ایک عالم ان سے استفادہ کر سکتا ہے۔

یہ وہ اصول ہیں جن سے امام حسن بصری نے اپنی بساط اور طاقت سے فائدہ اٹھایا اسی طرح واصل بن عطا، سعید بن مسیب جابر بن، زید عطا بن ابی رباح وغیرہ نے ان مصادر شریعہ سے فائدہ حاصل کیا۔ لہٰذا جب ہم ان میں سے کسی ایک کی ان اور کی فہم کے حوالے سے دوسرے کی رائے سے موافقت دیکھتے ہیں تو اس کا یہ مطلب نہیں اور یہ ضروری بھی نہیں کہ اس نے دوسرے سے لیا ہو میرے خیال کے مطابق یہ بڑی واضح بات ہے کسی دلیل کی محتاج نہیں ہے۔ نیلیسنو کو دلائل اور مسائل کے ایک جیسے ہونے سے شبہ لاحق ہوا ہے کہ اباضیوں نے معتزلہ سے احکامات اور آراء لی ہیں حالانکہ درحقیقت ایسا معاملہ نہیں ہے۔

میرے خیال میں کسی بھی مسئلہ کے حل میں اقوال آراء کو پیش کرنا کسی مذہبیت سے متعلق نہیں ہے۔ اسی طرح اگر ایک عالم نے کسی مسئلہ میں اپنی بساط اور سمجھ کے مطابق کوئی تحقیق پیش کی ہے اس کی آراء کی پیروی اگر دوسرے علماء نے بھی کی ہے جو ان کے ہاں بھی قابلِ قبول تھیں تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ وہ علماء اس عالم کے پیروکار بن گئے ہیں اگر استدلال میں اس کے منہج کی انہوں نے پیروی کی ہے تو اس کا مطلب یہ نہیں کہ وہ اس کے نقطۂ نظر سے بھی متفق ہیں اور

اسی کی آراء کے پیروکار ہیں۔ بلکہ یہ تو ان علماء کی فکری وسعت اور اعلیٰ ظرفی کی دلیل ہے کہ بغیر کسی تعصب کے اگر ان کی کسی دوسرے فرقے کے عالم کی کوئی رائے قوی لگی تو انہوں نے اس سے استفادہ کیا کیونکہ علمی تحقیقی میدان میں دوسروں کے تجربات سے فائدہ حاصل کرنا اور ان کی آراء سے مستفید ہونا یہ تحقیق اور ریسرچ کے مزاج میں سے ہے۔

اور جس عالم کی کتاب (الدیانات) کی شرح کو نیلیسنو نے دلیل بنا کر یہ ثابت کیا ہے کہ اباضیوں نے انہی دلائل کو حجت بنایا ہے جن کو معتزلہ نے بنایا تھا۔ لہٰذا یہ معتزلہ کے پیروکار ہیں حالانکہ

(الدیانات) کے شارح الثلاثی دسویں صدی ہجری کے ہیں جبکہ (الدیانات) کے مصنف شیخ عامر آٹھویں صدی ہجری کے ہیں۔

میں یہاں مزید اس نقطے کی وضاحت کرنا چاہتا ہوں تاکہ محترم قاری کے لیے استاد نیلیسنو کی رائے پر درست حکم لگانا آسان ہو جائے۔

علماءِ اسلام میں سے جب بھی کوئی عالم دین کسی درپیش مسئلہ کے حوالے سے تحقیق کرتا ہے تو سب سے پہلے قرآنِ پاک اور سنت مطہرۃ کی طرف رجوع کرتا ہے پھر ان پر اپنی رائے اور عقیدے کی بنیاد رکھتا ہے اب کسی بھی موضوع میں قرآنی آیات اور حدیث نبوی تو ایک جیسی ہی نقل ہوں گی لیکن ان سے استنباط اور استدلال مختلف جہتوں سے کیا جا سکتا ہے ایک جیسا نہیں ہوگا ہر ایک کا ان قرآن آیات اور احادیث سے استدلال مختلف ہوگا تو کیا رویئت باری تعالیٰ کے مسئلہ سے متعلق یہ ضروری ہے کہ قرآن پاک کے اس فرمان کے طرف سب سے پہلے معتزلہ نے ہے توجہ دی ہو

﴿لَّا تُدْرِكُهُ ٱلْأَبْصَـٰرُ وَهُوَ يُدْرِكُ ٱلْأَبْصَـٰرَ ۖ وَهُوَ ٱللَّطِيفُ ٱلْخَبِيرُ﴾

"نگاہیں اس کا احاطہ نہیں کر سکتیں اور وہ سب نگاہوں کا احاطہ کیے ہوئے ہے، اور وہ بڑا باریک بین باخبر ہے"(۱)

بعد میں جس نے بھی رویئت باری تعالیٰ کے ناممکن ہونے کو ثابت کیا ہو وہ معتزلہ کا پیروکار ہو گا کیا اب ضروری ہے اسی طرح جس جس نے بھی کہا ہے کہ قرآن مخلوق ہے تو اس نے معتزلہ سے آراء لی ہیں ان کی پیروی کی ہے جب تک معتزلہ کسی مسلہ متعلق استدلال قرآن، حدیث سے کرتے رہیں گے تو کیا یہ ضروہری ہے جو بھی ان آراء کو لے گا وہ معتزلہ کا پیروگار ہوگا اور ان سے آراء نقل کی ہوں گی چاہے اس نے اپنی بساط اور فہم سے استباط کیا ہو۔

بس یہ بات بغیر کسی تردد کے ثابت ہے کہ نیلیسنو کی رائے بالکل بے بنیاد انتہاپسندی اور وسعت کو تنگی دینے والی ہے جو کہ قرونِ اولی کے علماء کی طبعیتوں اور مزاجوں سے بالکل ہم آہنگی نہیں رکھتی۔ میں نے جیسا کہ پہلے بیان کر دیا ہے کہ اصولِ عقائد میں اسلام کے ابتدائی دور سے ہی اختلافات پیدا ہو گئے تھے جبکہ اس وقت تک ان فرقوں اور مذاہب کا وجود

---

(۱) انعام، ۶/ ۱۰۳۔

تک نہیں تھا بلکہ افراد میں سے یہ صرف علماء ہی تھے جو اپنی اپنی فہم بصیرت کے مطابق قرآن، سنت سے استنباط کرتے تھے۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ یہ آراء مزید روشن ہوئیں جنہوں نے مختلف صورتیں اختیار کرلیں اور یہ بات واضح ہو گئی کہ علماء کا ایک گروہ ان آراء ایک اصل اور متعین اصولوں پر مشتمل ہیں پھر کچھ متعصب طبقات پیدا ہو گئے جن سے مختلف گروہ اور فرقے تشکیل پا گئے اور ہر فرقے، مذہب کو ان مجتہدین میں سے کسی کی طرف منسوب کر دیا گیا جو اس مذہب سے متعلقہ آراء میں مشہور تھے۔ پھر ان لوگوں نے اپنے اپنے مذہب کی تائید میں اقوال آراء کو جمع کرنا شروع کر دیا پھر وہ ٹھوس دلائل بن گئے۔ اگرچہ بلاشک یہ تمام کا حق ہے۔ فرد ایسے دلائل جمع کرتا ہے جو اس کے مذہب کی تائید میں ہوتی ہیں۔

یہ صورت ہمیں تیسری صدی ہجری کے مؤلفین کے ہاں نظر آتی ہے۔ لہٰذا کسی بھی باحث، محقق کے لیے یہ کہنا ممکن نہیں ہے کہ یہ دلیل معتزلی ہے اور یہ اباضی، اشعری اور ماتریدی کی ہے۔

اگر نیلینو علم الکلام کے اصولوں کی طرف رجوع کرلے تو اس پر یہ بات عیاں ہو جائے گی کہ ان میں ماتریدی اور معتزلہ زیادہ قریب ہیں نہ کہ اباضی اور معتزلہ بلکہ اشاعرہ اور اباضیہ میں اشاعرہ اور ماتریدیہ سے زیادہ تقارب پائے گا۔ اس کے باوجود کہ اکثر مقالہ نگاروں اور مؤرخین نے ماتریدیہ کو اہل سنت کی قطار میں کھڑا کیا ہے اور اباضیوں کو خوارج کی قطار میں جبکہ یہ نیلینو ایسا مستشرق ہے جس نے اباضیوں کو فروعی طور پر شیعوں میں شمار کر کے یہ کہا ہے کہ یہ فرقہ دراصل معتزلہ سے نکلا ہے۔ اگر ہم ان تمام کی آراء اقوال میں تامل کریں تو ہمیں پتہ چلے گا کہ وہ اصل میں تمام متفق ہیں۔ آل میں کسی کا کوئی اختلاف نہیں ہے۔ لہٰذا ماتریدیہ اور معتزلہ کا علم الکلام سے متعلق مسائل میں استدلال کا اسلوب ایک جیسا نظر آتا ہے۔ لہٰذا استاد نیلینو کا یہ دعویٰ کہ شمال افریقہ میں اباضیوں نے اقوال آراء معتزلہ سے لیے ہیں اور وہ معتزلہ سے نکلا ہوا ایک فرقہ ہے تو یہ بے بنیاد ہے اس کی بنیاد درست نہیں کیونکہ تمام اسلامی فرقے ایک دوسرے سے بالکل متاثر نہیں ہوئے اسی طرح اباضؔی بھی دیگر مذاہب ان سے متاثر نہیں ہوئے جیسا کہ دیگر مذاہب ان سے متاثر نہیں ہوئے لہٰذا یہ گمان بے بنیاد ہے اس فصل میں نیلینو کے گمان کے حوالے سے میں ایک نیا تجزیہ بھی پیش کرنا چاہتا ہوں۔

اگر سابقہ علماء میں سے کسی ایک عالم نے کسی معین عالم کی رائے کو لیا بھی ہے تو اس وقت کی ضرورت اور تقاضے کے پیشِ نظر لیا تھا تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ بعد میں جو مذہب آیا اس نے بھی اُسی سے ہی اقوال، آراء لی ہوں۔ اگرچہ اس نے وہی آراء قرآن، سنت سے اپنی فہم کے مطابق مستنبط کی ہوں تو اس پر یہ کہنا کہ یہ وہ آراء ہیں جو کہ اس سے پہلے فلاں مذہب نے پیش کی تھی۔ لہٰذا انہوں نے وہاں سے لی ہیں مناسب نہیں ہے۔ اس لیے ہم یہ نہیں کہتے کہ معتزلہ نے اباضیوں سے اقوال، آراء لی ہیں کیونکہ معتزلہ کا امام واصل بن عطا امام حسن بصری کا شاگرد تھا۔ ان کی مجلس میں علمی نور سے مستفید ہوتا تھا جبکہ اباضیوں کا امام جابر بن زید اس کا کلاس فیلو تھا۔ اس نے اس زمانے کے تقاضوں کے مطابق اپنی فہم اور بصیرت سے قرآن، سنت سے بعض مخصوص معین احکام کا استنباط کیا جن کو اس کے شاگردوں نے بعد میں آگے نقل کیا اگرچہ جابر بن

زید واصل سے ان مسائل کے استباط میں سبقت لے گیا لیکن ہم یہ نہیں کہتے کہ واصل بن عطا نے جابر بن زید سے یہ دلائل، آراء لی ہیں۔

رؤیت الہٰی سے متعلق کچھ مثالیں ہم یہاں پیش کرتے ہیں جو اباضیوں اور معتزلہ کے موقف کی وضاحت کرتی ہیں۔

اباضیوں کو رؤیت باری تعالیٰ کے حوالے سے عقیدہ پہلی صدی ہجری کے دوسرے نصف سے ہی بڑا واضح ہو چکا تھا وہ یہ کہ خدا تعالیٰ کی رؤیت دنیا، آخرت میں ناممکن ہے اباضی آئمہ نے اپنے اس موقف کی تائید میں بعض کبار صحابہ کرام ﷺ کے اقوال لائے اور ان کے اقوال، آراء سے استدال کیا۔ جیسا کہ ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ ﷺ، عبداللہ بن عباس ﷺ وغیرہ کیا کسی محقق کو یہ زیب دیتا ہے وہ کہے کہ معتزلہ نے اس مسئلہ سے متعلق اپنا موقف اباضیوں سے لیا ہے اور ان کی آراء پر اعتماد کیا ہے کیونکہ وہ ان سے سبقت لے گئے تھے کیونکہ معتزلہ نے بھی وہی دلائل اور استشھاد پیش کیا ہے جو اباضیوں نے کیا تھا۔ لہٰذا معتزلہ نے اباضیوں کی پیروی کی ہے۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ کوئی بھی محقق کبھی یہ گمان نہیں کرے گا کیونکہ اس مسئلہ کے حوالے سے جن مصادر، مراجع پر جابر بن زید نے اعتماد کیا ہے اور جن کو اپنے موقف کے لیے حجت بنایا ہے۔ اگر کوئی عالم قرآن سنت میں غور، خوض کے بعد کسی ایسی معین رائے پر پہنچتا ہے تو اس کا مطلب یہ نہیں کہ اس نے یہ رائے دوسرے سے اخذ کی ہے۔

اب میں یہاں ایک اور نیلینو کے بیان کردہ نقطے کا تجزیہ کرنا چاہتا ہوں کیوں کہ اس نقطے سے میں موافقت نہیں رکھتا اس نے کہا ہے کہ اباضی مذہب والے لوگ اکثریت سے معتزلہ ہیں وہ بغیر کسی مصادر کی تحقیق کے یہ غیر مصدقہ حکم اپنی جانب سے ویسے ہی جاری کرتا ہے اور شمال افریقی اباضیوں کے اور مشرقی اباضیوں کے مابین فرق کرتا ہے اس لیے کہ مشرقی اباضیوں کے حوالے سے ان پر حکم جاری کرنے کے بارے میں اس کے پاس ایسے مصادر نہیں پہنچے یہ دعویٰ بھی مغربی لگتا ہے کیونکہ اس بڑے مستشرق نے مراکشی اباضیہ کے سوائے دو کتابوں کے کسی بھی مصدر، مرجع کا ذکر تک نہیں کیا اور وہ دو کتابیں ایک (عقیدہ توحید) عمرو بن جُمیع اور دوسری عامر شماخی کی کتاب (الدیانات) جس کی شرح التلاتی نے کی تھی یہ دونوں کتابیں نہایت ہی مختصر ہیں تقریباً دس دس صفحوں پر مشتمل ہیں اگر ہم ان دونوں کتابوں کو بطور ایک کتاب کے مان بھی لیں تو یہ ان کتابوں میں سے ہیں جو ساتوی صدی ہجری کے بعد لکھی گئیں یعنی مذہبی تمیز کے بعد لکھی گئیں۔ لہٰذا اس زمانے میں تو اس طرح کی مذاہب سے متعلق کتب اپنے اپنے مذہب کے لیے حجت اور دلیل بن چکی تھی اور ہر مذہب کے علماء کے لیے ان کے مذہب کی ترجمانی کرنے والی کتابیں ان کی پہچان بن چکی تھیں۔ ان سے موقف کی تائید حاصل کی جاتی تھی اور دوسرے فرقوں کا رد ان کی روشنی میں پیش کیا جاتا تھا تو ان دو کتابوں کو اباضیوں کے حوالے سے دلیل بنا کر یہ حکم لگانا کہ اباضی معتزلہ ہیں بالکل مناسب نہیں ہوگا کیونکہ یہ تب ترتیب پائیں جب تمام مذاہب اور فرقے اپنی اپنی امتیازی حیثیت کے ساتھ تشکیل پا چکے تھے تو یہ کیسے ممکن تھا کہ ایک اباضی عالم اپنے مذہب کی تائید میں کتاب لکھے اور آراء ساری کی ساری معتزلہ سے لے ان کے مصادر پر اعتماد کرے ان کی پیروی کرے بالکل غیر معقول بات ہے اگر

استاد نیلیسنو کے نزدیک یہ دو کتابیں ہی مصادر ہیں تو گویا اس کے پاس شمال افریقی اباضیوں کے متعلق بھی کوئی مصادر مراجع نہیں ہیں۔ بس کسی حد تک وہ اقوال ہی ہیں جو اباضیوں کے متعلق ان کے غیروں نے کہے ہیں۔ یہ کتابیں اتنی مختصر ہیں جو اباضیوں سے متعلق اور موضوع کے حوالے سے حکم لگانے کے لیے کافی نہیں ہیں اسی طرح یہ موضوع کے بارے میں حقیقی صورت پیش کرنے سے قاصر ہیں۔

ہر حال میں شمالی افریقی اور مشرقی اباضیوں کے مابین فرق نہیں کیا جاسکتا۔ اسی طرح مزید یہ کہ اس تحقیق کے حوالے سے نیلیسنو خطاء کا مرتکب ہوا ہے ابو العباس شماخی نے شیخ عامر شماخی کی سوانح عمری اور اس کی کتاب (الایضاح) کے حوالے سے بات کی ہے جو کہ چار ضخیم جلدوں پر مشتمل ہے اس میں اس نے اس کی کتاب کی مواصفات بیان کی ہیں اور کہا ہے کہ چار جلدیں صرف اس کی وضاحت ہیں جو کہ مراکش میں موجود اباضیوں کے ہاں معتمد ہے یہ بالکل درست بات ہے اور یہ کتاب (الایضاح) بنیادی طور پر فقہی کتاب ہے جو طہارت کے باب سے شروع ہوتی ہے۔ علماالکلام سے متعلق مسائل کو بالکل زیر بحث نہیں لاتی لیکن نیلیسنو کو یہ محسوس ہوا کہ یہ مختصر عبارت (الدیانات) ہی اس سے مقصود ہے۔ لہٰذا مراکش کے اباضیوں کے لیے خاص طور پر جبل نفوسہ کے اباضیوں کے لیے معتمد ٹھہرادیا ہے یہ (الدیانات) کتاب کے حوالے سے ایک وہم ہے۔ حالانکہ اس کے اوپر جو شرح لکھی گئی وہ اس کے کتاب سے کہیں زیادہ ضخیم ہے۔ شیخ عامر سے کہیں زیادہ دیگر اباضی علماء علم الکلام اور عقائد کے موضوعات سے متعلق کتب لکھنے میں سبقت لے گئے ان کی کتابوں مرجع سمجھی جاتی ہے ان علماء میں سے عبد الخالق الفزآنی، عمروس النفوس، تبعوزین المنشوطی، ابو عمار عبد الکافی اور مارغنی وغیرہ شیخ شماخی نے ان تمام کے کتب سے استفادہ کیا پھر خلاصے کے طور پر (الدیانات) ترتیب دی۔ استاد نیلیسنو کا اباضیوں پر یہ حکم لگانا کہ جو مراکشی اباضی ہیں وہ معتزلہ سے متاثر ہوئے ہیں جبکہ جو مشرقی ہیں ان کے حوالے سے اُسے کچھ معلوم نہیں لیکن اتنا ضرور ہے کہ مراکشی اباضیوں اور مشرقی اباضیوں کے مابین فرق ہے۔ اس بات سے بہت سے سوالات جنم لیتے ہیں جو درج ذیل ہیں:

١. کیا اباضیوں نے معتزلہ کی فکر اور عقیدے کو مشرق میں رہتے ہوئے حاصل کی مراکش جانے سے پہلے یا وہاں جا کر لی ہے؟

٢. یا انہوں نے شمال افریقہ میں جا کر اہل تشیع سے بطریق حصولِ علم یہ فکر حاصل کی ہے؟

٣. یا مذہب اباضی نئے افریقہ کے اندر کچھ نئے افراد تیار کیے تھے جو اُن اقدار پر اور امور پر قائم تھے جو اباضیوں اور معتزلہ کے مابین مشترق تھے؟

٤. یا پھر مشرق میں اباضی مذہب قائم ہو گیا تھا اور مراکش میں اباضی مذہب معتزلہ سے متاثرہ خطوط پر قائم ہوا ہو۔

حقیقت میں نیلیسنو کا یہ ایک بے بنیاد مفروضہ ہے وہ اس خالی مفروضہ کو حقیقت کا رنگ دینے کی کوشش کر رہا ہے حالانکہ اُسے اس بات کا علم ہی نہیں ہے کہ اباضیوں نے معتزلہ سے کیسے تاثیر اخذ کی لیکن پھر بھی اس بات پر مصر ہے اور

بہت سے احتمالات پیدا کرنے کا سبب بن رہا ہے۔ وہ یہ کہ انہوں نے مغربی تاثیر مشرق سے لی پھر مراکش چلے آئے یا بطریق تعلیم شمال افریقہ سے حاصل کی یا پھر خطِ اعتدال پر انہوں نے اپنے کچھ افراد تیار کیے جو اباضیوں اور معتزلہ کے مابین مستشرق خط تھا۔ جس پر معتزلی فکر، تاثیر بہت زیادہ غالب تھی۔ اس فرضی اصرار کے باوجود وہ اباضیوں کے متعلق کچھ نہیں جانتا اس نے خود ذکر کیا ہے کہ وہ مراکشی اباضیوں کے متعلق کچھ نہیں جانتا اور جو گفتگو اور مفروضے ان کے حوالے سے گھڑے ہیں ان کی بنیاد بھی ایسی مختصر کتاب پر رکھی ہے جو ساتویں صدی ہجری کے بعد لکھی گئی۔ میرے خیال کے مطابق جو بھی اس طرح کا مشکوک موضوع بیان کرتا ہے وہ دراصل دو گروہوں میں سے کسی ایک گروہ کو دوسرے کا محتاج ثابت کرنا چاہتا ہے اُسے چاہیے کہ وہ دونوں گروہوں کے بارے میں بڑی گہرائی سے مطالعہ کرے پھر ایک ایک در پیش اعتقادی مسائل کا دونوں گروہوں کے مابین موازنہ کرے تاکہ اُسے سیاق، سباق اور ماحول کی مناسبت سے یہ پتہ چلے کہ کیا یہ مسائل اباضیوں نے معتزلہ سے لیے ہیں یا پھر یہ فکر اور تاثر معتزلہ نے اباضیوں سے حاصل کی ہے یا پھر یہ دونوں فریقین کی اپنی ہی فکر، فہم ہے۔ لیکن افسوس اس نے ایسا طریقہ اختیار نہیں کیا کیونکہ وہ سابقہ پانچ صدیوں سے اباضیوں کے عقائد کے متعلق کچھ نہیں جانتا بس اس کی اس موضوع کے لیے صرف دو مختصر خلاصہ طرز کی کتابوں تک رسائی ہوئی ہے جن پر اعتماد کرتے ہوئے اس نے یہ ایک بے بنیاد خیالی مفروضہ گھڑ لیا ہے کہ اباضیوں نے معتزلہ کی تاثیر کو قبول کیا ہے۔

سابقہ مذکورہ سوالات میں سے پہلا سوال تو ایک مسخرہ ہی ہے اور غیر سنجیدہ ہے وہ یہ کہ وہ اباضیوں کو دوسرے قبائلی مجموعوں کی طرح ہی سمجھ رہا ہے جو چند دین خیموں میں رہے پھر اپنا اور بوریا بستر لپیٹا اور اونٹوں، گھوڑوں پر رکھا پھر وہاں مشرق سے مراکش چلے گئے گویا وہ خانہ بدوش تھے جبکہ نیلینو نے اس بات کی وضاحت نہیں کی ہے کہ ان اباضیوں کی جو آج خصلتیں اور عادات ہیں اس وقت بھی تھیں یا صرف اس وقت مطلق نقل مکانی کرتے پھرے اور آج خود کو ایک نئی ثقافت، خوبیاں اور عادات سے متصف کر لیا ہے۔ اس کے فقرے کو پھر غور کرو یہ صورت تم پر آشکار ہو جائے گی اور یہ سوال ہمیں نیلینو کی خاص سوچ اور خاص مقصد کا تصور دیتا ہے۔

دوسرا سوال بھی مسخرہ خیز ہے نیلینو یہ گمان کرتا ہے کی اباضی مشرق سے جب مراکش آئے تو بغیر اعتقادی دینی اصولوں کے آئے یہاں آ کر انہوں نے اہل تشیع سے تعلیم کے حصول کے دوران معتزلہ سے تمام اصول اخذ کیے یا پھر طنجہ کے معتزلہ سے براہ راست اخذ کیے ہیں ان معتزلہ نے اہل سنت کی ضد میں ان کو یہ اصول اور اعتقادی تاثیر دی تھی اور ان کو معتزلہ اور اہل تشیع میں اہل سنت سے مقابلے کے لیے شامل کیا تھا جبکہ حقیقت میں یہ ایک وہم، ابہام پر مبنی ایک خیالی مفروضہ ہے۔ حقیقت سے اس کا کوئی تعلق ہی نہیں ہے۔ لہٰذا اس مفروضے کی کوئی گنجائش نہیں کہ اباضی مشرق سے جب دوسرے خانہ بدوش قبائل کی طرح مراکش گئے تو وہ اپنے عقائد وہی چھوڑ گئے۔ ہر گز نہیں بلکہ جن اصولوں کو عقائد میں انہوں نے قبول کیا تھا اور اپنایا تھا وہ اسلامی مراکش میں بذریعہ افراد پھیل گئے تھے چاہیے تو وہ بطریق علماء جو مشرق سے مراکش گئے تھے یا ان طلباء کے ذریعے جو مراکش سے مشرق میں تعلیم حاصل کرنے آئے تھے پھیل گئے تھے۔ اسی طرح یہ اصول مراکش اسلامی میں بطریق دعوت بھی پھیلے اباضی داعی مراکش میں اپنے مذہب کی دعوت لے کر گئے تھے اور یہ

بات کہ یہ عقائدی اصول اتنے وزنی نہیں تھے جن کو سفر میں ساتھ نہ لیا جاسکے۔ لہٰذا اس لیے وہیں چھوڑ دیے اس غرض سے کہ ہم جہاں جا رہے ہیں وہاں سے ہی لے لیں گے ان ان کو ساتھ کیا لے جانا ہے۔ اباضیوں نے مشرق سے مراکش کی طرف سفر کرتے وقت اس خوف سے بھی ان عقائدی اصولوں کو یہاں نہیں چھوڑا کہیں راستے میں چوری نہ ہو جائیں حالانکہ ان کا مقام تو دل ہوتا ہے یہ کون سی کسی کو ظاہری ثروت ہے جس کے چھن جانے کا خوف ہو یعنی کسی بھی حوالے سے یہ مفروضہ بے بنیاد ہے اور ایک اچھا مسخرہ ہے بس یہ ساری باتیں لغویات جعل سازیوں کا ایک تسلسل ہے جس شخص کے پاس اسلامی مراکش کی تاریخ کا تھوڑا سا علم بھی ہے وہ کبھی ان مفروضوں کو قبول نہیں کرے گا اور وہ ان دو حقیقتوں کو بخوبی جانتا ہے۔

پہلی حقیقت

اباضی شروع میں لیبیا سے آکر مراکش میں جزوی طور پر پھیلے حتیٰ کی مملکت ادارستہ سے بھی بہت عرصہ پہلے وہ جزوی طور پر یہاں آکر پھیل گئے تھے اس سے پہلے کہ ۱۷۲ صدی ہجری میں ادارسی سلطنت قائم ہوئی اباضی مختلف چار سلطنتیں قائم کر چکے تھے جن میں سے تین لیبیا میں قائم کی تھیں اور چوتھی کاوش رستمی سلطنت کو تاہرت میں اعارسی سلطنت سے بارہ سال قبل قائم کرنا تھا جو کہ مستقل طور پر قائم ہو چکی تھی اس کا اپنا مستقل ایک نظام، دستور تھا۔ مکمل امن، سلامتی کا گہوارہ تھی اس سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ اباضی اپنی فقہہ عقائد آراء اور قوانین میں مکمل رسوخ حاصل کر چکے تھے اور ان سلطنیوں میں اسلامی قانون کو عملی طور پر نافذ کر چکے تھے اور عملی طور پر اپنے عقائد نظریات کا نفاذ اسلامی مراکش میں اہل تشیع کی سلطنت ادارسیہ سے پہلے کر چکے تھے۔

کیسے یہ ممکن ہے کہ معتزلہ اور اباضیوں کے درمیان عقائدی اصولوں کے حوالے سے رابطہ تلاش کیا جائے اور یہ کہا جائے کہ اباضیوں نے وہ اصول معتزلہ سے لیے ہیں؟

دوسری حقیقت

لڑائی اور دوری اباضیوں اور اہل تشیع کے مابین اباضیوں کی معتزلہ اور اہل سنت کے مابین دوری کے مقابلے میں کہیں زیادہ ہے جن بھی مؤرخین نے رستمی سلطنت کے حوالے سے تفصیل سے یا اختصار سے لکھا ہے انہوں نے بہت سے ایسے مناظروں اور علمی اختلافات، جھگڑوں کا ذکر بھی کیا ہے جو اباضیوں اور اہل سنت کے مابین یا پھر معتزلہ اور اہل سنت کے مابین تاہرت میں ہوئے ہیں۔ یہاں تک کہ یہ علمی اختلاف سے متعلق بعض مناظرے اور جھگڑے اہل سنت کے اپنے فروعی فرقوں کے مابین بھی ہوئے ہیں جیسے کہ اشاعرہ اور ماتریدیہ وغیرہ۔ لیکن کوئی ایسا مناظرہ تاریخی ذرائع ذکر نہیں کرتے جو اباضیوں اور کسی شیعہ کے مابین ہوا ہو یہ اس بات کا ثبوت ہے کہ ان دو فرقوں کے درمیان مکمل انقطاع ہے بس یہ کہنا کہ اباضیوں نے اہل تشیع سے یا اہل تشیع نے اباضیوں سے اخذ کیا ہے۔ ایسا کلام ہے جس کی کسی سند پر بنیاد نہیں ہے اس

حوالے سے میں یہ کہنا چاہتا ہوں اگر آپ اباضیوں کی کوئی کتاب اٹھائیں جو اصول عقائد یا اصول فقہ سے متعلق ہو تو اس میں بہت سی آراء اہل سنت اور معتزلہ کی ملیں گی اگرچہ وہ اختلاف پر مبنی ہوں گی اور ان کا رد بھی پیش کیا گیا ہو گا لیکن کسی شیعے کی کوئی نادر، شاذ در رائے بھی ان کی کسی کتاب میں نہیں ملے گی۔ لہٰذا یہ ثابت ہوتا ہے کہ مراکش میں اباضیوں نے بالکل اہل تشیع سے کچھ اخذ نہیں کیا۔

رہا تیسرا سوال تو اس کا بھی یہ جواب ہے جو بھی بشری مجموعہ مشرق سے ہجرت کر کے مراکش گیا وہ اپنے عقائد بھی ساتھ ہی لے کر گیا لیکن مغرب میں معتزلہ کے عقائد بھی اخذ کیے اور ان سے متاثر ہوئے تو یہ تمام بے بنیاد مفروضہ جات ہیں جن کا ہم سابقہ گفتگو میں جائزہ لے چکے ہیں یہاں دوبارہ ان کی وضاحت کرنا ضروری نہیں ہے۔

چوتھا سوال یہ تھا کہ مراکش میں اباضیوں اور معتزلہ نے کچھ مشترق اصولوں پر اتفاق کر کے ایک عقیدے پر قائم ہو گئے تھے جن میں معتزلی تاثیر زیادہ غالب تھی۔ نیلیسنو نے اباضیوں پر یہ حکم لگایا کہ انہوں نے عقائدی اصول معتزلہ سے لیے بس یہ مفروضہ اس کے ذہن میں بیٹھ گیا تھا وہ اس کا ناقدانہ تجزیہ کرنا ہی نہیں چاہتا تھا کیونکہ اس نے اس اپنے ذہنی خیال کو ایک ثابت شدہ حقیقت سمجھ لیا تھا اس لیے ایسے راستے پر چلا جس سے وہ معتزلہ کی آراء کو اباضیوں کی طرف منسوب کر سکے اس غرض سے اس نے مفروضہ جات کا ایک ایسا مجموعہ تیار کیا جو بے بنیاد تھے۔

استاد نیلیسنو صفحہ ۲۰۷ پر درج ذیل کہتا ہے:

(دو ایسے مسلئے ہیں جن میں اباضیوں اور معتزلہ نے اختلاف کیا ہے۔

ایک تو کبائر کے مرتکب شخص سے متعلق تھا کہ وہ نہ کافر ہے نہ مومن بلکہ وہ دو منزلوں میں سے ایک منزل میں ہے جیسا کہ معتزلہ نے کہا ہے۔ لہٰذا اس مسلئے پر انہوں نے اپنے اصل خوارج سے اختلاف کیا اور معتزلہ سے بھی اختلاف کیا۔ اہل سنت کی اس مسئلہ کے حوالے سے موقف سے اتفاق کیا۔

دوسرا اختلافی مسئلہ ان کے مابین قضاء، قدر اور افعال کے ارتکاب میں بندے کے اختیار، آزادی سے متعلق ہے۔ معتزلہ بندے کی اعمال، افعال کرنے کے آزادی مکمل طور پر اس سے منقطع کرتے ہیں جبکہ اباضی اور اہل سنت میں سے اشاعرہ اس کی آزادی کو محنت اور کسب کے ساتھ محدود کرتے ہیں۔)

استاد نیلیسنو کی اس طویل منطق سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ اباضیوں اور معتزلہ کے مابین ان دو مسائل میں اختلاف ہے اس کے ساتھ اس نے یہ گمان کیا ہے کہ اباضیوں نے حریتِ عبد کے حوالے سے اپنی اصل یعنی خوارج سے الگ ہوئے ہیں۔ حالانکہ وہ یہ نہیں جانتا کہ اس کے علاوہ بہت سے ایسے امور ہیں جن میں اباضیوں اور خوارج کے مابین بڑا شدید اختلاف ہے۔ خوارج گناہ کبیرہ کے مرتکب شخص پر مشرک کا حکم لگاتے ہیں جبکہ اباضیوں کے نزدیک وہ ان کا اسلامی بھائی

ہے اور اس کے لیے وہ تمام حقوق ہیں جو ایک دوسرے مسلمان کے ہیں سوائے یہ کہ اس سے اسکی نافرمانی کی بنا پر معاملات میں قطع تعلقی کی جاسکتی ہے اور وہ ان کی جانب سے استغفار کا مستحق نہیں ہے۔

یہاں تک کہ وہ توبہ نہ کرلے باقی وہ ایک مسلمان ہے ملتِ اسلام سے گناہ کبیرہ کی بدولت نکلتا نہیں۔ بس نیلیسنو نے اس حکم پر یہ بنیاد بنائی ہے کہ اس مسئلہ میں اباضیوں نے معتزلہ کی مخالفت اپنی اصل کو بچانے کی غرض سے کی ہے اور یہ کہ ان کو کوئی خوارج میں سے نہ سمجھے۔ حالانکہ جس اصل کی طرف نیلیسنو اشارہ کرتا ہے اس اصل کا تو حقیقت میں وجود ہی نہیں ہے۔ بلکہ عبد اللہ بن اباض نے نافع اور اس کے ساتھیوں پر کفر کا حکم جاری صرف اس بنیاد پر کیا تھا کہ اس نے کبیرہ گناہ کے مرتکب کو مشرک کہا تھا۔ لہٰذا نیلیسنو جس اصل کی طرف اشارہ کررہا ہے قدیم، حدیث کسی بھی شخص نے کبھی اس کا ذکر نہیں کیا اور حقیقت بھی یہی ہے کہ اباضیوں کا خوارج سے کوئی بھی تعلق نہیں ہے۔

مرتکب کبیرہ سے متعلق مسلئے میں اباضیوں کا خوارج سے بڑا شدید اختلاف ہے جبکہ معتزلہ سے قضا، قدر کے مسئلہ میں اختلاف ہے اسی طرح امویوں سے ان کا شرعی احکام سے نکل جانے پر اختلاف ہے اگر مرتکب کبیرہ کا معاملہ ہی خوارج کو ممتاز کرتا ہے تو اباضی اس کے حوالے سے خوارج سے کلی طور پر اختلاف کرتے ہیں۔

استاد نیلیسنو نے صرف اپنی غرض اور مقصود سے متعلق جو فقرے تھے ان کو بیان کیا ہے اور دوسرے حصے کو خیانت علمی کے تحت بیان نہیں کیا (کہ وہ مرتکب کبیرۃ دو منزلوں میں سے کسی ایک منزل پر ہے) جبکہ "دو منزلوں کے درمیان کوئی منزل نہیں"۔

اس عبارت کی اختصار کے ساتھ یہ وضاحت ہے کہ شرک اور ایمان کے درمیان ایک منزل اور مقام ہے وہ ہے نفاق کفر نعمت کا یعنی جس شخص نے کبیرہ گناہ کا ارتکاب کیا وہ نہ تو مومن نہ ہی مشرک بلکہ وہ منافق یا کفر نعمت کا مرتکب ہے اور لوگوں کی یہ قسم دنیاوی تمام معاملات میں باقی لوگوں کے ساتھ شامل ہیں جیسے کہ ہمارے لیے رسول پاک ﷺ کی سیرت پاک سے منافقوں اور مرتکب کبائر کے ساتھ معاملات کے نمونے ملتے ہیں یہ معنی ہے ان کے اس قول کا کہ وہ دو منزلوں کے درمیان ایک منزل پر ہے۔ دوسرے عبارت کے "دو منزلوں کے درمیان کوئی منزل نہیں" تو اس کا مطلب ہے کہ شرک، ایمان کے درمیان کوئی اور مقام رتبہ نہیں ہے۔ بس جس شخص نے کلمہ شہادت کا اقرار کرلیا اگر اس نے اس کے احکام پر عمل کیا تو وہ مومن ہے اور اگر عمل نہ کیا گناہ کبیرہ کیے تو وہ منافق یا کفر نعمت کا مرتکب ہے ان دو کے درمیان کوئی تیسرا رتبہ یا مقام نہیں ہے۔

اس کا خلاصہ یہ ہے کہ اباضیوں کے نزدیک لوگ دو قسموں کے ہیں مسلمان اور مشرک مسلمان وہ لوگ ہیں۔ جنہوں نے توحید کا اقرار کرلیا ہے اب ان کی مزید دو قسمیں ہیں ایک وہ جو اسلام کے احکامات پر عمل پیرا ہیں پہلی قسم کو مومن اور دوسری قسم کو منافق یا کفار نعمت فاسق اور نافرمان کہا جائے گا لیکن ان تمام پر دنیا میں ایک جیسے احکامات اور معاملات

جاری کیے جائیں گے۔ حقوق، واجبات میں یکساں ہیں سوائے ان کے لیے مغفرت طلب کرنا کیونکہ یہ صرف مومن کا حق کہ اس کے لیے استغفار کیا جائے۔

مشرکین جو مسلمان نہیں ہیں چاہے وہ بتوں کی پوجا کرتے ہوں یا فطری عوامل کی یا پھر کسی چیز کی بھی پوجا نہ کرتے ہوں یا پھر اہل کتاب ہوں۔ جنہوں نے اپنے باطل دین کو تھاما ہوا ہے اور دینِ اسلام پر ایمان نہیں لائے ان تمام پر مشرکین کے احکامات جاری ہوں گے۔

سوائے ان مخصوص خصلتوں اور طبقوں کے اور چند صورتوں کے جن کو خدا تعالیٰ نے اہل کتاب کے لیے مخصوص کیا ہے۔

میرے خیال میں اس نقطہ کی یہاں یہ وضاحت کافی ہے مزید تفصیل آخری فصل میں نصوص اور نقول کے ضمن میں پیش کریں گے۔

تیسرا معاملہ قضاء، قدر ہے اس سے متعلق تو استاد نیلیسنو نے کچھ پیش نہیں کیا ایک دفعہ ذکر کیا ہے پھر کچھ بھی اس کے حوالے سے کہے بغیر ذکر کو ترک کر دیا تھا۔

یہاں محترم قاری کے ذہن میں ایک سوال پیدا ہو سکتا ہے کہ اباضیوں نے اپنے عقائدی اصول سوائے توحید، مرتکب کبیرۃ کے معتزلہ سے لیے ہیں اس مرتکب کبیرۃ کے مسئلہ میں بھی اس لیے اختلاف کیا ہے تاکہ اپنی اصل سے (خوارج) خود کو بچا سکیں تو پھر انہوں نے قضاء قدر کے مسلئے کو معتزلہ سے کیوں اخذ نہیں کیا؟

یہ سوال بغیر جواب کے ذہنوں میں ہی باقی ہے صرف نیلیسنو ہی اس کا جواب جانتا ہے وہ تو اس دنیا سے کسی اور ہی دنیا میں منتقل ہو گیا ہے وہ اپنی بحث اور تحقیق کو درج ذیل بات پر ختم کرتا ہے۔ ہمارے پاس اس وقت ایسے مصادر مراجع تو نہیں ہیں جو اس وقت کا تعین کرتے ہوں کہ اباضیوں نے کب معتزلہ سے عقائدی اصول اخذ کیے تھے لیکن ہم بڑے وثوق سے یہ کہتے ہیں کہ یہ قول کہ (قرآن مخلوق ہے) رستمی سلطان افلح بن عبدالوہاب کا ہے جس نے تاہرت میں ۱۹۰ھ اور ۲۴۰ھ کے دوران حکومت کی۔ جیسا کہ موتینسکی کی کتاب کے صفحہ ۵۴ سے ماخوذ ہے کہ مراکشی اباضی مذہب چھٹی صدی ہجری کی ابتدا میں ۱۲۰۰ عیسوی میں باقاعدہ تشکیل پایا تھا۔

استاد نیلیسنو خود اس با کا اعتراف کر رہا ہے کہ وہ اس کی رسائی ایسے مصادر تک تو نہیں ہوئی کہ جس سے اس زمانے کا تعین کیا جا سکے جس میں مراکشی اباضیوں نے معتزلہ سے عقائدی اصول اخذ کیے تھے تو پھر وہ کون سے مصادر اور ذرائع ہیں جن پر اعتماد کرتے ہوئے اس نے یہ کہا ہے کہ اباضیوں نے اپنے اصول معتزلہ سے لیے ہیں؟؟ اگر اس کے پس یہ تمام مصادر مراجع دستیاب نہیں تھے تو کیسے اس نے اس حوالے سے یہ رائے قائم کی؟ اور اس کے برعکس حقیقت کیوں نہیں ہو سکتی؟ وہ یہ کہ معتزلہ نے اپنے عقائدی اصول اباضیوں سے لیے ہیں جب یہ بات ضروری سمجھ لی جائے کہ دونوں میں سے

کسی ایک نے دوسرے سے اثر ہے۔ حقیقت تو یہ ہے جس کا ہم نے بہت بار ذکر کیا ہے کہ یہ فرض کریں کہ دو مذہبوں میں سے ایک نے دوسرے سے اپنے اصول اخذ کیے ہیں تو یہ ایک ایسا بے بنیاد دعویٰ ہے جو بالکل جعل سازی ہے اور قابل قبول نہیں ہے۔ نیلیسنو کا یہ اعتراف بالکل درست ہے کہ اس کو اباضیوں سے متعلق اس حوالے سے حکم لگانے کے لیے مصادر، مراجع دستیاب نہیں ہوئے ہیں۔ اس نے (عقیدہ توحید) ابن جُمیع کی کتاب پر اکتفا کیا تھا جو کہ صرف حفظ کرنے کے لیے ایک متن ہے اس میں دو تین صفحوں پر اس نے کچھ توحیدی مسائل کو لیا ہے اسی طرح اس نے دوسری شماخی کی کتاب (الدیانات) لی ہے وہ بھی زبانی یاد کرنے کے لیے ایک مختصر متن ہے جس کے دو یا تین صفحے ہیں۔ اس کی تلاتی نے جو شرح کی ہے وہ بھی مختصر لغوی شرح ہے۔ علم الکلام کی بحث کو نادر، شاذر ہی زیر بحث لایا ہے اسی طرح مصعبی کی کتاب جو کہ ابو نصر ملوشائی کے قصیدے کی شرح ہے جبکہ قصیدہ خود ایک حفظ کرنے کے لیے متن ہے جس میں وہ شرح کرتے ہوئے زیادہ تر لغوی اور بلاغی پہلو زیر بحث لایا ہے۔ پھر مجمل مجاز کے معنی کا ذکر کیا ہے لیکن مذاہب کا ایک دوسرے سے عقائدی اصول اخذ کرنے کے حوالے سے اس کا بالکل کوئی مسئلہ ذکر نہیں کیا اور یہ تمام کتابیں ساتویں صدی ہجری کے بعد لکھی گئیں۔

جبکہ اس وقت تمام مذاہب اسلامیہ اپنی اپنی شناخت کروا چکے تھے امت اسلامیہ میں ہر مذہب اور فرقہ مستقل فرقے کے طور پر مشہور ہو چکا تھا۔ لہٰذا اس دور میں جو بھی کتابیں لکھی گئیں وہ جس مکتبہ فکر کے عالم نے لکھی ایک خاص نقطہ نظر اور اسی مذہب اور فرقے کے اصولوں سے متعلق ہی لکھیں تھیں وہ کتابیں ایک خاص مذہبی نقطۂ نظر سے متعلق تھیں اور ان کتابوں میں اپنے اپنے مذاہب کو حق ثابت کرنے کے حوالے سے دلائل موجود تھے۔

ایک آخری نقطہ جو نیلیسنو نے دعویٰ کیا ہے کہ اباضی مذہب چھٹی صدی ہجری کے آخر میں وجود پایا وہ اس آخری تشکیل سے کیا مراد لیتا ہے؟ اور اس حکم کو اس نے کن مصادر کی بنیاد پر لگایا ہے؟ میں اس فصل کے اختتام سے پہلے اس نقطے کی وضاحت کرنا چاہتا ہوں۔

اگر اس کی مراد وہ باقاعدہ تشکیل ہے جو تعداد کے لحاظ سے پھیلنا تھا تو اباضی تو اس تاریخ سے ایک دو صدیاں پہلے ہی اسلامی مراکش میں پھیلے ہیں اور وہ اس چھٹی صدی ہجری کے زمانے میں تو صرف صحراؤں میں سبزہ زار نخلستانوں میں ہی سمٹے ہوئے تھے اگر وہ اس سے مراد باقاعدہ فروعی اور اجتہادی علمی مسائل کی تشکیل مراد لیتا ہے تو یہ باقاعدہ طور پر ابھی تک بدرجہ اتم مکمل نہیں ہوئی اور نہ ہی امت اسلامیہ کے کسی مذہب میں اجتہادی مسائل کا باب کبھی مکمل ہو سکتا ہے چونکہ یہ روز مرّہ حیاۃ انسانی کے مسائل سے متعلق ہیں جب تک انسانی زندگی ہے تب تک ان اجتہادی فروعی مسائل کا باب مکمل نہیں ہو سکتا یہ انسانی زندگی کے خاتمہ پر ہی ختم ہو گا اس کی مراد عقائدی اصولوں کی باقاعدہ تشکیل ہے۔ تو یہ ذہن کے قریب ہے لیکن اس حوالے سے نیلیسنو نے خود ہی یہ اعتراف کیا ہے کہ اس کے پاس اس عقیدے کو حل کرنے کے لیے جو مصادر مراجع ہیں وہ کافی نہیں ہیں تو پھر اس کو چھٹی صدی ہجری کے ساتھ وہ کیسے خاص کر سکتا ہے۔ چونکہ اس کو یہ پتہ نہیں

کہ کب اباضیوں نے اپنے عقائد کے لیے ان اصولوں کو لیا؟ چاہے انہوں نے ان کو مصادر شریعت قرآن، سنت سے لیا ہو یا پھر مصادر معتزلہ اور اہل تشیع سے لیا ہو۔

اگر نیلیسو نے تحقیق میں ذرا سی بھی محنت کی ہوتی تو اُسے بہت سی علم الکلام کے موضوع پر ایسی کتابیں ضرور ملتیں جو اس زمانے سے بہت پہلے لکھی گئیں۔ ان کتب میں سے بعض طویل اور بعض مختصر ہیں۔ اسی طرح اس مدت سے پہلے تک اباضیوں اور معتزلہ کے درمیان ہمیشہ جدل، جدال اور مناظرے جاری رہے یہ مناظرے اور مذہبی جھگڑے سلطنت رستمی میں اس شدت تک پہنچ گئے کہ لیبیا اور جزائر سے مناظروں کے لیے علماء کو پیش کیا جاتا۔

پھر یہ کہ عبدالرحمٰن بن رستم خود علماء میں سے ایک عالم تھا۔ جو بصرۃ کے ابو عبیدہ عالم کا شاگرد تھا۔ لہٰذا اس بات میں بھی کوئی شک نہیں کہ وہ خود بہت سے اباضیوں اور معتزلہ کے مابین اور اباضیوں اور خوارج کے مابین مناظروں میں حاضر بھی ہوا اشاعرہ اس زمانے کے بہت بعد میں ظاہر ہوئے یہاں تک کہ ابو عبیدۃ ہر اس شخص کو اپنی مجلس میں دھتکار دیتا تھا جو قضاء، قدر سے متعلق بات کرتا تھا۔ اس طرح اباضی عقائدی اصولوں کی جابر بن زید اور ان کے ساتھیوں کے زمانے میں یہ تکمیل ہو گئی پھر ابو عبیدہ اور ان کے شاگردوں کے دور میں یہ تکمیل اپنی انتہا کو پہنچی پھر طالب علموں نے ان اصولوں کی مشرق مغرب میں (مراکش) میں نقل کرنے لگے یہ اصولی تکمیل معتزلہ کے اصولوں کی تکمیل سے پہلے ہوئی ہے یہاں تک کہ اشاعرۃ سے بھی پہلے تشکیل پائے۔

اس بات میں کوئی تردد نہیں ان ائمۃ کے بعد جو بھی علماء امت آئے انہوں نے ان اصولوں سے استفادہ کیا ان کے اصولوں کی بنیاد جن دلائل براہین پر تھی ان دلائل براہین سے بعد میں آنے والوں نے بھی اقتباس کیا۔

میرے خیال میں استاد بیوض ابراہیم بن عمر کے رسالے کے وہ فقرے محترم قاری کو زیادہ مناسب لگیں گے جن فقروں کے ذریعے اس نے استاد منیر عبدالقادر سلطان کو اس کے سوالوں پر جواب دیا تھا وہ فقرے درج ذیل ہیں:

(جان لو کہ تیسرے خلیفہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت کے آخری دنوں میں سیاسی اختلافات کے وقت جو پہلا عقیدے سے متعلق مسئلہ مسلمانوں کے تفرقے کا سبب بنا وہ قضاء، قدر کا مسئلہ تھا جس کے بارے میں تم نے اپنی کتاب (الارادة الانسبانية والعدل الالهي) میں جان چکے ہو یہ مسئلہ جن کی پہچان بنا وہ واصل بن عطا الغزال ہیں جو کہ واصلیہ معتزلہ کے امام ہیں۔ اس کے بعد ایمان، کفر کے معنیٰ کا تعین کرنے کے حوالے سے اور یہ کہ دو منزلوں کے درمیان ایک اور منزل جبکہ دو منسلوں کے درمیان کوئی اور منزل نہیں ہے۔ مسائل زیر بحث آئے جو کہ خوارج کی پہچان بنے جو مسلمانوں میں سے بغاوت کرنے واے کے اموال کو ان کو لونڈیوں کو قیدی بنانا اور خون وغیرہ کو مباح قرار دیتے ہیں پھر قرآن پاک کے حوالے سے مسئلہ پیدا ہوا کہ یہ مخلوق ہے اس مسئلے کو اٹھانے والا ابو شاکر دیصانی فارسی ہے جو اسلام کے نام سے اس لیے ظاہر ہوا تا کہ مسلمانوں میں فتنہ پیدا کرے اور ان کے وحدت کے شیرازے کو بکھیر سکے کچھ غافل اور بے وقوف لوگ اس کے اس فتنے کا شکار ہوئے اور اس مسئلہ کو ایک فتنہ کے طور پر اس کے پیروں کاروں نے پھیلایا۔

واصل بن عطا کے بارے میں شہرستانی نے اپنی کتاب (الملل والنحل) میں کہا ہے کہ الواصلیہ ابو حذیفہ واصل بن عطا الغزال کے ساتھی ہیں جو کہ امام حسن بصری ؒ کا شاگرد تھا ان سے احادیث اور مختلف علوم حاصل کیا کرتا تھا وہ بقول مؤرخین کے عبد الملک کی خلافت ۶۵ ہجری میں تھی اس کی وفات ۸۶ ہجری میں جبکہ ہشام کی خلافت ۱۰۵ھ سے ۱۲۵ھ تک رہی ہے گویا وہ اپنی عمر کے آخری نصف میں امام حسن بصریؒ سے ملا ہے۔

شیخ ابو یعقوب یوسف بن ابراہیم نے اپنی کتاب (الدلیل والبرھان) میں روایت کیا ہے کہ واصل بن عطا نے امام حسن بصری سے علیحدگی اختیار کی اس سال کا تعین کرنا ممکن نہیں ہے ان تمام تاریخی روایات کے مجموعے سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ وہ امام حسن کے آخری ایام تھے اور پہلی صدی ہجری کے بھی آخری سال تھے۔

اس بنا پر ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ اباضیوں کے امام واصلیہ معتزلہ کے امام سے بہت پہلے کے ہیں اسی طرح اباضیوں کا فلسفۂ قضاء، قدر ان کی کتاب (الارادۃ الانسانیۃ والعدل الالھی) میں واصل بن عطا کے مذہب سے بھی بہت پہلے روشن ہو چکا تھا۔

اباضیوں کے فلسفۂ قضاء، قدر کی شرح کے بعد امام بُیّوض ابراہیم بن عمر کہتے ہیں۔

قضاء، قدر مسئلہ کے حوالے سے اباضی ہمیشہ ان دو گمراہ فرقوں کا علمی دلائل، براہین کی روشنی میں دفاع اور مقابلہ کرتے چلے آرہے ہیں۔ جنہوں نے بدعت، جبر، قدر اور قرآن کا مخلوق ہونے جیسے محدثات اور بدعات کا ارتکاب کیا تھا تم دیکھتے ہو کہ یہ دونوں فرقے نئے ہیں جبکہ اباضی فلسفہ ان سے بہت پہلے کا ہے بہت قدیم ہے یہ فلسفہ اس اصل کو تھامے ہوئے ہے۔ جس پر امت کا اجماع ہے اسی طرح خوارج کا موقف کہ ہر کبیرہ گناہ کا مرتکب مشرک ہے اس کا مال، لونڈی کو غلام بنانا اور ان کا خون مباح ہے وغیرہ یہ تمام محدثات اور بدعات ہیں جابر بن زید ابو عبیدہ مسلم بن ابی کریمہ اور ان کا نامور شاگرد عبد اللہ بن اباض خوارج سے مناظرے کیا کرتے تھے۔

اس حوالے سے ہم نے عبد اللہ بن اباض سے متعلق اس سے قبل صاحب (السیرؒ) کا قول نقل کیا تھا (اس کے اور خوارج اور دیگر علماء کے ساتھ بہت سے مناظرے ہیں) اسی (السیرؒ) کتاب میں ہی صفحہ نمبر ۶۷ پر ذکر آیا ہے (ضمام نے کہا ہے کہ جابر خوارج کے پاس آیا کرتا تھا اور ان سے کہتا تھا کیا خدا تعالیٰ نے مسلمانوں کا ان کے دین کی بناء پر خون حرام نہیں کیا؟ آپ دیکھ رہے ہیں کہ جابر بن زید ان فرقوں میں سبقت لے گئے ہیں اور وہ ان سے مناظرے بھی کیا کرتے تھے پھر اس کی زندگی میں بھی اور وفات کے بعد بھی اس کے شاگرد بھی اپنے استاد کے طریقے پر چلتے ہوئے مناظرے کیا کرتے تھے۔

اس کے بعد اس نے قرآن کا مخلوق ہونے کے مسئلہ کو پیش کیا اور اس موضوع سے متعلق اباضیوں کی مختصر سے رائے اور نقطہ نظر کی شرح کی ہے پھر کہا!

سابقہ گفتگو اور پیش کردہ تحقیق کی بنا پر یہ ثابت ہوتا ہے کہ مذہب اباضی عقائد کی اصل اور اصولوں کے لحاظ سے تمام مذاہبِ اسلامیہ کا استاد ہونے کی حیثیت رکھتا ہے۔

اس فصل کے اختتام پر میں پھر بھی اس نامور مستشرق استاد نیلیسنو کی گراں قدر کاوشوں کی تعریف اور اس کا شکر ادا کرنے میں خوشی محسوس کرتا ہوں۔ اگرچہ اس کی اس علمی بحث سے صرف محض علمی بحث کے اور کچھ نتیجہ نہیں نکلتا اسی طرح اگر ہم اس تحقیق میں اس کے پیش کردہ مفروضہ جات اور نظریات سے اختلاف بھی کریں تو اس میں کوئی مزائقہ نہیں ہے یہ الگ بات ہے کہ اس نے جن دلائل، نظریات کو کافی سمجھا وہ ہمیں مطمئن نہیں کر سکے۔ لیکن کسی بھی علمی ریسرچ، تحقیق کے پس پردہ جو اخلاص ہوتا ہے وہ خراجِ عقیدت پیش کرنے کا تقاضا کرتا ہے۔ لہٰذا اگرچہ ہم اس کے نظریات سے اختلاف کرتے ہیں پھر بھی اس کی اس تحقیق کے لیے پیش کردہ کاوشوں کا شکریہ ادا کرتے ہیں۔

اباضیوں اور اہل سنت کے مابین متفقہ مسائل

وہ مسائل جن کو استاد نیلینو نے خلاصہ کے طور پر سات نقاط میں ذکر کیا تھا اور کہا تھا کہ ان میں اباضیوں اور دیگر مذاہب خاص طور پر اہل سنت کا اختلاف ہے جیسا کہ

رؤیت باری تعالیٰ	قرآن پاک مخلوق ہے
میزان اور صراط کا معنی	تشبیہات کی تاویل کرنا
مرتکبِ کبائر کا حکم	دوزخ کا عذاب ابدی ہے
خدا تعالیٰ کی صفات ذاتی ہیں یا اضافی	قضاء، قدر (یعنی تقدیر کا مسئلہ)

تو حقیقت یہ ہے کہ ان مذکورہ بالا مسائل میں اباضیوں اور اہل سنت کے درمیان اتفاق ہے اختلاف نہیں الفاظ مختلف ہیں مراد اور مقصود ایک ہی ہے اور یہ ایسے مسائل ہیں جو ایک ہی مذہب کے علما کے مابین یا پھر ہر مذہب میں اختلاف کا سبب رہے اور ان کا بڑی گہرائی سے تجزیہ کیا جاتا رہا ان مسائل میں اختلاف کے حوالے سے علماء کے طبقات کی مختلف اقسام ہیں کچھ تو اپنی آراء اور نقطہ نظر رکھتے کچھ ایسے ہیں جو شر پسند ہیں صرف بحث، مباحثہ اور مناظرے کی فضا قائم کرنا چاہتے ہیں اور لڑائی جھگڑا پیدا کرنا ان کا مقصود ہے اور دراصل وہ اپنی شہرت چاہتے ہیں جیسا کہ عامۃ الناس میں ایسے لوگ ملتے جنہوں نے فقہی مسائل کو اس حد تک اختلافی شدت دے دی ہے کہ انہوں نے خود کی شہرت کے لیے نہایت ہی انتہا پسندی کا مظاہرہ کیا ہے وہ فقہی فروعی مسائل جیسا کہ رفع یدین، شہادت کی انگلی کو تشہد میں اوپر اٹھانا، اور سورۃ فاتحہ کے شروع میں بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھنا وغیرہ۔ ان کو اس حد تک سختی سے تھاما ہے کہ ان کی نظر میں جو یہ نہیں کرتا اُسے وہ مسلمان ہی نہیں سمجھتے اس حد تک انتہا پسندانہ نقطہ نظر رکھتے ہیں۔ لیکن اگر ہم اس درجے سے ذرا اوپر اہل علم اور محققین کی طرف نظر دوڑائیں تو ہمیں پتہ چلتا ہے کہ کچھ معتدل نقطہ نظر کے حامل علماء ہیں اور کچھ انتہا پسند بھی ہیں اور درحقیقت یہ انتہا پسند علماء ہی ہیں جن کی وجہ سے امتِ اسلامیہ کی وحدت پارہ پارہ ہوئی ہے اور مسلمانوں کی صفوں میں شغاف پڑا ہے۔ قطع نظر اس کے کہ اباضی یا انہوں نے عقائدی اصول ان سے لیے ہیں یا نہیں میں یہاں اس فصل میں ان سابقہ مسائل کو پیش کرنا چاہتا ہوں جو کہ اہل سنت اور اباضیوں کے درمیان متفقہ ہیں ان میں سوائے لفظی اختلاف کے کوئی اختلاف نہیں مراد اور مقصود ایک ہی ہے ہم ان مسائل کو ایک ایک کرکے پیش کریں گے۔

ا۔ کیا قرآن پاک مخلوق ہے؟

یہ فتنہ اور ہنگامہ آرائی جب شاکر الدیصانی نے بعض مقالہ نگاروں کے اقوال کو پھیلایا اس مسئلہ سے متعلق بعض لوگوں نے کہا کہ قرآن مخلوق ہے یا قدیم ہے۔ بعض نے کہا کہ مخلوق نہیں ہے بس دونوں طرف جھگڑا شروع ہو گیا ایک نے کہا کہ مصاحف اور حروف قدیم ہیں دوسری جانب کے افراد اس انتہا پسندی کو پہنچ گئے کہ انہوں نے قرآن پاک کی صفت

کی ہی نفی کر دی کہ یہ خدا کا کلام نہیں ہے۔ لہٰذا اباضیوں اور اہل سنت کے علماء اور محققین اس نتیجے پر پہنچے اور یہ ثابت کیا کہ قرآن کریم نہ تو قدیم ہے نہ حدیث بلکہ یہ کلام الٰہی ہے اور اس کی ذاتی صفت ہے جیسا کہ وہ سمیع، بصیر اور علیم ہے اباضیوں اور اہل سنت کے درمیان سوائے لفظی اختلاف کے کوئی اختلاف نہیں بلکہ اتفاق ہے۔

ہم جب جانبین سے قطع نظر کر کے دیکھتے ہیں تو پتہ چلتا ہے کہ بعض اہل سنت میں ایسے علماء بھی ہیں جنہوں نے کہا ہے کہ قرآن مخلوق ہے خطیب بغدادی نے متعدد طرق سے ابو یوسف کی امام اعظم ابو حنیفہ کے حوالے سے روایت نقل کی ہے کہ وہ بھی کہتے تھے کہ قرآن مخلوق ہے اسی طرح امام ابو منصور ماتریدی بھی قرآن کے بارے میں یہی کہتے تھے کہ یہ محدث اور مخلوق ہے اسی طرح اباضیوں میں سے ابن النظر العمانی کہتے ہیں کہ قرآن مخلوق نہیں ہے اور ان علماء سے شدید اختلاف کیا ہے جو کہتے ہیں کہ قرآں مخلوق ہے۔ اباضی ائمۃ میں سے قطب نے یہ کہا ہے کہ یہ مسئلہ اصول میں سے نہیں ہے ابو اسحاق اطفیش نے کہا ہے کہ اس مسئلہ میں اختلاف لفظی ہے یہ بات کافی ہے۔ اس اثبات کے لیے اباضیوں اور اہل سنت کے علماء میں اس مسئلہ پر سوائے لفظی اختلاف کے کوئی اختلاف نہیں ہے اتفاق ہی ہے جبکہ دیگر انتہا پسندی کی طرف گئے ہیں۔ لہٰذا تمام مسلمانوں کو ان دو حقیقتوں پر اکتفاء کرنا چاہے کہ خدا تعالیٰ سمیع، بصیر ہے متکلم ہے اور قرآن کریم اس کا کلام ہے جو اس نے اپنے رسول مکرم ﷺ پر نازل کیا ہے۔

۲۔ کیا آخرت میں رؤیت باری تعالیٰ ممکن ہے

میرے خیال کے مطابق جو مشکل قرآن کے مخلوق ہونے کے مسئلہ میں در پیش تھی وہی مشکل اس مسئلہ میں بھی ہے اگرچہ رؤیت کا مسئلہ کلام اللہ کے مسئلہ سے پہلے پیدا ہوا اس میں بھی دو گروہ انتہا پسندی کی طرف گئے ہیں جبکہ اباضیوں اور اہل سنت کے مابین معتدل موقف ہے اور ایک معتدل موقف پر اتفاق ہے۔ ایک انتہا پسندی والا وہ گروہ ہے جو رؤیت کو ثابت کرتے ہوئے اس حد تک چلا گیا کہ خدا تعالیٰ کی صفات کو مخلوق کی صفات کے مشابہہ کر دیا دوسرے گروہ نے اس کی نفی میں انتہا کر دی ہے۔ ان دونوں کے درمیان اہل سنت اور اباضی محققین کھڑے ہیں انہوں نے اس حوالے سے کچھ تاویلات کی ہیں۔ اہل سنت کے کچھ علماء نے رؤیت باری تعالیٰ سے مراد خدا تعالیٰ کے بارے میں کامل معرفت لی ہے ان میں سے دیگر نے کہا ہے کہ رؤیت چھٹی حس سے واقع ہوتی ہے اور وہ ہے کمالِ علم کچھ نے ان تعبیرات کی نفی بھی کی ہے لیکن اس بات پر اتفاق ہے کہ رویت باری تعالیٰ کامل صورت میں اس طرح نہیں ہو گی جیسے انسان تخیل کرتا ہے یعنی بالکل آمنے سامنے دیکھنا تا کہ قرآنی ان نصوص کا انکار بھی نہ ہو سکے جو نفی، اثبات میں آئی ہیں اور ہم ان نصوص کے علاوہ غوطہ زن ہونے کی قدرت بھی نہیں رکھتے۔

اسی طرح اباضیوں کے نزدیک بھی یہ ہے کہ رؤیت بھی کمال علم ہے۔ ذات باری تعالیٰ کے متعلق انکار نہیں کرتے لیکن انسانی تخیل کے مطابق رؤیت باری تعالیٰ کا انکار کرتے ہیں کہ ویسے نہیں ہوں گی جیسے انسان خیال کرتا ہے چونکہ یہ

ایسی چیز ہے جس کا تعین اور تشبیہ دینا اور محدود کرنا ممکن ہی نہیں بلکہ یہی بات درست ہے کہ رؤیت سے مراد خدا تعالیٰ کی ذات کی کامل معرفت ہے۔

امام غزالی نے مطلق رؤیت کا انکار کیا ہے متشدد اباضی ہر ایسی چیز کی تشبیہ سے دور بھاگتے ہیں جس کا تعلق ذاتِ باری تعالیٰ سے ہو۔ اہل سنت میں جو زیادہ متشدد ہیں وہ بھی قولی نفی کرتے ہیں اگرچہ ان کے الفاظ اس کی تعبیر کرتے ہوں۔ میرے خیال کے مطابق ان دونوں مذہبوں کے درمیان یہ نقطہ وحدت کافی ہے کہ وہ دونوں رؤیت باری تعالیٰ کی تشبیہ کا انکار کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ رؤیت حسی جیسے انسان خیال کرتا ہے ممکن نہیں البتہ اس سے مراد معرفت الٰہی لینا ہو تو درست ہے۔ لہٰذا یہ وحدت ان دونوں کے درمیان قریبی وحدت ہے۔

۳۔ میزان اور صراط کا معنی

یہ ایسا مسئلہ ہے جس نے بہت سی جہد اور وقت ضائع کیا ہے بالآخر ایسی صورت تک پہنچا ہے جو کہ ایک مسخرۃ ہے لوگوں میں سے کچھ تو اس بات پر مُصر ہیں کہ قیامت کے دن میزان دو کنارے (ہاتھ) اور (زبان) ہے پھر یہ حیرانی کی بات ہے کہ اس پر وزن کیسے رکھا جائے گا کچھ لوگوں کا یہ خیال ہے کہ صراط جہنم کے اوپر ایک پُل ہو گا جو کہ بال سے زیادہ باریک اور تلوار سے زیادہ تیز ہو گا پھر لوگ اس پر سے گزریں گے جو اس پل سے گر گیا اس کا ٹھکانہ جہنم ہے اور وہ اس مقابلے میں اپنے اپنے اعمال کی بنا پر ہوں گے۔

میرے خیال کے مطابق آج اس دورِ حاضر میں یہ صورت ایک مضحکہ خیز ہیں اگر انسان نے عہدِ قدیم سے لے کر اب تک میزان اور معیار کی مختلف انواع دریافت کی ہیں جو انسان کے وہم، گمان میں بھی نہیں تھی یہاں تک کہ عقل، دانش کے معیار بھی دریافت کر لیے ہیں تو انسان کے لیے یہ کیسے ممکن ہے کہ وہ قیامت کے دن خدائی میزانوں اور پیمانوں کی انسانی اعمال سے تشبیہ دے؟ اہل سنت اور تمام اباضی اس بات پر اعتقاد رکھتے ہیں کہ جزاء کے دن اپنے بندوں میں فیصلہ کرے گا۔ اللہ تعالیٰ کا قول (فصل) ہے اس کا (وزن) حق ہے (حکم) عدل ہے یہ دونوں مذہبوں کے درمیان وحدت کافی ہے۔

۴۔ تشبیہات کی تاویل:

یہ نقطہ اہل سنت میں سے اشاعرہ اور ماتریدیہ کے درماین غالب رہا ہے اس کے حوالے سے اہل سنت وہی موقف رکھتے ہیں جو اباضیوں کے نزدیک ہے وہ یہ کہ جو بھی قرآن کریم اور حدیث مبارکہ میں جو تشبیہات وارد ہوئی ہیں۔ ان کی ایسی تاویل کی جائے جو تشبیہ پر دلالت نہ کرے کیونکہ خدا تعالیٰ کے ذات تمام تر تشبیہات سے پاک ہے۔

۵۔ مرتکبِ کبائر کا حکم:

استاد مصطفیٰ الغوابی اپنی کتاب (تاریخ الفرق) کے صفحہ ۸۹ پر درج ذیل کہتا ہے:

اَ خوارج مرتکب کبیرہ کے بارے میں کہتے ہیں کہ وہ اپنے فسق مجور کی زبان پر کافر ہے۔

ب مرجئہ کہتے ہیں کہ وہ اپنے فسق فجور کے باوجود مومن ہے۔

ج شعیہ کہتے ہیں کہ وہ اپنے فسق کے باوجود فاسق ہے۔

یہ استاد غوابی نے بیان کیا ہے اس نے اہل سنت کا باقعدہ ذکر نہیں کیا میرے خیال کے مطابق اہل سنت کو اس نے مرجئہ میں داخل کیا ہے۔ اسی طرح اس نے اباضیوں کا بھی ذکر نہیں کیا شاید خوارج میں شامل کیا ہے۔ جبکہ حقیقت بالکل برعکس ہے اہل سنت مرجئہ نہیں اور اباضی خوارج نہیں ہیں کیوں کے اہل سنت مرجئہ کے قول سے متفق نہیں ہیں جو وہ کہتے ہیں کہ (معصیت ایمان کو نقصان نہیں دیتی یعنی ایمان سے خارج نہیں کرتی) بلکہ اہل سنت میں سے ماتریدی اباضیوں کے اس حوالے سے نقطہ نظر سے اتفاق کرتے ہیں وہ یہ ہے کہ جیسے وعدہ کی خلاف ورزی کرنا جائز نہیں ایسے ہی وعید کی بھی خلاف ورزی ممکن نہیں (الوعید لا تیخلف کما لا تیخلف الوعد) اباضی امام حسن بصری کی رائے پر اتفاق کرتے ہیں خوارج کی رائے سے اختلاف ہے۔ کبیرہ گناہ کے مرتکب کو منافق اور نافرمان سمجھتے ہیں مشرک نہیں شمار کرتے۔ یہاں بھی قطع نظر تسمیات کے اہل سنت اور اباضیوں کے مابین کامل اتفاق ہے۔ وہ تمام اس بات پر متفق ہیں کہ اگر وہ توبہ نہ کرے تو دوزخ میں داخل ہو گا۔ دنیا میں اس کے ساتھ دیگر انسانوں کی طرح ہی معاملہ کیا جائے گا۔

۶۔ کیا ابدی عذاب ہو گا؟

یہ مسئلہ سابقہ مسائل سے ہی نکلا ہے سابقہ مسائل کا ایک فروعی جزوی مسئلہ ہے اس میں بھی بہت سا جھگڑا فساد اور جدل جدال ہوا ہے امام غزالی کی رائے میں عذاب دوزخ دائمی ہے۔ اباضی ائمہ میں سے قطب کی رائے یہ ہے کہ مسلمان کو دوزخ کا عذاب دائمی ہونا یا نہ ہونا ایسے بنیادی عقائدی اصولوں میں سے ہے جس کی زبان پر ایک گروہ دوسرے گروہ کے عقیدے کو فاسق کہہ سکے۔ یہ موقف دونوں مذہبوں کے مابین کامل اتفاق کے لیے کافی ہے۔

۷۔ صفات باری تعالیٰ ذاتی ہیں یا اضافی؟

صفات کا موضوع ایسا ہے جس کے حوالے سے ہمیشہ تسلسل کے ساتھ بحث مباحثہ جاری رہا بعض اشاعرہ کہتے ہیں کہ صفات باری تعالیٰ اس کی ذاتی نہیں ہیں زائدہ ہیں۔ ماترید یہ کہتے ہیں کہ یہ ذاتی ہیں۔ یہ ایسی صفات ہیں جو نہ تو اس کی ذات کے خاص قائم ہیں اور نہ ہی اس سے جدا ہیں اور نہ ہی ان کا مستقل طور پر ذات کے ساتھ موجود ہونا ہے۔

یہی موقف اباضی بھی کہتے ہیں بلکہ اباضی اور ماتریدیہ الفاظ، کلمات تک آپس میں کامل اتفاق رکھتے ہیں کچھ اشاعرہ بھی ایسے ہیں جو اباضیوں کے موقف سے اتفاق کرے ہیں جیسے کہ وجود اور بقا وغیرہ ہے امام غزالی بھی اسی جانب مائل ہے۔اس صفات سے متعلق موضوع کے حوالے سے یہ موقف اباضیوں اور اہل سنت کے مابین کامل اتفاق کے لیے کافی ہے۔

۸۔ قضاء، قدر (تقدیر)

میرے خیال میں اس مسئلہ میں بھی اباضیوں اور اہل سنت کے مابین کوئی اختلاف نہیں ہے اور اس بات کا نیلینو نے بھی اقرار کیا ہے۔

اس مختصر گفتگو کے بعد میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ بہت سے ایسے اسلامی فرقے ہیں جو اہل سنت کی طرف منسوب ہیں۔ جو کہ آپس میں ان تمام مسائل میں بڑا واضح اختلاف کرتے ہیں حالانکہ وہ سب اہل سنت ہیں ان میں سے بعض ایک انتہا پر ہیں جو تشبیہ کے قریب تک پہنچے ہوئے ہیں اور بعض دوسری جانب کے اہل سنت کے ایسے گروہ بھی ہیں جو اپنے موقف اور رائے کے لحاظ سے معتزلہ کے قریب ہیں ان کی دل جوئی کرتے ہیں۔

مختصر یہ کہ تمام مذاہب اسلامیہ اور فرقے ان مسائل میں اور دیگر مسائل میں تو کلی اتفاق کرتے ہیں کہیں جزوی اور کہیں فروعی اختلاف کرتے ہیں تو کہیں کلی اختلاف دکھائی دیتے ہیں جبکہ ہر ایک کا مصدر، منبع قرآن، حدیث ہے سب اپنے اپنے دلائل قرآن حدیث سے دیتے ہیں۔بس جس کو جتنی خدا تعالیٰ نے سمجھ، فہم عطا کی ہے وہ قرآن سنت کو سمجھتا ہے اور اس کے مطابق وہ اپنی رائے اور موقف قائم کرلیتا ہے اس کا یہ ہرگز مطلب نہیں کہ اس نے کسی دوسرے سے وہ موقف لیا ہو۔بلکہ ہر ایک کی اپنی جدوجہد ہے لیکن دلائل براھانین کا منبع، مرجع سب کا قرآن، حدیث ہے۔

چوتھی قسم

اباضی فرقے اور ان کی آراء

فرقے

۱۔ نکاری　　۲۔ نفاثیہ　　۳۔ خلفیہ

۴۔ حسینیہ　　۵۔ سکاکیہ　　۶۔ فرثیہ

آراء

- صحابہ کرام ﷺ سے متعلق
- حکومت، اقتدار سے متعلق
- دارالاسلام سے متعلق
- مذہبی حوالے سے مخالفین کے ساتھ برتاؤ سے متعلق
- دو رتبوں کے درمیان ایک رتبہ
- فقہی اجتہادی مسائل سے متعلق
- آراء اباضیہ کا خلاصہ

اس فصل کا اجمالی خاکہ

جب ہم سابقہ فصلوں میں اباضیوں کی طرف منسوب کردہ مقالہ نگاروں کے اقوال، آراء کو پیش کر رہے تھے تو ہمارا گزر بعض ایسے فرقوں کے ناموں کے پاس سے ہوا جو کہ اباضیوں میں سے نہیں تھے اسی طرح ان کی طرف بعض ایسے اقوال منسوب کیے گئے جو کہ ایک مسلمان کے لیے ناممکن اور مستحیل ہیں اسی طرح کچھ ایسے اقوال منسوب کیے گئے جو کہ اباضیوں کی بجائے بعض دیگر مسلمانوں کے تھے۔

البتہ کچھ ایسے اقوال بھی زیر بحث آئے جو کہ اصول، فروع سے متعلق بعض اباضیوں کے اعتقادی لحاظ سے تھے بعض اباضی ان اقوال کو اعتقادی لحاظ سے فروع، اصول میں شمار کرتے تھے۔ ہم نے بڑا تفصیلی علمی تجزیہ کیا اور ثابت کیا کہ ان فرقوں کا تعلق اباضیوں سے بالکل نہیں ہے۔ اسی طرح ہم نے یہ بھی واضح کر دیا تھا کہ کون سی آراء اور کون سے اقوال اباضیوں کے عقائد سے اتفاق رکھتے ہیں اور کون سے عدم موافقت رکھتے ہیں۔

اس فصل میں یہ ضروری سمجھتا ہوں کہ سب سے پہلے تو ان حقیقی اباضی فرقوں کا ذکر کروں جو ان سے بعد میں جدا ہوئے ہیں ان کے اقوال، آراء کو پیش کروں اسی طرح ان فرقوں کے آئمۃ اور پیشواؤں کے ناموں کا بھی ذکر کروں گا۔

اسی طرح سابقہ بحث سے اور علمی تجزیے سے مجھے یہ بھی ضرورت محسوس ہوئی ہے کہ بعض اباضیوں کے ایسے اقوال ہیں جو کہ ذرا تفصیل اور وضاحت کا تقاضا کرتے ہیں۔ لہٰذا میں نے سوچا کہ ان کی وضاحت کے لیے ایک الگ سے مخصوص فصل قائم کروں علاوہ ازیں اس حصے میں مندرجہ ذیل فصول ہوں گی۔

۱. اباضی فرقے

۲. صحابہ کرام ﷺ سے متعلق اباضی آراء

۳. حکومت اور اقتدار سے متعلق اباضی آراء

۴. دارالاسلام سے متعلق اباضی آراء

۵. مذہبی اعتبار سے مخالفین کے ساتھ برتاؤ سے متعلق آراء

۶. رتبوں کے درمیان ایک رتبہ یا دو رتبوں کے درمیان کوئی رتبہ نہیں ہے۔

۷. فقہی اجتہادی مسائل سے متعلق

۸. اباضی آراء کا خلاصہ

اباضی فرقے

میں اس موضوع پر لکھتے وقت نہایت ہی متردد اور مضطرب تھا کیونکہ اس سے جو حقیقت میں مراد لی جانی چاہیے وہ کامل مراد اور معنی ادا کرنا ناممکن ہے۔ اس لیے بھی کہ دینی، دنیوی امور میں جب تک ہر شخص کی فہم بصیرت دوسرے شخص سے مختلف رہے گی۔ اختلاف ایک فطری عمل ہے پھر یہ کہ ہر اختلاف ایک کر دینے والا نہیں ہے۔ اسی طرح کوئی ایک جماعت جس نے کسی ایک چیز میں مخالفت کی ہو اُسے بدبخت یا تفرقے کا سزاوار ٹھہرایا جائے مناسب نہیں ہے۔

اسی طرح اگر کوئی جماعت سے کسی چیز میں مخالفت کر کے الگ ہو گیا اور پھر اپنے بعض موقف اور نظریات کی بدولت منفرد ہو کر ایک مستقل فرقہ یا گروہ بن گیا اس کے لیے لازمی نہیں کہ وہ اپنا ایک خاص نام رکھے۔ علماء اسلامیہ نے بہت سے امور میں اختلاف کیا جس سے مختلف فرقے وجود میں آئے یہاں تک کہ ایک ہی فرقے اور مذہب کے علماء کے مابین بھی اختلافات ہوتے رہے ہیں یہ ایک طبعی امر ہے میرے لیے یہ ناممکن ہے کہ میں کسی ایک ایسے اسلامی مذہب کا ذکر کروں جس کے علماء اپنے اصول، قواعد اور تمام مسائل میں کامل اتفاق رکھتے ہوں۔ بلکہ اس کے مدمقابل ایسے بہت سے اسلامی مذاہب کا ذکر دوران مطالعہ میری نگاہ سے گزرا ہے۔ جن کے علماء کا آپس میں متفق نہیں ہیں یہاں تک کہ ان کے مابین اختلاف بعض اوقات ایک انتہا کی شدت کو پہنچ جاتا ہے لیکن پھر بھی کسی ایک نے کبھی بھی یہ نہیں کہا کہ فلاں مذہب سے نکل گیا ہے یا اس نے الگ ہو کر کوئی نیا فرقہ بنا لیا ہو یا کسی اور فرقے کا امام، پیشوا بن گیا ہو آج تک کبھی کسی نے یہ کہنے کی جرأت نہیں کی۔

لہٰذا اباضی مذہب بھی اسلامی مذاہب میں سے ایک ہے یہ کوئی نیا مذہب نہیں اس میں بھی اختلافات ہوئے ہیں اس کے علماء کی طرح اختلافات ہوئے ہیں بعض بعضوں کے نقطہ نظر پر قناعت کرنے والے تھے اور بعض اپنی آراء نظریات پر ڈٹے بھی رہے بعض علماء نے فتویٰ کے حوالے سے اپنے سابقہ علماء کی مخالفت بھی کی ہے۔ لہٰذا نتیجہ ایک ہی مسئلہ میں متعدد اقوال جمع ہو گئے اس لیے اس بات کا تعین کرنا کہ کس مسئلہ میں اباضیوں کے مابین سب سے پہلا اختلاف ہوا ناممکن ہے لیکن ہم یہ بات بڑے وثوق سے کہہ سکتے ہیں کہ اس کے علماء کے مابین اختلاف اس دن سے واقع ہے جب سے اس مذہب کی باقاعدہ تکوین ہوئی تھی۔ جابر بن زید کی مخالفت کی گئی اس کے فتویٰ کے خلاف عمل کیا گیا جیسا کہ امام مالک کی بھی مخالفت کی گئی اور انکے فتویٰ کے خلاف عمل کیا گیا۔ اباضی کتب تاریخ اور اُن کے مقالہ جات اس بات کی ترجمانی کرتے ہیں کہ سب سے پہلا مذہب اباضی کے علماء کے مابین جو بہت بڑا اختلاف ہوا وہ امام ابو عبیدہ کے دور سے وہا تھا۔ اس دور میں قضاء قدر کے مسئلہ نے علماء متکلمین کی فہیم فراست اور عقلوں پر چھایا ہوا تھا۔ اباضیوں کا معتزلہ کی ضد میں موقف تھا جبکہ ابو عبیدہ کے دوست اور ساتھی حمزہ کوفی عطیہ اور وغیلان جنہوں ے تقدیر سے متعلق اپنے اقوال بیان کیے تھے۔ ابو عبیدہ نے ان کے اقوال سے قناعت کرنے کی کوشش کی تھی کیونکہ انہوں نے خطاء کا ارتکاب کیا تھا اور ان کو کہا تھا کہ وہ توبہ کریں۔ لیکن انہوں نے توبہ نہی کی بلکہ اپنے اس عقیدے پر ڈٹے رہے جب ابو عبیدہ ان سے مایوس ہو گیا تو ان سے برأت کا اظہار

کر دیا اس کے ساتھ ساتھ اس نے اپنے ساتھیوں سے بھی کہا کہ وہ بھی ان سے بری الزمہ ہو جائیں اور یہ حکم دیا کہ ان کو اپنی مجالس سے اس خدشے کے پیش نظر دور رکھیں۔ کہیں عامۃ الناس میں اس کا غلط تاثر نہ پڑے اس وقت سے ہی ان کا اباضیوں سے مکمل طور پر سلسلہ اور تعلق منقطع ہو گیا۔ شاید وہ بعض معتزلہ فرقوں میں ضم ہو گئے تھے اسی طرح اب ان میں سے کسی کو بھی اباضیوں کا فرد سمجھتے ہوئے ذکر نہیں کیا جاتا اور نہ ہی ان کو اباضیوں کے اماموں پیشواؤں میں شمار کیا جاتا ہے اور نہ ہی ان کو کسی مستقل فرقے کا امام سمجھا جاتا ہے۔

ابو عبیدۃ سے اس اختلاف کے بعد اس کے طلباء اور شاگردوں سے بعضوں نے بھی اختلاف کیا جن میں سے سہل بن صالح، ابو معروف شعیب بن معروف، عبداللہ بن عبدالعزیز اور ابوالمؤرج، عمرو بن محمد السدوسی ہیں۔ آپ نے ان کو بھرپور قائل کرنے کی کوشش کی لیکن وہ ڈٹے رہے ابو عبیدہ کی وفات کے بعد انہوں نے اپنے ہمعصر اور کلاسفیلو الربیع بن حبیب کی مخالفت کی الربیع بن حبیب نے بھی ان کو سمجھانے کی اور قائل کرنے کی بہت کوشش کی کیونکہ انہوں نے جو مؤقف اپنایا تھا وہ مبنی بر خطاء تھا۔ جب ان کی انہوں نے کوئی بات بھی نہ مانی تو الربیع بن حبیب نے جو کہ اس وقت ابو عبیدہ کے بعد اباضیوں کے امام تھے یہ اعلان کیا کہ انہوں نے جمھور کی مخالفت کی ہے اور ان کی مخالفت میں سرد، گرم اقوال کہے ہیں لیکن ایک وقت ایسا بھی آیا کہ ان کے مابین بھی نظریات اور موقف میں اختلاف پیدا ہو گیا۔ شعیب وہاں سے مصر منتقل ہو گیا وہاں جا کر اس نے اباضیوں کے مابین اندھی شہرت پائی اس کے کچھ اہم کردار بھی ہیں جن کو ہم ان کی مناسب جگہ پر ذکر کریں گے رہی بات سہل بن صالح کی تو وہ گردشِ لیل، نہار میں ایسا روپوش ہوا کہ جس کے حوالے سے آج مجھے کچھ بھی علم نہیں ہے جبکہ ابن عبدالعزیز اور ابوالمؤرج نے اپنے اور اہل دعوت کے مابین سرد، گرم اختلافات کے باوجود بطور ایک علمی مرکز اور ثقہ اباضی کا رتبہ حاصل کر لیا۔ اس کی وضاحت تب ہو گی جب ہم محترم قاری کے لیے ان کے درج ذیل کلمات کو نقل کریں گے جو کہ ان کی جانب سے ایک دور مناسبت کے باوجود قبول کیے گئے ہیں۔

امام افلح نے کہا ہے! جب ابوالمؤرج اور ابن عبدالعزیز کے بارے میں پوچھا گیا ان کی جانب سے بہت سے معروف مسائل سے متعلق اقوال وارد ہوئے ہیں لیکن ان کے اقوال کو تہس لیا گیا جبکہ ان مسائل کے علاوہ دیگر مسائل جیسا کہ صحابہ کرام ﷺ سے متعلق موقف میں ہمارے اور ان کے مابین اختلاف ویسا ہی ہے جیسا کہ ہمارے اور دیگر مذاہب اسلامیہ کے علماء کے مابین پایا جاتا ہے۔ اس میں یہ ہمارے نزدیک دیگر مسلمانوں کی طرح ہیں ہم ان کے اقوال کو بھی اس حوالے سے لے سکتے ہیں۔ رہی ابن عبدالعزیز کی بات تو وہ مسلمانوں کے ہاں محمود نہیں سمجھا جاتا۔ لہٰذا وہ برأت کا اظہار کیا جائے۔ امام افلح کا جواب یہاں اپنی انتہا کو پہنچا۔

ان کے بارے میں ابو العباس الشماخی نے اپنی کتاب (السیر) میں کہا ہے!

(یہاں ہم ان کا ذکر کرنا مناسب سمجھتے ہیں جنہوں نے الربیع بن حبیب کی مخالفت کی تھی اگرچہ الربیع نے ان کی طرف توجہ نہیں کی کیونکہ ان کے اقوال فقہہ میں موجود تھے اور وہ باقاعدہ اپنے اصحاب سے رویت کیے گئے تھے اور مستند تھے)

امام نورالدین سالمی اپنی شرح المسند کے پہلے جز میں ان کے حوالے سے ذکر کرتے ہیں۔

(سہل بن صالح، ابو معروف شعیب بن معروف، عبد اللہ بن عبد العزیز، ابو المورج، حمزۃ کوفی، عطیہ اور گیلان نے الربیع بن حبیب سے ان کی زندگی میں ہی بعض مسائل اخذ کیے ہیں ان کا اختلاف ابوعبیدہ کے ایام میں ہی ہو گیا تھا اسی طرح یہ اختلاف ان کے زمانے میں ہی ماقبل سے بھی ہو گیا تھا پھر انہوں نے توبہ کی تو مسلمانوں نے دوبارہ ان کہ اپنی مجالس کی طرف لوٹا دیا لیکن انہوں نے پر یہ اختلاف الربیع بن حبیب کے زمانئے میں ظاہر کیا اور الربیع کے خلاف بغاوت کر دی تو پھر دوبارہ مسلمانوں نے ان کے وطنوں سے ملک بدر کر دیا اور اپنی مجالس میں آنے سے روک دیا حالانکہ انہوں عقیدہ اور امور دین میں سے کسی چیز سے اختلاف نہیں کیا بلکہ بعض ان مخصوص مسائل میں اختلاف کیا تھا جن میں دیگر مسلمانوں نے بھی کیا تھا۔ ان کے فقہ میں ایسے اقوال موجود ہیں جو سند کے اعتبار سے اپنے اصحاب کی طرف منسوب ہیں اور وہ مستند ہیں۔

اگر آپ ان سابقہ عبارتوں میں ذرا سا بھی تأمل کریں تو پتہ چلے گا کہ ان تینوں آئمۃ نے عبد اللہ اور ابو المورج کے حوالے سے بہت نرم نرم کلام کیا ہے کسی ایک نے بھی ان سے وضاحت کے ساتھ برأت کا اظہار نہیں کیا بجز امام افلح کے جس نے ابن عبد العزیز کے بارے میں واضح کہا ہے کہ (وہ مسلمانوں کے ہاں اچھا نہیں سمجھا جاتا وہ اس کا زیادہ مستحق ہے کہ اس سے برأت کا اظہار کیا جائے) لیکن کس طرح کی برأت اس سے کی جائے اس کی وضاحت نہیں کی افلح، شماخی اور سالمی اس بات پر متفق ہیں کہ ابن عبد العزیز اور ابو المورج دونوں ثقہ ہیں ان سے بہت سے دیگر مسائل لیے جاتے ہیں۔

شماخی نے بیان کیا ہے کہ انہوں نے تین مسائل میں اختلاف کیا ہے:

۱. ظالم آئمۃ کے پیچھے جمعہ کی نماز ادا کرنا درست نہیں ہے۔

۲. اہل قبلہ نے اگر مشرکین کے افعال جیسے کوئی اعمال کیے تو ان کو بھی مشرکین جیسا ہی سمجھا جائے گا۔

لیکن میرے خیال کے مطابق ان تین مسائل کے علاوہ اور بھی بہت سے مسائل میں اختلاف ہے میں اس تجزیے سے جو نتیجہ نکالنا چاہتا ہوں وہ یہ ہے کہ جو اختلاف ابوعبیدہ کے دور میں اور پھر بعد میں الربیع بن حبیب کے زمانے میں ہوا اس کو بنیاد بنا کر یہ کہنا درست نہیں کہ ان اختلاف کرنے والے افراد کا الگ سے کوئی مستقل فرقہ ہے یا وہ اباضیوں سے الگ ہو کر مستقل فرقوں کے پیشوا بن گئے کیونکہ ہم نے یہ بات بھی ثابت کی تھی کہ ایک ہی مذہب اور فرقے میں اصحاب کا اختلاف ہوتا رہتا ہے۔ تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ وہ الگ ہو گئے ہیں یا ان کے اب الگ فرقے بن گئے ہیں ہاں یہ بات درست ہے کہ ابوعبیدہ سے ان کے ساتھیوں نے دینی عقائدی اہم اصولوں میں اختلاف کیا جس سے وہ اباضی فرقے اور مذہب سے الگ ہو

گئے اور اس فرقے کا حصہ بن گئے۔ جو تقدیر کے حوالے سے ان کی رائے سے اتفاق کرتے تھے پھر کچھ ابو عبیدہ کے ایسے شاگرد تھے جنہوں نے بعض مسائل میں جمہور اباضیوں سے اختلاف کیا ہے جن سے ربیع بن حبیب نے بہت سختی کا معاملہ کیا ہے اور ان کو اپنی اہل دعوت کی مجالس میں آنے سے بھی منع کر دیا تھا لیکن اس سب کے باوجود وہ اباضی سوچ اور راستے سے نہیں نکلے۔

ان اختلافی مسائل کے علاوہ ان کی آراء کو دیگر مسائل میں لیا گیا ہے اور وہ اباضی مکتبہ فکر سے ہی تعلق رکھتے ہیں۔ اگر ہم ان دونوں کو اس لحاظ سے موردالزام ٹھہرائیں کہ ان کے اقوال شاذ مردہ اور متروک ہیں تو اس طرز پر ہمیں اور بہت سے علماء ملیں گے اور وہ ہر حال میں مذہب میں داخل افراد ہیں۔ اگرچہ وہ کسی فرقے کے آئمہ یا پیروکار نہیں ہیں لیکن مذہب اسلام میں تو داخل ہیں ہم اُن کو اسلام سے تو نہیں نکال سکتے۔

اسی طرح اباضیوں کے علاوہ بہت سے ایسے فرقے ہیں جن کا موٴرخین اور مقالہ نگاروں نے اباضیوں میں اندراج کر دیا ہے جبکہ ان کا اباضیوں سے کوئی تعلق نہیں ہے جیسے تمام نے اس بات کا اصرار کیا ہے کہ اباضی خوارج کا ایک فرقہ ہے۔

ان دونوں نسبتوں کے حوالے سے میں نے بڑی اچھی طرح وضاحت کر دی ہے اباضی مقالہ نگار اور موٴرخین نے کچھ ایسے فرقوں کو بڑی تنقید کا نشانہ بنایا ہے اور وضاحت کی ہے کہ وہ اباضیوں سے جدا ہونے والے فرقے ہیں۔ اباضیوں اور ان کے اماموں نے اُن کو بہت سختی سے لیا ہے اور شدید تنقید کی ہے۔

میرے پاس ابھی بہت سی اباضی کتابوں کا ایک مجموعہ موجود ہے جس میں ان فرقوں کا کڑی تنقید سے جائزہ لیا گیا ہے جو کہ اباضیوں سے الگ ہوئے ہیں یہ بھی وضاحت کر دی ہے کہ وہ چھ ہیں۔

نکاریہ - نفاثیہ۔ خلفیہ۔ حسینیہ۔ سکاکیہ۔ فرثیہ

ان تمام فرقوں سے متعلق ہمارے سابقہ علماء نے بالکل ذکر تک نہیں کیا جیسا کہ امام ابوالحسن الاشعری وغیرہ اس بنا پر ہم نے کہا تھا کہ یہ علماء اباضیوں کے طرف وہ کچھ منسوب کر رہے ہیں جس کا ان سے ذرا بھی تعلق نہیں۔ اباضیوں کے حوالے سے ان کے پاس حقیقی معرفت بالکل نہیں ہے۔

اس کے باوجود کہ اباضی علماء نے ان فرقوں کو کڑی تنقید کا نشانہ بنایا ہے ان کے ناموں کو ذکر کیا ہے اور یہ وضاحت کی ہے کہ یہ اباضیوں سے جدا ہونے والے فرقے ہیں جو کہ پہلے اباضی مذہب کا حصہ تھے پھر الگ ہو گئے ان کے اقوال کو بھی ان علماء نے پیش کیا لیکن ان پیش کردہ اقوال آراء میں سے بعض سے میں اتفاق کرتا ہوں اور بعض سے نہیں کرتا محترم قاری کو بھی اس بات کا وضاحت کے ساتھ علم ہو جائے گا جب ہم ان تمام فرقوں کو ایک ایک کر کے بیان کریں گے۔

محترم قاری کے لیے ان فرقوں کا ہمارے لیے جس قدر ممکن ہے ذکر پیش خدمت ہے۔

۱) نکاری

۱۷۱میں رستمی سلطنت میں اسلامی مراکش کے اندر ایک بہت بڑا اہم سیاسی واقع رونما ہوا وہ یہ کہ عبدالرحمٰن بن رستم نے اپنی موت کو بہت قریب محسوس کیا تو اس نے نئے خلیفے کے انتخاب کے لیے سات لوگوں پر مشتمل ایک مشاورتی کمیٹی بنائی جس میں ابو قدامہ یزید بن فندین اور عبدالوہاب بن عبدالرحمٰن بن رستم بھی تھے۔ آخر کار عبدالوہاب کی بیعت پر اتفاق ہو گیا جبکہ جن کو بیعت کے لیے نامزد کیا گیا تھا ان میں سے ابو قدامہ یزید بن فندین بھی تھا۔

اس نے خود بھی جب بیعت میں دلچسپی لی تو بولا کہ ایسی چیز پر بیعت نہیں کر سکتے جو بیعت کی شروط کو پورا نہیں کرتی وہ یہ کہ جمھور سے مشاورت نہیں کی گئی تب جلیل القدر عالم مسعود اندلسی نے اس کو یہ جواب دیا کہ بیعت میں سب سے بنیادی شرط ہے کتاب اللہ اور سلف صالحین کی سیرت پر عمل پیرا ہونا اس کے علاوہ ہم کوئی اور شرط نہیں جانتے۔ لہٰذا اس موضوع پر بھی تنقید نہیں کی بیعت کا عمل مکمل ہو گیا ایک زمانے تک اس نے انتظار کیا ہو سکتا ہے اُسے ہی خلیفہ بنا دیا جائے لیکن ایسا کچھ نہ ہوا تو اس نے ہنگامہ آرائی شروع کر دی یہ گمان کرتے ہوئے کہ یہ بیعت باطل ہے اس کی شروط پوری نہیں کی گئیں جس کے سبب لوگوں کے مابین بہت سخت اختلاف پیدا ہو گیا بس کچھ لوگوں نے یہ تجویز دی کہ مشرق میں اباضی ائمتہ سے اس موضوع سے متعلق فتوی لینے کی غرض سے ان کو خطوط ارسال کیے جائیں۔ ان مشرقی اباضی ائمة میں نامور امام الربیع بن حبیب بھی تھے۔

اس وقت ابو معروف شعیب بن معروف مصر میں تھا جیسا کہ ہم نے پہلے ذکر کیا ہے اس کے پاس بھی بہت سے لوگ اس حوالے سے فتویٰ لینے گئے اور اسے ابن فندین کے اختلاف کے حوالے سے باخبر بھی کیا۔ اس نے بھی یہ موقع غنیمت جانا کہ لوگوں کی تاہرت میں نگاہیں اس کی منتظر ہیں اور یہ طمع کیا کہ تاہرت میں اس کے پیروکاروں کا پہلا مرکز قائم ہو جائے گا جس طرح لوگ اس کی طرف بھی فتویٰ لینے کی غرض سے متوجہ ہوئے تھے۔ لہٰذا اس نے فوراً وہاں سے تاہرت کی طرف سفر کیا وہاں آ کر سب سے پہلے امام سے ملا تا کہ اس سے صورت حال کے حوالے سے آگاہی حاصل کر سکے امام سے ملنے کے بعد اس نے یہ مان لیا کہ وہاں اس کی کوئی جگہ نہیں بنے گی اور نہ ہی اس کی کوئی بات چلنے والی ہے۔ بڑی حیرت اور تردد کے بعد خلافِ توقع صورت حال دیکھ کر وہ ابن فندین سے جا ملا اُسے یہ مشورہ دیا کہ وہ اپنی تحریکی سرگرمیوں کو اور زیادہ تیز کر دے اس سے پہلے کہ مشرقی اباضی اماموں کو فتویٰ کی گرض سے بھیجے جانے والے خطوط کا جواب امام کے حق میں ہی اور اس کی تائید میں آئے گا جس سے یہ اندیشہ ہے کہیں لوگ کثرت کے ساتھ اس کو چھوڑ کر الگ نہ ہو جائیں۔ ان دونوں نے نظامِ حکومت کو لپیٹنے کی غرض سے مسلحہ جدوجہد شروع کر دی لیکن ناکام نامراد ہوئے ابن فندین خود ہی اپنے انجام کو پہنچ گیا اس کے پیروکاروں کی اکثریت متفرق ہو گئی۔ رہی بات ابو معروف کی تو وہ اس غرض سے لیبیا چلا گیا تا کہ وہاں جا کر لوگوں کو اپنی مدد کے لیے تیار کرے اور ایک نئی حکومت کے مدِ مقابل قائم کریں ابن فندین اور اس کے اتباع

نے جب حکومت کے خلاف پہلا خروج کیا ان ناموں کا اطلاق کیا تھا (النکار، النکاث، النجویہ، الشغبیہ) وغیرہ۔ خیر جو بھی معاملہ تھا بالآخر یہ تحریک خاص طور پر الجزائر میں ان کے داعیوں کے علاوہ اس تحریک کا وجود باقی نہ رہا وہ یہ تھا۔

۱. فاضل کی موجودگی میں مفضول کی امامت درست نہیں ہے۔

۲. امامت کی بیعت تب درست ہوگی جب ان شرطوں کے تحت ہو جن کو بیعت کے وقت لوگوں کی مشاورت سے تہہ کیا گیا ہو ان شروط کی مخالفت سے وہ بیعت ساقط ہو جائے گی۔

یہ دو جھوٹے اور بے بنیاد ایسے دعوے تھے جن کو بنیاد بنا کر انہوں نے لوگوں کی توجہ اس طرف مبذول کروائی اور عبدالوہاب کی بیعتِ امامت کی صحت کو باطل ثابت کرنے کی کوشش کی گئی۔

اس تحریک کے بعد امامت کے ستون مضبوطی پکڑ گئے اور عبدالوہاب کی خلافت کو نکّاریوں کی جانب سے انفرادی طور پر چند انتقامی بغاوتوں اور جھڑپوں کے بعد استقرار حاصل ہو گیا۔

ابو معروف شعیب لیبیا میں متمکن ہو گیا جب اس نے دیکھا کہ سیاسی تحریک سے اکثریت نکل جائے گی تو اس نے اس تحریک کو سیاسی سے دینی بنا دیا جو جمہور کے خلاف چند دینی اصولوں پر قائم ہو گئی ہر مذہبِ نکاران اختلافی مسائل پر قائم ہوا جن میں ابن عبدالعزیز اور المورج الربیع بن حبیب کے خلاف شریک ہوئے تھے اس مذہب کی طرف ایسی گھٹیا رذیل باتیں منسوب ہیں جو مسلمانوں کے مختلف گروہوں میں جھگڑے کا باعث بن گئیں تھیں حالانکہ ان کو اباضی قبول نہیں کرتے تھے کچھ اس طرح یہ نکاری ایک مستقل فرقہ بن گیا جس کے اپنے عقائدی اصول اور اقوال ہیں مگر اس کے ساتھ ساتھ خود کو اباضی کا نام بھی دیتے ہیں جس سے شبہات پیدا ہونے کا خدشہ تھا۔ لہٰذا اصل اباضیوں نے خود کو مذہب نکّار سے ممیز کرنے کرنے کے لیے (وہابی) کا نام دے دیا تھا۔ ابو معروف نے اپنے مذہب کی آراء اور فکر کو لیبیا اور جنوب تونس میں تو پھیلایا لیکن جبلِ نفوسہ میں پھیلانے سے قاصر رہا۔

بس تھوڑے ہی عرصے کے بعد اس تحریک کو دو بڑی قوتیں حاصل ہوئیں دینی حوالے سے عبداللہ بن یزید الفزاری کے ہاتھوں دوسرے عظیم قیادت جس کے سامنے کوئی بھی چیز ناممکن مستحیل نہیں تھی جو کہیں ٹھہرتا ہی نہیں تھا وہ ابو یزید مخلد بن کیداد الکیفرنی تھا جو صاحبِ گدھا مشہور ہوا۔ اس نے اس تحریک کو سیاسی حوالے سے مضبوط کیا اور تیسری صدی ہجری کے آخر میں اور چوتھی صدی ہجری کے پہلی تہائی میں سیاسی اور عسکری جدوجہد کی اسی کے دور میں اس فرقے کے وہ اقوال آراء جن میں الربیع بن حبیب اور ان کے ساتھیوں سے اختلاف ہوا تھا یا وہ اقوال جو عبداللہ الفزاری سے حاصل ہوئے مستقل حصہ بن گئے اور اس نکاری فرقے کی پہچان بن گئے۔

ابو یزید بن کیداد عبیدی سلطنت کو اپنی کڑی تنقید کا نشانہ بناتا تھا اس کے خلاف بغاوت کرنے کی دعوت دیتا تھا۔ النکار اس کی طرف متوجہ ہوئے اور مالکیوں نے بھی اس وقت دھوکے میں آکر ان کا ساتھ دیا بہت سے نامور علماء نے تائید بھی کی

اور بہت سے لوگوں نے اس کی مدد کے لیے بھی بلایا۔ لہٰذا وہ اپنی ان تاریخی مہم جویاں قائم کرنے میں مشہور ہوا جن کو بعد میں نکاری مقالات میں جمع کر دیا گیا اور کچھ دوسری سلوکی بھی ہیں جن میں بعض اباضیوں کی مخالفت کرتے ہیں اور بعض تو جوہری اصولی لحاظ سے اسلام کے خلاف ہیں۔

رہے اباضی تو وہ تو اُسے بچپن سے ہی جانتے تھے جب وہ متعلم تھا ان اباضیوں نے تو اس سے تب سے برأت کا اظہار کر دیا تھا جب وہ پڑھتا تھا اور متعلم تھا وہ ہمیشہ اپنا علمی رعب جمانے کی غرض سے اختلافات کیا کرتا تھا بے مقصد ہنگامہ آرائی کیا کرتا تھا جب اس نے مہم جوی شروع کی تو اباضیوں نے اس کی طرف مالکیوں کی طرح توجہ نہیں دی جیسے مالکی اس کے ساتھ مل گئے تھے۔ اباضیوں نے اس کی بالکل مدد نہیں کی بلکہ اس کے مدمقابل کھڑے ہوئے اور بڑے ٹھوس نظریات اور نقطہ، نظر اپنایا اس کا علمی مقابلہ کیا اس لیے کسی نے اس کو کہا تھا کہ تم ہرگز یہ گمان نہ کرو کہ (وہابی) یعنی اباضیہ تمہارے ساتھ نکلیں گے وہ تو بس اپنی مساجد میں موجود ہیں صرف ہم ہی ہیں جو تمہارے ساتھ نکلے ہیں ہم ہی ہیں جو مردار یعنی لوٹا ہوا مال کھانے میں تیرے ساتھ شریک ہوئے ہیں۔ لہٰذا اپنے اندر سے خوش فہمی کو بھلا دے ورنہ ہم تیسرے سال زندہ کوں والی لڑائی لڑیں گے۔ ابو العباس اور جینی نے اس عبارت کی شرح یوں کی ہے (وہ مردار سے مراد مال لیا ہے جس کو وہ لوٹا کرتے تھے۔)

میرے خیال میں اس نکار فرقے کا ترقی کے حوالے سے ابویزید کی زیر قیادت والا زمانہ سب سے اچھا تھا جس دور میں اس فرقے نے بہت زیادہ ترقی کی جب ابویزید قتل کر دیا گیا تو عبیدیوں نے اس کے پیروکاروں کو ہر جگہ گھر سے بے گھر کر دیا اسی طرح وہ مالکی جو شروع میں ان سے بہت متاثر تھے ان کا ساتھ دینے والے تھے اب ان سے انتقام لینے لگے اور ان کے عقائد کی حقیقت کو جان کر بہت شرمندہ ہوئے اسی طرح اباضیوں نے بھی اپنی نسلوں کے عقائد کی حفاظت کی غرض سے ان نکاریوں کو بھی زندگی گزارنے کا موقع نہیں دیا ہر جگہ سے ان کو بھگایا اور منتشر کیا مالکیوں اور عبیدیوں کے درمیان تلوار سے لڑائی کا یکے بعد دیگرے ایک تسلسل رہا دوسری جانب سے اباضیوں نے ان کا راستہ روکا اور بس یہی وہ اسباب تھے جن کے تحت ان نکاریوں کا معاملہ تھوڑے ہی وقت میں اپنے انجام کو پہنچا جہاں تک میری معلومات ہیں اس مذہب پر اس وقت کوئی ایک بھی نہیں ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ یہ نکاری فرقہ جس کو اباضی فرقہ گمان کیا جاتا تھا اپنے عقائد نظریات اور اقوال آراء میں دوسروں سے ممیز ہو کر الگ ایک مستقل فرقہ بن گیا تھا جیسے کہ دیگر اسلامی فرقے ہیں اباضیوں کا اس سے ایک عمومی تعلق ضرور تھا وہ بھی ایسا جیسے دیگر اسلامی فرقوں کا اسلام سے تعلق ہے لیکن حقیقت میں یہ ایک مستقل فرقہ تھا اس کے اپنے مخصوص عقائد ہیں مخصوص اصول ہیں اور خاص اجتہادات ہیں۔

ابو عمرو عثمان بن خلیفہ السوفی نے اس فرقے کے اصول، فروع سے متعلق تقریباً بیس مقالہ جات ذکر کیے ہیں جو سب کے سب اباضیوں سے عدم اتفاق رکھتے ہیں ان میں سے چار سیاسی مقالے ہیں جن سے ان کی سیاسی تحریک پھوٹی وہ درج ذیل ہیں:

۱. امامت فرض نہیں ہے۔

۲. ظالم اماموں کے پیچھے نمازِ جمعہ جائز نہیں ہے۔

۳. بادشاہوں کی عطاؤں کا لینا جائز نہیں۔

۴. مفضول کی ولایت جائز نہیں ہے۔

جب کہ تمام اباضی جابر بن زید سے لے کر سب کئے سب اس بات پر متفق ہیں کہ امامت امتِ مسلمہ پر فرض کفایہ ہے اس طرح ظالم جابر اماموں کے پیچھے جمعہ کی نماز واجب ہے ادا کی جاسکتی ہے۔ اس کی شروط پوری ہوں وہ خود اباضی حجاج بن یوسف یا اس کی مثل دیگر ظالم اماموں کے پیچھے نماز پڑھتے رہے تھے اس طرح بادشاہوں سے عطیات لینا ایسامال ہے جو حرام کی طرف نہیں لے جاتا خود جابر بن زید حجاج کے گورنر سے عطیات لیا کرتے تھے پھر اباضیوں کی یہ بھی رائے ہے کہ فاضل کی موجودگی میں مفضول کی ولایت جائز ہے اس صورت میں مفضول کی ولایت جائز ہے یعنی وہ کتاب اللہ اور سلف صالحین پر فاضل کے مقابلے میں زیادہ عمل کرنے والا ہو۔

یہ نقاط میں نے اس لیے بیان کیے ہیں تاکہ محترم قاری آگاہ ہو جائے کہ اصل اباضیوں اور نکاریوں کے درمیان سیاسی اختلاف ہے جو کہ ان نقاط میں بالکل واضح ہو گیا ہے۔ ان کے دیگر اقوال جن میں انہوں نے اباضیوں کی مخالفت کی ہے ان کا خلاصہ درج ذیل ہے:

۱. ناموں میں ملحد ہیں۔

۲. خدا تعالیٰ کی دوستی اور دشمنی اپنی صورتیں تبدیل کرتی رہتی ہے۔

۳. اسماء الٰہی مخلوق ہیں۔

۴. امامت فرض نہیں ہے۔

۵. ولایت سے وقوف کی طرف انتقال جائز ہے۔

۶. حجتِ الٰہی کو سُنا جائے گا اور لوگوں نے سنا بھی ہے۔

۷. جس شخص کے پاس ابھی اسلام کی دعوت نہ پہنچی ہو اور اُسے کسی اور سماوی دین کے طرف دعوت دی گئی تو اس کے لیے اس دعوت کا قبول کرنا جائز نہیں ہے۔

۸. جمعہ کی نماز ظالم اماموں کے پیچھے ادا کرنا جائز نہیں ہے۔

۹. بادشاہوں کے عطیات لینا جائز نہیں۔

۱۰. اللہ تعالیٰ نے نوافل کا حکم نہیں دیا ہے۔

۱۱. ہمارے ذمہ فرائض پر عمل پیرا ہونا ہے ان کے متعلق علم یا کسی بھی چیز کو معرفت ضروری نہیں ہے۔

۱۲. مصائب، آفات میں لوگوں کے مابین حق بات میں اختلاف سے مخالفت کا دائرہ تو وسیع ہوتا ہے لیکن لوگوں پر حق کا مخالفت کرنا تنگ ہو جاتا ہے۔

۱۳. مجہول، حرام بھی حلال ہے۔

۱۴. اہل قبلہ میں سے جو اہل ہوا اور بدعتی ہیں ان کو ایک ہی بار اور بدعت سے رکنے کی دعوت دی جائے گی۔

۱۵. تمام بچوں کے حوالے سے خاموشی اختیار کی ہے یعنی توقف کیا ہے۔

۱۶. چھپ کہ شراب پینا جائز ہے۔

۱۷. اس والی کی امامت، خلافت جائز نہیں جیسے مسلمانوں نے اس صورت میں منتخب کیا جب اس سے افضل شخص بھی موجود ہو۔

۱۸. کوئی بھی حجت اس وقت تک قائم نہیں ہو سکتی جب تک تمام مسلمانوں کا اس پر اجماع اور اتفاق نہ ہو جائے۔

۱۹. اگر کسی نے دینار کا چوتھائی حصہ بھی چرایا ہو تو اس پر حد قائم کرتے ہوئے اگر ہاتھ کاٹ دیا جائے تو یہ کفر نہیں ہو گا ہاں اس کے علاوہ کسی نے کچھ اور اخذ کیا ہو تو اس پر کوئی حد نہیں ہے۔

۲۰. طمانچہ مارنا، شہوت کی نظر سے کسی کو دیکھنا، بوسہ لینا بیت الخلاء میں بغیر تہبند کے داخل ہونا کبیرہ گناہوں میں سے نہیں ہے تمام صغیرہ گناہ ہیں۔

۲ نکّاثیہ

مؤرخین کہتے ہیں کہ فرج بن نصر النفوسی جو نکّاث لقب سے مشہور تھا بڑی ہی عجیب، غریب اور حیران کن فہم بصیرت اور ذکاوت کا حامل تھا معلومات اور ادراکی صلاحیت کچھ زیادہ ہی تھی اس نے علوم کو ان کے اصل چشموں سے اور مختلف فنونِ عجیبہ کو ان کے خزانوں سے اپنے اس کلاس فیلو اور تعلیمی ساتھی کے ساتھ مِلکر حاصل کیے جو تاہرت کے اماموں میں شمار ہوتے ہیں اور وہ تھے سعد بن ابو یونس النفوسی، نکّاث جبل نفوسہ کے غربی بستیوں میں سے کسی بستی گاؤں سے تعلق رکھتا تھا میرے خیال میں اب وہ گاؤں نکّاثہ کے نام سے مشہور ہے اور یہ گاؤں شمال مشرقی جانب سے (تنزغت) گاؤں کی سمت

میں صعب مراقی پہاڑ کی چوٹی پر واقع ہے جبکہ شمال کی جانب سے اس کے قریب (اجریجن) گاؤں واقع ہے اسی طرح مغربی جانب سے اس کے اور (تمزین) گاؤں کے مابین تقریباً پانچ گھنٹوں کی مسافت ہے۔ سعد کے والد ابو یونس وسیم النفوسی تمزین گاؤں سے تھے امام نے اس کو (قنطرار) شہر کا گورنر بنایا جو ان دنوں ہمارے ہاں (بتیجی) کے نام سے مشہور ہے۔ کتب تاریخ میں جو بیان ہوا اس حوالے سے یہ بتایا گیا ہے کہ نفاث اور سعد دوران تعلیم کلاسفیلو تھے اور انہوں نے اماموں سے تعلیم حاصل کی نفاث اپنی ذکاوت اور حصولِ تعلیم کے حوالے سے فوقیت رکھتا تھا جبکہ سعد دینی اخلاقی اور استقامتی لحاظ سے فوقیت رکھتا تھا بر خلاف امام افلح کے رسائل کے جن میں یہ ذکر آیا ہے کہ نفاث نے ان کے ہاں تعلیم حاصل نہیں کی تھی آپ نے اس کی طرف جو خط لکھا اس میں اس کا یہ قول آیا ہے۔ (میں نے نہ تو تیرا مشاہدہ کیا ہے اور نہ ہی تیری رضا مندی اور اجازت دیکھی ہے لیکن پھر بھی مجھ پر تجھے اصل ولایت کا وارث بنانا واجب ہو گیا ہے۔)

اسی طرح نفاث کی جانب سے عمال اور گورنروں کے لیے جو منشور آیا تھا وہ یہ ہے (اس تک علماء نہیں پہنچے جن سے اقتباس کرتا نہ ہی اہل ورع کی صحبت میسر آئی ہے جس کی بدولت وہ ان کے نقشِ قدم پر چلتے ہوئے ہر اس چیز کو جان سکتا جس کا اس کو علم نہیں تھا بس اس نے اکیلے ہی پرورش پائی علماء سے دوری اور وحشت میں رہ کر زندگی گزاری۔ لہٰذا اس کے ہر پہلو پر شیطان نے اپنے پھونک مارے اور اس میں غرور، تکبر پیدا کر دیا ہے۔) وہ بہت بڑا ضدی خود اعتمادی جیسی خوبیوں سے مزین تھا اس کی ذات میں پختگی اور اعتماد بہت زیادہ تھا وہ خود کو یہ سمجھتا تھا کہ سلطنت کا والی بننے کی صلاحیت صرف وہی رکھتا ہے میرے خیال میں وہ پہاڑ اور قنطرار میں والی اور خلیفہ بننے کا ہی خواب دیکھا کرتا تھا۔

ایک مرتبہ سعد کو اس کے والد کے وصال کی خبر ملی اس نے اپنے دوست نفاث کو بتایا اور امام سے اپنے والد کی وفات کے بعد واپس اپنے گاؤں آنے کی اجازت مانگی امام نے اجازت دے دی نفاث نے اس وقت سعد کے ساتھ لوٹنے کی آمادگی ظاہر کی اس لیے کہ وہ اس کا دوست ہے اس کے حقوق کا خیال رکھنے کا زیادہ وہی حقدار ہے لیکن اس کی ذات سے یہ ظاہر ہو رہا تھا کہ ابو یونس کی وفات کے بعد اب قنطرار کی ولایت اس کو ملنے کے قریب ہے اس نے یہ بھی ملاحظہ کیا کہ امام نے سعد کو ایک خط دیا تھا جس کے حوالے سے سعد نے کچھ بھی نہیں بولا تھا بس راستے میں سعد سے الگ اس نے کوئی ایسا موقع پایا جس کے دوران وہ خط اس نے پڑھ لیا اور جو کچھ اس میں لکھا تھا جان گیا اس خط میں یہ لکھا تھا کہ امام نے سعد کو اس کے باپ کی جگہ قنطرار کا والی بنایا تھا جس پر نفاث کو بہت رنج ہوا اور اس کی ذات میں امام کے خلاف حسد، بغض، عناد کی آگ بھڑک اٹھی جب وہ دونوں اپنے وطن واپس پہنچے تو لوگوں نے ان کا خوب استقبال کیا سعد نے اپنا منصب سنبھال لیا اور نفاث نے امام افلح پر اپنی عام، خاص مجالس میں طعن، تنقید شروع کر دی لیکن سعد پھر بھی اپنی اس کے ساتھ دوستی کے حق کو نہ بھولا ہمیشہ اس کو نرم بات کے ذریعے اخلاق کے دائرے میں رہتے ہوئے سمجھایا کرتا تھا اسی طرح نفاث بھی وہ آخری ایسا دوست تھا جو سعد سے ادب، احترام کا معاملہ کیا کرتا تھا لیکن امام افلح کی طعن سے باز نہیں آتا تھا جب اس کے طعنے اور بدگویاں سعد کے علاوہ کسی اور وساطت سے امام افلح تک پہنچی تو اس نے اس کی طرف اس کو بلانے کا پیغام بھیجا تاکہ اس کا جائزہ لے اور جو وہ گمان کرتا ہے اس کے حوالے سے اس سے بات کی جائے اگر وہ حق پر ہے تو امام افلح حق کی اتباع کرنے میں کوئی ملامت

محسوس نہیں کرتا اور اگر وہ حق کی بجائے باطل پر ہے تو اس کو توبہ کرنی چاہیے ورنہ پھر اس کو سزا ملے گی لیکن نفاث بوجہ خوف اس کے پاس نہیں گیا اور اپنی طعن و تشنیع جاری رکھی سعد کے حوالے سے وہ کچھ متردد تھا اس لیے اس کے بعض خاص معاملات میں اسکی مدد بھی کیا کرتا تھا لیکن سعد اس کو لوگوں کے سامنے ملامت کرتے ہوئے کہا کرتا تھا (اے نفاث تم کب اپنے کفر، ضلالت کو ترک کرو گے ؟) وہ اس کو جواب دیا کرتا تھا معاذاللہ اے شیخ میں بھلا کفر یا گمراہی کا مرتکب ہوں گا؟ عبادت میں اے شیخ گالی گلوچ نہیں ہے؟ سعد نفاث سے ایک جہت سے تو دوستی کا معاملہ کرتا تھا لیکن دوسری جانب یہ بھی چاہتا تھا کہ لوگ اس کے قول سے غافل نہ ہوں اور وہ یہ بھی چاہتا تھا کہ امام افلح تک غیر رسمی طرقے سے یہ بات پہنچے کہ سعد نفاث سے عدم موافقت رکھتا ہے لیکن وقت کے ساتھ ساتھ نفاث کی طعن، تشنیع وسیع پیانے پر پھیلتی گئی ہر خاص، عام تک پہنچ گئی یہاں تک کہ آس پاس کے دوسرے گورنروں نے بھی سن لیں تب انہوں نے امام افلح کو اس کے حوالے سے باخبر کیا تب امام نے تمام والیوں، گورنروں کی طرف ایک ایسا منشور بھیجا جس میں نفاث اور اس کی آراء کے حوالے سے ان سب کو باخبر رہنے کو بولا لیکن پھر بھی نفاث نے اپنی طعن، تشنیع جاری رکھی جو کہ مسلسل امام تک بھی پہنچتی رہیں اسی طرح بعض گورنروں نے کچھ ایسے لوگ بھی جاسوسی کے لیے بھیجے جو نفاث کی حرکات، سکنات پر نگاہ رکھیں اور اُنہیں باخبر کرتے رہیں۔

پھر ان گورنروں نے امام سے اپیل کی کہ وہ نفاث کے حوالے سے خاص توجہ دیتے ہوئے کوئی لائحہ عمل بنائے اور کوئی حد بندی قائم کریں دوبارہ پھر ایک بار امام نے تمام گورنروں کی طرف منشور بھیجا جس میں اس نے سب کو نفاث اور اس کی آراء سے بری ہونے اور علیحدگی کا حکم دیا اور ساتھ ہی اس کے ساتھ سخت برتاؤ کی ہدایت کی اس منشور نے نفاث پر گہرا اثر ڈالا اس نے غیض، غضب میں ایک خط امام کو بھیجا جس میں بہت سخت لب، لہجہ اپنایا جس میں اس کو شدید دھمکی دی اور اُسے ڈرایا اس نے اپنا سارا مال، متاع جمع کیا اور بغداد چلا گیا وہاں کچھ عرصہ رہا جس کے دوران ہر طرح کی سوسائٹی کے افراد سے ملا تمام اعلیٰ قسم کے مقام رتبے والے لوگوں کو دیکھا خلافت کے حوالے سے محل میں جو کچھ چل رہا تھا قریب سے دیکھا امیرالمومنین اور اس کے کارندوں کا معاملہ بھی دیکھا اہلِ سیاست لوگوں کے بارے میں بھی آگاہی حاصل کی بغداد میں اُسے زندگی پسند نہ آئی واپس اپنے آبائی وطن جبل نفوسہ آنے کا ارادہ کیا جب وہ واپس آیا اس نے عملی طور پر دیکھا کہ امام افلح مکمل متمکن ہے۔ حالات بالکل سکون دہ تھے سعد بھی اپنے انتظامی امور سنبھالنے میں کامیاب ہو چکا تھا یہاں پر جب وہ واپس اپنے وطن لوٹ آیا تھا۔ مورخین کے اقوال مختلف بیان ہوئے ہیں کچھ نے اس سے متعلق یہ ذکر کیا ہے کہ وہ اپنی آراء اور اقوال پر ہی قائم رہا لیکن خاموشی کے ساتھ اسی میں ہی اس نے اپنی مصلحت سمجھی بعض کہتے ہیں کہ جب وہ واپس لوٹ کر آیا تو اس نے جن معاملات میں مخالفت کی تھی ان سے توبہ کہ اور اپنے حال کی اصلاح کر لی تھی۔

اس کی طرف جو مسائل منسوب کیے گئے ہیں وہ درج ذیل ہیں:

۱. خدا تعالیٰ ہی دہر ہے جب اس سے اس حوالے سے پوچھا گیا تو اس نے بتایا میں نے دفتر یعنی قرآن پاک میں ایسے ہی پایا ہے اس کو اس کے ساتھ ہی موسوم کیا گیا ہے۔

۲. جمہ کے خطبے کا انکار کرتے ہوئے یہ کہا کہ یہ بدعت ہے۔

۳. اس نے امام کا شرعی حقوق، ٹیکس اور رعایہ سے بیت المال کی وصولی کے لیے والیوں اور ملازموں کو استعمال کرنا پسند کیا اور اس عمل کو ناجائز قرار دیا۔

۴. سگے بھائی کا بیٹا باپ کی طرف سے بھائی سے زیادہ میراث کا حق دار ہے۔

۵. بھوک سے پریشان ہو کر اگر کوئی شخص اپنا مال بیچے گا تو وہ بیع نافذ العمل نہیں ہو گی جس نے اس کی اضطرابیت اور پریشانی کو دیکھا وہی اس کو نجات دلائے۔

۶. گمشدگی کا حکم صرف اس شخص پر جاری ہو گا جو سمندر پار گیا ہو گا۔

۷. اگر امام اپنی رعایا کے ظالموں کو ظلم سے نہیں روک سکے گا تو وہ ان حقوق کا اہل نہیں رہے گا جو خدا تعالیٰ نے اس کو بطور امام عطاء کیے ہیں اس لیے کہ اس نے ظالموں سے اپنی رعایا کا دفاع نہیں کیا وہ دفاع کرنے سے قاصر رہا جبکہ خدا تعالیٰ نے اس کو اپنی رعایا کے حقوق کی حفاظت کے لیے والی بنایا تھا۔

۸. جس نے امام افلح کو اپنی زکاۃ دی گویا اس نے سوڈان کے بادشاہ لُنوبار کو دی۔

۹. افلح غافل رہا شکار میں لگا رہا مسلمانوں کے معاملات کو ضائع اور خراب کر دیا۔

۱۰. افلح اپنی خِلقت میں یزید کی طرح ہے بڑا منہ بڑی داڑھی بڑا عمامہ

اگر ہم مذکورہ بالہ تمام مسائل میں ذرا تامل کریں تو پتہ چلتا ہے کہ یہ تین قسم کے ہیں ان میں سے ہم ہر ایک قسم کا بڑی گہرائی سے جائزہ لیں گے۔

پہلی قسم

پہلی قسم توحید سے متعلق ہے اور وہ ہے اس کا قول کہ (اللہ تعالیٰ الدھر ہے) جبکہ حقیقت میں یہ نقطہ بہت غموض اور ہر جانب سے ابہامات کو جنم دے رہا ہے اس پر سوائے مجازی معنی کے کوئی چیز بھی دلالت نہیں کرتی مجازی معنی بھی جو کہ حدیث پاک میں وارد ہوا ہے۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا (زمانے کو گالی مت دو کیونکہ دہر یعنی زمانہ خدا ہے) اس سے مراد یہ ہے کہ تم اپنے بُرے افعال کو زمانے کی طرف منسوب کر دیتے ہو یا وہ حالات جو تمہیں پسند نہ ہوں زمانے کی طرف منسوب کرتے ہو اور اس کے سبب تم زمانے کو گالی دیتے ہو حالانکہ ان حالات کو خدا تعالیٰ نے تخلیق فرمایا ہے۔ لہٰذا جب تم زمانے کو گالی دیتے ہو گویا تم خدا تعالیٰ کو گالی دیتے ہو۔

مجھے لگتا ہے اس نے اسی حدیث کو روایت کیا اور پھر اس سے تاویل کی اس لیے جب اس سے اس سے متعلق پوچھا گیا تو اس نے بولا میں نے دفتر میں ایسے ہی پایا ہے۔ یہ مقالہ بھی ایسا ہے جس میں بہت زیادہ ابہام پایا جاتا ہے اس کا بعض حصہ بعض مصادر نے نقل کیا ہے روایات یہ کہتی ہیں کہ جب اس سے اس متعلق سوال پوچھا گیا تو اس نے کہا کہ وہ نہیں جانتا بس اس نے ایسے ہی دفتر میں پایا ہے اب یہ کتاب جس کا نام دفتر ہے نام اور موٴقف دونوں مجہول ہیں۔

نفاث کی ذکاوت اور وسعت معلومات کو سامنے رکھتے ہوئے پھر یہ کہ یہ مسئلہ عقیدہ توحید سے متعلق تھا اور اس کے مخالفین بھی بہت تھے تو کیا یہ ممکن ہے کہ وہ اس کا معنی نہ جانتا ہو؟ پھر یہ معاملہ اس حد تک بھی نہیں ٹھرا بلکہ اس کا شعار اور اس کے لیے چیلنج بن گیا ہو اور جب اس کا تجزیہ کیا گیا ہو تو کچھ بھی نہ ملے سوائے اس کتاب کے جس کا نام اور موٴلف دونوں مجہول ہیں؟

نفاث اس مخالفت اور جھگڑے کے حوالے سے کیسے کوئی دلیل قبول کر سکتا تھا جب موٴلف اور کتاب دونوں غیر معروف ہوں آپ دیکھتے ہو کہ اس صورت کے تمام اجزاء باہم مربوط نہیں ہیں کیونکہ تاریخی کتب جس طرح نفاث کے حوالے سے بیان کرتی ہیں یہ ممکن ہی نہیں لگتا کہ وہ اس قدر بے بنیاد جھگڑے کو اپنے اوپر لے گا جس کے لیے اس کے پاس کوئی دلیل ہی نہ ہو۔ لہٰذا میں اس سے قبل کہ یہ مقالہ اس کی طرف منسوب کروں اپنی نگاہوں میں کافی تحفظات اور احتمالات رکھتا ہوں اور یہ خیال کرتا ہوں کہ اس مقالے کو بجائے اس کے حوالے سے ثابت کروں ختم کر دینا زیادہ بہتر ہے۔

دوسری قسم

دوسری قسم فقہی فروعی مسائل سے تعلق رکھتی ہے جس میں سے (بھائی کی بھائی کے لیے وراثت، بھوک سے پریشان کی بیع گمشدہ کا حکم اسکی شرط وغیرہ)۔ میرے خیال میں ان مسائل میں اختلاف اس سے بری الذمہ ہونے کو ثابت نہیں کرتا کیونکہ یہ اس کے اجتہاد سے تعلق رکھتے ہیں اور شاذ اقوال ہیں اگرچہ کتب تاریخ کے مطابق وہ اجتہاد کے درجے پر فائز ہونے کے قابل بھی تھا۔

تیسری قسم

یہ بہت اہم قسم ہے جو سیاسی حوالے سے امام افلح کی امامت کی مخالفت سے متعلق ہے یا پھر افلح کی شخصیت سے مخالفت پر مبنی ہے اس کا سبب ہم پہلے ہی بیان کر چکے ہیں اس کا شخصی حسد کینہ تھا جو کہ اس کی امید سے مایوسی کا نتیجہ تھا وہ خود کو امامت کے اہل سمجھتا تھا اور خلیفہ بننا چاہتا تھا لیکن جب اس سے پھیر دی گئی تو اس نے اپنے غصے کا جام افلح پر اُنڈیل دیا یہاں تک کہ اس کا یہ غیض، غضب اس حد تک پہنچ گیا کہ اس نے گورنروں سے تنقید کرتے ہوئے امام افلح کی شخصیت تک پہنچ گیا اور خوب کڑی تنقید کا نشانہ بنایا جیسا کہ اس نے اس کی ذات سے متعلق کہا ہے (لمبا چہرا لمبی داڑھی اور لمبے عمامے ولا)

مجھے اس ساری گفتگو سے جو اندازہ ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ نفاث صرف باتونی آدمی ہے کوئی عملی شخص نہیں ہے صرف باتیں کرنا تنقید کرنا ہی اس کا شیوہ ہے۔ عملی طور پر کوئی ایسی تحریک کو تشکیل نہیں دیا نہ ہی نظام حکومت تبدیل کرنے کی کاوش اور نہ ہی افلح کو امامت سے ہٹانے کی کوئی کوشش کی ہے۔ کوئی بھی عملی منصوبہ نہیں بنایا بلکہ صرف اپنے دل کو بغض، کینہ سے بھرا ہوا تھا جس کو ظاہر کرتے ہوئے مختلف خاص عام مجالس میں نکتہ چینی کے ذریعے امام افلح کو تنقید کا نشانہ بناتا تھا وہ اپنے اندر اس بغض کو چھپاتا تھا اور لوگوں کے سامنے خود کو بہادری اور شجاعت کا پیکر بنا کر پیش کرتا تھا جب وہ سلطنت کے رئیس سے متعلق نکتہ چینی کرتا تھا تو لوگوں کو یہ باور کرواتا تھا کہ وہ بہت بہادر ہے اور کسی سے نہیں ڈرتا۔ شاید اس حقیقت کو سعد بھی جانتا تھا اس لیے اس نے کبھی بھی امام کو اس سے متعلق نہیں لکھا اور نہ ہی اس کے بارے میں سخت موقف اپنایا بلکہ ہمیشہ لطف، مہربانی اور حسنِ معاملہ ہی کرتا اسی طرح نفاث بھی اس کے لیے اپنی خدمات صرف کرتا تھا میرے خیال میں اگر تمام والی اور گورنر نفاث سے دور نہ ہوتے اور براہ راست اس کو جانتے ہوتے تو شاید وہ بھی سعد کے طریق پر چلتے اور نفاث کے حوالے سے موقف مختلف ہوتا اسی طرح پھر نفاث کا موقف بھی شاید اس سے مختلف ہوتا لیکن جب گورنروں کی طرف سے امام کو لوگوں کی دی ہوئی معلومات ہی پہنچتی رہیں جن کی بنا پر امام کو غصہ آیا اور اس نے نفاث کو خط لکھا جس میں اس کو دھمکایا اور خوب ڈرایا اور غصے کا اظہار کیا جس کو پڑھنے کے بعد نفاث کا موقف اور شدید ہو گیا اور وہ اپنے بغض عناد میں اور سخت ہو گیا لیکن امام نے بھی اس کو سختی پر مبنی خط کو اس غرض سے لکھا ہو گا اس کو خدشہ ہو کہ یہ بھی ویسی ابن فندین کی طرح کوئی تحریک نہ شروع کردے اور ہنگامہ آرائی کرے جس سے امت پھر تفرقوں میں پڑھ جائے اور اس کی وحدت پارہ پارہ ہو جائے۔ لہٰذا اس نے چاہا کہ نفاث کو اس سے پہلے کہ وہ باقاعدہ خلافت کے خلاف کوئی فہم جوئی شروع کرے اس کا راستہ روکا جائے اسی غرض سے اس نے نفاث کے حوالے سے اپنے گورنروں اور رعایا کو بھی متنبہ کیا تھا اور خود نفاث کی طرف دھمکی آمیز خط لکھا تھا تاکہ اس کا دل مرعوب ہو جائے اور وہ اپنی ہنگامہ آرائی سے باز آجائے۔

یہاں ایک ایک جانب سے ملاحظہ کیا جاسکتا ہے میں اس کی طرف اشارہ کرنا چاہتا ہوں۔ وہ یہ کہ اس وقت نکاری بھی متفرق صورت میں خاص طور پر جنوب تونس میں موجود تھے۔ ان کو رستمی سلطنت کے خلاف جمع کیا جاسکتا تھا اگر ان کو علم ہوتا کہ نفاث بھی رستمی سلطنت کے خلاف کھڑا ہو گیا ہے تو وہ بھی اس کے ساتھ کھڑے ہو جاتے اور اگر تلوار کی ضرورت پڑتی تو اس سے بھی گریز نہ کرتے مگر ایسا کچھ نہ ہوا اس بات کی دلیل یہ ہے کہ نفزاوۃ میں امام کا گورنر یوسف بن میال نفاث کے حوالے سے مضطرب اور متردد تھا۔ اس لیے وہ اس طرح کے خط امام کو لکھا کرتا تھا۔ اس کے ساتھ ساتھ وہ نفاث کے حوالے سے بھرپور توجہ دیتا تھا اس پر کڑی نظر رکھتا تھا یہاں تک کہ اس کے پیچھے اس نے پوشیدہ جاسوس بھی چھوڑا ہوا تھا وہ تھا تحیہ بن عابدین اس جاسوس کی معلومات پر اعتماد کرتے ہوئے ابن میال امام کو خطوط لکھا کرتا تھا اس سے ثابت ہوتا ہے کہ وہاں کوئی پس پردہ ہاتھ تھا جو نفاث کے بارے میں جھوٹی باتوں کو رواج دیتا تھا اور امام کو اس کے خلاف بڑھکاتا تھا ورنہ تو سعد کی زیر نگرانی نفاث رہتا تھا وہ تو اس کے حوالے سے بالکل مطمئن تھا جبکہ یوسف بن میال بہت بے چین متردد تھا جس

سے ظاہر ہوتا ہے کہ نفاث کے خلاف بدشگونیاں پھیلانے میں اس کا ہاتھ تھا۔ سعد نہ تو نفاث سے اپنی ذات میں اور نہ ہی سلطنت کے حوالے سے خائف تھا۔

مذکورہ بالا صورتحال سے واضح ہوتا ہے کہ مؤرخین نے نفاث کے حوالے سے جو یہ کہا ہے کہ وہ ایک فرقے کا امام ہے اور ایک نفاثیہ فرقہ ہے بہت مبالغہ آرائی سے کام لیا ہے۔ حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ اس نام کا اسلام کے تحت عمومی طور پر اور بالخصوص اباضیوں کے ہاں کوئی فرقہ ہی نہیں ہے۔ معاملہ صرف اتنا ہے کہ کوئی ایک شخص ہے جس کے دو موقف ہیں ایک فقہی اجتہادی موقف ہے جس کے تحت اس نے بعض مسائل میں اپنا اجتہاد کرتے ہوئے جمہور کی مخالفت کی ہے۔ اس اجتہاد کی امت اسلامیہ اور دیگر مذاہب اسلامیہ میں کثیر تعداد میں مثالیں موجود ہیں اگر کوئی محقق اس طرح کے اجتہادی مسائل میں اختلافات کا تمام مذاہب میں جائزہ لے تو بہت سی ایسی مثالیں ملیں گی اور بہت سے ایسے فرقے ملیں گے جنہوں نے اجتہاد کیا کہیں پر بعض مسائل میں اختلاف بھی کیا جیسا کہ صالحیہ، طیفشیہ، حمویہ اور بیوضیہ وغیرہ۔

ان میں سے ہر ایک کے ایسے اجتہادی مسائل ہیں جن میں دوسروں نے مخالفت کی ہے۔ لہٰذا یہ منطق کافی نہیں کہ وہ سب کے سب مطلق اجتہادی لحاظ سے مذہب میں داخل ہیں اور صرف یہی ان کے لیے کافی ہے ہرگز ایسی بات نہیں بلکہ ان میں سے ایک بھی ایسا شخص ہو سکتا ہے کہ وہ صرف اسی مسئلہ میں ہی مجتہد ہو۔

اس شخص کا دوسرا موقف سیاسی تھا اس کی وضاحت ہم ہر پہلو سے بیان کر چکے ہیں اور صرف یہی ایسا موقف ہے جس کی بنا پر نفاث اباضیوں کے غیض، غضب کا نشانہ بنا۔ حالانکہ یہ ممکن ہے کے اباضی اور غیر اباضی تمام لوگ امام افلح کے علمی مقام مرتبہ پر جمع ہو جائیں اور یہ اعتراف کریں کہ وہ علم کا کعبہ ہے۔ یہاں تک کہ اس کو اماموں میں شمار کیا گیا اس کی صفائی اور ایمانداری کے چرچے ہو گئے۔

ایک طرف یہ نفاث ہے جو آ کر اس پر نکتہ چینی کرنے لگتا ہے اور اس کو بڑی تنقید کا نشانہ بناتا ہے اور جب اس کی بات پر کوئی کان نہیں دھرتا تو وہ وادیوں جنگلوں میں چیختا ہے دربدر ٹھوکریں کھاتا ہے سفر کرتا ہے پھر واپس اپنے وطن لوٹ آتا ہے اور بالآخر وہ اعتراف کرتا ہے کہ وہ غلطی پر تھا جس سے اس کو توبہ کرنی پڑتی ہے۔

ہر حال میں اس کا یہ موقف دیگر لوگوں کے سخت نقطہ نظر اور موقف سے زیادہ شدید نہیں ہے اور ایسا ہر زمانے میں ہوتا چلا آیا ہے نفاث نے اگر ایسا کیا ہے تو کوئی نیا کام نہیں کیا اس کی یہ اچھی بات تھی اور طبیعت ایسی تھی کہ اس نے اسلحہ نہیں اٹھایا۔

ساری بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ باوجود اس کے کہ مؤرخین اس طرف گئے ہیں کہ نفاثیہ کوئی ایک مستقل فرقہ ہے درحقیقت ایسا کچھ نہیں نہ ہی ایسا کوئی فرقہ ہے۔ نفاث ایک ذہین عالم تھا پہلے اس نے توڑ پھوڑ اور اپنی خلافت کے لیے تمنا پوری کرنے کی غرض سے علمی طاقت آزمائی جب اس میں کامیاب نہ ہوا تو پھر سیاسی حربے استعمال کیے لیکن بکھر گیا اپنے مقصد میں کامیاب نہیں ہو سکا۔

۳ خلیفہ

یہ فرقہ خلف بن السمح بن ابو الخطاب عبد الاعلی المعافری کی طرف منسوب کیا جاتا ہے آپ کے دادا کی لیبیا کی امامت کے لیے بیعت کی گئی آپ نے امانت کا بوجھ اپنے کندھوں پر اٹھایا اور نہایت ہی احسن انداز میں اس ذمہ داری کو اپنی وفات تک نبھاتے رہے۔

آپ کے باپ السمح کو عبد الوہاب کے جبل نفوسہ میں بطور گورنر متعین کیا گیا۔ آپ نے بھی اپنی وفات تک اس ذمہ داری کے بوجھ کو بڑے اچھے انداز میں نبھایا پس لوگوں کی ایک جماعت نے بغیر کسی انتظار کے امامت خلف بن السمح کے سپرد کر دی۔ اس نے یہ ذمہ داری قبول کر لی اور باقاعدہ عملی طور پر اپنی ذمہ داری کو نبھانا شروع کر دیا اور اپنی اس خلافت میں اپنے ذاتی تصرفات اور مداخلت شروع کر دی۔

جب یہاں کی خبریں تاہرت پہنچیں امام نے معاملات کو سمجھا اور یہ فیصلہ کیا گیا کہ اس طرح کے منصوبے کو لاگو نہ کیا جائے اس نے خلف کی طرف ایک خط بھیجا جس میں اس کے ان ذاتی تصرفات کے حوالے سے ملامت کیا اور حکم دیا کہ فوراً اس ولایت کو چھوڑ کر الگ ہو جائے کسی اور کو وہاں کا گورنر بنا دیا۔

خلف نے تو صرف حکم دینے اور اپنے کا ذائقہ چکھا ہوا تھا جب اس کے پاس امام کا ولایت کے عہدے کو چھوڑنے کا خط آیا تو اس نے اس حکم کو نہیں مانا انکار کر دیا اور اعلان کر دیا کہ جبل نفوسہ ایک الگ تھلگ مستقل علاقہ ہے یہاں کا امام بھی مستقل ہونا چاہیے اسی طرح تاہرت بھی ایک مستقل علاقہ ہے وہاں کا الگ ایک مستقل امام ہونا چاہیے یعنی یہاں الگ حکومت ہو۔

وہاں الگ ہو لوگ اس کے ساتھ مل گئے یہاں تک کہ سلطنت میں اس جبل نفوسہ کے اندر اس کا سب سے بڑا لشکر بن گیا تھا۔ مختلف جھڑپیں شروع ہوئیں وہ آہستہ آہستہ جنگوں کی شکل اختیار کر گئیں شروع میں تو خلف کا پلہ بھاری رہا لیکن قدم بقدم آہستہ آہستہ سلطنت کے لشکر وں کو اس کے لشکر پر فتح اور غلبہ حاصل ہوتا گیا حتی کہ خلف کا معاملہ اپنی انتہا کو پہنچا۔

لیکن مؤرخین کی باتیں بڑی عجیب، غریب ہیں وہ اس کے سیاسی پہلو سے زیادہ متاثر ہوئے ہیں اور ان مقاتلین اور لڑنے والوں کو ایک فرقہ شمار کیا ہے اور خلف کو اس فرقے کا امام اعتبار کیا ہے۔ گویا اگر کوئی شخص سلطنت سے بغاوت کر دے اور اس کے ساتھ لوگوں کا مجموعہ شامل ہو جائے وہ قتال کریں وقت کے خلیفہ کے ساتھ تو وہ ایک فرقہ ہو گا اور وہ شخص اس فرقے کا امام سمجھا جائے گا۔ اگر اس طرح کے ہر مجموعے کو فرقہ ہی سمجھا جائے تو ان فرقوں کے ناموں سے کتب تاریخ تنگ پڑ جائیں جگہ ہی بچے گی اس طرح تو ہم اموی سلطنت کے دور میں سینکڑوں فرقے ثابت کر سکتے ہیں جن میں سے

خوارج، شعیہ اور مزید صردیہ اور اشعثیہ وغیرہ جو کہ سلیمان بن مرر اور عبدالرحمٰن بن محمد بن الاشعث کے پیروکار تھے وغیرہ۔

اس ساری بات کا خلاصہ یہ ہے کہ خلف ایک ایسا شخص تھا جس نے خلیفہ کے خلاف بغاوت کی ان دیگر ہزاروں لوگوں کی طرح جو تاریخ میں سلطنت کے خلاف بغاوت کرتے چلے آئے ہیں۔ لہٰذا اس کا یہ مطلب ہرگز نہی کہ وہ کسی فرقے کا امام تھا اور نہ ہی خلفیہ کوئی فرقہ ہے اسی طرح اُن کا اباضیوں سے بالکل تعلق نہیں اور نہ ہی اس فرقے کا تاریخ میں کوئی ذکر ملتا ہے صرف ہم اتنی بات کہہ سکتے ہیں کہ خلف ایک سیاسی آدمی تھا جس نے حکومت اور اقتدار کے طمع کی غرض سے سلطنت اور خلیفے کے خلاف بغاوت کی تھی۔

۴ حسینیہ

ابوزیاد احمد بن حُسین الطرابلسی تیسری صدی ہجری میں تھے۔ آپ مؤرخین کے مطابق بہت سی کتابیں لکھیں ہیں لیکن اباضی مصادر مراجع کے مطابق کوئی چیز نہیں ملی نہ ہی ایسا کچھ ذکر ملا ہے۔

اس کا فرقہ ایک دوسرے فرقے سے مل جاتا ہے جس کو عمدیہ کا نام دیا جاتا ہے جبکہ ظاہر یہ ہوتا ہے کہ ان کی اصل ایک ہی تھی لیکن بعض نے کہا ہے کہ یہ معتزلہ کے زیادہ قریب ہے جبکہ ان کے ایسے مقالہ جات ہیں جو ان تمام جہتوں سے بہت دور ہیں۔ ابو عمرو عثمان بن خلیفہ المارغنی نے ان کے چند مقالہ جات اور اقوال کو ذکر کیا ہے جن کا خلاصہ ہم یہاں پیش کرتے ہیں۔

۱. اللہ کے سوا جس نے کسی بھی چیز کا انکار کر دیا تو وہ مشرک نہیں ہوگا۔

۲. امت کے ان افراد پر شرک کا حکم لگایا ہے جو غلط تاویلیں کرتے ہیں۔

۳. محبت، رضا، دوستی، دشمنی، غصہ اور سختی اللہ تعالیٰ کے افعال ہیں صفات نہیں ہیں۔

۴. اسم محمد ﷺ کی معرفت ہونا ضروری نہیں البتہ لوگوں کو ان کے فرمان کی معرفت حاصل کرنا ضروری ہے۔

۵. اس شخص کے لیے زنا کرنا اور مال لوٹنا انہوں نے جائز قرار دیا ہے جس کو اس کے لیے ڈرا دھمکا کر اور مرعوب کر کے مجبور کر دیا گیا ہو۔

۶. مشکوک حرام پر گرفت کی جائے گی۔

۷. اسماء اور احکام میں فرق کیا ہے یہود کو منافقین، تاویل کرنے والوں کو مشرکین کا نام دیا ہے ان کی عورتوں کو لونڈیاں، قیدی بنانا ان سے نکاح کرنا حلال قرار دیا ہے۔ وہ ان کے نزدیک مشرکین ہیں۔

۸. اللہ اپنے رسول کو کسی ایسی مخصوص علامت کے ساتھ مبعوث کرتا ہے جس سے وہ دوسروں سے ممیز ہوتا ہے اور یہی علامت اس کے لیے حجت ہوتی ہے۔

۹. مشرکین، بالغین کو شرک کے علاوہ کسی چیز سے خدا تعالیٰ نے نہیں روکا اور توحید کے حکم کے علاوہ کسی چیز کا حکم نہیں دیا اگر انہوں نے خدا کو ایک مان لیا تو ان پر تمام فرائض لازم ہو جائیں گے اور تمام نواہی سے روک دیے جائیں گے۔

۱۰. عقلاء صرف عقل کے لحاظ سے فضیلت نہیں پائیں گے بلکہ استطاعت اور تکلیف کی بنیاد پر فضیلت کے حق دار ہوں گے۔

۱۱. رسولوں کو جلالِ الٰہی کا خوف ہے سزاؤں کا خوف نہیں ہے۔

۱۲. برأت اور ولایت مشروط طریق سے جائز ہے۔

۱۳. اہل جنت ڈریں گے اور امید رکھیں گے یعنی خوف رجاء کی کیفیت میں ہوں گے لیکن مردوں کو بجز پشت کے آخری حصے کے زمین کھا جائے گی۔

جو کچھ ان کی طرف منسوب کیا گیا ہے اگر اس میں غور کیا جائے تو کچھ باتیں ایسی ہیں جو ان کو دین اسلام سے ہی نکال دینے والی ہیں اگر یہ خارجِ اسلام ہی تھے تو ان کو اسلامی فرقوں میں کیوں شمار کیا گیا اور اباضی فرقے میں کیوں شامل کیا گیا ہے اور اگر یہ خارج اسلام فرقہ نہیں تھا تو اس کی طرف صحیح اقوال منسوب کیے جاتے تب اس موضوع کے تحت یہ ایک مستقل موضوع فرقہ سمجھا جاتا ہے اس حوالے سے شیخ ابوزکریا الوارجلانی مجھ سے سبقت لے گئے ہیں۔

انہوں نے کہا ہے (ایک ایسا فرقہ جس کو عمدیہ کہا جاتا ہے اور اباضیوں کے نام سے پہچانا جاتا ہے جبکہ وہ اپنی فکر آراء اور سوچ میں ہم سے متفق نہیں ہے وہ خود یہ گمان کرتے ہیں کہ وہ اباضی ہیں جبکہ اپنے مذہب کو عبداللہ بن مسعود ﷜ کی طرف منسوب کرتے ہیں حالانکہ حقیقت میں وہ عیسیٰ بن عمیر کے پیروکار ہیں۔

لہٰذا ہر وہ فرقہ جیسے اباضی اعتبار کیا جائے اباضی نہیں ہو سکتا اسی طرح اباضیوں میں سے کوئی اجتہادی اعتبار سے دیگر اباضیوں سے اختلاف کرے تو وہ اباضی مذہب سے نہیں نکل سکتا اور نہ ہی کسی مستقل فرقے کا وہ رئیس شمار ہو گا اور نہ ہی اس کے فرقے کو ایک خاص عنوان کے تحت مستقل شمار کیا جائے گا۔

۵ سکّاکیہ

اس فرقے کو قنطرار کے باسی عبداللہ السکاک اللّواتی کی طرف منسوب کیا جاتا ہے آپ کے والد ایک نہایت صالح انسان تھے انہوں نے آپ کو المؤدب کے سپرد کیا ان سے قرآن حفظ اور علم حاصل کیا۔ یہاں تک کے بہت گہرائی کی حد

تک رسوخ حاصل کیا آپ صیاغت کے فن میں بہت ماہر تھے آپ نے علم اور مال دونوں کو جمع کیا بس شیطان نے اس کو ورغلایہ اس کے نفس میں خود نمائی کی خواہش پیدا کر دی جس کی غرض سے اس نے مسلمانوں کی مخالفت میں اقوال، آراء بیان کیں۔ لہٰذا مسلمانوں نے مکمل طور پر اس سے تعلق توڑ دیا بعض نے اس پر شرک کا حکم لگایا اور بعضوں نے کچھ نرمی برتتے ہوئے منافقت کا حکم جاری کیا۔

سکاکیہ کے علاوہ تمام اباضی اہل قبلہ کے ساتھ مسلمانوں والا معاملہ کرتے تھے جبکہ سکاکیہ اپنے مخالفین اہل قبلہ کو مشرک سمجھتے ہیں اگر ان میں سے کوئی جاتا فوت ہو جاتا تو اس کے پاؤں میں رسی ڈال کر گھسیٹ کر قبرستان لے جاتے بغیر کفن اور نمازِ جنازہ کے اس کو دفن کر دیتے۔

ابو یعقوب یوسف بن نفات نے کہا ہے (میں نے قسطیلیہ شیوخ میں سے ایک جماعت کو دیکھا جو تمام اہلِ قبلہ اپنوں اور مخالفین میتوں کا جنازہ پڑھا رہے تے سوائے سکاکیہ کے ان کے نزدیک اگر کوئی اہل قبلہ میں سے ان کا مخالف مر جاتا تو اس کے پاؤں میں رسی ڈال کر اس کو گھسیٹتے ہوئے کسی نگاہوں سے اوجھل ویران جگہ پر لے جا کر پھینک دیتے سلف صالحین کے مشائخ ان سکاکیوں کے حوالے سے بہت سخت موقف رکھتے تھے بعض نے ان پر شرک کا حکم لگایا ہے اور بعض نے نفاق کا حقیقت میں اب اس مذہب کے لوگ فناء ہو گئے ہیں۔

یہاں قابل تعجب بات یہ ہے کہ مؤرخین اور مقالہ نگار ان سکاکیوں کو اباضی فرقہ کیوں شمار کرتے ہیں۔ حالانکہ ان سے متعلق سب سے کم حکم نفاق کا ہے کہ یہ منافق ہیں میرے خیال میں اس فرقے کو اباضیوں کے کھاتے سے مٹا دینا اولیٰ ہے۔ اس کے بعض جز کو عمومی طور پر دیگر امتِ اسلامیہ کی طرح ایک فرقہ کے طور پر ثابت کرنا اور عدم فرقہ کے طور پر ثابت کرنا وغیرہ ان شاءاللہ عنقریب زیر بحث آئے گا۔

وہ مسائل جو ان کی طرف منسوب کیے جاتے ہیں درج ذیل ہیں:

١. سنت، اجماع اور قیاس کو نہیں مانتے ان کے نزدیک پورا دین قرآنِ پاک سے متخرج ہے۔

٢. جماعت کی نماز بدعت ہے۔

٣. اذان بدعت ہے جب موذن کی آواز سنتے ہیں تو کہتے ہیں گدھا چیخ رہا ہے۔

٤. نماز صرف اُسی طریقے سے جائز ہے جس کی تفسیر قرآن سے لی گئی ہو۔

٥. گاہی ہوئی چیز کا کھانا نجس ہے کیونکہ اس کو گاہتے ہوئے جانور پیشاب بھی کیا کرتے ہیں۔

٦. اس زمین کی سبزی یا ساگ وغیرہ کھانا نجس ہے جس میں کھاد ڈالی گئی ہو۔

۶ فرثیہ

یہ فرقہ ایک ایسے شخص کی طرف منسوب ہے جو ابو سلیمان بن یعقوب بن افلح تھا جس کی تربیت ایک علمی اور سردار گھرانے میں ہوئی جو کہ تقوی زہد، ورع کا گھر تھا یہ اس گھریلو ماحول کی برکت تھی کہ وہ ایک معلومات کا سمندر لیے ہوئے ایک بہت بڑے عالم تھے مؤرخین کے بقول ان کے والد ان کو بنیادی مصادر شریعت (قرآن، سنت) وغیرہ میں رسوخ کروانا چاہتے تھے اسی طرح اباضی اسلاف کی کتابوں کو پڑھوانا چاہتے تھے مگر اباضیوں کے مخالفین کی کتب کو ایسے پڑھوانا پسند نہیں تھا وہ نہیں چاہتے تھے کہ ان کا بیٹا مخالفین کی کتب کو پڑھے لیکن ابو سلیمان ان شخصیات میں سے تھا جو مطالعہ کتب سے کبھی سیر نہیں ہوئے تھے۔ اس کے جو کتاب بھی ہاتھ لگی پڑھ دی قطع نظر اس کے وہ کس کی کتاب ہے اس طریقے سے اس کا باپ راضی نہیں تھا یہاں تک کہ ایک مرتبہ اس نے احمد بن حسین کی کتاب اس کے ہاتھ میں دیکھی آپ بخوبی جانتے ہیں کہ احمد بن الحسین کی اباضیوں کی اباضیوں سے متعلق کیسی رائے ہے یہی وجہ تھی کہ اباضی علماء اس کے حوالے سے یہ خوف کرتے تھے کہیں مخالفین کے اقوال کو پڑھ کر اس کی سوچ مخلوط نہ ہو جائے اور وہ اپنے اسلاف کے اقوال کو اچھا نہ سمجھنے لگے ابو سلیمان اپنے باپ کی زندگی کے آخری ایام میں ہی اپنی شخصیت کو چمکا چکا تھا باپ کے وصال کے بعد لوگ آپ کی طرف لوٹ آئے اور آپ کے ساتھ آکر مل گئے۔ آپ کے بھی کچھ ایسے فروعی اجتہادات ہیں جن میں اس نے جمہور اباضیوں سے اختلاف کیا ہے اس لیے اباضیوں نے اس کو بھی آڑے ہاتھوں لیا ان تمام میں سب سے زیادہ کڑی تنقید کرنے والے آپ کے والد کے دوست ابو صالح جنون بن یمریان تھے۔

وہ مسائل جو اس کی طرف منسوب کیے جاتے ہیں اور جن کی بدولت اس پر طعن، تشنیع کی ہو گی۔ وہ بقول ابو عمرو عثمان کے درج ذیل ہیں:

۱. اوجھ (یعنی اوجھڑی) اور اس کے ساتھ ملا کر جو بھی پکایا جائے گا سب نجس ہے۔

۲. شریانوں کا خون چاہے ذبیحہ کے دھونے کے بعد ہی کیوں نہ ہو نجس ہے اسی طرح اندرونی (پیٹ) کا خون بھی نجس ہے۔

۳. جنبی اور حائضہ کا پسینہ بھی نجس ہے۔

۴. اہل قرابت کو زکاۃ دی جائے گی (ہو سکتا ہے اس سے مراد یہ بھی ہو کہ اہل قرابت کو زکاۃ نہیں دی جائے گی۔)

ان فرقوں سے متعلق ہم نے اپنی سابقہ گفتگو میں جو کچھ بیان کیا اس سے درج ذیل وضاحت ہوتی ہے:

۱. نکار ایک مستقل فرقہ ہے اس کی اپنی آراء اور اقوال ہیں اس کا اباضیہ سے کوئی تعلق نہیں ہے یہ بھی دیگر اسلامی فرقوں کی طرح عمومی طور پر ایک فرقہ ہے۔

۲. الحسینیہ اور السکاکیہ خارج الاسلام فرقے ہیں۔ لہٰذا اباضیوں میں سے نہیں ہیں اور نہ ہی ان کے کھاتے میں شامل ہوتے ہیں میری رائے کے مطابق جس نے ان کو خارج اسلام اعتبار کیا ہے اس کے مطابق یہ اسلام کے فرقے شمار ہی نہیں ہوتے اور جنہوں نے ان پر نفاق کا حکم لگایا ہے ان کے بقول یہ عمومی طور پر اسلام کے فرقے شمار ہو سکتے ہیں لیکن پھر بھی اباضیوں کا حصہ نہیں ہیں۔

۳. الفرثیہ اور النفاثیہ ہرگز دو فرقے نہیں ہیں اور جن علماء کی طرف ان کو منسوب کیا جاتا ہے وہ علماء کی طرح چند فروعی مسائل میں انہوں نے اجتہاد کیا اور دوسروں سے اختلاف کیا ہے اور ایسا اختلافی معاملہ جو اجتہاد سے تعلق رکھتا ہے ہر دن ہو رہا ہے اور قیامت تک جاری رہے گا۔ لہٰذا ان دونوں کو فرقوں کا امام ماننا درست نہیں اور نہ ہی جو ان کے فتووں پر عمل پیرا ہو اس کو اباضی فرقہ تسلیم کیا جائے گا۔

۴. الخلیفہ اس فرقے کے لوگ ایک سیاسی لیڈر کے پیروکار ہیں جس نے سلطنت اور خلافت کے خلاف بغاوت کی لوگوں نے بھی اس کے انقلابات میں اس کا ساتھ دیا جیسا کہ ہر زمانے اور ہر جگہ ہوتا چلا آرہا ہے۔ دینی مسائل کے متعارض نہیں تھا اس کی جانب سے سوائے خلافت کے مطالبے کے کوئی قول صادر نہیں ہوا۔ لہٰذا اس کو اباضی فرقہ ماننا جو اباضیوں سے تعلق رکھتا ہے بہت بڑی تاریخی غلطی ہے ان سب کو مملکت کے خلاف ایسے باغی شمار کیا جاتا ہے جن سے واپس سلطنت کے قانون کے تحت زندگی گزارنے اور اس کے تابع ہونے کی طرف رجوع کرنے کا مطالبہ کیا جائے یا پھر ان سے قتال کیا جائے گا یہ عملی طور پر اس کے ساتھ ہوا یہاں تک کے اپنے انجام کو پہنچا۔

اس کو ایک فرقہ ماننا درست نہیں ہوگا ورنہ پھر ہمیں ان تمام لوگوں اور ان کے رہنماؤں کو بھی مستقل فرقہ ماننا پڑے گا۔ جنہوں نے بھی تاریخ میں خلیفے کے خلاف بغاوت کی تھی اور آئندہ کریں گے جبکہ ایسا نہ کبھی ہوا اور نہ کبھی ہوگا۔

اس ساری بات کا خلاصہ یہ ہے نکار ایک دیگر اسلامی فرقوں کی طرح ایک مستقل فرقہ ہے اس کے حقیقی امام، پیشوا ابو معروف شعیب بن معروف ہیں، الحسینیہ اور السکاکیہ دونوں خارج الاسلام فرقے ہیں کیونکہ انہوں نے سنت اور اجماع کا انکار کیا ہے۔ اسی طرح انہوں نے واجبات کا انکار کیا ہے جیسا کہ ملائکہ، رسل، انبیاء جنت اور دوزخ وغیرہ اور معرفت محمد ﷺ کا انکار کیا ہے۔ حالانکہ ان پر ایمان لانا واجب ہے۔

اسی طرح خلفیہ ایک دینی فرقہ نہیں بلکہ سیاسی فرقہ ہے اور یہ ایک باغی گروہ تھا جس کا لیڈر خود ایک سیاسی شخص تھا دینی امام نہیں تھا۔

نفاثیہ اور فرثیہ نہ تو دینی مستقل فرقے ہیں اور نہ ہی باغی گروہ ہیں یہ عام انسانوں کی طرح انسان تھے۔ اباضی علماء میں سے دو عالم تھے اپنے فقہی فروعی مسائل میں اجتہاد کی بنا پر جمہور سے اختلاف کیا جیسا کہ دیگر مذاہب اسلامیہ کے علماء میں ہوتا رہتا ہے۔

اباضی آراء

اباضیوں کی صحابہ کرام ﷺ سے متعلق آراء

اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ موضوع محترم قاری کو حیرت میں ڈال دے گا لیکن جو کچھ مقالہ نگاروں نے جعل سازیاں لغویات اور غیر مصدقہ اقوال، آراء کو اباضیوں کی طرف منسوب کیا ہے اور یہ بھی کہا ہے کہ اباضی معاذ اللہ صحابہ کرام کو پسند نہیں کرتے ان کی عزت تکریم نہیں کرتے پھر بعض انتہا پسند اباضی علماء کی جانب سے ردِ عمل کے طور پر انتہا پسندانہ جوابات سب کچھ اس چیز کا تقاضا کرتے ہیں کہ ہم یہ موضوع پیش کریں تاکہ محترم قاری پر اباضیوں کی صحابہ کرام ﷺ کے متعلق آراء اور نقطہ نظر واضح ہو جائے اور جعل سازیوں خرافات کی تمیز کی جاسکے حقیقت کو واضح کیا جاسکے۔

ابو مہدی عیسیٰ بن اسماعیل کے رسالے میں درج ذیل آیا ہے جو اس وقت عزابۃ کے شیخ تھے اور علی بن ابوالحسن البھلولی کا عزابہ بنو مصعب کے نام خط (جس میں رد کیا تھا)۔

(ہم صحابہ کرام ﷺ سے متعلق مسئلہ سے بات شروع کرتے ہیں ہم تک تمہاری یہ بات پہنچی ہے کہ ہم صحابہ کرام ﷺ سے بغض رکھتے ہیں۔

واہ سبحان اللہ کیا کہنے ہیں۔

بھلا ہم کیسے صحابہ کرام ﷺ سے بغض کر سکتے ہیں جبکہ ان کے فضائل کتاب، سنت میں وارد ہوئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اس بغض سے مسلمانوں کو دور رکھے بلکہ ہمارے نزدیک صحابہ کرام ﷺ کے حوالے سے وہی مقام اور تکریم ہے جیسے خود خدا تعالیٰ نے ان کی عدالت طہارت محبت اور تعریف کے حوالے سے اپنے کلام میں ذکر فرمائی ہے۔

خدا تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

﴿كُنتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِٱلْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ ٱلْمُنكَرِ وَتُؤْمِنُونَ بِٱللَّهِ ۗ وَلَوْ ءَامَنَ أَهْلُ ٱلْكِتَـٰبِ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُم ۚ مِّنْهُمُ ٱلْمُؤْمِنُونَ وَأَكْثَرُهُمُ ٱلْفَـٰسِقُونَ﴾

”تم بہترین اُمت ہو جو سب لوگوں (کی رہنمائی) کے لیے ظاہر کی گئی ہے، تم بھلائی کا حکم دیتے ہو اور برائی سے منع کرتے ہو اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو، اور اگر اہل کتاب بھی ایمان لے آتے تو یقیناً ان کے لیے بہتر ہوتا، ان میں سے کچھ ایمان والے بھی ہیں اور ان میں سے اکثر نافرمان ہیں“(۱)

اسی طرح پھر فرمایا:

---

(۱) آل عمران، ۳/ ۱۱۰۔

﴿وَكَذَٰلِكَ جَعَلْنَٰكُمْ أُمَّةً وَسَطًا لِّتَكُونُوا۟ شُهَدَآءَ عَلَى ٱلنَّاسِ وَيَكُونَ ٱلرَّسُولُ عَلَيْكُمْ شَهِيدًا ۗ وَمَا جَعَلْنَا ٱلْقِبْلَةَ ٱلَّتِى كُنتَ عَلَيْهَآ إِلَّا لِنَعْلَمَ مَن يَتَّبِعُ ٱلرَّسُولَ مِمَّن يَنقَلِبُ عَلَىٰ عَقِبَيْهِ ۚ وَإِن كَانَتْ لَكَبِيرَةً إِلَّا عَلَى ٱلَّذِينَ هَدَى ٱللَّهُ ۗ وَمَا كَانَ ٱللَّهُ لِيُضِيعَ إِيمَٰنَكُمْ ۚ إِنَّ ٱللَّهَ بِٱلنَّاسِ لَرَءُوفٌ رَّحِيمٌ﴾

”اور (اے مسلمانو!) اسی طرح ہم نے تمہیں (اعدال والی) بہتر امت بنایا تاکہ تم لوگوں پر گواہ بنو اور (ہمارا یہ برگزیدہ) رسول (ﷺ) تم پر گواہ ہو، اور آپ پہلے جس قبلہ پر تھے ہم نے صرف اس لیے مقرر کیا تھا کہ ہم (پرکھ کر) ظاہر کر دیں کہ کون (ہمارے) رسول (ﷺ) کی پیروی کرتا ہے (اور) کون اپنے الٹے پاؤں پھر جاتا ہے، اور بے شک یہ (قبلہ کا بدلنا) بڑی بھاری بات تھی مگر ان پر نہیں جنہیں اللہ نے ہدایت (و معرفت) سے نوازا، اور اللہ کی یہ شان نہیں کہ تمہارا دین (یونہی) ضائع کر دے، بے شک اللہ لوگوں پر بڑی شفقت فرمانے والا مہربان ہے“(۱)

پھر فرمایا:

﴿مُّحَمَّدٌ رَّسُولُ ٱللَّهِ ۚ وَٱلَّذِينَ مَعَهُۥٓ أَشِدَّآءُ عَلَى ٱلْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ ۖ تَرَىٰهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا يَبْتَغُونَ فَضْلًا مِّنَ ٱللَّهِ وَرِضْوَٰنًا ۖ سِيمَاهُمْ فِى وُجُوهِهِم مِّنْ أَثَرِ ٱلسُّجُودِ ۚ ذَٰلِكَ مَثَلُهُمْ فِى ٱلتَّوْرَىٰةِ ۚ وَمَثَلُهُمْ فِى ٱلْإِنجِيلِ كَزَرْعٍ أَخْرَجَ شَطْـَٔهُۥ فَـَٔازَرَهُۥ فَٱسْتَغْلَظَ فَٱسْتَوَىٰ عَلَىٰ سُوقِهِۦ يُعْجِبُ ٱلزُّرَّاعَ لِيَغِيظَ بِهِمُ ٱلْكُفَّارَ ۗ وَعَدَ ٱللَّهُ ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ وَعَمِلُوا۟ ٱلصَّٰلِحَٰتِ مِنْهُم مَّغْفِرَةً وَأَجْرًا عَظِيمًۢا﴾

”محمد () اللہ کے رسول ہیں، اور جو لوگ آپ () کی معیت اور سنگت میں ہیں (وہ) کافروں پر بہت سخت اور زور آور ہیں آپس میں بہت نرم دل اور شفیق ہیں۔ آپ انہیں کثرت سے رکوع کرتے ہوئے، سجود کرتے ہوئے دیکھتے ہیں وہ (صرف) اللہ کے فضل اور اس کی رضا کے طلب گار ہیں۔ اُن کی نشانی اُن کے چہروں پر سجدوں کا اثر ہے (جو بصورتِ نور نمایاں ہے)۔ ان کے یہ اوصاف تورات میں (بھی مذکور) ہیں اور ان کے (یہی) اوصاف انجیل میں (بھی مرقوم) ہیں۔ وہ (صحابہ ہمارے محبوبِ مکرم) کھیتی کی طرح ہیں جس نے (سب سے پہلے) اپنی باریک سی کونپل نکالی، پھر اسے طاقتور اور مضبوط کیا، پھر وہ موٹی اور دبیز ہو گئی، پھر اپنے تنے پر سیدھی کھڑی ہو گئی (اور جب سرسبز و شاداب ہو کر لہلہائی تو) کاشتکاروں کو کیا ہی اچھی لگنے لگی (اللہ نے اپنے حبیب ﷺ کے صحابہ ﷺ کو اسی طرح ایمان کے تناور

(۱) البقرہ، ۲/ ۱۴۳۔

درخت بنایا ہے) تاکہ اِن کے ذریعے وہ (محمد رسول اللہ ﷺ سے جلنے والے) کافروں کے دل جلائے، اللہ نے ان لوگوں سے جو ایمان لائے اور نیک اعمال کرتے رہے مغفرت اور اجرِ عظیم کا وعدہ فرمایا ہے"(۱)

پھر فرمایا:

﴿لَقَدْ رَضِيَ اللَّهُ عَنِ الْمُؤْمِنِينَ إِذْ يُبَايِعُونَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ فَعَلِمَ مَا فِي قُلُوبِهِمْ فَأَنزَلَ السَّكِينَةَ عَلَيْهِمْ وَأَثَابَهُمْ فَتْحًا قَرِيبًا﴾

"بے شک اللہ مومنوں سے راضی ہو گیا جب وہ (حدیبیہ میں) درخت کے نیچے آپ سے بیعت کر رہے تھے، سو جو (جذبہ صدق و وفا) ان کے دلوں میں تھا اللہ نے معلوم کر لیا تو اللہ نے ان (کے دلوں) پر خاص تسکین نازل فرمائی اور انہیں ایک بہت ہی قریب فتح (خیبر) کا انعام عطا کیا"(۲)

اسی طرح ان کا جو مقام مرتبہ رسول پاک ﷺ نے بیان فرمایا ہے! آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

(خدا تعالیٰ نے میرے لیے میرے ساتھی یعنی صحابہ ﷺ کا انتخاب فرمایا پھر ان میں سے کچھ کو میرا داماد بنایا اور کچھ کا مجھے داماد بنایا بس جس نے ان کو گالی دی اس پر خدا تعالیٰ، فرشتوں اور تمام لوگوں کی لعنت ہے۔)

پھر آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

(مجھے میرے صحابہ ﷺ کے بارے میں تکلیف نہ دو تم میں سے اگر کوئی زمین میں جو کچھ ہے اس کے بقدر سونا بھی خرچ کر دے تو ان کے برابر تو در کنار انکا آدھا رتبہ بھی حاصل نہیں کر سکتا۔)

آپ ﷺ نے فرمایا:

(میرے بعد ان کیا قتداء کرو)

اسی طرح مزید فرمایا:

(تم پر میرے بعد میری سنت اور میرے خلفاء راشدین کی سنت پر عمل کرنا ہے۔)

پھر فرمایا:

(میرے صحابہ ﷺ ستاروں کی طرح ہیں جس کی بھی ان میں سے اقتداء کروگے ہدایت پا جاؤ گے۔)

ان فرمودات کے علاوہ بہت سے ارشادات جو ان صحابہ کرام ﷺ کی عزت تکریم اور مقام مرتبہ کے حوالے سے موجود ہیں۔ اے اللہ ہماری ان سے محبت میں برکتیں عطا فرما اور اے ارحم الراحمین قیامت کے دن ان کے زمرے میں

---

(۱) الفتح، ۴۸/ ۲۹۔

(۲) الفتح، ۴۸/ ۱۸۔

ہمارا حشر فرما۔ بلکہ ان کا دین اسلام میں سب سے زیادہ حصہ ہے اور سب سے اعلیٰ راستے پر چلے اور سب سے زیادہ سیدھے رشد ہدایت والے طریق کو تھامنے والے ہیں وہ نور کے امام، ہدایت کے ستارے، دین کے اعلام اور اسلام کے منار ہیں ان کا کلام سراپا حکمت، خاموشی، محبت، خطا، غنیمت، انس، محبت زندگی اور ان کی اقتداء نجات ہی نجات ہے۔ پس ان کے راستے سے ہٹنے والے کے لیے بربادی، ہلاکت ہو۔

ابو مہدی اس کلام میں مزید درج ذیل بات کا اضافہ کرتا ہے:

(میرے والد صاحب ہر اس شخص کو منع کرتے جو صحابہ کرام کے مابین واقع اختلاف کی کوئی بات کرتا بلکہ اس کی بات سنتے جو صحابہ کرام ﷺ کا ذکر خیر کرتا بس ہمارا صحابہ کرام ﷺ سے متعلق یہی عقیدہ ہے۔) ابو مہدی کا صحابہ کرام ﷺ کے بارے میں بات یہاں ختم ہوگئی ہے۔

ابو العباس الدرجینی اپنی کتاب (الطبقات) میں درج ذیل کہتے ہیں:

(سب سے عمدہ طبقہ صحابہ کرام ﷺ ہیں ان کی فضیلت سب سے زیادہ مشہور ان کی طبیقین، مزاج اور نام سب سے زیادہ واضح ہیں۔ لہٰذا وہ اپنے ان ناموں اور سیر توں اپنی باتوں کے محتاج نہیں جس سے دواوین بھرے پڑے ہیں یعنی ان کا تذکرہ محتاج بیان نہیں ہے وہ روشن اور واضح ہیں۔ ان کے آثار راویوں کے سینوں میں محفوظ ہیں وہ دیوانوں میں لکھے جانے کے محتاج نہیں ہیں۔ تالیف تصنیف سے غنی ہیں ان کے لیے رسول پاک ﷺ کا یہ قول مبارک ہی کافی ہے:

(جس نے مجھے ایمان کی حالت میں دیکھا ہے وہ کبھی بد بخت اور محروم نہیں جائے گا۔)

اسی طرح آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

(میری امت میں سب سے افضل میرا زمانہ پھر ان کا جو انسے ملے پھر ان کا جو ان سے ملے یعنی صحابہ کرام اور پھر تابعین اور پھر تابع تابعین کا زمانہ سب سے افضل ہے۔)

جب یہ سب کچھ ثابت ہو گیا تو ہم میں سے کوئی بھی ایسا نہیں جو ان صحابہ کرام ﷺ کی فضیلت کی نفی اور مخالفت کرے ان کے فضائل سے دیوان بھرے پڑے ہیں ہمارے اسلاف میں سے کوئی ایسا نہیں جس نے صحابہ کرام ﷺ کی مخالفت کی ہو۔

ابو الربیع سلیمان الحیلاتی کہتے ہیں:

صحابہ کرام ﷺ میں سے بعض کا انکار ہمارے اوپر جھوٹ اور تہمت ہے حالانکہ ہمارے ہاں تو رسول پاک ﷺ پر درود سلام کا بھی یہ اسلوب ہے۔

(اے اللہ درود، سلام بھیج امی بنی حضرت محمد ﷺ ان کی آل، اصحاب، ازواج مطہرات امہات المومنین اولاد اور آپ کے گھرانے پر درود بھیج بے شک تو تعریف کے لائق اور بزرگی والا ہے۔)

بس جو حسن اخلاق سیرت کا مالک ہے بغض، حسد اور غیبت کی بیماری سے محفوظ ہے اگر وہ اس عبارت میں غور کرے تو یقیناً سمجھ جائے گا کہ ہم نے تو درود، سلام میں آپ کو ﷺ آپ کی آل اولاد صحابہ کرام ﷺ سب کو شامل کیا ہے۔ خدا تعالیٰ کے اس فرمان کی پیروی کی!

﴿ذَٰلِكَ ٱلَّذِي يُبَشِّرُ ٱللَّهُ عِبَادَهُ ٱلَّذِينَ ءَامَنُواْ وَعَمِلُواْ ٱلصَّٰلِحَٰتِۗ قُل لَّآ أَسۡـَٔلُكُمۡ عَلَيۡهِ أَجۡرًا إِلَّا ٱلۡمَوَدَّةَ فِي ٱلۡقُرۡبَىٰۗ وَمَن يَقۡتَرِفۡ حَسَنَةً نَّزِدۡ لَهُۥ فِيهَا حُسۡنًاۚ إِنَّ ٱللَّهَ غَفُورٞ شَكُورٌ﴾

"یہ وہ (انعام) ہے جس کی خوشخبری اللہ ایسے بندوں کو سناتا ہے جو ایمان لائے اور نیک اعمال کرتے رہے، فرما دیجیے: میں اِس (تبلیغ رسالت) پر تم سے کوئی اُجرت نہیں مانگتا مگر (میری) قرابت (اور اللہ کی قربت) سے محبت (چاہتا ہوں)، اور جو شخص نیکی کمائے گا ہم اس کے لیے اس میں اُخروی ثواب اور بڑھا دیں گے۔ بے شک اللہ بڑا بخشنے والا قدر دان ہے"(۱)

یہاں موّدت کا معنی درود اور پیار کرنا ہے ہم نے خدا تعالیٰ کے فضل کرم سے خدا تعالیٰ کے اس فرمان کو وفا کیا ہے۔ بس خدا تعالیٰ جاہل باتونی لوگوں اور ہمارے نفسوں کے اور ظالم قوم کے شر سے ہمیں محفوظ فرمائے۔

(بات کرنے کا جو مقصد تھا وہ یہاں پورا ہو گیا ہے۔)

ابو حفص عمرو بن عیسیٰ التذمیرتی نے ایک طویل قصیدہ مرتب کیا ہے۔ جس میں سے ہم چند موضوع سے متعلق مخصوص اشعار کو یہاں منتخب کر کے پیش کرتے ہیں۔

قصیدۃ

۱. صحابہ کرام ﷺ کے مابین جو بھی معاملات ہوئے وہ سب آپس میں منصبِ صحابیت کے لحاظ سے برابر تھے۔ لہٰذا ہم ان سے متعلق کچھ بھی کہنے سے معذور ہیں۔

۲. وہ سب کے سب اہل ذکاوت اور اصحاب دانش تھے جس راستے پر وہ تھے وہی حق کا سب سے زیادہ واضح چہرہ تھا۔

۳. یہی وجہ ہے کہ تمام لوگوں نے صحابہ کرام ﷺ کے حوالے سے اپنے موقف میں احتیاط برتی ہے یہاں تک کہ ہر اسلامی فرقہ بھی ان کے حوالے سے محفوظ رہا ہے یعنی مذمت اور بے ادبی کی کوئی بات نہیں کہی۔

---

(۱) الشوریٰ، ۴۲/۲۳۔

۴. حالانکہ ان فرقوں کا آپس میں یہ معاملہ ہے کہ اپنوں کی آراء کو درست ثابت کرتے ہیں ااور دیگر اپنے مخالفین فرقوں کی آراء کو عناد، بغض کی بنیاد پر گدلا سمجھتے ہیں اور مذمت کرتے ہیں۔

۵. ہاں کچھ لوگ حضرت امام علیؑ کی جماعت کے ایسے ہیں جنہوں نے جماعتی اور گروہی بنیاد پر شیخین (حضرت ابو بکر صدیق اور عمرِ فاروقؓ) کے بارے میں بات کرتے ہوئے ان پر الزام تراشی کی ہے۔

❖ اقوال کا ذکر کرتے ہوئے وہ کہتے ہیں!

۶. اگر تو دور اندیش اور سلامتی فکر رکھتا ہے تو اس دن کے بارے میں سوچ جس دین تو (المہیمن) یعنی خدا تعالیٰ کے سامنے پیش ہو گا۔

۷. لہٰذا خدا تعالیٰ کے لیے تعصب اور عناد سے بچ اس خوف سے کہ کہیں تو خدا تعالیٰ کے سامنے ایک مکرم انسان کی بجائے مجرم اور ناقص انسان بن کر نہ پیش ہو جائے۔

۸. کسی معاملے میں جس کا تجھے علم نہ ہو اپنا موقف یا رائے قائم مت کر اور نہ ہی عجلت بازی سے کام لے بلکہ ایسی صورت میں خاموش رہنا اور توقف کرنا ہی سلامتی ہے۔

۹. بس تو صرف رسولِ ہاشمی کے امر، نھی پر مبنی فرمودات اور ارشادات پر عمل کرنے پر ہی اکتفا کر اپنی رائے کو ثابت کرنے اور غالب کرنے کو کوشش مت کر۔

❖ پھر وہ اسی معنیٰ کی تاکید بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں!

۱۰. تو بس ان صحابہ کرامؓ کے حوالے سے نرمی برت اور ان سے راضی رہ یہ ان کا ہمارے اوپر حق ہے کہ ہم ہر حال میں ان سے راضی رہیں۔

۱۱. ان کے کافی سارے آثار وارد ہوئے ہیں جن میں ظاہری طور پر تعارض ہے اور معنوی حوالے سے وہ غیر واضح اور مبہم ہیں۔

۱۲. ان سے جو افعال سرزد ہوئے ہیں ہو سکتا ہے ان میں کوئی ناقابلِ فہم ایسی حکمت ہو جس کو ہم نہیں جانتے۔

❖ اس معنیٰ کو مزید وضاحت کے لیے یوسف کے بھائیوں کے قصے کو بطور حجت اور دلیل پیش کرتے ہوئے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی اپنے بھائی یوسف کے لیے اقدام قتل اور اپنے باپ سے جھوٹ بولنے کے سبب کوئی پکڑ نہیں کی تھی کہتے ہیں!

۱۳. خیر الخلق رسول پاک ﷺ نے ان کی مدح کرتے ہوئے فرمایا تھا میرے صحابہؓ میں سے کسی کی بھی اتباع کرو گے تو ہدایت پا جاؤ گے۔

۱۴. مزید ان کے حوالے سے بات کرنے سے ڈراتے ہوئے فرمایا اگر تم بات کرتے کرتے ان کے ذکر تک پہنچ جاؤ تو خود کو لگام دے لو بالکل کوئی بات بھی مت کرو خاموش ہو جاؤ۔

۱۵. بہت سی روایات میں آیا ہے یہ صحابہ کرام ؓ آپس میں قاتل اور مقتول دونوں جنت میں جائیں گے اور اس کی نعمتوں سے سرفراز ہوں گے۔

۱۶. تخصیص کی کوئی گنجائش نہیں یہ صحابیت کا لقب اور مقام عمومی اعتبار سے سب کے لیے برابر ہے وہ سب اس میں یکساں شامل ہیں اور اس حوالے سے رسول پاک ﷺ کی بہت سی احادیث مبارکہ میں وارد ہوئی ہیں۔

اس قصیدے کو پیش کرنے کا مقصد یہاں اپنی انتہا کو پہنچا۔

ابو یحی زکریاء بن یونس الفرسطائی نے کہا ہے (میں حج کے موقع پر بیت اللہ شریف کا طواف جب مکمل کر چکا تو ایک شخص نے میرا ہاتھ پکڑا اور لوگوں سے نکال کر باہر ایک طرف لے آیا اور مجھ سے حضرت علی ؓ کے بارے میں سوال کیا میں نے کہا مسلمانوں کا ہیرو اور شیر ہے مشرکین کا قاتل یعنی ان سے جہاد کرنے والا اور عالمین کے رسول ﷺ کے چچا کا بیٹا ہے ان کے بہت سے فضائل ہیں۔)

شیخ محمد بن ابو القاسم المصعبی اپنے اس رسالے میں ذکر کیا ہے جو آپ نے ان لوگوں کے رد میں لکھا تھا جنہوں نے الجزائر میں اباضیوں سے متعلق ناحق اقوال کہے تھے اس میں مصعبی نے اباضی عقیدے کو وضاحت کے ساتھ پیش کیا آخر پر کہا:

(ہم اس دین پر ہیں جو کتاب، سنت پر مشتمل ہے اور جس پر صحابہ کرام ؓ مہاجرین، انصار تابعین اور تابع تابعین احسان کے ساتھ قائم تھے۔ صحابہ کرام ؓ کے بارے میں ہمارا عقیدہ یہ ہے کہ وہ تمام عدول ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے اولیاء اور اس کا حزب ہیں۔)

باری تعالیٰ کا جیسے فرمان ہے:

﴿لَّا تَجِدُ قَوْمًا يُؤْمِنُونَ بِٱللَّهِ وَٱلْيَوْمِ ٱلْءَاخِرِ يُوَآدُّونَ مَنْ حَآدَّ ٱللَّهَ وَرَسُولَهُۥ وَلَوْ كَانُوٓا۟ ءَابَآءَهُمْ أَوْ أَبْنَآءَهُمْ أَوْ إِخْوَٰنَهُمْ أَوْ عَشِيرَتَهُمْ ۚ أُو۟لَـٰٓئِكَ كَتَبَ فِى قُلُوبِهِمُ ٱلْإِيمَـٰنَ وَأَيَّدَهُم بِرُوحٍ مِّنْهُ ۖ وَيُدْخِلُهُمْ جَنَّـٰتٍ تَجْرِى مِن تَحْتِهَا ٱلْأَنْهَـٰرُ خَـٰلِدِينَ فِيهَا ۚ رَضِىَ ٱللَّهُ عَنْهُمْ وَرَضُوا۟ عَنْهُ ۚ أُو۟لَـٰٓئِكَ حِزْبُ ٱللَّهِ ۚ أَلَآ إِنَّ حِزْبَ ٱللَّهِ هُمُ ٱلْمُفْلِحُونَ﴾

"آپ اُن لوگوں کو جو اللہ پر اور یوم آخرت پر ایمان رکھتے ہیں کبھی اس شخص سے دوستی کرتے ہوئے نہ پائیں گے جو اللہ اور اُس کے رسول (ﷺ) سے دشمنی رکھتا ہے خواہ وہ اُن کے باپ (اور دادا) ہوں یا بیٹے (اور پوتے) ہوں یا اُن کے بھائی ہوں یا اُن کے قریبی رشتہ

دار ہوں۔ یہی وہ لوگ ہیں جن کے دلوں میں اُس (اللہ) نے ایمان ثبت فرما دیا ہے اور انہیں اپنی روح (یعنی فیضِ خاص) سے تقویت بخشی ہے، اور انہیں (ایسی) جنتوں میں داخل فرمائے گا جن کے نیچے سے نہریں بہہ رہی ہیں، وہ اُن میں ہمیشہ رہنے والے ہیں، اللہ اُن سے راضی ہوگیا ہے اور وہ اللہ سے راضی ہوگئے ہیں، یہی اللہ (والوں) کی جماعت ہے، یاد رکھو! بے شک اللہ (والوں) کی جماعت ہی مراد پانے والی ہے"[1]

بس یہی ہمارا عقیدہ اور اس پر ہی ہمارا اعتماد ہے وہ یہ کہ اللہ تعالیٰ ہمارا رب ہے۔ محمد مصطفیٰ ﷺ ہمارے نبی قرآن پاک ہمارا امام کعبہ شریف ہمارا قبلہ اور صحابہ کرام ﷡ ہمارے لیے قدوۃ اور نمونہ ہیں۔

خدا تعالیٰ نے صحابہ کرام ﷡ کی مدح، تعریف میں ایک اور مقام پر بھی ارشاد فرمایا ہے!

پھر آپ نے اس آیت کا ذکر کیا جو عمومی طور پر صحابہ کرام ﷡ کے بارے میں آئی اس کے بعد وہ آیت ذکر کی جس کے بارے میں کہا گیا ہے کہ یہ آیت بعض مخصوص صحابہ کرام ﷡ کے لیے نازل ہوئی ہے اس کے بعد انہوں نے صحابہ کرام ﷡ سے متعلق عمومی اور خصوصی اعتبار سے وارد ہونے والی احادیث کا ذکر کیا ہے۔ خدا تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہمیں ان کے طریق پر ثابت قدم اور ان کے راستے کی پیروی کی توفیق عطا فرمائے رہی ان کے مابین ہونے والی جنگیں تو بس خدا تعالیٰ نے ہمارے ہاتھوں کو ان سے پاک (یعنی بچایا ہے) فرمایا ہے اور ہماری زبانوں کو ان کی بے ادبی سے بچایا ہے۔ رسولِ پاک ﷺ نے ارشاد فرمایا:

(جب میرے صحابہ ﷡ کا ذکر ہو تو ٹھہر جاؤ کچھ مت بولو)

امام ابو اسحاق ابراہیم اطفیش نے استاد محمد بن عقیل العلوی کے رد میں کہا ہے جو کہ اس کے ایک چھوٹے سے مختصر رسالے (انقدالجلیل للعتب الجمیل) میں درج ذیل بیان ہوا ہے:

(جو تو نے اہل استقامت ابو الحسن علی بن ابو طالبؓ اور ان کے بیٹوں کے حوالے سے مذمت اور بدگوئی کا گمان کیا ہے وہ سراسر جعل سازی اور خرافات میں سے ہے اس کی کوئی حقیقت نہیں ہے۔)

اسی کتاب میں مزید بیان کرتے ہیں:

(اصحابِ رسول ﷺ ولایت، خلافت کے حکم کی تطبیق کے حوالے سے آزاد ہیں اور بالاتر ہیں رہی بات رغبت اور خواہش کی تو یہ ہر فرد پر منطبق ہوتی ہے چاہے وہ مقام کے لحاظ سے جتنا ہی عظیم کیوں نہ ہو کیوں کہ نبی یا رسول ہی معصوم ہوتے ہیں رہی بات صحابہ کرام ﷡ کی تو ان کے صحابیت کی صفت جو کہ افضل الخلق محمد مصطفیٰ ﷺ کی صحبت سے میسر آئی ہے

---

(۱) المجادلۃ،۵۸/۲۲۔

اس میں ان کا کوئی اور ہمسر نہیں ہو سکتا پھر انہوں نے جو اعلاء کلمہ حق کی خاطر راہ خدا میں اپنا خون بہایا اس میں بھی کوئی ان کا ہمسر اور ہم پلہ نہی ہو سکتا۔ لہٰذا ان کے حوالے سے کچھ بھی لکھنے سے گریز کرو اور خود کو روکے رکھو۔

کچھ سطروں کے بعد پھر بیان کرتے ہیں:

(ہاں اثبات اور بیان کے بعد اگر کسی کی غلطی کی وضاحت بغیر سب شتم کے کرنے میں کوئی حرج بھی نہیں ہے۔)

لیکن اگر عمومی طور پر ان صحابہ کرام ﷺ کے بارے میں وارد ہونے والی احادیث کو تھام لیں اور معاملہ خدا تعالیٰ کے سپرد کر دیں تو افضل ہے اور وہ شخص محسن ہو گا۔)

مزید اسی کتاب میں کہا ہے:

(صحابہ کرام ﷺ میں سے کوئی بھی ایسا نہیں جس کی سب، شتم کسی بھی دن کی گئی ہو سوائے (غلاۃ) کے انہوں نے کسی حد تک یہ جرأت کی ہے۔ لیکن یہ مرفوع القلم ہیں بالکل منفرد اور الگ تھلگ ان کی زد سے کوئی بھی نہیں بچ سکا ہم ان کو قابلِ ذکر ہی نہیں سمجھتے۔)

پھر قطب آئمہ نے سیدنا عثمان بن عفان ﷺ کے بارے میں بیان کیا ہے:

(رسول پاک ﷺ سے چھ سال پہلے پیدا ہوئے ذولنورین کے لقب سے سرفراز کیے گئے کیونکہ آپ ﷺ کی دو بیٹیوں (رقیہ اور اُم کلثوم) سے شادی کی تھی آپ ﷺ نے آپ ﷺ کے بارے میں فرمایا تھا۔ اگر میری چالیس بیٹیاں ہوتیں تو میں یکے بعد دیگرے ایک کے بعد ایک کی شادی ان سے کرتا یہاں تک کہ میرے پاس ان میں سے ایک بھی باقی نہ بچتی اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ آپ ﷺ زمانہ جاہلیت اور اسلام دونوں میں کرم اور فیاض ہی تھے۔)

اسی طرح القطب نے حضرت امام علی ﷺ بن ابو طالب کے بارے میں ذکر کیا ہے:

(وہ یہ ہیں جو اس قدر شہرت کے درجے پر فائز ہوئے کہ ان کے فضائل نسب، زہد، عقل، شعور، علم، عدل اور شجاعت محتاج بیان ہی نہیں ہیں۔)

اس ساری گفتگو کے بعد اے محترم قاری میں واپس فصل کی ابتداء کی طرف لوٹنا چاہتا ہوں تا کہ ہم سابقہ کچھ فقروں کا جائزہ لے سکیں۔

ابو مہدی عزابۃ کے شیخ تھے انہوں نے اپنے رسالے میں لکھا ہے کہ انہوں نے اس کو عزابۃ کی کونسل سے منظوری کے بعد بھیجا آپ نے دیباچے میں جو کہا ہے درج ذیل ہے:

(عزابۃ بن معصب حفظہم اللہ ورعاہم کی زبان حاضر اور حالتِ غیب سے محترم شیخ ابو علی بن شیخ ابو الحسن علی البھلولی کے نام۔ اسلام علیکم! اس میں کوئی شک نہیں کہ عزابۃ ایک ایسی دینی کونسل ہے جو اباضی مذہب کی ترجمان ہے اور اس کی کسی بھی معاملے میں رائے رسمی اور اباضیوں کے ہاں معتمد ہے اگرچہ کچھ لوگوں نے صرف مفروضہ قائم کیا ہے اور اس پر بنیاد رکھتے ہوئے اس مسئلہ میں مخالفت کی ہے۔

اس خط سے یہ واضح ہوتا ہے کہ یہ اس تہمت کا رد تھا جو بعض صحابہ کرام ﷺ کے حوالے سے اباضیوں پر لگائی گئی تھی اسی طرح صحابہ کرام ﷺ کے دفاع میں تھا اور اس بات کی وضاحت کی گئی کہ اباضیوں کا عقیدہ ایسا نہیں بلکہ یہ ایک خرافاتی اور جعل سازی پر مبنی بے بنیاد جھوٹی تہمت ہے اس میں انہوں نے اپنے عقیدے کی مکمل وضاحت کرتے ہوئے یہ بیان کیا ہے کہ صحابہ کرام ﷺ کو وہ اسی مقام مرتبے پر رکھتے ہیں جو خدا تعالیٰ نے ان کے لیے اختیار کیا ہے۔ اباضیوں کے حوالے سے یہ افواہ بہت سی مختلف جہات سے پھیلی لوگ اس افواہ کی بدولت اباضیوں کو برے لقب دینے لگے اور ان کو اپنے دفاع اور اس افواہ کی تکذیب کے لیے جوابات دینے پر مجبور کر دیا۔ لہٰذا اس موضوع سے متعلق بہت سے رسالے اور علماء اباضیہ کی جانب سے جوابات تحریر کیے گئے ان میں سے ابو مہدی کا رسالہ علی البھلولی کے رد میں، قطب کے رسائل محمد الطاہر، العقبی اور مصطفیٰ کامل کے رد میں انہی رسائل میں سے ابو الربیع الحیلاتی کا ایک خط ہے۔ جس کی کتابت کے سبب کو سعید التعارینی نے ذکر کیا ہے۔

ہم یہاں اس کا خلاصہ پیش کرتے ہیں!

(بعض مال، دولت اور غنائم کے پجاریوں نے کچھ عرب دیہاتیوں کو جربۃ اور ان کے گورنروں کے خلاف بھڑکایا کہ اہل جربۃ جو کہ اباضی ہیں مسلمانوں کی بعض ایسے امور میں مخالفت کر رہے ہیں جن کی بدولت ان کا خون اور مال حلال ہو جاتا ہے۔ اس تہمت کے سبب کی جانب سے اہل جزیرۃ جو کہ غفلت کی نیند سو رہے تھے پر حملہ تشکیل پاتا ہے تاکہ ان کو شکست دی جاسکے لیکن وہ حملہ ناکام ہو جاتا ہے اہل جزیرۃ کو حملہ آوروں پر فتح حاصل ہو جاتی ہے بہت سے ان میں سے قیدی ہاتھ لگتے ہیں جن میں کچھ بڑھا چڑھا کہ بات کرنے والے باتونی لوگ بھی ہوتے ہیں جب جربۃ کے بعض مشائخ نے ان سے سرکشی اور حملے کے حوالے سے پوچھا کہ انہوں نے ان پر کیوں حملہ کیا۔ حالانکہ وہ ان کے دینی بھائی ہیں؟ جبکہ اہل جربۃ نے ان دیہاتی عربوں پر حملے میں پہل بھی نہیں کی اور نہ ان سے کوئی بد سلوکی کی ہے پھر بھی کیوں انہوں نے ان پر حملہ کیا ہے اور یہ سرکشی کیوں کی ہے؟

تو ایک باتونی شخص نے جو بات بڑھا چڑھا کر کرنے کا عادی تھا جواب دیا! جس نے ہمیں تم پر حملہ کرنے اور تمہارا خون بہانے کی دعوت دی تھی اس نے ہمیں یہ بتایا تھا کہ تم مسلمانوں کے مخالفین ہو مسلمانوں سے مخالفت کرتے ہو پھر اس نے چند ایک وہ اختلافی مسائل بھی بتا دیے جو ان کے صاحب نے ان کو بتائے تھے جن میں بعض مسائل علم الکلام سے متعلق

تھے جو بڑے مشہور معروف تھے جیسا کہ رؤیت الٰہی صفات اور خلق قرآن یعنی قرآن کا مخلوق ہونا وغیرہ پھر یہ بھی کہا کہ ہمیں بتایا گیا ہے تم صحابہ کرام ﷺ کو بھی ناپسند کرتے ہو۔

ابو الربیع الحیلاتی نے اس شخص کو جواب دیتے ہوئے ان مسائل کا جائزہ لیا جو علم الکلام سے متعلق تھے اور توحید کے موضوع میں مشہور معروف تھے پھر صحابہ کرام ﷺ کے بارے میں اباضیوں کی رائے اور موقف پیش کیا جس کو ہم پہلے پیش کر چکے ہیں۔

اگر تم ابو العباس الدرجینی کی تحریر کی طرف رجوع کرو اور غور کرو تو بغیر کسی شک کے یہ محسوس کرو گے کہ اباضیوں نے تو تمام صحابہ کرام ﷺ کو بغیر کسی تخصیص کے وہ اعلیٰ ارفع مقام دیا ہے جو اسلام نے ان کو دے رکھا ہے۔

ابو حفص عمرو بن عیسی التندمیرتی بھی اس مسلک پر چلے ہیں اور یہ واضح کرنے کی کوشش کی ہے کہ مسلمان کے لیے یہ مناسب نہیں کہ وہ لایعنی باتوں اور موضوعات میں مداخلت کرے اور صحابہ کرام ﷺ کے مابین جو فتنے واقع ہوئے ان کے حوالے سے اپنی زبان کو لگام دیتے ہوئے ان کا معاملہ خدا تعالیٰ کے سپرد کر دے وہ احکم الحاکمین ہے ایک مسلمان پر یہ واجب ہے کہ وہ تمام صحابہ سے پیار محبت اور انکا ادب کرے اسی طرح وہ ہمارے لیے یہ واضح کرنا چاہتا ہے کہ ان کے اگر کچھ معاملات بظاہر خلاف شریعت نظر آتے ہیں تو ان میں کوئی نہ کوئی ایسی پوشیدہ حکمت ہے جو ہم نہیں جانتے جس کو صرف خدا تعالیٰ کی ذات ہی بہتر جانتی ہے۔ خدا تعالیٰ ان کو ضرور معاف کرے گا۔ اس لحاظ سے کہ ان کو اپنے پیارے محبوب کی صحبت کے لیے اختیار فرمایا اس بات کی وضاحت کے لیے وہ حضرت یوسف ان کے باپ اور بھائیوں کے قصے سے استدلال کرتا ہے۔

وہ سب یوسف کے قتل پر متفق ہوئے پھر ان کو کنویں میں پھینکا اور اپنے باپ یعقوب ؑ سے جھوٹ بولا یہ تمام افعال اتنے چھوٹے اور سہل نہیں جن کو بھلا دیا جائے لیکن پھر بھی خدا تعالیٰ نے یوسف ؑ کے بھائیوں کے افعال پر پکڑ نہیں کی بلکہ ان کو معاف کر دیا۔

رہی بات القطب اور ابو یحیٰ کی تو انہوں نے حضرت ابو بکر صدیق اور حضرت عثمان غنی کے بارے میں عقیدت کا اظہار کیا ہے اور ان کی عظمت مقام کو بیان کیا ہے اپنے عقیدے کا بھرپور اظہار کیا اس کی وجہ یہ ہے کہ انہی دو عظیم شخصیتوں کے حوالے سے امتِ اسلامیہ میں ہنگامہ آرائی اور اختلافات پائے جاتے ہیں۔ لہٰذا اس حوالے سے انہوں نے بھرپور تجزیہ کیا ہے جو کہ شیخ سعید التعاریتی کے قلم سے بھی جاری ہوا۔ مصطفیٰ بن کامل الطرابلسی کے رد میں التعاریتی نے بھی صحابہ کرام ﷺ کے موضوع سے متعلق تجزیہ کیا خاص طور پر حضرت ابو بکر صدیق اور حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنھم اجمعین کے حوالے سے اپنی عقیدت کا اظہار کرتے ہوئے اپنے عقیدے کو واضح کیا ہے۔

میرا دل چاہتا ہے کہ محترم قاری بھی ان کے اس مناقشے اور تجزیے سے کچھ لطف اندوزی کرے کیونکہ وہ بہت دلچسپ ہے۔

التعاریتی اپنی کتاب (المسلك المحمود) کی ابتدا میں صفحہ ۱۸ پر درج ذیل بیان کیا ہے:

(وہ سب کچھ کتنا ہی عجیب تر ہے جو ابن کامل مصطفی نے تجاہل ظلم اور سب، شتم کرتے ہوئے ہماری طرف منسوب کیا ہے یہاں تک کہ تہمت اور جھوٹ میں اس کی زبان اس حد تک دراز ہو گئی کہ اس نے اباضیوں کے بارے میں کہہ دیا کہ اِنہوں نے حضرت علیؓ کا معاذاللہ انکار کر دیا ہے۔ جبکہ صحابہ کرامؓ سے متعلق ہمارا عقیدہ تو یہ ہے کہ وہ صحابیت کے اعتبار سے سب یکساں اصفیاء اور ابرار ہیں۔ خدا تعالیٰ نے اپنی مخلوق میں سے ان کو اپنے پیارے محبوب ﷺ کی صحبت کے لیے چنا ہے۔)

کچھ سطروں کے بعد کہتے ہیں!

(یہ کیسے ممکن ہے اس شخص کے لیے جو خدا تعالیٰ (الحیی القیوم) پر ایمان رکھتا ہو اور حضور ﷺ کے داماد سے کفر کرے اور انکار کرے جس نے کبھی بھی کسی بت کے سامنے سجدہ نہیں کیا تھا۔)

پھر ان آیات کا ذکر کیا جو امام علیؓ یا آلِ بیت سے متعلق نازل ہوئی اسی طرح ان احادیث کو بیان کیا صحابہ کرامؓ کے حوالے سے وارد ہوئیں تھی۔ اس سب کے بعد کہتے ہیں!

(ان کے علاوہ دیگر آیات مروی احادیث اور آثار ماثورۃ جو حضرت علیؓ کی عمومی اعتبار اور خصوصی طور سے فضیلت پر دلالت کرتی ہیں۔

اس حضرت علیؓ کے برابر اور ہمسر کون ہو سکتا ہے جو سب سے زیادہ فصیح اور عِلم رکھنے والے ہیں یہاں تک کہ سبطین (حضرت امام حسنؓ اور حضرت امام حسینؓ) کے والد ہیں اس رتبے میں ان کو کوئی ہمسر نہیں ہو سکتا ان کا انکار کیسے کیا جا سکتا ہے۔ ہماری تو کتابیں ان کی ثنا اور روایات سے بھری پڑی ہیں۔)

پھر اس نے بدر التلاتی کی کتاب (نزهة الأديب وريحانة اللبيب) سے استدلال کیا ہے اس کے بعد کچھ دیوانِ تلاتی سے اشعار کو بطور ااستشہاد کے پیش کیا ہے۔

جو درج ذیل ہیں:

۱. رسولِ پاک ﷺ کی بیٹی فاطمہ ان کے شوہر حضرت علیؓ اور ان کے بیٹے امام حسن، امام حسین یہی تو آلِ بیت ہیں جن کا نور اور روشنی ہر سو پھیل چکی ہے۔

۲. یہ آلِ بیت رضا الٰہی کے پیکر ہیں یہاں تک کہ جس نے بھی ان کی غلامی کا پٹہ اپنی گردن میں ڈال لیا رب تعالیٰ کی رضا اس کا بھی مقدر بن جاتی ہے۔

پھر امام حضرمی کے اشعار میں سے چند کو بطور استشہاد کے پیش کیا!

۳. یہ ام القریٰ (یعنی مکہ مکرمہ) جس میں آج بھی اس عظیم ذات حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کے عزائم اور آثار قائم ہیں۔ آپ ﷺ کی عظیم ذات ایک ایسا خالص عنصر تھی جس کی جڑیں حضرت علی اور حضرت فاطمہ کی صورت میں پھیلیں۔

پھر وہ ابو حفص عمرو بن عیسی اتند میرتی کے اشعار میں سے کچھ بطور استشہاد پیش کرتا ہے۔

درود سلام ہو ہادی حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ جن کے بدن سے نکلنے والے عنبر خوشبو کو کائنات کی ہر چیز یہاں تک کہ صحراؤں کی ریت نے اپنے اند چھپالیا اور جذب کر لیا ہے۔ ریت کے ذروں کے برابر آپ ﷺ پر درود، سلام ہو اور آپ کی آل اصحاب پر موسلہ دھار بارش کی طرح سلام ہو خاص طور پر حضرت ابو بکر صدیق، حضرت عمر فاروق جامع القرآن حضرت عثمان اور حضرت علی خدا کے شیر اور شجاعت کے ہیرو پر بھی سلام ہو۔

اس کے بعد اس نے اس موضوع سے متعلق شیخ ابوستہ کی ایک نہایت ہی دلچسپ فصل کو نقل کیا ہے!

(اگر تو اپنے ذہن میں وہ سب کچھ جو ہم نے بیان کیا اور جس کا ہم نے استدلال کیا ہے غور کرے تو پتہ چلے گا جو کچھ صحابہ کرام ﷺ کے متعلق اباضیوں کی طرف منسوب کیا گیا وہ لایعنی اور بے بنیاد ہے سراسر جہالت ہے۔ حالانکہ ہم نے جو کچھ پیش کیا ہے وہ عدول کا راستہ ہے تمام صحابہ کرام ﷺ یکساں ہیں قابلِ تقلید ہیں جیسا کہ رسول پاک ﷺ سے منقول ہے۔

میرے خیال میں جتنا کچھ ہم نے پیش کر دیا ہے اباضیوں کا صحابہ کرام ﷺ سے متعلق عقیدے کے حوالے سے کافی ہے خاص طور پر امیر المومنین حضرت امام علی ﷺ سے متعلق عقیدے کے حوالے سے مکمل وضاحت کر دی گئی ہے اور ہمارا یہ استدلال اس تہمت کے لیے بھی کافی ہے جو بغض صحابہ کرام ﷺ کے حوالے سے اباضیوں پر لگائی گئی تھی میرا نہیں خیال کہ کوئی بھی ایسا مسلمان جس کا دل ایمان سے لبریز ہو کسی بھی صحابی ﷺ کے بارے میں بغض رکھتا ہو اس میں کوئی شک نہیں کہ ان صحابہ کرام ﷺ کی چھوٹی سی منزل بھی ہمارے مقام مرتبہ میں سے زیادہ بلند ارفع ہے۔ اگر کسی شخص کا ایمان اور عقیدہ اس کو رسول پاک ﷺ صحابہ کرام اور آل بیت کی محبت تک نہ پہنچائے اور اس کو ادب نہ سکھائے تو اس کے لیے بھی رسول پاک ﷺ کا فرمان کافی ہوتا چاہیے (جب میرے صحابہ تک بات کرتے کرتے پہنچ جاؤ تو اپنی زبانوں کو لگام دے لو خاموش ہو جاؤ کچھ مت کہو اسی طرح آپ ﷺ نے فرمایا (میری خاطر میرے صحابہ ﷺ کو چھوڑ دو ان کو برا بھلا مت کہو۔)

اسی طرح اگر کوئی زیادہ ہی بغض، عناد کا شکار ہے اور کسی کی بات پر کان نہیں دھرتا وہ کم از کم صحابیٔ رسول عبد اللہ بن عمر ﷺ کی بات ہی مان لے جب ان سے حضرت عثمان غنی ﷺ کے بارے میں سوال کیا گیا تو انہوں نے قرآن پاک سے یہ تلاوت کی:

﴿تِلْكَ أُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَلَكُم مَّا كَسَبْتُمْ وَلَا تُسْأَلُونَ عَمَّا كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿١٣٤﴾ وَقَالُوا كُونُوا هُودًا أَوْ نَصَارَىٰ تَهْتَدُوا قُلْ بَلْ مِلَّةَ إِبْرَاهِيمَ حَنِيفًا وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِينَ ﴿١٣٥﴾ قُولُوا آمَنَّا بِاللَّهِ وَمَا أُنزِلَ إِلَيْنَا وَمَا أُنزِلَ إِلَىٰ إِبْرَاهِيمَ وَإِسْمَاعِيلَ وَإِسْحَاقَ

وَيَعْقُوبَ وَٱلْأَسْبَاطِ وَمَآ أُوتِيَ مُوسَىٰ وَعِيسَىٰ وَمَآ أُوتِيَ ٱلنَّبِيُّونَ مِن رَّبِّهِمْ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ
أَحَدٍ مِّنْهُمْ وَنَحْنُ لَهُۥ مُسْلِمُونَ ﴿١٣٦﴾ فَإِنْ ءَامَنُوا۟ بِمِثْلِ مَآ ءَامَنتُم بِهِۦ فَقَدِ ٱهْتَدَوا۟ ۖ وَّإِن تَوَلَّوْا۟
فَإِنَّمَا هُمْ فِى شِقَاقٍ ۖ فَسَيَكْفِيكَهُمُ ٱللَّهُ ۚ وَهُوَ ٱلسَّمِيعُ ٱلْعَلِيمُ ﴿١٣٧﴾ صِبْغَةَ ٱللَّهِ ۖ وَمَنْ أَحْسَنُ
مِنَ ٱللَّهِ صِبْغَةً ۖ وَنَحْنُ لَهُۥ عَٰبِدُونَ ﴿١٣٨﴾ قُلْ أَتُحَآجُّونَنَا فِى ٱللَّهِ وَهُوَ رَبُّنَا وَرَبُّكُمْ وَلَنَآ
أَعْمَٰلُنَا وَلَكُمْ أَعْمَٰلُكُمْ وَنَحْنُ لَهُۥ مُخْلِصُونَ ﴿١٣٩﴾ أَمْ تَقُولُونَ إِنَّ إِبْرَٰهِـۧمَ وَإِسْمَٰعِيلَ
وَإِسْحَٰقَ وَيَعْقُوبَ وَٱلْأَسْبَاطَ كَانُوا۟ هُودًا أَوْ نَصَٰرَىٰ ۗ قُلْ ءَأَنتُمْ أَعْلَمُ أَمِ ٱللَّهُ ۗ وَمَنْ أَظْلَمُ
مِمَّن كَتَمَ شَهَٰدَةً عِندَهُۥ مِنَ ٱللَّهِ ۗ وَمَا ٱللَّهُ بِغَٰفِلٍ عَمَّا تَعْمَلُونَ ﴿١٤٠﴾ تِلْكَ أُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ ۖ لَهَا
مَا كَسَبَتْ وَلَكُم مَّا كَسَبْتُمْ ۖ وَلَا تُسْـَٔلُونَ عَمَّا كَانُوا۟ يَعْمَلُونَ﴾

"وہ ایک امت تھی جو گزر چکی، ان کے لیے وہی کچھ ہوگا جو انہوں نے کمایا اور تمہارے لیے وہ ہوگا جو تم کماؤ گے اور تم سے ان کے اعمال کی باز پُرس نہ کی جائے گی ٥ اور (اہلِ کتاب) کہتے ہیں یہودی یا نصرانی ہو جاؤ ہدایت پا جاؤ گے، آپ فرما دیں کہ (نہیں) بلکہ ہم تو (اس) ابراہیم (علیہ السلام) کا دین اختیار کیے ہوئے ہیں جو ہر باطل سے جدا صرف اللہ کی طرف متوجہ تھے، اور وہ مشرکوں میں سے نہ تھے ٥ (اے مسلمانو!) تم کہہ دو ہم اللہ پر ایمان لائے اور اس (کتاب) پر جو ہماری طرف اتاری گئی اور اس پر (بھی) جو ابراہیم اور اسماعیل اور اسحق اور یعقوب (علیہم السلام) اور ان کی اولاد کی طرف اتاری گئی اور ان (کتابوں) پر بھی جو موسیٰ اور عیسیٰ (علیہما السلام) کو عطا کی گئیں اور (اسی طرح) جو دوسرے انبیاء (علیہم السلام) کو ان کے رب کی طرف سے عطا کی گئیں، ہم ان میں سے کسی ایک (پر بھی ایمان) میں فرق نہیں کرتے، اور ہم اسی (معبودِ واحد) کے فرمانبردار ہیں ٥ پھر اگر وہ (بھی) اسی طرح ایمان لائیں جیسے تم اس پر ایمان لائے ہو تو وہ (واقعی) ہدایت پا جائیں گے، اور اگر وہ منہ پھیر لیں تو (سمجھ لیں کہ) وہ محض مخالفت میں ہیں، پس اب اللہ آپ کو ان کے شر سے بچانے کے لیے کافی ہوگا، اور وہ خوب سننے والا جاننے والا ہے ٥ (کہہ دو ہم) اللہ کے رنگ (میں رنگے گئے ہیں) اور کس کا رنگ اللہ کے رنگ سے بہتر ہے اور ہم تو اسی کے عبادت گزار ہیں ٥ فرما دیں: کیا تم اللہ کے بارے میں ہم سے جھگڑا کرتے ہو حالاں کہ وہ ہمارا (بھی) رب ہے، اور تمہارا (بھی) رب ہے اور ہمارے لیے ہمارے اعمال اور تمہارے لیے تمہارے اعمال ہیں، اور ہم تو خالصتاً اسی کے ہو چکے ہیں ٥ (اے اہلِ کتاب!) کیا تم یہ کہتے ہو کہ ابراہیم اور اسماعیل اور اسحق اور یعقوب (علیہم السلام) اور ان کے بیٹے یہودی یا نصرانی تھے، فرما دیں: کیا تم زیادہ جانتے ہو یا اللہ؟ اور اس سے بڑھ کر ظالم کون ہوگا جو اس گواہی کو

چھپائے جو اس کے پاس اللہ کی طرف سے (کتاب میں موجود) ہے، اور اللہ تمہارے کاموں سے بے خبر نہیں ٥ وہ ایک جماعت تھی جو گزر چکی، جو اس نے کمایا وہ اس کے لیے تھا اور جو تم کماؤ گے وہ تمہارے لیے ہوگا، اور تم سے ان کے اعمال کی نسبت نہیں پوچھا جائے گا ٥"(۱)

یا پھر عمر بن عبدالعزیز کی بات ہی سُن لے جب ان سے صحابہ اکرام ﷺ کے مابین واقع جھگڑے کے حوالے سے پوچھا گیا تو انہوں نے نہایت ہی دلچسپ بات کہی (وہ پاک خون ہے جس سے خدا تعالیٰ نے ہمارے ہاتھوں کو پاک کیا ہے یعنی بچایا ہے۔ لہٰذا ہم اپنی زبانوں کو اس کے حوالے سے کچھ کہنے سے گدلہ اور پراغندہ نہیں کرتے۔)

اس فصل کے اختتام پر میں یہ کہنا چاہوں گا کہ صحابہ کرام ﷺ سے متعلق بات بڑی واضح اور روشن ہے یہ ہنگامہ آرائیوں حماقتوں اور متعصب دعوتوں سے بہت دور ہے۔ یہ ایک ایسا موضوع ہے۔ جس میں نہ تو کوئی غموض ہے اور نہ ہی کوئی غبار بالکل واضح ہے وہ تمام سچے مومن اور ہر منافق کے دشمن ہیں جیسا کہ ایک مسلمان کو ان سے ذرا سا بھی بغض زیب نہیں دیتا اور نہ ہی ان سے متعلق مسلمانوں سے جنگ جدل زیب دیتا ہے یہ کیسا مسلمان ہے جو صحابہ ﷺ سے متعلق موضوع کے حوالے سے مسلمانوں کی صفوف میں فتنہ ڈالتا ہے اور ظاہر کرتا ہے کہ وہ ان کا محب ہے کسی بھی اسلامی مذہب یا فرقے سے تعلق رکھنے والا ایسا کوئی مسلمان ہے جو صحابہ کرام ﷺ کے بارے میں ان کی عزت عظمت مقام مرتبہ کے شایانِ شان اپنے دل میں عظمت نہیں رکھتا۔ ایسے فتنہ پرور شخص کو چاہیے کہ وہ اپنے دل کو توبہ استغفار سے پاک کرے ان کی محبت اور دوستی کے ذریعے اپنے بغض کی گندگی کو صاف کرے اس شخص سے بڑھ کر کوئی بھی کافر نہیں ہو سکتا جو ان صحابہ کرام ﷺ کے حوالے سے اپنے دل میں بغض رکھتا ہو۔ جن کو خدا اور اس کے پیارے رسول ﷺ نے تیرا صدیاں پہلے محبت کی اور پسند فرمایا تھا۔

---

(۱) البقرہ، ۲/ ۱۴۰-۱۴۱۔

اباضیوں کے نزدیک تصورِ حکمرانی

ابو الحسن الاشعری اپنے مقالات کے صفحہ ۱۸۹ پر درج ذیل کہتے ہیں:

(اباضی لوگوں کو بذریعہ تلوار آڑے ہاتھوں نہیں لیتے بلکہ وہ تو صرف ظالم ائمۃ اور حکمرانوں سے ازالہ چاہتے ہیں اور کسی بھی ظالم کو حکمران اور امام نہیں مانتے چاہے وہ بذریعہ تلوار یا بغیر تلوار کے بنا ہو یعنی کسی بھی حالت میں ظالم امام قبول نہیں ہے۔)

یہ بات ایسی ہے جس سے ہر وہ شخص جس نے اباضیوں سے متعلق لکھا ہے تردد کا شکار ہوا ہے وہ بھی وہی شخص جس نے اباضیوں سے متعلق لکھتے ہوئے مخالفین کے مصادر پر اعتماد کیا تھا۔ اسی طرح یہ گمان بھی تردد کا شکار ہوا ہے کہ اباضی ظالم حکمرانوں کا ازالہ چاہنے کے حریص ہیں یہاں تک کہ یہ تردد اس حد تک پہنچا کہ اس کے بالکل برعکس سمجھا جانے لگا جیسا کہ یہ گمان بھی پیدا ہوا کہ اباضی امامت خلافت کے نظام کو واجب نہیں سمجھتے اس گمان میں بھی تردد اس وجہ سے پیدا ہوا کیوں کہ یہ کم پھیلا تھا۔ لہٰذا اس رائے کو ایک فرقے کی طرف منسوب کیا گیا پھر اس فرقے کو اباضیوں کی طرف منسوب کر دیا گیا۔

ان سابقہ دونوں تہمتوں کے رد اور ازالے کے لیے میں محترم قاری کے سامنے درج ذیل پیش کرتا ہوں قطب آئمۃ امام محمد بن یوسف اطفیش نے اپنی کتابوں میں کسی اور مقام پر کہا ہے:

(ہم ظالم حکمرانوں اور بادشاہوں جو اہل توحید ہیں ان کے خلاف خروج اور بغاوت کا کبھی نہیں کہتے اس بات سے ہم کوسوں دور ہیں بس جس نے بھی ہماری طرف وجوبِ خروج منسوب کیا ہے وہ حقیقت میں ہمارے مذہب سے واقف ہی نہیں عدم معرفت رکھتا ہے۔)

اسی طرح امام نورالدین سالمی مسند امام الحافظ الربیع کی شرح میں کہتے ہیں!

(امامت قرآن، سنت اجماع اور استدلال سے ثابت شدہ فرض ہے۔ پھر انہوں نے اس کے وجوب کے لیے مصادر شریعہ سے دلائل ایک تسلسل سے استدلال کیا ہے۔

ہو سکتا ہے محترم قاری اس ساری گفتگو کے بعد یہ جان جائے کہ اباضی اپنی نظر میں امت اسلامیہ کو خلافت اسلامیہ قائم کرنے اور کسی خلیفے کا انتخاب کرنے جو اس کے تمام امور کو اپنے تصرف سے چلائے ذمہ دار ٹھہراتے ہے اور امتِ اسلامیہ پر یہ ذمہ داری اباضیوں کی نظر میں عائد ہوتی ہے لیکن اگر وہ خلیفہ ظالم بن جائے اور ظلم کرنا شروع کر دے تو پھر بھی اس کے خلاف بغاوت اور خروج کو واجب قرار نہیں سمجھتے خاص طور پر جب یہ اندیشہ ہو کہ وہ ایک بڑے فتنے کی طرف لے جائے گا یا کوئی بڑا نقصان اس کے ذریعے ہو گا تب بھی خروج کو واجب نہیں سمجھتے۔ لہٰذا جو لوگ یہ گمان کرتے ہیں کہ اباضی ظالم اماموں کے خلاف نکلنے کو واجب قرار دیتے ہیں اور وہ امت کو بغیر کسی منظم سلطنت کے باقی رکھنا چاہتے ہیں تو یہ

دونوں گمان مذہب اباضی اور اس کے اصول، قواعد کی رو سے مکمل جہالت اور خطا پر مبنی ہیں بلکہ اباضی تو یہ رائے رکھتے ہیں کہ مسلمانوں پر یہ واجب کہ ایک عدل پر مبنی سلطنت کو قائم کریں جس میں نظام شریعت کا نفاذ ہو دین کی حدود قائم ہو حقوق کی حفاظت ہو ظلموں کا ازالہ ہو سرحدوں کی حفاظت کرے اور دعوت اسلام کو دیار کفر میں پھیلانے کی متحمل ہو لیکن جب سلطنت نظام ظلم پر قائم ہو اور امت اسلامیہ بغیر کسی بڑے نقصان کے اس نظام ظلم کی سلطنت کو عدل، انصاف کی سلطنت کی طرف تحویل کرنے کی قدرت رکھتی ہو تو اُسے ضرور تبدیل کرنے کی کوشش کرنی چاہیے لیکن اگر ایسا کرنا کسی بہت بڑے نقصان فتنے کا سبب بن سکتا ہو تو اس وقت امت اسلامیہ پر اس ظالم سلطنت کو قائم رکھنا اور سرحدوں کی حفاظت، دشمنانِ اسلام سے جنگ، حفاظتِ حقوق مسلمانوں کی مصلحت کو دیکھنا ان کی شان، شوکت کی حفاظت بدرجہ اولی واجب ہے نہ کہ خلیفے کے خلاف خروج کیا جائے اور اس وقت تک ایک قائم سلطنت کو منہدم کرنا جائز نہیں جب تک اس سے بہتر سلطنت قائم کرنے کی استطاعت نہ ہو وہ بھی بغیر کسی ایسے بڑے نقصان اور خطرے کے جیسے مسلمان اپنی نگاہ بصیرت سے دیکھ رہے ہوں۔

ابو یعقوب الوار جلانی نے (الدلیل) کے اندر ذکر کیا ہے کہ عبداللہ بن اباض کو مسجد بصرہ میں شمعدان کے قریب سلطنت کے خلاف خروج کے لیے تنظیم سازی کی غرض سے بلایا گیا آپ لوگوں سے پہلے وہاں پہنچ گئے اور اپنے ساتھیوں کا انتظار کرنے لگے اس دوران وہ مسجد میں موذنین کی آہ، وگداز والی اذانیں اور عبادت گزاروں کی مناجات کے نغمے اور مختلف قسموں کے رات کے آخری پہر میں ہونے والے اذکار کو سنتے رہے جب ان کے ساتھی آئے تو آپ نے کہا جو تمہارا مقصود ہے میں ایسا کچھ نہیں کرنے والا کیا میں ان کے خلاف بغاوت اور خونریزی جائز قرار دوں پھر ان کو چھوڑ کر وہاں سے چلے گئے۔)

یہ ایک ایسا واقع ہے جو اباضیوں کی ظالم حکمران یا ظالم امام کے خلاف خروج اور بغاوت کے حوالے سے رائے کی مکمل وضاحت کرتا ہے۔

اباضیوں کا حکومت کے حوالے سے یہ نقطہ نظر ہے کہ چاہے وہ سلطنت ظلم پر قائم ہو چکی ہو سوائے خدا تعالیٰ کی نافرانی کے ہر مسلمان پر واجب ہے کہ اس سلطنت کے تابع ہو کر چلے بغاوت نہ کرے بلکہ اس کو جدوجہد اور محنت سے دشمنوں کے مقابلے کے لیے مضبوط کریں۔ حفظ، امان میں اپنی سلطنت کی مدد کریں اس کی سرحدوں کی حفاظت کریں اور ایسے ایسے منصوبے بنائیں جس میں سلطنت کی مصلحت ہو جیسے صحت، تعلیم وغیرہ۔ اسی طرح وہ کسی ظلم، زیادتی کی معاونت سے اپنے ہاتھوں کو بچائیں اور نہ ہی ظلم کا آلہ کار بنیں۔

کیوں کہ (خالق کی نافرمانی میں مخلوق کی اطاعت نہیں ہے۔)

ہاں اگر خالق کی نافرمانی ہونے لگے اور مخلوق کی اطاعت کو خالق کی اطاعت پر مقدم کیا جانے لگے تو پھر ہر حال میں مسلمانوں پر اس ظلم کی سلطنت کے خلاف نکلنا بغاوت کرنا جائز ہے یہ اباضیوں کی حکومت، سلطنت سے متعلق رائے اور نقطہ نظر ہے۔ ہم مندرہ ذیل عبارت اباضیوں کا حکومت کے حوالے سے نقطہ نظر بطور خلاصہ پیش کر رہے ہیں۔

مسلمانوں پر واجب ہے کہ وہ ایک عادل سلطنت کو قائم کریں اور اگر کوئی ظالم سلطنت قائم ہو چکی ہے تو اس کے نیچے اس کی تابعداری صرف ایسے احکامات میں کی جاسکتی ہے جو اسلام کے احکامات کے خلاف نہ ہوں اسی طرح مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ ظلم کے نیچے غفلت کی نیند نہ سوتے رہے بلکہ اگر امت اسلامیہ کو زیادہ بڑے نقصانات پہنچنے کا خدشہ نہ ہو تو اس کو عدل کی سلطنت کی طرف تبدیل، تحویل کرنا واجب ہے یہ تو ایک عمل کے اعتبار سے ہے رہی بات امر بالمعروف و نہی عن المنکر کی تو ایک سچے مسلمان کو کبھی بھی اس عمل سے رکنا یا خاموش نہیں رہنا چاہیے اپنی استطاعت اور قدرت کے مطابق امر بالمعروف و نہی عن المنکر کے عظیم عمل کو سرانجام دیتا رہے۔

یہ بات بہت قریب تر ہے اگر ہم یہ کہیں کہ اباضیوں کا حکومت سے متعلق موقف عادلانہ سلطنت قائم کرنا تمام مسلمانوں پر فرض کفایہ ہے۔ اگر کوئی سلطنت اسلام کے نام پر قائم ہے تو مسلمانوں کو اس کے ماتحت زندگی گزارنی چاہیے اور اگر وہ ظلم کی سلطنت ہے تو مسلمانوں کو اختیار ہے اگر وہ مسلمانوں کے لیے کوئی نیا فتنہ یا نقصان نہیں دیکھتے اور اس سلطنت کو عادل سلطنت کی طرف پھیرنے کی قدرت رکھتے ہیں تو وہ ضرور کریں اور اگر کسی بڑے نقصان کا خدشہ ہو تو پھر اسی کے ماتحت زندگی گزاریں اور دشمنانِ اسلام سے اس کی حفاظت کریں اس کے خلاف خروج نہ کریں لیکن اگر وہ سلطنت ان سے خالق کی نافرمانی کا تقاضا کرے تو ایسی صورت میں ان کی اطاعت جائز نہیں ہے۔

رہی بات حکومت کے حوالے سے تاریخی تناظر میں اباضیوں کا طرز حکومت اور اسلوب تو وہ درج ذیل ہے:

جب حکمرانوں نے خلافت راشدہ سے اسلامی سلطنت کو ایک ظلم بربریت کی ریاست کی طرف تبدیل کیا تو مسلمانوں نے ان کے انحراف کو روکا اور ان کے خلاف کھڑے ہوئے اور بھرپور جدوجہد کی جن میں اباضیوں کا حصہٗ وافر موجود ہے چاہیے تو اس ظلم، بربریت کی ریاست کے حکمرانوں کو واپس اسلامی نظام کی طرف لایا جائے اور وہ ریاست کو عدل، انصاف کی مضبوط اسلامی بنیادوں پر استوار کریں یا پھر اس پوری سلطنت کو ہی تبدیل کر کے اسلامی نظام کے قالب میں ڈھال دیں لیکن امتِ اسلامی اس حوالے سے اپنی جدوجہد میں مکمل طور پر کامیاب نہیں ہو سکی کیوں کہ ظالمانہ نظامِ مملکت اپنی جڑیں گہرائی، رسوخ کی حد تک استوار کر چکا تھا۔ اس ظلم کے نظام کو استقرار مل چکا تھا جس کو مکمل طور پر تبدیل کرنا امر محال تھا۔

ظلم، بربریت کے خلاف اباضیوں نے بھی دیگر مسلمانوں کی طرح بھرپور جدوجہد کی اور خاص، عام ہر طبقے اور معاشرے میں اپنے ظلم، ستم کی ریاست کے خلاف نقطۂ نظر کا اظہار کیا یہاں تک کہ انہوں نے بعض عملی طور پر ایسی ریاستیں قائم کر دیں جن میں عدل، انصاف اور عین اسلامی نظام کا نفاذ کیا گیا اور ایک امن، سلامتی اور عدل، انصاف کی وہ

ریاستیں گہوارہ بن گئی تھی۔ نظامِ خلافت کو عملی طور پر کامیاب کر کے دکھایا لیکن افسوس ان سیاسی چالوں نے ان ریاستوں کو زیادہ دیر قائم نہیں رہنے دیا جو ان کے خلاف تھیں اور مختلف طرقہ ہائے واردات سے حملہ آور ہوتی رہیں لیکن کچھ ایسے لوگ بھی تھے جنہوں نے امارت کے سائے میں زندگی گزاری تھی اور سلطنت کے ظلم سے مانوس ہو گئے تھے۔ ان ظلم، بربریت کے نظام پر قائم نظام حکومت کے عادی ہو گئے تھے یہاں تک کہ ان کے مزاج اور طبیعتیں اس حد تک بگاڑ اور غفلت کا شکار ہو گئیں تھیں اب وہ عدل، انصاف کی ریاست اور حکومت کے تحت زندگی گزارنا ہی نہیں چاہتے ہیں۔ وہ عادل، انصاف اور ظلم، بربریت میں فرق محسوس ہی نہیں کرتے ان کے گویا ضمیر مسلسل ظلم کے نظام میں رہتے رہتے مر چکے ہیں مکمل طور پر فکری جمود کا شکار ہو چکے ہیں اس حوالے سے ایک فرقے کے طور پر نہیں بلکہ من حیث الامت یہ گواہی ہی کافی ہے! وہ ہے عمر بن عبدالعزیز کا موقف جب انہوں نے بنی امیہ کے افراد کو اور ان کے شہزادوں کو اس غرض سے جمع کیا کہ وہ سارا بطریق ظلم لوٹا ہوا مال واپس لوٹا دیں جو انہیں اپنی قرابت داری یا سابقہ اموی حکمرانوں سے تعلق کی بنا پر دیا گیا تھا اور وہ اس مال سے نوازے گئے تھے۔ وہ سارا کا سارا جمع کروا دیں ان سب نے ان اموال کو واپس کرنے سے انکار کر دیا۔ تب عمر بن عبدالعزیز نے ان سے کہا تھا (اگر تم مجھے وہ لوٹا ہوا مال واپس نہیں کرو گے میں تمہیں یہاں سے واپس نہیں جانے دوں گا چاہے تم مجھ سے قتال کرو صرف ایک صورت میں واپس جا سکتے ہو اگر اس مال کو چھوڑ دو یہاں واپس کر دو تو ورنہ کسی صورت یہاں سے نہیں جانے دوں گا۔)

لہٰذا ظلم، بربریت کی ریاست کے سیاسی لوگ کبھی عدل، انصاف کی ریاست کے تحت زندگی گزارنے پر راضی نہیں ہوتے چاہے وہ سلطنت ان کے حق میں ہی کیوں نہ ہو پھر ان کو انصاف کا نظام کبھی اچھا نہیں لگے گا کیوں کے عدل کا نظام لوگوں پر حکمرانوں کی غلطیوں اور غلط کاریوں کو منکشف کرتا ہے اور لوگوں کو اپنے حکمرانوں کا احتساب کرنے کا حق دیتا ہے۔ لہٰذا یہ ظالم حکمران لوگوں کی زبانوں کو بند کرنے کی کوشش کرتے ہیں اپنی مختلف سیاسی مکر و فریب پر مبنی چالوں کے ذریعے ہر طرح کی جنگ سے پیچھے نہیں ہٹتے۔ اگر تلوار کی ضرورت بھی پڑے اپنی ظلم کی ریاست کو قائم کرنے کی غرض سے تو اس کے استعمال سے بھی گریز نہیں کرتے۔

لہٰذا اباضیوں نے جب یہ دیکھا کہ جب تک اس طرح کی ریاستیں اور سلطنتیں موجود ہیں تب تک کوئی بہتر نظام لانا وہاں ناممکن ہے۔ لہٰذا خود کو سیاسی میدانوں سے اجتناب کرنا چاہیے اور حکمرانی کی کرسی سے دور رہنا ہوگا اسی طرح ان تمام جھگڑوں اور لڑائیوں کو ترک کر دینا ہوگا جو ریاست اور حکمرانی کی غرض سے ہوتی ہیں بس وہ تمام اس موقف پر قائم ہو گئے اور کبھی کسی نے کسی شخص یا جماعت کو سلطنت کے خلاف بغاوت کی طرف تیسری صدی ہجری کے آخر سے لے کر نہیں بلایا۔ حالانکہ بعضوں کو ان میں سے حکومت سلطنت کی جانب سے اور حکمرانوں کی جانب سے مال، دولت کی پیشکش بھی کی گئی۔ یہاں تک کہ بعضوں کو تو الگ ریاست قائم کرنے کی بھی پیشکش کی گئی لیکن اباضیوں میں سے کسی ایک نے بھی کسی ظالم حکمران کی پیشکش کو قبول نہیں کیا اور نہ ہی کسی بات پر سمجھوتا کیا۔

چنانچہ بعض اباضی لیڈروں کو امارت حکومت کی بیعت کے لیے لوگوں کی طرف سے دعوت دی گئی لیکن انہوں نے قبول نہیں کیا جواب دے دیا یہ کہتے ہوئے کہ فوائد سے بڑھ کر ان تحریکوں کے سبب نقصانات زیادہ ہونے کا اندیشہ ہے اسی پہلو کی تمام علماء نے تائید کی اور مکمل طور پر حصول حکومت، سلطنت یا تحویل کرنے کے عمل سے گریز کر لیا اور اس نقطہ نظر کو تقریباً اباضی علماء نے تیسری صدی ہجری کے آخر سے آج کے دن تک اپنایا ہوا ہے۔

یہاں میں یہ بھی واضح کرنا چاہتا ہوں کہ یہ موقف اسلامی مراکش کے شمال افریقہ میں بسنے والے اباضیوں کا ہے رہی بات عمان کے اباضیوں کی تو ان کے پاس خلافتِ راشدہ کے بعد سے لے کر دورِ حاضر کے سامراجی قبضے سے پہلے تک ایک مستقل مملکت برقرار رہی ہے۔ سوائے عمان میں صرف تھوڑے سے عرصہ کے لیے منقطع ہوئی تھی۔

عمان میں ایسا شفاف اسلامی نظام حکومت قائم رہا ہے جو بالکل خلافت راشدہ کی مثال نظر آتا تھا لیکن بعض اوقات وہ ظالم حکمرانوں کے ماتحت ایک ظلم، بربریت کی سلطنت بھی نظر آتی رہی ہے لیکن جب بھی امت نے اپنی قوت، طاقت سے ظالم حکمرانوں کا ہٹانے اور خلافتِ راشدہ کے نظام کو لانے کا اعلان کیا تو وہ کامیاب بھی ہوئی لیکن پھر جب کوئی ظالم حکمران مسلط ہوا تو اس نے پھر اس اسلامی عدل، انصاف والی سلطنت کو ظلم، جور کی طرف تحویل کر دیا۔

خدا تعالیٰ کے فضل سے اس دورِ حاضر میں سامراج کے معاشی اقتصادی غلبے کو عمان کی سرزمین سے کافی حد تک دور کر دیا گیا ہے۔ ان شاءاللہ جلد ہی خدا تعالیٰ اس سامراج کے وجود سے عمان کی سرزمین کو پاک کر دے گا۔

رہی بات دیگر اسلامی مالک کی تو ان میں ابھی تک سامراجی نظام باقی ہے اور سامراج کا ابھی تک قبضہ ہے چاہے وہ صیہون کے بیٹے فلسطین میں ان کے حامی ہی ہوں رہی بات ان ممالک کی جہاں گائے کی اور بتوں کی پوجا کی جاتی ہے جیسے ہندوستان وغیرہ تو وہاں اسلامی سلطنت قائم ہونے کا کوئی امکان نہیں۔ ہاں اگر تمام مسلمان اپنے فریضے کو پہچان لیں اور ملکر اپنے فریضے کو انجام دیں تو ممکن ہو بھی سکتا ہے۔

امت اسلامیہ کا صرف قلموں کے ذریعے کتابیں لکھنا یا احادیث کے مجموعے تیار کرنا تالیاں بجانا، خالی نعرے لگانا نشریات اور میڈیا کے ذریعے صرف تصویریں دکھانا تو میں آرزوئیں کریں خواب دیکھیں جذبات گرم ہوں اور پھر ٹھنڈے پڑھ جائیں یہ فریضہ نہیں ہے بلکہ امت اسلامیہ اپنا فریضہ کچھ یوں ادا کرے کہ تمام مسلمانوں کو ایک صف میں بغیر کسی ذاتی پہچان کے کھڑا کر دے ذاتی مصلحتوں اور قومیت کے تعصب سے دور کرے حکومت، اقتدار کے لالچ اور حرص سے پاک کرے تاکہ تمام مسلمان ملکر ایک قوت بن جائیں کوئی کسی کا خون نہ بہائے نہ ہی مال منتشر ہو اور نہ ہی عدد میں کمی ہو بلکہ ساری امت ایک ہو کر اپنے پیغام اور تبلیغ کے فریضے کو ادا کرے یہاں تک کہ باتوں سے نہیں عملی طور پر یا تو فتح حاصل ہو جائے یا پھر فنا اور یہ جدوجہد صرف ہاتھ پر ہاتھ دھرے پر امید ہو کر منتظر فردا کی صورت میں نہیں بلکہ حقیقی طور پر سرانجام دے ٹی وی کی سکرین پر نہیں بلکہ عملی میدان میں اتر کر اپنے فریضے کو سرانجام دے۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَلَا تَهِنُوا۟ وَلَا تَحْزَنُوا۟ وَأَنتُمُ ٱلْأَعْلَوْنَ إِن كُنتُم مُّؤْمِنِينَ ﴿١٣٩﴾ إِن يَمْسَسْكُمْ قَرْحٌ فَقَدْ مَسَّ ٱلْقَوْمَ قَرْحٌ مِّثْلُهُۥ ۚ وَتِلْكَ ٱلْأَيَّامُ نُدَاوِلُهَا بَيْنَ ٱلنَّاسِ وَلِيَعْلَمَ ٱللَّهُ ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ وَيَتَّخِذَ مِنكُمْ شُهَدَآءَ ۗ وَٱللَّهُ لَا يُحِبُّ ٱلظَّٰلِمِينَ ﴿١٤٠﴾ وَلِيُمَحِّصَ ٱللَّهُ ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ وَيَمْحَقَ ٱلْكَٰفِرِينَ ﴿١٤١﴾ أَمْ حَسِبْتُمْ أَن تَدْخُلُوا۟ ٱلْجَنَّةَ وَلَمَّا يَعْلَمِ ٱللَّهُ ٱلَّذِينَ جَٰهَدُوا۟ مِنكُمْ وَيَعْلَمَ ٱلصَّٰبِرِينَ﴾

”اور تم ہمت نہ ہارو اور نہ غم کرو اور تم ہی غالب آؤ گے اگر تم (کامل) ایمان رکھتے ہو o اگر تمہیں (اب) کوئی زخم لگا ہے تو (یاد رکھو کہ) ان لوگوں کو بھی اسی طرح کا زخم لگ چکا ہے، اور یہ دن ہیں جنہیں ہم لوگوں کے درمیان پھیرتے رہتے ہیں، اور یہ (گردشِ ایام) اس لیے ہے کہ اللہ اہلِ ایمان کی پہچان کرا دے اور تم میں سے بعض کو شہادت کا رتبہ عطا کرے، اور اللہ ظالموں کو پسند نہیں کرتا o اور یہ اس لیے (بھی) ہے کہ اللہ ایمان والوں کو (مزید) نکھار دے (یعنی پاک و صاف کر دے) اور کافروں کو مٹا دے o کیا تم یہ گمان کیے ہوئے ہو کہ تم (یونہی) جنت میں چلے جاؤ گے؟ حالاں کہ ابھی اللہ نے تم میں سے جہاد کرنے والوں کو پرکھا ہی نہیں ہے اور نہ ہی صبر کرنے والوں کو جانچا ہے o“(۱)

﴿وَلَا تَهِنُوا۟ فِى ٱبْتِغَآءِ ٱلْقَوْمِ ۖ إِن تَكُونُوا۟ تَأْلَمُونَ فَإِنَّهُمْ يَأْلَمُونَ كَمَا تَأْلَمُونَ ۖ وَتَرْجُونَ مِنَ ٱللَّهِ مَا لَا يَرْجُونَ ۗ وَكَانَ ٱللَّهُ عَلِيمًا حَكِيمًا﴾

”اور تم (دشمن) قوم کی تلاش میں سستی نہ کرو۔ اگر تمہیں (پیچھا کرنے میں) تکلیف پہنچتی ہے تو انہیں بھی (تو ایسی ہی) تکلیف پہنچتی ہے جیسی تکلیف تمہیں پہنچ رہی ہے حالاں کہ تم اللہ سے (اجر و ثواب کی) وہ امیدیں رکھتے ہو جو اُمیدیں وہ نہیں رکھتے۔ اور اللہ خوب جاننے والا بڑی حکمت والا ہے o“(۲)

---

(۱) آل عمران، ۳/۱۳۹-۱۴۲۔

(۲) النساء، ۴/۱۰۴۔

حکم دار سے متعلق اباضی موٴقف

امام ابو الحسن الاشعری اپنی کتاب (مقالات الاسلامین) کے پہلے جز میں جس کی اشاعت نہضہ مصریہ کے پریس نے کی تھی۔ صفحہ ۱۷۱ پر درج ذیل کہتے ہیں:

(اباضی اپنے مخالفین کے وطن اور سرزمین کو دارالتوحید ہی گمان کرتے ہیں بجز بادشاہ کے ٹھکانے کے وہ ان کے نزدیک دارالکفر ہے۔)

بعد میں یہی بات تمام قدیم، حدیث مقالہ نگاروں کی قلموں کی زینت بنی بعضوں نے انہیں الفاظ کے ساتھ اور بعضوں نے تھوڑا الفاظوں کی تبدیلی کے ساتھ بیان کیا ہے جیسا کہ (الملل والنحل) شہرستانی کی کتاب میں درج ذیل آیا ہے:

(اباضیوں نے کہا ہے کہ اہلِ اسلام میں سے ان کے مخالفین کا وطن اور سرزمین دارالتوحید ہی ہے بجز بادشاہ کے ٹھکانے کے وہ ان کے نزدیک ایک بغاوت کی سرزمین ہے دارِ بغاوت ہے۔)

اے محترم قاری تو نے دیکھا کہ عبارت وہی ہے صرف ابو الحسن نے جہاں دارالکفر کا لفظ استعمال کیا تھا وہاں شہرستانی نے اس کے بدل دار بغاوت کا لفظ استعمال کیا ہے۔

بس کچھ اس طرح یہ بات رجمالی طور پر آج کے دن تک ایک مقالہ نگار دوسرے مقالہ نگار سے نقل کرتا آیا ہے اور یہ بعید از قیاس نہیں کہ بعضوں نے اس کو سمجھے بغیر ہی آگے نقل کر دیا ہو۔ میں اس فصل کے آغاز میں ہی محترم قاری کے لیے اس بات کی وضاحت بہت اہم سمجھتا ہوں وہ یہ کہ مقالہ نگار ہمیشہ سے اس بات کی بابت مخالفین، معسکر السلطان اور دارالکفر، دارالبغی کے مابین ربط ہی بیان کرتے چلے آئے ہیں اور ان الفاظ کو باہم مربوط کر کے بیان کیا ہے گویا کہ یہ ایسی لازم ملزوم چیزیں ہوں جو ایک دوسرے کے بغیر ذکر نہ ہو سکتی ہوں جبکہ اباضیوں کے نزدیک ان موضوعات کے درمیان کوئی ربط نہیں ہے اور نہ ہی اس موضوع کا تعلق ان کے مذہب کے ساتھ خاص ہے میں ان شااللہ اس عُقدے کو حل کرنے کی کوشش کروں گا کہ حکم دار کے حوالے سے اس صورت کو پیش کروں جو اباضیوں کے نزدیک ہے۔

پھر ایک الگ فصل میں یہ واضح کروں گا کہ مذہبی حوالے سے مخالفین کے مابین کیسا تعامل کیا جائے گا جب بادشاہ ان میں سے کسی ایک مذہب کا پیروکار ہو گا یا وہ تمام محکومین کے مذاہب کے علاوہ کسی اور مذہب پر ہو گا تو تب کیسا معاملہ کیا جائے گا۔

اباضی جب حکم دار کے موضوع سے متعلق بات کرتے ہیں تو وہ سب سے پہلے اس کی دو اقسام کرتے ہیں (دارِ اسلام ۔ دارِ کفر)

دارِ اسلام:

اباضیوں کے نزدیک وہ وطن ہے جس میں تمام ترامتِ مسلمہ رہتی ہو وہاں نظام حکومت مذاہب اسلامیہ میں سے کسی مذہب کے مطابق چلتا ہو اور اس سلطنت کو اسلامی سلطنت کا نام دیا جاتا ہو۔

دارِ کفر:

اباضیوں کے نزدیک ہر وہ وطن دارالکفر ہے جس میں مکمل کافرامت آباد ہو اور وہاں کا نظام حکومت دینِ اسلام کے علاوہ کسی دوسرے دین کے تحت چلتا ہو چاہے وہ اہل کتاب، وثنی، علمانیوں کے مذہب کے مطابق چل رہا ہو یا پھر ملحدوں کا نظام ہو بر حال وہ دارالکفر شمار ہو گا جیسا کہ آج دورِ حاضر میں ہم بعض ممالک کو دیکھتے ہیں۔

لٰہذا وہ صورتیں جو دارالاسلام کی تصویر پیش کرتی ہیں درج ذیل ہیں:

۱. ایک وطن جس میں مذاہب اسلامیہ میں سے کسی بھی مذہب کے پیروکار مسلمان آباد ہو وہاں کا قانونی بادشاہ تختِ اقتدار تک ان بنیادوں کے ذریعے پہنچا ہو جن کو اسلام نے وضع کیا ہے پھر اس کے نظام حکومت کو عین اسلامی نہج کے مطابق ہونے سے مشروط کیا گیا ہو اسی طرح ایک عادل حکومت کے لیے کچھ شرائط مطلوب ہوں اور امیر المومنین یا خلیفہ المسلمین کی ذات سے متعلق بھی بعض لازمی صلاحتوں کی قید لگائی گئی ہو۔

بس اس صورت میں وہ عدل، انصاف کا گہوارا دارالاسلام وطن شمار ہو گا اور بادشاہ کا ٹھکانہ بھی اسلام کا ٹھکانہ سمجھا جائے گا اس کی اطاعت واجب ہے اس سے بغاوت فسق، فجور ہے کیونکہ یہ ایک کامل اکمل اسلام کے نظام کی حالت ہے جس پر امتِ مسلمہ کا قائم رہنا لازم ہے۔

۲. ایسا وطن جس میں ایک امتِ مسلمہ آباد ہو لیکن وہاں کا بادشاہ اسلام کی واضع کردہ شرائط کے تحت نہ بنا ہو لیکن حکومت اقتدار حاصل کر لینے کے بعد اس نے اسلام کی پابندی شروع کر دی ہو وہ پابند اسلام ہو گیا ہو عدل کی حکومت کرے احکام الٰہی کا نفاذ کرے اور قوانین شریعہ کا اجراء کرنے والا ہو اور ایسی صاف شفاف سیرت پر چلا ہو جو کہ ایک امیر المومنین کی حقیقی طور پر ہوتی ہے۔

اس صورت میں بھی وہ وطن اور ملک دارالاسلام دارالتوحید عدل پر مبنی شمار ہو گا اور بادشاہ کا ٹھکانہ بھی دار اسلام اور دارالتوحید سمجھا جائے گا۔ اس کی اطاعت کرنا واجب اور اس سے بغاوت کرنا فسق، فجور ہو گا۔ رہی بات اس کی حکومت تک رسائی کی تو اگر وہ وراثتی طور پر نہ بنایا گیا ہو بلکہ کسی غیر کی جانب سے ہو تو کوئی مذائقہ نہیں ہے اور اگر اس کے کام غیر شرعی ہوں تو وہ بغیر شک کے ایک گناہ گار ہے تو اگر اس کا وہ گناہ مخلوق کے حقوق سے متعلق نہیں تو خدا تعالیٰ اس کی حسن نیت سے توبہ کرنے کے ذریعے بخش دے گا اور اگر وہ امور مخلوق کے حقوق

سے متعلق ہے تو توبہ اور حقوق حسنِ نیت سے اتار دینے اور امتِ اسلامیہ کے نفع رسائی کی فکر جیسے کافی اسباب ہیں اس کی مغفرت کے لیے اگر اللہ تعالیٰ نے چاہا تو وہ ضرور اس کی مغفرت کر دے گا۔

۳. وہ وطن بھی دارالاسلام اور دارالتوحید شمار ہو گا جس میں امتِ مسلمہ آباد ہو اور اس کا حکمران بھی اسلامی شروط کے تحت بنا ہو لیکن کرسی اقتدار پر بیٹھنے کے بعد اور لوگوں سے حلف لینے کے بعد عدول سنن سے انحراف کر گیا ہو اور نہ ہی احکام اسلام کی پابندی کرنے والا ہو تب معسکر سلطان دارالاسلام ہونے کے باوجود دار البغاوت اور دار الظلم سمجھا جائے گا اور سلطان کی صرف ان احکام میں اطاعت کی جائے گی جو اسلام سے موافقت رکھتے ہوں۔ دشمن سے لڑنا، امن، سلامتی کے نظام کا اقرار کرنا لوگوں تک ان کے حقوق پہنچانا واجب ہیں لیکن اس بادشاہ کی خدا تعالیٰ کی نافرمانی میں اطاعت جائز نہیں ہے اس کو نیکی کا حکم اور برائی سے منع کیا جائے اور اس سے احکام الٰہی کی اتباع کا مطالبہ کیا جائے اگر نظام کو تحویل کرنے کی قدرت ہو چھوٹے نقصان سے بڑے نقصان کا ازالہ ہو سکتا ہو کسی بڑے نقصان کا خدشہ نہ ہو تو اس بادشاہ کے خلاف خروج کرنا کھڑا ہونا واجب ہے۔

۴. وہ وطن جس میں امتِ مسلمہ رہتی ہو لیکن وہاں کا حاکم تختِ اقتدار پر ان شروط کی خلاف ورزی کر کے بیٹھا ہو جن کو اسلام نے وضع کیا ہے پھر وہ اس کے احکام کا بھی مقید نہ ہو اور نہ ہی اپنے ہم وطنوں کے ساتھ عدل، انصاف کا معاملہ کرے۔

اس صورت میں وہ دارالاسلام اور دارالتوحید ہی شمار ہو گا لیکن بادشاہ کا ٹھکانہ دارابغاوت سرکشی اور دارِ دشمن ہو گا اس کی صرف ان احکام میں اطاعت کرنا جن کا خدا تعالیٰ نے حکم دیا ہے اور دشمن سے جہاد کرنا واجب ہے اس کے خلاف بھی بغاوت کی دعوت دینا اس کے مقابلہ کے لیے کھڑا ہونا بشرطیکہ کسی بڑے نقصان کا خدشہ نہ ہو اور نظامِ حکومت کو تحویل کرنے کی قدرت بھی ہو تو واجب ہے۔

اباضیوں کے نزدیک تمام انحراف شدہ اقتدار، حکومت کے خلاف قطع نظر اس کے کہ کیا نتائج ہوں گے خروج جائز ہے وہ یہ کہ ایک ایسی جماعت جو چالیس لوگوں سے زیادہ کی تعداد پر مشتمل ہو نکلے اور لوگوں کو فساد، خرابی کو بیان کرتے ہوئے اور لوگوں کو بتائے کہ سلطنت کس حد تک اسلام کے نظام سے منحرف ہو چکی ہے۔ حکمرانوں کی بغاوت اور ظلم کے حوالے سے بھی لوگوں کو آگاہ کرے ان کو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی طرف دعوت دے اور اگر ان کے مقابلے میں لڑنے کی غرض سے مملکت اپنی طاقت کا استعمال کرے تو اس جماعت کے لیے سختی اور شدت سے رد عمل کرنا جائز ہے لیکن ہر حال میں لوگوں کو ڈرانا پر امن باسیوں کو تنگ کرنا کسی کا راستہ روکنا کسی کے حق میں حد سے تجاوز کرنا اور کسی پر بزور بازو کوئی چیز عائد کرنا یہاں تک کہ اپنی ضیافت کے لیے مجبور کرنا جائز نہیں۔ اگر ان میں سے کوئی بھی فعل کیا تو وہ حکم خروج سے جنگی اور انتہا پسندی کے حکم کی طرف منتقل ہو جائیں گے کیونکہ خروج کا مبداء اور مطمع نظر منحرف سلطنت کے ظلم کا

مقابلہ کرنا ہے چاہے وہ دعوت کے ذریعے ہو یا پھر حالات شدت کی طرف لے جائیں تب بھی بشر طیکہ لوگ کسی شر سے دو چار نہ ہوں۔

اباضیوں کے نزدیک دار اور معسکر سلطان کے حوالے سے واضح صورت اور موقف ہے وہ جب معسکر سلطان کے لفظ کا کسی پر اطلاق کرتے ہیں تو ان کی مراد بغاوت، سرکشی کا ٹھکانہ یا اس سے مراد ظالم حکمران ہوتے ہیں۔ صرف اس سے مراد کبھی بھی ان کے مذہبی مخالفین نہیں ہوتے اس سے مراد پوری کی پوری منحرف سلطنت کا نظام ہوتا ہے جو دینِ الٰہی کے نظام سے انحراف کر چکی ہوتی ہے۔ اسلامی احکام پر عمل نہیں کر رہی ہوتی چاہے خواہ وہ اباضی ہوں یا غیر اباضی جو اس حوالے خود پر مزید وضاحت چاہتا ہے تو اُسے کتبِ تاریخ کی طرف رجوع کرنا چاہیے ان میں بھی سب سے زیادہ قریب امام نورالدین سالمی کی کتاب (تحفہ الاعیان) ہے۔ جس میں انہوں نے فتح اسلامی سے لے کر دورِ حاضر تک کی عمانی تاریخ لکھی ہے عمان کے بعد یکے بعد دیگرے قائم ہونے والی تمام اباضی حوالے سے لکھتے ہوئے اس نے عدل انصاف کی مملکت اور خلافت کا ذکر بخوبی کیا سوائے عہد اموی میں مختصراً حجاج بن یوسف کے زمانے کے ہر دور کو لکھا ہے اور خلافت، امامت کا ذکر بہت ذیادہ دلچسپی سے کیا ہے وہ اس حوالے سے بہت حریص تھے ان کے علاوہ باقیوں کو ظالم حکمرانوں سے تعبیر کرتے تھے ان پر جابروں کے لفظ کا اطلاق کرتے تھے اس بات پر امام ابو اسحٰق اطفیش نے پہلے جز کے صفحہ ۸۷ کے آخر پر جو تعلیق لگائی ہے وہ درج ذیل ہے:

> (جابروں سے مراد خلافتِ راشدہ سے منقطع امراء اور ملوکِ طواف ہیں۔ سرزمین عمان پر امامت سے ملوکیت اور ملوکیت سے امامت سے متعلق انقلابات کا ایک تسلسل ہے جب سے خلافتِ راشدہ منقطع ہوئی تب سے عمان پر آئمہ نے خلفاء راشدین کی طرز پر حکومت کی لیکن جب نظام امامت کمزور پڑا تو ملوکیت اور ملوکِ طوائف کے لیے میدان خالی ہو گیا۔)

مزید اس نے ایک اور تعلیق لگاتے ہوئے کہا ہے:

> (جب بھی مصنف نے جابروں کی بات کی ہے اس سے مراد غیر منصف، ظالم خلفاء اور والی لیے ہیں۔)

میرے خیال میں موکف کی عبارت اس موضوع کے حوالے سے بڑی واضح ہے انہوں نے اپنی کتاب (تحفة الاعیان) کے پہلے جز صفحہ ۸۷ پر کہا ہے:

> (کتبِ سیرت بتاتی ہیں کہ الجلندی کے بعد عمان پر جابروں نے حکومت کی اور اس میں فساد پھیلایا وہ تمام ظالم، جابر تھے ان جابروں میں سے محمد بن زائدہ اور راشد بن النظر الجلندیان تھے۔)

پھر کچھ سطروں کے بعد کہا ہے!

یہ بات پہلے گزر چکی ہے کہ وہ الجلندی کے اقارب میں سے ہے میرے خیال کے مطابق مزید اس موضوع پر بات کرنے کی حاجت نہیں ہے۔ یہ وہ دار اور معسکر سلطان کے حوالے سے امتِ اسلامیہ میں مشہور، معروف صورت ہے۔ اباضی اس سے متعلق ویسے ہی بات کرتے ہیں جیسا کہ ان کے غیر دیگر مذاہب کے لوگ بات کرتے ہیں۔

رہی بات دشمنوں کی جن کے ساتھ اباضی جنگ کرنے کو واجب قرار دیتے ہیں تو اس سے مراد دشمنان اسلام اور وہ جنگ ہے جو ایک اسلامی ریاست اور مملکت کفر کے مابین ہو کیوں کہ یہ جہاد ہے جس سے ایک مسلمان سبکدوش نہی ہو سکتا رہی بات دو مسلم مملکتوں کے مابین یا دو مسلم گروہوں کے مابین جنگ تو یہ فتنہ ہے۔ لہٰذا اس میں بیٹھنے والا کھڑے ہونے والے سے اور سویا ہوا بیٹھنے والے سے بہتر اور افضل ہے۔ ہاں اگر ان میں سے کوئی گروہ باغی ہو تو اپنی حرمت، مال کے دفاع کے لیے اس کارِ دعمل کے طور پر جواب دینا واجب ہے۔ اباضیوں کی رائے میں ایک مسلمان کا اپنے طن دشمنوں کے مقابلہ میں دفاع کرنا حق ہے۔ اس پر واجب ہے کہ وہ اپنے وطن کا دشمنوں سے دفاع کرے اور وہ کبھی بھی انحراف یا حملہ آور کے حکم میں داخل نہیں ہو گا جو ایک عدل، انصاف کی ایسی سلطنت چاہتا ہو جس میں حدود اللہ کا قیام ہو اور وہ سلطنت اپنے نظام کے تحت چلنے کا اور اس کے قانون کا پیرو کار بننے کا مطالبہ کرے تب ایک مسلمان پر واجب ہے کہ اس مملکت کے جھنڈے تلے منارہ اسلام اور اس کی عظمت کا بول بال کرے اور اس مملکت کا نظامِ حکومت شریعت الٰہی کے تحت چلے اس حوالے سے اس کی کاہلی اور سستی نہیں ہونی چاہیے۔

مندرجہ بالا صورتوں کے علاوہ دیگر وضع شاذ کے تحت اور مختلف زمانوں میں صورتیں پیدا ہوتی رہی ہیں جن کے لیے فقہاء نے خاص احکام مقرر فرمائے ہیں مثلاً وطن اسلامی ہو لیکن اس میں حکومت مشرکوں کی ہو جو آگ اور لوہے کی طرح بزور بازو نظام حکومت چلا رہے ہوں جیسا کہ اٹلی حکومت کے دوران لیبیا میں اور فرانسی اقتدار کے تحت تونس، مغرب اور الجزائر میں اور مصر میں انگریزوں کے اقتدار کے دوران ہوا اس حالت میں وطن دار اسلام اعتبار کیا جائے گا جبکہ معسکر سلطان دار لکفر ہو گا۔ یہ حکم دار کے حوالے سے اباضیوں کی رائے کا خلاصہ ہے وہ جب معسکر سلطان کے حوالے سے بات کرتے ہیں تو وہ حکومت کی نوعیت کو دیکھتے ہیں۔ حاکم کے مذہب کو نہیں اگر حاکم مشرک نہ ہو اور اگر وہ حاکم مذہب اباضی کا حامل ہو لیکن ظالم ہو تو معسکر سلطان تو دار لاسلام ہی ہو گا لیکن دارِ دشمن کا حکم اس پر لگے گا۔ جیسا کہ اس کے علاوہ دیگر مذاہب کے حاملین حاکموں پر حکم لگایا جائے گا وہی حکم اس پر بھی لگے گا وہ یہ کہ اس کا معسکر یعنی ٹھکانہ دار الاسلام ہونے کے باوجود دار البغاوت اور دار دشمنی ہے۔

یہ حقیقت اباضیوں کے نقطہ نظر سے متعلق اکثر ان کتابوں سے اوجھل ہے جنہوں نے اباضیوں سے متعلق اس حوالے سے کتب لکھیں ہیں کیونکہ انہوں اصل مصادر کی طرف رجوع ہی نہیں کیا رہی بات انکے مخالفین کے لفظ کو ان مقالی نگاروں نے اس طرح تھاما ہے جیسا کہ وہ رات کے پچھلے پہر کا کوئی ستارہ ہو جو ہر میدان میں اس کے ساتھ چکر کاٹتا ہے اور اس کا طواف کرتا ہے۔ اس ساری گفتگو کے بعد اب میں محترم قاری کے سامنے مزید اباضی رائے کی تاکید اور وضاحت

کی غرض سے علامہ ابو یعقوب الوار جلانی کی اس موضوع سے متعلق رائے کو رکھتا ہوں۔ وہ اپنی کتاب (الدلیل والبرھان) کے تیسرے جزء کے صفحہ ۴۵ پر کہتے ہیں!

(جو کچھ ہم نے متدین ملوک کے حوالے سے بیان کیا ہے اس میں ہم امیر معاویہ اور حضرت علی ؑ کو باوجود ان کے مابین واقع اختلاف کے مستثنیٰ نہیں قرار دیتے بلکہ اس حوالے سے وہ ایک ہی حکم میں داخل ہیں۔ وہ یہ کہ وہ اہل دین ہیں ان سے جمعہ، جماعتیں ذکر واذکار نمازیں قربانی، عبادتیں رونما ہوئیں اسی طرح اسلامی شریعتوں کا ظہور بچوں کی حفظ قرآن اور قرأت سے پختہ بنیادیں استوار کرنا تمام ممالک میں غزوات، جہاد حدود کی حفاظت اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت اور عبادت کی طرف دعوت وغیرہ ایسے کام ہیں جو ان کے ہاتھوں سے ادا ہوئے۔ لہٰذا اس حوالے سے وہ ایک ہی حکم میں آتے ہیں۔ مزید ابو یعقوب اپنی اس کتاب کے صفحہ ۴۶ پر درج ذیل کہتے ہیں:

(اس سے یہ ہرگز حکم نہیں لگایا جاسکتا کہ ان ملوک اور امراء سے منکرات سرزد ہوئیں اور ان کی ذاتوں میں فسق فجور تھا۔ لہٰذا وہ ملت اسلام سے خارج ہیں نہیں وہ اہل ملت ہیں اگرچہ وہ اہل سوء ہی ہیں ان کے مناقب خوبیاں یہ ہیں کہ انہوں نے راستوں کو امن، سلامتی کا گہوارہ بنایا مال فئی اور خراج کو یقینی بنایا اسی طرح عدالتوں اور قاضیوں کو مقرر کیا اور ان کی تقرری کی۔

پھر وہ کچھ سطروں کے بعد کہتے ہیں:

(جابر بن زید کا ایک اہم کارنامہ یہ بھی ہے جب انہوں نے جماعت سے اور لوگوں کے مجموعے سے علیحدگی اختیار کی جو ان کو بغاوت کی بیعت کرنے کو کہتے تھے تو آپ نے دعا کی اے اللہ مجھے توفیق دینا کہ میں دوبارہ واپس نہ لوٹوں جبکہ اس کی پس پردہ یہ بات بھی ہے کہ آپ حجاج اور اس جیسے مماثلوں سے عطیات بھی لیا کرتے تھے ان کی جانب سے ان کو منصب فتوی اور قاضی القضاۃ کے عہدے بھی ملے اسی طرح ان کے علاوہ دیگر اہل علم بھی ایسا کرتے تھے۔

کچھ سطروں کے بعد پھر کہتا ہے:

(رہی بات ظالم بادشاہوں کی تو وہ ہیں جنہوں نے لوگوں کا استحصال کیا شریعت کی رعایت اور اس پر عمل کرنا یا اس کا حریصاں ہونا ان کی خصلت نہیں یہاں تک زکاۃ، صدقات، عشر اور خراج کو معطل کر دیا نہ ہی عدالتوں اور حکومتی امور کا اہتمام کیا اسی طرح نہ ہی حدود اور قصاص کا قائم کیا بلکہ خود کے لیے اپنے ہی کچھ قوانین مرتب کر لیے جن سے ان کے ملک قائم ہو جائیں۔ شرعی طریقوں کے بالکل مخالف تھے بس اپنے محلات کو پختہ کرتے رہے ان کو قوتوں اور پہرے داروں سے مضبوط کرتے رہے علاقائی تعصب کو جنم دیتے ہیں تمام اموال اپنی اغراض، خواہشات میں استعمال کیا اپنے چیلے اور خوش آمدیوں کو ساتھ رکھا ان کے ذریعے اپنے جاہ جلال کو قائم رکھتے تھے۔ شراب پینا عام کر دیا۔ ریشم کے کپڑے پہنے بے حیائی کو عام کیا ہر معاملے میں ظلم کو وجود دیا۔)

پھر اس نے مراکش، اندلس، سجلماستہ اور مصر، مراکش میں عبدیہ مملکت کے بعض ظالم جابر حکمرانوں اور بادشاہوں کی مثالیں ذکر کی پھر کہا!

(رہی بات مرابطین کی تو وہ اہل دین ہیں ان کا پہلا امام یحیٰ بن عمر پھر ابو بکر بن عمر اور پھر یوسف بن تاشقین ان کے آخری اماموں میں تاشقین بن علی ہے۔ خدا تعالیٰ نے ان تمام کو اہل ہدایت اور توحید پر قائم رکھا مرابطین اپنے آخری دورِ حکومت تک توحید پر قائم رہے۔

علامہ ابو حفص عمرو بن جمیع نے عقیدہ توحید سے متعلق درج ذیل کہا ہے:

(عادل حکمران کے حوالے سے ہم پر اس کی خلافت کو اور اس کے وزراء، مشیروں کی یہاں تک کہ سب اتباع کو ماننا اور فرمانبرداری کرنا جو بھی مسلمانوں میں سے اس کے جھنڈے تلے آتا ہے واجب ہے۔)

پھر کہتے ہیں!

ظالم حکمرانوں اور ان کے تمام وزراء سے برأت جائز ہے لیکن مسلمانوں میں سے جو بھی اس کے جھنڈے کے تلے آتا ہے اس سے برأت جائز نہیں۔)

قطب آئمہ نے (شرح النیل) کے دسویں جزء کے صفحہ ۳۶۲ پر درج ذیل کہا ہے جس کی اشاعت قاہرہ میں ہوئی تھی۔

(اہل دار پر جو بھی حاکم ہو گا سب کو اس کی اطاعت کرنا ضروری ہے چاہے وہ حاکم ہمارے ساتھیوں میں سے عادل ہو یا دیگر لوگوں میں سے ہوں اسی طرح چاہیے وہ ظالم ہوں ہر حال میں اہل دار ان کے ماتحت رہیں گے۔)

اہل دار سے مراد (اہل وطن قصبہ یا کوئی خاص علاقہ کے لوگ وغیرہ۔

امام ابو محمد عبد اللہ بن برکہ نے ظالم سلطان کے حوالے سے ایک طویل تجزیہ کیا ہے۔

جس کے بعض ٹکڑے پہلے جزء پر صفحہ ۲۰۱ سے ۲۰۴ پر بیان ہوئیں ہیں پیش کرتا ہوں ان کی قیمتی کتاب (الجامع) جس کی عیسی البارونی کی جانب سے اشاعت ہوئی۔

(ہمارے تمام اصحاب مسلمانوں کا ایسے وطن میں اقامت پزیر ہونے پر جواز کے حوالے سے اجماع ہے جس پر ظالم حکمرانوں کا ڈیرہ ہو وہ مال بنانے زراعت کرنے پودے اور درخت اگانے سے اس کو آباد کریں مزید یہ کہ وہ خراج بھی ناحق وصول کرتے ہوں اور اس خراج کو اپنے ظلم اور سرکشی کا آلہ کار بناتے ہوں۔)

کچھ سطروں کے بعد کہتے ہیں!

(اللہ تعالیٰ کی جانب سے مسلمانوں کے لیے ایسی کوئی سختی یا منع نہیں آئی بلکہ ایسی مملکت اور وطن میں اقامت پزیر ہونا ان کے لیے جائز ہے جہاں کے حکمران ظالم ہوں۔ مسلمان وہاں کی سرزمین کو اموال زراعت درخت اگانے سے آباد

کریں یہ جانتے ہوئے بھی کہ وہاں کے ظالم حکمران ان سے ناحق خراج وصول کریں گے جس کو وہ اپنے ظلم کی استعانت کے لیے آلہ کار کے طور پر استعمال کریں گے۔ بر حال ایسی سلطنت میں اقامت کرنا بھی مسلمانوں کے لیے جائز ہے۔ خدا تعالیٰ کی طرف سے منع نہیں کیا گیا اور یہ تب جب وہ مسلمان اموال کھیتی باڑی سب کچھ اپنے اہل عیال کی اور تمام مسلمانوں کی کفالت کی غرض سے کر رہے ہوں اور اگر وہ یہ سب کچھ جابروں ظالموں حکمرانوں کو تقویت دینے کی غرض سے کریں گے تو اس حال میں وہ مسلمان خدا تعالیٰ کے نافرمان شمار کیے جائیں گے۔

کچھ سطروں کے بعد کہا ہے:

(اگر کہا جائے کہ ان ظالم حکمرانوں کے ساتھ رہنا اور ان کی بیعت کرنا ایک مسلمان کے لیے جائز ہے تو جواب دیا جائے گا جی ہے جائز ہے یہ گویا اس باطل کو ناپسند کرتے ہیں اور اس کا اظہار ایک باطل چیز کے ذریعے کر رہے ہیں۔)

اسی طرح جب یہ سوال کیا گیا کہ ایک مسلمان کے لیے ان کے ساتھ جنگ کرنا جائز ہے؟ جواب دیا گیا جی ہے بالکل جائز ہے کیونکہ خدا تعالیٰ اپنی کتاب میں اس حوالے سے حکم عام دیا ہے:

﴿قَٰتِلُواْ ٱلَّذِينَ لَا يُؤۡمِنُونَ بِٱللَّهِ وَلَا بِٱلۡيَوۡمِ ٱلۡأٓخِرِ وَلَا يُحَرِّمُونَ مَا حَرَّمَ ٱللَّهُ وَرَسُولُهُۥ وَلَا يَدِينُونَ دِينَ ٱلۡحَقِّ مِنَ ٱلَّذِينَ أُوتُواْ ٱلۡكِتَٰبَ حَتَّىٰ يُعۡطُواْ ٱلۡجِزۡيَةَ عَن يَدٖ وَهُمۡ صَٰغِرُونَ﴾

"(اے مسلمانو!) تم اہل کتاب میں سے ان لوگوں کے ساتھ (بھی جوابی) جنگ کرو (جنہوں نے تمہارے ساتھ کیے ہوئے معاہدۂ اَمن کو توڑ کر، جلا وطنی کے باوجود جنگ اَحزاب میں مدینہ پر حملہ آور کفارِ مکہ کی اَفواج کی بھرپور مدد کی اور اب بھی تمہارے خلاف تمام ممکنہ سازشیں جاری رکھے ہوئے ہیں) جو نہ اللہ پر ایمان رکھتے ہیں نہ یوم آخرت پر اور نہ ان چیزوں کو حرام جانتے ہیں جنہیں اللہ اور اس کے رسول (ﷺ) نے حرام قرار دیا ہے اور نہ ہی دینِ حق (یعنی اسلام) اختیار کرتے ہیں، یہاں تک کہ وہ (حکمِ اسلام کے سامنے) تابع و مغلوب ہو کر اپنے ہاتھ سے خراج ادا کریںo"(۱)

﴿فَإِذَا ٱنسَلَخَ ٱلۡأَشۡهُرُ ٱلۡحُرُمُ فَٱقۡتُلُواْ ٱلۡمُشۡرِكِينَ حَيۡثُ وَجَدتُّمُوهُمۡ وَخُذُوهُمۡ وَٱحۡصُرُوهُمۡ وَٱقۡعُدُواْ لَهُمۡ كُلَّ مَرۡصَدٖۚ فَإِن تَابُواْ وَأَقَامُواْ ٱلصَّلَوٰةَ وَءَاتَوُاْ ٱلزَّكَوٰةَ فَخَلُّواْ سَبِيلَهُمۡۚ إِنَّ ٱللَّهَ غَفُورٞ رَّحِيمٞ﴾

---

(۱) التوبہ،۹/۲۹۔

"پھر جب حرمت والے مہینے گزر جائیں تو تم (حسبِ اعلان جن) مشرکوں (نے اَز سرِ نو جنگ شروع کر دی ہے، دورانِ جنگ ان) کو جہاں کہیں بھی پاؤ قتل کر دو اور اُنہیں گرفتار کر لو اور انہیں قید کر دو اور (انہیں پکڑنے اور گھیرنے کے لیے) ہر گھات کی جگہ ان کی تاک میں بیٹھو، پس اگر وہ توبہ کر لیں اور نماز قائم کریں اور زکوٰۃ ادا کرنے لگیں تو ان کا راستہ چھوڑ دو۔ بے شک اللہ بڑا بخشنے والا نہایت مہربان ہے"(۱)

﴿يَـٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُواْ قَـٰتِلُواْ ٱلَّذِينَ يَلُونَكُم مِّنَ ٱلْكُفَّارِ وَلْيَجِدُواْ فِيكُمْ غِلْظَةً ۚ وَٱعْلَمُوٓاْ أَنَّ ٱللَّهَ مَعَ ٱلْمُتَّقِينَ﴾

"اے ایمان والو! تم کافروں میں سے ایسے لوگوں سے جنگ کرو جو تمہارے قریب ہیں (یعنی جو تمہارے خلاف براہِ راست دشمنی اور جارحیت میں ملوث ہیں) اور (جہاد ایسا اور اس وقت ہو کہ) وہ تمہارے اندر (طاقت و شجاعت اور دفائی صلاحیت کی) سختی پائیں، اور جان لو کہ اللہ پرہیزگاروں کے ساتھ ہے"(۲)

اسی طرح بغیر امام کے قتال جائز ہے (واللہ اعلم) میرے خیال میں حکم دار اور بادشاہ کے ٹھکانے کے حوالے سے اباضیوں کے نقطہ نظر کی وضاحت کے لیے یہ کافی ہے جو صورتیں ہم نے اوپر بیان کر دیا ہے صرف سب سے آخر والی ایک نادر صورت ہے جس کے حوالے سے ہم نے اٹلی فرانس انگریزی اسلامی ممالک میں سامراج کی مثالیں بیان کر دیں۔

ابو یعقوب اوار جلانی نے بھی اس آخری صورت کے حوالے سے بات کی ہے اس میں سے بعض وہ ٹکڑے محترم قاری کی خدمت میں گوش گزار ہیں جو اس کی کتاب (الدلیل والبرھان) کے تیسرے جزء کے صفحہ ۴۷ اور اس کے بعد والے پر ہیں۔

(جان لو جس نے دارِ شرک کو اپنا وطن بنایا یہ اس کے لیے جائز نہیں ہے۔)

پھر اس حکم کے استدلال کو پیش کرتا ہے اس کے بعد مشرکین کے ساتھ تعاون، تعامل کی بات کی ہے۔

اس کے بعد کہتے ہیں!

(اگر بلادِ اسلامیہ پر مشرکین نے فتح حاصل کر لی تو تمام وہاں کے مسلمان باسیوں پر ان کے تحت رہنا جائز ہے ان پر ان کے احکامات جاری ہو سکتے ہیں کسی کے لیے یہ جائز نہیں کہ وہاں سے دیگر لوگوں سے الگ ہو کر کسی اور جگہ چلا جائے اور سکونت اختیار کرے اگر مشرکین کے خوف سے مسلمانوں میں سے کوئی بھی وہاں سے نکلا تو اس کی مثال اس شخص کی طرح

---

(۱) التوبۃ،۹/۵۔

(۲) التوبۃ،۹/۱۲۳۔

ہو جائے گی گویا وہ وہاں کبھی رہا ہی نہیں اور اگر بلاد اسلامیہ پر اہل کتاب فاتحین ہوں تو مسلمانوں کے لیے ان کے ساتھ مل جل کر رہنا اور ان کے کھانے کو کھانا جائز ہے ان سے تجارت بھی جائز ہے ان کے ذبیحہ کو گھی، مکھن پنیر کو کھانا بھی جائز ہے۔ اگر اس میں حرام نہ ملا ہو۔ اسی طرح ان کا کھانا پینا شراب کے علاوہ جائز ہے اور اگر نجاست کا شبہ ہو تو بقدر استطاعت احتیاط برتی جائے ان سے شادی کرنا ان کی ثقافت کو اپنے اندر سرائیت نہ ہونے دیں ان سے شادیاں اور نکاح کے معاملات نہ کریں۔ البتہ دیگر مالی معاملات میں کوئی حرج نہیں ہے چاہے وہ خنزیروں کی قیمت یا پھر سودی پیسے ہوں لیکن ان کے ساتھ سود کا کاروبار نہ کریں ان کے خنزیروں کو نہ کھائیں اگر کسی دشمن نے ان کے ملک پر ظلم کا ارادہ کیا تو وہ تمام مسلمان دفاع کریں لیکن اگر وہ حملہ آور مسلمانوں کے لشکر ہوں تو ان سے لڑائی نہ کریں اور نہ ہی ان کے مقابلہ میں آئیں۔

مجوسیوں کے کھانے پینے کی چیزوں گھی پنیر وغیرہ کھانے سے نجاست کے خدشے کے پیش نظر گریز کریں۔

موکف اس راسے پر چلا ہے جس پر ایک مخصوص شاذ حالت میں مسلمانوں کو چلنا چاہیے اس ساری گفتگو کے بعد اب میں مندرجہ ذیل صورتوں کے تحت اس موضوع سے متعلق ساری بحث کا خلاصہ پیش کرتا ہوں۔

١. اس وقت دارِ اسلام اور بادشاہ کا ٹھکانہ بھی دار اسلام سمجھا جائے گا جب وطن مسلمانوں کا ہو امت مسلمہ وہاں آباد ہو اور سلطنت اسلامی ہو جس میں امورِ سلطنت اسلام کے مطابق چل رہے ہوں۔

٢. اس وقت دار اسلام اور بادشاہ کا ٹھکانہ بھی دار اسلام ہی شمار ہو گا سوائے یہ کہ اس کو دار بغاوت سرکشی کہا جائے جب وطن اسلامی ہو امت بھی اسلامی اور سلطنت بھی اسلامی ہو امور سلطنت میں اسلامی نظام اور منہج کا اہتمام نہ کیا جائے۔

٣. اس وقت دار دارِ اسلام اور بادشاہ کا ٹھکانہ دار الکفر ہو گا جب وطن اسلامی امت مسلمان ہو لیکن حکمرانی مشرک نظام کی ہو چاہے وہ کتابی ہوں یا غیر کتابی تو اس وقت بادشاہ کی پناہ گاہ اور ٹھکانہ دار الکفر ہو گا۔

٤. اس وقت دار دار الکفر اور بادشاہ کا ٹھکانہ بھی دار الکفر ہو گا جب سلطنت مشرکین کی ہو وہاں تمام مشرکین رہتے ہوں اور امور مملکت بھی مشرکوں کے نظامِ شرک کے تحت سرانجام پاتے ہوں۔

مذہبی مخالفین کے ساتھ حکمِ تعامل

فقہا نے ان مذہبی حکومتوں کے حوالے سے بات کی ہے جس میں کسی ایک مذہب کی فقہ کے مطابق امورِ سلطنت سرانجام پاتے ہوں ایسی صورت میں وہ مخصوص مذہب کی حامل حکومت دیگر اسلامی مذاہب سے کون سا تعامل اور برتاؤ روا رکھے گی۔ ان کے ساتھ کیسا سلوک کرے گی اس کا موقف ان دیگر اسلامی مذہب کے حوالے سے کیا ہو گا اسی طرح اس نے اس حوالے سے بھی بات کی ہے کہ ہم وطن افراد جو اس مذہب سے وابستہ ہوں جس کی حکومت ہے تو وہ دیگر مذاہب اسلامیہ کے حاملین سے کیسا سلوک روا رکھیں گے۔

میں اس حوالے سے اباضیوں کی رائے کا خلاصہ ذیل میں پیش کرتا ہوں۔

۱. جب حکومت مذہب اباضی کی ہو تو دیگر مذاہب کے حاملین افراد سے تعامل کے حوالے سے اباضیوں کا یہ نقطہ نظر ہے کہ وہ اپنے اختلافی نقاط کو واضح کریں گے اور ان کو اپنے درست اور ٹھیک عقیدے کی دعوت دیں گے وہ قبول کریں یا نہ کریں ہر حال میں ان سے یکساں معاملہ کیا جائے گا جیسا کہ دیگر شہریوں اور وطن کے باسیوں سے سلوک کیا جائے گا تمام حقوق واجبات میں ان سے یکساں بغیر کسی تفریق کے سلوک کیا جائے گا جیسا سلوک مذہب اباضی کے افراد سے کیا جائے گا اور اگر کسی نے فتنے کی طرف بلایا چاہے وہ اباضی ہو یا غیر اباضی کسی اور مذہب سے تعلق رکھتا ہو تو اس کو پہلے ڈرایا دھمکایا جائے گا اگر اس نے رجوع کر لیا تو یہی مطلوب، مقصود ہے اور اگر بضد رہے تو ان سے اس وقت تک قتال کرنا واجب ہے جب تک وہ اپنے فتنے سے باز نہیں آجاتے۔

۲. جب اباضی کسی ایسی اسلامی سلطنت میں رہتے ہوں جہاں اباضی مذہب کے علاوہ کسی اور اسلامی مذہب کی حکومت ہو تب تمام اباضیوں پر جو وہاں رہتے ہیں اس نظام اور قوانین کے تابع ہو کر رہنا ضروری ہے چاہے وہ آراء اور قوانین ان کے مذہب کے مخالف ہی کیوں نہ ہوں اسی طرح ان پر واجب ہے کہ وہ اس حکومت کے ساتھ ہر چیز میں سوائے معصیت کے بھرپور تعاون کریں لیکن جب ان کو معصیت کی طرف بلایا جائے تو تب خالق کی نافرمانی میں مخلوق کی اطاعت جائز نہیں ہے۔

اس حوالے سے علامہ ابو یعقوب الوار جلانی نے مثالوں کے ساتھ بڑا تفصیلی تجزیہ کیا ہے انہوں نے اپنی کتاب (الدلیل والبرھان) کے تیسرے جزء صفحہ ۵۳ پر درج ذیل کہا ہے:

(امیر المومنین کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ مذہبی مخالفین کو موقع دے اس چیز کو چھوڑنے کا جس کی وجہ سے وہ گمراہ ہوئے ہیں اگر انہوں نے اس کی دعوت قبول کی تو ہدایت پا گئے اب وہ ہمارے بھائی ہیں ان کے لیے وہی سب کچھ ہے جو ہمارے لیے ہے یعنی وہ جزاء سزا، عطاء میں ہمارے برابر ہیں ہم اور وہ ایک ہی قانون کے ماتحت چلیں گے جیسا کہ پہلے ذکر ہو چکا ہے۔

جیسا کہ ابو حمزۃ المختار بن عوف نے اہل مدینہ سے خطاب کرتے ہوئے کہا تھا!

(اے لوگو ہم لوگوں سے ہیں اور لوگ ہم سے ہیں بجز بت پرستوں ظالم، جابر حکمرانوں اور اصحاب بدعت کے جو لوگوں کو اپنی بدعت کی طرف بلاتے ہیں اگر وہ اپنی اس بدعت سے رک جائیں گے تو ہم ان کو حکم الٰہی کے مطابق برابر حقوق دیں گے۔ اگر انہوں نے احکام الٰہی کی پیروی کی تو ہم ان کے سابقہ بدفعالیوں پر گرفت نہیں کریں اور ان کے لیے بھی وہی حقوق واجب ہوں گے جو ہمارے لیے واجب ہیں بس جس نے توبہ کر لی لیکن جب تک وہ اپنی گمراہی، سرکشی میں بھٹکے رہیں گے تب تک ان کے لیے کوئی حق نہیں ہے۔

اگر وہ توبہ کرلیں تو ان کے مال فئی غنائم، صدقات میں حقوق ہیں اسی طرح دیگر مسلمانوں کی طرح ان سے بھی ہر ظلم کو دور کرنا ہم پر واجب ہے۔ عدل، انصاف دینا بھی لازم ہے اگر وہ ہمارے ساتھ مل کر غزوات میں حصہ لیں تو ان کے لیے بھی اتنا ہی حصہ ہے جتنا ہمارے لیے ہے اور اگر ان میں سے کسی نے ان حقوق کو روکا تو ہم اس کو تازیانۂ ایسا سبق سکھائیں گے جس سے ان کو واپس راہ راست پر لائیں گے اگر اس نے تجاوز کیا اور پھر بھی اپنی حرکات سے باز نہ آیا تو اس سے قتال کرنا ہم پر واجب ہو گا اور اس کا ہم خون بہائیں گے۔ اگر انہوں نے ہماری اطاعت کو قبول کرلیا اور اپنے وطنوں کو واپس لوٹ گئے تو ہم ان کو چھوڑ دیں گے بجز اس کے جس نے کسی محکم آیت یا سنت کا انکار کیا ہو اور ہم ان کو پورے پورے حقوق دیں گے۔ ہم ان کو انصاف کے ساتھ حقوق دیں گے جو انصاف تقاضا کرے گا اور اگر وہ اپنے پیشواؤں اور لیڈروں کے ساتھ مل کر اپنے دین کے خلاف مہم جوی کریں گے اور باز نہیں آئیں گے بلکہ ان کو فقر، فاقہ کی حالت میں چھوڑ دیں گے اور ان کو لوگوں کا محتاج بنا دیں گے اسی طرح اگر ہمیں ان کے حوالے سے کسی غلط فہمی کا ادراک ہو تو سب سے پہلے ہم ان کو وضاحت کا موقع دیں گے اور نظر انداز کریں گے لیکن اگر انہوں نے سر عام کوئی برائی سر انجام دی تو ہم ان کو نہیں چھوڑیں گے ان کو ہر بدعت سے منع کریں گے سوائے مکروہ عمل کے اس میں ان کو اختیار ہے ترک کریں یا اپنائیں اگر ہم ان سے لڑے اور ان کو شکست دے دی تو ان میں سے واپس بھاگنے والے کو نہیں پکڑیں گے ان کے اموال کو بھی واپس لوٹا دیں گے بجز بیت المال کے اس کو ہم جائز نہیں سمجھتے کیونکہ وہ تو تمام اہل وطن کا مال ہے ہم ہر ترح کے ایسے مظالم ان پر نہیں کریں گے اگرچہ وہ ان کے مذہب میں جائز ہی ہوں۔ ہاں اگر مسلمانوں کا بیت المال ان کے پاس ہوا تو اُسے ہم ضرور واپس لیں گے اور اس کو اس کے مصرف میں ہی خرچ کریں گے اور اگر وہ مال ظالمانہ طریقے سے چھینا گیا ہو گا تو اُسے ہم اس کے اہل کو لوٹا دیں گے۔)

کچھ سطروں کے بعد کہتے ہیں!

اگر ہم قادر ہوئے تو ان میں سے جس نے ہمارے کسی آدمی کو قتل کیا ہو گا ویسا ہی ہم اس کو قتل کریں لیکن پھر بھی ہم ان پر محاربین والا حکم جاری نہیں کریں گے۔

پھر کچھ سطروں کے بعد کہتے ہیں!

ان کے مقتولوں کا ہم جنازہ پڑھیں گے ان کو دفن کریں گے ان کی میراث کو جو جائز طریقہ ہے تقسیم کریں گے۔ عدد، مال اور حمات ہر چیز شرعی طریقے کے مطابق تقسیم ہوں گی۔

ابو یعقوب نے اپنی کتاب (الدلیل و البرھان) کے تیسرے جزء صفحہ ۶۱ پر اس کے بالکل برعکس ایک نئی جہت کا تجزیہ کیا ہے۔ جو درج ذیل ہے:

(اے بھائی جان لو میں یہ بیان کرنا چاہتا ہو کہ مسلمانوں کا اہل خلاف اہل دین کے ساتھ اور گمراہ ظالم سلاطین اور دیگر مشرکین کے ساتھ کیسا سلوک تھا جان لو اہل دعوۃ کا مذہب اور موقف ہے یہ کہ ظالم بادشاہوں کے خلاف خروج جائز ہے

ایسا معاملہ نہیں ہے جیسا کہ اہل سنت کہتے ہیں کہ ظالموں کے خلاف نکلنا اور جنگ کرنا جائز نہیں بلکہ ان کے ظلم کو برداشت کرنا اولیٰ ہے۔اس حوالے سے امت مسلمہ میں تین اختلافی موقف پائے جاتے ہیں۔

پہلا قول اہل دعوت کا ہے وہ یہ کہ ظالموں جابروں حکمرانوں کے خلاف نکلنا ان سے قتال کرنا جائز ہے اور ان کو ایسے احکام کے جاری کرنے سے منع کرنا جن میں ہم ان کے ماتحت نہیں ہیں اور اگر ہم ان کے ماتحت ہیں تو پھر بہت سے احکام میں ہمیں ان کو روکنا آسان نہیں ہوگا اس لیے ان کے خلاف ہنگامہ آرائی اور خروج کرنا چاہیں تو ہمارے لیے جائز نہیں ہے۔

اس کے بعد وہ عدم خروج کے حکم کی وضاحت کرتے ہیں چاہے سلطنت کس قدر ہی مظالم ڈھا رہی ہو اس کے خلاف کسی بھی حال میں خروج کرنا جائز نہیں ہے۔ جس موقف کو وہ اپنی تعبیر کے مطابق اہل سنت کی طرف منسوب کرتا ہے۔

تیسرا قول خوارج کی طرف منسوب کرتے ہیں کہ ان کے نزدیک ظالم حکمرانوں اور سرکشوں کے خلاف نکلنا اور قتال کرنا واجب ہے اس کے جواز میں وہ کافی سارے تاریخی واقعات بطور دلیل پیش کرتا ہے۔

جن میں سے توابین کے یزید کے خلاف خروج، عبدالرحمٰن بن محمد بن اشعث کا حجاج کے خلاف اسی طرح کبار تابعین کا خروج جیسا کہ شعبی سعید بن جبیر، زید بن الحسین کا ھشام کے خلاف اور یحی بن زید بن علی کا خروج وغیرہ۔

اس گفتگو کے ضمن میں انہوں نے اپنے ایک ہونے والے مناظرے کا بھی صفحہ ۶۳ پر ذکر کیا ہے جو علماء میں سے کسی کے ساتھ ہوا تھا وہ درج ذیل ہے:

(سجلماستہ میں اس موضوع پر میرا بھی وہاں کے عظیم فقیہ یحی بن ابو بکر بن الحسین بن الشیخ یوسف بن نفاث کے ساتھ ایک مناظرہ ہوا انہوں نے مجھے بتایا کہ سب سے پہلے ظالم سلاطین کے خلاف خروج کا راستہ مرداس بن ادیہ نے وضع کیا۔)

اس میں ایک اس کے لیے اچھا نمونہ ہے اس نے کہا۔

(کیسے اچھا ہے) میں نے کہا (کیسے برا ہے) اس نے کہا وہ کون ہے میں نے کہا (طلحہ اور زبیر ہیں) اس نے کہا (زبیر اور طلحہ نے اجتہادی غلطی کی ہے) میں نے کہا (ہو سکتا ہے یہ اجتہاد درست ہو) اس نے کہا کیسے درست ہو سکتا ہے؟ میں نے کہا ہو سکتا ہے اس نے اجتہاد کیا ہو اور خطاء کی ہو۔

اس نے کہا خدا تعالیٰ ان سب کی مغفرت کرے۔

اسی صفحہ پر مزید کہتا ہے:

(اگر ہم ان کے خلاف نہ بھی نکلیں اور ان کے نظام کے ماتحت زندگی گزارتے ہیں تب بھی جائز ہے۔)

اب میں اے محترم قاری اس آخری فقرے کی طرف لوٹتا ہوں تاکہ اس کے بعض اہم پہلوؤں کا جائزہ لے سکیں۔

جب تو پہلے فقرے میں غور کرے تو پتہ چلے گا کہ ابو یعقوب نے اسلامی سلطنوں کی تین اقسام بیان کی ہیں جو درج ذیل ہیں:

۱. مذہبی مخالفین

۲. ظالم اور گمراہ سلاطین

۳. دیگر مشرکین

اے محترم قاری تو نے دیکھا کہ اس نے پہلی قسم کے حوالے سے کوئی بات نہیں کی اور نہ ہی خروج کے موضوع سے متعلق ان کے حوالے سے کوئی بات کی ہے یعنی وہ ظالم حکومت کے خلاف حکم خروج کہ معلق کر رہا ہے نہ کہ ایسی حکومت کے خلاف حکم خروج لگا رہا ہے جو مذہبی اعتبار سے کسی ایک فرقے یا مذہب کی ہو۔

اسی لیے اس خروج کے حوالے سے اہل دین کے ساتھ کوئی چیز معلق نہیں کی اس نے دوسری قسم ظالم حکمرانوں کے خلاف چاہے ان کا تعلق مذہب اباضی سے ہو یا دیگر مذاہب اسلامیہ سے ہو خروج کرنا بھی جائز ہے اور ان کے ماتحت رہنا اور خروج نہ کرنا بھی جائز ہے۔

رہی تیسری قسم مشرکین کی تو ان کے حوالے سے ایک طویل فصل ذکر کی ہے اور ان کے حوالے سے جو مسلمانوں میں سے ان کے نظام حکومت کے ماتحت ہو گے سیر حاصل گفتگو کی ہے۔

یہاں میں مزید اباضیوں کے اس موقف کے حوالے سے بات کرنا چاہوں گا جب حکومت اباضی مذہب کی ہو اور عدالت میں کوئی مقدمہ ایسا پیش کیا جائے جو دو مذہبوں کے مابین اختلاف پر مبنی ہو تو اس پر سلطنت کے قانون کے مطابق فیصلہ کیا جائے گا اور فیصلہ درست اور نافذ العمل ہو گا اور اس کے مطابق تمام تر واجبات حقوق مرتب کیے جائیں گے چاہے وہ اباضی مذہب کے مخالف ہی کیوں نہ ہو۔

ابو یعقوب نے اس حوالے سے اپنی کتاب میں بعض مثالیں بیان کی ہیں جو درج ذیل ہیں۔

(ایک آدمی اپنے مذہبی مخالفین کی حکمرانی کے ماتحت تھا۔ شادی کی اور پھر اپنی بیوی سے غائب ہو گیا۔ قاضی نے اس سے وضاحت مانگی تو اس نے کوئی بھی جواب نہ دیا تو قاضی نے اس کی بیوی کو طلاق دے دی اور احکامات الٰہی کے عین مطابق جو اس کا نفقہ بنتا تھا مقرر کر دیا یا اسی طرح اگر قاضی نے اس کو طلاق دے دی جبکہ شوہر کے پاس کوئی مال، متاع بھی نہیں ہے تو پھر اس عورت کا حکم کیا ہو گا کیا یہ طلاق واقع ہو جائے گی اس کا مطلقہ شمار کیا جائے گا یا غیر مطلقہ۔ اگر وہ غیر مطلقہ ہے تو کیا اس کا شوہر اس کے ساتھ رہ سکتا ہے اس حوالے سے قاضی کے حکم کو نہیں دیکھا جائے گا؟ وراثت اور حقوق میں وہ شامل ہو گی یا نہیں؟

جان لو یہ مطلقہ ہے چاہے اس نے مسلمانوں یعنی اباضیوں کی طلاق سے متعلق فقہی احکام سے نہ بھی حکم لیا ہو شوہر کے لیے اس کے ساتھ رہنا حلال نہیں ہے نہ ہی اس کے قریب جانا حلال ہے انکے مابین جو بھی حقوق تھے وہ ساقط ہو گئے ہیں اس عورت کے لیے اب ضروری ہے کہ وہ ایک اور آدمی سے شادی کرے اور صحبت کے حقوق ادا کرے تب وہ اس کی اور یہ اس کی وراثت میں شامل ہو گی۔

اسی صفحہ پر ایک اور مثال ذکر کی ہے!

(ہمارے لیے اس حکم کو ماننا ضروری ہے جو بھی گواہی اور قسم کے ساتھ ثابت کیا گیا ہو حکم میراث بھی اس فیصلے کے مطابق جاری کیا جائے گا۔

کچھ سطروں کے بعد کہتے ہیں۔

رہی بات عبادات نماز روزہ حج زکوٰۃ کی تو اجماع کے خلاف جانے کا کوئی راستہ نہیں ہے جیسا کہ اہل تشیع کا روزہ جو شعبان کے آخری دن کا رکھتے ہیں اور رمضان کے آخری دن کا یہ سب فاحش ہے اسی طرح اہل دعوت نماز میں خاموشی کو ناپسند کرتے ہیں۔

اسی طرح امام نورالدین سالمی نے اباضیوں کے اس موقف سے متعلق بات کی ہے جو کہ اہل مذہب مخالفین کے ساتھ تعامل کے حوالے سے ہے۔

ان آراء کا خلاصہ ہم یہاں ذیل میں پیش کرتے ہیں:

۱. ہم والدین، قرابت داروں، یتیموں، مسکینوں، مسافروں دوستوں، پڑوسیوں کے حقوق کے ساتھ ساتھ ان باندیوں کے حقوق کی بھی رعایت کرتے ہیں جو ہماری ملکیت میں ہیں چاہے وہ صالحات نیک ہوں یا فجار ہوں ہم سب کو حقوق دیتے ہیں۔

۲. امانتیں ہم اس کے سپرد کرتے ہیں جو ان کی حفاظت کے اہل ہوں چاہے وہ ہمارے لوگوں میں سے ہوں یا ہمارے غیروں میں سے ہوں۔

۳. ہم اپنی قوم ذمیوں اور دیگر کے معاہدوں کی پاسداری کرتے ہیں۔

۴. ہمارے لوگوں میں سے یا ہمارے مخالفین میں سے کسی نے پناہ مانگی تو ہم ان کو پناہ دیتے ہیں۔

۵. ہمارے ہاں جنگ سے باز رہنے والا اور خود کو الگ کر لینے والا محفوظ مامون ہے۔

۶. ہم کتاب اللہ معرفت حق اور اسکی خلافت کے اہل خلفاء کی طرف بلاتے ہیں اسی طرح باطل سے اور اس کے چاہنے والوں سے علیحدگی کی دعوت دیتے ہیں۔

۷. جس نے خدا تعالیٰ کے کسی حق کا انکار کیا اور ہدایت کے بدلے گمراہی کو چاہا مسلمانوں میں تفرقہ ڈالا اور ان سے دشمنی کی تو ہماری اس سے علیحدگی ہے اور ہم اس کے ساتھ قتال کریں گے یہاں تک کہ خدا کے حکم کا پیروکار بن جائے یا پھر اپنی گمراہی، ضلالت میں ہی مر جائے۔

۸. جس نے حقِ الٰہی کا انکار کیا مسلمانوں سے جدا ہوا ان سے دشمنی کی ہم ان کی خواتین کو قیدی بنانا ان کے بچوں لونڈیوں کو قتل کرنا اور ان کے اموال کو حتی کہ ان کو وراثت سے قطع تعلق کرنے کو بھی حلال نہیں سمجھتے۔

۹. ہم اپنی قوم میں پھوٹ ڈالنا پسند نہیں کرتے اور نہ ہی ان کو سری طریق سے قتل کرنا جائز سمجھتے ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں اس کا حکم نہیں دیا اور نہ ہی کبھی ایسا مسلمانوں میں سے کسی نے کیا ہے۔

۱۰. ہماری رائے کے مطابق ہماری قوم کی خواتین ان کی میراث ہم پر حرام نہیں جب تک وہ ہمارے ہی قبلہ کو مانتے ہیں۔

۱۱. ہمارے نزدیک کسی ایسے اہل قبلہ میں سے شخص پر حد جاری کرنا جائز نہیں جس کے فعل کا ہمیں علم نہ ہو۔

۱۲. ہم اپنی قوم کو قتل کرنا اس وقت تک جائز نہیں سمجھتے جب تک وہ اہل قبلہ ہیں اور وہ اس کی طرف متوجہ ہوتے ہیں۔

۱۳. ہم بچوں کے قتل کو جائز نہیں سمجھتے چاہے وہ اپنے ہوں یا ہمارے غیروں کے ہوں۔

۱۴. ہم کسی بھی ایسی شادی شدہ عورت کو اپنے لیے حلال نہیں سمجھتے جس نے کتاب، سنت کے مطابق شادی کی ہو اور جب تک اس کو طلاق نہیں ہو جاتی یا اس کا شوہر وفات پا جانے کے بعد اس کی عدت پوری نہیں ہو جاتی (چاہے وہ طلاق کی عدت ہو یا وفات کی ہو)

۱۵. ہم اپنے وطن سے (انتقال) ہجرت کو جائز نہیں سمجھتے۔

۱۶. ہم حکومت ولایت صرف اُسی کی مانتے ہیں جس کے بارے میں ہمیں علم ہو کہ وہ اس منصب کو خدا تعالیٰ کے حکم کے عین مطابق سرانجام دینے کا اہل ہے۔

۱۷. ہم معاصی پر مصر اہل دعوت اور دیگر میں سے افراد سے قطع تعلق ہیں یہاں تک کہ وہ معاصی کے اصرار کو چھوڑ کر توبہ نہ کر لیں۔

۱۸. مسلمانوں میں سے جس کو ہم نہیں بھی جانتے مسلمانوں کی اس کے حق میں گواہی کی بنا پر اس کو ہم خلیفہ مان لیں گے۔

۱۹. ہم اس سے اور اس کے ساتھیوں سے بھی برأت کا اظہار کرتے ہیں جس کو ہم نے تو نہیں پایا کہ وہ ظالم اماموں میں سے ہے لیکن مسلمانوں کی گواہی نے ثابت کیا ہو کہ وہ ظالم ہے۔

۲۰. ہم اپنی قوم کے ملوک اور خلفاء سے یہ مطالبہ کرتے ہیں کہ وہ خدا تعالیٰ کا تقوی اختیار کریں۔ خواہشات کی پیروی نہ کریں سنت سے انکار اور معرفت کے بعد معاصی پر مُصّر نہ ہوں اسی طرح صدقہ اور مال فیٔ کو حکم الٰہی کے عین مطابق رکھیں اور اس کا استعمال کریں۔

۲۱. ہم (السابہ) جو کہ اہل تشیع ہیں ان سے مطالبہ کرتے ہیں کہ وہ خدا تعالیٰ سے ڈریں اور اس سے لا تعلقی نہ کریں جس نے حکومت کو حکم الٰہی کے عین مطابق کی ہے اور اس کے والی اور دوست نہ بنیں جس نے حکم الٰہی کو ترک کیا اور اسکی خلاف ورزی میں حکومت کی۔

۲۲. اسی طرح ہم خوارج سے بھی مطالبہ کرتے ہیں کہ وہ دین میں گمراہی مت پھیلائیں اور خدا تعالیٰ کے ان ہدایت یافتہ بندوں کے راستے سے نہ ہٹیں جو ان کے اسلاف تھے نہ ہی ایسی قوم کو اپنا دوست بنائیں جو اعمال میں ان کے اسلاف کے مخالف ہیں اور ان سے جدا نہ ہو جو ان کے اسلاف کی سیرت پر چلے ہیں۔

۲۳. مرجئہ سے بھی ہماری یہی درخواست ہے کہ وہ اپنے رب تعالیٰ کا تقوی اختیار کریں اور مومنین کی خاطر اس کو ولی اور خلیفہ مان لیں جو اس منصب کا اہل ہے اور جس کے بارے میں نہیں جانتے کہ وہ ظالم ائمۃ میں سے ہے صرف مسلمانوں کی گواہی پر اس کو ظالم مان لیں اور اس سے برأت کر لیں۔

ان لوگوں کی گواہی کی طرح جو آج ان پر گمراہی ضلالت کا حکم لگاتے ہیں اسی طرح حُکّام کو سوائے ان ناموں کے کوئی نام نہ دیں جو خدا تعالیٰ نے اتارے ہیں۔

۲۴. اسی طرح ہم اپنے اہل سنت بھائیوں سے گزارش کرتے ہیں کہ خدا کا تقوی حاصل کریں اور حکم قرآن کا اقرار کریں اس کے وعدے پر یقین کریں اس لیے مستفیض ہوں اور سرکشوں باغیوں کے لیے ان احکام کو مباح جانے جن کو ان کے لیے حق تعالیٰ نے مباح کیا ہے اور ان سے علیحدگی کریں قتال کریں یہاں تک کہ وہ توبہ کر لیں۔

۲۵. اسی طرح ہم اہل بدعت سے مطالبہ کرتے ہیں کہ وہ خدا سے ڈریں سنتِ رسول ﷺ پر عمل پیرا ہوں اس پر عمل میں قائم ہو جائیں چاہے ضعف کے درجے پر ہی ہو لیکن جتنا ہو سکے اس پر عمل کریں۔

۲۶. اسی طرح ہم اپنی دیگر قوم سے اپیل کرتے ہیں کہ وہ اپنے رب تعالیٰ کا تقوی اختیار کریں اور رب کے حکم کو اپنی قوم کے حکم کے تابع نہ کریں۔

اور یہ کہ معصیت، الٰہی میں اپنی قوم کے کسی حکم کو نہ مانے کیونکہ خدا تعالیٰ نے کسی بھی ایسے شخص کی اطاعت کا حکم نہیں دیا جس نے اس کے وعدے کی خلاف ورزی کی ہو۔

میرے خیال میں جو کچھ میں نے پیش کیا ہے اس سے محترم قاری کو اباضیوں کے حوالے سے اور ان کے موقف کے بارے میں بخوبی آگاہی ہو گئی ہو گی کہ وہ اپنے علاوہ تمام دیگر مذاہب سے منسلک مسلمانوں کو اپنا بھائی اعتبار کرتے ہیں تمام تر حقوق، واجبات میں یکساں سمجھتے ہیں ان تمام حقوق کا اعتراف کرتے ہیں جو خدا تعالیٰ نے ایک مسلمان کے لیے واجب کیے ہیں وہ اس کو پورا کرنے کے خاہاں ہیں۔ اسی طرح وہ تمام مسلمانوں سے ان واجبات کو ادا کرنے کا مطالبہ کرتے ہیں جو ان حقوق کو قائم کرنے کی طرف بلاتے ہیں بجز استغفار اور معافی کے یہ صرف ایک سچے مخلص مسلمان کا ہی حق ہے۔

یہ اباضیوں کے نزدیک ایک مخلص مؤمن کا مخصوص حق ہے اگر کوئی سچا مسلمان ہے تو جب کوئی برائی کرتا ہے تو وہ اس کو توبہ کرنے کو کہتا ہے چاہے وہ فعلی گناہ ہو، متروک ہو یا متروک ہو یا تاویلی ہو جس سے اس نے توبہ نہیں کی اس پر اس کو توبہ کرنا لازم ہے اس سے توبہ کا مطالبہ کیا جائے گا اس کے ایک حق کے علاوہ اباضیوں کے نزدیک تمام مذاہب کے حاملین مسلمان حقوق، واجبات میں یکساں ہیں۔ بجز ایسے فعل کے جو مسلمان کو دین اسلام سے ہی نکال دیتا ہوں اور اس پر اجماع امت ہو جیسا کہ دین کے ضروری علم کی معرفت سے انکار وغیرہ یہ ایسا عمل ہے جس میں تمام مذاہب کا اتفاق اور اجماع ہے اس میں دیگر مسائل کی طرح اختلاف نہیں جیسا کہ بقیہ کچھ فقہی مسائل کا حال ہے اور وہ دین میں غلط ہے جیسا کہ متفقین کے پیچھے نماز ادا کرنے سے روکنا ان کو اپنے مقبروں میں دفن کرنے اور ان کے ساتھ نکاح اور شادیاں کرنے سے روکنا وغیرہ جس کی مثالیں آپ نے اس کتاب کی ابتداء میں ملاحظہ کی تھیں۔

دو رتبوں کے مابین ایک رتبہ

مستشرق نیلینو نے کہا!

(صرف دو ایسے مسائل ہیں جن میں شمال افریقہ کے اباضیوں اور معتزلہ کے مابین اختلاف ہوا ہے پہلا ہے ضرورۃ اس طریقے سے متعلق ہے جس کے تحت مرتکب کبیرہ پر حکم لگایا جائے گا یہ خوارج ہیں کہتے ہیں۔ انہوں نے اس سے متعلق اہل سنت کی مکمل مخالفت کی ہے اور یہ کہا ہے کہ مرتکب کبیرہ نہ تو مومن ہے نہ مسلم بلکہ وہ دو رتبوں کے مابین ایک رتبے میں ہے جیسا کہ معتزلہ بھی کہتے ہیں۔ اس لیے شیخ عامر صفحہ نمبر ۱۲۰ پر کہتا ہے کہ ایمان اور کفر کے مابین کوئی اور درجہ نہیں ہے۔

مجھے یہ محسوس ہوا ہے کہ مستشرق کا کلام غیر واضح ہے اور بے جا اس نے استدلال کیا ہے بلکہ ایسا لگتا ہے اس نے کبیرہ گناہ کے ارتکاب کے حوالے سے مکمل طور پر اباضیوں کے موقف کو سمجھا ہی نہیں اور یہ جملے نہیں سمجھے کہ دو منزلوں کے درمیان ایک منزل) (اور دو منزلوں کے درمیان کوئی منزل نہیں ہے) اس وجہ سے میں نے چاہا کہ اس موضوع کے حوالے سے مزید آئمۃ کے کلام سے وضاحت کروں!

ابو محمد عبد اللہ بن سعید السدویکشی نے ساکن بن عامر بن علی الشماخی کی کتاب (الدیانات) کے متن پر اپنے حاشیہ میں بیان کیا ہے یہ وہ کتاب ہے جس پر مستشرق نیلینو نے اعتماد کرتے ہوئے اباضیوں کی آراء پیش کیا ہے۔

اس کا خلاصہ میں یہاں ذیل میں پیش کرتا ہوں۔

دو رتبوں کے درمیان ایک رتبہ

وہ کہتے ہیں کہ ایمان اور شرک کے مابین ایک رتبہ نفاق کا ہے یعنی منافق نہ تو مشرک ہے اور نہ ہی مؤمن بلکہ اہل توحید منافق ہے۔ اشعریہ کے دو بڑے رہنماؤں نے اس کی مخالفت کی ہے کہ منافق عصر کے علاوہ کوئی منافق نہیں ہے وہ ان کے نزدیک مشرک ہے۔ کیونکہ ایمان کو ظاہر کرتا ہے اور شرک کو چھپاتا ہے۔

کچھ سطروں کے بعد کہتا ہے!

(جس پر ہمارے اصحاب اور ان سے موافقت رکھنے والے تھے ان کا موقف یہ ہے کہ یہ افعال میں نفاق ہے اعتقاد میں نہیں۔ لہٰذا منافق عصر اور غیر میں کوئی فرق نہیں اہل توحید میں سے جو بھی معاصی کا مرتکب ہے وہ منافق ہے پھر اس موقف کے دلائل پیش کرتا ہے یہاں تک کہ یہ کہتے ہیں!

(دو منزلوں کے درمیان ایک اور منزل) اس سے متعلق گفتگو کا ماحاصل یہ ہے ہم کہتے ہیں کہ وہ ایمان اور شرک کے درمیان نفاق کا رتبہ ہے جبکہ ایمان اور کفر کے درمیان کوئی اور رتبہ نہیں ہے اس کی اصل کے اختلاف کے حوالے سے

اشاعرہ کا موقف ہے جو اس حکم کے اصل میں اختلاف کرتے ہیں۔ اس اعتبار سے کہ انہوں نے اس کو مشرک کے حکم میں داخل کیا ہے مشرک، مومن کے مابین کوئی تعلق نہیں رکھا اس پر انہوں نے اپنے موقف کو پیش کیا ہے۔

دوسرا اصل میں اختلاف کرنے والے معتزلہ ہیں جنہوں نے ایمان اور کفر کے مابین ایک فسق کا رتبہ بنایا ہے اور سفید، سیاہ داغوں والا ہے نہ تو مکمل سفید رنگ والا ہے اور نہ ہی مکمل سیاہ ہے اس موقف کے دلائل پیش کرتے ہوئے درج ذیل قصے تک پہنچا ہے!

(شیخ ابو عمرو عثمان بن خلیفہ ؒ کے سوالات کے اندر کہا ہے کہ میں نفطہ میں تقیوی سے ملا ہمارے درمیان مناظرہ شروع ہو گیا یہاں تک کہ اس نے یہ کہا اے ابو عثمان تعجب ہے تم پر تم صاحب کبیرہ کو کافر کاں کیوں کہتے ہو کیوں اس کو ضال فاسق کا نام نہیں دیتے وہ نحوی فقیہ تھے میں نے ان کو جواب دیا!

کیا تم اس کو فاسق کا نام دیتے ہو اس نے کہا جی ہاں میں نے ان سے کہا اللہ تعالیٰ نے سورۃ سجدہ میں کیسے فرمایا ہے انہوں نے کہا کیسے فرمایا ہے؟

میں نے کہا خدا تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے:

﴿أَفَمَن كَانَ مُؤْمِنًا كَمَن كَانَ فَاسِقًا ۚ لَّا يَسْتَوُونَ﴾

"بھلا وہ شخص جو صاحبِ ایمان ہو اس کی مثل ہو سکتا ہے جو نافرمان ہو، (نہیں) یہ (دونوں) برابر نہیں ہو سکتے"(۱)

تب انہوں نے کہا خدا کی قسم تم نے مجھے ایسی چیز یاد دلائی جس کو میں بھول چکا تھا اور وہ جان گئے کہ کفر اور فسق ایک ہی ہیں۔

اس کے بعد میں تمہارے سامنے اے محترم قاری ایک اور اباضی امام کا موقف رکھنا چاہتا ہوں۔

وہ ہیں تبغورین بن داؤد بن عیسیٰ الملشوطی جن کی کتاب اس موضوع کے حوالے سے اصل کے اعتبار سے ایک مصدر سمجھی جاتی ہے۔ اس میں انہوں نے کہا!

(پانچویں اصل دو منزلوں کے درمیان ایک اور منزل وہ ہے کفر، شرک کے مابین نفاق امت اسلامیہ کا اس پر اجماع ہے کہ منافقین کافر ہیں اور وہ جہنم کے سب سے نچلے درجے میں ہوں گے۔ حالانکہ وہ نبی پاک ﷺ کے ساتھ بقیہ مسلمانوں کی طرح گھروں میں باہر ان کے ساتھ حج کرتے ہیں ان کے ساتھ جہاد کرتے ہیں جیسا اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

---

(۱) السجدہ، ۳۲/۱۸۔

﴿وَمِمَّنۡ حَوۡلَكُم مِّنَ ٱلۡأَعۡرَابِ مُنَٰفِقُونَۖ وَمِنۡ أَهۡلِ ٱلۡمَدِينَةِ مَرَدُواْ عَلَى ٱلنِّفَاقِ لَا تَعۡلَمُهُمۡۖ نَحۡنُ نَعۡلَمُهُمۡۚ سَنُعَذِّبُهُم مَّرَّتَيۡنِ ثُمَّ يُرَدُّونَ إِلَىٰ عَذَابٍ عَظِيمٍ﴾

"اور (مسلمانو!) تمہارے گرد و نواح کے دیہاتی گنواروں میں بعض منافق ہیں اور بعض باشندگانِ مدینہ بھی، یہ لوگ نفاق پر اڑے ہوئے ہیں، آپ انہیں (اب تک) نہیں جانتے ہم انہیں جانتے ہیں۔ (بعد میں حضور ﷺ کو بھی جملہ منافقین کا علم اور معرفت عطا کر دی گئی) عنقریب ہم انہیں دو مرتبہ (دنیا ہی میں) عذاب دیں گے پھر وہ (قیامت میں) بڑے عذاب کی طرف پلٹائے جائیں گے٥"(۱)

پھر ایک اور مقام پر خدا تعالیٰ نے ان کے درجے اور رتبے کو بیان کیا ہے! لوگوں کو تین رتبوں میں تقسیم کیا ہے۔

﴿لِّيُعَذِّبَ ٱللَّهُ ٱلۡمُنَٰفِقِينَ وَٱلۡمُنَٰفِقَٰتِ وَٱلۡمُشۡرِكِينَ وَٱلۡمُشۡرِكَٰتِ وَيَتُوبَ ٱللَّهُ عَلَى ٱلۡمُؤۡمِنِينَ وَٱلۡمُؤۡمِنَٰتِۗ وَكَانَ ٱللَّهُ غَفُورٗا رَّحِيمَۢا﴾

"(یہ) اس لیے کہ اللہ منافق مردوں اور منافق عورتوں اور مشرک مردوں اور مشرک عورتوں کو عذاب دے اور اللہ مومن مردوں اور مومن عورتوں کی توبہ قبول فرمائے، اور اللہ بڑا بخشنے والا بڑا رحم فرمانے والا ہے"(۲)

منافقین کو تذبذب سے تعبیر کیا ان کا وصف یہ بیان کیا:

﴿مُّذَبۡذَبِينَ بَيۡنَ ذَٰلِكَ لَآ إِلَىٰ هَٰٓؤُلَآءِ وَلَآ إِلَىٰ هَٰٓؤُلَآءِۚ وَمَن يُضۡلِلِ ٱللَّهُ فَلَن تَجِدَ لَهُۥ سَبِيلٗا﴾

" اس (کفر اور ایمان) کے درمیان تذبذب میں ہیں نہ ان (کافروں) کی طرف ہیں اور نہ ان (مومنوں) کی طرف ہیں، اور جسے اللہ گمراہ ٹھہرا دے تو آپ ہرگز اس کے لیے کوئی (ہدایت کی) راہ نہ پائیں گے٥"(۳)

یعنی نہ تو وہ وصف کے اعتبار سے وفا ثواب اور نام کے حوالے سے مسلمانوں میں ہیں اور نہ ہی حکم، سیرت کے لحاظ سے مشرکین میں ہیں قرآن پاک میں غور و فکر اور اجماع آئمۃ کی روشنی میں خلاصہ یہ ہے کہ منافق مشرک ہیں توحید کو ظاہر کرتے ہیں شرک کو چھپاتے ہیں۔

جبکہ اباضیوں، زیدیوں اور الحسینیوں کے فرقوں کا موقف مختلف ہے۔

---

(۱) التوبہ، ۹ /۱۰۱۔

(۲) الاحزاب، ۳۳ /۷۳۔

(۳) النساء، ۴ /۱۴۳۔

اللہ تعالیٰ منافقین کے حوالے سے اس چیز اور سبب کا ذکر کیا ہے جس نے ان کو نفاق تک پہنچایا تھا وہ بہت سی خصلتیں ہیں ان میں سے سب سے پہلے جس بنا پر ان کو خدا تعالیٰ نے اہل قبلہ میں سے منافقین کا لقب دیا تھا وہ ہجرت کو ترک کرنے والوں کو ترکِ ہجرت کی بنا پر دیا تھا۔ ایسا نام جو کسی بھی مشرک کو نہیں دیا گیا۔ اس سے متعلق خدا تعالیٰ کا یہ فرمان نازل ہوا۔

﴿فَمَا لَكُمْ فِى ٱلْمُنَٰفِقِينَ فِئَتَيْنِ وَٱللَّهُ أَرْكَسَهُم بِمَا كَسَبُوٓا۟ ۚ أَتُرِيدُونَ أَن تَهْدُوا۟ مَنْ أَضَلَّ ٱللَّهُ ۖ وَمَن يُضْلِلِ ٱللَّهُ فَلَن تَجِدَ لَهُۥ سَبِيلًا﴾

"پس تمہیں کیا ہوگیا ہے کہ منافقوں کے بارے میں تم دو گروہ ہوگئے ہو حالانکہ اللہ نے ان کے اپنے کرتوتوں کے باعث ان (کی عقل اور سوچ) کو اوندھا کر دیا ہے۔ کیا تم اس شخص کو راہِ راست پر لانا چاہتے ہو جسے اللہ نے گمراہ ٹھہرا دیا ہے اور (اے مخاطب!) جسے اللہ گمراہ ٹھہرا دے تو اس کے لیے ہر گز کوئی راہِ (ہدایت) نہیں پا سکتا"(۱)

یہ ایک اسلامی قانونی نام ہے جو نفق سے ماخوذ ہے جس کا مطلب ہے کسی چیز سے ایسے نکلنا گویا کبھی اس میں داخل ہی نہیں ہوا اسی طرح کہا جاتا ہے۔

(نفق اليربوع) جب چوہا اپنے سوراخ کے علاوہ کہیں سے باہر نکل جائے اسی طرح (نفق الدابة) جانور ہلاک ہو گیا۔ اسی طرح (نفق المال هلل) سارا مال خرچ کر دیا فنا کر دینا اسی طرح (نفق) یعنی ہلاک ہوا وغیرہ۔

سب سے پہلے شیطان نے منافقت کی جب اس نے سجدہ سے انکار کیا اور پھر عبادت کا دعوی بھی کرتا رہا۔ لہٰذا ابلیس شیطان مشرک ہو گیا۔ منافقین کی ایک قسم ایسی بھی ہے جنہوں نے رسول پاک ﷺ کو صدقات کے حوالے سے ایذاء دی۔

﴿وَمِنْهُم مَّن يَلْمِزُكَ فِى ٱلصَّدَقَٰتِ فَإِنْ أُعْطُوا۟ مِنْهَا رَضُوا۟ وَإِن لَّمْ يُعْطَوْا۟ مِنْهَآ إِذَا هُمْ يَسْخَطُونَ﴾

"اور ان ہی میں سے بعض ایسے ہیں جو صدقات (کی تقسیم) میں آپ پر طعنہ زنی کرتے ہیں، پھر اگر انہیں ان (صدقات) میں سے کچھ دے دیا جائے تو وہ راضی ہو جائیں اور اگر انہیں اس میں سے کچھ نہ دیا جائے تو وہ فوراً خفا ہو جاتے ہیں"(۲)

---

(۱) النساء، ۴/ ۸۸۔

(۲) التوبہ، ۹/ ۵۸۔

وہ دیگر مومنین کی طرح اہل توحید خود کو ظاہر کرتے ہوئے صدقات عطیات لینے کے حریص ہیں گویا اگر وہ مشرک ہوتے تو صدقات کی نہ تو طلب کرتے اور نہ ہی ان کی طرف دیکھتے اور اظہار کرتے ہیں گویا وہ تو بڑے ہی اہل توحید ہیں۔

اسی طرح کچھ منافقین ایسے بھی تھے جنہوں نے صدقہ کرنے سے منع کیا اور خود بھی نہ کیا جیسا کہ ثعلبہ وغیرہ۔ خدا تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَمِنْهُم مَّنْ عَـٰهَدَ ٱللَّهَ لَئِنْ ءَاتَىٰنَا مِن فَضْلِهِۦ لَنَصَّدَّقَنَّ وَلَنَكُونَنَّ مِنَ ٱلصَّـٰلِحِينَ﴾

”اور ان (منافقوں) میں (بعض) وہ بھی ہیں جنہوں نے اللہ سے عہد کیا تھا کہ اگر اس نے ہمیں اپنے فضل سے (دولت) عطا فرمائی تو ہم ضرور (اس کی راہ میں) خیرات کریں گے اور ہم ضرور نیکو کاروں میں سے ہو جائیں گے o“(۱)

﴿فَأَعْقَبَهُمْ نِفَاقًا فِى قُلُوبِهِمْ إِلَىٰ يَوْمِ يَلْقَوْنَهُۥ بِمَآ أَخْلَفُوا۟ ٱللَّهَ مَا وَعَدُوهُ وَبِمَا كَانُوا۟ يَكْذِبُونَ﴾

”پس اس نے ان کے دلوں میں نفاق کو (ان کے اپنے بخل کا) انجام بنا دیا اس دن تک کہ جب وہ اس سے ملیں گے اس وجہ سے کہ انہوں نے اللہ سے اپنے کیے ہوئے عہد کی خلاف ورزی کی اور اس وجہ سے (بھی) کہ وہ کذب بیانی کیا کرتے تھے o“(۲)

(یکذبون) کے معنی کے لحاظ سے قرأت میں اختلاف کے بیان کرنے کے بعد کہا ہے۔

کچھ بقول فرمانِ الٰہی کے ایسے بھی ہیں:

﴿ٱلَّذِينَ يَلْمِزُونَ ٱلْمُطَّوِّعِينَ مِنَ ٱلْمُؤْمِنِينَ فِى ٱلصَّدَقَـٰتِ وَٱلَّذِينَ لَا يَجِدُونَ إِلَّا جُهْدَهُمْ فَيَسْخَرُونَ مِنْهُمْ سَخِرَ ٱللَّهُ مِنْهُمْ وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ﴾

”جو لوگ برضا و رغبت خیرات دینے والے مومنوں پر (ان کے) صدقات میں (ریاکاری و مجبوری کا) الزام لگاتے ہیں اور ان (نادار مسلمانوں) پر بھی (عیب لگاتے ہیں) جو اپنی محنت و مشقت کے سوا (کچھ زیادہ مقدور) نہیں پاتے سو یہ (ان کے جذبۂ انفاق کا بھی) مذاق اڑاتے ہیں، اللہ انہیں ان کے تمسخر کی سزا دے گا اور ان کے لیے دردناک عذاب ہے“(۳)

---

(۱) التوبۃ، ۹/ ۷۵۔

(۲) التوبۃ، ۹/ ۷۷۔

(۳) التوبۃ، ۹/ ۷۹۔

کچھ ایسے بھی ہیں جو رسول پاک ﷺ کے ساتھ جہاد پر نہیں گئے ناپسند کیا اپنی جانوں کو بچانے کی غرض سے نہیں گئے۔
اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿فَرِحَ ٱلْمُخَلَّفُونَ بِمَقْعَدِهِمْ خِلَٰفَ رَسُولِ ٱللَّهِ وَكَرِهُوٓاْ أَن يُجَٰهِدُواْ بِأَمْوَٰلِهِمْ وَأَنفُسِهِمْ فِى سَبِيلِ ٱللَّهِ وَقَالُواْ لَا تَنفِرُواْ فِى ٱلْحَرِّ ۗ قُلْ نَارُ جَهَنَّمَ أَشَدُّ حَرًّا ۚ لَّوْ كَانُواْ يَفْقَهُونَ﴾

"رسول اللہ (ﷺ) کی مخالفت کے باعث (جہاد سے) پیچھے رہ جانے والے (یہ منافق) اپنے بیٹھ رہنے پر خوش ہو رہے ہیں وہ اس بات کو ناپسند کرتے تھے کہ اپنے مالوں اور اپنی جانوں سے اللہ کی راہ میں جہاد کریں اور کہتے تھے کہ اس گرمی میں نہ نکلو، فرما دیجیے: دوزخ کی آگ سب سے زیادہ گرم ہے، اگر وہ سمجھتے ہوتے (تو کیا ہی اچھا ہوتا)o"(۱)

پھر فرمایا:

﴿وَمَا مَنَعَهُمْ أَن تُقْبَلَ مِنْهُمْ نَفَقَٰتُهُمْ إِلَّآ أَنَّهُمْ كَفَرُواْ بِٱللَّهِ وَبِرَسُولِهِۦ وَلَا يَأْتُونَ ٱلصَّلَوٰةَ إِلَّا وَهُمْ كُسَالَىٰ وَلَا يُنفِقُونَ إِلَّا وَهُمْ كَٰرِهُونَ﴾

"اور ان سے ان کے نفقات (یعنی صدقات) کے قبول کیے جانے میں کوئی (اور) چیز انہیں مانع نہیں ہوئی سوائے اس کے کہ وہ اللہ اور اس کے رسول (ﷺ) کے منکر ہیں اور وہ نماز کی ادائیگی کے لیے نہیں آتے مگر کاہلی و بے رغبتی کے ساتھ اور وہ (اللہ کی راہ میں) خرچ (بھی) نہیں کرتے مگر اس حال میں کہ وہ ناخوش ہوتے ہیں"(۲)

پھر فرمایا:

﴿أَشِحَّةً عَلَيْكُمْ ۖ فَإِذَا جَآءَ ٱلْخَوْفُ رَأَيْتَهُمْ يَنظُرُونَ إِلَيْكَ تَدُورُ أَعْيُنُهُمْ كَٱلَّذِى يُغْشَىٰ عَلَيْهِ مِنَ ٱلْمَوْتِ ۖ فَإِذَا ذَهَبَ ٱلْخَوْفُ سَلَقُوكُم بِأَلْسِنَةٍ حِدَادٍ أَشِحَّةً عَلَى ٱلْخَيْرِ ۚ أُوْلَٰٓئِكَ لَمْ يُؤْمِنُواْ فَأَحْبَطَ ٱللَّهُ أَعْمَٰلَهُمْ ۚ وَكَانَ ذَٰلِكَ عَلَى ٱللَّهِ يَسِيرًا﴾

"تمہارے حق میں بخیل ہو کر (ایسا کرتے ہیں)، پھر جب خوف (کی حالت) پیش آ جائے تو آپ دیکھیں گے کہ وہ آپ کی طرف تکتے ہوں گے (اور) ان کی آنکھیں اس شخص کی طرح گھومتی ہوں گی جس پر

---

(۱) التوبۃ، ۹/ ۸۱۔
(۲) التوبۃ، ۹/ ۵۴۔

موت کی غشی طاری ہو رہی ہو، پھر جب خوف جاتا رہے تو تمھیں تیز زبانوں کے ساتھ طعنے دیں گے (آزردہ کریں گے، ان کا حال یہ ہے کہ) مالِ غنیمت پر بڑے حریص ہیں۔ یہ لوگ (حقیقت میں) ایمان ہی نہیں لائے، سو اللہ نے ان کے اعمال ضبط کر لیے ہیں اور یہ اللہ پر آسان تھا"(۱)

یعنی فی سبیل اللہ صدقہ اور جہاد کے حوالے سے بخیل ہیں۔

بس اس طرح کے خصائل کی بنا پر خدا تعالیٰ نے ان کو منافقین کا نام دیا ہے اور ان کی نمازوں کے حوالے سے خبر دی ہے۔

﴿وَمَا مَنَعَهُمْ أَن تُقْبَلَ مِنْهُمْ نَفَقَـٰتُهُمْ إِلَّآ أَنَّهُمْ كَفَرُواْ بِٱللَّهِ وَبِرَسُولِهِۦ وَلَا يَأْتُونَ ٱلصَّلَوٰةَ إِلَّا وَهُمْ كُسَالَىٰ وَلَا يُنفِقُونَ إِلَّا وَهُمْ كَـٰرِهُونَ﴾

"اور ان سے ان کے نفقات (یعنی صدقات) کے قبول کیے جانے میں کوئی (اور) چیز انہیں مانع نہیں ہوئی سوائے اس کے کہ وہ اللہ اور اس کے رسول (ﷺ) کے منکر ہیں اور وہ نماز کی ادائیگی کے لیے نہیں آتے مگر کاہلی و بے رغبتی کے ساتھ اور وہ (اللہ کی راہ میں) خرچ (بھی) نہیں کرتے مگر اس حال میں کہ وہ ناخوش ہوتے ہیں"(۲)

جبکہ مشرکین تو کاہلی اور سستی سے نماز نہیں پڑھتے۔

موکلف اس حوالے سے دلائل بیان کرتے کرتے یہاں تک پہنچا کہ یہ کہہ دیا۔

﴿هُمُ ٱلَّذِينَ يَقُولُونَ لَا تُنفِقُواْ عَلَىٰ مَنْ عِندَ رَسُولِ ٱللَّهِ حَتَّىٰ يَنفَضُّواْ وَلِلَّهِ خَزَآئِنُ ٱلسَّمَـٰوَٰتِ وَٱلْأَرْضِ وَلَـٰكِنَّ ٱلْمُنَـٰفِقِينَ لَا يَفْقَهُونَ﴾

"(اے حبیبِ مکرّم!) یہی وہ لوگ ہیں جو (آپ سے بُغض و عِناد کی بنا پر) یہ (بھی) کہتے ہیں کہ جو (درویش اور فقراء) رسول اللہ (ﷺ) کی خدمت میں رہتے ہیں اُن پر خرچ مت

---

(۱) الاحزاب، ۳۳/۱۹۔

(۲) التوبۃ، ۹/۵۴۔

کرو (یعنی ان کی مالی اعانت نہ کرو) یہاں تک کہ وہ (سب انہیں چھوڑ کر) بھاگ جائیں (منتشر ہو جائیں)، حالاں کہ آسمانوں اور زمین کے سارے خزانے اللہ ہی کے ہیں لیکن منافقین نہیں سمجھتے"(۱)

﴿وَإِذْ يَقُولُ ٱلْمُنَٰفِقُونَ وَٱلَّذِينَ فِى قُلُوبِهِم مَّرَضٌ مَّا وَعَدَنَا ٱللَّهُ وَرَسُولُهُۥٓ إِلَّا غُرُورًا﴾

"اور جب منافق لوگ اور وہ لوگ جن کے دلوں میں (کمزوریِ عقیدہ اور شک و شبہ کی) بیماری تھی، یہ کہنے لگے کہ ہم سے اللہ اور اس کے رسول نے صرف دھوکہ اور فریب کے لیے (فتح کا) وعدہ کیا تھا"(۲)

یعنی انہوں نے کہا ہے کہ خدا، رسول ﷺ نے ہمیں دھوکے میں ڈالا ہے وہ ہم سے کسریٰ، قیصر کے خزانوں کے وعدے کرتے تھے جبکہ ہماری حالت یہ ہو گئی ہے کہ ان کے لشکروں نے مدینہ کو گھیر لیا ہے اور ہم سے کوئی ایک بھی اپنی قضاحاجت کے لیے بھی نہیں نکل سکتا۔

اسی طرح کچھ منافق ایسے بھی تھے جنہوں نے مسجد ضرار قائم کی جو اسلام کے لیے مضر یہودیوں کی حفاظت کے لیے اور دور جاہلیت میں جو کچھ تھا اس کی حمایت اور ان سے جاہ مرتبہ حاصل کرنے کی غرض سے تھی قرآن پاک میں خدا تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَٱلَّذِينَ ٱتَّخَذُوا۟ مَسْجِدًا ضِرَارًا وَكُفْرًا وَتَفْرِيقًۢا بَيْنَ ٱلْمُؤْمِنِينَ وَإِرْصَادًا لِّمَنْ حَارَبَ ٱللَّهَ وَرَسُولَهُۥ مِن قَبْلُ ۚ وَلَيَحْلِفُنَّ إِنْ أَرَدْنَآ إِلَّا ٱلْحُسْنَىٰ ۖ وَٱللَّهُ يَشْهَدُ إِنَّهُمْ لَكَٰذِبُونَ﴾

"اور (منافقین میں سے وہ بھی ہیں) جنہوں نے ایک مسجد تیار کی ہے (مسلمانوں کو) نقصان پہنچانے اور کفر (کو تقویت دینے) اور اہلِ ایمان کے درمیان تفرقہ پیدا کرنے اور اس شخص کی گھات کی جگہ بنانے کی غرض سے جو اللہ اور اس کے رسول (ﷺ) سے پہلے ہی سے جنگ کر رہا ہے، اور وہ ضرور قسمیں کھائیں گے کہ ہم نے (اس مسجد کے بنانے سے) سوائے بھلائی کے اور کوئی ارادہ نہیں کیا، اور اللہ گواہی دیتا ہے کہ وہ یقینا جھوٹے ہیں"(۳)

اسی طرح خدا تعالیٰ نے اپنی کتاب اور سنت رسول میں ان منافقین کی ہمیں خبر دی آپ ﷺ نے فرمایا:

(منافق کی تین نشانیاں ہیں جس کے اندر پائیں جائیں وہ منافق ہے جب بات کی تو جھوٹی کی امانت دی گئی تو اس میں خیانت کی وعدہ کیا تو مخالفت کرتے ہوئے پھر گیا اس طرح کی منافقت سے متعلق بہت سی احادیث مبارکہ موجود ہیں۔ لہٰذا

---

(۱) المنافقون، ۶۳/۷۔

(۲) الاحزاب، ۳۳/۱۲۔

(۳) التوبہ، ۹/۱۰۷۔

جیسا کہا گیا ویسا معاملہ نہیں ہے۔ کہ نفاق توحید کا اظہار اور شرک وچھپانے کا نام ہے انہوں نے نفاق کو شرک ٹھہرایا ہے جو کہ توحید کے مقابلے میں ہے ہم نے کوئی بھی ایسی چیز نہیں دیکھی جو اپنے مدمقابل، متضاد کے ساتھ پوری نہ ہو یعنی اگر وہ مشرک ہے تو اہل توحید نہیں اور اگر وہ اہل توحید ہے تو وہ مشرک نہیں ہے دونوں متضاد ایک دوسرے کے علاوہ پورے ہی نہیں ہوتے۔ جب کہ خدا تعالیٰ اور رسول پاک ﷺ کے ارشادات کی روشنی میں یہ ثابت ہوتا ہے کہ منافقین اہل توحید کے زمرے میں آتے ہیں۔ مشرکین میں شامل نہیں ہوتے۔

ان کے بارے میں حدود وارد ہوئیں ہیں اگر وہ اپنی منافقت سے باز نہ آئے تو ان کو کوڑے چوری پر ہاتھ کاٹنے، رجم، قذف وغیرہ جیسی حدود جاری ہوں گی۔ اگر انہوں نے اس کام کو نہ چھوڑا جس سے وہ خود کو بھی گمراہ کر رہے ہیں تو ان پر حدود جاری ہوں گی جیسے کہ دیگر اہل توحید مسلمانوں پر ہوتی (چھٹی اصل) (دو رتبوں کے مابین کوئی اور رتبہ نہیں ہے) اس کا معنی یہ ہے ایمان اور کفر کے درمان کوئی اور رتبہ یا مقام نہیں ہے یہ دونوں متناقض اور متضاد ہیں جیسا کہ دیگر متضاد چیزیں (حرکت کی ضد سکون، زندگی کی ضد موت) اس پر امتِ مسلمہ کا اجماع ہے کہ جو مومن نہیں وہ کافر ہے۔ خدا تعالیٰ کے اس فرمان کے مطابق:

﴿هُوَ ٱلَّذِى خَلَقَكُمْ فَمِنكُمْ كَافِرٌ وَمِنكُم مُّؤْمِنٌ ۚ وَٱللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ﴾

"وہی ہے جس نے تمہیں پیدا کیا، پس تم میں سے (کوئی) کافر ہوگیا، اور تم میں سے (کوئی) مومن ہوگیا، اور اللہ اُن کاموں کو جو تم کرتے ہو خوب دیکھنے والا ہے"(۱)

اسی طرح

﴿إِنَّا هَدَيْنَٰهُ ٱلسَّبِيلَ إِمَّا شَاكِرًا وَإِمَّا كَفُورًا﴾

"بے شک ہم نے اسے (حق وباطل میں تمیز کرنے کے لیے شعور و بصیرت کی) راہ بھی دکھا دی، (اب) خواہ وہ شکر گزار ہو جائے یا ناشکر گزار رہے"(۲)

اسی طرح خدا تعالیٰ کا حضرت سلیمان ؑ کے بارے میں فرمان:

﴿قَالَ ٱلَّذِى عِندَهُۥ عِلْمٌ مِّنَ ٱلْكِتَٰبِ أَنَا۠ ءَاتِيكَ بِهِۦ قَبْلَ أَن يَرْتَدَّ إِلَيْكَ طَرْفُكَ ۚ فَلَمَّا رَءَاهُ مُسْتَقِرًّا عِندَهُۥ قَالَ هَٰذَا مِن فَضْلِ رَبِّى لِيَبْلُوَنِىٓ ءَأَشْكُرُ أَمْ أَكْفُرُ ۖ وَمَن شَكَرَ فَإِنَّمَا يَشْكُرُ لِنَفْسِهِۦ ۖ وَمَن كَفَرَ فَإِنَّ رَبِّى غَنِىٌّ كَرِيمٌ﴾

---

(۱) التغابن، ۶۴/ ۲۔

(۲) الانسان، ۷۶/ ۳۔

"(پھر) ایک ایسے شخص نے عرض کیا جس کے پاس (آسمانی) کتاب کا کچھ علم تھا کہ میں اسے آپ کے پاس لا سکتا ہوں قبل اس کے کہ آپ کی نگاہ آپ کی طرف پلٹے (یعنی پلک جھپکنے سے بھی پہلے)، پھر جب (سلیمان ؑ نے) اس (تخت) کو اپنے پاس رکھا ہوا دیکھا (تو) کہا: یہ میرے رب کا فضل ہے تاکہ وہ مجھے آزمائے کہ آیا میں شکرگزاری کرتا ہوں یا ناشکری، اور جس نے (اللہ کا) شکر ادا کیا سو وہ محض اپنی ہی ذات کے فائدہ کے لیے شکر مندی کرتا ہے اور جس نے ناشکری کی تو بے شک میرا رب بے نیاز، کرم فرمانے والا ہے ○"(۱)

اسی طرح

﴿يَوْمَ يَأْتِ لَا تَكَلَّمُ نَفْسٌ إِلَّا بِإِذْنِهِۦ ۚ فَمِنْهُمْ شَقِيٌّ وَسَعِيدٌ﴾

"جب وہ دن آئے گا کوئی شخص (بھی) اس کی اجازت کے بغیر کلام نہیں کر سکے گا پھر ان میں بعض بدبخت ہوں گے اور بعض نیک بخت"(۲)

پھر فرمایا:

﴿قُلْ أَمَرَ رَبِّي بِٱلْقِسْطِ ۖ وَأَقِيمُوا۟ وُجُوهَكُمْ عِندَ كُلِّ مَسْجِدٍ وَٱدْعُوهُ مُخْلِصِينَ لَهُ ٱلدِّينَ ۚ كَمَا بَدَأَكُمْ تَعُودُونَ ۝٢٩ فَرِيقًا هَدَىٰ وَفَرِيقًا حَقَّ عَلَيْهِمُ ٱلضَّلَٰلَةُ ۗ إِنَّهُمُ ٱتَّخَذُوا۟ ٱلشَّيَٰطِينَ أَوْلِيَآءَ مِن دُونِ ٱللَّهِ وَيَحْسَبُونَ أَنَّهُم مُّهْتَدُونَ ۝٣٠﴾

"فرما دیجیے: میرے رب نے انصاف کا حکم دیا ہے، اور تم ہر سجدہ کے وقت و مقام پر اپنے رُخ (کعبہ کی طرف) سیدھے کر لیا کرو اور تمام تر فرمانبرداری اس کے لیے خالص کرتے ہوئے اس کی عبادت کیا کرو۔ جس طرح اس نے تمہاری (خلق و حیات کی) ابتداء کی تم اسی طرح (اس کی طرف) پلٹو گے○ ایک گروہ کو اس نے ہدایت فرمائی اور ایک گروہ پر (اس کے اپنے کسب و عمل کے نتیجے میں) گمراہی ثابت ہوگئی۔ بے شک انہوں نے اللہ کو چھوڑ کر شیطانوں کو دوست بنا لیا تھا اور وہ یہ گمان کرتے ہیں کہ وہ ہدایت یافتہ ہیں○"(۳)

یعنی خوش قسمت اور بدبخت پھر فرمایا:

﴿وَأَمَّا ٱلَّذِينَ ٱبْيَضَّتْ وُجُوهُهُمْ فَفِي رَحْمَةِ ٱللَّهِ ۖ هُمْ فِيهَا خَٰلِدُونَ﴾

---

(۱) النمل، ۲۷/۴۰۔

(۲) الهود، ۱۱/۱۰۵۔

(۳) الاعراف، ۷/۲۹-۳۰۔

"اور جن لوگوں کے چہرے سفید (روشن) ہوں گے تو وہ اللہ کی رحمت میں ہوں گے اور وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے o"(۱)

﴿وُجُوهٌ يَوْمَئِذٍ مُّسْفِرَةٌ ۝ ضَاحِكَةٌ مُّسْتَبْشِرَةٌ ۝ وَوُجُوهٌ يَوْمَئِذٍ عَلَيْهَا غَبَرَةٌ ۝ تَرْهَقُهَا قَتَرَةٌ ۝ أُولَٰئِكَ هُمُ الْكَفَرَةُ الْفَجَرَةُ ۝﴾

"اسی دن بہت سے چہرے (ایسے بھی ہوں گے جو نور سے) چمک رہے ہوں گے o (وہ) مسکراتے ہنستے (اور) خوشیاں مناتے ہوں گے o اور بہت سے چہرے ایسے ہوں گے جن پر اس دن گرد پڑی ہو گی o (مزید) ان (چہروں) پر سیاہی چھائی ہو گی o یہی لوگ کافر (اور) فاجر (بدکردار) ہوں گے o"(۲)

اس کی مثالیں قرآن، حدیث میں بہت زیادہ موجود ہیں۔ لغۃ العرب میں ہے جس نے نعمت الٰہی کی ناشکری کی اور اُسے ضائع کیا گویا اس نے خدا تعالیٰ کی نعمت کا انکار یعنی کفر کیا اسی طرح یہ ان کے اشعار میں بھی یہی معنی ہے۔

شاعر نے کہا ہے!

"جو میری نعمت کا شکر گزار نہیں میں اسے متنبہ کرتا ہوں کہ ناشکری ایک کفر ہے جو نعمت یافتہ کے اندر خباثت بھر دیتا ہے"

اسی طرح ان کے خطبوں اور وعظوں سے بھی آیا ہے اسی طرح معتزلہ کے موقف کی ان کے قول سے ہی تردید ہو جاتی ہے۔ (اہل کبیرہ نہ تو مومن ہیں اور نہ ہی کافر بلکہ فاسق ہیں اور ہمیشہ جہنم میں رہیں گے اس طرح کی بہت سی مثالیں ان کے مذہب کی تردید اور اختلاط کو ثابت کرتی ہیں۔ لہٰذا جس پر ہم سب اور یہ ہیں وہ یہ ثابت ہوتا ہے کہ جو مؤمن نہیں وہ کافر ہے اور یہ کہ کفر ایمان کی ضد ہے جیسے زندگی موت کی ضد ہے دونوں میں سے کوئی بھی کسی ایک سے نکلے تو دوسری میں داخل ہو جائے گا۔ اس کے علاوہ تو کوئی راستہ ہی نہیں ہے اگر یہ جائز ہوتا اور ممکن ہوتا کہ وہ کفر سے نکلتا تو ایمان میں داخل نہ ہوتا تو پھر یہ بھی ممکن ہوتا کہ ثواب اور جنت سے نکلتا لیکن ہوتا کہ ثواب اور جنت سے نکلتا لیکن دوزخ میں داخل نہ ہوتا اسی طرح ہم میں سے کوئی بھی صاحب بصیرت، دانش مندی اور عقل تسلیم رکھنے والا شخص نہیں جو نہ تو بدبخت ہو اور نہ ہی خوش بخت نہ ہی مشرک نہ ہی اہل توحید نہ ہی صالح اور نہ ہی فاسد، خراب ہوتا دراصل یہ ایسی متضاد حالتیں ہیں جن سے انسان جدا ہو ہی نہیں سکتا۔

یہ مسئلہ امتِ اسلامیہ کے فرقوں کے مابین اختلاف ہونے کے باوجود اباضیوں کے ہاں بڑا واضح ہے۔

---

(۱) آل عمران، ۳/۱۰۷۔

(۲) عبس، ۸۰/۳۸-۴۲۔

لوگوں کی تین قسمیں ہیں۔

۱۔ مؤمنین ۲۔ واضح مشرکین ۳۔ ایسے لوگ جو نہ تو اہل توحید ہیں اور نہ ہی اہل شرک

مؤمنین

یہ ایسے لوگ ہیں جو اپنے ایمان کو کامل کرنے والے ہیں اور اسلام کے تمام اوامر، نواہی پر عمل کرنے والے ہیں انہی کی بدولت دنیا میں ایک مسلم معاشرہ تکمیل پاتا ہے انہی مؤمنین کے ذریعے اسلام کا پیغام نمو پاتا ہے۔ انہی کی بدولت حرمت الٰہی اور اس کی حدود کی حفاظت کی جاتی ہے آخرت میں قیامت کے دن یہ اپنے نیک عمل اور اجر، ثواب کی بدولت نعمتوں بھری جنت میں ہوں گے۔

واضح مشرکین

یہ وہ لوگ ہیں جو بڑے واضح انکار کے ساتھ ساتھ مشرکین ہیں چاہے وہ خدا تعالیٰ کے وجود کا انکار کریں یا اس کے ساتھ عبادت میں اوروں کو شریک ٹھہرائیں ہر حال میں بڑے واضح مشرکین کے ہیں ان کے ساتھ ایک مشرک معاشرہ دنیا میں وجود پاتا ہے۔ انہی کی طرف دعوتِ اسلام کی توجہ ہوتی ہے اور اسلام کی حفاظت کے لیے ان سے قتال کیا جاتا ہے۔ قیامت کے دن ناکامی شرمندگی اور عذاب الیم سے دوچار ہوں گے عدمِ ایمان اور بُرے اعمال کی وجہ سے سزا کے مستحق ہوں گے اور ابدی عذاب سے دوچار ہوں گے۔

تیسری قسم

یہ ایسے لوگ ہیں جنہوں کلمہ توحید کا اعلان کر کے اسلام کا اقرار تو کیا ہے لیکن اس کے راسے پر نہیں چلے اس کے احکامات پر عمل نہیں کیا۔ لہٰذا وہ نہ تو مشرک ہیں کیونکہ انہوں نے توحید کا اقرار کیا ہے اور نہ ہی مؤمن ہیں اس لیے کہ ایمان کے جو تقاضے تھے ان کو پورا نہیں کیا بس ان کا دنیاوی معاملات میں توحید کا اقرار کرنے کی بدولت مسلمانوں میں شمار کیا جاتا ہے لیکن آخرت کے احکامات کے مطابق وہ وہاں توحید کے تقاضوں کو پورا نہ کرتے اور اوامر، نواہی کا خاطر میں نہ لانے کی بنا پر مشرکین کے ساتھ ہوں گے۔

خدا تعالیٰ نے اس قسم کے لوگوں پر ایک نئے نام کا اطلاق کیا ہے جو کہ سابقہ شریعتوں میں نہیں جانا جاتا تھا اور یہ نام خدا تعالیٰ نے اس وقت ان کو دیا جب کچھ لوگوں نے ان کو ہجرت اور جہاد کو ترک کرنے کی بنا پر مشرکین کہہ دیا تھا اور کچھ نے توحید کا اقرار کرنے کی بنا پر مؤمن سمجھنا شروع کر دیا تھا۔ لہٰذا اس تناظر میں خدا تعالیٰ نے اپنی یہ فرمان نازل کیا:

﴿فَمَا لَكُمْ فِي ٱلْمُنَٰفِقِينَ فِئَتَيْنِ وَٱللَّهُ أَرْكَسَهُم بِمَا كَسَبُوٓا۟ أَتُرِيدُونَ أَن تَهْدُوا۟ مَنْ أَضَلَّ ٱللَّهُ وَمَن يُضْلِلِ ٱللَّهُ فَلَن تَجِدَ لَهُۥ سَبِيلًا﴾

"پس تمہیں کیا ہوگیا ہے کہ منافقوں کے بارے میں تم دو گروہ ہوگئے ہو حالانکہ اللہ نے ان کے اپنے کرتوتوں کے باعث ان (کی عقل اور سوچ) کو اوندھا کر دیا ہے۔ کیا تم اس شخص کو راہِ راست پر لانا چاہتے ہو جسے اللہ نے گمراہ ٹھہرا دیا ہے اور (اے مخاطب!) جسے اللہ گمراہ ٹھہرا دے تو اس کے لیے ہر گز کوئی راہِ (ہدایت) نہیں پا سکتا٥"(۱)

قرآن کریم اور سنتِ رسول ﷺ نے منافقین کی ایسی واضح صورت پیش کر دی ہے جو کہ ہر زمانے میں بامعنی اور بڑی کارآمد رہی ہے وہ صفات جو منافقت کی بنیاد بنتی ہیں جن کو قرآن پاک نے بیان کیا ہے درج ذیل ہیں:

نماز میں سستی، خرچ کرنے میں ناپسندیدگی، خدا، رسول ﷺ پر جھوٹ بولنا، قسم توڑنا، لالچی ہونا شکوک شبہات پیدا کرنا، پھل کھانے کے لیے تیار رہنا، جھوٹی گواہی دینا، جہاد اور دیگر واجبات دینیہ کو ادا نہ کرنے کی غرض سے حیلے بہانے گھڑنا، کمزوروں فقیروں کا مذاق اڑانا، لوگوں کے حقیقی سلوک کا انکشاف کرنے کی توقع کرنا، لوگوں کو جھوٹ کے ذریعے تکلیف دینا امت کی عظیم شخصیات کے مابین فتنے کی غرض سے جعل سازیاں اور خرافات کو پھیلانا ظاہری طور پر استقامت کا اظہار کرنا، مال، غنائم پر خوب خوش ہونا، وعدے کی خلاف ورزی اور عہد میں خیانت وغیرہ۔

قرآن کریم میں منافقین کے حوالے سے زیادہ تر جو باتیں بیان کی ہیں وہ ہے اُن کا عمل سے خالی ہونا یعنی وہ اسلام کا اقرار تو کرتے ہیں مگر اس کے احکامات پر عمل نہیں کرتے اسی طرح سنت مطاہرہ سے بھی یہ بات بڑی واضاحت سے ثابت ہوتی ہے کہ منافقت عمل سے خالی ہونے کا نام ہے ان احکامات پر جو توحید کے اقرار کر لینے کے بعد ایمان جن کا تقاضا کرتا ہے ان پر عمل نہ کرنے کو منافقت کہتے ہیں اسی بات کو بنیاد بناتے ہوئے اباضیوں نے منافقت کے لفظ پر عملی طور پر محاصی کا اطلاق کیا ہے اور اس کا اطلاق انہوں نے کسی بھی زمانے میں ہر اس شخص پر کیا ہے جو بھی اس کا مرتکب ہوا اس قسم کے لوگ حضور ﷺ کے عہدِ مبارک سے لے کر اور ان کے بعد کے ہر زمانے میں مسلم معاشروں میں موجود رہے ہیں۔ لیکن دنیا میں ان کا مسلم معاشرے میں رہنا قرآن پاک کی اس وعید سے دور نہیں کرتا جس میں اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان آیا ہے کہ منافقین جہنم کے سب سے نچلے ٹھکانے میں ہوں گے۔ اباضیوں نے اس تیسری قسم پر کتاب و سنت کے دلائل پر اعتماد کرتے ہوئے منافقین اور کفارِ نعمت کا اطلاق کیا ہے جبکہ بہت سے دیگر اسلامی مذاہب نے اس موٴقف کو نہیں اپنایا ان میں سے بعض اس طرف بھی گئے ہیں کہ منافق مشرک ہیں۔

رہی بات عمل میں فعلی طور پر نافرمانی کرنا یا کسی عمل کو ترک کرنے کے باوجود وہ مومن ہی ہیں کچھ دیگر اسلامی مذاہب عملی معاصی کرنے والے افراد کی طرف یہ رائے لے کر گئے ہیں کہ وہ نہ تو مومن ہیں نہ ہی مشرک اور نہ ہی منافق بلکہ فاسق ہیں حالانکہ قرآنِ مجید یہ فرما رہا ہے:

---

(۱) النساء، ۴/ ۸۸۔

﴿ٱلْمُنَٰفِقُونَ وَٱلْمُنَٰفِقَٰتُ بَعْضُهُم مِّنۢ بَعْضٍ ۚ يَأْمُرُونَ بِٱلْمُنكَرِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ ٱلْمَعْرُوفِ وَيَقْبِضُونَ أَيْدِيَهُمْ ۚ نَسُوا۟ ٱللَّهَ فَنَسِيَهُمْ ۗ إِنَّ ٱلْمُنَٰفِقِينَ هُمُ ٱلْفَٰسِقُونَ﴾

"منافق مرد اور منافق عورتیں ایک دوسرے (کی جنس) سے ہیں۔ یہ لوگ بری باتوں کا حکم دیتے ہیں اور اچھی باتوں سے روکتے ہیں اور اپنے ہاتھ (اللہ کی راہ میں خرچ کرنے سے) بند رکھتے ہیں، انہوں نے اللہ کو فراموش کر دیا تو اللہ نے انہیں فراموش کر دیا، بے شک منافقین ہی نافرمان ہیںo"(۱)

اے محترم قاری تو دیکھ رہا ہے کہ قرآن پاک نے عملی معاصی جو کہ اوامر و نواہی اور خرچ کرنے میں بخل اور اللہ کے راستے سے گریز کرنے والے افراد کو منافقت سے متصف کیا ہے۔ پھر حرف (اِنّ) اور ضمیر منفصل (ھم) سے مزید تاکید بھی کر دی۔

پھر خدا تعالیٰ نے فرمایا:

﴿إِنَّآ أَنزَلْنَا ٱلتَّوْرَىٰةَ فِيهَا هُدًى وَنُورٌ ۚ يَحْكُمُ بِهَا ٱلنَّبِيُّونَ ٱلَّذِينَ أَسْلَمُوا۟ لِلَّذِينَ هَادُوا۟ وَٱلرَّبَّٰنِيُّونَ وَٱلْأَحْبَارُ بِمَا ٱسْتُحْفِظُوا۟ مِن كِتَٰبِ ٱللَّهِ وَكَانُوا۟ عَلَيْهِ شُهَدَآءَ ۚ فَلَا تَخْشَوُا۟ ٱلنَّاسَ وَٱخْشَوْنِ وَلَا تَشْتَرُوا۟ بِـَٔايَٰتِى ثَمَنًا قَلِيلًا ۚ وَمَن لَّمْ يَحْكُم بِمَآ أَنزَلَ ٱللَّهُ فَأُو۟لَٰٓئِكَ هُمُ ٱلْكَٰفِرُونَ﴾

"بے شک ہم نے تورات نازل فرمائی جس میں ہدایت اور نور تھا۔ اس کے مطابق انبیاء جو (اللہ کے) فرمانبردار (بندے) تھے یہودیوں کو حکم دیتے رہے اور اللہ والے (یعنی ان کے اولیاء) اور علماء (بھی اسی کے مطابق فیصلے کرتے رہے)، اس وجہ سے کہ وہ اللہ کی کتاب کے محافظ بنائے گئے تھے اور وہ اس پر نگہبان (و گواہ) تھے۔ پس تم لوگوں سے مت ڈرو اور (صرف) مجھ سے ڈرا کرو اور میری آیات (یعنی احکام) کے بدلے (دنیا کی) حقیر قیمت نہ لیا کرو، اور جو شخص اللہ کے نازل کردہ حکم کے مطابق فیصلہ (و حکومت) نہ کرے، سو وہی لوگ کافر ہیںo"(۲)

﴿وَكَتَبْنَا عَلَيْهِمْ فِيهَآ أَنَّ ٱلنَّفْسَ بِٱلنَّفْسِ وَٱلْعَيْنَ بِٱلْعَيْنِ وَٱلْأَنفَ بِٱلْأَنفِ وَٱلْأُذُنَ بِٱلْأُذُنِ وَٱلسِّنَّ بِٱلسِّنِّ وَٱلْجُرُوحَ قِصَاصٌ ۚ فَمَن تَصَدَّقَ بِهِۦ فَهُوَ كَفَّارَةٌ لَّهُۥ ۚ وَمَن لَّمْ يَحْكُم بِمَآ أَنزَلَ ٱللَّهُ فَأُو۟لَٰٓئِكَ هُمُ ٱلظَّٰلِمُونَ﴾

---

(۱) التوبہ، ۹/ ۶۷۔

(۲) المائدہ، ۵/ ۴۴۔

"اور ہم نے اس (تورات) میں ان پر فرض کردیا تھا کہ جان کے بدلے جان اور آنکھ کے عوض آنکھ اور ناک کے بدلے ناک اور کان کے عوض کان اور دانت کے بدلے دانت اور زخموں میں (بھی) بدلہ ہے، تو جو شخص اس (قصاص) کو صدقہ (یعنی معاف) کر دے تو یہ اس (کے گناہوں) کے لیے کفارہ ہوگا، اور جو شخص اللہ کے نازل کردہ حکم کے مطابق فیصلہ (و حکومت) نہ کرے سو وہی لوگ ظالم ہیں ٥"(۱)

﴿وَلْيَحْكُمْ أَهْلُ الْإِنجِيلِ بِمَا أَنزَلَ اللَّهُ فِيهِ ۚ وَمَن لَّمْ يَحْكُم بِمَا أَنزَلَ اللَّهُ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْفَاسِقُونَ﴾

"اور اہلِ انجیل کو (بھی) اس (حکم) کے مطابق فیصلہ کرنا چاہیے جو اللہ نے اس میں نازل فرمایا ہے، اور جو شخص اللہ کے نازل کردہ حکم کے مطابق فیصلہ (و حکومت) نہ کرے سو وہی لوگ فاسق ہیں ٥"(۲)

اگر اے محترم قاری تو ان سابقہ آیات میں ذرا سا بھی تامل کرے تو تجھے پتہ چلے گا کہ خدا تعالیٰ نے ان افراد کو جو ظلم کے مرتکب ہوئے عملی معاصی کا نام دیتے ہوئے کافر، ظالم یا فاسق کہا ہے۔ جبکہ ان آیات سے پہلے بھی سابقہ آیات میں خدا تعالیٰ نے منافقوں اور فاسقوں کو لفظِ تاکید کے ذریعے ایک ہی فریق بنایا ہے۔

اس سب سے یہ واضح ہوتا ہے کہ نفاق اور کفرِ نعمت ہی ہے جبکہ فسق، ظلم ایک ہی معنی کے لیے درست ہیں دنیا میں بھی فاسق، ظالم کا ایک ہی معاملہ ہے اور آخرت میں بھی دونوں کا ایک ہی ٹھکانہ ہے یعنی نفاق اور کفر ایک ہی چیز ہے جبکہ ظلم، فسق بھی ایک ہی چیز ہیں۔

یہ وہ اہم بات تھی جس کی میں وضاحت کرنا چاہتا تھا اور میرے خیال میں اتنی گفتگو کافی ہے۔

مجھے اس فصل کا اختتام قطبِ آئمۃ محمد اطفیش کی بات کے ساتھ مناسب معلوم ہوتا ہے جو ان کی قیمتی کتاب (شامل الاصل والفرع) کے صفحہ ۲۵ پر آتی ہے ذیل میں پیش خدمت ہے:

(نفاق لغوی اعتبار سے بغیر مدخل کے نکلنا اسی طرح ظاہر، باطن میں تضاد کو کہتے ہیں شرعی لحاظ سے قول فعل میں تضاد ہونا یا پھر جس کو ظاہر کرنا ہے اس کو چھپانا قرآن پاک کی روشنی میں میرے نزدیک منافقت توحید کو ظاہر کرنا اور شرک کو چھپانا ہے۔ ہمارے اصحاب نے دوسروں پر اور ہماری قوم نے پہلے پر اس کو خاص کیا ہے۔)

---

(۱) المائدہ،۵/۴۵۔

(۲) المائدہ،۵/۴۷۔

ابو اسحٰق نے اس پر اپنی اس بات سے تعلیق لگائی ہے بہت سی احادیث ایسی وارد ہوئی ہیں جن میں منافقت کا اطلاق کبائر کے مرتکبین پر کیا گیا ہے جیسا کہ اس پر کفر کا اطلاق بھی کیا گیا اس بنا پر ہمارے اصحاب نے بھی ان پر نفاق اور کفر کا اطلاق کیا ہے۔ لہٰذا نفاق لفظ کفر نعمت کا مترادف بن گیا ہے رہی بات ہمارے غیروں کی تو انہوں نے کفر، نفاق کو شرک کے ساتھ خاص کرنے اور اس کے زمرے میں داخل کرنے کے لیے ان احادیث کی تاویلات کرنے میں بہت تکلف سے کام لیا ہے۔

امام بخاری، مسلم ابو داود، ترمذی نسائی اور احمد بن حنبل سے ابن عمرو کی روایت بیان کی ہے رسول پاک ﷺ نے فرمایا: (چار چیزیں ایسی ہیں جس میں بھی موجود ہوں گی وہ اصل منافق ہو گا جس میں ان میں سے کوئی ایک بھی خصلت باقی رہے گی وہ اس وقت تک منافق رہے گا یہاں تک کہ وہ اس خصلت کو ترک نہ کر دے۔ جب بات کی تو جھوٹی کی، وعدہ کیا خلاف ورزی کی معاہدہ کیا تو غداری کی لڑائی جھگڑا کیا تو فسق، فجور کیا۔)

فقہی اجتہادی مسائل

اس موضوع کے تحت میں ایسے اجتہادی فقہی مسائل پیش کروں گا جن میں اختلاف جائز ہے اور کسی کو موردِ الزام نہیں ٹھہرایا جائے گا جبکہ انہی فروعی مسائل میں اختلاف کو بنیاد بناتے ہوئے سابقہ مقالہ نگاروں نے اباضیوں پر طعن تشنیع کی تھی۔

اس حوالے سے ابو محمد علی بن حزم نے اپنی کتاب (الفصل فی الملل والھواء والنحل) کے صفحہ ۱۴۴ پر درج ذیل ذکر کیا ہے:

> (ہم نے اندلس میں اپنے ہاں اباضیوں کو دیکھا ہے کہ وہ اہل کتاب کے کھانے کا حرام کہتے ہیں اسی طرح مینڈھے بیل اور بکرے کے مصانے کو کھانا بھی حرام کہتے ہیں اسی طرح جس نے روزہ رکھا اور دن کو سوتے ہوئے احتلام ہو گیا تو اس پر اس روزے کی قضا واجب ہے۔ اسی طرح اگر پانی قلت سے پایا جائے جو صرف پینے کے لیے بمشکل پورا ہوتا ہو تو ایسی جگہ تیمم کرنا ان کے نزدیک جائز ہے۔)

یہ تمام احکام فروعی ہیں جو کہ محترم قاری کو بھی بخوبی علم ہے جب کہ ابن حزم نے ان کو بنیاد بناتے ہوئے اباضیوں پر طعن تشنیع کی اس نے اس انداز سے پیش کیے ہیں وہ ان میں شکوک، شبہات اور غموض پیدا کرنا چاہتا ہے۔ کیونکہ اس نے اباضیوں سے متعلق جو کچھ بھی لکھا ہے اس میں خوب سختی برتی ہے وہ یہ چاہتا ہے کہ صرف اباضیوں پر طعن کی جائے اس لیے اس نے بعض قیمتی مسائل کو بھی حقیر بنا کر پیش کیا ہے تا کہ لوگوں میں یہ بات پھیل جائے کہ اباضی فرقہ بس مخالفت کو ہی ہوا دیتا ہے اور ہر بات میں خواہ مخواہ اختلاف کرتا ہے یہاں تک کہ جو مسائل بالکل واضح ہے ان میں بھی اس فرقے نے اختلاف کرنے سے گریز نہیں کیا اس عظیم عالم نے ان مسائل کے بارے میں بات کی ہے جن کے اندر عقائد کے میدان

میں بعض فرقوں کا بعضوں کے ساتھ اختلاف ہوتا رہتا ہے۔ اس کے لیے ان مسائل کو ان مباحث میں ذکر کرنا مناسب نہیں تھا۔

فقہی فروعات جو کہ تحقیق اجتہاد اور اختلاف کے میدان سے تعلق رکھتی ہیں جن میں فقہا کے اندر اختلاف رہا ہے یہاں تک کہ ایک ہی مذہب کے بعض فقہا میں بھی اختلاف رہا ہے جب کہ ابن حزم اس معقول راستے پر نہیں چلا اس نے ان فروعی مسائل کو پوری تفصیل وضاحت اور صدقِ دل سے پیش کیا ہے جس کی ضرورت بھی نہیں تھی۔ ہو سکتا ہے محترم قاری ان مسائل کے حوالے سے یہ دلچسپی لے کہ اباضیوں نے ان مسائل کے حوالے سے کیا کہا ہے اور کیا ابن حزم ان مسائل کو اباضیوں کے حوالے سے نقل کرنے میں صاف دل اور مخلص تھا تاہم ہر مسئلہ کو ایک ایک کر کے پیش کریں گے تا کہ اچھی طرح بات واضح ہو سکے۔

ا۔ اہلِ کتاب کا کھانا

ابن حزم نے مشکوک اور مبہم انداز میں اباضیوں کے حوالے سے یہ مسئلہ بیان کیا ہے کہ ہمارے ہاں اندلس میں اباضی اہل کتاب کے کھانے کو حرام قرار دیتے ہیں جبکہ اس بات کی کوئی وضاحت یا تفصیل ذکر نہیں کی۔ اسی طرح اہل کتاب کے کھانے کے مسئلہ کے حوالے سے صرف اباضی مذہب میں ہی مباحث نہیں ہیں بلکہ تمام علماء امت اور اس کے فقہا کے مابین یہ طویل مباحث پائی جاتی ہیں صرف اندلس میں ہی نہیں ہیں۔ فقہا جب اہل کتاب کے کھانے کی بات کرتے ہیں تو سب سے پہلے وہ ذبائح سے متعلق بات کرتے ہیں۔

اباضی اور تمام دیگر امت اسلامیہ کے علماء ان اہل کتاب کے کھانے کو حلال قرار دینے میں اختلاف نہیں کرتے جو ذمی ہوں یعنی اسلامی حکومت کے ماتحت ہوں اس میں اباضی بھی دیگر مسلمانوں سے اس نص قرآنی کے تحت اختلاف نہیں کرتے:

﴿ٱلْيَوْمَ أُحِلَّ لَكُمُ ٱلطَّيِّبَٰتُ ۖ وَطَعَامُ ٱلَّذِينَ أُوتُوا۟ ٱلْكِتَٰبَ حِلٌّ لَّكُمْ وَطَعَامُكُمْ حِلٌّ لَّهُمْ ۖ وَٱلْمُحْصَنَٰتُ مِنَ ٱلْمُؤْمِنَٰتِ وَٱلْمُحْصَنَٰتُ مِنَ ٱلَّذِينَ أُوتُوا۟ ٱلْكِتَٰبَ مِن قَبْلِكُمْ إِذَآ ءَاتَيْتُمُوهُنَّ أُجُورَهُنَّ مُحْصِنِينَ غَيْرَ مُسَٰفِحِينَ وَلَا مُتَّخِذِىٓ أَخْدَانٍ ۗ وَمَن يَكْفُرْ بِٱلْإِيمَٰنِ فَقَدْ حَبِطَ عَمَلُهُۥ وَهُوَ فِى ٱلْءَاخِرَةِ مِنَ ٱلْخَٰسِرِينَ﴾

"آج تمہارے لیے پاکیزہ چیزیں حلال کر دی گئیں، اور ان لوگوں کا ذبیحہ (بھی) جنہیں (الہامی) کتاب دی گئی تمہارے لیے حلال ہے اور تمہارا ذبیحہ ان کے لیے حلال ہے، اور (اسی طرح) پاک دامن مسلمان عورتیں اور ان لوگوں میں سے پاکدامن عورتیں جنہیں تم سے پہلے کتاب دی گئی تھی (تمہارے لیے حلال ہیں) جب کہ تم انہیں ان کے مہر ادا کر دو، (مگر شرط) یہ کہ تم (انہیں) قید نکاح میں لانے والے (عفت شعار) بنو نہ کہ (محض ہوس

رانی کی خاطر) اعلانیہ بدکاری کرنے والے اور نہ خفیہ آشنائی کرنے والے، اور جو شخص (احکامِ الٰہی پر) ایمان (لانے) سے انکار کرے تو اس کا سارا عمل برباد ہوگیا اور وہ آخرت میں (بھی) نقصان اٹھانے والوں میں سے ہوگا۔"(۱)

اباضی علماء میں سے کوئی ایک بھی ایسا عالم نہیں جو اس قرآنی نص کی مخالفت کرتا ہو اہل کتاب کے کھانے سے متعلق حرمت کے حوالے سے اسی طرح ہی کہتا ہے جیسا کہ حکم الٰہی اس آیت میں آیا ہے لیکن کچھ ان میں سے ایسے ہیں جو اہل کتاب کے کھانے کی حلت کو مشروط کرتے ہیں کہ وہ اہل کتاب ذمی ہوں اسلامی حکومت کے ماتحت ہوں اگر وہ ایسے ہوں تو ان کا کھانا اور ان کی آزاد عورتوں سے نکاح حلال ہے لیکن اگر وہ ذمی نہ ہوں یعنی ان کے اور مسلمانوں کے مابین کوئی صلہ یا تعلق نہ ہو یا وہ خدا رسول ﷺ سے جنگ کرنے والے یا جو خدا رسول ﷺ سے جنگ کر رہا ہے اس کی تائید کرتے ہوں اس کے حمایتی ہوں تو اس صورت میں ان کا کھانا، ذبیحہ اور ان کی آزاد عورتوں سے نکاح حلال نہیں جیسا کہ ہمارے اس دور حاضر میں ان اہل کتاب کا حال ہے جو ذمی اور اسلامی حکومت کے ماتحت نہیں ہیں۔

کچھ اباضی ایسے علماء بھی ہیں جو غیر مشروط تمام صورتوں میں حلال قرار دیتے ہیں اور اس آیت پر عموم کے اعتبار سے عمل کرتے ہیں۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ ایک فقہی فروعی مسئلہ ہے جس کے حوالے سے اباضیوں اور دیگر مذاہب کے علماء نے بڑی تفصیلی ابحاث کی ہیں اور کوئی ایک بھی قدیم، حدیث میں اباضی ایسا نہیں ہے جس نے ذمی اہل کتاب کے کھانے کو کسی بھی زمانے میں حرام کہا ہو یا جو اہل کتاب اسلام کے نظام کے تحت رہ رہے ہوں اور ان میں سے جنہوں نے اہل کتا کے کھانے کو اس دور میں حرام قرار دیا ہے وہ اس کے پیش نظر فتوی دیا ہے کہ اب وہ ذمی نہیں رہے جو کہ لیبیا کے مفتی اعظم ہیں۔ آپ نے اپنے رسمی حکومتی فتوے کا اعلان متعدد بار کیا ہے۔

اس فتوے میں جو کہا ہے ذیل میں پیش ہے:

(ایک مسلمان کبھی ایک مسلمان کے ہاتھوں پہنچنے والے ذبیحہ کو قبول کرنے سے انکار نہیں کر سکتا اگر کسی مشرک کے ہاتھوں اس دعوی کے ساتھ کہ وہ اہل کتاب میں سے ہے یعنی کوئی ذبیحہ اس کے پاس آئے تو وہ اس مفتی حلال کے نزدیک مردار کے حکم میں آتے ہیں یہ مالکی مذہب کے مفتی ہیں جو کہ دیگر مذاہب اور کے آئمۃ کے احترام کے باوجود اپنے مذہب کو تعصب کی حد تک تھامے ہوئے ہیں۔)

ابن حزم نے کہا ہے کہ اس نے بعض اباضیوں کو اندلس میں اہل کتاب کے کھانے کو حرام قرار دیتے ہوئے دیکھا ہے اگر تو وہ بعض لوگ تھے مجبوری کی حالت میں ایسا کہا ہے تو یہ جائز ہے اور اگر وہ اہل کتاب اسلامی حکومت کے ماتحت نہیں تھے یعنی اندلس کی اسلامی سلطنت کے ماتحت نہیں تھے تب بھی یہ جائز ہے اگر اس نے یہ گمان کیا ہے کہ وہ اندلس میں اہل کتاب کے ساتھ تھا جو ذمی تھے یعنی اسلامی اندلس کے ماتحت تھے تو اس کا یہ قول درست نہیں ہے یہ مشاہدہ عوام میں سے

(۱) المائدہ، ۵/۵۔

کسی فرد یا افراد کا ہو سکتا ہے جن کے کوئی اصول، ضوابط نہیں ہوتے بس احکام کی پابندی کرتے ہیں پھر ان کو کسی دین یا مذہب کی طرف منسوب کر دیتے ہیں پھر اس کو اس حد تک شدت اور انتہا پسندی تک پہنچا دیتے ہیں کہ اسلام کی آسانی کی مخالفت میں وہ بات آ جاتی ہے اس طرح کی مثالیں ہر مذہب میں پائی جاتی ہیں جبکہ یہ شاذ ہیں ان آراء کی بنیاد پر کوئی حکم نہیں لگایا جا سکتا اور نہ ہی ان کو کسی شمار میں لایا جا سکتا ہے۔ اگر ہم اس حوالے سے اباضی کے فقہی مصادر، مراجع اور تاریخ کی طرف رجوع کریں تو محترم قاری کو واضح ہو جائے گا کہ اس مسئلہ میں بہت طویل تجزیہ اور ابحاث پائی جاتی ہیں جو کتب فقہہ میں موجود ہیں جن میں بعض اباضیوں کے تاریخی واقعات موجود ہیں کہ انہوں نے ذمی اہل کتاب کے کھانے کو کھایا ان کی خواتین سے نکاح کیا۔ جمہور کی اس کے جواز پر رائے موجود ہے لیکن بعض اباضی ایسے بھی تھے تاریخ کے واقعات میں ان کا ذکر ملتا ہے کہ انہوں نے ان اہل کتاب سے تعامل کیا جو ذمی نہیں تھے لیکن اس موضوع کو ہم دورِ حاضر کے تناظر میں دیکھیں جبکہ تمام اہل کتاب مسلمانوں کے ساتھ اپنے تمام تر وسائل سے جنگ کر رہے ہیں۔

مسلمانوں کے لیے ضروری ہے کہ وہ اپنی رائے کو منع کی طرف لوٹائیں بہت سے مختلف مذاہب سے تعلق رکھنے والے معاصرین علماء نے اپنی سابقہ آراء سے رجوع کیا ہے اور اہل کتاب کے کھانے میں شدت برتی ہے خاص طور پر وہ کھانے جو گوشت سے متعلق تھے اور ان کو یورپ اور دیگر ممالک میں ہوٹلوں میں پیش کیا گیا تو انہوں نے نہیں کھایا اور ان میں سے بعض علماء نے ان طلباء پر بھی گوشت وغیرہ خریدنے کے حوالے سے شدت برتی ہے اور اِن کو سختی سے احتیاط برتنے کا کہا ہے یہ کہتے ہوئے کہ وہ مسلمان قصابوں سے گوشت خریدیں اور اگر یہ کام ان کے لیے مشکل ہو تو وہ گوشت سے گریز کرتے ہوئے صرف مچھلی پر گزارا کریں یا پھر انڈوں پر اکتفا کریں۔

علماء اباضیوں میں سے بعض آج کے دور میں بھی اس موقف پر ہیں کہ ذمی اہل کتاب کا کھانا حلال ہے اور بعض ان کے کھانے کے حوالے سے حرام کی طرف بھی گئے ہیں کہ کھانا حرام ہے اور بعض ایسے بھی ہیں جنہوں نے عموم کے اعتبار سے اس پر عمل کرتے ہوئے مجرد اہل کتاب کے کھانے کو حلال قرار دیا ہے۔ رہی بات اہل کتاب عورتوں سے نکاح کی تو موکف نے موضوع کے اندر اس بات کو مربوط نہیں کی صرف ذبائح سے ہی مربوط ہے۔ قطع نظر اس کے کہ اس زمانے میں اباضیوں اور دیگر مذاہب کا کیا موقف تھا لیکن عصر حاضر میں اہل کتاب سے شادی کی عدم حرمت ایسا مسئلہ ہے جو دینی دنیاوی، سیاسی اور اجتماعی بہت سی سنگین مشکلات کا سبب بن رہا ہے۔

اگر اسلام نے ان سے شادی کو مطلق مباح قرار دیا ہے تو مصلحت کے تحت آج کے دور میں اس مباح سے استغنا کیا جائے تو بہتر ہو گا اور اہل کتاب سے شادی کے عمل سے دور ہی رہا جائے تو بہتر ہے اگر ان تمام آراء کا حساب لگایا جائے جو اس مسئلہ سے متعلق ہیں تو جنہوں نے اپنی اآراء میں اہل کتاب کی عورتوں سے شادی کرنے سے منع کیا ہے وہ زیادہ درست اور قوی ہیں اور قدیم روح اسلام کے زیادہ قریب ہے۔

میرے خیال میں محترم قاری کے لیے بعض آئمہ کی آراء یہاں نقل کرنا زیادہ سود مند ہوں گی جو (عقیدہ التوحید) کتاب میں آئی ہیں جس کا ترجمہ عمرو بن جمیع نے کیا ہے درج ذیل ہے:

(اگر اہل کتاب اس انداز سے مل جل کر رہے اور جزیہ دیتے رہے تو ان کا خون اموال اور خواتین کو لونڈیاں اور قیدی بنانا حرام ہے اسی طرح ان کا ذبیحہ اور ان کی آزاد خواتین سے نکاح حلال ہے اگر وہ جزیہ نہ دیں اور اس صورت میں نہ رہیں تو ان کا خون اموال عورتوں کو قیدی بنانا سب حلال ہے اور مسلمانوں پر ان کا ذبیحہ آزاد خواتین سے شادی حرام ہے۔)

قطب الائمۃ نے عقیدہ میں اس عبارت کی شرح میں کہا ہے:

(جس کو مصنف نے ذکر کیا ہے یہ مشہور مذہب ہے اس کے حوالے سے ایک اور بھی رائے ہے وہ یہ کہ اباضیوں کے نزدیک اگر اہل کتاب جزیہ نہ بھی دیں اور اسلام سے جنگ بھی کرتے ہوں تب بھی قرآن پاک کی اس آیت کا اطلاق کرتے ہوئے ان کے ذبائح عورتوں سے نکاح سب حلال ہے کیونکہ جب قرآن پاک یہ فرمان اتار تھا تب وہ خدا، رسول ﷺ سے جنگ کر رہے تھے لیکن قرآن نے جزیہ کی شرط نہیں لگائی یہ قول ہماری قوم اور بعض ہمارے ساتھیوں کا ہے اور یہ صحیح قول ہے۔

میرے خیال میں ابن حزم نے اس موضوع سے متعلق جو گمان کیا تھا اس کے رد کے لیے یہ ساری بحث کافی ہے تو دیکھ رہا ہے کہ قطب آئمہ جو کہ اباضی مجتدین کے آخری مجتدین میں سے نہیں کیسے جواز کو مطلق ترجیح دیتے ہیں۔

استاد، امام بیوض ابراہیم بن عمر دور حاضر کے ان اباضی علماء میں سے ہیں جنہوں نے غیر مشروط اور بغیر کسی قید کے اہل کتاب کا کھانا حلال قرار دیا ہے وہ فتوی دیا کرتے تھے کہ اہل کتاب کا کھانا اور ان کا ذبیحہ جس بھی طریقے سے ذبح کیا گیا ہو مسلمانوں کے لیے حلال ہے کیونکہ خدا تعالیٰ نے اس کو بغیر کسی شرط اور قید کے مطلق مباح قرار دیا ہے۔ مسلمانوں کو اس کے حوالے سے تحقیق، تفتیش کی تکلیف سے دوچار نہیں کیا کہ وہ اس ذبیحے کے بارے میں تحقیق کرتے پھریں۔ ان کی نظر میں جس چیز کی تحقیق اور جان کاری مسلمانوں پر لازمی ہے وہ یہ کہ اس کی تحقیق کریں کہ وہ اہل کتاب ہیں یا نہیں ہیں جنہوں نے اس جانور کو ذبح کیا ہے وہ اہل کتاب ہیں یا نہیں وہ مشرکین یا مسیح تو نہیں ہیں اس بات کی تحقیق کر ان مسلمانوں پر نہایت ضروری ہے۔

حلال جانور کے مثانے کا حکم

ابن حزم کہتے ہیں کہ اباضی بکری، مینڈے اور بچھڑے کے مثانے کو کھانا حرام قرار دیتے ہیں۔ مجھے یہ سمجھ نہیں آتی اس بڑے عالم نے اس کو بیان کرنے کا کیوں اتنا اہتمام کیا ہے جبکہ کوئی بھی شخص مثانوں کو کھانا پسند نہیں کرتا اور نہ ہی کوئی

ایک اس کو مباح قرار دیتا ہے چاہے وہ حلال تھا یا حرام ابن حزم اس معاملے میں سچا ہو گا لیکن اباضی اس سے دو اسباب کے تحت دور ہیں۔

پہلا سبب

یہ چیزیں نجاست والی ہیں نفوس اس کو پسند نہیں کرتے درست طبعیتیں نفرت کرتی ہیں اسی طرح یہ فائدہ مند اور صحت افزاء کھانا بھی نہیں ہے۔اس کے کھانے کو اچھا نہیں سمجھا جاتا۔

دوسرا سبب

یہ محل پیشاب ہے جو کبھی بھی خالی نہیں رہتا اور بول تمام مذاہب کے ہاں اسی طرح اباضیوں کے نزدیک بھی نجس ہے کیونکہ اس میں خباثت اور نجاست ہے۔خدا تعالیٰ نے خبائث کو حرام دیا ہے بس اباضیوں نے بھی اس کو کھانے سے پرہیز کیا اور منع کیا ہے کیونکہ یہ نجس ہے محل پیشاب ہے۔جو گندا ہی رہتا ہے صاف ہو ہی نہیں سکتا رہی بات اس جانور کے بول کی نجاست کی جس کا گوشت کھایا جاتا ہے تو یہ ایک فقہی فروعی مسئلہ ہے اس میں مجتہدین کے موقف اور آراء میں اختلاف پایا جاتا ہے اور طویل تجزیوں پر مشتمل ابحاث اور متعدد اقوال موجود ہیں اباضی اس کی تحریم اور نجاست سے متعلق قول پر قائم ہیں قطع نظر اس کے کہ ان کے مخالفین کیا عذر پیش کرتے ہیں اور یہ کہ ایک فقہی فروعی مسئلہ ہے۔

۳۔ قضاء محتلم:

ابن حزم کہتا ہے (اباضیوں کے نزدیک اگر کوئی شخص کو روزے کے ساتھ سوئے ہوئے احتلام ہو گیا تو وہ اس روزے کی قضا دے گا اس پر واجب ہے جبکہ مختصراً میں یہ کہتا ہوں ابن حزم نے جیسے گمان کیا ہے معاملہ ایسا نہیں ہے وہ اس شخص پر روزے کی قضا کو حدیث پاک کی روشنی میں واجب کرتے ہیں جو کسی کوتاہی اور سستی کی بنا پر جنبی رہا اور غسل نہ کیا وہ حدیث مبارکہ جس کو الربیع بن حبیب بخاری مسلم اور امام مالک نے موطا میں روایت کی ہے۔

ان کی نظر میں یہ ہے کہ صائم دن کو سویا اور اس کو جنابت کی کوئی چیز پہنچی تو اس کو غسل کرنے میں جلدی کرنی چاہیے اور اگر اس نے کوئی کوتاہی کی غسل نہ کیا تو اس پر قضا واجب نہیں ہے اور اگر اس نے کوتاہی اور سستی کی تو اس نے گویا روزے کو جان بوجھ کر ضائع کیا۔لہٰذا اس پر قضا واجب ہے اسی طرح وہ شخص جس کو رات کو جنابت ہو گئی تھی اس نے نیت کہ وہ سحری کے وقت اٹھ کر غسل کرے گا اور پھر سویا رہا سستی سے کام لیا یہاں تک کہ صبح ہو گئی تو اس پر بھی اس کی کوتاہی کے سبب بعض فقہاء کے نزدیک روزے کی قضا واجب ہے۔کفار کو اس سے رفع کرتے ہیں لیکن بعض فقہا یہ کہتے ہیں کہ اگر اس پر غسل میں جلدی کرنا ضروری ہے اگر اس نے اس میں کوتاہی کی غسل نہ کیا تو قضا واجب ہے اور اگر غسل

کر لیا تو اس پر کچھ نہیں ہے اور اس سے تمام صورتوں میں کفارے کو رفع کرتے ہیں امام نورالدین السالمی نے مسند پر اپنی شرح کے اندر اس بات کی وضاحت کچھ یوں کی ہے۔

جو جنبی ہو گیا اس کے بارے میں اباضیوں کے نزدیک روزہ افطار کرنے کا حکم ہے پھر کہا ربیع بن حبیب نے ابو عبید سے انہوں نے جملہ اصحاب رسول ﷺ سے روایت کیا ہے اسی طرح تابعین میں سے عروۃ بن زبیر امام حسن بصری، ابراہیم النخعی سے روایت کیا ہے اس طرح عبدالرزاق نے عروۃ بن زبیر سے اسی طرح اس حدیث کو ابن المنذر نے کاوش سے بیان کیا ہے ابن بطال نے کہا ہے کہ یہ شافعیوں کا قول ہے اسی طرح ابن المنذر نے امام حسین بصری سے سالم بن عبداللہ بن عمر سے روایت کیا ہے کہ وہ اپنے روزے کو پورا کرے گا پھر بعد میں اس کی قضا بھی دے گا۔ اس طرح عبدالرزاق نے ان دونوں کے قول کی مثل عطا سے نقل کیا ہے پھر بعد میں ہمارے مذہب کے لوگوں نے حسن بن صالح سے نقل کیا ہے کہ فرض کی قضا واجب ہے۔ بس کچھ یوں اس موضوع کی حقیقت سے متعلق اتنی بات کافی ہے ابن حزم اس حقیقت کو جانتا تھا اگرچہ اس نے اس بات کو مشکوک شبہات کے ساتھ مجمل ہی بیان کر دیا جبکہ مزید کچھ ایسی باتیں بھی بیان کی جو اباضیوں کی ہیں ہی نہیں ان کی طرف غلط منسوب کی گئی ہیں اور جو اباضیوں کی آراء بعض فقہی فروعی مسائل کے متعلق حقیقت میں ہیں بھی تو ابن حزم نے ان کو بھی مکمل طور پر بیان نہیں کیا بلکہ اس میں بھی خیانت کی ہے۔

۴۔ پانی کی موجودگی میں تیمم:

ابن حزم کہتا ہے کہ اباضی وہاں بھی تیمم کو جائز قرار دیتے ہیں جہاں پینے کے لیے پانی کے کنویں موجود ہوں مجھے یہ کہتے ہوئے شرمندگی محسوس ہو رہی ہے کہ ابن حزم کا یہ ایسا جھوٹا دعویٰ ہے جس کی کوئی بنیاد ہی نہیں ہے اگر یہ بات اس نے کسی اور سے اباضیوں کے علاوہ سنی ہے تو یہ ایسا جھوٹ ہے جو اُسی کو زیب دیتا ہے جس نے بولا ہے اگر وہ یہ دعویٰ کرے کہ اس نے براہ راست اس عمل کا مشاہدہ کیا ہے تو یہ ایک عظیم عالم کی طرف سے بہت بڑا وہم ہے اور بہت بڑی مبہم بات ہے اس کو ایسی بے بنیاد بات کہنا زیب نہیں دیتا۔

ہمیں اس کا یہ موقف بھی اس انتہا پسند موقف کی طرح نظر آرہا ہے جو بہت سی مشہور قلموں کے ذریعے اباضیوں کے متعلق جھوٹ لکھے گئے ہیں ان میں سے بعض اقوال اور باتیں تو ایسی ہیں جو بعض بعض کے متناقض ہیں اور بعض ایسی ہیں جو حق کو باطل کرنا اور ثابت شدہ حقائق کو جھوٹا ثابت کرنے والی ہیں۔ جو کہ دلالت کرتی ہیں کہ یہ ایسے جھوٹ اور خرافات ہیں جو تخیلات پر مبنی ہیں حقیقت سے ان کا کوئی تعلق نہیں ہے۔

اباضیوں کی فقہی کتب خاص طور پر طہارت سے متعلق ابن حزم اور اس سے پہلے کے دور میں بھی ہر جگہ موجود تھیں ان میں کوئی بھی ایسی بات نہیں جو سب، شتم کا باعث ہے۔ خاص طور پر طہارت اور نماز سے متعلق کوئی ایسا مسئلہ نہیں جس کو طعن کا نشانہ بنایا جا سکے۔

قدیم، حدیث میں تمام اباضی طہارت کے حوالے سے سخت موقف رکھنے میں مشہور ہوئے ہیں یہاں تک کے انہوں نے استنجا سے پہلے ڈھیلے کا استعمال کرنا واجب قرار دیا ہے اور جو آیت وضو سے متعلق ہے اس کے ذریعے تمام اس موضوع کے حوالے سے وارد ہونے والی احادیث منسوخ ہو جاتی ہیں یعنی وضو کی آیت نے ان تمام احادیث کو منسوخ کر دیا ہے ان کا طہارت کے حوالے سے شدت برتنا ایسا عمل اور دعویٰ ہے جو تصدیق کا محتاج نہیں بلکہ قدیم، حدیث میں جو بھی ان کے ساتھ رہا اور زندگی گزاری وہ سب عموماً مسائل طہارت میں ان کے سخت موقف کی گواہی دیتے ہیں کہ یہ طہارت کے حوالے سے کتنے محتاط اور شدید موقف کے حامل ہیں خاص طور پر وضوء اور غسل میں بہت محتاط ہیں۔

ابن حزم یہ دعویٰ اور گمان کرتا ہے کہ اباضیوں کی اکثریت کو اس نے کنوؤں پر پانی کی موجودگی کے باوجود تیمم کرتے دیکھا ہے تو پھر وہ اکثریت کدھر سے آگئی اس نے کیسے اس اکثریت کو پہچانا اور وہ کیسے کنوؤں پر جا کر اس اکثریت کو دیکھتا تھا کیا ان کی عادات میں سے تھا کہ جب کوئی نماز کے لیے وضو کرنا چاہتا تو ان کنوؤں کی طرف جاتا اور پھر مٹی جمع کر کے تیمم کرتا۔

اگر اس کا یہ دعویٰ مان بھی لیا جائے کہ اس نے کنوؤں پر لوگوں کے ایک مجموعے کو تیمم کرتے دیکھا تو اس کا یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ وہ تمام معذور ہوں کسی عذر کے تحت تیمم کر رہے ہوں یا وہ طہارت کے احکامات کی زیادہ معرفت نہ رکھتے ہوں یا کسی شرعی عذر کے تحت تیمم کر رہے ہوں جس کو ابن حزم نہ جانتا ہو اگر یہ گمان کیا جائے کہ اس نے اکثریت کو ایسا کرتے دیکھا ہے تو یہ قول سراسر باطل ہے جو تمام مسلمانوں اور خاص طور پر اباضیوں کے مزاج اور اسلوب میں تردد پیدا کرتا ہے۔

اگر کسی بھی زمانے میں مسلمانوں کے دیگر مذاہب کی اکثریت کے لیے خدا تعالیٰ کی حدود میں سے کسی حد میں کاہلی یا سستی برت سکنا یہ ممکن ہو تو تب بھی اباضیوں سے یہ ممکن نہیں ہے اور اگر کچھ افراد کی سستی یا کاہلی کا مظاہرہ کر بھی رہے ہوں تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ ہم کہیں کہ ان کا فلاں مذہب سے تعلق ہے کیونکہ کوئی بھی مذہب چاہے وہ مالکی ہو شافعی، حنفی، حنبلی یا پھر اباضی ہوں شرعی امور میں کاہلی یا سستی کا حکم نہیں دیتا یہ ایک بڑی خطا ہے اگر آپ رمضان المبارک میں کسی ایسے اسلامی ملک میں جاؤ جہاں کسی خاص مذہب اسلامی کی حکومت ہو تو اگر وہاں قہوے خانے کھلے ہوئے اور لوگوں سے بھرے ہوئے دیکھو جو وہاں کھا پی رہے ہوں تو اس کا ہرگز یہ مطلب نہیں اور نہ ہی یہ مناسب ہے کہ آپ ان تمام لوگوں کو وہاں کے مذہب کی طرف منسوب کر دو اور کہو کہ میں نے فلاں مذہب کی اکثریت کو ایسے کرتے دیکھا ہے کیا ایسا کہنا مناسب ہو گا؟

ابن حزم کے زمانے میں اندلس کے اندر شراب خانے تھے موسیقی کی محفلیں لگتی تھیں وہاں لوگ سینکڑوں کی تعداد میں شراب پیتے اور مست ہوتے تھے۔ خاص طور پر امراء اور حکام کی مجالس وغیرہ تو کیا یہ کسی کے لیے کہنا درست ہو گا کہ وہ کہے میں نے اندلس میں مسلمانوں کی اکثریت کو گاتے ہوئے اور نشے میں مست دیکھا؟ اس دور میں جبکہ معاصی سرعام ہو

رہی ہے کیا ہم ان بے حیائی کے کاموں کو اور فحاشی کو کسی مذہب کی طرف یہ کہتے ہوئے منسوب کر سکتے ہیں کہ یہ اکثریت سے فلاں مذہب کے لوگ ہیں بلکہ کیا ہمارا حق بنتا ہے کہ ہم ان اعمال کو مذاہب کے ان اقوال آراء کے ضمن میں پیش کریں جن سے وہ تمام مذاہب ایک دوسرے سے متمیز ہوتے ہیں یا ایک مذہب دوسرے مذہب سے انہی کی بدولت ممیز ہوتا ہے کسی بھی صورت میں کسی بھی تاویل کے ذریعے ہر حال میں ابن حزم نے اباضیوں کی طرف جو تیمم کے حوالے سے منسوب کیا ہے درست نہیں ہے اس کا کوئی وجود اباضیوں کے ہاں نہیں پایا جاتا وہ سراسر بے بنیاد ہے چونکہ اباضی کہتے ہیں کہ تیمم صرف اس حال میں جائز ہے جب پانی کے استعمال سے عاجز آ جائیں چاہے پانی کی عدم دستیابی کی وجہ سے ہو یا پھر اس کے استعمال سے کوئی مسئلہ ہو سکتا ہو تب تیمم کرنا جائز ہے اس سے متعلق تفصیلات اور شروحات سے کتبِ فقہ بھری پڑیں ہیں۔

۵۔ حدود

استاد عبدالقادر شیبہ الحمد نے مذہب سے اباضی سے متعلق ذکر کیا ہے:

(جس نے زنا کیا یا چوری کی اس پر حد جاری ہو گی پھر اس سے توبہ کا مطالبہ کیا جائے گا اگر توبہ کر لے تو بہتر ہے ورنہ قتل کر دیا جائے گا) یہ بھی اباضیوں سے متعلق ایک گھنونی تہمت ہے ہم عبدالقادر کو بھی اس کا مورد الزام نہیں ٹھہراتے بلکہ اس نے قدیم مصادر سے ہی لیا ہو گا ان میں یہ بات موجود ہے۔ استاد عبدالقادر کی اس میں اتنی غلطی ضرور ہے کہ اس کو بیان کرنے سے پہلے اس کی تصدیق ضرور کر لینی چاہیے تھی اور اس نے فرقوں سے متعلق بات کرتے ہوئے احتیاط سے کام نہیں لیا اس کی یہ ذمہ داری تھی کہ وہ بات کو بیان کرنے سے پہلے اس کی تحقیق ضرور کرتا اس رائے کی اباضیوں کے ہاں کوئی بنیاد نہیں حدِ زنا اور حدِ چوری نص سے ثابت ہے اسی طرح دیگر حدود ہیں جو نص سے ثابت ہیں۔ لہٰذا جو کچھ قرآن، سنت سے ثابت ہے اس سے متعلق اباضی کوئی رائے نہیں رکھتے نص کے سامنے اباضیوں کی کیا مجال ہے کہ وہ اپنی آراء سے کام لیں اور وہ حکم نص میں تجاوز نہیں کرتے بلکہ اباضی تو یہ رائے رکھتے ہیں کہ ظالم امام سے عادل امام حدود الٰہی کے قائم کرنے کی بدولت ہی ممیز ہو سکتا ہے جیسا کہ ثابت ہو چکا ہے۔ اباضیوں کے نزدیک شادی شدہ زانی کی سزا رجم ہے جو سنت سے قولاً اور عملاً ثابت ہے جو غیر شادی شدہ زانی ہے اس کی سزا قرآن سے ثابت ہے وہ ہے کوڑے لگانا اسی طرح چور کے ہاتھ کاٹنے کی حد کے حوالے سے مشروط حکم ہے جس کی تفصیلات سے کتب فقہ بھری پڑیں ہیں جو ان موضوعات کو ڈیل کرتی ہیں اسی طرح دیگر حدود ہیں جن کے حوالے سے کتب فقہ میں تفصیلات موجود ہیں اگر عبدالقادر نے کوئی ایک کتاب بھی اٹھا کر پڑھ لیتا تو اس حوالے سے واضح کلام پاتا اور ان حدود کی شرح ان کے ثابت کرنے کے طریقے مباحث کے طرق مل جاتے بلکہ میں یقین سے یہ با کہتا ہوں اگر استاد عبدالقادر اباضیوں کی تاریخی اور سیرت سے متعلق کتابوں کا مطالعہ کر لیتا تو اُسے پتہ چل جاتا کہ اباضی اماموں اور خلفاء نے اپنی خلافت کے دوران کن کن حالات میں حدود کو قائم کیا اور نصوص سے تجاوز نہیں کیا۔ کسی کو بھی قتل نہیں کیا بجز اس کے جس کی سزا قتل تھی۔

رہی بات توبہ یا اس کا مطالبہ کرنا یا پھر عدم توبہ تو اس نے اباضیوں کے نزدیک ایک دوسرا حکم ہے جو دوستی اور دشمنی سے متعلق ہیں یعنی خدا تعالیٰ کی اطاعت اور فرمانبرداری کی بنا پر کسی سے دوستی اور اس کی نافرمانی کی بنیاد پر کسی سے دشمنی رکھنا ہے۔ محترم قاری کے لیے یہ بات واضح ہے کہ کسی سے برأت کا اظہار کرنا اس کا مطلب قتل نہیں۔ بلکہ یہ تو دل کی نفرت اور اظہار ناراضگی ہے اسی طرح نافرمانی کے سبب کسی سے معاملہ میں جفا کرنا وغیرہ۔

اس موضوع سے متعلق اباضی یہ کہتے ہیں ان کا یہ موقف ہے اس طرح دیگر مذاہب کے علماء کا جو اس حوالے سے موقف ہے کسی پر حد قائم ہو گی اور عدل، انصاف اور اس شخص کی سچائی اور انصاف کا کیا حکم ہو گا اس کو اوندھا کیا جائے گا یا نہیں طویل ابحاث موجود ہیں جیسا کہ اگر کوئی مجرم ایک فعل بار بار دھراتا ہے تو اس کو سزا دینے کا کیا حکم ہو گا کیا اس پر بار بار حد قائم کی جائے گی؟ اس حوالے سے بھی طویل ابحاث موجود ہیں۔ اس میں اباضی مذہب کے علماء کی وہی رائے ہے جو جمہور کی ہے اگر کوئی چور ہے جو بار بار چوری کرتا ہے تو ہر بار عضو کاٹنے کی سزا ہی ہو گی صرف اس میں اختلاف ہے کہ دایاں ہاتھ کٹنے کے بعد کس عضو کو کاٹا جائے گا؟

اسی طرح جو شخص شراب پیتا ہے بار بار اس عمل کو دھراتا ہے تو اس کی حد پر بھی اباضیوں اور جمہور کی رائے ایک ہے صرف ایک بات میں اختلاف ہے کہ جب چوتھی بار اس کو سزا ملے گی تو اس کی کوڑوں کی سزا سے تجاوز کرتے ہوئے اُسے قتل کر دیا جائے گا یا نہیں یا معاف کیا جائے گا یا نشئی آدمی کی سزا اس پر جاری ہو گی جو کہ لگاتار کوڑے مارنے کی سزا ہے اس حکم کے حوالے سے یہ ایک وضاحت عبد القادر کے گمان اور جو اس کی رائے کی طرف لوٹا ہے رد کرنے کے لیے کافی ہے کسی بھی صورت میں اباضیوں کے ہاں کوئی بھی ایسی سزاؤں کا اور حدود قائم کرنے کا تصور نہیں پایا جاتا جو نصوص سے اور جمہور کی آراء سے ہٹ کر ہوں جو تفصیل سے حدود اور سزاؤں کے حوالے سے اباضی نقطہ نظر کو جاننا چاہتا ہے تو وہ ان کی کتب فقہ میں طویل ابحاث کی طرف رجوع کریں۔ اس ساری گفتگو کے بعد میں یہ کہتا ہوں کہ یہ تمام مسائل فروعی اجتہادی ہیں جن میں نقطہ نظر مختلف پایا جاتا ہے سوائے ان مسائل کے جو براہ راست نص سے لیے جاتے ہیں اور نص سے بغیر کی ابہام کے ثابت ہیں تو ان میں کوئی بھی اختلاف نہیں کر سکتا صرف فروعی مسائل میں اجتہادی اعتبار سے نقطہ نظر مختلف ہوتا رہتا ہے۔

اگر چاہو تو اس فصل کا دوبارہ سے مطالعہ کر لو جو ہم نے ابن حزم اور اباضیوں کے عنوان سے باندھی تھی۔

۶۔ عورتوں اور بچوں کا قتل

استاد عبد القادر شبیہ نے اپنی سابقہ کتاب میں درج ذیل کہا ہے۔ (اباضی عورتوں اور بچوں کو قتل کرنے کو مباح نہیں کرتے) اس کا مفہوم یہ ہوا کہ آدمیوں کے قتل کو گویا انہوں مباح کیا ہے جبکہ یہ درست بات نہیں ہے۔ اباضی بھی دیگر مسلمانوں کی طرح انسانیت کے خون بہانے کو مباح نہیں سمجھتے بجز اس خون کے جو خدا تعالیٰ کے حکم کی بنا پر بہایا جائے جیسا کہ راہ جہاد میں اسی طرح جن پر اسلام کی حدود قائم ہوں یا پھر مسلمانوں سے ان کے دشمنوں کو زائل کرنا دور ہٹانے کی

غرض سے ان کا خون کرنا اس کے پیش نظر کہ وہ مسلمانوں پر قہر اور تسلط، مسلط نہ کر سکیں ان سے لوٹ کھسوٹ نہ کر سکیں یا پھر ایسی لڑائی میں خون بہے جو کسی ظالم غاشم بادشاہ کو اور اس کے نظامِ حکومت کو گرانے کی غرض سے ہوں اور وہاں اس کے عوض اسلامی حکومت جو عدل پر مبنی ہو قائم کرنے کا مقصد ہو۔

ان تمام تر صورتوں میں اباضیوں کے نزدیک رسول پاک ﷺ اور خلفاء راشدین کی سنت کو سامنے رکھتے ہوئے اس عمل کرتے ہوئے بوڑوں بچوں عورتوں بیماروں اور جو قتال سے علیحدہ رہے ان کے خون کو بہنے سے محفوظ رکھنا واجب ہے یہ واجب ہے کہ ان کا خون محفوظ رہے۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ استاد عبد القادر بچوں اور عورتوں کے خون سے مراد مسلمان خواتین اور ان کے بچوں کا خون لیتا ہے جو جنگوں اور فتنوں کے دوران بہتا ہے۔

اباضی اس حوالے سے صرف مشرک دشمنان اسلام مسلمین کے خون کو مباح سمجھتے ہیں اس میں بھی وہ بچوں عورتوں بوڑھوں بیماروں اور جو جنگ میں شریک نہیں ہوئے اپنے گھروں میں موجود رہے انکے خون کو بھی بہانا جائز قرار نہیں دیتے۔

یہاں تک کہ شکست کی صورت میں جو دشمن واپس بھاگ رہے ہوں ان کا پیچھا کرنے سے بھی منع کرتے ہیں۔ دشمنوں کے مال متاع کو لوٹنا بھی اباضی جائز نہیں سمجھتے میدان جنگ میں اگر کوئی دشمن لڑائی سے بھاگ رہا ہو اور اس کو کسی نے قتل کر دیا تو اس پر قصاص کا حکم لگاتے ہوئے قتل کی سزا دیتے ہیں گویا اس نے ایک جان کو قتل کیا جو کہ میدان جنگ لڑائی کو چھوڑ کر بھاگ رہا تھا اس کو قتل نہیں کرنا چاہیے تھا۔ لہٰذا جس نے کسی انسان کو قتل کیا ہے اباضیوں کے نزدیک اس پر قصاص ہے۔ اسی طرح ہر وہ شخص جس نے دشمنوں کی مدد کی ان کو قتال میں شریک کیا لیکن خود براہ راست شامل نہیں ہو تو اس کو بھی قتل کرنا اباضیوں کے ہاں جائز نہیں ہے ہاں اگر یہ ثابت ہو جائے کہ وہ عملی طور پر قتال میں شریک ہوا ہے تو پھر اس کو میدان جنگ میں بطور قصاص قتل کیا جائے گا۔ اسی طرح جب جنگ اپنی انتہا کو پہنچی تو اب اباضیوں کی تلواریں رک جاتی ہیں اس کے بعد کسی کو قتل کرنا اور اس کے بعد کسی خون کو بہانا جائز نہیں ہے۔

میرے خیال میں اگر میں اس تجزیے کے آخری نقطے کی وضاحت میں ابو یعقوب الور جلانی کا قول جو انہوں نے اپنی کتاب (الدلیل والبرھان) تیسرے جزء کے صفحہ ۵۹ پر کہا ہے تو یہ محترم قاری کے لیے زیادہ مفید ہو گا۔

(پہلا فتنہ اور یہ فتنہ اہل دعوت کے مابین ہے جس میں خون، مال حلال نہیں اور اس حوالے سے ان حرکات اور تحریکیں حرام ہیں قاتل، مقتول دونوں جہنمی ہیں۔ رسول پاک ﷺ نے ارشاد فرمایا (جب دو مسلمان تلوار لے کر ایک دوسرے سے مقابلے میں اور قتل کرنے کی غرض سے سامنے آئے تو قاتل اور مقتول دونوں جہنم میں ہوں گے۔)

اس رائے پر دلائل دینے کے بعد اس نے کہا ہے!

(جو فتنہ ہمارے اور مخالفین کے مابین واقع ہوا ہے وہ دو وجوہات کے سبب ہوا ہے۔

اگر تو اس فتنے کی اصل اہل دعوت کی جانب ظلم پر بنی ہو تو یہ اس مخالفت جدائی اور عداوت کی مثل ہو گا جو اہل دعوت کے مابین واقع ہوئی ہو اور اگر اس فتنے کی اصل مخالفین کی جانب سے ظلم پر بنی ہو تو معاملہ پہلی صورت کے علاوہ ہو گا تو اگر ضرورت اس امر کی ہو کہ مسلمان مظلوموں کا دفاع کریں اور اپنے اور اہل دعوت کے مابین حد فاصل قائم کر لیں علیحدگی اختیار کر لیں اگر اہل دعوت کی جانب سے فساد ظاہر ہو گیا یہ ویسا معاملہ ہو گا جیسا کہ جب کوئی اہل فتنہ کی جانب سے کوئی فتنہ ظاہر ہو یعنی اہل دعوت کا اس صورت میں معاملہ ویسا ہی ہو جائے گا جیسا کہ اہل وطن فتنے کا معاملہ ہوتا ہے ایسی حالت میں ان کو بقدر استطاعت فتنے سے روکیں اور ان اہل دعوت پر ظاہر کریں کہ وہ اس معاملے میں ان کے ساتھی نہیں ہیں اگر مخالفین میں سے کوئی رجوع کر لے تو لوگ ان کا اہل دعوت سے بقدرِ استطاعت دفاع کریں اور ہم اموال کی خرابی میں ان کی مدد نہیں کرتے بلکہ اس سے ہم ان کو روکتے اور منع کرتے ہیں۔

ابو یعقوب اسی کتاب کے صفحہ ۵۴ پر درج ذیل کہتے ہیں (اگر ہم ان سے لڑائی کریں اور ان کو شکست دے دیں تو پھر بھی ان میں سے جو میدان جنگ چھوڑ کر بھاگے ہم اس کا پیچھا نہیں کریں گے نہ ہی ان کے زخمیوں کو قتل کریں گے اور نہ ہی ان کے اوپر کوئی مظالم ڈھائیں گے اگر ان کے پاس مسلمانوں کے بیت المال سے کوئی مال ہو گا تو اس کو ہم ان سے ضرور لیں گے واپس ہرگز نہیں لوٹائیں گے اس کو ہم اس کے مصرف میں لوٹائیں گے اور اگر کچھ مال لوٹا ہوا ملا تو اس کو اس کے اہل کو واپس کریں گے۔)

میرے خیال میں اس موضوع کی وضاحت کے لیے یہ کافی ہے۔

۷۔ مُشبّہ فرقے کا قتل

(یہ ایک ایسا فرقہ ہے جو خدا تعالیٰ کو مخلوق سے تشبیہ دیتے ہیں۔)

عبدالقادر شیبہ اپنی سابقہ کتاب میں درج ذیل کہتے ہیں:

> (ان اباضیوں نے مُشبّہ کے قتل کو ان میں سے بھاگنے والے کا پیچھا کرنے کو ان کی عورتوں اور لونڈیوں کو مرتد کا حکم لگاتے ہوئے مباح سمجھتے ہیں اور یہ کہ حضرف ابو بکر صدیق ﷛ نے ایسا ہی مرتدوں کے ساتھ کیا تھا۔)

رہی بات مُشبّہ کی تو وہ علی الاطلاق مرتد اور ان کا قتل حلال ہے لیکن یہ بات بڑی طویل بحث اور وضاحت کی محتاج ہے اس کی وضاحت اور درستگی کے لیے میں یہ کہوں گا۔

اباضیوں کے نزدیک مُشبّہ کی تین اقسام ہیں۔

۱۔ المجسمہ ۲۔ اشباہ المجسمہ

۳۔ اسی طرح ایک تیسری قسم اباضیوں زیدیوں اور معتزلہ کے علاوہ مسلمانوں کی اکثریت پر مبنی ہے جو خدا تعالیٰ کی ذات کو مخلوق کی مشابہت سے پاک مقدس جانتے ہیں۔ اس تیسری قسم کو اباضی مُشبّہ کا نام دیتے ہیں۔

۱۔ المجسمہ

یہ وہ لوگ ہیں جو خدا تعالیٰ کی ذات کے حوالے سے یہ گمان کرتے ہیں کہ وہ طول عرض رنگ لون اور جوڑوں ہڈیوں اعضاء میں مخلوق کے جسم کے مشابہہ ہے۔

اباضی اس فرقے پر مشرکین کا حکم لگاتے ہیں یہ لوگ جو ایسا گمان رکھتے ہیں مشرک ہیں۔

۲۔ اشباہ المجسمۃ

یہ بھی وہ لوگ ہیں جو خدا تعالیٰ کے جسم کو طول عرض میں دیگر جسموں کی طرح سے مانتے ہیں لیکن ساتھ میں یہ بات کہہ دیتے ہیں (ہم اس حوالے سے نہیں جانتے) اس بات کے ذریعے محتاط ہو جاتے ہیں لیکن اباضی ان پر بھی مشرک ہونے کا حکم جاری کرتے ہیں۔

۳۔ تیسری قسم

یہ مسلمانوں کی اباضیوں زیدیوں اور معتزلہ کے علاوہ اکثریت ہے جو خدا تعالیٰ کی ذات کو مخلوق سے مشابہت سے مقدس اور پاک مانتے ہیں لیکن بعض کلمات جو قرآن پاک میں وارد ہوئے ہیں جو اعضاء سے متعلق ہیں جیسے ہاتھ، آنکھ، پنڈلی، آنا نزول استواء سرور خوشی وغیرہ ان کی تاویل بڑے محتاط اور مناسب معانی کے ساتھ کرتے ہیں اور یہ کہتے ہیں جیسا کہ خدا تعالیٰ نے چاہا ہے) وہ ان کلمات کے معانی کو ثابت کرتے ہیں لیکن تشبیہ سے اس کی ذات کو اعلانیہ طور پر پاکیزہ اور منزہ سمجھتے ہیں۔

اباضیوں کا ان کے متعلق موقف یہ ہے کہ یہ مُشبّہ ہیں لیکن تاویل میں خطا کی ہے مگر ان پر مشرک کا حکم نہیں لگاتے یہ مسلمانوں کی اکثریت ہے ان کے حقوق واجبات بھی دیگر مسلمانوں کی طرح یکساں ہیں کیونکہ ان کا اباضیوں کے عقیدے کی طرح تنزیہ کا عقیدہ ہے۔

اباضیوں نے بھی ان تمام کی تاویل کہ ہے مگر ایسی تاویل کی ہے جو کمال الٰہی کے منافی نہیں ہے۔ آنکھ کے متعلق کہا ہے اس سے مراد (علم اور حفظ ہے) ہاتھ کے بارے میں کہا ہے کہ اس سے مراد (نعمت اور قدرت ہے) استواء سے متعلق کہا ہے کہ اس سے مراد (قہر اور غلبہ) ہے اسی طرح دیگر الفاظ کلمات جو قرآن، حدیث میں وارد ہوئے ہیں ان کی تاویلات

بھی ایسے کی ہیں جو ذات الٰہی کی شان کے منافی نہیں متاخرین اشاعرہ نے بھی اپنی تاویلات سے رجوع کیا اور اباضیوں کی بیان کردہ تاویلات کو قبول کیا ہے۔

یہاں میں جو بات محترم قاری پر واضح کرنا چاہتا ہوں وہ یہ کہ مُشبّہ اور مجسمہ کے درمیان فرق بیان کرنا ضروری سمجھتا ہوں۔ بس جو مجسمہ ہیں ان پر اباضی مشرکین کا حکم جاری کرتے ہیں کیونکہ وہ مجسمہ سازی، تصویروں اور بتوں میں مشرکین کے جیسے ہیں۔ جو الٰہی تصورات اور تصویروں میں مشرکین سے مشابہت رکھتے ہیں۔

رہی بات مُشبّہ کی تو یہ مجسمہ سے بالکل مختلف ہیں اباضیوں کا ان کے حوالے سے موقف ہے کہ انہوں نے صرف تاویل میں خطاء کی ہے انہوں نے خدا تعالیٰ کے لیے جو مبہم اور وہم پیدا کر دینے والے کلمات قرآن، حدیث میں وارد ہوئے تھے ان کی تاویل تو کی ہے لیکن ذات الٰہی کی تنزیہی شان کو بھی ملحوظ خاطر رکھا ہے تاویل کر کے اس کی ذات کو مخلوق سے مقدس اور منزہ سمجھا ہے اور یہ عقیدہ اور اعتماد رکھتے ہیں کہ خالق اور مخلوق میں فرق ہے دونوں ایک نہیں ہیں۔ خالق مخلوق سے مختلف ہے اس آیت کریمہ کا اعتبار کیا ہے:

﴿فَاطِرُ ٱلسَّمَٰوَٰتِ وَٱلْأَرْضِ ۚ جَعَلَ لَكُم مِّنْ أَنفُسِكُمْ أَزْوَٰجًا وَمِنَ ٱلْأَنْعَٰمِ أَزْوَٰجًا يَذْرَؤُكُمْ فِيهِ ۚ لَيْسَ كَمِثْلِهِۦ شَىْءٌ ۖ وَهُوَ ٱلسَّمِيعُ ٱلْبَصِيرُ ﴿١١﴾﴾

"آسمانوں اور زمین کو عدم سے وجود میں لانے والا ہے، اسی نے تمہارے لیے تمہاری جنسوں سے جوڑے بنائے اور چوپایوں کے بھی جوڑے بنائے اور تمہیں اسی (جوڑوں کی تدبیر) سے پھیلاتا ہے، اُس کے مانند کوئی چیز نہیں ہے اور وہی سننے والا دیکھنے والا ہے٥"(۱)

جو کہ مسلمانوں کے عقیدے کی مرکز محور ہے اباضی ان پر مرتد یا مشرک کا حکم نہیں لگاتے بلکہ وہ ان کے اسلامی بھائی ہیں۔

اگرچہ ان کے مابین بعض مسائل میں اختلاف موجود ہے ان پر صرف جدل، مناظرہ اور جدال کی صورت میں مُشبّہ کے نام کا اطلاق کرتے ہیں خاص طور پر جب مناظرے میں شدت کے درجے تک بات پہنچ جاتی ہے تو ان کو مُشبّہ کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے لیکن ان تمام صورتوں کے باوجود وہ ان پر مرتدوں اور مشرکین کا حکم جاری نہیں کرتے۔

اس ساری وضاحت سے اے محترم قاری تمہیں علم ہوتا ہے کہ استاد عبدالقادر کی بات میں ابہام اور غموض پایا جاتا ہے اگر وہ مُشبّہ سے مراد مجسمہ لیتا ہے پھر تو اس کی بات کسی حد تک درست ہے اگر وہ اس سے مراد اس فرقے کو لیتا ہے جس کو اباضی مُشبّہ کا نام دیتے ہیں تو اس کی بات ہرگز درست نہیں۔ لہٰذا آپ اباضیوں کے موقف کے حوالے سے بخوبی جان گئے ہیں اس اعتبار سے بعض اہم اختلافی مسائل میں ایک طرف تو اباضیوں کا شمار زیدیوں میں ہوتا ہے کیونکہ وہ بھی

---

(۱) الشوریٰ، ۴۲/۱۱۔

تاویل کی بنا پر مُشَبِّہ پر مشرک کا حکم لگاتے ہیں تو دوسری جانب نکاریوں میں ان کا شمار ہوتا ہے کیونکہ وہ بھی مُشَبِّہ فرقے پر تاویل کے سبب مشرک کا حکم لگاتے ہیں یہ میرے خیال میں استاد عبد القادر شبیہ الحمد کے رد کے لیے کافی ہے۔

اباضی آراء کا خلاصہ

اس فصل میں میری یہ خواہش ہے کہ میں تمام مقالہ نگاروں کے اسلوب، مناہج کو پیش کروں جن اسالیب سے انہوں نے اباضی آراء کو پیش کیا ہے تاکہ ان بیانوں کو دیکھا جاسکے جن کے ذریعے وہ صحیح اور غلط کا حق اور باطل جماعتوں اور افراد کے عقائد کو پرکھتے ہیں ہیں۔ اسی طرح ان میں سے ہر ایک کی اس مقصد کی خاطر جہد اور محنت کا اندازہ بھی لگایا جاسے جو انہوں نے اس طرح کے اہم موضوع کی تحقیق اور ریسرچ میں خرچ کی ہے۔

استاد ابوزہرۃ اباضیوں کی آراء کو اختصار کے ساتھ درج ذیل بیان کرتا ہے۔

١. جو لوگ مسلمانوں میں سے اباضیوں کے مذہبی اختلاف کی بنا پر مخالفین ہیں ان کے بارے میں اباضی یہ موقف رکھتے ہیں کہ وہ نہ مشرکین ہیں اور نہ ہی مومنین بلکہ ان کو کفار کہتے ہیں اور ان کے بارے میں کہتے ہیں کہ وہ اعتقادی لحاظ سے کفار نعمت ہیں کیونکہ انہوں نے ذاتِ باری تعالیٰ سے کفر نہیں کیا اس کے نعمت میں تقصیر کی ہے۔

٢. مخالفین کا خون حرام ہے اور ان کا وطن دار توحید اور دار اسلام ہے بجز بادشاہ کے ٹھکانے کے لیکن اس حال میں کہ وہ اس کا اعلان نہ کریں پوشیدہ رہیں تو اس حالت میں مخالفیں ان کا خون حرام ہے۔

٣. ان کے ساتھ اگر جنگ ہوئی تو سوائے جنگی اسلحہ گھوڑے اسواریوں اور جنگی قوت کے کوئی چیز حلال نہیں اگر مال متاع سونا چاندی ملا تو اس کو واپس لوٹایا جائے گا۔

٤. مخالفین کی گواہی قابل قبول ہے اسی طرح ان کی خواہش سے شادی اور وراثت میں ان کے حقوق سب جائز ہیں یعنی ان کو محروم نہیں کیا جائے گا۔

٥. انہی آراء کا خلاصہ عبد القادر شبہ الحمد نے جو خلاصہ پیش کیا ہے درج ذیل ہے:

١. مخالفین کے وطن کو بجز بادشاہ کے ٹھکانے کے دار توحید اور دار اسلام شمار کرے ہیں لیکن بادشاہ کا قلعہ دار بغاوت اور سرکشی ہے۔

٢. نفاق کے حوالے سے اباضیوں کے تین اقوال ہیں ان میں سے ایک گروہ نے کہا ہے کہ وہ شرک اور ایمان سے مکمل طور پر بری ہے یعنی نہ اس کا تعلق شرک سے ہے نہ ایمان سے بلکہ خدا تعالیٰ کے حکم کے مطابق اس کا حکم ہے خدا تعالیٰ نے فرمایا!

﴿مُذَبْذَبِينَ بَيْنَ ذَٰلِكَ لَآ إِلَىٰ هَٰٓؤُلَآءِ وَلَآ إِلَىٰ هَٰٓؤُلَآءِ ۚ وَمَن يُضْلِلِ ٱللَّهُ فَلَن تَجِدَ لَهُۥ سَبِيلًا﴾

"اس (کفر اور ایمان) کے درمیان تذبذب میں ہیں نہ ان (کافروں) کی طرف ہیں اور نہ ان (مومنوں) کی طرف ہیں، اور جسے اللہ گمراہ ٹھہرا دے تو آپ ہرگز اس کے لیے کوئی (ہدایت کی) راہ نہ پائیں گے"(۱)

اباضیوں کا ایک اور گروہ منافق کے حوالے سے کہتا ہے کہ نفاق کا اطلاق اس شخص کے ساتھ خاص ہے جس کو خدا تعالیٰ نے قرآن پاک میں اس نام سے متصف کیا ہے۔ لہٰذا اس مقام سے نفاق کے نام کو نہیں اتارا جائے گا ویسا ہی رہے گا ہم خدا کے دیے ہوئے نام کے علاوہ کوئی اور نام نہیں دے سکتے۔

اسی طرح ایک اور اباضی گروہ ہے جس کا موقف ہے کہ منافقین اہل توحید ہیں لیکن وہ کبائر کے مرتکب ہیں وہ مشرک کے حکم میں داخل نہیں ہو سکتے چاہے ہم ان کو کفار کا نام بھی دے دیں۔

۳. اباضیوں کے مذہب میں یہ بھی ہے کہ جس نے زنا یا چوری کی اس پر حد قائم ہو گی پھر اس سے توبہ کا مطالبہ کیا جائے گا اگر توبہ کر لی تو ٹھیک ورنہ قتل کر دیا جائے گا۔

۴. خواتین اور بچوں کے قتل کو مباح نہیں کرتے۔

۵. مشبہ فرقے کے افراد کو اور ان میں سے جو بھاگ جائے اس کو پکڑ کر قتل کرنا ان کے غلاموں اور خواتین کو قیدی بنانا مباح سمجھتے ہیں کیونکہ وہ ان کو مرتد سمجھتے ہیں جیسا کہ حضرت ابو بکر صدیق ﷛ نے مرتدوں کے ساتھ سلوک کیا تھا۔

استاد ابراہیم محمد عبد الباقی نے اباضیوں کے آراء کا درج ذیل خلاصہ نکالا ہے:

۱. خدا تعالیٰ کی ذات کو مقدس منزہ مانتے ہیں مبہم اور متشابہ الفاظ کی تاویل ایسی کرتے ہیں جو ذات باری تعالیٰ کی شان کے منافی نہ ہو جیسا کہ ہاتھ سے مراد قوت اور کبھی نعمت لی ہے بس ان کا مذہب محکم اور متشابہات میں بعد میں آنے والوں کا ہی مذہب اور موقف ہے۔

۲. دنیا آخرت میں رؤیت باری تعالیٰ ممکن نہیں یہ کمالِ الٰہی میں سے ہے کیونکہ رؤیت مخلوق سے مشابہت کا تقاضا کرتے ہے اس آیت مبارکہ سے استدلال کرتے ہیں:

﴿لَّا تُدْرِكُهُ ٱلْأَبْصَـٰرُ وَهُوَ يُدْرِكُ ٱلْأَبْصَـٰرَ ۖ وَهُوَ ٱللَّطِيفُ ٱلْخَبِيرُ ۝١٠٣﴾

---

(۱) النساء، ۴/۱۴۳۔

"نگاہیں اس کا احاطہ نہیں کر سکتیں اور وہ سب نگاہوں کا احاطہ کیے ہوئے ہے، اور وہ بڑا باریک بین بڑا باخبر ہے o"(۱)

اور جو سنتِ مبارکہ میں آیا ہے وہ قرآن کے متعارض نہیں ہے کیونکہ وہ خبر آحاد ہے اور خبر آحاد ظن کا فائدہ دیتی ہے اور ظن کو عقائد میں دلیل نہیں مانا جاتا (مجوبون) کے لفظ کی جو اس آیت میں موجود ہے تفسیر کچھ یوں کرتے ہیں:

﴿كَلَّآ إِنَّهُمْ عَن رَّبِّهِمْ يَوْمَئِذٍ لَّمَحْجُوبُونَ۝﴾

"حق یہ ہے کہ بے شک اس دن انہیں اپنے رب کے دیدار سے (محروم کرنے کے لیے) پس پردہ کر دیا جائے گا o"(۲)

یہ رؤیت کے علاوہ ہے۔

۳. صفات الٰہی خدا تعالیٰ کی ذاتی ہیں قائم بذاتہ نہیں ہیں۔

۴. کسی کو بھی اہل قبلہ میں سے کافر نہیں کہتے ہیں سوائے یہ کہ وہ اعتقاد اسلامیہ میں سے کسی چیز سے خالی ہو جیسا کہ ضرورت دینیہ میں سے کسی چیز کا انکار کرنا یا پھر انسان باری تعالیٰ کی کسی صفت کا کسی نبی کا یا کسی قرآنی حرف کا انکار کر دے تو اس پر کفر کا حکم جاری ہو گا ورنہ تو نہیں۔

۵. اباضیوں کی رائے میں قرأت سبع متواترہ ہیں۔

۶. اجتہادی مذہب کی تعریف یوں کرتے ہیں کہ وہ اجتہادی مذہب یا فرقہ ہو گا جس نے فروعی مسائل میں اختلاف کیا جس اختلاف سے انسان گناہ گار نہ ہوتا ہو۔ حریت رائے اور حریت مذہب سب کے لیے یکساں ہے اور یہ کہ خلافت صرف اہل حل، عقد کے پاس ہی ہونی چاہیے۔

۷. ان کے نزدیک کبیرہ گناہ کا مرتکب مشرک نہیں ہے یہ کہ اہل جنت ہمیشہ اس میں رہیں گے اور اہل دوزخ ہمیشہ دوزخ میں رہیں گے اور جو ہمارے عقیدہ کے لحاظ سے مخالفین ہیں وہ یہ کہ مؤمنین میں سے جو معاصی اور گناہ گار ہیں دوزخ میں داخل ہوں گے یہاں تک وہ اس گناہ کی نجاست سے پاک نہ ہو جائیں کیونکہ جنت پاک مطہر ہے اور اس میں پاک مطہر ہی داخل ہوں گے۔

۸. فقہی فروعی مسائل میں جو ہمارے مخالفین ہیں جیسا کہ رفع یدین وجوب سجدہ تلاوت وغیرہ تو یہ ایسے مسائل ہیں جو اجماع کا تقاضا نہیں کرتے یعنی مقام اجماع میں واقع نہیں ہیں یہ فروعی ہیں۔

---

(۱) الانعام، ۶/۱۰۳۔

(۲) المطففین، ۸۳/۱۵۔

اسی طرح مستشرق جولد تسہیر ان آراء میں سے درج ذیل کا ذکر کرتا ہے۔

۱. قرآن مخلوق ہے۔

۲. رؤیت باری تعالیٰ آخرت میں ممکن نہیں ہے۔

۳. بعض آخروی مسائل کی تاویل مجازی تاویل کرتے ہیں جیسے کہ (صراط، المیزان)۔

۴. ہر ظاہری تشبیہ جو خدا تعالیٰ کی ذات سے تعلق رکھتی ہے جیسا کہ اس کا عرش پر استواء فرمانا تو اس کی مجازی تاویل کی جائے گی۔

مستشرق نیلینو نے ان آراء میں مزید یہ اضافہ کیا ہے جو درج ذیل ہے:

۱. اللہ تعالیٰ کبیرہ گناہ کے مرتکبین کو اگر موت سے پہلے توبہ نہ کی تو نہیں بخشے گا۔

۲. دوزخ کا عذاب ابدی اور دائمی ہے یہاں تک کہ اگر کوئی مسلمانوں میں سے کبیرہ گناہ کا مرتکب توبہ کیے بغیر مر گیا تو وہ بھی دوزخ میں جائے گا اس کو کسی نبی، فرشتے اور ولی کی شفاعت نفع نہیں دے گے۔

۳. خدا تعالیٰ کی صفات ذاتی ہیں اضافی نہیں ہیں یعنی زائدہ نہیں ہیں۔

اشاعرہ کے ہاں جو کسب یا اکتساب کے حوالے سے موقف ہے اس کے بارے میں شمال افریقہ کے اباضی محدود حریت کے قائل ہیں۔

اگر ہم سابقہ پانچ مقالہ نگاروں کی اباضیوں سے متعلق بیان کردہ آراء کے خلاصے کی طرف رجوع کریں اور ان کا موازنہ کریں تو ہمیں پتہ چلتا ہے کہ تمام آراء دو طرح کے مسائل کو زیر بحث لاتی ہیں کچھ سیاست، حکومت سے متعلق ہیں اور کچھ مسائل توحید اور علم الکلام سے متعلق ہیں۔

پہلی جہت

پہلی جہت ہے اعتماد کرنا اور بغیر مصادر قدیمہ سے تحقیق اور تصدیق کے آگے نقل کر دینا۔ یہ ایسی باتیں ہیں جو نہ تو ذاتی اعتبار سے اباضیوں کی ترجمانی کرتی ہیں نہ ہی جن کی جانب سے صادر ہوئی ہیں ان کی ترجمانی کرتی ہیں اور نہ ہی کسی تحقیق تعبیر سے ان کو مربوط کیا گیا ہے جو ان سے تعبیر کرنا درست اور مناسب ہوتی تو چاہیے اس کے پیچھے حسن نیت کارفرماں تھی یا کوئی خاص مقصد اس کے پیچھے نہیں تھا کسی بھی صورت میں خطا پر مبنی ہے اور یہ اسلوب کسی بھی صورت میں درست نہیں ہے۔

استاد ابو زہرۃ اور عبد القادر شبیۃ الحمد نے جو اسلوب اپنایا ہے اس میں بعض باتیں تو خطا پر مبنی ہیں اور بعض میں عدم دقت ہے اور بعض میں ابہام و وہم پایا جاتا ہے۔ وہ دونوں جو کچھ بیان کر رہے ہیں وہ مصدقہ ہے یا غیر مصدقہ خود کو اس کا

پابند نہیں سمجھتے وہ سمجھتے ہیں جن مصادر سے ہم نے لیا اور جن ثقہ شخصیات نے بیان کیا ہے وہی اس کی سند اور صحت کے ذمہ دار ہیں ہماری کوئی ذمہ داری نہیں بس ان کی صرف اتنی ذمہ داری ہے کہ علمی ریسرچ کے دوران اس کو بیان کرتے چلے جائیں لیکن ان کے بیان کرنے کے اسلوب کو دیکھتے ہوئے مجھے یہ محسوس ہوتا ہے کہ وہ اس تحقیق کی ذمہ داری سے بھاگ رہے ہیں جو امت کے ثقہ لوگوں نے ان کے کندھوں پر ڈالی ہے یا پھر ان کی یہ کوشش ہے کہ اس ذمہ داری سے خود کو خلاصی دلائیں اور اس کا بوجھ کسی اور کے اوپر ڈال دیں حالانکہ وہ آج کے دور میں ایسے موضوع کو حل کر رہے ہیں۔ جس کے حوالے سے تمام اطراف سے اس کی ایسی درست اور صحیح صورت پیش کرنے کی التماس کی جا رہی ہے جو حقیقت سے اتفاق کرتی ہو اور ان تمام ماضی کی خطاؤں ناکامیوں، خرافات سے تجاوز کیا جائے جو اس موضوع سے متعلق واقع ہوئیں اور آج ان کا کوئی اعتبار نہیں کیا جاتا غیر ثقہ مانا جاتا ہے ان دونوں عظیم علماء نے ان تمام غیر مصدقہ اقوال، آراء کو بیان کر کے ان کی تحقیق، تصدیق کی ذمہ داری ان قلموں پر ڈال دی ہے جو ایک ہزار سال سے خاموش ہو چکی ہیں۔

دوسری جہت

دوسری جہت یہ ہے کہ اباضیوں سے متعلق اقوال، آراء کو انہی کے مصادر مراجع سے لیا گیا ہے لیکن ان کو درست طریقے سے کامل صورت میں نقل نہیں کیا گیا بعض باتوں کو سیاق، سباق سے جدا کر کے بیان کیا گیا اور بعض ایسی ہیں جن کو سمجھا ہی نہیں جا سکا اگر اس جہت کو سامنے رکھا جائے کہ تمام اقوال، آراء اباضیوں کے مصادر مراجع سے براہ راست لی گئیں ہیں تو پھر یہ خیال رکھا جاتا کہ ان کو نقل کرنے میں دیانت سے اور دقت سے کام لیا جاتا آدھی بات سیاق، سباق سے کاٹ کر بیان نہ کہ جاتی یا پھر اخطاء، عدمِ فہم سے یا پھر ایسی من گھڑت جھوٹی بات جو کسی ایک شخص کی ذاتی رائے تھی نہ وہ پورے مذہب کی ترجمان تھی بیان کرنے سے تجاوز کیا جاتا۔ چونکہ انفرادی انتہا پسندی ہر مذہب کے پیروکاروں میں موجود ہے اور یہ اسلوب ایسا ہے جس سے خطاء کا احتمال زیادہ ہے۔

استاد ابراہیم عبد الباقی نے مستشرقین تسہیر اور نیلینو کے اسلوب کو اختیار کیا ہے جو کچھ ان مستشرقین نے اباضیوں سے متعلق لکھا ہے۔ عبد القادر بھی ان میں سے ایک ہے اس میں کوئی شک نہیں کہ انہوں نے جو اصول، آراء اباضیوں کی طرف منسوب کی ہیں وہ حق ہیں جو اباضی کہتے ہیں وہی ہیں۔ غالب طور پر یہ آراء اصول اباضیوں کی ترجمانی ہی کرتے ہیں جو حقیقت میں نہیں اس طرح ان تینوں مقالہ نگاروں نے اپنے خاص اسالیب کے ذریعے جو تعبیر بیان کیں وہ بغیر طوالت کے واضح مقصود کو بیان کرتی ہے یا جو صورت پیش کرنا چاہتے ہیں اس تک وہ تعبیر پہنچاتی ہے۔

جب ہم ان تمام سابقہ نقل کردہ آراء کے خلاصے کی طرف رجوع کرتے ہیں تو ہمیں پتہ چلتا ہے کہ کچھ تو ایسی ہیں جو پہلی جہت کے پیش نظر کی گئی ہیں اور کچھ ایسی ہیں جو دوسری جہت کے لحاظ سے بیان ہوئیں ہیں مگر ایک ہی وقت میں ہم دونوں جہتوں کے فریقین کے مابین بہت بڑا فرق اور دوری بھی پاتے ہیں اس حد تک دوری نظر آتی ہے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ ایک فرقہ کسی مذہب سے متعلق لکھ رہا ہے تو دوسرا کسی اور مذہب سے متعلق لکھ رہا ہے جبکہ دونوں کا مطمع نظر صرف

مذہب اباضی ہے تھوڑے سے تامل سے یہ پتہ چلتا ہے کہ پہلا فریق اس سیاسی مشکلات کے مجموعے کو حل کر رہا ہے اور اپنی گفتگو کا موضوع بنا رہا ہے جو حکام کی جانب سے ان زمانوں میں ان پر کثرتِ تنقید کی وجہ سے رونما ہوئیں ان میں بعض معاملات تو ایسے تھے جن کے پیچھے فریبی سیاست کی چالیں تھیں جو اپنے مقصد کے حصول کے لیے خاص لوگوں اور خاص مذاہب کو نشانہ بنا رہی تھیں ان کو لوگوں کی نظروں میں بدنام اور متنفر کرنا چاہتی تھیں تاکہ لوگ ان سے میل جول ختم کر دیں دوری اختیار کر لیں ان کی دعوت سے گریز کریں اگر ہم استاد ابو زہرہ اور شبیہ الحمد نے جو بیان کیا ہے اس کی طرف ایک طائرانہ نظر دوڑائیں تو پتہ چلتا ہے کہ وہ تمام مقامات تعامل اور سلوک سے تعلق رکھتے ہیں چاہے وہ قائم مملکتوں اور سلطنوں سے متعلق تعامل سلوک ہو یا پھر امت کے خاص گروہ اور فرقوں سے ہو بہر حال وہ تمام باتیں تعامل اور سلوک سے متعلق ہیں اگر آپ چاہیں تو ذیل میں ان کا مشاہدہ کر سکتے ہیں!

(مسلمانوں میں سے مخالفین کے حوالے سے حکم، مخالفین کا خون، مخالفین کا وطن، بادشاہ کا ٹھکانہ یا قلعہ، مخالف مسلمانوں کے غنائم، مخالفین کی گواہی، مخالفین کی خواتین سے شادی، نکاح منکوحہ عورتیں، مخالفین کی وراثت کے بارے میں کس پر منافقت کا اطلاق ہو گا زانی اور چور کے بارے میں شرعی حکم عورتوں بچوں کا قتل، مُشَبِّہ کا قتل وغیرہ)

اگر تم ان تمام اقوال، آراء جن کا خلاصہ ابو زہرہ اور عبدالقادر شبیہ الحمد نے بیان کیا ہے غور کرو تو پتہ چلے گا کہ کسی خاص سلطنت یا کسی خاص مخالف قبیلے اور گروہ کے ساتھ تعامل سے متعلق ہے اور یہ وہ آراء ہیں جن کو اباضیوں کی طرف سیاسی حالات کی کشمکش کے دور میں منسوب کیا گیا جن کے پیچھے فریبی سیاست کی خطرناک چالیں کار فرمان تھیں۔

میں اختصار کے ساتھ یہی کہنا چاہتا ہوں کہ جس نے بھی کسی فرقے سے متعلق لکھتے ہوئے اس کے غیر کے مصادر مراجع پر اعتماد کیا تو وہ کسی بھی صورت میں غلطی سے محفوظ نہیں ہو سکتا یا پھر ایسی بات جو حقیقت ہو گی لیکن اس میں پہلے ہی قدم پر خطا واقع ہو جائے گی اور اگر کوئی اس شخص کے قلم یا زبان پر درست بات آ بھی گئی تو وہ اتفاقیہ طور پر ہی آئے گی ویسے آنا تو ناممکن ہے اگر ہم دوسرے فریق کو دیکھتے ہیں تو انہوں نے زیادہ تر ایسے مسائل کو اپنی گفتگو کا موضوع بنایا ہے۔

جو مسائل توحید اور علم الکلام سے متعلق ہیں اور ان سیاسی معاملات سے دور ہیں جو ان متقدمین مقالہ نگاروں کی قلموں سے بیان کیے گئے اور جو ان کو ایک جانب داری موضوع کی طرف لے گئے اور جن سیاسی معاملات کے پیچھے سیاسی مقاصد، اغراض تھیں اور انہوں نے خاص منصوبہ بندی کے تحت ان مقالہ نگاروں سے اپنی فریبی چالوں کے ذریعے کام لیا اور یہ مقالہ نگار بغیر سوچے سمجھے اور بغیر تصدیق کے بیان کرتے چلے گئے۔

اس جہت کے حوالے سے میں نے جو خلاصہ بیان کیا ہے اس کی حقیقت محترم قاری پر واضح ہو سکے اس غرض سے میں یہاں ان بیان کردہ آراء کے خلاصے سے کچھ فقرے اور عبارتیں نقل کرتا ہوں!

باری تعالیٰ کی ذات مطلق منزہ، مقدس ہے ہر چیز سے ماوریٰ ہے آخرت میں رویت باری تعالیٰ ممکن نہیں ہے۔ صفات باری تعالیٰ ذاتی ہیں۔ اہل قبلہ پر تکفیر کا فتوی لگاتے ہیں قرأت سبع متواترہ ہیں اجتہادی مذہب کا معنی کبیرہ گناہ کا مرتکب مشرک نہیں ہے۔ قرآن مخلوق ہے۔ بعض آخروی مسائل کی تاویل جیسے (میزان صراط) وغیرہ متشابہات کی تاویل کرنا کبیرہ گناہ توبہ کے بغیر معاف نہیں کیے جاتے قضاء قدر، تقدیر وغیرہ۔

یہ وہ مسائل ہیں جن کا خلاصہ اباضیوں کے مقالہ جات میں فریق ثانی نے پیش کیا ہے جو ان کے نقطہ نظر کو بیان کرتے ہیں اور یہ مسائل تقریباً ان کی کتابوں سے ہی لیے گئے ہیں یہ الگ بات ہے کچھ مجمل ہیں اور کچھ کسی حد تک مفصل بیان کیے گئے ہیں۔

اب بلا شک، شبہ محترم قاری دونوں فریقین کے مابین بآسانی فرق کر سکتا ہے کسی علم کی ضرورت بھی نہیں فرق بڑا واضح ہے۔ ایک وہ فریق ہے جنہوں نے حکومت، سیاست سے متعلق مسائل، معاملات کو خاص سیاسی مقاصد کے تحت موضوع بنایا اور اس میں خاص افراد طبقات اور فرقوں کو نشانہ بنایا گیا اس طرح کی لکھنے والی اقلام کے پیچھے خاص سیاسی مقاصد کار فرماں تھیں اور خاص سیاسی خدمت کے پیش نظر مقالہ جات لکھے گئے اور بعض مقالہ جات میں سیاسی حکام کو بھی نشانہ بنایا گیا لیکن یہ سب مسائل اور آراء اباضیوں کی طرف سیاسی اضطراب اور کشمکش کے ماحول میں منسوب کی گئی جو حکمران ان کی حق بجانب تنقید سے غصے میں آتے تھے وہ ان کی طرف ایسی تہمتیں اور غیر مصدقہ باتیں منسوب کرواتے تھے تاکہ لوگ ان سے نفرت کریں اور دور ہو جائیں۔

اسی طرح دوسرا فریق وہ ہے جو ایک درست منہج پر چلا تاکہ ثابت شدہ حقائق کی معرفت حاصل کر سکیں اور اس غرض سے انہوں نے اپنی علمی ریسرچ تحقیق کے لیے یہ مناہج اپنائے ہیں۔

اسی فصل کے اختتام پر میں ایک اور بات بھی گوش گزار کرنا چاہوں گا وہ یہ ہے کہ بعض مقالہ نگار جب اباضی آراء کو خلاصہ پیش کرتے ہیں جو ساتھ یہ دعوی کرتے ہیں کہ میں نے اپنے اس خلاصے میں ان کی تمام آراء اور فکر کا احاطہ کر لیا ہے تو یہ دعویٰ حقیقت میں جھوٹا ہے ایسی ہونا ناممکن، محال ہے کوئی بھی کاتب اس کی قدرت نہیں رکھتا کہ وہ کسی کتاب کا یا کچھ نقاط کا اپنی کسی علمی بحث میں خلاصہ پیش کرے اور یہ کہے کہ میں نے ساری کا احاطہ کر لیا ہے۔ یہ ناممکن ہے اور یہ دعوی حقیقت سے دور ہے جو ساری فکر اور بات کا احاطہ کرنا چاہتا ہے اس کو سب سے پہلے ان تمام مشکلات کا احاطہ کرنا پڑے گا جو مختلف زمانوں میں درپیش رہی ہیں پھر اس فرقے کے موقف کی ایک ایک معرفت حاصل کرے گا جس کے بارے میں وہ یہ اپنے مقالے کے ذریعے دعویٰ کرتا ہے کہ اس کی فکر کا اس نے احاطہ کر لیا ہے یہ ایسی جہد اور محنت طلب عمل ہے جو آسان نہیں ہے اس لیے اگر کسی مقالہ نگار کی طرف سے یہ دعوی ہو کہ اس نے کسی فرقے کا اپنے مقالہ اور چند بیان کردہ نقاط میں احاطہ کر لیا ہے تو یہ دعویٰ قابل قبول نہیں ہو گا رہی بات کوئی یہ دعوی کرے کہ اس نے کسی فرقے کی خاص مسئلے سے متعلق آراء کا احاطہ کر لیا ہے تو یہ بھی خاص توفیق سے ممکن تو ہے لیکن اس میں بھی اخطاء واقع ہونے کا امکان زیادہ ہے۔

پانچویں قسم

خطا پر مبنی تصورات جن کا ازالہ کرنا ضروری ہے

- اہل سنت اور اہل بدعت کے تصورات
- مذاہب اسلامیہ میں مذہب اباضی کا مقام، مرتبہ
- اصول، عقائد کی بجائے فروع میں اختلاف اجماع سے متعلق
- اجماع سے متعلق
- خروج اور فتنے کے مابین فرق
- مذاہب دینیہ پر سیاسی اثر
- موازنہ

سابقہ تجزیاتی مطالع کے دوران بعض مقامات پر مجھے کچھ ایسی مخصوص آراء در پیش ہوئیں جن کو نظر انداز کرنا میرے لیے ایک کٹھن عمل تھا اور محترم قاری پر وہ بہت بھاری گزر سکتی تھی اس سب کے باوجود میں نے وضاحت کی غرض سے ان میں سے بعض صورتوں کو بیان کرنے سے اجتناب نہی کیا لیکن پھر بھی محترم قاری کی طبعیت کو سامنے رکھتے ہوئے بے جا تکرار کو جمع نہیں کیا کوشش کی تھ کہ تکرار سے بچا جائے اور بات کی وضاحت بھی کی جا سکے تا کہ محترم قاری پر نہ تو کوئی بوجھ ہو اور نہ ہی کوئی مفہوم یا بات ایسی جس میں غموض پایا جائے اور محترم قاری اس کو سمجھنے میں دقت محسوس کرے۔

میں نے ان تمام اہم آراء کو ایک عام موضوع کے تحت جمع کیا ہے اور وہ عنوان ہے (ایسے مفاہیم جن کا ازالہ کرنا ضروری ہے) پھر میں اس عنوان کے تحت درج ذیل فصول کو ایک ایک موضوع کر کے پیش کروں گا۔

- اہل سنت اور اہل بدعت
- اصول عقائد کی بجائے فروع میں اختلاف
- اجماع سے متعلق
- خروج اور فتنے میں فرق
- مذاہب دینیہ پر سیاسی اثر
- موازنہ

ہر مذہب کے لوگ اس بات میں سبقت لے گئے ہیں کہ جس مذہب سے وہ منسلک ہیں وہی اہلِ حق اہلِ استقامت، اہلِ عدل اہلِ سنت ہے جبکہ ان کے علاوہ دیگر مذاہب اہلِ ضلالت اہلِ گمراہی اہلِ بدعت اور اہلِ ھواء ہیں یعنی وہ خود تو عملاً اہلِ حق اور اہلِ جنت ہیں جبکہ ان کے علاوہ دیگر مذاہب عملاً اہلِ باطل اور اہلِ جہنم ہیں۔

یہ تمام وہ مفاہیم اور تصورات ہیں جو انانیت پر مبنی ہیں جن کا ازالہ کرنا ضروی ہے اور ان کی جگہ یہ تصور لانا کی اسلام میں ایک ہی امت کا تصور ہے اور وہ ہے امتِ مسلمہ جس کے ساتھ خدا تعالیٰ نے ہر خیر کا وعدہ کیا ہے اس میں کوئی ایسی بات نہیں کہ ہر فقہ یا گروہ اجتمائی طور پر امتِ اسلامیہ کے دفاع کی بجائے صرف انفرادی اور ذاتی گروہی دفاع ہی کرتا رہے جبکہ امتِ اسلامیہ میں کچھ افراد ایسے ہیں جو امت کی انفرادی طور پر مخالفت کر کے اسلام کی حرمتوں کی پامالی کر رہے ہیں بس جس نے ارادۃً پامالی کی وہ جہنم میں جائے گا۔ لہٰذا تمام اچھے، عمدہ اوصاف کا امت پر اطلاق کیا جائے اور گمراہی ضلالت والے رذیلہ اوصاف کا امت کی بجائے صرف ان افراد پر اطلاق کیا جائے جو حرمت اسلام کی پامالی کا سبب بن رہے ہیں اگر آپ اس حوالے سے مزید وضاحت چاہتے ہیں تو درج ذیل مقالہ کو پڑھو!

اہلِ سنت اور اہلِ بدعت

ہر مذہب کے پیروکار نے یہ پسند کیا ہے کہ وہ خود پر تمام اچھے اوصاف اور اچھے القابات کا اطلاق کریں جیسے کہ اہلِ سنت اہلِ استقامت، اہلِ عدل اور اہلِ حق وغیرہ اور اپنے مخالفین پر قبیح اسماء کا اطلاق کریں جیسا کہ اہلِ بدعت اہلِ ہوا اہلِ ضلالت اہلِ گمراہی وغیرہ بہت سے افراد ایسے ہیں جو اپنے پیروکاروں کے لیے جنت کے دروازے کھولتے ہیں او اپنے مخالفین کے لیے بند کرتے ہیں اس حد تک تعصب اور انتہا پسندی کا معاملہ پہنچ جاتا ہے کہ اپنے مذہب کے فاسق لوگوں کو دوسرے مذہب کے صالحین پر مقدم کرتے ہیں اس کی بڑی قریب کی مثالوں میں سے یہ ہے۔

بعض اشاعرہ فقہا کہتے ہیں کہ گنہگار مسلمان اگر دوزخ میں چلا بھی گیا تو ہمیشہ نہیں رہے گا لیکن ان میں سے بعض معتزلہ کو اس قاعدہ کے حوالے سے مستثنیٰ قرار دیتے ہیں بس وہ اپنے نیک اور صالح تمام لوگوں کو جہنم میں ڈالتے ہیں پھر ان پر ہمیشہ وہاں رہنے کا حکم لگاتے ہیں اس کے باوجود کہ وہ مسلمان ہیں پھر وہ اگر دوزخ میں چلے گئے تو ہمیشہ وہاں رہیں گے۔

تمام اسلامی مذاہب، فرقے دو ثابت شدہ اصل کی طرف لوٹتے ہیں وہ ہے کتاب اللہ او سنت نبوی ﷺ ہر فرقہ یہ گمان کرتا ہے کہ صرف وہی کتاب، سنت پر عمل پیرا ہے اور اس کا محافظ ہے باقی ان کے علاوہ دیگر مذاہب اسلامیہ میں سے کوئی کتاب سنت پر عمل کرنے والے اور اس کے محافظ نہیں ہے۔ اس بنا پر کچھ لوگوں نے خود کو اہلِ سنت کا نام دے دیا ہے کچھ نے اہلِ استقامت اور کچھ نے اہلِ حق کا نام دے دیا ہے اپنے مخالفین دیگر مذاہب کے افراد پر عموم کے اعتبار سے اہلِ بدعت اہلِ ہوا یا دیگر اس طرح کلمات جیسے کہ ضلالت، گمراہی کا حکم جاری کر دیا ہے ہر ان میں سے ہر ایک گروہ آگے مزید

فروعی فرقوں میں تقسیم ہو جاتا ہے جیسا کہ انہوں نے اپنی نظر میں اہل بدعت کو مزید فروعی فرقوں میں تقسیم کیا ہے پھر ہر مذہب اور فرقے کے ساتھ خاص قسم کے احکام کو چپکا دیا ہے جو احکام صرف اُسی فرقے کی پہچان بن گئے ہیں یا پھر کچھ ایسے احکام بھی ہیں جن میں فرقہ دیگر فرقوں کے ساتھ مشترک بھی نظر آتا ہے ہر مذہب مسلمانوں کے مذاہب میں سے ایک مستقل مذہب بن گیا ہے۔ اگر تو اپنے موافقین کے پہلو سے نظر دوڑائے تو تجھے مذہب اہل سنت مذہب اہلِ حق، مذہب اہلِ استقامت، مذہب اہل عدل اور اہلِ صواب مذہب نظر آئیں گے اور اگر تو اپنی نظر میں جن کو مخالفین سمجھتا ہے اس نظر سے دیکھے تو تجھے مذہب اہل ہوا اہل بدعت اہل گمراہی اہلِ ضلالت مذہب نظر آئیں گے۔

اس بنا پر اگر کوئی ان فرقوں اور مذاہب میں سے کسی ایک سے وابستہ مسلمان قلم اٹھا کر کچھ لکھتا ہے تو اس کے کان تو اپنے مذہب اور مسلک کے اوصاف سن سن کر تھک چکے ہوتے ہیں وہ اوصاف غیر ارادی طور پر اس کے اندر اس کی فکر، سوچ میں سیرایت کر چکے ہوتے ہیں یہاں تک وہ فکر اور سوچ اس کا عقیدہ بن چکی ہوتی ہے ایسا عقیدہ بن چکا ہوتا ہے جو کسی تجزیے اور تحقیق کے تابع نہیں رہتا وہ جب بھی کوئی تحقیق یا تجزیہ کرتا ہے تو غیر جانب داری اس کے لیے ناممکن ہو جاتی ہے وہ اپنے ہی عقیدے کی فکر کو پیش کرتا ہے وہی اس پر غالب رہتی ہے۔ مثلاً

- ❖ اگر اشاعرہ ہوں تو وہ گمان کرتے ہیں کہ وہ سنت پر عمل پیرا اور اس کے محافظ ہیں۔
- ❖ ماتریدیہ ہوں تو وہ بھی یہی دعوی کرتے ہیں کہ وہ سنت کے اوپر عمل کرنے والے اور اس کے محافظ ہیں۔
- ❖ معتزلہ بھی یہی گمان کرتے ہیں کہ وہ سنت پر عمل پیرا ہیں اور اس کے محافظ ہیں۔
- ❖ اباضیہ کہتے ہیں کہ وہ سنت کے محافظ ہیں اور اس پر عمل پیرا ہیں۔
- ❖ شعیہ کہتے ہیں کہ وہ سنت پر عمل پیرا ہیں اور اس کے محافظ ہیں۔
- ❖ خوارج کا بھی یہی دعویٰ ہے کہ وہ سنت کے اوپر عمل کرنے والے اور اس کے محافظ ہیں۔

الغرض تمام اسلامی مذاہب یہی دعویٰ کرتے ہیں کہ صرف وہی سنت پر عمل کرنے کے پابند اور اس کی حفاظت کرنے والے ہیں۔

اس حقیقت کو اگر ہم قبول کریں تو اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ تمام مذاہب اہل سنت ہیں اس کا کوئی مطلب نہیں اس سنت کے لفظ کو کسی محدود اور خاص فرقے کے لیے خاص کر دیا جائے یا خود بخود یہی مخصوص مذاہب اپنے لیے اس نام کو خاص کر لیں۔

بے شک تمام مسلمان جو کتب، سنت کی طرف رجوع کرتے ہیں وہ سب کے سب اہل سنت ہیں چاہے وہ کسی بھی فرقے یا مذہب سے منسلک ہوں یا کسی بھی مذہب کے پیروکار ہوں وہ سب اہل سنت ہیں کیونکہ ان کا مطمع نظر اور منبع قرآن، سنت ہے۔

اس مذہبی تعصبات اور فریبی سیاست کی چالیں مسلمانوں میں سے بعض سے دوری اور ایک مذہب کے پیروکار افراد کا دوسرے مذہب کے حوالے سے جہالت وغیرہ ایسے پردے ہیں جنہوں نے آج تک مسلمانوں کو آپس میں مل بیٹھنے نہیں دیا اور نہ ہی ایک دوسرے سے تعارف کا موقع دیا ہے اگر یہ عصبیت کے پردے نہ ہوتے ہم ایک دوسرے کو قبول کرتے ملتے جلتے پاس بیٹھتے ایک دوسرے کے بارے میں معلومات حاصل کرتے تعارف ہوتا تو کبھی یہ توبت نہ آتی۔

اگر ہم آج دور حاضر کی بات کریں تو یہ سائنس ٹیکنالوجی کا اور میڈیا کا دور ہے جس کے سبب مسلمانوں کا باہمی اختلاط ہو چکا ہے ایک دوسرے کے قریب آچکے ہیں ایک دوسرے کے مذہب کی افکار سے آگاہی حاصل کر چکے ہیں۔ لہٰذا آج ہمیں ضرورت اس امر کی ہے جب ہم ہر مذہب اور فرقے کے حوالے سے کافی حد تک جان چکے ہیں تو ہم اپنے بعض خطا اور تعصب پر مبنی تصورات اور مفاہیم کا ازالہ کریں اور ان کے عوض درست مفاہیم لے کر آئیں تعصب پر مبنی بعض اصطلاحات کا ازالہ کریں اور ان کی جگہ اخوت پیار محبت اور رواداری کے مفاہیم لے کر آئیں ایسے مفاہیم اور تصورات لانے کی ضرورت ہے جو مسلمانوں کو متحد اور ان کی صفوف میں وحدت پیدا کر سکیں ایسی بات ہرگز ممکن نہیں ہے کہ کوئی انسان آئے خدا تعالیٰ کے احکامات میں کمی بیشی کرے اور جن سے خدا تعالیٰ نے روکا ہے ان افعال کا مرتکب ہو اور اپنے واجبات سے کاہلی اور سستی برتے جبکہ اس کے ساتھ ساتھ وہ فرقہ واریت اور تعصب کی آگ کو اشتعال دیتے ہوئے یہ دعوی کرے کہ وہ سنی ہے یا وہ اہل سنت ہے اور جب کسی دوسرے ایسے انسان سے ملے جو اس کے مذہب سے اتفاق نہیں کرتا تو اس کو اصلاح اور تقوی کے بجائے بدعتی اور گمراہ کہہ کر پھینک دے جبکہ حقیقت اس کے قول کے برعکس ہو۔

اب وہ گھڑی آگئی ہے ہر فرقے میں سے اہل سنت کے لفظ کا اطلاق ہوگا جو اہل اصلاح ہوں گے اور سنی کے لفظ کا ہر اس مسلمان فرد پر اطلاق اور اس سنت پر اپنے مذہب کے فرقے کے اصولوں کے مطابق عمل پیرا ہے اسی طرح اہل بدعت اور اہل ہوا کے الفاظ کا ہر اس شخص اور فرقے پر اطلاق ہوگا جو اس کے احکامات کے پابند نہیں ہیں اسی طرح بدعتی اور گمراہ کا اطلاق ہر اس شخص پر ہوگا جو اسلامی احکامات پر عمل کرنے میں اپنے مذہب کے مطابق کاہل، سست ہے۔

سوائے ماتریدیہ جو کہ امام ابوحنیفہ کے اتباع ہیں اور مذہب اباضی جو جابر بن زید کے اشاعریہ جو امام مالک اور شافعی، اثریہ جو قدیم زمانے میں امام احمد کے اور دور حاضر میں ابن تیمیہ کے پیروکار ہیں اسی طرح تمام اہلِ تشیع کے فرقے شیعہ لفظ کے تحت جمع ہوتے ہیں اور کچھ ان سے فروعی مخصوص فرقے ہیں جیسا کہ زیدہ جعفریہ وغیرہ ان تمام مذکورہ بالا فرقون اور مذاہب کے دیگر بہت سے ایسے مذاہب اور فرقے تھے جن کو تاریخ نے ایسے مٹا دیا ہے کہ آج سوائے ان کے نام کے کچھ باقی نہیں بچا جیسا کہ ظاہریہ معتزلہ اور خورج یہ بالکل اپنی اصل سے منقطع ہو چکے ہیں اور ان کا باقاعدہ وجود ختم ہو چکا ہے۔

ان کے علاوہ باقی تمام وہ مذاہب جو آج موجود ہیں ان سب کا مطمع نظر اور منبع دو پختہ چیزیں ہیں۔ قرآنِ پاک اور سنتِ رسول ﷺ وہ اس اعتبار سے اہل سنت ہیں میری مراد جو بھی ان میں اہلِ اصلاح ہیں وہ سب سنی اور اہلِ سنت ہیں اور جو فُساق ہیں وہ بدعتی اور اہلِ ضلالت ہیں۔ مثلاً اگر حنفی حنبلی مالکی شافعی اباضی جعفری زیدی اسلام کو تھامنے والے ہوں اپنے

مذہب کے مطابق احکامات پر عمل کے پابند ہوں تو وہ سنی اور اہل سنت ہیں اگر ان میں سے کوئی اپنے مذہب کے مطابق اسلامی احکامات کو بجالانے میں قولی فعل اعتبار سے کسی بھی کوتاہی کا مظاہرہ کرتا ہے کو وہ بدعتی ہے۔

یہ بات تو خلاف عقل منطق اور فطرتِ حیاہ کے بھی خلاف ہو گی کہ ایک آدمی زیدیہ میں سے ہمارے پاس لایا جائے وہ ایک صالح متقی مومن ہو تو ہم اس کو اس بنا پر بدعتی کہہ دیں کہ وہ اہل سنت تبھی ہو سکتا ہے جب اس نے مذہبِ حنبل کو پڑھا ہو اور اسلام کو عین اس مذہب کے بیان کردہ اصول، ضوابط کی روشنی میں جانا ہے پھر ایک اور آدمی کے پاس ہم آئیں وہ فاسق، فاجر اور اپنی خواہشات کا بندہ ہو اسلام کے واجب کردہ بعض فرائض کا بھی تارک ہو تو ہم اس کو اس بنا پر سنی سمجھ لیں اور کہیں کہ سنی ہے کیونکہ مذہبِ احمد اور مذہب محمد کا پیروکار ہے۔ کسی بھی مذہب سے تعلق رکھنے والے صلحاء اور متقین اہل سنت ہیں جبکہ اہل ہوا اور بدعتی فاسق، فاجر ہیں۔ چاہے وہ جابر کا جبہ بھی پہن لیں اور امام مالک امام احمد کا عمامہ پہن لیں اور اپنا مظہر جعفر اور زید کی سمت کو بنالیں آج وہ وقت آگیا ہے کہ ہم ان تمام ایسے مفاہیم اور تصورات جو ہمیں تعصب کی طرف لے جاتے ہیں مٹادیں اسی طرح تمام علمی سوسائٹیاں اپنے نصاب کو درست کریں اور جو بھی خود کو اسلام کا پابند سمجھتا ہے وہ ایک بار پھر امت اسلامیہ کی حالت کی طرف نظر دوڑائے اور اسلام کے عمومی اصولوں کو سامنے رکھ کر ایک پھر اپنے تصورات کی طرف غور کریں اور ایسے مفاہیم کا ازالہ کرے جو تعصبات پر مبنی ہیں اور ان کی جگہ ایسے تصورات اور مفہوم لے کر آئے ایسی اصطلاحات ترتیب دے جو عمومی طور پر امت اسلامیہ کی مصلحت اور منفعت کے لیے ہوں اور اس کو در پیش چیلنجوں سے نکالیں۔

الازہر یونیورسٹی جو کہ ایک عالم اسلام کی قدیم اور عظیم ترین یونیورسٹی ہے وہ بھی ایک طویل مدت تک مذاہب کے حوالے سے اس حد تک متعصب تھی کہ صرف چار مذاہب ہی وہاں پڑھائے جاتے تھے۔ معہد زیتونہ کافی زمانوں تک دو مذاہب کو پڑھاتا رہا اسی طرح مختلف بلاد اسلامیہ میں سکولز اور علمی سوسائٹیاں موجود رہیں جو ایک مذہب یا مخصوص محدود مذاہب کو پڑھاتی تھی اور وہ تمام یہ دعوی کرتے تھے کہ صرف ہم ہی سنت اور شریعتِ اسلامی کے حامل ہیں اپنے علاوہ دیگر مذاہب کو اہل بدعت اور اہل ہوا سمجھتے تھے جبکہ حقیقت یہ تھی کہ یہ دوسروں کے علاوہ خود ہی زیادہ بدعتی اور اہل ہوا تھے۔

عصری تقدم فکری افق کی وسعت سکولوں کے بدلے جامعات اور کالجوں کا قیام میڈیا کی بنا پر پوری دنیا کا مخلوط ہونا اور مغربی فلسفے کی آراء بلکہ بعض منہدم کر دینے والے نظریات جو اسلامی علمی سوسائٹیوں میں داخل ہو چکے ہیں اس سب کے باوجود بعض قدیم حدیث میں ایسی تنظیمات اور علمی سوسائٹیاں نظر آتی ہیں جو ابھی تک مذہبی تعصب اور سطحی افکار سے نہیں نکلیں اور ابھی تک ان سے مذہبیت کا نعرہ زائل نہیں ہوا وہ چاہتی ہیں کہ وہ اپنے مذہب کو اس سلطنت کا سرکاری مذہب ہونے کا درجہ دلائیں جس پر اس سلطنت کا ہر حکمران قائم ہو گا جو بھی وہاں کا حاکم بنے وہ اسی مذہب کا پابند ہو۔ اگرچہ ان کی سوچ کا تھوڑا سا افق وسیع ہوا ہے اور تجزیاتی اور مذہبی تقابلی مطالعہ پر آگئے ہیں یہ ذمہ داری کچھ پی ایچ ڈی ڈاکٹروں کو دی گئی ہے کہ وہ مذاہب کو تقابلی اسلوب سے پڑھائیں لیکن جب وہ مذاہب کو باہمی تقابل کو پڑھاتے ہیں تو اس

میں بھی وہ اپنے مذہب کی افکار کو ترجیح دیتے ہیں اور دیگر مذاہب کے نظریات کو حقیر بنا کر پیش کرتے ہیں اپنے ریاستی مذہب کے دلائل قوی پیش کرتے ہیں اور دیگر مذاہب کے دلائل ضعیف پیش کرتے ہیں تاکہ طلباء کو اپنے مذہب کے حوالے سے باآور کروائیں کہ یہی مذہب حق ہے۔ یعنی وہ مذاہب کے مابین تقابل اور موازنہ بھی دیانت داری سے نہیں کرواتے اور نہ ہی دیانت داری سے پڑھاتے ہیں ان کے اندر تب بھی اپنے مذہب کو تعصب ہوتا ہے۔ یہاں تک کہ تقابلی اسلوب پر بھی وہ اپنے محدود مخصوص مذاہب کو لیتے ہیں سب کو شامل ہی نہیں کرتے۔

اسی طرح ایک اور قابل افسوس بات یہ ہے کہ کچھ علمی اسلامی سوسائٹیاں ایسی ہیں جو علمانی یعنی (Globolization) کی خاہاں ہیں اور کچھ ایسی ہیں جو بالکل مذہبی تعصب سے چپکی ہوئی ہیں اس سے آزاد ہونے کا نام ہی نہیں لیتی۔

لہٰذا مسلمانوں کا افراط تفریط کے پیش نظر دونوں پہلوں اور دونوں جہات سے نقصان ہو رہا ہے۔ کہیں مسلمان افراط کا شکار ہیں تو کہیں تفریط کا شکار ہیں۔

جبکہ ابتداء اسلام میں مسلمانوں میں کوئی یہ دعوی نہیں کرتا تھا کہ وہ سنی ہے اور دوسرا بدعتی بلکہ اس وقت دو گروہ تھے۔ مومنین اور منافقین جو بھی خدا تعالیٰ کے عہد کو پورا کرنے والا اور سلوک عقیدہ میں اسلامی شریعت کا پابند ہوتا وہ مؤمن کہلاتا تھا اور مؤمنین کے زمرے میں داخل ہوتا تھا اور جو بھی اس سے عقیدے کے لحاظ سے قولاً فعلاً عملاً منحرف ہوتا بھی تو کلمۂ شہادت کے اقرار کی وجہ سے اس پر مرتد کا حکم نہیں لگتا تھا لیکن وہ منافقین کے زمرے میں داخل ہوتا تھا۔ اس کو منافق کہا جاتا تھا۔

بس ایسے ہی آج کے دور میں بھی مسلمانوں کو ضرورت ہے کہ وہ ایسے تمام تر تصورات اور مفاہیم کا ازالہ کریں جو ان سب کو جنت میں داخل کرتے ہیں اور اپنے مخالفین کو دوزخ میں ڈالنے والے ہیں جنت حرام کرنے ولاے ہیں۔ یہ تمام مسلمان جو یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ سنت مصادر شریعت میں سے دوسرا اہم بنیادی مصدر ہے چاہے وہ کسی بھی مذہب اور فرقے سے تعلق رکھتے ہوں ان پر اہل سنت کا اطلاق کیا جائے اسی طرح صرف اسی شخص پر اہل ہوا اور بدعت کا اطلاق کیا جائے جو جس پر اس کے خاہشات نے غلبہ کر لیا ہو چاہے اس کا تعلق کسی بھی مذہب سے ہو۔

علمی سوسائٹیوں اور تنظیمات پر یہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ وہ تمام مسلمانوں کو اس اصول کے تحت اسلامی نہج کی طرف واپس لوٹائے وہ یہ کہ کرامت اور بزرگی صرف صاحب تقوی کو حاصل ہے اور دشمنی صرف شقی اور بدعت اور بدبخت کے ساتھ خاص ہے معصوم کی اتباع کی جائے گی عمل صالح کے علاوہ کوئی نمونہ نہیں ہے۔

سب سے افضل کام تو یہ ہے کہ ہم ان تمام سنی بدعتی شیعہ، خوارج، مالکی، اباضی ناموں کو مٹا دیں اور صرف یہ سمجھیں کہ وہ تمام مسلمان ہیں اور فضیلت کا معیار عمل صالح اور تقوی ہے ان میں وہی افضل ہے جو عمل صالح اور تقوی میں افضل ہے۔

یہ کتنا اچھا ہو کہ جب کوئی مُدرس واعظ اور لیکچرر کھڑا ہو تو وہ صرف قرآن سنت سے دلائل پیش کرے مذاہب کو اقوال یا ان کے نام لینے سے گریز کرے اور اگر وہ لوگوں کے اقوال سے استشہاد پیش کرنا چاہے تو مذہب یا فرقے کا نام لیے بغیر صرف اس عالم کا نام ذکر کرے جس کا وہ قول نقل کر رہا ہے۔ اسلامی معاشروں سے مذاہب اور فرقوں کے نام مٹا دیے جائیں صرف علماء کے نام باقی رہیں جب ان کے اقوال کو بطور دلیل پیش کرنا ہو تو صرف ان کا نام لے کر ذکر کر دیا جائے مذاہب اور فرقوں کا نام نہ لیا جائے جیسے کہ سنی شیع بدعتی خوارج معتزلہ وغیرہ اسی طرح یہ نام بھی مٹا دیے جائیں ظاہری وغیرہ۔ صرف جو قول نقل کیا جائے اس کے عالم کا نام لیا جائے کہ یہ فلاں عالم کا قول ہے مذہب اور فرقے کا نام اسلامی معاشروں سے مٹا دیے جائیں۔

صرف بعثت سے لے کر قیامت تک کے علماء کی ایک طویل فہرست باقی رہ جائے جنہوں نے شریعہ اسلامیہ کی خدمت کی ہو۔

رہی بات امتِ اسلامیہ کی تو جس نے بھی کلمہ شہادت پڑھا ہے وہ اس میں شامل ہوتا ہے جس کی طرف قرآنی ندا متوجہ کرواتی ہے۔

یا یھا الذین امنو! (اے ایمان والو) اسی طرح ایک ہی معاشرہ تشکیل پاتا ہے کوئی دراڑ اس میں نہیں بچتی اگر کوئی مسلمان اس اسلامی معاشرے میں معصیت نارمانی کا ارتکاب کرتا ہے تو اس کو سب سے پہلے سمجھایا جائے گا پھر اس پر فرمان خدا کے مطابق حکم جاری کیا جائے گا یہاں تک کہ وہ توبہ کر لے اور اپنے مقام پر واپس لوٹ آئے یا پھر اصرار کرنے کی بنا پر ہلاک ہو جائے اس کے حساب، کتاب کا معاملہ پھر خدا تعالیٰ کی ذات پر چھوڑ دیا جائے گا۔

مؤرخین اور مقالہ نگاروں کی خطاؤں اور غلطیوں کے سبب لوگوں کے ذہنوں میں یہ بات سبقت لے گئی ہے کہ اباضی خوارج کا ایک فرقہ ہیں اور یہ اپنی افکار اور عقائد میں خوارج کی معتدل صورت اور قیاس کے اعتبار سے اہل سنت کے قریب ہیں۔

یہ ایسا مفہوم اور تصور ہے جو خطا پر مبنی ہے ضروری ہے اس مفہوم کا ازالہ کیا جائے اس کی وجہ یہ بات ذہن نشین ہونی چاہیے کہ اباضی خوارج نہیں ہیں بلکہ تب ان کا وجود منظر عام پر آیا جب خوارج خوارج کے مقابلے پر اتر آئے۔ عقیدے فقہ اور سیاسی حوالے سے یہ نہ تو خوارج ہیں اور نہ ہی اہل سنت ہیں بلکہ یہ تمام مذاہب کے ساتھ اعتدال کے مقامات اور مواضع میں متفق ہیں۔

اگر مزید تفصیل آپ چاہتے ہوں تو ان مقالوں کو پڑھیں۔

مذاہب اسلامیہ میں اباضی مذہب کا مقام، مرتبہ

دیگر مذاہب اسلامیہ کے مقابلہ میں مذہب اباضی قدیم زمانے میں پروان چڑھا رہی بات اس طریقے اور مسلک کی جس کے ذریعے یہ پروان چڑھا تو وہ طرقہ دیگر مذاہب کے پروان چڑھنے کے طریقوں سے مختلف نہیں ہے۔ کسی نہ کسی امام کے پیروکار ہیں۔ لہٰذا اباضیوں کے آئمۃ بھی کبار تابعین میں سے ہیں بہت سے طلباء کے مجموعے نے ان سے تحصیل علم کیا پھر مختلف ممالک میں پھیل گئے ان میں سے بعض طلباء جو متفوق تھے انہوں نے اپنے استاد کے موقف اور نقطہ نظر کو اپنایا پھر آگے اپنی درس، تدریس میں اس کو نقل کیا یہاں تک کہ یہ عمل نسلوں کو منتقل ہونے لگا پھر ہر نسل اپنی سابقہ نسل سے جو افکار آراء حاصل کرتی تھی آگے نئی نسل کو منتقل کرنے لگی جن سے زمانہ روشن ہو گیا اور بعض اوقات تو درجہ تقدیس تک ان کا مقام پہنچا یہ صورت وقت کے ساتھ ساتھ پھیلتی چلی گئی اور عظیم سے عظیم تر ہونے لگی یہ وہ تقریری صورت تھی جس پر تمام مذاہب پروان چڑھے اگرچہ آئمۃ کے زمانے مختلف تھے پہلا طبقہ جنہوں نے صحابہ کرام سے اکتساب فیض کیا تابعین کا تھا پھر تابع التابعین پھر کچھ ایسے تھے جن کو تیسرا درجہ یعنی تیسرے طبقے میں شمار کیا جاتا ہے۔ ان میں سے بعض ایسے آئمۃ بھی ہیں جو بہت عرصہ بعد آئے جیسا کہ ابن تیمیہ اور محمد بن عبد الوہاب وغیرہ۔

اباضیوں کی نسبت یہ ہے کہ جابر بن زید کی خدمت میں تحصیل علم کے لیے بے شمار طلباء حاضر ہوا کرتے تھے ان میں سے سب سے زیادہ ذہین فطین جنہوں نے ان سے بھی اور ان کے علاوہ دوسروں سے بھی اکتساب فیض کیا وہ قتادہ، ایوب، ابن دینار، حیان الاعرج اور ابو منذر بن حویص ہیں پھر ان طلباء میں ایسے بھی کچھ تھے جنہوں نے زیادہ تر تحصیل علم انہی سے کیا اور انہی کے خاص شاگردوں میں شمار ہوتے ہیں۔ جیسا کہ ابو عبیدہ مسلم، خمام، ابونوح الدّھان، الربیع بن حبیب اور عبد اللہ بن اباض ہیں۔ ان طلباء میں سے بعض دوران پڑھائی اور تحصیل علم کے بعد بھی عوامی معاملات اور مسائل کے حل میں مشغول رہے کچھ ایسے تھے جو اموی سیاست کے مقابلے میں بغیر تلوار کے مقابلہ کرتے رہے اور سیاسی سرگرمیوں سے وابستہ رہے جیسا کہ عبد اللہ بن اباض کچھ ایسے تھے جو تدریسی منصب پر جلوہ افروز ہوئے اور ایک عظیم نامور امام کا درجہ حاصل کیا جیسا کہ ابو عبیدہ اور ابو نوح صالح الدّھان آپ بھی اسی تدریسی خدمت کے لیے کمربستہ رہے اور اسی میدان میں تخصص حاصل کیا جب یہ علمی تحریک اموی سلطنت کے لیے ایک انقلاب بننے لگی تو اموی حکمرانوں کی تلواریں ان علماء اور آئمۃ سے خوف کی بنا پر مسلط ہو گئیں۔ ان کو یہ خوف لاحق ہو گیا کہ کہیں امویوں کے خلاف ان کی آوازیں اونچی نہ ہو جائیں کہیں یہ لوگوں کو ان کی سلطنت کے خلاف خروج کرنے کی طرف نہ بلا لیں اس وقت جابر بن زید کی مجلس میں ان کے ساتھی عظیم تابعی حسن اور سعید بھی ہوتے تھے جو اس وضع قطع سے راضی نہیں تھے وہ بہت سے ایسے معاملات تھے جن میں تنقید کرتے تھے۔ امویوں حکومت حالت بیداری ہر حال میں ان کی آواز کو بند کرنے اور زمین کا اپنی وسعتوں کے باوجود ان پر تنگ کرنے کے پے درپے ہو گئی اور ہر کوشش کرتی جس سے کسی بھی طریقے سے ان کی تنقید حکومت کے خلاف لوگوں تک نہ پہنچ سکے اس کا گلا گھونٹ دیا جائے شروع معاملے سے ہی ان امویوں نے ان کو انتہا پسند اور خوارج کے

زمرے میں شمار کرنے کی کوشش جاری رکھی تاکہ وہ لوگوں کو ان کے حوالے سے یہ تصور دیں کہ انتہا پسند ہیں اور خوارج ہی ہیں اس دور میں خارجیت کی تہمت، خیانت اور غداری کے زمرے آتی تھی جس کے لیے کوئی ضابطہ نہیں تھا جس سے کوئی انتقام لینا چاہتا یا اس کو صفحہ ہستی سے مٹا دینا چاہتا اس پر ظلم کرنا چاہتا اور اس کی سرگرمیوں کو روکنا چاہتا تو یہ بڑا آسان کام تھا اس پر خارجیت کی تہمت لگا دیتا اور وہ اس تہمت کی بان پر اپنے سارے مقاصد حاصل کر لیتا لیکن اس تہمت کو نہ تو جابر بن زید نے قبول کیا اور نہ ہی امام مالک بن انس ﷺ نے تسلیم کیا اس تہمت لگانے کی غرض یہ تھی کہ ان کو یہ شعور دیا جائے کہ وہ ان حکمرانوں کے ماتحت ہیں اور یہ کہ ان کے خلاف کسی بھی سخت کاروائی کرنا یہ حکمرانوں کی طرف سے طے ہو گیا ہے اور یہ بات لوگوں کے ذہنوں میں موجود ہے۔ لہٰذا کوئی بھی شخص ان اموی بادشاہوں کے خلاف کوئی سخت موقف نہ اپنا سکے کیونکہ اس دور میں جس پر خارجیت کی تہمت لگا دی جاتی تھی اس کو غدار اور خائن سمجھا جاتا ہے اس کو خلاف سخت سے سخت کاروائی کی جاتی تھی اور اس تہمت کے لیے کوئی بھی ضابطہ یا اصول نہیں تھا۔

اگر ہم اس پہلو کو اپنی بحث سے خارج کر دیں اور دوسری فکری اور سلوکی جہت کی طرف متوجہ ہوں تو ہم اس مذہب اباضی کی نشو نما دیگر مذاہب کی طرح اپنے علماء اور آئمہ کے ذریعے دیکھتے ہیں ان کے بھی طبقات ہیں۔ جو بعض بعض سے آج کے دن تک سے حاصل کرتے چلے آئے ہیں۔ اس مذہب نے اپنی دینی علمی خدمات کی ابتداء دیگر مذاہب سے بہت پہلے شروع کر دی تھیں اور اس سے پہلے کہ دیگر مذاہب علمی تحقیقاتی میدان میں اپنا ایک باقاعدہ مقام اور شناخت حاصل کرتے ۔ مذہب اباضی کی حدیث اور فقہ میں باقاعدہ مولفات، مدون ہو چکی تھیں۔ آنے والے مندرجہ ذیل نقاط میں کچھ وسیع عریض ایسے خطوط اور زاویوں کی طرف توجہ دلاؤں گا۔ جو محترم قاری کے لیے مذاہب اسلامیہ میں اباضی مذہب کے مقام مرتبہ کے تعین میں مدد کریں گے جب محترم قاری اس موضوع سے متعلق اپنی تحقیق اور مطالعہ کو پورا کر لے گا تب یہ خطوط اس کے لیے اباضی مذہب کی اہمیت، مقام کے تعین میں مدد کریں گے۔

ا۔ تشریعی مصادر

۱. اباضی اپنے عقائد عبادات معاملات اور اخلاق میں دین اسلام کے لیے بنیادی مصدر قرآن کرم کو مانتے ہیں اور یہ موقف رکھتے ہیں کہ جس نے قرآن پاک کی کسی سورت، آیت یا کسی حرف کا انکار کیا وہ مشرک یا مرتد ہے۔

۲. دین اسلام کے دوسرے بنیادی مصدر سنتِ مطہرہ کو مانتے ہیں اور یہ درجات پر موقوف ہے اس میں سے سب سے پہلا درجہ متواتر کا ہے یہ قطعی الدلالہ ہے علم کا فائدہ دیتی ہے اور اس پر عمل کرنا واجب ہے اس کا منکر قرآن کے منکر کی طرح ہے سنت میں مشہور یا مستفیض متواتر سے ضعیف اور آحاد سے قوی درجہ رکھتی ہے اس پر عمل کرنا بھی واجب ہے لیکن اس میں اختلاف پایا جاتا ہے کہ کیا اس کی محبت قطعی ہے ظنی؟ اس پر دو قول ہیں آحاد ظنی الدلالہ ہیں اس پر عمل کرنا واجب ہے مدلس اگرچہ آحاد سے بھی ضعیف درجہ رکھتی ہے لیکن پھر بھی اگر صحابی یا تابعی سے ہو تو اس پر عمل کرنا بھی واجب ہے۔

۳. اباضی مذہب میں تیسرا تشریعی مصدر اجماع ہے اگر اس کی اصولیوں کے ہاں شرائط پوری ہو جائیں تو اس سے خروج کرنا فسق ہے اور اس کی صحیت قطعی ہے اسی طرح ان کے نزدیک اجماع کی دو قسمیں ہیں قولی اور سکوتی اور یہ کہ ہر زمانے میں اجماع ممکن ہو سکتا ہے۔ لیکن لوگوں کی طرف معتبر شروط کے ساتھ منتقل کیا جا سکتا ہے۔

۴. اسی طرح مذہب اباضی میں چوتھا تشریعی مصدر قیاس ہے اگر وہ امویوں کے مطابق معروف بنیادوں پر قائم ہو۔

۵. اسی طرح ان کے نزدیک پانچواں مصدر اپنی مختلف انواع کے ساتھ استدلال ہے مصالح مرسلہ کا خاص اہتمام کرتے ہیں اباضی مصالح مرسلہ کے اہتمام کی نسبت مالکیوں کے بعد دوسرے درجے میں شمار ہوتے ہیں۔

ب۔ عقائد

اباضیوں کے نزدیک انسان اس وقت تک مسلمان نہیں ہو سکتا جب تک وہ ان تین جملوں کا اقرار نہ کرلے۔

۱. یہ گواہی دے کہ اللہ تعالیٰ وحدہ لاشریک ہے۔

۲. محمد ﷺ اس کے بندے اور رسول ہیں۔

۳. اور جو کچھ آپ ﷺ کہا ہے وہ سب حق ہے۔

ان تین جملوں کی تفصیلات مندرجہ ذیل ہے:

۱۔ توحید

خدا تعالیٰ کی ذات کے بارے میں ان کا عقیدہ یہ ہے کہ وہ مطلق منزہ اور مقدس بے مثل ذات ہے نہ مخلوق میں اس سے کوئی مشابہت رکھتا ہے جو تشبیہات اور ایسے کلمات قرآن سنت میں آئے ہیں جن سے وہم پیدا ہو سکتا ہے ان کی تشبیہ کی بجائے ایسی تاویل کرتے ہیں جو تشبیہ سے بچا سکے اور خدا تعالیٰ کی ذات کو کسی مخلوق سے تشبیہ دینے سے کوسوں دور ہیں اسماء حسنی اور اس کے تمام صفات ذاتی ہیں۔

۲۔ قضاء قدر

اباضی کہتے ہیں کہ اس وقت تک ایک مسلمان کا ایمان مکمل نہیں ہوتا جب تک وہ تقدیر کے حوالے سے ہر خیر شر خدا تعالیٰ کی طرف سے ہوتا ہے اس پر ایمان نہ لے آئے اور یہ کہ انسانی افعال خدا تعالیٰ کی طرف سے تخلیق کردہ ہیں لیکن ان کو کرنے والا انسان ہے۔ جبریہ کی رائے سے بہت دور ہیں اور اسی طرح جو یہ رائے رکھتے ہیں کہ انسان اپنے افعال کا خود خالق ہے اس رائے سے بھی دور ہیں۔

۳۔ کبیرہ گناہ کا مرتکب

جو شخص مسلمانوں میں سے کبیرہ گناہ کا مرتکب ہے اس کے حوالے سے اباضیوں کا موقف یہ ہے کہ وہ بر خلاف خوارج کے مشرک نہیں ہے بلکہ اس کو منافق کہتے ہیں اگر اس نے اپنے کبیرہ گناہ سے توبہ نہ کی۔ اُسی حالت میں مر گیا تو کبھی بھی جنت میں داخل نہیں ہو گا۔ تاریخی مصادر کے مطابق یہی سب سے بڑا جھگڑا تھا جو نافع بن ازرق سے اباضیوں اور خوارج کے مابین جاری رہا۔

ج۔ فقہ

اس باب میں اباضیوں کا مقام تشریحی ہے جو ایک جہت سے اہل ظاہر اور حنابلہ کے مابین جبکہ دوسری جہت سے احناف کے مابین واقع ہے اگرچہ یہ مذہب عراق میں پروان چڑھا۔ لیکن کسی مذہب کے سہارے کے بغیر پروان چڑھا کسی کا احسان یا سہارا نہیں لیا۔

اس نقطہ کو وضاحت کے لیے یہی کافی ہے تاکہ محترم قاری بھی اس بات کو سمجھ سکے وہ یہ کہ اباضی فقہ قرآن کریم کے بعد سنت مطہرۃ میں سے متواتر مشہور یا مستفیض یا پھر صحابہ ؓ اور تابعین سے آحاد اور مرسل پر اعتماد کرتی ہے اگر حدیث اور قیاس میں تعارض آجائے تو حدیث کی طرف رجوع کیا جاتا ہے چاہے وہ ساتویں طبقے کی ہی آحاد یا مرسل ہو خبر آحاد کو صرف اس وقت رد کیا جائے گا جب وہ دلیل قطعی کی ضد میں آجائے گی۔ اسی طرح قیاس اور مصالح مرسلہ کے حوالے سے کتب فقہ ان کے تجزیے مقالات کی تفصیلات اور ابحاث بھری پڑی ہیں۔

د۔ سلوک، معاملات

اباضی ان تمام سلوک اخلاق کی انواع کو تھامے ہوئے ہیں جن کے بارے میں اسلام نے ہمیں حکم دیا ہے اس کے مظاہر میں سے درج ذیل ہے:

۱. ان کے نزدیک امر بالمعروف و نہی عن المنکر حدیث شریف نے جو حدود بیان کی ہیں انہی میں رہتے ہوئے واجب ہے۔

۲. اسی طرح مسلمانوں کی محبت خدا تعالیٰ کی اطاعت اور فرمانبرداری پر قائم ہو اور کافروں اور نافرمانوں سے دشمنی اور بغض بھی خدا تعالیٰ کے لیے ہو نافرمانی کی وجہ سے ہر مسلمان پر ان سے بغض رکھنا اور اطاعت باری تعالیٰ کی بنیاد پر ان سے محبت رکھنا ہر مسلمان پر واجب ہے اور یہی محبت ہر زمانے ہر جگہ خدا تعالیٰ کے تمام اولیاء سے ہونی واجب ہے اسی طرح جس شخص کی ولایت خدا تعالیٰ سے نام کے ساتھ یا صفاتی ثابت ہو جائے تو جو گزر گئے ہیں اور جو حاضرین ہیں سب سے اسی بنیاد پر معاملہ کیا جائے اسی طرح تمام کافروں اور نافرمانوں سے ہر زمانے ہر

جگہ برأت واجب ہے اور اس برأت کی بنیاد ان کی نافرمانی ہو۔ اگر کسی مسلمان نے ایسے افراد سے تعارف اور جان پہچان کر لی جس کے بارے میں علم نہیں ہے کہ وہ خدا تعالیٰ کے فرمانبردار ہیں یا نافرمان تو ان کے حوالے سے خاموشی بہتر ہے نہ دوستی رکھے نہ دشمنی یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ اباضیوں کے نزدیک دوستی اور برأت یقین کی بنیاد پر قائم ہے اسی طرح کسی کا ذاتی تعارف اور عادل لوگوں کی گواہی جو یقین کے ساتھ کبھی باطل نہیں کی جاسکتی یعنی کبھی اس کو جھٹلایا نہیں جاسکتا۔

گویا ان کے نزدیک دوستی اور دشمنی کی بنیاد خدا تعالیٰ کی ذات سے خاص ہے دشمنی بھی خدا تعالیٰ کے لیے اور دوستی بھی اس کے رضا کے لیے اور یہ کہ جس سے دوستی کریں اس کے حوالے سے یقین کے ساتھ معرفت ہونا ضروری ہے کہ وہ خدا تعالیٰ کا فرمانبردار ہے یا نہی اس طرح جس سے برأت کا اظہار کرنا ہے اس کی بنیاد بھی یقینی معرفت پر ہے جب اس کے حوالے سے یقین کے ساتھ علم ہو جائے کہ وہ نافرمان ہے اور جس کے بارے میں پختہ یقین نہ ہو کہ وہ فرمانبردار ہے یا نافرمان تو اس کے حوالے سے خاموش رہنا بہتر ہے نہ برأت کی جائے نہ دوستی رکھی جائے۔

۳. تمام مسلمان حقوق واجبات میں یکساں ہیں سوائے دعائے خیر اور جنت کے یہ حق صرف ایک مخلص وفادار مسلمان کا ہے۔ جس نے اسلام کے احکامات کو وفا کیا ہو یعنی جو شخص خدا تعالیٰ کی فرمانبرداری کے سبب دوستی کا مستحق ہے رہی بات کسی فرمانبرداری کے سبب دوستی کا مستحق ہے رہی بات کسی نافرمان کو ہدایت کی دعا دینا خدا تعالیٰ سے اس کے لیے خیر مانگنا اور اسکی ہدایت صحت عافیت کی دعا کرنا تو یہ ہر مسلمان متقی عاصی سب کے لیے جائز ہے۔

۴. جب سلطنت کے حکمران ظالم اور شریعت اسلامی کو تھامنے والے نہ ہوں تب مسلمانوں کے لیے جائز ہے کہ وہ یا تو ان کے حکم کے ماتحت رہیں یا پھر خروج کریں اگر ان کے ماتحت رہیں تو ان پر صرف انہیں احکام کی اطاعت واجب ہے۔ جسمیں خدا تعالیٰ کی نافرمانی نہ ہوتی ہو اور اگر ایسے احکام کا نفاذ ہو جو ان کے مذہب کے مخالف ہوں اتفاق نہ کرتے ہوں تو اباضیوں پر ضروری ہے کہ وہ تب تک ان احکامات پر عمل کرتے رہے۔ جب تک وہ کسی نہ کسی اسلامی مذہب کے تابع رہتے ہیں۔ اس کی مثال یہ ہے کہ مذہب اباضی میں پرورش کے حوالے سے ماں کی بجائے باپ کو ترجیح دی جاتی ہے اسی طرح پرورش کے حوالے سے نانی سے دادی زیادہ اولیٰ ہے جبکہ دیگر اسلامی بہت سے مذاہب اس کے برعکس رائے رکھتے ہیں۔ اب اگر سلطنت کسی دوسرے مذہب اسلامی کے پیش نظر ایسا حکم نافذ کرے جس میں باپ کی بجائے ان کو پرورش کے لیے ترجیح دی جائے تو اباضی مذہب کے اتباع اس فیصلے کو تسلیم کرنے اور اس پر عمل کرنے کے پابند ہوں گے اور اس میں کوئی حرج بھی نہیں ہے۔

اسی طرح وراثت کے مسئلہ میں اباضی مذہب میں اگر دادا موجود ہے تو وہ میت کے بھائیوں کو وراثت سے محروم کر دے گا یعنی دادا کی موجودگی میں بھائی وراثت نہیں لے سکتے جبکہ دیگر مذاہب اسلامیہ میں دادا بھائیوں کو محروم نہیں کر سکتا وہ بھی بھائیوں کی طرح وراثت میں شریک ہو گا۔ اب اگر اس حوالے سے مملکت اباضی مذہب کے برعکس کسی دوسرے مذہب کے مطابق وراثتی حکم یا فیصلہ کرتی ہے تو اباضیوں کو اس کو تسلیم کرنے اور اس پر عمل کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

میرے خیال میں یہ وسیع عریض خطوط مذہب اباضی کا مذاہب اسلامیہ میں مقام مرتبے کے حوالے سے کافی ہیں اور یہ کہ کسی بھی حال میں شرعی ادلہ سے متعلق موضوع کے حوالے سے انتہا پسندی نہیں رکھتا وہ ہر آثار اور حدیث کو لیتے ہیں چاہے وہ کتنی ہی ضعیف حجت کیوں نہ ہو اسی طرح دوسری جانب بھی انتہا پسندی کا مظاہرہ نہیں کرتا وہ یہ کہ جب قیاس سنت کے متعارض ہو تو قیاس کو چھوڑ دیتے ہیں لیکن سنت کو رد نہیں کرتے چاہے وہ کتنی ہی حجت کے اعتبار سے کتنی ہی ضعیت ہو یعنی قیاس کے مقابلے میں اس صورت میں حدیث ہی معتبر سمجھتے ہیں اسی طرح اجماع کے موضوع میں بھی تنگ نظر اور انتہا پسندی نہیں ہیں بلکہ مذاہب کی حدود میں چھوٹے پیانے پر سطحی اجماع کو بھی محبت مانتے ہیں جبکہ دوسری جانب انتہا پسندے سے کام لیتے ہوئے اجماع کی حجیت امکان، اثبات یا وقوع کی نفی نہیں کرتے عہد صحابہ سے لے کر قیامت تک اجماع کے امکان کو کسی بھی زمانے میں تسلیم کرتے ہیں اور اس کی دو اقسام قولی اور سکوتی دونوں کو مانتے ہیں ان کے رائے میں ایک محدود مذہب کے مابین اجماع یا کسی ایک مخصوص ملک میں کسی مسئلہ پر اجماع تو وہ اجماع کرنے والوں پر ایک ظنی محبت ہے جس میں اجماع کی قوت موجود نہیں ہے۔ لہٰذا اس کو اتفاق کا نام تو دیا جا سکتا ہے لیکن اجماع کا نام نہیں دیا جا سکتا۔

اسی طرح قیاس کے موضوع میں بھی انتہا پسند نہیں ہیں جب وہ شروط کو پورا کرتا ہو تو وہ بھی شریعی دلیل اور حجت ہے۔ ہاں نص کے مقابلہ میں قیاس کو رد کر دیا جائے گا اس مصالح مرسلہ سے استدلال کو قبول کیا جا سکتا ہے۔

عقیدے میں بھی انتہا پسند نہیں مخلوق سے ہر اس چیز کی نفی کرتے ہیں جو خدا تعالیٰ نے اپنی ذات اور اپنے رسول ﷺ کے لیے خاص کی ہے۔ متشابہات کی ایسی تاویل کرتے ہیں جو ذات باری تعالیٰ کی شان کے لائق ہو۔

اسی طرح انتہا پسندی کا مظاہرہ کرتے ہوئے قضاء قدر کے معاملہ میں یہ نہیں کیا کہ انسان مجبور ہے ایک میت کی طرح جو کہ غسل دینے والوں کے سامنے بے اختیار ہوتا ہے اور نہ ہی یہ کہتے ہیں کہ انسان اپنے افعال کا خود خالق ہے بلکہ راہ اعتدال اختیار کرتے ہیں۔

اسی طرح کبیرہ گناہ کے مرتکب کے حوالے سے بھی انتہا پسند نہیں ہیں جو یہ کہتے ہوں کہ مرتکب کبیرہ مشرک ہے اور نہ ہی مرجئہ کی طرح یہ کہ وہ جنت میں داخل ہو گا اس قول پر اعتماد کرتے ہوئے کہ ایمان کی موجودگی میں معصیت نقصان نہیں دے سکتی۔ وہ نافرمانوں کے لیے اس طرح جنت کے دروازے کھولتے ہیں جیسا کہ وہ ہوٹل ہوں اور ان کی

چابیاں ان کے پاس ہوں بلکہ اباضی مذہب کا معتدل موقف ہے وہ یہ کہ مرتکب کبیرہ اگر اس نے توبہ نہ کی اور مرگیا تو ہمیشہ دوزخ میں رہے گا جنت میں داخل نہیں ہو سکتا اور اگر توبہ کرلی تو کوئی مضائقہ نہیں ہے۔

اس ساری گفتگو کے بعد اے میرے محترم قاری اب تو مذہب اباضی کی بنیادوں اس کی مختلف جہات اور سلوک منہج کو اچھی طرح سمجھ گیا ہوگا اب تو اس مذہب کا دیگر مذاہب اسلامیہ میں مقام، مرتبے کا تعین خود کرسکتا ہے اور خود کو ان مسخ شدہ تصویروں اور منظر کشی سے دور کرسکتا ہے جو اس مذہب کے حوالے سے فریبی سیاست کے ذریعے اور تعصب کی بنا پر بیان کی گئی ہیں جو کہ سراسر بے بنیاد غیر مصدقہ ہیں۔ وہ اس مذہب کے حوالے سے مسخ کردہ تصویروں کو سیاست کی چالوں اور تعصب نے بیان کیا تھا تاکہ یہ مذہب لوگوں کی نظر میں بدنام ہو جائے۔

مذاہب کے مابین اصول کی بجائے فروع میں اختلاف

کچھ ایسے تصورات اور مفاہم بھی لوگوں کے ذہنوں میں موجود ہیں کہ مذاہب کے مابین جو اختلاف ہے وہ اعتقادی لحاظ سے اصل اور جڑ میں ہے حالانکہ ایسی بات نہیں ہے ہمیں اس طرح کے تصورات کا بھی ازالہ کرنا ہو گا ان کی جگہ یہ تصور دینا ہو گا کہ مذاہب کے مابین اختلاف فروعی اور سطحی ہے وہ ایسا اختلاف نہیں ہے جس پر اکٹھا ہو اور متحد ہونا مسلمانوں کا ممکن نہ ہو اگر مخالفین انتہا پسندی اور ایک دوسرے پر الزام تراشی ختم کر دیں تو یہ فروعی لفظی اور سطحی اختلاف ہے ہر مذہب اپنے اپنے ان اجتہادی فروعی مسائل میں اختلاف پر برقرار رہتے ہوئے متحد ہو سکتے ہیں اور عالم اسلام ایک ہو سکتا ہے۔ ہم یہاں یہ کہہ سکتے ہیں کہ مذاہب اسلامیہ میں پایا جانے والا اختلاف تین بڑے زاویوں سے باہر نہیں نکلتا وہ درج ذیل ہیں:

۱. وہ عقائد جو خدا تعالیٰ اس کے نام صفات اور افعال سے متعلق ہیں۔

۲. نظام حکومت اور حاکم کی شروط سے متعلق۔

۳. اصولی اور فروعی لحاظ سے وہ احکام جو مسائل فقہیہ سے متعلق ہیں۔

تمام مسلمان عمومی طور پر ان تین طرح کے اصلی محوروں پر متفق ہیں صرف ان کی تفصیلات اور فروعات میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ ہم اپنی استطاعت کے مطابق یہاں کچھ ایسے مسلمانوں کے مابین موازنہ کریں گے جو محض جھگڑے اور فساد کو ہوا دیتے ہیں اور پھر خود کو بغیر کسی فرقے اور مذہب کے کسی نہ کسی کا پیروکار ہونے کا دعوی بھی کرتے ہیں پھر ایک دوسرے پر ضلالت، گمراہی کے فتوے لگاتے ہیں پھر ان کو اپنے مذہب کی پیروی اور اس کو تھامنے کا حکم دیتے ہیں اور ہم ان مذاہب اور فرقوں کی بہت سے ایسے پیروکار بھی دیکھے ہیں جو مسائل کو گہرائی سے سمجھتے بھی نہیں بس اندھی تقلید کرتے ہیں خود کچھ بھی علم نہیں ہوتا ہزار میں کوئی ایک بھی ایسا نہیں ہوتا جو مشکلات اور درپیش مسائل کو سمجھنے کی قدرت رکھتا ہو جن کو یہ علم ہو کہ یہ مسائل ہیں ہمارے اختلاف کے سبب کے بلکہ ان کو پتہ ہی نہیں ہوتا کہ اختلاف دراصل ان کے مابین اور دیگر مذاہب میں کیا ہے؟

وہ چاہتے ہیں مسلمان بس معین مذاہب پر ہی بھروسہ کریں بس صرف یہی نسبت یا اس کا بعض جس سے درحقیقت مواضع اختلاف، جدل جدال پیدا ہوتے ہیں اور جھگڑے شروع ہی اس بات سے ہوتے ہیں بس چند اس مذہب کے افراد ہی ہوتے ہیں جو خود ہنگامہ آرائی اور فساد انگیزی کرنا چاہتے ہیں اور مذہبی اختلاف کو اپنے اغراض، مقاصد کے لیے استعمال کرنا چاہتے ہیں صرف وہی حقیقت کو جانتے ہوتے ہیں کہ ان کے مقاصد کیا ہیں جبکہ ان کے پیروکار صرف اندھی تقلید کی بنا پر ان کے پیچھے ہوتے ہیں ان کے اندر مذہبی عصبیت کو ابھارتے ہیں اور وہ لوگ اس مذہب کو انتہا پسندی کی حد تک متشدد انداز سے مانتے ہیں اس کی پیروی کرتے ہیں اور یہ ایسے لوگ ہوتے ہیں جو غالب طور پر اختلافی مسائل خاص طور پر علم

العلام اصول فقہ یا سیاسی قواعد کو بالکل جانتے ہی نہیں ہوتے بس صرف بعض عبادات سے متعلق فقہی مسائل کو ہی جانتے ہوتے ہیں۔

اگر ہم اس کی مثال اسلامی سلطنت لبیا کے اندر اباضی اور مالکی مذہب کے اتباع کے حوالے سے دیں تو یہ بات مشاہدہ میں آئی ہے کہ زیادہ شدید اختلاف صرف ان افراد کے مابین پایا جاتا ہے جو صرف بسم اللہ اور سورۃ فاتحہ کے پڑھنے کے حوالے سے جانتے ہوں گے یا پھر رفع یدین تشہد میں شہادت کی انگلی کو اٹھانا یا پھر رمضان میں جنی حالت میں اگر کوئی صبح کرے تو اس سے متعلق مسائل کے حوالے سے ہی شاید کچھ جانتے ہوں ان مسائل سے زیادہ اختلاف کو وہ شاید نہیں جانتے یہ تمام مذہبی جھگڑے اور فسادات جو عامۃ الناس کے مابین پائے جاتے ہیں وہ ان مسائل کے دائرے سے باہر نہیں نکلتے جب یہ مسائل عوامی لیول سے ذرا اوپر مثقف اور متفقہ لوگوں تک پہنچتے ہیں تو تھوڑا سا ان مسائل کا لیول اوپر ہو جاتا ہے تب مناقشہ زیادہ تر میراث کے حوالے سے اور پرورش کا حق اقارب کا نفقہ معاملات کے بعض حالتِ سفر میں نماز سے متعلق احکامات اور رمضان کے قضا روزوں میں تسلسل اور باقاعدگی وغیرہ جیسے مسائل کا جائزہ لیا جاتا ہے۔ یعنی یہ لیول عملی فقہ سے متعلق ہے۔

رہی بات علم الکلام قواعدِ تشریع اسلامی اور اسلامی حکومت کی بنیادی شروط وغیرہ ایسے مسائل ہیں جو در حقیقت مذاہب کی تشکیل میں اہمیت کے حامل ہیں انہی مسائل کے اختلاف کی بنا پر یہ مختلف مذاہب اسلامیہ وجود میں آئے جبکہ ان مسائل کے حوالے سے پہلی بات تو یہ کہ لوگ کچھ بھی نہیں جانتے اور اگر کچھ جانتے بھی ہیں تو وہ صرف سطحی حد تک جان کاری رکھتے ہیں جو صرف بطریق تلقین جان کاری حاصل کی ہوتی ہے خود مطالعہ کر کے حاصل نہیں کی ہوتی۔

بس ساری عوام یا پھر عوام کی اکثریت یہ جانتی ہے اور اس پر ایمان رکھتی ہے کہ اللہ تعالیٰ حیی القیوم قدیر سمیع علیم بصیر ہے۔ متکلم خالق ہے۔ مصور ہے۔ آخری صفات تک سب پر ایمان رکھتے ہیں لیکن اگر ان سے یہ پوچھ لیا جائے کہ اللہ تعالیٰ کی یہ صفات ذاتی ہیں یا اضافی یا صفات الٰہیہ عین اس کی صفات ہیں اس کی غیر ہیں تو وہ اس حوالے سے کچھ نہیں سمجھیں گے بلکہ تجھ سے اعراض کریں گے اور یہ بھی بعید نہیں کہ وہ یہ گمان کریں کہ تم اُن سے تمسخر اور مذاق کر رہا ہے۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ مسلمانوں کی اکثریت اپنے عقائد میں عملی طور پر متفق ہیں اسی طرح آخری دو دائروں میں بھی متفق نظر آتے ہیں لیکن اگر ہم ان کے خواص پر نظر ڈالیں تو تھوڑے سے تأمل اور غور فکر سے یہ بات بھی واضح ہو جاتی ہے کہ وہ ان تمام دائرؤں اور محوروں کی اصل میں بھی متفق ہیں صرف بقدر ضرورت ہر ایک کے نزدیک صرف تفصیلات میں اختلاف پایا جاتا ہے اس پورے جائزہ اور مناقشے سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ تمام مذاہب اسلامیہ اصول میں متفق ہیں جبکہ فروع میں مختلف ہیں بعض ضروریات کے سبب تفصیلات اور فروعات میں اختلاف کرتے ہیں اس حوالے سے بیان درج ذیل ہے:

اگر ہم مسائل علم الکلام کے حوالے سے بات کریں جو مذاہب کی تشکیل میں بنیادی محور ہے اور جس سے معاشرے کی وحدی کو منتشر کیا جاسکتا ہے اور جس کی بنا پر فاسق، گمراہ کے احکامات جاری کیے جاسکتے ہیں جس موضوع سے متعلق کبار علماء نے اپنے قیمتی احکامات کو دلائل براہین کے جمع کرنے میں خرچ کر دیا ہم اس حوالے سے دیکھتے ہیں کہ امت اسلامیہ اپنے مذہبی اختلافات کے باوجود عقائد کی اصل میں متفق نظر آتی ہے اور وہ علماء جو اس بارے میں دلائل براہین کو جمع کرنے والے ہیں اور لوگ اگرچہ ان کو اصحابِ اختلاف سمجھتے ہیں اس کے باوجود وہ تمام اصولوں میں متفق ہیں ان کا اختلاف دیگر مذاہب کے افراد سے صرف دوران مناقشہ پیدا ہوتا ہے یا پھر جب سوال جواب کو جمع کیا جاتا ہے تب اختلاف کا وجود ہوتا ہے جب ایک دوسرے کے کلام کو باطل سمجھتا ہے اور دوسرا شخص اس کے کلام کو باطل دیکھتا ہے تو اس سے اختلاف پیدا ہوتا ہے جبکہ اصل میں کوئی اختلاف نہیں اتفاق ہے۔

اس کی مثالیں درج ذیل ہیں کہ اختلاف کیسے پیدا ہوتا ہے اور کس چیز میں اختلاف پایا جاتا ہے:

۱. تمام مسلمان اس بات پر متفق ہیں کہ خدا تعالیٰ کی ذات اپنی تمام صفات میں منزہ مقدس ہے نہ وہ دینی مخلوق میں کسی سے مشابہت رکھتا ہے اور نہ مخلوق میں سے کوئی اس کی مشابہت رکھتا ہے یہ وہ عام عقیدہ ہے جس پر خاص، عام تمام مسلمان متفق ہیں جب اس کی تفصیلات میں آتے ہیں تو اختلافات اور تصادم پیدا ہو جاتے ہیں اور اہر ایک اپنے دلائل کے ساتھ یہ کوشش کرتا ہے کہ وہ فرق ثانی پر غالب آئے اور اس کے کلام کو باطل قرار دے جب وہ خدا تعالیٰ کے اسماء افعال سے متعلق تفصیلات میں چلے جاتے ہیں تو وہاں اختلافات پیدا ہوتے ہیں اور بعض اوقات تو ایک تصادم کی صورت اختیار کر جاتے ہیں۔

۲. تمام مسلمان اس بات پر اتفاق کرتے ہیں کہ خدا تعالیٰ کی ذات اپنی سلطنت اور بادشاہت میں عادل ہے لوگوں میں سے کسی پر بھی کوئی ظلم، زیادتی نہیں کرتی لیکن جب اس حوالے سے تفصیلات کی طرف آتے ہیں اور ثواب، عقاب عمل اور اسکی جزاء کے جیسے فروعی موضوعات میں داخل ہوتے ہیں تو تصادمات اور اختلافات پیدا ہونے شروع ہو جاتے ہیں اور اس میں ہر ایک کی کوشش ہوتی ہے کہ وہ دلائل، براہین کے ذریعے دوسرے پر غلبہ حاصل کرے اور اس کے کلام کی نفی کرے اس کو باطل قرار دے۔

۳. تمام مسلمان اس پر باوجود مذہبی اختلاف کے متفق ہیں کہ خدا تعالیٰ نے اطاعت گزاروں فرمانبرداروں کے لیے جنت تیار کی ہے اور نافرمانوں کے لیے دوزخ تیار کی ہے لیکن جب اس کی تفصیلات میں جاتے ہیں تو اختلاف شدت کی حد تک پہنچ جاتا ہے اور ہر ایک فریق یہ دعویٰ کرتا ہے کہ اس کا مخالف باطل ہے اور اس کا کلام بے بنیاد ہے صرف اس کا قول ہی معتبر ہے دوسرے کے قول کی کوئی حیثیت نہیں۔

بس کچھ اسی طرح فروعات میں اختلاف کا ایسا دروازہ کھلتا ہے جو متفقہ اصل کو ترک کر دیتا ہے یہاں تک کہ فروعات سے جزیات کی طرف یہ اختلاف پہنچ جاتا ہے یہاں تک کی یہ جزئیات عقیدہ کی اصل سے سرکش ہو جاتی ہے بس وہ محض

جدل، جدال اور جھگڑا ہی باقی بچ جاتا ہے وہ ایک دوسرے کے اقوال کو معطل اور مشبہ قرار دیتے رہتے ہیں جبکہ عقیدے کی اصلا میں متفق ہوتے ہیں۔ جب ہم ریاستی اور حکومتی دائرے اور محور کی طرف منتقل ہوتے ہیں اور ریاستی شروط کے حوالے سے بات کرتے ہیں تو ہم تمام مسلمانوں کو دیکھتے ہیں کہ وہ اس حوالے سے اس کی اصل میں متفق نظر آتے ہیں اگر تم کسی عالم دین سے پوچھے کہ کن شرائط پر اسلامی ریاست مملکت قائم ہونی چاہیے تو وہ جواب میں جو شرائط بیان کرے گا وہ تقریباً دوسرے مذہب کے عالم کی بیان کردہ شرائط سے متفق اور قریب تر ہوں گی۔ کمال صورت حال میں شرائط کو اس بات سے بیان کرنا شروع کرے گا کہ اسلامی سلطنت کا حاکم عالم مجتہد ذہین فطین، بہادر عادل امتِ مسلمہ کی منعفت اور مصلحت کا حریص متقی اور خشوع ورع والا ہونا چاہیے اس طرح یکے بعد دیگرے وہ ایک ایک کر کے ان تمام شروط کو بیان کرے گا۔ جن سے کتب فقہ بھری پڑیں ہیں۔ اسلامی سلطنت کے حاکم کے حوالے سے ان صفات اور شروط پر تقریباً تمام مسلمان متفق ہیں یہ تمام شروط اہل تشیع، خوارج، معتزلہ، اشاعرۃ، اباضیوں، ماتدسریوں اور ظاہریوں ہیں۔ اور سب کے نزدیک اتفاق پائے گا سوائے چند لوگوں کے جو صرف صرف فرقہ واریتے اور اختلاف کی آگ کو مشتعل کرنا چاہتے ہیں جو کہ ہر مذہب میں پائے جاتے ہیں سب میں ان شرائط میں اتفاق پائے گا باقی فتنہ پور اور فسادی لوگ ہر مذہب کے اندر ہی پائے جاتےہیں ان کے علاوہ تقریباً تمام مذاہب کے لوگ ان حاکم کے حوالے سے شروط پر اتفاق کرتے نظر آتے ہیں اس اصل پر اتفاق کے بعد اس کی تفصیل میں اختلاف آجاتا ہے۔ وہ بھی جب ان میں سے بعض سیاسی پہلوؤں سے منسلک ہو جاتے ہیں تو وہ کچھ لوگ ناجائز فوائد حاصل کرتے ہیں سیاست کے پردے میں رہتے ہوئے استحصال کرتے ہیں۔ جس طرح کہ خلافت کے حوالے سے آلِ بیت یا اہل بیت کی کسی فرع کے حوالے سے شرط ہونا اسی طرح ریاست کے حاکم کے حوالے سے کہ وہ قریشی ہو پھر یہ شرط کہ وہ عربی ہو پھر فاضل اور افضل کے حوالے سے مسائل عالم اور اعلم اسی طرح جب وہ ظلم کرنا شروع کردے تو اس کے خلاف خروج کرنے کا جواز اور عدم جواز پھر یہ کہ وہ معصوم ہے یا غیر معصوم ہے جب وہ عادل نہ رہے تو اس کی اطاعت کرنا واجب ہے یا نہیں اس کو منتخب کرنے کا طریقہ عادل نیک کے حوالے سے اور مختار ظالم کے حوالے سے کیا حکم ہے یہ تمام تر ایسی جہتیں ہیں جو کہ سیاسی پہلوؤں کی پیداوار ہیں وہ فریبی اور دھوکے کی سیاست جس نے مسلمانوں کو متاثر کیا تھا ان میں اہل تشیع اور عثمانی تھے پھر کوارج اور معتزلہ پھر اباضی اور اشاعرہ تھے۔ جن میں اس ریاستی امور اور اسلامی ریاست کے حاکم کے حوالے سے مسائل کی فروعات میں اختلافات پیدا ہوئے تھے جب کہ اصل شروط میں متفق تھے تفصیلات میں اختلاف تھا۔ اس شدید اختلاف اور تعصب کی وجہ سے ان شرائط کو جو بھی مذہب اپنے نقطہ نظر کے مطابق مکمل طور پر جاری کرنا چاہتا ہے تو ایسا ہر گز ممکن نہیں ہے کیونکہ ہر مسلک اور مذہب یہ چاہتا ہے کہ وہ اپنے مذہب کو سلطنت کا سرکاری مذہب قرار دلائے۔ بعض خوارج کے فرقوں نے جیسا کہ لازارقۃ اور العفریۃ وغیرہ نے اپنے اماموں کی اس مقصد کے لیے بیعت کی یہاں تک کہ سلطنت کے حاکم پر کفر کا فتویٰ لگادیا اُسے منصب سے الگ کردیا اور یہاں تک کہ اس کو قتل کردیا۔ پھر اس مقصد سے بیعت کی یہاں تک کہ وہ دین سے نکل گئے اور بعض نے تو اُلوہیت کا دعویٰ کردیا پھر عثمانی اموی پرچم اور ان کے ساتھ کھڑے ہوئے اور ملکر اہل تشیع کو حکومت سے الگ کیا یہاں تک کہ اموی سلطنت نے

تلوار کے زور پر مسلمانوں کو مغلوب کیا مسلمانوں کی گردنوں پر مارا کچھ حکمرانوں نے تو خانہ کعبہ پر بھی پتھر برسائے اور اس کو شہید کر دیا اسی طرح بعض امویوں نے مدینہ منورہ کی حرمت کو پامال کیا۔ مروان بن محمد اور بعض عباسی حکمرانوں کے دور میں معتزلہ نے حکومت، اقتدار تک رسائی حاصل کی تب حاکم معتزلہ کے مخالف کو اذیت دینے کے لیے معتزلہ کا آلہ کار ہوتا تھا۔ یہاں تک کہ بعض اباضی آئمتہ پر اس حد تک سختی کی گئی جن کو خود منتخب کیا ان کو عہدوں سے معزول کر دیا گیا اس موضوع میں جو سب سے اہم بات ہے وہ یہ کہ خلافت راشدہ کے بعد جو بھی سلطنت کسی خاص مذہب یا فکر کی حمایت اور تعاون سے قائم ہوتی رہیں وہ ہمیشہ یہ کوشش کرتے حاکم اور سلطنت کے حوالے سے جو اسلامی مشترکہ متفقہ شرائط تھے ان میں اضافہ یا کمی بیشی جب کی جاتی اور ان کو کسی مخصوص مذہب یا فرقے کی مرضی کے مطابق ڈھالا جاتا تو تب اختلاف اور جھگڑا پیدا ہو جاتا ہنگامہ آور مصیبت کھڑی ہو جاتی۔ کیونکہ ہر نئی شرط ردِ عمل کے طور پر ایک نئے فعل کو جنم دیتی اس کے سبب جھگڑا اور بحث مباحثہ شروع ہو جاتا اس کے بعد دلائل براہین کو جمع کرنے اور پیش کرنے کا مرحلہ آ جاتا پھر جھوٹ کے مزے لیتے جبکہ علماء مخالفتِ دین کے حوالے سے تہمتوں سے دوچار ہوتے یعنی علماء ایک دوسرے پر طعن تشیع اور تہمتیں لگانے میں مصروت رہتے جبکہ سیاستدان اقتدار اور حکومت کے مزے لیتے۔ علماء باہم تہمتیں لگانے میں مصروف رہتے۔ رہی بات عامۃ الناس کی تو وہ کبھی حاکم کی نصرت کی غرض سے اس کا آلہ کار بنتے اور کبھی اس کو حکومت سے گرانے کی غرض سے استعمال کیے جاتے یا پھر مذاہب کے آلہ کار بنتے اور امام کی پیروی کرتے اور دوسروں پر لعن طعن کرنے کی غرض سے ان کو استعمال کیا جاتا۔ لیکن آج دور حاضر میں بہت سے ایسے پہلو مٹ چکے ہیں۔ جن کو سیاست نے داخل کیا تھا اور امت پر یہ بات واضح وہ گئی ہے کہ جو جھگڑے اور اختلاف خلافت کی رہلت کے حوالے سے کہ قریشی مستحق ہیں یا ہاشمی یا عربی یا پھر جس کے حوالے سے وصیت کی جائے اس طرح امام معصوم ہے یا نہیں اس کو گرانا جائز نہیں چاہے وہ منحرف ہو چکا ہو یہ سارے وہ پہلو ہیں اور وہ مسائل ہیں جو کہ اصول سے تعلق نہیں بلکہ فروعات اور تفصیلات سے متعلق ہیں۔ لہٰذا یہ بات آج امتِ مسلمہ پر ثابت ہو چکی ہے کہ یہ تمام تر اختلافات تفصیلات میں ہیں فروعی نہیں جبکہ اصل میں کوئی اختلاف نہیں پوری امت اسلامیہ کے مذاہب کا اتفاق ہے۔ اسی طرح تجربات سے یہ بات بھی واضح ہوتی ہے کہ جو بھی خاص مذہب کے حامل افراد حکومت اقتدار تک پہنچے انہوں نے امور سلطنت میں جانب داری کا ہی مظاہرہ کیا ہے اور ان اصولوں کو ترک کیا تھا جن پر پوری امت کا اتفاق تھا۔ اپنے ہی مذہب کی ترویج اشاعت کرتے تھے اسی وجہ سے اس مذہب کے حامل لوگ امت اسلامیہ کی طرف دو حولوں سے دیکھتے تھے ایک وہ قسم جو ان کے ناصر اور حمایتی ہیں دوسرے وہ جو ان کے مخالفین ہیں۔ لہٰذا وہ اس وجہ سے وہ اپنے حمائیتیوں کو نوازتے۔ ان کے حقوق کے لیے دروازے کھلے رکھتے اور جو ان کے حمایتی نہ ہوتے ان پر زندگی تنگ کر دیتے ان کے حقوق سلب کرتے جس قدر ہو سکتا ان پر تنگی اور دشواری کے حالات پیدا کر دیتے تھے۔

جب ہم تیسرے محور اور دائرے کی طرف منتقل ہوتے ہیں جو اصولی فروعی اعتبار سے فقہی مسائل سے متعلق ہے تو ہمیں یہ نظر آتا ہے کہ تمام مسلمان اپنے مذہبی اختلاف کے باوجود اصول میں متفق ہیں جب بھی آپ کسی بھی عالم دین سے

مصادرِ شریعت کے بارے میں پوچھو گے تو وہ آپ کو فوراً جواب دے گا (کتاب، سنت) جب تو ان کی تفصیل میں جائے گا تو جدل جدال اختلاف جھگڑے اور ایک دوسرے پر تہمتوں کی بوچھاڑ پائے گا۔

اس مجمل سی گفتگو کے بعد جس بات پر اس موضوع کو ختم کرنا مناسب لگتا ہے وہ یہ کہ ہم جب یہ جان چکے ہیں کہ تمام مذاہب اسلامیہ اصول میں متفق ہیں تو ہم معاملات میں ان سب کو ایک ہی لیول پر شمار کریں۔ احکامات کو صادر کرنے میں کسی پر زبردستی سے گریز کریں یہ تمہارا حق نہیں کہ تم دوسروں کو بھی کسی فروعی مسئلہ کی طرف اسی نظر سے دیکھنے پر مجبور کرو۔ جس نظر سے تم دیکھتے ہو اور اگر وہ تمہاری نگاہ سے اس مسئلہ کو نہ دیکھیں تو تم ان پر اہل بدعت اور ضلالت، ہوا کے فتوے جاری کر دے اسی طرح تیرا یہ حق بھی نہیں کہ تو اپنی فہم کو لوگوں پر واجب کرے پھر وہ اُسی آپ کی فہم بصیرت کے تحت اپنی افکار اور بصیرت کہ دیکھیں اور ان پر تمہاری فہم کے مطابق حکم لگائیں۔ جو تجھ سے موافقت کرے اُسے تو اپنا سمجھتے ہوئے ساتھ ملالے اور جو تجھ سے موافقت نہ کرے اس پر فاسق اور کفر کے فتوے لگا دے خدا تعالیٰ سب کا الہٰ ہے اور تمام مسلمان عبادت میں اس کے یکساں بندے ہیں بس جو اس کی اطاعت فرمانبرداری اور تقویٰ میں سبقت لے جاتا ہے وہی اس کے تقرب کا اہل ہے یعنی فضیلت کی بنیاد تقویٰ پر ہے۔ خدا تعالیٰ کی بارگاہ میں تقرب کے درجات کسی خاص مذہب سے موافقت کے ساتھ خاص نہیں ہیں بلکہ افراد میں سے یہ عمل صالح پر مبنی ہیں اور صحتِ عقیدہ پر تاکہ کسی مذہب سے وابستگی سے فضیلت اور تقرب کا دارومدار صرف اور صرف تقویٰ اطاعت، فرمانبرداری پر ہے۔ ہم نے دیکھا ہے کہ تمام مسلمان اصولِ عقیدہ میں متفق ہیں رہی بات اس کے بعد کتاب، سنت کی نصوص کی رہم اور علمی احکامات کے استخراج کی بات تو اس حوالے سے خدا تعالیٰ نے اس امت سے رحمت کا ارادہ فرماتے ہوئے یہ کرم فرمایا کہ ان کو قابلِ تاویل چھوڑ دیا اگر وہ چاہتا تو ان نصوص میں ہر چیز کو محدود مخصوص کر دیتا جس میں تاویل اور مخالفت ممکن ہی نہ ہوتی۔

میرے خیال میں امت مسلمہ کے علماء معاصرین نگاہ انصاف سے اور تمام مسلمانوں کے مابین حقوق میں یکسانیت پر بنیاد رکھتے ہوئے دینی مذہبی حقارت اور تعصب کو دور کرلیں تو آج بھی ان سے وہ ماضی کے ایک دوسرے پر کفر فسق کے فتوے جو وہ مذہبی تعصب اور انتہا پسندی میں لگایا کرتے تھے ان کے حساب سے ساقط ہوسکتے ہیں اور اگر کوئی انتہا پسندی یا شدت کا فعل سرانجام دیتا ہے تو صرف اُسی کو ہی موردالزام ٹھہرایا جائے جس سے وہ شخص وابستہ ہے اور یہ بات اہم نہیں کہ وہ معتزلی، شعیہ، سنی، اباضی یا خارجی خود کو ظاہر کرائے بلکہ اہم بات تو اس کا عمل صالح ہے۔ لازمی بات یہ ہے کہ آج ہم ان تمام فرقوں کو ایک جیسا اور ایک درجے پر اعتبار کریں جن سے امتِ مسلمہ تشکیل پاتی ہے جن کے مجموعے کو ہم امتِ اسلامیہ کہتے ہیں۔ لہٰذا امت مسلمہ ان تمام افراد کا مجموعہ ہے جو اہل سنت، اہل تشیع، خوارج، معتزلہ اور اباضیوں کی طرف منسوب ہیں اور کوئی بھی شخص چاہے اس کی وابستگی کسی بھی اسلامی مذہب سے ہو وہ اسلام کے دائرے سے تب ہی نکلے گا جب اس نے اسلام کی اصل کا انکار کیا ہوگا اور ضروری ارکان میں سے کسی کا اعلانیہ طور پر انکار کیا ہو نہ کہ صرف اس پر الزام لگایا گیا ہو۔

اسی طرح زمانہ ماضی کے ان مذاہب کی طرف نظر دوڑانا جن کا آج وجود مٹ چکا ہے اتنا ضروری نہیں جیسا کہ ظاہر یہ معتزلہ خوارج وغیرہ بلکہ ان مذاہب اسلامیہ کی طرف نظر دوڑانا ضروری اور اہم ہے جو آج بھی موجود ہیں جب تک یہ مذاہب اصل پر متفق ہیں ضروری نہیں کہ ہم تفصیلات میں ان کے اختلافات کی طرف جائیں اور اس کو زیر بحث لائیں ان مذاہب اسلامیہ کے لیے بھی ضروری ہے کہ وہ خواہ مخواہ کے صرف مذہبی تعصب کی بنا پر اختلافات کو ترک کردیں اور ہر مذہب اور فرقے کو یہ حق دیں کہ وہ اپنی عقل، فہم بصیرت کو استعمال کریں اور وہ اپنے اجتہاد اور جدوجہد کے بعد جس نتیجے پر پہنچے اس کی ان کو پیروی کرنے کا پورا حق دیں۔

آج کے دور میں اہلِ سنت، اہلِ تشیع اور اباضیوں کے مابین رشتہ اخوت، بھائی چارہ موجود ہے جس کو خدا تعالیٰ نے مقرر فرمایا ہے یہ سب ایک دوسرے سے اسی بنیاد پر باہمی تعاون تعامل کریں اس بنیاد پر کہ وہ عقائد اصول اور سیاست میں مشترک ہیں۔ اگر ان کا تفصیلات اور فروعات میں اختلاف موجود بھی ہے تو یہ اتنی بڑی بات نہیں جب تک وہ اصول پر متفق ہیں اور ماضی کی طرح ہر فریق دوسرے پر طعن تشنیع نہ کرلے سب کو اپنا اسلامی بھائی سمجھیں اور فروعات میں اختلاف کا ہر ایک دوسرے کو حق دے کیونکہ ہم سب نے خدا تعالیٰ کی جناب میں حاضر ہونا اور اس سے ملاقات کرنی ہے۔

اجماع کے حوالے سے تصورات

لوگوں کے ذہنوں میں یہ بات بھی جان نشین ہو چکی ہے کہ جب اجماع کا لفظ بولا جاتا ہے تو اس سے مراد کسی معین مذہب یا فرقے کا اجماع ہوتا ہے یعنی جب اہلِ تشیع میں سے کوئی یہ کہتا ہے کہ اس پر مسلمانوں کا اجماع ہے تو اس سے اس کی مراد اہلِ تشیع علماء کا اجماع ہوتا ہے اسی طرح اگر کوئی سنی یہ بات کہے تو اس کی مراد مذاہب اربعہ ہوتے ہیں۔ اباضی اور ظاہری اس سے مراد نہیں ہوتے اسی طرح ان کے علاوہ دیگر مذاہب کے افراد حالانکہ یہ مفہوم قطعی طور پر غلط ہے اس کا ازالہ کرنا ضروری ہے۔ اجماع اس وقت تک حجت نہیں بن سکتا جب تک وہ تمام مذاہبِ اسلامیہ کے مجتہدین کی جانب سے نہ ہو اگر اس حوالے سے مزید تفصیل چاہیے تو کتب فقہ میں مقالہ جات موجود ہیں ان کا مطالعہ کریں۔

ہم اپنے سابقہ تمام مذاہب سے متعلق آئمۃ، علماء سے ان کی دین اسلام اور شریعت اسلامیہ کے لیے عظیم خدمات کو عزت احترام کی نگاہ سے دیکھتے ہوئے ان کی خدمت میں نہایت ہی احترام سے کہنا چاہیں گے کہ بعض مفاہیم، تصورات کو تبدیل کرنا بہت ضروری ہے یا پھر بعض موقف اور نظریات میں نظر ثانی کی ضرورت ہے انہی مفاہیم، تصورات میں سے بعض اجماع سے متعلق ہیں۔ اجماع کے موضوع پر بہت طویل مناقشے بحثیں اور تجزیے جدل، جدال موجود ہیں اس موضوع سے متعلق تمام ابحاث کو ہر پہلو سے لیا گیا ہے آج امتِ اسلامیہ کے تمام لوگوں کے ذہنوں میں یہ بات گھر کر چکی ہے کہ اسلام کے تشریعی مصادر میں سے اجماع تیسرا تشریعی مصدر ہے اس سے پہلے کہ اس حوالے سے جن پہلوؤں کا میں جائزہ لینا چاہتا ہوں پیش کروں کچھ درج ذیل بحث آپ کے گوش گزار کرنا چاہتا ہوں۔

استاد عبدالوہاب خلاف اپنی کتاب (علم اصول الفقه) کے صفحہ ۴۶ پر درج ذیل کہتے ہیں:

(اجماع یہ ہے کہ اس زمانے کے تمام مسلمانوں کے مجتہدین کسی حکم شرعی پر متفق ہو گئے ہوں اگر صرف حرمین شرفین کے مجتہدین متفق ہوئے ہوں یا عراقی مجتہدین یا حجاز کے مجتہدین یا آلِ بیت اہلِ سنت کے مجتہدین شعیوں کے بغیر تو یہ شرعی لحاظ سے اجماع نہیں ہو سکتا اس کو اجماع نہیں کہا جائے گا۔)

امام السالمی اپنی قیمتی کتاب (طلعة الشمس) کے دوسرے جز صفحہ ۶۵ پر کہتے ہیں:

(تمام اصولیین، فقہاء اور عام مسلمانوں کے نزدیک اجماع کی تعریف یہ ہے کہ وہ اجماع شرعی ہو گا جس پر زمانے کے تمام امتِ اسلامیہ کے علماء کا اتفاق ہوا ہو۔)

پھر کچھ سطروں کے بعد کہتے ہیں:

تب اجماع کی دو اقسام ہوں گی،

قولی

جس پر ان کے اقوال اور افعال کا اتفاق ہو گیا ہو

سکوتی

جو بعض کا قول ہو اور کسی مسئلہ پر بعض نے عمل کیا ہو لیکن دیگر علماء امت نے خاموشی اختیار کی ہو اس وقت خاموشی اختیار کی ہو جب اس کی خبر ان کے مابین پھیل چکی ہو اور اس سے انکار کرنے کی قدرت بھی ہے

دونوں قسموں میں سے ہر ایک کے لیے ایک خاص حکم ہے جو دوسرے کے متناقض ہے۔

اجماع قولی کا حکم یہ ہے کہ اس کی حجیت قطعی ہے جو اس کے خلاف ورزی کرے گا جمہور کے نزدیک فاسق ہے۔)

کچھ سطروں کے بعد فرماتے ہیں:

(رافضہ اور بعض خوارج نے نظام کی خلاف ورزی کرتے ہوئے یہ کہا ہے کہ یہ اجماع حجت نہیں ہے۔)

پھر کچھ سطروں کے بعد کہتے ہیں:

(جمہور کے نزدیک جب اپنی پوری شرائط کے ساتھ اجماع واقع ہو جاتا ہے تو اس کی حجیت قطعی ہو جاتی ہے کتاب، سنت اور اجماع سے استدلال کیا جاسکتا ہے۔)

صفحہ ۲۷ پر کہتے ہیں:

(رہی بات اجماع سکوتی کی تو اس کی حجیت ظنی ہے اس پر عمل کرنا واجب ہے علم کا فائدہ نہیں دیتی جیسا کہ خبرِ عدل ہے جس نے سکوتی اجماع کی مخالفت کی اس پر حکم صحیح کے تحت فسق کا حکم نہی لگایا جاسکتا جیسا کہ جس نے خبر آحاد کی مخالفت کی اس پر فاسق کا حکم نہیں لگایا جاتا کیونکہ فسق صرف دلیل قطعی کی مخالفت سے ثابت ہوتا ہے۔)

امام الشوکانی نے اپنی کتاب (ارشاد الفحول) کے صفحہ ۶۳ پر درج ذیل کہا ہے:

(اجماع سے مراد نبی اکرم ﷺ کے وصال مبارک کے بعد کسی بھی زمانے میں کسی معاملے اور مسلئے میں امتِ محمدیہ ﷺ کے علماء کا اتفاق ہوا ہو۔

اجماع کے حوالے سے اس کے ہر پہلو سے متعلق ایک طویل جائزے اور مناقشے کے بعد ان میں سے ذیل میں چند ٹکڑے پیش کرنا چاہتا ہوں۔

(کیا ایسا مبتدع عالم جس کی بدعت اس کی تکفیر کو ثابت کرتی ہو اجماع میں معتبر سمجھا جائے گا؟ جواب دیا گیا نہیں ہر گز معتبر نہیں سمجھا جائے گا۔ امام الذرکشی نے کہا ہے بغیر کسی اختلاف کے امتِ مشہود میں اس کو داخل نہیں کیا جائے گا اگر وہ نہیں جانتا تو یہ بھی کفر ہی ہے۔ الصفی ہندی نے کہا ہے کہ اس کے اعتقاد کی بنا پر اجماع میں اس سے استدلال کیا جائے گا کیونکہ اگر اس پر کفر کا فتویٰ کسی نے لگایا ہے تو کوئی مسئلہ نہیں کیونکہ ہمارے لیے تو اس کا کفر ثابت نہیں ہے۔ اجماع میں اس کو استدلال کو شامل کیا جائے گا۔ اس کے کفر کا اثبات ہمارے اجماع سے ثابت ہو بھی جائے تو یہ اجماع کوئی حجیت کی حیثیت نہی رکھتا۔ اجماع میں اربابِ بست، کشاء کے قول کو معتبر سمجھا جائے گا۔ الھندی نے کہا ہے کہ یہ درست ہے) یعنی اس کے استدلال کو اجماع میں شامل کرنا درست ہے چاہے اس کے کفریہ اعتقاد پر فرقوں کا اجماع بھی ہو چکا ہو کیونکہ اس کی کوئی حیثیت نہیں۔

استاد ابو منصور نے کہا ہے:

(اہل سنت نے کہا ہے کہ اجماع میں قدریہ رافضیہ اور خوارج کے اتفاق اور موافقت کو معتبر نہیں سمجھا جائے گا۔) اسی طرح اشہب نے امام مالک سے روایت کیا ہے۔

ابو بکر الصیرفی نے کہا ہے:

(اجماع میں سے کوئی بھی اہل علم خارج نہیں ہو سکتا چاہے انہوں نے اختلاف میں بعض بدعات کا ہی ارتکاب کیوں نہ کیا ہو۔ جیسا کہ جس نے تقدیر کے بارے میں آراء میں اختلاف کیا ہو یا مرجئہ کے ساتھ دیگر کوفہ اور بصرہ کی فقہی آراء میں اختلاف وغیرہ۔)

ابن قطان نے کہا ہے:

(ہمارے نزدیک اجماع وہ ہے جو اجماع اہل علم کا ہو رہی بات اہل بدعت، ہوا کی تو ان کی ہمارے نزدیک اجماع میں کوئی جگہ نہیں ہے۔)

(ہمارے اصحاب نے خوارج سے متعلق کہا ہے کہ اختلاف اور اجماع میں خوارج کی کوئی جگہ نہیں ہے۔)

اسی طرح احناف میں سے رازی اور حنابلہ میں سے قاضی ابو العلی نے یہ رائے اختیار کی ہے کہ اہل بدعت کے اختلاف پر نظر نہیں رکھی جائے گی ان کی رائے بھی اجماع میں لی جائے گی۔

(اسی طرح اہل بدعت مجتہد کی رائے پر اجماع واقع نہیں ہو گا یعنی اجماع میں نہ تو اس کی مخالفت اور رائے کو خاطر میں لایا جائے گا اور نہ ہی اس کی رائے کی تقلید اور پیروی کی جائے گی ایسے ہی امدی نے بیان کیا ہے اور دیگر متاخرین نے اس کی پیروی کی ہے۔)

قاضی ابو بکر اور استاد ابو اسحاق نے کہا ہے اس کے اختلاف کو شمار نہیں کیا جائے گا بر خلاف اس شخص کے جس نے قیاس کا انکار کیا ہو ابو اسحاق نے اس کو جمہور کی طرف منسوب کیا ہے۔ امام نوری نے کہا ہے کسی غیر ثقہ وہمی کی مخالفت اس اجماع کو گدلہ نہیں کر سکتی جس پر محققین کی اکثریت اتفاق کر چکی ہو۔

صاحب (المفھم) نے کہا ہے کہ جلیل القدر فقہاء اور اصولیوں کے نزدیک اہل بدعت کے اختلاف کو ایک طرف رکھتے ہوئے ان کی آراء کو بھی اجماع میں شمار کیا جائے گا کیونکہ وہ عام عوام میں سے دیگر لوگوں کی طرح ہی ہیں جس نے ان کے اختلاف کو سامنے رکھا اور ان کو اجماع میں شامل نہ کیا تو گویا اس نے اجماع کے انعقاد میں ایسا مذہب اپنایا جس میں عوام کی مخالفت کی گئی ہو اور اس کے اختلافی حق کی مخالفت کی۔

الجوینی نے کہا ہے:

(محققین ظاہریوں کے اختلاف کو خاطر میں نہیں لاتے نہ ہی اس کو وزنی سمجھتے ہیں۔)

مالک نے کہا ہے:

(جب اہل مدینہ کا اجماع ہو گیا تو ان کے غیروں کے اختلاف کو شمار نہیں کیا جائے گا۔)

زیدیوں امامیوں نے کہا ہے (عترت) یعنی آلِ رسول ﷺ جو کہ اولاد فاطمہ ؓ ہیں ان کا اجماع بھی حجت ہے۔

میں نے آپ کے لیے اس حوالے سے امام الشوکانی کا تجزیہ اور مناقشہ نقل کیا ہے جو کہ دیگر علماء کرام کے تجزیوں اور مباحث کے مقابلے میں مختصر ہے وہ طویل مباحث جو اجماع کے موضوع سے متعلق کتب اصول میں موجود ہیں یہ مناقشہ اور بحث ان سب سے مختصر تھی۔

آپ کو سابقہ ساری گفتگو سے اندازہ ہو گیا ہو گا کہ اجماع کی تعریف کس طرح ایک عام کامل تعریف سے سختی اور تنگی پر مبنی پہلوؤں کی طرف لپٹتی چلی گئی۔ مختلف استدلالات کیے جاتے رہے جو کہ مذہبی پوشیدہ تعصب کے سبب تھے جن کو خاص مذہبی انفرادی فکر کے ماتحت رہتے ہوئے بیان کیا جا رہا تھا۔

اگرچہ اس میں کوئی شک نہیں کہ امام شوکانی نے بھی امت اسلامیہ کے مخصوص طبقوں سے متعلق رکھنے والے علماء سے ہی نقل کیا جو ایک جانب سے جانب داری کی ترجمانی ہی کرتے ہیں۔ اگر ہمیں کسی اور موکف کے کلام کو نقل کرنے کا موقع میسر آئے تو وہ بھی امام شوکانی کے نقل کردہ کلام کے مثل ہی ہو گا لیکن طریقہ اس سے برعکس ہو گا یعنی اگرچہ اس دوسرے موکف کا طرقہ امام شوکانی سے مختلف ہو گا لیکن بیان وہ بھی یہی کرے گا جو امام شوکانی نے بیان کیا ہے۔

لہٰذا امام شوکانی کے بیان پر ہی اکتفا کرتے ہوئے اگر آپ دیکھیں تو پتہ چلتا ہے کہ اجماع کو تعریف عموم اور وسعت سے شروع ہوئی لیکن سطحی اور تنگ نظری پر آکر ٹھہری جس کو مذہبیت نے تنازع بنالیا اگر تم سابقہ تمام اقوال کو معتبر سمجھ لو تو تم اجماع سے ظاہریہ اور حنابلہ کو اس بات پر نکال دو گے۔ کیونکہ وہ قیاس کے بارے میں نہیں کہتے اسی طرح معتزلہ اور شعیوں کو پھر خوارج کو یہاں تک کے فقہاء اور اصولیوں کو جب تم اجماع کے دارئے سے نکال دو گے تو امتِ اسلامیہ میں سے باقی کیا بچے گا؟ کیا اجماع کا معنی باقی بچے گا جب یہ رائے لے لی جائے کہ عترت کا اجماع بھی حجت ہے؟ یا جو یہ کہتا ہے کہ حرمین شریفین والوں کا اجماع حجت ہے یا پھر اس کی رائے لے لی جائے جو یہ کہتا ہے کہ اہل مدینہ کے اجماع کو اجماع مانا جائے گا اور ان کے مخالفین کے اختلاف کو خاطر میں نہیں لایا جائے گا۔

امت اسلامیہ کی اجماع کے حوالے سے صورت جو بڑی عمدہ اور عام تھی مذہبی تعصب کے پیش نظر سکڑتے سکڑتے اس حد تک پہنچ گئی کہ وہ اب ایک شہر کے اجماع پر موقوف ہو گئی اسی طرح یہ کلمہ استعمال کرنا (اہل ہوا، اہل بدعت) تو یہ ایک ایسی تہمت ہے جس کا باہمی تبادلہ ہوتا ہے اہل سنت معتزلہ پر لگاتے ہیں معتزلہ اہل سنت پر اطلاق کرتے ہیں وہ دونوں اہل تشیع کو کہتے ہیں اور اہل تشیع یہ تہمت ان دونوں پر لگاتے ہیں اسی طرح وہ سب خوارج پر اہل بدعت کی تہمت لگاتے ہیں اور خوارج ان تمام پر لگاتے ہیں۔ لہٰذا اس اعتبار سے تو ان تمام کو اجماع میں شمار اور معتبر نہیں سمجھا جائے گا کیونکہ ان میں سے ہر ایک دوسرے کی نظر میں اہل ہوا، بدعت ہے۔

اہل ہوا، بدعت ایک ایسی خطرناک تہمت ہے جو مذاہب کے افراد باہم ایک دوسرے پر اس طرح لگاتے رہے اور ان کلمات کی اس طرح ایک دوسرے بچھاڑ کرتے رہے جیسے کوئی دو ٹیمیں سپورٹس میں ربڑ کی گیند سے کھیل رہی ہوں جو ایک ٹیم کے کھلاڑی کی ٹانگ سے ابھی تک نہی لگتی ساتھ ہی وہ اس کو دوسری ٹیم کے کسی کھلاڑی کی ٹانگ کی طرف پھینک دیتا ہے وہ کسی ایک گول کی طرف اڑتی ہوئی جاتی ہے تو پہنچنے سے پہلے ہی اس کو واپس مخالف ٹیم کی طرف پھینک دیا جاتا ہے یعنی ہر مذہب کے افراد بھی یہ تہمتیں اس ربڑ کی بال کی طرح ایک دوسرے پر پھینکتے نظر آتے ہیں بس باہمی تہمتوں کا تبادلہ ہوتا رہا ہے آج کے دور میں ہمارے لیے ضروری ہے کہ ہم ان رویوں اور عادات کو بدلیں ان تعصب پر مبنی تصورات اور شدت پسندی کے مفاہیم کا اپنے ذہنوں سے ازالہ کریں اور ان سطحی مذہبی فروعی اختلاف سے نکل کر تمام مسلمانوں میں وحدت پیدا کرنے کے لیے اپنا اپنا کردار ادا کریں تاکہ ہم امتِ مسلمہ میں وحدت پیدا کر سکیں اور ہم سب متحد ہو کر ایک صف میں کھڑے ہو جائیں اور مل کر درپیش چیلنجوں کا مقابلہ کریں اور اغیار کی جانب سے اٹھنے والے اعتراض کے جوابات امتِ مسلمہ کی وحدت اور اسلام کی عظمت، بلندی کے لیے متحد ہو کر ذاتی اختلافات کے دائرے سے نکل کر اجتماعی منفعت کو ترجیح دیں یا کسی کے پاس حق نہیں کہ وہ میدان میں اکیلا کھڑا ہو یا کسی مذہبی شعار کا حامل ہو دوسرے فرقے پر اسلام کے وسیع میدان سے نکل جانے کے فتوے لگائے یا اس کو امتِ مسلمہ کے کسی بھی عمل میں شریک ہونے سے محروم کر لے کوئی فرقہ یہ نہیں کہہ سکتا کہ وہ اپنے تمام تر شعار کے ساتھ کامل ہے اور پوری امتِ مسلمہ کی ترجمانی کرتا ہے بلکہ عمارت کے لیے اینٹیں ہوتی ہیں جب تعمیر کرنا چاہیں تو ہر ایک کی اپنی اہمیت کے باوجود جب تک تمام کو جمع نہیں کیا جائے گا عمارت مکمل نہیں

ہو سکتی ہر اسلامی فرقے کی اسلام کے لیے گراں قدر خدمات ہیں جن کو ہم پسند کریں یا نہ کریں اعتراف کریں یا نہ کریں چاہے ہم ان سے موافقت رکھیں یا نہ رکھیں یہ ماننا پڑے گا کہ ہر فرقے کی اسلام کے لیے عظیم خدمات ہیں۔

کسی بھی فرقے کو یہ حق حاصل نہیں کہ وہ خود کو اسلام کی مثلِ اعلیٰ قرار دیتے ہوئے دیگر مذاہب اسلامیہ پر کفر بدعت اور فاسق ہونے کے فتوے لگاتے پھریں کوئی بھی مسلمان خواہ وہ جس بھی مذہب سے تعلق رکھتا ہو دین اسلام کے لیے خوارج کی جلی خدمات کا انکار نہیں کر سکتا انہوں نے مسلمانوں کو غفلت کی نیند سے بیدار کیا جب وہ ظالم حکمرانوں سے انحراف کرنے سے خاموشی اختیار کر چکے تھے انہوں نے مسلمانوں پر زبان اور تلوار کے ذریعے حجت قائم کی اور ایسی مثالیں قائم کی جو قابل ستائش ہیں اور خلافت راشدہ کے دور کی ترجمان ہیں اور خاص طور پر انہوں نے اپنی خدمات تب پیش کی جب خلافت اسلامیہ پر بادشاہی نظام مسلط کیا گیا اور اس سے شورائی نظام نکال کر اس کی جگہ ظالمانہ نظام کو رائج کیا۔

اسی طرح کوئی مسلمان خواہ جس بھی مذہب سے وابستہ ہو اس کا انکار نہیں کر سکتا کہ اہلِ تشیع نے اسلام کے لیے بڑی روشن اور عظیم خدمات پیش کی ہیں انہوں نے آل بیت کے حق کو اپنی زندگی اور حکومتی نظام میں گراں قدر جدوجہد کے بعد ثابت کروایا اگر اہل تشیع نہ ہوتے تو بنو امیہ کے جابر ظالم ہمیشہ بنو ہاشم پر ظلم ستم ڈھاتے رہتے اسی طرح اگر یہ نہ ہوتے جدوجہد اور قربانیاں نہ دیتے تو نفوس کے اندر سے خاندانی حسد بغض کبھی ختم نہ ہوتا انہوں نے بغض حسد اور خاندانی بادشاہت کے وجود کو نفوس کے اندر سے ایسے مٹایا گویا کبھی ان رذائل کا وجود تھا ہی نہیں۔ لہٰذا اہلِ تشیع کی بھی گراں قدر خدمات ہیں۔

اگر معتزلہ نہ ہوتے تو قدیم فلسفہ اپنے جدل، جدال اور جھگڑے کے باعث اپنی چالاکی سے مسلمانوں کو ان کے عقیدے سے ہی منحرف کر دیتا یہاں تک کہ ان میں سے اکثریت کو دائرہ اسلام سے ہی نکال دیتا۔

اگر اباضی نہ ہوتے تو حلقہ اعتدال اور توسط نہ ہوتا ہر کوئی ایک انتہا پر ہوتا تمام مذاہب اور فرقوں کے مابین کوئی ترابط پیدا نہ ہوتا اسی طرح مذاہب کے مابین وہ دوریاں جو عقائد کے حوالے سے ہوں یا حکومت سیاست سے متعلق اختلافات کی بنا پر ہوں ان کو کم کر کے ان کے مابین قربت پیدا نہ ہوتی۔

اگر اہل سنت نہ ہوتے جنہوں نے اموی سلطنت کی اس وقت مدد کی جب اس نے ایسی ثقافت کو قائم کیا جس کو عربوں نے اسلام کی بنیادوں پر استوار کیا تھا جس ثقافت نے اس دور میں عالمی ثقافتوں اور تہذیبوں کا بدرجہ اتم مقابلہ کیا پھر اس نے عباسی سلطنت کے زمانے میں مزید ترقی کی یہاں تک کہ عالمی تہذیبوں اور ثقافتوں کی لگام کو تھام کر ان کی رہنمائی کرنے لگی تاریخ میں اپنے ایسے ثقافتی نقوش اور آثار چھوڑے جن کو تاریخ نے محفوظ کیا اور آنے والی نسلوں نے اس کو اپنے لیے قابلِ فخر نمونہ بنایا۔

اگر ظاہری اور حنابلہ نہ ہوتے جنہوں نے نصوص کو تھاما ان پر اعتماد کیا اور عقل پر بھروسہ کیے بغیر ان نصوص سے استدلال کیا تو نصوصِ اسلامیہ سنت اور آثار کی آج خدمت اس علمی درجے پر تکمیل کو نہ پہنچتی جس پر آج ہم فخر کرتے ہیں

اور عزت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں اور انسانی سکالروں کے سامنے علمی تحقیقی نمونے کے طور پر پیش کرتے ہیں۔ اگر عراق کے فقہاء کرام کی عقلی اور منطقی ابحاث کا وجود ہوتا اور اس حوالے سے ان نصوص اور آثار پر اعتماد نہ کیا ہوتا تو آج بھی فقہ اسلامی پستی پسماندگی اور جمود کے بوجھ تلے باقی ہوتی یہ وہ راستہ ہے جس پر تمام مذاہب اسلامیہ اپنے اپنے مخصوص شعار کے ساتھ اپنے اپنے میدان اور مضمون کے ماہر قطاروں میں کھڑے ہیں جن سے ایک سواد اعظم وجود پاتا ہے جو امتِ اسلامیہ کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے بس یہی امت جس کے تمام فرقے اپنے اپنے مخصوص شعار کے وجود اور شناخت کے باوجود متفق ہوتے ہیں تو اس کو اجماع کہتے ہیں اور کتاب، سنت کے بعد اس اجماع کو مصادر تشریعی میں تیسرا درجہ حاصل ہے اس اجماع کو اجماع نہیں کہا جاسکتا اگر موجودہ فرقوں میں سے کسی ایک فرقے کے عالم نے اختلاف کر دیا تو وہ اجماع کامل سمجھا جائے گا اگر کوئی ایسے فرقے تھے جو اس زمانے میں مٹ چکے تھے جس میں کوئی مسئلہ یا واقع در پیش ہوا ہے تو ان کو اجماع میں نہیں لیا جائے گا صرف اسی زمانے میں موجود فرقوں سے اجماع کا مطالبہ کیا جاتا ہے پھر جس پر وہ تمام متفق ہو گئے اُسی کو معتبر سمجھا جائے گا۔

اس ساری معروضات کو پیش کرنے کے بعد اب میں اجماع کے حوالے سے درج ذیل ان زاویوں کو پیش کرنا چاہتا ہوں جن کو ملحوظ خاطر رکھ کر اجماع سے متعلق سوچنا چاہیے۔

ا۔ جس اجماع کے حوالے سے ہم بحث کر رہے ہیں جس کو کسی در پیش مسئلہ کے حل کے لیے اس وقت بطور دلیل بنایا جائے جب اس مسئلہ کا حل نص سے ملے اور نہ ہی نص سے ثابت ہو لیکن اگر اجماع کسی ایسے حکم پر ہو جو نص سے ثابت شدہ ہو تو یہ اجماع مناقشے اور بحث کے لیے پیش نہیں کیا جائے گا کیونکہ اس نے نص کی دلالت سے قطعیت کا درجہ حاصل کر لیا ہے۔

۲۔ ماضی میں اجماع

زمانہ ماضی میں جتنے بھی اجماع ہوئے قطع نظر اس کے کہ وہ نص سے ثابت تھے یا نہیں لیکن وہ سکوتی اجماع تھے جن کی حجیت ظنی ہے۔ چاہے وہ عہد صحابہ کرام ﷺ میں یا پھر بعد کے زمانوں میں سے کسی زمانے میں ہوئے ہوں۔

رہی بات اس قولی اجماع کی جو عہد صحابہ ﷺ میں علماء صحابہ ﷺ کے عدم تفرقہ کی بنا پر ہوا۔ خاص طور پر حضرت ابو بکر صدیق ﷺ اور حضرت عمر فاروق ﷺ کے عہد میں اس کو عہد صحابہ ﷺ کے بعد تسلیم کرنا امر صعب ہے اس لیے صحابہ کرام ﷺ کے عہد کے بعد سے ماضی میں جتنے بھی اجماع ہوئے چاہے وہ عام عبارت سے ہوئے جیسا کہ ان کا قول (اس اجماع میں وہ تمام جمع ہو گئے ہیں جو بھی اس میں جمع ہونے کے اہل شمار ہوتے تھے)۔ اس طرح کے اجماع کی قسم کو اگر ثابت ہو جائے تو سوائے صحابہ ﷺ کے قولی اجماع کے ہم افراد کی نسبت احکام شریعت میں ظنی حجت ہی مانتے ہیں اگر فرقوں میں سے کسی فرقے پر فسق فجور بدعت کے حوالے سے فتوے جاری ہوئے اور یہ کہا گیا کہ اس پر تمام مذاہب اور فرقوں کا اجماع ہے کہ

فلاں فرقہ اہل بدعت ہے یا فاسق ہے تو اس اجماع کی حجیت کی مطلق قوت نہیں ہے اس کی کوئی حیثیت نہیں مانی جائے گی یہ وہ بات ہے جس کی طرف الصفی ہندی نے اشارہ کیا تھا کیونکہ عہد صحابہ کرام ؓ کے بعد آراء اور مذاہب کے پھیل جانے کے ساتھ ساتھ سیاسی سرگرمیاں اسی طرح فارس اندلس کے مابین مواصلات کی باقاعدہ سہولت نہ ہونے کی بنا پر تمام مسلمانوں کا کسی حکم یا مسئلہ پر اجماع ہونا امر مستحیل ہے اور کسی فرقے کا دوسرے فرقوں پر کفر کے فتوے اور اہل بدعت جیسے احکامات جارے کرنا اس کو تو کبھی بھی اجماع اعتبار نہیں کیا جائے گا۔

۳۔ حال، مستقبل میں اجماع

آج کے اس ترقی یافتہ دور اور میڈیا کے وجود کو مد نظر رکھتے ہوئے جس نے آج پوری دنیا کو ایک گاؤں بنا دیا ہے اور معلومات کا تبادلہ مواصلات کے ذرائع اس قدر ترقی کر گئے ہیں ہم یہ یقین رکھتے ہیں کہ آج دور حاضر میں صریح اجماع ممکن ہے اور اس کے حوالے سے علم ہونا اور جان کاری ہونا بھی ممکن ہو چکا ہے خاص طور پر وہ ممالک جو غیر اسلامی ہیں اور وہاں اہل علم مسلمان آباد ہیں اگر ضرورت پڑے تو ان سب سے رابطہ کرنا اطراف عالم میں جہاں بھی رہتے ہیں ممکن ہے تمام اہل اسلام کے علماء کو اطراف عالم سے اکٹھا کیا جا سکتا ہے ان سے روابط قائم کیے جا سکتے ہیں اور ان کے سامنے درپیش مسئلہ پیش کیا جا سکتا ہے اور اس کے حوالے سے ان کا نقطہ نظر حاصل کیا جا سکتا ہے اگر اس طرح کی تحریک واقع ہو جائے تو یہ کام سالوں کی بجائے مہینوں میں ممکن ہے یہ حکم تب تک اجماع کے مرتبے تک نہیں پہنچ سکتا جب تک علماء عصر اپنے مذہبی اختلافات کے باوجود اس پر جمع نہیں ہو جاتے پھر اجماع سے متعلق بقیہ شروط بھی پوری کر دی جائیں گی تو اس وقت وہ حکم اجماع کے رتبے پر پہنچ جائے گا ہم اس کو اجماع امت تسلیم کر لیں گے جو اس زمانے کے متعلق کہا گیا ہے وہی آنے والے زمانے کے بارے میں بھی کہا جائے گا یعنی جو معروضات ہم نے آج کے زمانے سے متعلق اجماع کے حوالے سے گوش گزار کی ہیں وہی زمانہ مستقبل کے لیے بھی ہیں کیونکہ آنے والا زمانہ تو اس سے بھی زیادہ ہر حوالے سے ترقی والا ہو گا۔ اس میں اطراف عالم سے روابط اور زیادہ تیز ہو جائیں گے معلومات کا تبادلہ بہت تیزی سے کیا جائے گا۔ لہٰذا اس زمانے میں اجماع امتِ آج کے زمانے سے بھی کہیں زیادہ آسان ہو گا۔ اس بنا پر میں یہ کہتا ہوں اگر بعض ممالک میں کسی مسئلہ سے متعلق اتفاق ہوتا ہے یا بعض فرقوں کا باہمی اتفاق ہو جاتا ہے وہ اکثریت سے ہی کیوں نہ ہو اگر کسی ایک مذہب یا فرقے کے عالم نے اختلاف کر دیا تو یہ اتفاق اجماع نہیں ہو گا اس پر اجماع کا اطلاق نہیں کیا جا سکتا اور اگر یہ اتفاق کسی فقہی مسئلہ پر ہوا تو اس کی حجیت ظنی ہو گی اور اگر کسی فرقے کے خلاف اتفاق ہو گا تو پھر اس کا اعتبار نہیں کیا جائے گا اس کو معتبر نہیں سمجھا جائے گا۔ اسی طرح یہ کسی فرقے کا حق نہیں کہ وہ کسی دوسرے فرقے پر احکامات جاری کرے اور پھر کہے کہ اس پر اجماع ہے اسی طرح کسی شخص یا فرقے کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ کسی مجتہد کو اجماع میں استدلال کے حوالے سے اس کی شمولیت کو روکے اور اس کے استدلال کو اجماع میں سے نکال دے اور اس کو اجماع کے دائرے میں شمار ہی نہ کرے اس فصل کا اختتام اس بات پر کرنا مناسب ہو گا کہ تمام مسلمانوں کے ذہنوں سے یہ مفاہیم اور تصورات زائل کرنے کی ضرورت ہے کہ

وہ ان احکامات کو اجماع کا نام دیں یا یہ کہیں کہ اس پر مسلمانوں کا اجماع ہے جو خاص جہات اور پہلوؤں پر یا بعض فرقوں اور افراد پر کفر فسق اور بدعتی ہونے کے احکامات جاری کیے ہوں اور پھر کہیں کہ اس پر مسلمانوں کا اجماع ہے۔ اس تصور کو زائل کرنے کی ضرورت ہے۔ اس طرح کے احکامات پر بعض فرقوں کا متفق ہونا اجماع نہیں کہلائے گا اور نہ ہی اس کی کوئی حیثیت تسلیم کی جائے گی کسی بھی اجماع کا دعویٰ کیا جائے تو اس کو مصادر شریعت میں تیسرا شریعی مصدر ہونے کا درجہ اس وقت تک نہیں دیا جا سکتا جب تک اس پر تمام مسلمانوں کا باوجود مذہبی اختلاف کے اتفاق نہ ہوا ہو اور وہ کسی نص کا مصداق نہ ہو اور اس طرح کے اجماع سے نکلنا کفر، فسق بھی نہیں ہے۔

کچھ موٴرخین نے ایسے واقعات بھی درج کیے ہیں جن کو افراد کے ساتھ مربوط کرنے میں اخطاء کی درستگی بھی ضروری ہے۔

مثلاً موٴرخین نے لکھا ہے کہ محکِّمۃ وہ لوگ ہیں جن کو امیر المؤمنین حضرت علیؑ نے (نھروان) کے مقام پر قتل کیا وہ اصل خوارج ہیں یہ مفہوم خطاء پر مبنی ہے کیونکہ محکِّمۃ نھر میں تمام کے تمام قتل کر دیے گئے صرف نو افراد ان میں سے باقی بچے تھے پھر اموی حکومت کے خلاف بہت سارے گروہوں قبائل افراد اور جماعتوں نے بغاوت کر دی تھی یہاں تک کے خوارج کا ظہور ۶۴ ہجری میں نافع بن ازرق کے قیادت میں ابن زیاد کی ولایت کے آخری ایام میں ہوا جبکہ نھروان کا معرکۃ صحابہ کرامؓ کے درمیان ایک فتنہ تھا جو امام علیؑ اور محکِّمۃ کے مابین واقع ہوا۔

رہی خروج کی بات تو اس کی دو قسمیں ہیں:

۱۔ خروج سیاسی　　　　۲۔ خروج سیاسی دینی

خروج سیاسی

خروج سیاسی وہ ہے جیسا کہ امام حسین، ابن زبیر، بلال، مختار اور سلیمان بن جرد وغیرہ نے کیا۔

خروج سیاسی دینی

جس کی ابتداء نافع بن ازرق نے کی پھر اس کے بعد خوارج چلے اگر اس حوالے سے مزید وضاحت چاہتے ہیں تو آنے والی فصل کا مطالعہ کرو۔

فتنہ اور خروج کے مابین فرق

فتنہ لفظ کے حوالے سے لوگوں کی آرا میں اختلاف پایا جاتا ہے س کے سبب سے بہت سے جھگڑے اور قتال بھی ہوئے ابتداء اسلام میں صحابہ ﷺ کرام کے مابین ایسے اختلافات پیدا ہوئے جو جھگڑے اور قتال کی طرف لے گئے ان کو فتنوں کا نام دیا گیا۔ ذیل میں ہم ان کا ممکن حد تک احاطہ کرتے ہیں:

- فتنہ دار
- فتنہ جمل
- فتنہ صفین
- فتنہ نھروان

صحابہ کرام ﷺ کے مابین سب سے پہلا فتنہ فتنہ دار تھا جو کہ حضرت عثمان غنی ﷺ کے خلافت کے آخری سالوں میں رونما ہوا بعض لوگوں نے سلوک، تصوف کی بعض انواع کو مد نظر رکھتے ہوئے آپ ﷺ پر تنقید کی اور یہ اعتقاد کیا کہ ان کے لیے ایسا کرنا مناسب نہیں ہے جب لوگوں کی تنقید آپ ﷺ تک پہنچی تو بعض پر معذرت اور توبہ کی بعض کا جواب دیا کہ امام ہونے کی حیثیت سے ان کا یہ حق تھا کہ وہ ایسے کرتے، معارضین اور آپ ﷺ کے مابین بہت سے مسائل میں اختلاف بھی واقع ہوا وہ اختلاف اس شدت کو پہنچ گیا کہ بعض لوگوں نے ان سے مستعفی ہونے کا مطالبہ کر دیا۔ آپ ﷺ نے نہ تو ان کا مطالبہ مانہ اور نہ ہی کوئی جواب دیا ان میں سے ایک جماعت نے آپ ﷺ پر حملہ کر کے شہید کر دیا ایک جماعت نے ان کا دفاع کیا تو دوسری جماعت نے ان سے علیحدگی کر لی اس تحریک کو فتنہ دار کا نام دیا گیا یہ وہ پہلا فتنہ تھا جو مسلمانوں کے مابین واقع ہوا۔

پھر بہت سے لوگوں نے امیر المؤمنین حضرت علی ﷺ کے ہاتھ پر بیعت کر لی لیکن دیگر لوگ حضرت علی ﷺ سے برطرف ہوگئے جس پر وہ لوگ کھڑے ہو گئے جنہوں نے آپ ﷺ کے ہاتھ پر بیعت کر لی تھی۔ یہ پوری کی پوری تحریک آخر کا ایک بڑی جنگ تک لے گئی جس کو جنگ جمل کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے جس میں (مروج الذھب) میں بروایت المسعودی اٹھارہ ہزار شہید ہوئے اس کو فتنہ جمل کا نام دیا گیا جو کہ دوسرا فتنہ تھا جو مسلمانوں کے درمیان واقع ہوا۔ جب امیر المؤمنین کی بیعت کا عمل مکمل ہو گیا اور آپ ﷺ باقاعدہ طور پر مسلمانوں کے شرعی خلیفہ منتخب ہو گئے تو آپ نے سابقہ گورنروں میں سے بعض کو معزولی کا نوٹس بھیجا جن میں معاویہ کا نام بھی تھا اس نے معزولی قبول نہ کی۔ خونِ عثمان ﷺ کو علت بناتے ہوئے یہ ظاہر کیا کہ وہ ان کا والی ہے اور واضح طور پر یہ تہمت لگا دی کہ حضرت علی ﷺ حضرت عثمان ﷺ کی شہادت کے حوالے سے ان کے قاتلوں میں شریک ہیں یا کم از کم اس پر راضی تھے۔ گویا معاویہ ان کے خون کا حضرت

علی علیہ السلام سے مطالبہ کر دیا۔ اس سبب کے تحت ایک خطرناک جنگ (صفین) کے مقام پر واقع ہوئی جس میں قتل ہونے والوں کی تعداد بروایت مسعودی ایک لاکھ دس ہزار تھی یہ مسلمانوں کے مابین رونما ہونے والا تیسرا فتنہ ہے۔

صفین میں جب معاویہ کو یہ محسوس ہوا کہ اس کا لشکر کمزور ہو گیا ہے اور شکست اس کا مقدر بن چکی ہے تو اس نے دھوکے سے کام لیتے ہوئے اپنی فوج کو نیزوں پر قرآن اٹھانے اور حکم الٰہی کی طرف رجوع کا مطالبہ کیا تاکہ جنگ امن معاہدے کے لیے ایک محدود مدت کا تعین کر سکے اور اس مدت کے دوران وہ اپنا کام مکمل کر سکے اس عمل کے سبب حضرت علی علیہ السلام کے اصحاب کے مابین بہت شدید اختلاف ہو گیا کچھ معاویہ کا مطالبہ ماننے سے موافقت رکھتے تھے کچھ اس کے خلاف تھے۔ امام علی علیہ السلام موافقت میں اکثریت کی رائے کو دیکھتے ہوئے مجبور ہو گئے کہ اس کے مطالبے کو مان لیا جائے اور اس سے جنگ امن معاہدہ کیا جائے اور اسی وقت جنگ روک دی جائے۔ اگرچہ ان کی اپنی رائے عدم موافقت کی تھی لیکن آپ نے اکثریت کی رائے کا احترام کیا آپ نے دو ثالث مقرر کیے جنگ امن معاہدہ ہو گیا۔ جب مدت ختم ہوئی لوگ حاضر ہوئے تو حضر علی علیہ السلام کے نمائندے نے اعلان کیا کہ اس نے معاویہ کے نمائندے کے ساتھ یہ بھی اتفاق کیا تھا کہ معاویہ اور حضرت علی علیہ السلام دونوں اپنے منصب سے معزول ہوں گے پھر امت کو اختیار دیا جائے گا جس کو چاہیں گے اس کو دوبارہ اپنا امام اور خلیفہ بنا لیں گے معاویہ کے نمائندے نے اس اتفاق سے انکار کر دیا اور اعلانیہ کہا کہ میرا ان کے ساتھ اس بات پر اتفاق ہوا تھا کہ حضرت علی علیہ السلام اپنے منصب سے معزول ہوں گے اور معاویہ باقی رہے گا وہ اپنے منصب کو نہیں چھوڑے گا۔ حضرت علی علیہ السلام اس ثالثی کے معاملے کو پختہ نہ سمجھا کیونکہ دونوں ثالثوں نے کتاب اللہ پر عمل نہیں کیا تھا یعنی دونوں ہی متفق نہیں ہوئے۔ لہٰذا آپ علیہ السلام نے ثالثی کے معاملے کو چھوڑ دیا تب وہ معارضین دوبارہ امام علی علیہ السلام کے پاس لوٹ آئے جنہوں نے ثالثی سے موافقت نہ کرتے ہوئے علیحدگی اختیار کی تھی دوبارہ آپ علیہ السلام کے ہاتھ پر بیعت کی جب ثالثی کے نتیجہ کا اعلان ہو گیا تھا۔

حضرت علی علیہ السلام نے ان سے ایک جھنڈے تلے جمع ہو کر اہل شام سے مزید جنگ جاری رکھنے کا مطالبہ کیا سوائے چند معارضین کے جنہوں نے نھروان کے قریب خود کو جمع کر لیا تھا واپس جانے پر راضی نہ ہوئے حضرت علی علیہ السلام کے قاصدوں اور ان کے مابین اسی طرح ان کے اور حضرت علی علیہ السلام کے مابین بہت سے مجادلے مناظرے بھی ہوئے بالآخر اتفاق نہ ہو سکا۔ آپ علیہ السلام نے اپنے لشکر بھیجے وہاں ان کے ساتھ لڑائی کا واقع پیش آیا جس میں چار ہزار لوگ قتل ہوئے مسعودی کی روایت کے مطابق جو کتاب (مروج الذھب) میں بیان ہوئی ہے اس کو نھروان کے واقعہ سے موسوم کیا جاتا ہے یہ مسلمانوں کے مابین میری رائے کے مطابق رونما ہونے والا چوتھا فتنہ ہے۔

ان چاروں فتنوں میں ذرا غور کیا جائے تو پتہ چلتا ہے کہ ان فتنوں کا سبب مسلمانوں کے دو گروہوں کے مابین نقطۂ نظر میں اختلاف تھا دو گروہوں میں سے ایک گروہ میں تو خود امیر المومنین بھی تھے جو اپنے موقف کو درست سمجھتے تھے جبکہ معارضین ان کے موقف کو غلط سمجھتے تھے ان دونوں موقفوں کا باہم متعارض ہونا آخر کار قتال تک لے گیا جبکہ ہر گروہ میں

صحابہ کرام ﷺ بھی موجود تھے ان فتنوں کے دوران کچھ صحابہ کرام ﷺ کا ایسا مجموعہ بھی دیکھائی دیتا ہے جنہوں نے دونوں گروہوں میں سے کسی کی بھی تائید نہیں کی۔

پہلا فتنہ معارضین کی طرف سے تھا امام تو ان کے مقابلہ میں خالی ہاتھ بغیر اسلحہ کے کھڑا ہوا اور اپنے لوگوں کو قوت کے استعمال سے روکا بجز اس صورت کے جب ان کو مجبور کر دیا جائے اسی لیے امام کی شہادت اور بعض دیگر بسیط نقصانات کے ساتھ وہ ختم ہو گیا۔

دوسرا اور تیسرا فتنہ بھی معارضین مخالفین کی جانب سے شروع ہوا امام نے تو بس سختی کا جواب سختی سے دیا تھا اس لیے دوسرے فتنے میں اٹھارہ ہزار اور تیسرے فتنے میں ایک لاکھ دس ہزار افراد کا قتل ہوا چوتھا فتنہ جب مجادلے مناظرے اپنی انتہا کو پہنچے اور بے سود رہے مخالفین اپنی ضد پر ڈٹے رہے تب سختی اور شدت کی ابتداء امام کی جانب سے ہوئی تو رد عمل کے طور پر مخالفین نے بھی سختی کا جواب سختی سے دیا جس میں (مروج الذهب) میں مسعودی کی روایت کے مطابق چالیس ہزار لوگ مارے گئے یہ سب ذکر کرنے کا مقصد یہ ہے کہ میں بتانا چاہتا ہوں کہ ان فتنوں کی نذر ایک لاکھ تینتیس ہزار مسلمان مقاتلین اپنی جانوں اور زندگیوں سے ہاتھ دھو بیٹھے۔

ان تمام فتنوں میں مذہبی اختلاف بنیادی سبب تھا ہر گروہ خود کو حق پر ہونے دعویٰ کرتا تھا اور یہ اعتقاد رکھتا تھا کہ اس کا مسلک ہی حق ہے۔

اب ہم مثال کی طور پر ان تمام فتنوں کا اس جہت سے جائزہ لیتے ہیں۔

پہلا فتنہ اس بات سے شروع ہوا کہ حضرت عثمان ﷺ پر یہ تہمت لگائی گئی کہ وہ اقرباء پروری کرتے ہیں مال، منصب کے لحاظ سے اپنوں کو نوازتے ہیں جب ان پر اس حوالے سے تنقید کی گئی اور ان کو بتایا گیا کہ حضرت عمر فاروق ﷺ ایسے نہیں کیا کرتے تھے۔ آپ ﷺ نے جواب دیا کہ عمر ﷺ نے خدا کی رضا کی خاطر ان سے عطیات روکے جبکہ میں نے خدا کی رضا کے لیے عطیات سے ان کو نوازا ہے اسی طرح آپ کی جانب سے یہ جواب دیا گیا کہ وہ امیر المومنین ہیں اسلام اور مسلمانوں کی مصلحت کی بخوبی جانتے ہیں اور وہ خود ہی اس کے مسؤل ہیں۔

دوسرا فتنہ کچھ اس طرح شروع ہوا کہ جب حضرت علی ﷺ کی لوگوں نے بیعت کر لی اور آپ ﷺ نے خلافت کی ذمہ داری سنبھالی تھی لیکن ابھی تک آپ ﷺ نے حضرت عثمان ﷺ کے قاتلوں کو کیفر کردار تک نہیں پہنچایا تھا جس پر کہنے والوں نے یہ کہا کہ جب تک حضرت عثمان ﷺ کے قاتلوں کو قتل نہیں کیا جائے گا ہم نہ تو آپ کی بات سُنیں گے اور نہ ہی اطاعت کریں گے ان کے جواب میں حضرت علی ﷺ نے کہا سب سے پہلے تو امیر کی اطاعت اور اس کی بات کی سماعت ہے پھر حدود قائم کرنے کا مرحلہ آتا ہے امیر المومنین کیسے حدود کو قائم کر سکتا ہے اور ان کا نفاذ کیسے ممکن ہے جب تک اس کی عوام اس کی بات نہ سُنیں اور نہ ہی اس کی اطاعت کریں اگر وہ امیر کی اطاعت کریں کے تو ہی حدود کے نافذ کرنے کا عمل ممکن ہو سکتا ہے۔

تیسرا فتنہ تب شروع ہوا جب حضرت علیؑ نے حضرت عثمانؓ کے قاتلوں کو پکڑنے یا ان کو کیفر کردار تک پہنچانے سے غفلت برتی اور تاخیر کی تو معاویہ نے یہ دعویٰ کر دیا کہ وہ حضرت عثمانؓ کا ولی ہے اور ان کے خون کے قصاص کا مطالبہ کر رہا ہے۔ حضرت علیؑ نے ان سے کہا سب سے پہلے تم بیعت کرو پھر ان تمام معاملات اور امور میں امیر کی اطاعت کرو جیسا کہ دیگر لوگ کر رہے ہیں پھر تم والی بنتے ہوئے خونِ عثمانؓ کے قصاص کا مطالبہ کرو یعنی پھر تم قصاص کے حوالے سے اپنے حق کا مطالبہ کرو جبکہ معاویہ نے جواب دیا نہیں سب سے پہلے قصاص پھر باقی کام۔

چوتھا فتنہ پیدا ہوا جب قرآنوں کو نیزوں پر اٹھایا گیا اور جنگ امن معاہدے کا مطالبہ کیا گیا جس پر حضرت علیؑ کے ساتھیوں میں اختلاف پیدا ہوا آپ نے اکثریت کی بات کو ترجیح دیتے ہوئے ثالثی کو قبول کیا جس کے سبب آپؑ کے لشکر سے کافی سارے لوگ جدا ہو گئے چھوڑ کر چلے گئے۔

جو لوگ حضرت علیؑ کی زبان پر جنگ امن معاہدے پر متفق ہو گئے وہ کہہ رہے تھے کہ ہم جانتے ہیں کہ یہ بہت بڑا دھوکہ ہے یہ جنگ امن معاہدہ نہیں بلکہ اتنے بڑے متحد لشکر سے خوف کھاتے ہوئے دھوکہ کیا جا رہا ہے۔ بس اس میں ایسے ہی اقتداء کی جا رہی ہے جیسے رسول پاکؐ کے بعض موقفوں میں کی گئی تھی۔

کچھ نے یہ بھی کہا اے حضرت علیؑ آپ جانتے ہیں کہ یہ باغی سرکش گروہ ہے اور آپؑ ان سے خدا کے حکم سے ہی تو لڑ رہے ہو آپ ان کو مت چھوڑو یہاں تک کہ ان پر خدا کا حکم پورا ہو جائے یا پھر ان دونوں فریقین میں سے کوئی ایک ہلاک ہو جائے۔

یہ ان خطرناک فتنوں کی مختصر سی مثالیں تھیں جن سے آپ کے لیے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ ان فتنوں کے حوالے سے جو موقف اور نظریات ان کے وقوع ہونے کا سبب بنے وہ مختلف جہات سے مذہبی دینی اختلافات تھے۔

جو جس موقف پر تھا وہ خود کو حق پر سمجھتے ہوئے اس مسلک کو تقرب الٰہی کا ذریعہ سمجھتا تھا ان کو کوئی دنیاوی مطلب لالچ نہیں تھا یہ تمام فتنے مذہبی دینی اختلاف پر قائم ہوئے تھے مجھے یہ وہ فتنے تھے جو مذہب دین کی بنیاد پر قائم ہوئے اور صحابہ کرامؓ کے مابین واقع ہوئے جو اس قتال کی حد تک پہنچے تو اس بات کو سامنے رکھتے ہوئے ہمیں ان تمام مذہبی اختلافات کے فتنوں سے اپنے دروازے بند کر دینے چاہیے ہم تو صحابہ اکرامؓ کے مقابلے میں کچھ بھی نہیں اگر ان کو اتنا نقصان پہنچ سکتا ہے تو پھر ہم ان فتنوں کے نقصانات سے کیسے بچ سکتے ہیں اور ہم ان تمام سابقہ فتنوں کو یہ اعتبار کرتے ہوئے ایک ہی ترازو میں تولیں وہ یہ کہ ان فتنوں کے وقوع میں دونوں طرف صحابہؓ میں سے بعض صحابہؓ موجود تھے اور دونوں طرف سے طالبان حق تھے چاہے انہوں نے اپنے طریقہ کار میں خطاء کی یا درست تھے۔ بر حال ہمیں ان فتنوں کو مزید بڑھکانا نہیں چاہیے ان کا معاملہ خدا تعالیٰ پر ہی چھوڑ دینا چاہیے۔ اسی طرح اس حوالے سے ہم ایک اور موقف بھی اپنا سکتے ہیں وہ یہ کہ جب ہم ان فتنوں کی طرف دیکھتے ہیں جن میں خون کی ندیاں بہتی ہوئی اور مال زر ضائع ہوتے نظر آتا ہے تو ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ رسول پاکؐ کی وہ احادیث مبارکہ جو اُن صحابہؓ کے بارے میں تھیں جو ایک وقت آئے گا کہ

ایک دوسرے کے مدمقابل آکھڑے ہوں گے اور بعض بعض پر تلواریں لہرائیں گے۔ چوتھے فتنے کے خاتمہ کے ساتھ ہی کم از کم وہ تمام فتنے ختم ہوگئے جو خلافتِ راشدہ کے زمانوں میں شروع ہوئے تھے۔

اگر ہم ان تمام فتنوں کی طرف تأمل کی نگاہ سے دیکھیں تو پتہ چلتا ہے کہ یہ تمام باقاعدہ عملی تحریک کی صورت میں اپنے انہیں زمانوں میں ہی ختم ہوگئے تھے اہل نہروان قتل کر دیے گئے جو ان میں سے باقی بچے وہ لاچاری کی حالت میں بے یارومددگار زمین میں متفرق ہوگئے پھر سازش کے تحت حضرت امام علیؑ کو شہید کر دیا گیا جو کہ عادت کے مطابق خوارج کی طرف منسوب کر دیا گیا کیونکہ یہ شعار بن گیا تاکہ جو بھی شدت پسندی کا واقع ہوتا اس کو خوارج کی طرف منسوب کر دیا جاتا۔ مؤرخین اور مقالہ نگاروں نے بعض شخصیات کو خوارج کی شخصیات قرار دیا ہے۔ حالانکہ وہ من گھڑت ہیں خوارج سے ان کا کوئی تعلق نہیں جیسا کہ حجا، ابو زید الھلالی اور اشعب وغیرہ عمومی طور پر اسلامی تاریخ کے خون کی تمام تر ذمہ داری ان کے کندھوں پر ڈالتے ہیں۔ خدا تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے کہ اس گھناؤنی سازش کو ان خوارج کے خلاف کس نے تدبیر کیا اگرچہ تہمت کی انگلیوں کے واضح اشارے اس حوالے سے تو اشعث بن قیس کی طرف ہوتے دکھائی دیتے ہیں پھر امام حسن بن علیؑ نے اس معاملے کو کچھ ہی مہینوں کے بعد معاویہ کے سپرد کر دیا اس کے بعد اس معاملہ کا کوئی ایک پہلو بھی باقی نہ بچا اہل نھر اور امام علیؑ کے حوالے سے مکمل طور پر معاملہ اپنی انتہا کو پہنچا یہاں کہنے والے کے ذہن میں ایک سوال پیدا ہوتا ہے وہ یہ کہ ان فتنوں کا خوارج سے کیا تعلق ہے؟

اس کا جواب بڑا واضح ہے کہ اس کا کوئی تعلق خوارج کے ساتھ نہیں ہے بلکہ یہ ان فتنوں کے مشابہہ ہے جیسے فتنے صحابہ کرامؓ کے مابین رونما ہوئے تھے ہمارے لیے یہ ضروری نہیں کہ ہم ان کے اسباب کو اور یہ تعین کریں کی ان میں کون درست تھا بلکہ مناسب یہ ہے کہ ہم ان کے معاملے کو سابقہ معاملات کی طرح خدا تعالیٰ پر ہی چھوڑ دیں یہی بہتر ہے۔

حقیقت میں دیکھا جائے تو مورخین نے تو اہل نھر کو زیادہ تر خوارج کے نام سے موسوم کیا ہے پھر تکلف سے کام لیتے ہوئے بعض اوقات ان کے حوالے سے وہ کچھ ثابت کر جاتے ہیں جو کہ شدت پسندی کی حد تک معاملے کو لے جاتا ہے پھر بحث تحقیق میں خود کو استدلال کی غرض سے تھکاتے ہیں اور یہ کہتے ہیں کہ اہل نھر سے وہی مراد ہے جن کا مشہور معروف اور واضح حدیث میں قصد کیا گیا ہے۔ اگر یہ بات درست مان لی جائے تو پھر یہی مؤرخین حضرت امام علیؑ کے لیے وہ کچھ ثابت کرتے ہیں جس سے واقعات کے رونما ہونے سے پہلے ان کے حوالے سے غائب کا علم ہونے کے دعویٰ کیا جا سکتا ہے گویا حضرت علیؑ غائب جانتے تھے اور واقعات رونما ہونے سے پلے ہی لوگوں کو آگاہ کر دیتے تھے پھر یہی مؤرخین اپنی بات بیان کرتے ہوئے عجیب، غریب مخلوط باتوں کا مظاہرہ کرتے ہیں دین سے خروج اور سلطنت کے خلاف خروج دونوں کے معنوں کو مخلوط کر کے بیان کرتے ہیں ان کی بات سے یہ واضح نہیں ہوتا کہ وہ خروج کا کیا معنی مراد لے رہے ہیں۔ خروج سے مراد دین سے خروج، نکلنا ہے یا سلطنت اور حکومت کے خلاف خروج ہے اس مفہوم کو مؤرخین نے خلط ملط کر

دیا ہے۔ جوں جوں زمانے میں طوالت اور دوری آتی گئی توں توں موٴرخین مقالہ نگاروں کے نزدیک اس معنی کے حوالے سے تجسس میں شدت پیدا ہوتی گئی کہ خروج سے مراد کیا ہے؟

میں اس فصل کی کتابت اور مراجع سے دوری کے سبب یہاں اس بات کی صحت کے حوالے سے بحث کرنا ممکن نہیں سمجھتا اور نہ ہی اس جماعت کے حوالے سے کوئی چیز منطبق کرنا چاہتا ہوں اسی طرح اس مقام پر میرے لیے یہ بھی ممکن نہیں کہ میں اس بات کا باقاعدہ تعین کروں کہ خوارج کا لفظ کب پہلی بار استعمال کیا گیا اور ثقہ مصدر میں سب سے پہلے کس نے اس لفظ کو استعمال کیا اور کس پر اطلاق کیا تھا اسی طرح میں یہاں جو کچھ خوارج کی طرف منسوب کیا گیا ہے اور ان کے حوالے سے بیان ہوا ہے کسی بات پر کوئی حکم نہیں لگانا چاہتا صرف اتنا کہوں گا کہ ان حالات میں جو کچھ خوارج کے حوالے سے کہا گیا ہے تحقیق مناقشے کے محتاج ہے اس میں شک، یقین سے زیادہ قوی ہے۔

امام ابو اسحاق اطفیش کہتے ہیں:

(خوارج تابعین اور تابع التابعین کے زمانے میں لوگوں میں سے ایک گروہ تھا جن کا امام سب سے پہلے نافع بن ارزق پھر نجدۃ بن عامر اور محمد بن الصفار تھے ان کو خوارج کا نام اس لیے دیا گیا تھا کیونکہ یہ حق اور امت سے اس لیے نکل گئے تھے انہوں نے کبیرہ گناہ کے مرتکب پر مشرک کا حکم لگایا تھا اور اس حکم کے پیش نظر انہوں نے ان اموال اور خون معصیت کی بنا پر حلال قرار دیے جن کو خدا تعالیٰ نے حرام کیا تھا۔)

اسی طرح مزید کہتے ہیں!

(لفظِ خوارج ابتداء میں موجود نہیں تھا یہ اس وقت منتشر ہوا جب ازارقہ کا معاملہ زیادہ سنگین ہو گیا تھا۔ اس نام کو اصحاب علی ؑ کے حوالے سے بھی نہیں جانا جاتا تھا میرے خیال میں لفظ خوارج معاویہ جب تختِ اقتدار پر بیٹھ چکا تھا اس وقت باقاعدہ ظہور پزیر ہوا۔)

(اُمّ نافع بن خلیفہ نے بیان کیا ہے اس وقت لوگ تین طرح کے تھے جابر ظالم اور ان کے پیروکار دوسری قسم فاسقوں فاجروں کی جو شراب پیتے تھے فحاشی کے اعمال کا ارتکاب کرتے تھے نماز کے اوقات کو ضائع کرتے تھے اس زمانے میں ازارقہ صفریہ اور شکاک موجود نہیں تھے بلکہ اس وقت کچھ ایسے لوگ تھے جن کو قراء کا نام دیا جاتا تھا جو جابروں سے قتال کرتے تھے امر بالمعروف اور نہی المنکر کا کام کرتے تھے۔ فُسّاق کو ان کی بدفعالیوں سے روکتے تھے دور کرتے تھے جب زیادہ نے یہ سب دیکھا تو اس نے ان کے پیچھے جاسوس چھوڑ دیے اور ان کو پکڑ پکڑ کر قتل کرنے لگا جب ان لوگوں نے زیاد کی جانب سے یہ معاملہ دیکھا تو اس حد تک خوف زدہ ہو گئے گویا وہ ان کو ان کے بستروں پر ہی قتل کر دے گا۔)

امام نور الدین السالمی فرماتے ہیں:

(جب نفوس زیادہ تر رضا الٰہی کی غرض سے خرچ ہونے شروع ہو گئے تو اس وقت جہاد کے لیے کچھ گروہ نکلا کرتے تھے جن کو خوارج کا نام دیا گیا جس کی واحد خارجہ ہے یہ وہ گروہ ہے جو فی سبیل اللہ نکلتا ہے۔)

ساری گفتگو کا خلاصہ یہ ہے کہ ثالثی کے حق میں جو نہیں تھے وہ امام علی ؑ کے لشکر سے الگ ہو گئے لیکن جب ثالثی کا معاملہ ناکام ہو گیا تو ان لوگوں نے خود میں سے کسی ایک کے ہاتھ پر بیعت کر کے اس کو اپنا امام بنا لیا جبکہ امام علی ؑ نے جانبین سے ثالثی کی ناکامی کے بعد معاویہ کے ساتھ قتال کے لیے لشکر تیار کرنے کا حکم دے دیا اس کے ساتھ ہی آپ نے اپنی سیاسی بصیرت کے تحت اپنے چند خاص مشیروں سے مشاورت کی اور یہ فیصلہ کیا کہ معاویہ کے ساتھ قتال سے پہلے ان لوگوں کے معاملے کو انجام تک پہنچایا جائے جو ان کے لشکر سے الگ ہو چکے تھے۔ لہٰذا آپ ان کے معاملے سے عملی طور پر ایسے ہی فارغ ہو گئے جیسے اس سے قبل اصحابِ جمل سے خلاصی حاصل کی تھی اور معاملے کو انجام تک پہنچایا تھا لیکن وہاں کسی کی کوئی مجال نہیں تھی اور نہ ہی یہ حضرت علی ؑ اور ان کے اتباع کی سیرت اور اخلاق میں تھا کہ وہ باہم ایک دوسرے کو بُرے القابات سے پکاریں اور نہ ہی یہ کہ وہ ان لوگوں کو دین سے خروج کی بنا پر خروج خوارج یا دیگر ایسے القابات اور نام سے موسوم کریں جو بعد میں ان کی خاص پہچان بن گئے تھے۔ خاص طور پر امام علی ؑ تو یہ فرمایا کرتے تھے کہ ہر مجتہد ٹھیک اور درست ہوتا ہے وہ جانتے تھے کہ یہ لوگ جس موقف پر قائم ہوئے ہیں وہ ان کا اجتہادی موقف ہے اور وہ یہ سمجھ رہے ہیں کہ ان کا یہی موقف حق ہے۔ امام علی ؑ کے ساتھیوں کے حوالے سے اور امام علی ؑ کے موقف اور نہروان کے فتنے کے بعد جو آپ ؑ کی کیفیت تھی جس کو مصادر مراجع بیان کرتے ہیں اور جس حالت کا تصور پیش کرتے ہیں وہ یہ ہے کہ اہل شام کے بارے میں آپ کی سختی اور شدت اہل نہروان سے زیادہ تھی بلکہ آپ کی طرف منسوب کردہ وہ کلمات اگر درست ہیں جن کو تاریخ نے محفوظ کیا ہوا ہے وہ اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ آپ ؑ نے اہل نہروان کے قتل پر بہت زیادہ افسوس اور دکھ کا اظہار کیا تھا۔

جس بات پر میں اپنی گفتگو ختم کرنا چاہتا ہوں وہ یہ ہے کہ نہروان کا فتنہ صحابہ ؓ کے مابین ویسا ہی ہے جیسے بقیہ فتنے تھے جن کا بعد میں کوئی نام نشان باقی نہیں بچا تھا بس کسی حد تک امامت کے موضوع میں جدل جدال اور بحث مباحثہ تک باقی رہا۔ اس تناظر میں بحث مباحثہ جاری رہا کہ امام کے حقوق واجبات کیا ہوتے ہیں اور امت کے حقوق واجبات کیا ہوتے ہیں ان کا دائرہ کار اور حدود کیا ہوں گی اور امام کے موقف یا امت کے موقف سے کیسے استدلال ہو گا جب اختلاف ہو جائے۔ کیا امام بغیر کسی واقعہ کے منصب سے الگ ہو جائے یا کیا امت خود امام کو امامت کے منصب سے الگ کرے گی اور اگر اپنے منصب سے معزول ہو گیا تو کیا اس کا حق ہے کہ دوبارہ اس منصب پر لوٹ آئے۔ کیا منصب چھوڑنے کے بعد واپس اس منصب کی طرف رجوع سے اس کی وہ پہلی بیعت ہی لوگوں کی گردنوں پر رہے گی؟ کیا بیعت کا بندھن کسی ایک کی

طرف سے ہوگا یا جانبین کی طرف سے ہوگا کیا طرفین باہم برابر ہیں اگر طرفین سے کسی نے بیعت کے مضمون کا اہتمام نہ کیا تو پھر گیا ہوگا مثلاً اگر خلیفہ نے دشمن سے جہاد کے لیے بلایا مگر کوئی بھی آگے نہ بڑھا یا ایسا معمولی عدد آگے بڑا جو ان کے مقابلے کے لیے کافی نہیں ہے تب کیا حکم ہوگا بس اس طرح کی ابحاث تو علماء کے مابین جاری رہی ہیں مگر عملی طور پر وہ فتنے جو صحابہ ؓ کے زمانے میں شروع ہوئے تھے اُسی دور میں ختم ہو گئے تھے۔ اگرچہ اس میں کوئی شک نہیں کہ ثالثی، تحکیم اور نھروان کے مسئلہ کے سبب اس موضوع سے امامت، امام اور اخلافت کے حوالے سے ابحاث بہت پھیلی ہوئی ہیں ان حالات میں امام کا اور ان کے ساتھیوں کا جو ان کے ساتھ باقی تھے یا الگ ہو چکے تھے موقف کے حوالے سے بحث، مباحثہ موجود تھا۔ حضرت امام علی ؑ کو جب ابن ملجم نے دھوکے کے ساتھ شہید کیا اس کے بعد لوگوں نے حضرت امام حسن ؑ کے دستِ مبارک پر خلافت کی بیعت کی لیکن امام حسن ؑ بخوبی یہ ادراک رکھتے تھے کہ ہر حال میں اقتدار، حکومت کا معاملہ معاویہ پہ ہی ختم ہوتا ہے۔ آپ ؑ نے خود ہی یہ فیصلہ کیا کہ اس جھگڑے کو جو امویوں اور ہاشمیوں کے مابین شروع ہو چکا ہے ان کو روکیں اور مزید مسلمانوں کو مشکلات، تکلیف سے بچائیں ان کے خون کو مزید بہنے سے روکیں۔ جب آپ ؑ پر بیعت کو پیش کیا گیا تو اس وقت آپ نے اس لیے انکار نہیں کیا اس خوف سے کہ کہیں لوگ ان کو چھوڑ کر انتہا پسندی کا مظاہرہ کرتے ہوئے کسی اور کے پاس نہ چلے جائیں اور معاملات، حالات اور سنگین نہ ہو جائیں اس لیے آپ ؑ نے بیعت کر لی لیکن جب آندھیاں تھم گئیں تمام امور، معاملات استقرار پا گئے لوگ جب حالتِ سکون میں آگئے جوش، جذبات ٹھنڈے پڑھ گئے تب آپ نے بیعتِ خلافت معاویہ کے سپرد کر دی اس میں اگرچہ کوئی شک نہیں کہ لوگوں میں سے اکثریت معاویہ پر سخت غصے میں تھی اسی طرح ایک اور لوگوں کی بھاری تعداد امام حسن ؑ پر اس لیے غصے میں تھی کہ آپ ؑ نے معاویہ کو کیوں تسلیم کیا اس بنا پر آپ ؑ پر لوگوں نے بزدلی، ضعف، انانیت جیسی تہمتیں لگائیں لیکن معاملہ ویسا ہی ہو گیا جیسے معاویہ نے چاہا تھا لیکن جو نہی معاویہ نے اپنے بیٹے یزید کی بیعت کا راستہ ہموار کرنا شروع کیا تب عوام میں انتہا کی حد تک غصہ بھر گیا یہاں تک کہ پوری امتِ اسلامیہ سوائے اہل شام کے ایک کوہ آتش فشاں ہو چکی تھی اس آتش فشاں مادے کو پھٹنے سے سوائے معاویہ جیسے چالاک سیاسی شخص کے کوئی نہیں روک سکتا تھا اس کی طرح کی سیاست اور چالاکی شاید ہی کسی حاکم میں پائی جاتی ہو لیکن جب معاویہ فوت ہوا یزید خلیفہ بنا تو وہ کوہ آتش فشاں پھٹ پڑا پس ہر جگہ لوگوں کا ایک مجموعہ چمکتی تلواروں کو لے کر کھڑا ہو گیا ہر کوئی اپنے مقاصد کو شدت اور قوت سے حاصل کرنے کی کوشش کرنے لگا۔ اگرچہ ہر مجموعے اسباب اور دعوے مختلف تھے بعض حق خلافت کے لیے کھڑے ہوئے اور بعض خلافت کی اہلیت کے لیے لڑائی کرنے کھڑے ہو گئے ان میں سے بعض مجموعے اہل بیعت سے قربت کے پیش نظر کھڑے ہوئے بعض کے انتقام کی غرض سے خروج کیا اور سرکشی اختیار کی بعض مجموعوں کا یہ مطالبہ تھا کہ خلافت کو دوبارہ حکم شریعت کی طرف لایا جائے بس اس طرح کے وسائل گمان اور معاملات پیدا ہو گئے جن کے سبب ہنگامہ آرائیاں اور جنگیں شروع ہو گئیں ان میں سے بعض پہلے خروج کے بعد ہی اپنی انتہا کو پہنچ گئیں بعض ایک طویل مدت تک مقابلہ کرتی رہیں اس طرح کی صورتحال کی خبریں خلافت امارت کے گھر تک بھی پہنچتی رہیں۔ بصرہ کوفہ، یمن، طائف اور مدائن سے لوگوں نے خروج کیا

اور حکومت کے خلاف بغاوت کر دی ان لوگوں کی جانب سے لگاتار خبریں پہنچتی رہیں جنہوں نے حکومت کے خلاف اسلح اٹھالیا تھا اپنے مطالبات کو قوت، شدت سے منوانے پر مصر تھے۔ شروع شروع میں امیر ہر باغی گروہ کی طرف اپنے وفود اور چھوٹے چھوٹے لشکر بھیجتا تا کہ ان کے مطالبات کو پورا کریں یا پھر ان کی قوت کو منتشر کر دیں لیکن جب ان باغیوں اور خروج کرنے والوں کے مجموعے تعداد میں زیادہ ہوتے گئے جنہوں نے حکومت کے خلاف خروج کر لیا تھا اور سلطنت کے مقابلے میں اسلحہ اٹھا چکے تھے تب ہر شہر کے گورنر نے ایک بھاری لشکر ان کے مقابلہ کے لیے تیار کرنا شروع کر دیا جو قوت، طاقت میں قوی تر ہو اور اس لشکر کو ذہین فطین ماہر سپہ سالار کی قیادت میں خوارج کی جانب بھیجا جاتا تب لشکر کا سپہ سالار اپنے لشکر سے یہ کہا کرتا تھا۔

مدائن کے خوارج کی طرف چلو یا اھواز یا یمن کے خوارج کی طرف چلو بس کچھ اس طرح خوارج کا لفظ باقاعدہ طور پر سلطنت کے خلاف سیاسی خروج کرنے والوں پر عسکری اصطلاح کے طور پر استعمال کیا گیا۔ اس معنی میں کہ وہ جماعتیں جو حکومت کے خلاف خروج کرنے والے ہیں لیکن ایسے واقعات رونما ہوئے جن کے سبب یہ جماعتیں اس انتہا پسندی تک چلی گئیں کہ انہوں نے ان ظالم جابر حکمرانوں پر شرک کے احکامات جاری کرنے شروع کر دیے اور ان پر بھی مشرک کا حکم جاری کیا جنہوں نے ان ظالموں کے ظلم کے نظام کے ماتحت رہنے پر رضامندی کا اظہار کر لیا تھا ان کے خلاف خروج کرنے کی بجائے ان کے نظام کے ماتحت رہنے پر راضی ہو گئے اس عقیدے کی بناء پر لوگوں نے ان پر سختی برتی اور ان کو ان شرک کے فتوؤں کو اہل قبلہ پر جاری کرنے کی بنا پر خوارج کا نام دیا یعنی وہ دین سے نکل گئے ہیں۔ بس خوارج کا لفظ ایک وقت میں سیاسی اور دینی دونوں معانی پر دلالت کرنے لگا جب بھی یہ لفظ بولا جاتا اس سے دینی اور سیاسی خروج دونوں مراد لیے جاتے ہیں۔

پھر وہ دور بھی آیا جس میں اموی سلطنت کی لگام عمدہ اور ماہر قیادت کے ہاتھ میں آئی جنہوں نے بعض جماعتوں کے اس موقف کو غلط استعمال کیا یہاں تک اس لفظ کا ہر ناراض اور ریاست سے متنفر شخص پر اطلاق کر دیا پھر اس کا استعمال تمام تحکیم کے مفکرین پر ہونے لگا جس کہ بالکل ہی حقیقت سے دور اطلاق تھا۔ اور یہ کہ تمام اموی سلطنت کو قبول نہ کرنے والے وہ افراد تھے جو ان لوگوں کا ایک سلسلہ تھا جو تحکیم کے منکر تھے۔ لہٰذا ان تمام پر لفظ خوارج کا اطلاق ہونے لگا اسی طرح اس سے متعلق دسیوں احادیث وضع کر دی گئی جن میں سے بعض کا جعلی اور من گھڑت ہونا ثابت بھی ہوا اور بعض کا پتہ نہیں چل سکا۔ اسی طرح امام کی زبان سے دسیوں اقوال بیان کیے گئے جو کہ حقیقت میں باطل تھے ان کی طرف منسب کیے گئے تھے۔ ایسے من گھڑت اقوال اور احادیث گھڑنے میں مہلب بن ابو صفرۃ دیگر لوگوں کی طرح مشہور ہوا۔ یہاں تک کہ اس کے بارے میں کہا گیا ہے اس کی خوارج سے متعلق جھوٹی احادیث نے خوارج کو جتنا نقصان پہنچایا ہے وہ تلوار کے نقصان سے کہیں زیادہ تھا۔

پھر اسی ماہر سیاسی قیادت نے ان منصوبوں سے خوب سیاسی مفادات حاصل کیے یہاں تک کی شیعوں کے دو گروہ بنا دیے معتزلین اور معتدلین جو کہ ایک ساتھ دونوں خوارج پر بڑے شدید تھے ان پر امتِ اسلامیہ سے نکل جانے کے حکم کے حوالے سے بہت سخت اور شدت پسند تھے بغیر ان کی حقیقت کی معرفت اور ان کے ظہور کے اصول کو جانے بغیر یہ فرقے خوارج پر شدید احکامات اور فتوے لگاتے کیونکہ لوگوں میں یہ بات مشہور ہو چکی تھی کہ خوارج وہ لوگ ہیں جنھوں نے ثالثی اور تحکیم کے مسئلہ پر امام علیؑ سے اختلاف کر کے علیحدگی اختیار کرلی تھی میرے خیال کے مطابق خوارج کا لفظ معاویہ کے دور خلافت کے آخری ایام اور کچھ یزید کے دور کے ایام میں مختصر سے زمانے میں استعمال ہوا پھر بعد میں کبھی استعمال نہیں ہوا جنھوں نے تحکیم کے حوالے سے اختلاف کیا تھا۔ ان پر محکِّمۃ کے لفظ کا اطلاق ہوتا تھا اور وہ بھی جب زیاد نے ظلم، جبر کے پہاڑ ڈھانا شروع کر دیے اور لوگوں کو بگھاتا یہاں تک کہ ان کے گھروں میں گھس کر قتل کرنا شروع کر دیا تب ردِ عمل کے طور پر لوگوں نے تحریک چلائی تھی۔ اُم نافع نے اس دور کے حوالے مختصر سی صورت بیان کی ہے جو کہ واضح ہے اس نے کہا ہے!

اس دور میں لوگ تین طرح کے پائے جاتے تھے۔ جابر ظالم حکمران فساق جو شہوتوں کے بندے تھے دین سے منحرف ہو گئے تھے اور القراء جو کہ دین کے محافظ تھے اپنے سلوک اور راستے کے حوالے سے دین پر پابند تھے اور ظالموں کی حکومت، اقتدار کو اپنی کڑی تنقید کا نشانہ بناتے تھے جب امر بالمعروف نہی المنکر کا عمل بہت زیادہ پھیل گیا اور امراء پر واضح تنقید شروع ہو گئی زیاد کو خطرہ لاحق ہوا اس نے لوگوں کی جاسوسی کرنا شروع کر دی ان کو گھروں سے نکالتا ان سے انتقام لیتا لوگوں کو یہ ڈر لاحق ہو گیا کہ کہیں زیاد ان کو ان کے گھروں میں بستروں پر پڑے ہوئے ہی قتل نہ کر دے۔ لہٰذا لوگ باہر نکلے اور اس کے خلاف خروج کی طرف دعوت دی اس وقت صفریہ ازراقیہ اور شکاک کا وجود نہیں پایا جاتا تھا۔

ام نافع بن خلیفہ کی بات میں یہ واضح اشارہ ملتا ہے کہ خوارج کا باقاعدہ کامل دلالت کے ساتھ جن پر اطلاق ہوتا ہے اس کا استعمال اس تحریک یا اس سے قبل تھوڑا سا عرصہ ہی ہوا تھا بس اموی قیادت خارجیوں کے خلاف اپنی تمام تر کاوشوں میں کامیاب ہوئی وہ یہ کہ لوگوں کے اندر ان کو بدنام کیا کہ یہ لوگ وہ ہیں جو حضرت علیؑ کے لشکر سے باغی ہوئے تھے پھر یہ دین سے نکلنے والے ہیں۔ اسی طرح ان سے اموی قیادت تلوار کے ساتھ اور ان سے متعلق افواہیں خرافات اور من گھڑت باتوں کے ذریعے اپنے مقاصد میں کامیاب ہوئی اور یہ کہ ہر آنے والے امام کے لیے یہ خوارج بغض رکھتے ہیں۔

علماء میں بہت سے ایسے تھے جنھوں نے بھی بغیر تحقیق اور معرفت کے حکومت کی پاسداری اور طرف داری کی حکومتی فکر میں شامل ہوتے ہوئے یہ فرق نہیں کیا کہ اصل خوارج کون ہیں ان کے مبادی اصول کیا ہیں اور نقلی خوارج جن کے پاس اصل خوارج کے مبادی بالکل نہیں ہیں محض خروج اور ہنگامہ آرائی کی طرف دعوت دیتے ہیں بس ویسے ہی بغاوت کر دی ہے ظالم سلطنت کو ایک اسلامی احکامات والی سلطنت کی طرف تحویل کرنے کا دعویٰ کرتے ہیں گویا دونوں موقفوں اور نقطہ نظر میں بہت زیادہ فرق ہے لیکن علماء نے بغیر تحقیق کے حکومتی طرف داری کرتے ہوئے خوارج پر فتوے جاری کر

دیے۔ اگر آپ اموی سلطنت میں خروج کے اسباب کا جائزہ لو تو تمہیں کوئی ایک بھی ایسا مسئلہ نہیں ملے گا جس میں حکومتی اور عوامی نظام کے حوالے سے اجتہادی نقطہ نظر میں اختلاف پایا جاتا ہو۔ اگر اس کیفیت اور حالت کی تعبیر کو صحیح مان لیا جائے جو حال ان چاروں سابقہ فتنوں میں تھا۔ تم دیکھو گے ایک جانب منحرف عوام ہے جو اپنے دعوؤں اور اسباب کے اختلاف کے باوجود شرعی حکومت، خلافت کو تسلیم نہیں کرتی جس کو عدم شریعی نظام کی طرف منسوب کیا جاتا ہے دوسری جانب ایسی ہے کہ جو اپنی خواہش کے مطابق امور سلطنت کو چلانا چاہتے ہیں وہ یہ سمجھتی ہے کہ اس کے پاس یہ حق ہے کہ وہ جیسے چاہے سلطنت کو چلائے حالات جو مرضی ہوں ان کو لوگوں میں سے کوئی روک ٹوک نہیں کر سکتا۔

میرے خیال میں مروان کی وہ بات جو اس نے وفود کے جواب میں کہی تھی اموی نظام حکومت کے تصور کی بہتر وضاحت کرتا ہے۔

جب حضرت عثمان ﷛ نے وفود سے خطاب کیا اور وعدہ وعید کی باتیں کی خدا تعالیٰ سے استغفار کیا جس سے لوگ متاثر ہوئے رونے لگے اس کے خطبے کے بعد آپ ﷛ اپنے گھر لوٹے وفود مسجد میں انتظار کر رہے تھے وہاں گھر میں مروان اور اس کے ساتھ ۴۱ امویوں کی ایک جماعت تھی ان کو دیکھا جو کہ منحرف لوگوں کے ساتھ امیر المومنین کے رویے سے نا خوش تھے۔ بڑی طویل بحث کے بعد مروان ان وفود کی طرف واپس نکلا جو مسجد میں بیٹھے حضرت عثمان ﷛ کے لیے وعدے کا انتظار کر رہے تھے تا کہ وہ اپنا وعدہ پورا کریں انسے مروان نے کہا! تم یہاں کس مقصد کے لیے جمع ہوئے ہو کیا تم اشتعال انگیزی پھیلانا چاہتے ہو تمھاری کتنی بری شکلیں اور چہرے ہیں تم کیا ہمارے ہاتھوں سے حکومت، سلطنت کو چھینا چاہتے ہو ہماری نظروں سے دور ہو جاؤ خدا کی قسم اگر تم نے ہمیں نشانہ بنایا تو ہم تم کو ایسا عبرت کا نشان بنائیں کے جو تم سوچ بھی نہیں سکتے تمہارے ساتھ ایسا کچھ کریں گے جو تم کو ہر گز مسرت، شادمانی نہیں دے گا۔ ہمارے متعلق اپنی پراگندہ گلی سڑی رائے نہ دو اور نہ حد سے تجاوز کرو اپنے گھروں کو واپس لوٹ جاؤ ہمارے پاس جو قوت، طاقت ہے خدا کی قسم ہم کبھی بھی مغلوب نہیں ہو سکتے۔ حالانکہ ابھی تک مروان براہ راست اقتدار تک نہیں پہنچا تھا بلکہ اس وقت تک وہ خلافت راشدہ کے ماتحت تھا لیکن جو اس کے ارادے اور مقاصد تھے اور اس کی خواہش جو اس کے خطبے سے ظاہر ہوتی ہے وہ یہی تھی کہ اقتدار امویوں کے ہاتھ لگ جائے اور باقی رہے اس نے اس حوالے سے حضرت عثمان ﷛ کا دفاع نہیں کیا ان کی طرف داری نہیں تھی بلکہ وہ ایک اموی سلطنت کی طرف داری کر رہا تھا یعنی وہ اس مقصد کے حصول کے لیے تیار ہیں اور ملک، اقتدار حاصل کرنے سے ان کو کوئی مغلوب نہیں کر سکتا اور یہ کہ وہ ہر اس سے عنقریب انتقام لیں گے جو بھی ان کے مد مقابل کھڑا ہوا ہے۔

امویوں اور ان کے معارضین کے مابین جو موقف تھا وہ کوئی متفق اصولوں میں سے بعض محدود اجتہادی مسائل میں اختلاف پر مبنی نہیں تھا بلکہ مکمل طور پر دونوں کے موقف ایک دوسرے کے متضاد تھے۔ اموی ایک ایسی سلطنت قائم کرنا چاہتے تھے جسکا حصول قوت، طاقت اور بزور بازو ہو اور اپنے ہر مقصد کے لیے اقتدار کے استعمال کو سہارا بنانا تھا۔ سلطنت

ہمیشہ ایک ہی ہاتھ میں رہے ہمیشہ اقتدار انہی کے پاس رہے انہوں نے کبھی بھی اس اقتدار کے حقیقی معانی کی طرف توجہ نہیں کی اگر ایسی خواہش کی گئی تو معاملہ پورے کا پورا بھی خراب ہو سکتا ہے اور بہت بڑے نقصان سے دوچار ہونے کا امکان بھی ہے۔ معارضین کی جانب سے دیکھا جائے تو ان کے موقف کے حوالے سے سب سے سخت یہ بات تھی کہ اس سلطنت کو نہ مانیں اور اس کے خلاف کھڑے ہوں اور معتدل موقف یہ تھا کہ اس کے نظام کے ماتحت رہتے ہوئے خاموشی اختیار کی جائے اور سب سے کمزور موقف یہ تھا کہ خاص واقعات اور حادثات کا جواب دیا جائے یا کم از کم مخصوص لوگوں کو پکڑ کر ان سے اپنے خون کا بدلہ لیا جائے۔

سابقہ تمام اعتبارات کو شمار کریں تو ثابت ہوتا ہے کہ خوارج کی تاریخ اموی سلطنت کے قیام کے بعد سے شروع ہوتی ہے کیونکہ تاریخی کتب جس جس پر بھی خوارج کے لفظ اور نام کا اطلاق کرتی ہیں وہ حقیقت میں حقیقی خوارج نہیں ہیں بلکہ حقیقی خوارج محدود گروہ تھے ان کے مخصوص نقطہ نظر مبادی اور اصول ہیں جن کی بنا پر وہ دوسروں سے ممیز ہوتے ہیں رہی بات ان جنگوں اور فتنوں کی جو خلافت راشدہ کے عہد میں رونما ہوئے تو یہ صحابہ کرامؓ کے مابین واقع ہونے والے فتنے ہیں اور وہ اس فتنے کے ساتھ ہی اپنی انتہا کو پہنچے جو حضرت علیؑ اور تحکیم ثالثی کے معارضین کے مابین نہروان کے قرب میں واقع ہوا۔ ان کو محکّمۃ کا نام دیا گیا اس سے وہ بعد میں مشہور ہوئے رہی بات خوارج اور مارقہ میں سے دیگر القاب کی تو یہ سب بعد میں خاص قسم کے حالات میں سیاسی جانب سے ظاہر ہوئے۔ اگرچہ سیاسی اغراض مقاصد کے لیے ان القابات کو غلط استعمال کیا گیا مگر یہ سب بعد میں آئے پہلے صرف محکّمۃ کا نام مشہور تھا۔

اب میں محترم قاری کے سامنے استاد مصطفیٰ الغوابی کی رائے پیش کرنا چاہتا ہوں جو خوارج کے حوالے سے اسی رائے کی مثل ہے جو ہم پہلے پیش کر چکے ہیں۔ استاد غوابی نے اپنی کتاب(تاریخ الفرق الاسلامیة ونشاة علم الکلام عند المسلمین) میں چار ایسے فرقوں کا ذکر کیا ہے جن سے اس کی رائے میں تمام مسلمانوں کا وجود تشکیل پاتا ہے۔ یعنی تمام مسلمان ان میں سے کسی نہ کسی کے ساتھ ہی وابستہ ہیں وہ ہیں معتزلہ، شیعہ خوارج اور مشبہ۔

اس میں سے میں صرف خوارج کے متعلق اختصار کے ساتھ اس کی بیان کردہ بات کو پیش کرتا ہوں۔

اس نے اپنی کتاب کے صفحہ ۲۷۲ اور اس کے مابعد کہا ہے:

(خوارج کے اسلاف کے حوالے سے یہ ہے کہ مورخون ان کو محکّمۃ اولیٰ کا نام دیتے ہیں)

پھر کچھ کلام کے بعد کہتا ہے:

(ان کی تقریباً بارا ہزار تعداد تھی)

پھر کچھ کلام کے بعد کہتا ہے:

(ان میں سے عبداللہ بن وھب اور حرقوص بن زہیر کی قیادت میں باقی صرف چار ہزار بچے تھے جب حضرت علی ؓ اور ان کے مابین قتال ہوا تو ان میں سے سوائے نو لوگوں کے کوئی باقی نہ بچا۔)

پھر مزید کہتے ہیں:

(اس کے بعد ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ یہ خوارج کے اسلاف تھے لیکن جن جہات کی طرف ان نو لوگوں نے رختِ سفر باندھا ان جہتوں کے بیان کے بعد کسی بھی مؤرخ نے ان کی آخری حالت کے بارے میں ذرا بیان نہیں کیا جو مختلف علاقوں میں منتشر ہو گئے تھے کیا حالت ہوئی تھی بلکہ ان کے فرقوں کی تاریخ سے بات شروع کی ہے جن میں سرفہرست ازارقہ اور نجدات کا ذکر کیا ہے اسی طرح ان لوگوں کے جو مختلف علاقوں میں پھیل گئے تھے اور نئے فرقوں کے مابین کسی قسم کے تعلق کو بھی بیان نہیں کیا (مقصود پورا ہو گیا)۔

اس میں کوئی شک نہیں استاد غوابی کا یہ حق ہے کے وہ اس سوال کو بھی ابھارے یعنی فتنہ نھروان اور ظہور خوارج دونوں میں بڑی طویل مدت کا فاصلہ ہے یہاں حکم خوارج سے میری مراد ازارقہ ہیں یا جس نے ان کے موقف سے اتفاق کیا یا ان کے راستے پر چلا یعنی خوارج کے لفظ کا باقاعدہ ظہور ازارقہ کے ظہور سے ہوا۔ تاریخی کتب یہ بیان کرتی ہیں کہ نافع بن ازرق ان سب کا سرپرست اور امام تھا جو اموی سلطنت کے مخالف تھے اور سخت غضبناک تھے جب زیاد نے اپنے مخالفین اور خروج کرنے والوں پر ظلم، ستم ڈھانے شروع کر دیے تب وہ معارضین اور خروج کرنے والے تمام لوگ جمع ہوئے بصرۃ میں نافع بن ازرق کے ہاتھ پر بیعت کر لی پھر ان لوگوں کے ساتھ اہواز چلا گیا وہاں کا والی بنا اور اہواز کے خراج کو حاصل کیا کرتا تھا یعنی زمینی پیداوار میں سے حصہ لیا کرتا تھا یہ سن ۶۴ ہجری کا زمانہ تھا وہاں اہواز میں ہی اس نے ایک انتہا پسندی پر مشتمل منصوبہ تیار کیا جس میں سراسر شدت اور انتہا پسندی تھی اس منصوبے کی بنا پر اس کے بہت سے ساتھیوں نے علیحدگی کر لی بلکہ ہر اموی حکومت کا مخالف جو اپنی سوچ میں معتدل تھا اس سے دور ہو گیا اس قصے کو بہت سے مؤرخین اور ادیبوں نے اپنی کتب میں بڑے دقیق اور عمدہ اسلوب سے بیان کیا ہے!

ابو العباس المبرد نے اپنی کتاب (الکامل) کے دوسرے جزء کے صفحہ ۲۰۸ پر درج ذیل بیان کیا ہے!

(بنو ہاشم کا ایک غلام نافع کے پاس آیا اور اس سے کہا کہ مشرکین کے بچے دوزخ میں ہوں گے اور جس نے ہماری مخالفت کی وہ مشرک ہے لہٰذا ان بچوں کا خون ہمارے لیے حلال ہے نافع نے اس سے کہا تو نے کفر کیا اور اپنی ذات کو اس بات کی وجہ سے گدلا کر دیا۔ اس غلام نے جواب میں کہا اگر میں تیرے پاس کتاب اللہ کے اس فرمان کے ساتھ نہ آیا ہوتا تو تم مجھے قتل کر دیتے میں تمہیں منع نہ کرتا

﴿وَقَالَ نُوحٌ رَّبِّ لَا تَذَرْ عَلَى ٱلْأَرْضِ مِنَ ٱلْكَٰفِرِينَ دَيَّارًا ۝ إِنَّكَ إِن تَذَرْهُمْ يُضِلُّوا۟ عِبَادَكَ وَلَا يَلِدُوٓا۟ إِلَّا فَاجِرًا كَفَّارًا﴾

"اور نوح (ﷺ) نے عرض کیا: اے میرے رب! زمین پر کافروں میں سے کوئی بسنے والا باقی نہ چھوڑ ۝ بے شک اگر تو اُنہیں (زندہ) چھوڑے گا تو وہ تیرے بندوں کو گمراہ کرتے رہیں گے، اور وہ بدکار (اور) سخت کافر اولاد کے سوا کسی کو جنم نہیں دیں گے ۝"(۱)

بس یہ کافروں اور ان کے بچوں کے بارے میں حکم ہے تب نافع نے گواہی دی اور تصدیق کی ہاں یہ سب جہنمی ہیں سب جہنم میں جائیں گے ان کے قتل کو جائز سمجھا ان کا دار دار کفر ہے سوائے اس کے جس نے اپنے ایمان کو ظاہر کر دیا ان کے ذبیحے، عورتوں سے نکاح اور ان کی وراثت کچھ بھی حلال نہیں ہے۔ اگر کوئی اپنے گھر میں بیٹھا رہا مقابلے میں نہ آیا جس نے اپنے مذہب کو پوشیدہ رکھا اس کا خون ہمارے لیے حلال نہیں ہے جب عبد اللہ بن اباض نے نافع بن ارزق کے اس موقف کے حوالے سے آگاہی حاصل کر لی اور ان کو علم ہو گیا تو آپ نے اس سے بری ہونے کا اظہار کر دیا امام طبری نے اپنی تاریخ کی کتاب کے چوتھے جزء کے صفحہ ۴۴۰ پر درج ذیل کہا ہے:

(اس نے یعنی عبد اللہ بن اباض نے کہا خدا تعالیٰ کا اس سے اعلان جنگ ہے جو نافع بن ازرق کی فکر کا حامل ہے یا اس کے موقف کی تائید کرتا ہے اگر مشرک قوم ہوتی تو ان کے حوالے سے اس کی رائے درست تھی لیکن اس نے ہم سے دھوکہ کیا اور جو کچھ وہ کہتا ہے ہمارے حوالے سے وہ سب جھوٹ ہے ہمارا اس سے کوئی تعلق نہیں ہے در حقیقت ہماری قوم کا معاملہ اور ہماری نظر میں اہل قبلہ اگر کوئی کبیرہ کا مرتکب ہے تو وہ کفارِ نعمت ہے شرک سے پاک ہیں اگر وہ اعلانیہ طور پر کبائر کا ارتکاب کریں اور اس سے باز نہ آئیں تو ان سے لڑائی کرنا اس کا خون ہم پر حلال ہے۔ بجز ان کے اموال کے تو وہ ہم پر حرام ہیں۔

ابو العباس المبرد نے عبد اللہ بن اباض کے جواب کا خلاصہ اپنی کتاب میں صفحہ ۲۱۴ پر بیان کیا ہے:

(عبد اللہ بن اباض کا قول اہل سنت کے قریب تر ہے۔)

پھر عبد اللہ اباض کے اس جواب کو بیان کیا ہے جو اس نے نافع بن ازرق کے رد میں دیا تھا میں کہتا ہوں ہمارا دشمن دشمنِ رسول ﷺ کی طرح ہے لیکن میں ان کی عورتوں اور وراثت کو حرام نہیں کرتا کیونکہ وہ اختلاف کے باوجود توحید کے ساتھ ساتھ وہ کتاب اللہ اور رسول پاک ﷺ کا اقرار بھی کرتے ہیں میرے رائے میں دعوتی اعتبار سے وہ مسلمانوں میں شمار ہوتے ہیں یعنی وہ بھی امتِ اجابت میں شامل ہیں بس وہ کفارِ نعمت ہیں۔)

(۱) نوح، ۷۱/۲۶-۲۷۔

اس سے یہ واضح ہوتا ہے کہ محکّمۃ اور خوارج کے مابین کوئی تعلق نہیں ہے کیونکہ محکّمۃ نہروان کے موقع پر ختم ہو گئے تھے جبکہ اموی سلطنت کے خلاف بہت سی تحریکیں اٹھیں تھیں لیکن کسی کو بھی نافع بن ازرق کے ظہور سے پہلے یعنی سن ٦٤ ہجری سے پہلے خوارج کا نام نہیں دیا گیا وہ ٦٤ ہجری میں امویوں کے خلاف اپنی تحریک لے کر نکلا اور اپنے تمام مخالفین پر عرب مشرکین کی طرح مشرک کا حکم جاری کر دیا بس اس بنا پر اس پر سیاسی اور دینی اعتبار سے خوارج کے لفظ کا اطلاق کر دیا گیا پھر اموی سیاست کا مزید دائرہ وسیع ہوا تو اس نے اس لفظ کا غلط استعمال کرتے ہوئے ہر اس جماعت اور شخص پر اطلاق کیا جو بھی ان کی حکومت اور اقتدار کا مخالف ہوتا جو ان کو کڑی تنقید کا نشانہ بناتا پھر یہ بھی دیکھنے کو آیا کہ کچھ ایسے لوگ بھی تھے جنہوں نے ان کو محکّمۃ کے ساتھ مربوط کرنے کی کوشش بھی کی جبکہ حقیقت میں سلطنت کی مخالفت ایک مستقل تحریک تھی۔ اس طرح یہ اعتبار کرنا کہ خوارج محکّمۃ کے بعد آنے والے ہیں یعنی محکّمۃ قدیم خوارج تھے اور یہ جدید خوارج ہیں کسی بھی طرح سے خوارج کو محکّمۃ کے ساتھ جوڑنا بہت بڑی جعل سازی ہے اس محکّمۃ کی تحریک کو خوارج نے صرف اس لیے قبول کیا ہے وہ حادثات، واقعات ماضی سے تاریخی حوالے سے اپنا ربط قائم کرنا چاہتے ہیں۔ محکّمۃ کو خوارج سے جوڑنے والے جتنی بھی کوشش کر لیں ان کے اور خوارج کے مابین یعنی واقع نہروان اور نافع بن ارزق کی قیادت میں با قاعدہ خوارج کے ظہور کے مابین طویل زمانہ پایا جاتا ہے یہ اتنا بڑا خلاء ہے جو منہ کھولے ہوئے آج بھی باقی ہے اس زمانی خلاء کو بھرا نہیں جا سکتا۔ اس طرح جو کچھ محکّمۃ اور جو کچھ خوارج کی طرف ان کے مبادی اور اصولوں میں سے منسوب کیا جاتا ہے اگر ان کا موازنہ کیا جائے تو محکّمۃ کے مبادی اور اصولوں میں سے کوئی ایک بھی چیز خوارج کے مبادی اصولوں میں سے نہیں ہے جیسا کہ خوارج کا قول کہ مسلمانوں پر بھی عرب مشرکین کی طرح شرک کے فتوے لگانا اور ان سے عرب مشرکین کی طرح کا معاملہ کرنا وغیرہ جبکہ کتب تاریخ میں کلمہ کفر جو امام اور اہل نہر کے مابین بحث مباحثہ کا موضوع بنا اس سے مراد توبہ کے ساتھ خاص کیا جاتا یعنی کلمہ کفر کفر نعمت، معاصی کے معنی پر دلالت کرتا ہے اس سے کسی ایک نے بھی شرک کا معنی مراد نہیں لیا۔ میری معلومات کے مطابق جو کچھ محکّمۃ کی طرف منسوب کیا جاتا ہے اس میں مجھے کوئی بھی تذکرہ ایسا نہیں ملا جس میں انہوں نے کسی سے تجدید اسلام کا مطالبہ کیا ہو بلکہ توبہ کا مطالبہ کرتے تھے اس فصل کا اختتام درج ذیل بات پر کرتے ہیں:

- چوتھا فتنہ وہ اختلاف تھا جو حضرت علی ؑ اور محکّمۃ کے مابین رونما ہوا تھا جو کہ ان کی انتہا پر ہی اپنے انجام کو پہنچا ان کے بعد جو بھی تحریکیں شروع ہوئی وہ ساری کی ساری اموی حکومت کی ضد میں شروع ہوئی تھی چاہے ان کے اسباب اور دعوے جو بھی تھے لیکن وہ امویوں کے خلاف خروج اور بغاوت میں کھڑی ہوئی تھیں۔
- خوارج کی با قاعدہ تحریک کا آغاز نافع بن ازرق کی قیادت میں سن ٦٤ ہجری میں ہوا۔
- لہٰذا جب بھی خوارج کے لفظ کا اطلاق کیا جائے تو ضروری ہے کہ اس تحریک کے لیے ہی بولا جائے رہی اس کے علاوہ دوسری تحریکوں کی بات تو وہ صرف سیاسی خروج اور بغاوت تھی۔

جدا ہو دین سیاست سے تو رہ جاتی ہے چنگیزی

آج کے سیکولر سوچ رکھنے والے مسلمانوں کے ذہنوں میں مستشرقین اور ان کے مسلمانوں میں سے فکری اتباع مقالہ نگاروں کی افواہوں اور جعل سازیوں کے سبب یہ تصور پیدا ہو گیا ہے کہ امتِ اسلامیہ دو بڑے حصوں میں تقسیم ہوتی ہے:

- سیاسی جماعتیں
- دینی اور مذہبی جماعتیں

یہ مفہوم اور تصور کلیۃً خطا پر مبنی ہے سیاست اسلام میں شریعت اسلامیہ کا ایک جزء ہے احکام شریعت میں سے ایک جزء ہے کوئی بھی اسلامی مذہب ایسا نہیں جس کی اپنے عقائد میں دینی فقہی اور سیاسی آراء نہ ہوں رہی بات سیاسی اختلاف کی تو اس کی ابتداء صحابہ کرام ﷡ کے زمانے میں ان کے مابین اختلاف سے ہوئی حضرت طلحہ ؓ نے اور معاویہ نے جب حضرت علی ؑ کے خلاف خروج کیا تھا ان سے مسلمانوں کی اکثریت کے مسلک، مذاہب تشکیل پاتے ہیں اسی طرح حضرت علی ؑ کے انصار سے اہل تشیع مذہب کا وجود تشکیل پایا ان دونوں مذاہب کے سیاست عقائد اور فقہ سے متعلق اصول موجود ہیں اگر ان سے متعلق مزید تفصیل چاہتے ہو تو درج ذیل فصل کو پڑھو!

مذاہب دینیہ پر سیاسی اثر

خلافتِ راشدہ کے آخری زمانہ میں اور اموی سلطنت کی ابتدا میں معاملات اضطرابیت کا شکار ہوئے حکومت، اقتدار کے حوالے سے لوگوں کے مختلف طبقات کے مابین رسہ کشی نے زور پکڑا اسی طرح بعض افراد اور جماعتوں پر تصرف حاصل کرنے کی غرض سے مادی حرص لالچ اور رغبتیں ظاہر ہوئیں تب لوگوں کے نقطۂ نظر اور موقفوں کی بھی مختلف اقسام وجود میں آ گئیں یعنی مختلف انواع کے نقطہ نظر رکھنے والے افراد بھی ظاہر ہو گئے وہ تمام نقطہ نظر اور آراء درج ذیل ہیں:

پہلی قسم

یہ ایسے لوگ تھے جو بڑے ذہین اور چالاک تھے یہ لوگ دیکھ رہے تھے کہ جونہی امویوں کے ہاتھ اقتدار آئے گا تو اس کو شہنشاہت کی طرف تحویل کر دیں گے۔ انہوں نے یہ فیصلہ کیا کہ میدان لگا ہے اس میں جو پلہ بھاری ہے جو قوی اور طاقتور ہیں ان کے پہلو میں جا کر بیٹھا جائے ان کے ساتھ شامل ہو جائیں پھر اس پختہ تعلق کو مسلمانوں کی اکثریت کی سرداری اور قیادت کے لیے وسیلہ بنایا جائے اور وہ براہ راست قائم حکمرانوں سے عملی تعلق تھا بس اس طبقے اور گروہ کے لوگ پہلے اموی سلطنت کے ساتھ رہے پھر عباسیوں کے ساتھ اور پھر عثمانیوں کے نسل در نسل وراثتی درباری بنے رہے اس کے بعد جو جو سلطنتیں یکے بعد دیگرے قائم ہوتی رہتی ان کے ساتھ رہتے اور جب ان کو نزول اور زوال ہوتا تو ان کو

چھوڑ کر کسی اور کے ساتھ وابستہ ہو جاتے۔ مختصر یہ کہ یہ لوگوں کا طبقہ ہر حال میں ریاست کے ساتھ رہتا تھا چاہے وہ حاکم دینی ہو تا یا دنیاوی اس کے خلاف خروج کو فسق سمجھتے تھے۔ اس گروہ سے اشاعرہ ظاہر یہ حنابلہ اور معتزلہ کے مذاہب تشکیل پائے۔

دوسری قسم

ان لوگوں کی تھی جنہوں نے جذباتی دکھی اور غم کا موقف رکھنے والے افراد کی پیروی کی اور وہ درد غم کی ترجمانی کرتے تھے یہ وہ لوگ تھے جو حادثات سے رسول پاک ﷺ کے وصال مبارک سے لے کر مسلسل متاثر ہو رہے تھے۔ آپ ﷺ کے وصال کے بعد حضرت علیؓ کو خلیفہ بنانے کی بجائے حضرت ابو بکر صدیقؓ کو منتخب کیا گیا اس پر دکھی تھے پھر یہاں تک کے امام عالی مقام امام حسینؓ کی شہادت کا واقع پیش آ گیا جس نے اس طبقے کو اور غمگین کر دیا انہوں نے دیکھا کہ مسلمانوں کی اکثریت پر سرداری کرنے کے لیے ان جذبات کو وسیلہ بنایا جائے۔ لہٰذا انہوں نے اہل بیت کا پلہ تھام لیا اور کوشش کی کہ سیاست اور حکومت کو انہی کے حق کے ساتھ محصور کر دیا جائے چاہے بطریق وراثت یا پھر بطریق وصیت مگر ہر حال میں حکومت اقتدار صرف اہل بیت کا حق ہے۔ اس غرض سے اہل بیت کو تھاما۔ اس گروہ اور اس قسم کے لوگوں سے مذاہب شیعہ اپنے مختلف فرقوں کے ساتھ وجود میں آئے اور ان کی تشکیل ہوئی۔

تیسری قسم

ایسے لوگوں کی تھی جنہوں نے پہلی قسم کے لوگوں کی فکر اور دوسری قسم کی سوچ کو بھی قبول نہیں کیا بلکہ اقتدار کو جمہوری طریقے سے عوام کے پاس حق دیا وہ جس کو چاہے منتخب کر سکتی ہے۔ حاکم کو منتخب کرنے کا اختیار عوام کے پاس ہے جمہوری طریقے سے ہونا چاہیے جب عوام کسی کو منتخب کر دے گی اس کے بعد کسی کا اس کے خلاف کوئی عذر بہانہ قبول نہیں کیا جائے گا۔ اس قسم سے مذہب خوارج وجود میں آیا جن کی یہ رائے تھی کہ اگر منتخب ہونے کے بعد حاکم ظلم، بربریت میں ملوث ہوا تو اس کے خلاف مطلق خروج جائز ہے۔

چوتھی قسم

اموی سلطنت کی ابتداء میں جب ان تین قسموں کے لوگوں کے مابین میدان لگا رسہ کشی شروع تھی۔ اس وقت ایک تیسری قسم وجود میں آئی جو کہ ان سابقہ تینوں گروہوں سے ہٹ کر ایک معتدل فکر سوچ کی حامل تھی نہ تو یہ سوچ اپنائی کہ اقتدار حکومت کا ساتھ نہیں چھوڑنا حالات جو مرضی ہو جائیں نہ ہی دوسری قسم کے وصیت والے افراد کا موقف کامل طریقے سے اپنایا جو کہ اقتدار حکومت وراثتی یا وصیت کے طریقے سے صرف اہل بیت کا حق ہے ان میں ہی ہمیشہ رہے۔ نہ ہی Dectatership کے نظام کو مکمل طور پر اپنایا بس پہلی قسم کے افراد کے موقف کی مخالفت کی جب انہوں نے ظالم جابر

حکمران کے خلاف اس حالت میں خروج کو جائز قرار دیا کہ جب سلطنت کے نظام کو تحویل کرنے کی قدرت ہو اور یہ کہ کسی چھوٹے نقصان کو برداشت کر کے کسی بڑے نقصان سے بچا جاسکے اور ہر طرح سے تمام تر ایسی تنظیمات اور تحریکوں کا مقابلہ کرنے کی اجازت دی جو ظلم، بربریت پر قائم ہوں اسی طرح دوسری قسم کے لوگوں کی تب مخالفت کی جب وصیت اور وراثتی نظام خلافت کو قبول نہیں کیا وہ یہ کہ تاریخ میں ایک ہی خاندان کی اقتدار وراثت نہیں بن سکتا۔ تیسری قسم کی مخالفت تب کی جب انہوں نے مطلق خروج کو جائز قرار نہیں دیا یعنی ہر حال میں خروج جائز نہیں تمام لوگوں کو اس اصول کا پابند بھی نہیں کیا اور نہ ہی جس نے مخالفت کی اس کے خلاف بھی کوئی کاروائی نہیں ہوگی۔ اس قسم سے مذہب اباضی وجود میں آیا ان تمام اقسام اور گروہوں کی سیاست عقیدہ فقہ میں اپنی اپنی آراء ہیں جن کی بناپر ان کے مذاہب تشکیل پائے۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ پہلی قسم سوچ، فکر اور منصوبے کے لحاظ زندگی کے صفحہ ہستی پر باوجود اس کے کہ اختلاف کے مسئلہ کے لیے پہلا محرک بھی یہی قسم ہے ظاہر ہوئے جن پر عثمانیوں کے لفظ کا اطلاق ہوتا ہے وہ تو مرکز خلافت سے ہی الگ ہوئے اسی طرح عثمانی حقیقت میں اموی سے ہی الگ ہوئے اسی طرح عثمانی حقیقت میں اموی سیاست کی کوئی ظاہری تحریک نہ تھی جو اس موقف سے مفاد حاصل کرتی اور خود کو اصل ثابت کرتی اور اہل تشیع، خوارج کو ایک انتہا پسند ثابت کرتی ایسی تحریک بالکل نہیں تھی ہاں انہوں نے زبانوں قلموں کو گود میں لیا اور مؤرخین، مقالہ نگاروں کو اپنے تصرف میں کر لیا جنہوں نے ان کے مسلک اور راستے کو شریعت کا لباس پہنا دیا اور ان کے لیے ایسے حیلے بیان کیے جن سے وہ اپنی اصل اور سابقہ ظلم، ستم کی سلطنوں سے بری ہوسکیں اور یہ ثابت کیا جاسکے کہ ان کا ان سے کوئی تعلق نہیں ہے تم اگر اس زمانے کے مقالہ نگاروں کے مقالہ جات کا مطالعہ کرو تو تعجب کرو گے کہ کیسے انہوں نے ان واقعات کو ان کے حوالے سے بدل کر اس شکل میں بیان کیا ہے۔ اس حوالے سے تیرے وہ وہ تصویر پیش کرتا ہوں جس کو شیخ ابو زہرہ نے اپنی قیمتی کتاب (المذاهب الاسلاميه) میں پیش کیا ہے:

> (حضرت علیؑ اور امویوں کے مابین جو باتوں میں اختلاف پایا گیا وہ یہ تھی۔ خلیفے کو منتخب کرنے کا اختیار کس کے پاس ہے کیا اکیلے اہل مدینہ کے پاس ہے باقی تمام مسلمان ان کی پیروی کریں گے یا تمام اطراف، عالم آباد میں مسلمانوں کے پاس چناؤ کا اختیار ہے؟؟؟ اس اختلاف کے سبب اہل تشیع اور خوارج وجود میں آئے خوارج کی جانب سے شدت پسندی اور انتہا پسندی کا مظاہرہ کیا گیا جس کی بناپر بہت سی ان کے اور حضرت علیؑ کے مابین اور کچھ خوارج اور امویوں کے مابین جنگیں رونما ہوئی تھی۔

دوسری اہل تشیع کی جانب سے بھی جنگیں رونما ہوئی جن کا سلسلہ عباسی سلطنت کے قیام پر آکر اپنی انتہا کو پہنچا (میں نے آپ کے لیے تھوڑے سے تصرف کے ساتھ اس عبارت کو نقل کیا ہے۔)

ان سابقہ چار دھڑوں کے علاوہ ایک پانچواں گروہ بھی ہے جس کی اٹھان پہلی قسم اور پہلے دھڑے کے ساتھ ہی ہوئی جو کسی پختہ بنیاد پر قائم نہیں ہوا تھا اس لیے اپنے پہلے محرک کی انتہا کے ساتھ ہی منقطع ہو گیا۔ میری مراد وہ گروہ ہے جو عبداللہ بن زبیر کے ساتھ کھڑا ہوا تھا ابن زبیر نے اپنی تحریک کو شخصی بنیاد پر قائم کیا تھا اس کا خلاصہ میں اس کی اُس گفتگو کو پیش کرتا ہوں جو عبداللہ بن عباس کے ساتھ ہوئی۔ میری قریش میں ایک سربلکہ آنکھوں کی طرح حیثیت ہو گئی ہے بس میں ابن زبیر ہوں رسول پاک کے خاص ساتھیوں میں سے میری ماں اسماءؓ (ذونطاقتین) ابو بکرؓ کی بیٹی ہے۔ میری چچی سیدہ خدیجہؓ ہے جو عالمین کی عورتوں کی سردار ہیں۔ میری دادی جو رسول پاک ﷺ کی چچی ہے اسی طرح عائشہؓ میری خالہ ہیں جو ام المومنین ہیں لیکن ابن زبیر شخصی خوبیوں اور تعلقات کے باوجود پہلے گروہ کے ساتھ نہ چلنے کی بنا پر کامیاب نہ ہو سکے فتنہ جمل کے بعد اس سے الگ ہو گئے اور پہلے گروہ کی تائید نہیں کی اس کے بعد آپ نے دوسرے گروہ کی بیعتِ علیؑ سے لے کر تائید نہ کی اسی طرح تیسرے گروہ کے مبادی سے بھی موافقت نہ کی رہی بات چوتھے گروہ کی تو اس کو اموی سیاست کے حوالے سے ایک اور جہت سے دیکھتے تھے وہ یہ دیکھ رہے تھے کہ اگر یہ کامیاب ہو گئے تو نتیجہ اس ظلم، بربریت کی سلطنت وجود میں آئے گی۔ لہٰذا ان کی تائید بھی نہیں کی آپ کی تحریک نے مصائب، آلام اور آفات کے درمیان رسہ کشی اور دنگل میں پروان چڑھنے اور نمو پانے کی کوشش ضرور کی لیکن بے اثر اور بے سود رہی بس نہ تو مکمل ان افات کے سبب بجھ سکی اور نہ ہی مکمل طریقے سے روشن ہو سکی اس سے پہلے کہ ہم اس بحث سے آگے گزریں یہاں ان حادثات کے دوران ایک جانب دار پہلو کی طرف اشارہ کرنا ضروری ہے جس کو حساب کتاب سے ساقط نہیں جا سکتا۔ جب حملہ آوروں نے حضرت عثمان غنیؓ پر حملہ کیا اس وقت بہت سے لوگ شکوک شبہات اور مضطرب حالت کا شکار تھے جو کہ یہ نہیں جانتے تھے کہ اس حوالے سے ان کے لیے کون سا تصرف مناسب رہے گا اس لیے بعض نوجوان امیر المومنین کے گھر میں حملہ آوروں سے ان کے دفاع کے لیے گھس گئے لیکن مسلمانوں کی اکثریت امیر المومنین کے حوالے سے مشکوک رائے اور موقف رکھتی تھی اس کے باوجود کہ آپؓ پر طعن کا عمل چھ سال سے جاری تھا پھر بھی لوگوں کا موقف ان کے حوالے سے واضح نہیں تھا کسی نے بھی چاہے وہ اہل شام تھے، اہل مصر، اہل عراق یا پھر اہل حرمین ان کے حوالے سے واضح موقف نہیں اپنایا تھا سب اضطرابیت اور شکوک شبہات کا شکار تھے یہاں تک کہ کارثیہ کا واقع رونما ہوا اور امیر المومنین حضرت عثمانؓ کی شہادت ہو گئی کیا یہ خاموش جمہور حضرت عثمانؓ کی ضد میں تھے؟ یا وہ مثبت تھے غیر جانب دار تھے کہ یہ مسئلہ بے مقصد ہے۔ اس پختہ موقف کی ایک ہی تفسیر ہے وہ پیچیدگی ہے جو تحریک کے وارث کو مقید کر رہی ہے جب اس زمانے کے بعد عثمانیوں نے وجود پکڑا تب انہوں نے اس فتنے کو جو خلافت کے بعد پیدا ہوا تھا اصل کی ضد میں خوب استعمال کیا۔ اس بار جمہور کا موقف پہلی صورتحال کی طرح پیچیدہ نہیں تھا بلکہ امتِ مسلمہ کا ایک بہت بڑا حصہ نئی خلافت کو قائم کرنے کی غرض سے متحد ہو گیا اور نئی خلافت کا حمایتی بن گیا۔ دوسرا فریق ان کی ضد میں متحد ہو گیا۔ ایک تیسرا فریق تھا جو بہت تھوڑی تعداد پر مشتمل تھا اس نے اعلان کیا کہ وہ بالکل غیر جانب دار رہے گا۔ لہٰذا بعد میں ہونے والے تمام حادثات، واقعات میں وہ ملوث نہیں ہوا اپنے اُسی غیر جانب داری اصول پر قائم رہا۔ ان غیر جانب داروں نے نہ

کوئی گروہ اور دھڑا بنایا نہ ہی کسی گروہ کی مدد کی بلکہ ان میں سے ہر ایک نے اپنے تئیں یہ موقف اپنالیا تھا کہ وہ خود کو غیر جانب دار رکھے گا ان کے اس موقف سے کوئی مذہبی جہت بھی وجود نہ پائی اس بنا پر ہم ان کو سابقہ معاملات میں اور دھڑوں میں شامل نہیں کرتے اس میں کوئی شک نہیں کہ ان سیاسی جہتوں کی بدولت بہت سے مذہبی، فقہی اور کلامی جھگڑے پیدا ہوئے اور بحث مباحثہ، مناظروں نے بھی جنم لیا۔ لہٰذا ایک حد تک ان جھگڑوں مناظروں جدل، جدال سے تمام جہات، تحریکیں اور حالات بھی متاثر ہوئے مثلاً اہل سنت نے اس قوی سلطنت کے پہلو میں جا کر پناہ لی جس نے بغیر اسلامی ریاست، سلطنت کی شروط کے خود کو خلافت کا نام دیا تھا ایسی مملکت کے شرعی معاملات اور امور کو سرانجام دینے میں مشغول ہو گئے تھے جو خود تلوار کے ذریعے اقتدار پر قابض ہوئی تھی اور (اولی الأمر) کا خود کو نام دیتی تھی۔ یہ فقہا رعایا پر حاکم کی تابعداری کو واجب قرار دے رہے تھے اس کے خلاف خروج کی اجازت نہیں دیتے تھے بلکہ ان کے نزدیک عدم جواز تھا۔ لہٰذا اہل سنت کے نزدیک سلطنت سے متعلق بہت بھاری تعداد میں فقہی کلامی فلسفے وجود میں آئے جو بعض داخلی معاملات کا احاطہ کرتے ہیں۔ داخلی معاملات سے متعلق ابحاث پر اور کچھ مسلمانوں کے دیگر فرقوں سے متعلق مباحث پر مشتمل ہیں۔

اہل تشیع اپنے مختلف فرقوں کے ساتھ امامت سے متعلق معاملات میں مشغول تھے امامت کے حوالے سے انہوں نے ایک اہم جہت کو لیا جو ریسرچ کے میدان میں بڑی اہمیت رکھتی ہے۔ جب وصیت پر اتفاق ہو جائے گا تو اگلا سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ بنو ہاشم میں سے کون امام ہو گا؟ اور یہ تسلسل امامت بنو ہاشم میں سے ہی آگے کیسا ہو گا؟ وصیت کا عمل کیسے پورا ہو گا۔ جاب اسلامی ممالک ہاشمی خلیفے سے خالی ہو جائیں گے تب کیا حکم ہو گا؟ کیا اماموں کی تعداد محدود ہے؟ ان جہات کے حوالے سے بہت سے فقہی اور کلامی مسائل معاملات اہل تشیع کے ہاں بہت زیادہ زیر بحث لائے گا۔ بڑی بڑی ضخیم مباحث نے جنم لیا جو ایک جہت سے اہل تشیع کے فرقوں کے مابین بحث کا موضوع بنے تو دوسری جانب اہل تشیع اور دیگر اسلامی مذاہب کے مابین زیر موضوع لائے گئے اور بہت سی مباحث نے جنم لیا اگر محترم قاری ان تمام تر مباحث کا جائزہ لے تو اُسے محسوس ہو گا کہ اہل تشیع اور اہل سنت میں ان ابحاث میں جو امامت سے متعلق ہیں بڑی قرابت اور اتفاق پایا جاتا ہے اختلاف تو صرف لفظی ہے معنوی طور پر اتفاق ہے۔

مثلاً امام کے بارے میں اہل تشیع کہتے ہیں کہ وہ معصوم ہوتا ہے ان کے خلاف خروج فسق ہے اس کا حکم تشریعی ہے۔ اشاعرہ کہتے ہیں امام معصوم نہیں ہے لیکن اس کی خطاء ایسی نہیں کہ اس کے خلاف خروج کی اجازت ہو اس کے خلاف خروج جائز نہیں اس کی اطاعت واجب ہے بلکہ اس کے خلاف خروج کرنا فسق ہے چاہے وہ ظالم ہی کیوں نہ ہو۔ گویا اہل تشیع اور اہل سنت اس حوالے سے اگرچہ تعبیر میں اختلاف کرتے ہیں لیکن حقیقت میں دونوں متوازن خطوط پر چل رہے ہیں۔ دونوں مذہبوں کا اس پر اتفاق ہے کہ جو بھی کرسی اقتدار پر متمکن ہو گیا ہر حال میں اس کی کرسی مذہب کی نظر میں محفوظ اور سلامت ہے کیوں کہ اس کی اطاعت واجب ہے اس کے خلاف خروج فسق ہے ہر وقت ساعت اطاعت کا شعار قائم ہے یعنی ہر حال میں اس کی اطاعت اور فرمانبرداری ضروری ہے۔

رہی بات خوارج کی تو انہوں نے امامت سے متعلق جو موقف اپنایا وہ سابقہ دونوں مذاہب کے موقف کے برعکس تھا ان کے نزدیک باوجود ان شرائط اور صفات کے جو امام سے متعلق خاص ہیں اس کی حیثیت ایک کمزور امام کی سی ہے وہ بغیر کسی امتیاز اور خاص مکسب کے قیادت کے لیے منتخب کرلیا جاتا ہے لیکن اسی طریق پر آسانی کے ساتھ اُسے منصب سے معزول کرنا یا قتل کرنا بھی ممکن ہے۔ ان کی نظر میں اس امام کی اطاعت واجب ہے۔ خدا تعالیٰ کا مطیع ہو اگر اس نے احکام الٰہی میں سے جو اس پر واجب ہے کسی حکم میں خلاف ورزی کی تو اس کو توبہ کرنے کا بولا جائے گا اگر ایسا نہ کیا تو منصب کو چھوڑ دینا اس پر واجب ہو گا اور اگر وہ منصب سے معزول نہ ہوا تو اس کا قتل کرنا واجب ہو جائے گا اگر اس کو قتل کرنا آسان نہ ہو تو اس کے خلاف خروج کیا جائے گا لیکن کسی بھی حال میں اس کے حکم کے ماتحت رہنا جائز نہیں ہے۔

مجھے خوارج کی کوئی ایسی کتب فقہ تو میسر نہیں آئیں اور نہ ہی میں نے آج تک کوئی فقہ کی کتاب ایسی دیکھی ہے جو خوارج کی ہو اور اس میں درست تصویر کا تعین ہو سکے اس لیے خوارج کے حوالے سے درست تصویر کا تعین کرنا ممکن نہیں کیوں کہ میری رسائی ان کی کتب فقہ میں سے کسی کتاب تک نہیں ہو سکی میں اس حوالے سے ان مصادر پر اعتماد کیا ہے جو ان کے علاوہ غیروں کے ہیں جنہوں نے ان کے حوالے سے اور امامت کے تصور کے حوالے سے ذکر کیا ہے۔ رہی بات اباضیوں کی تو انہوں نے ان تینوں فکری موجوں کے مقابلے میں ایک معتدل، متوسط موقف اپنایا ہے انہوں نے اہلِ تشیع کے موقف کو رد کیا ہے اسی طرح اطاعت واجب اور کسی بھی حالت میں خروج جائز نہیں ہے جیسا کہ اہل سنت کہتے ہیں اور Dectatership کے نظام کو بھی Reject کرتے ہیں جو ظالم، جابر امام کے خلاف مطلق خروج کو واجب کرتا ہے اور تمام تر وجوہات میں جو مرضی صور تحال ہو اس ظالم کے ماتحت رہنے کو حرام قرار دیتا ہے۔ بلکہ اباضی مذہب اس وقت حاکم کی اطاعت کو واجب قرار دیتا ہے جب وہ امامت شرعی منہج پر چل رہی ہو اسی طرح حالات اور لوگوں کے معاملات اور صور تحال کے مطابق خروج اور بقا دونوں کی اجازت دیتا ہے جب حاکم ظالم ہو ان کی اس رائے اور موقف سے فقہی کلامی ضخیم عدد میں مباحث نے جنم لیا ہے میرے خیال میں امت کا حاکم کے ساتھ تعلق کے حوالے سے مذہب اباضی کی آراء تفصیلات کے حوالے سے دیگر مذاہب سے زیادہ کامل اور مفصل ہیں جن کی بنا پر اباضی مذہب کے نزدیک دین کے چار راستے ہیں۔

۱. اظہار

۲. دفاع

۳. خروج

۴. تقیہ کرنا

ان مذاہب میں سے جو پہلی قسم کے لوگ تھے ان کے بارے میں لکھا گیا ہے کہ انہوں نے سیاست کے موافق اور سیاسی حالات کے مطابق موقف اپنائے جس بنا پر انہوں نے حکمرانوں اور سلطنت سے مفادات کے حصول میں کامیابی

حاصل کی اس قسم کے لوگ اپنے موقف میں ہمیشہ سلطنت، مملکت کے ساتھ مربوط رہتے۔ ہر موقف میں سلطنت ان کی رہنمائی کرتی اور جس میں اس کی مصلحت ہوتی ویسا موقف اپنانے کو کہتی مثلاً ایک فقیہ کھڑا ہوتا ہے اور حکمران کے بارے میں کہتا ہے! یہ امیر المؤمنین ہے مسلمانوں کی حکمرانی اور اقتدار کی ذمہ داری اس کو سونپ دی گئی ہے جب کوئی دوسرا حاکم آیا اس نے اقتدار پر قبضہ کرلیا پہلے والے حاکم کو قتل کر دیا اس کے تختِ اقتدار پر بیٹھ گیا پھر یہی فقیہ دوبارہ دربار میں کھڑا ہوتا ہے اور کہتا ہے! یہ امیر المومنین ہے مسلمانوں کے امور اس کو سونپ دیے گئے ہیں اب ایسا فقیہ جو قاتل اور مقتول کو امیر المومنین اور مسلمانوں کی ولایت کے حکم میں جمع کر رہا ہے وہ اس کا زیادہ حق دار ہے کہ اقتدار اور اس کو استعمال کرنے اور اس سے دیگر مسلمانوں کے مقابلہ میں مفاد حاصل کرنے میں اسی طرح وہ حکمرانوں کے بھی ان کی پیروی کرنے اور ان کے مفادات اور مصلحتوں کے خیال رکھنے کے حوالے سے زیادہ قریب ہے بلکہ قرابت کا زیادہ حق دار ہے۔ ایسے فقیہ کو حکمرانوں کی قربت ملنے میں کوئی شک نہیں کیا جاسکتا۔ لہٰذا حکومت اقتدار سے متعلق جتنی جس مذہب کو قربت حاصل تھی اسی کی نسبت وہ مذہب اس اقتدار کی سیاست کے زیر اثر پروان چڑھا اور پھیلا۔ یہاں میری مراد ایسے فقہا ہیں جو حکمرانوں سے چپکے رہے اور ان کے اشاروں پر چلا کرتے تھے ان کے بُرے اعمال سے ان کو بری کرتے تھے اس صورتِ حال میں میں ان تمام مذاہب کے آئمہ، مقتدی کو منزہ اور پاک دامن قرار دیتا ہوں جنہوں نے مجبوری کی حالت میں نظامِ ظلم کو قبول کیا اور اس کے ماتحت رہتے رہے لیکن اس کے ساتھ ساتھ وہ طعن تشیع اور حکمرانوں پر تنقیدی آوازیں بلند کرتے رہے۔ لہٰذا ان میں سے بہت کم بلکہ بعض اوقات تو اس سیاسی سائے میں پروان چڑھنے والے مذاہب کو دیگر مذاہب پر حملہ کرنے اور ان کے خلاف استعمال کیا جاتا تھا جبکہ دوسری جہت سے اس مذہب کی حمایت بھی کی جاتی۔

قطع نظر اس مد جزر کے جو مختلف علاقوں میں مختلف مذاہب کو لاحق ہوا یہ درست بات ہے کہ مذہبی فقہ ضرور مخصوص جہات سے یا پھر ان سیاسی مبادی، اصولوں سے متاثر ہوئی جن کے طریق پر چلا جاتا تھا یا جن کی طرف دعوت دی جاتی تھی۔ اس حوالے سے مثال کے طور پر ہم خروج سے اور اس سے متعلق تمام احکامات کو بطور مثال ذکر کرتے ہیں۔ وہ یہ کہ کب خروج جائز ہے کس کے لیے جائز ہے کم از کم کتنی تعداد ہونی چاہیے ان کا لوگوں کے ساتھ کیسا سلوک ہونا چاہیے ان کے مال کی حفاظت پر امن لوگوں کو خوف زدہ نہ کرنا حرمت بغاوت، سرکشی کا کیا حکم ہے؟ کب خروج کو ختم کیا جائے گا جس جگہ کو دورانِ قیام اپنا وطن بنائیں گے وہاں ان کا کیا عمل ہوگا۔ سفر، حضر کی نماز ان کا سلطنت اور امورِ سلطنت کے بارے میں کیا موقف ہوگا اس طرح کے فقہی مسائل جو بیان کرنے والے شاید ہی ایسے ائمہ ہوں گے جن کو اذیت نہ دی گئی ہو تقریباً وہ سب ہی اذیت کا شکار ہوئے مثلاً ابن جبیر جن کو قتل کیا گیا حسن تھے جن کا تعاقب کیا جاتا یہاں تک کہ وہ روپوش ہوگئے جابر تھے جن کو حج سے روک دیا گیا اسی طرح امام اعظم ابو حنیفہ ؒ تھے جن کو کوڑے مارے جاتے امام مالک کو بھی یہاں تک کہ احمد بن حنبل کو کوڑے مارے گئے جس کو مادی اذیت نہیں پہنچی تھی تو اس کو تادیبی ضرور پہنچی۔

اس طرح کے مسائل سے اباضی مذہب کی کتبِ فقہ بھری پڑی ہیں زیادہ تر فقہ کے ابواب سیاسی جہت سے اموال، ولایت سے متعلق مسائل ہر مذہب کی فقہ میں سیاسی جہت اس کا ملاحظہ مذہب اباضی میں اہلِ مشرق، مغرب اباضی فقہا کی

آراء میں کیا جا سکتا ہے وہ یہ کہ اہل مشرق اباضی جو کہ اہل عمان اور زنجبار ہیں ان کے نزدیک سلطنت عدل، انصاف پر مبنی ہونی چاہیے ہے لیکن کبھی انہوں نے ظلم، بربریت کی سلطنت کو بھی تسلیم کیا ہے۔ کیوں کہ ان علاقوں کے والیوں، گورنروں اور قاضیوں میں صلاحتیں اہل مغرب سے زیادہ ہوتی تھیں۔

اہل مغرب اباضی تیسری صدی ہجری سے لگاتار ایسی کسی بھی سلطنت کے ماتحت نہیں رہے جو مذہب اباضی کے احکامات کے تابع نہ ہو اس بنا پر والیوں، قاضیوں کی صلاحتیں سطحی ہیں جبکہ معاشرتی اور مسلمانوں کی جماعت معاشرت اور شادی کے نظام کے حوالے سے نقطہ نظر میں شدید وسعت پائی جاتی ہے اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ سیاسی جہت سے پروان چڑھنے والی فکر ہے سیاسی پہلو سے متاثر ہوئی ہے۔

جس بات پر اس فصل کا اختتام کرنا مناسب سمجھتا ہوں۔ قطع نظر اس کے کہ ابن زبیر کی تحریک اس کی انتہا کے ساتھ ہی اپنے انجام کو پہنچی اسی طرح غیر جانب دار لوگ جو تمام تحریکوں سے الگ ہو گئے تھے جب سے فتنہ شروع ہوا انہوں نے اس کے بعد اپنا ان تحریکوں میں کوئی اثر نہیں چھوڑا وہ درج ذیل ہے۔

خلافت راشدہ کے آخر اور اموی سلطنت کی ابتداء میں مسلمان فتنوں کے سبب تقسیم ہو گئے پھر خلافت کو ظلم، بربریت کی سلطنت کی طرف ان مختلف گروہوں، دھڑوں کی صورت میں پھیر اگیا جو ابتداء سے تو سیاسی حوالے سے ایک خاص پہچان اور اہمیت رکھتے تھے مگر بعد میں عقیدے فقہ اور حکومت، اقتدار سے متعلق سیاسی حوالے سے انہوں نے خاص مواقف اور نقطہ نظر نہیں اپنائے وہ یہ ہیں۔

ا۔ اموی گروہ

یہ کثیر تعداد اور زیادہ قوی گروہ ہے ان کا حکومت، اقتدار کے حوالے سے بنیادی اصول یہ ہے کہ ریاست دو قسموں کی ہونی چاہیے۔

ا۔ دینی خلافت ۲۔ دنیاوی خلافت

دینی خلافت

دینی خلافت وہ ہوگی جس کی دینی شرائط پوری ہوں گی جیسے کہ بیعت، مشاورت، عدالت، عدل، انصاف اور قریشی ہونا وغیرہ۔

دنیاوی خلافت

وہ یہ ہے کہ جب درجہ بالا شرائط پوری نہ ہوں تو وہ دنیاوی خلافت ہوگی دونوں صورتوں میں اطاعت واجب ہے۔ خروج جائز نہیں ہے اس سیاسی اصول سے بعض عقائد اور فقہ میں مذہبی اصول تشکیل پائے اس گروہ سے اشاعرہ، ماتریدیہ، اثریہ اور معتزلہ کے مذاہب پھوٹے۔

۲۔ ہاشمی گروہ

کثرت اور قوت کے لحاظ سے یہ گروہ دوسرا درجہ رکھتا ہے ان کا سیاسی ااصول یہ ہے کہ ان کے نزدیک سلطنت کی سربراہی امتِ اسلامیہ کے لیے نہایت ہی اہم شئے ہے اس کو خدا تعالیٰ نے لوگوں کے لیے نہیں چھوڑا اس لیے خلافتِ اسلامیہ نظام وصیت پر استوار ہوگی۔ سابق لاحق کے لیے چھوڑے گا سب سے پہلے جو وصیت کے حق دار تھے اور جن کو خلافت ملنی تھی وہ حضرت علی تھے پھر ایک تسلسل سے چلتی اس مبداء پر ان کے مذہبی اور فقہی اصول استوار ہوئے اس سے اہلِ تشیع وجود میں آگئے۔

۳۔ مثالی گروہ

یہ ایسا گروہ تھا جو بڑی شدت کے ساتھ ظاہر ہوا لیکن جلد ہی روپوش ہوگیا ان کے نزدیک ریاستی ایک ہی اصول ہے وہ کہ سلطنت کا سربراہ مطلق اختیار کے ساتھ تختِ خلافت پر بیٹھے گا اور وہ اختیار ظلم کی وجہ سے ساقط ہو جائے گا۔ خلیفہ کے حوالے سے تب یہ حکم ہوگا کہ وہ منصب کو چھوڑ دے یا پھر قتل کر دیا جائے یا پھر اُسے بھگا دیا جائے اس گروہ نے عقائد اور فقہ میں سے کچھ باقی نہیں چھوڑا جس سے ہم استدلال کر سکیں ہاں ان کے مخالفین کی کتابوں میں ایسے مقالہ جات ملتے ہیں جو اصول یا فروغ میں ان کی طرف منسوب کیے جاتے ہیں۔

۴۔ چوتھا گروہ

یہ گروہ اس وقت وجود میں آیا جب سابقہ تینوں گروہوں میں جھگڑا، اور اختلاف جوش پکڑ چکا تھا سلطنت کا سربراہ ان شرائط کے ساتھ منتخب ہوگا۔ بیعت، مشاورت عدل، انصاف وغیرہ اور جو خلیفہ اس راستے سے آئے گا اور اس پر قائم رہے گا۔ اس کی اطاعت کرنا واجب ہے اس کے خلاف خروج کرنا جائز نہیں اگر اس نے انحراف کر لیا یعنی وہ منحرف ہوگیا تو اس کے خلاف خروج جائز ہے۔ اسی طرح اگر اسلامی سلطنت کا کوئی خلیفہ اس طریقے سے ہٹ کر تختِ اقتدار تک پہنچا ہو لیکن وہ عدل انصاف کے راستے پر چلا اس کی اطاعت کرنا بھی واجب ہے اور خروج جائز نہیں اس گروہ سے مذہب اباضی نے جنم لیا۔

اس بنا پر امتِ اسلامیہ کو سلطنت، حکومت اقتدار امامت خلافت کے تصور کے حوالے سے چار قسم کی آراء حاصل ہوئیں۔

۱. ایک ایسا گروہ ہے جو ہر حال میں سلطنت کے رئیس کے دامن کو تھامنے اور اس کی ہر حال میں اطاعت کرنا جائز سمجھتا ہے۔ چاہے وہ ریاست دینی ہو یا دنیاوی اس کے خلاف خروج کرنا فسق ہے۔

۲. امت اسلامیہ کے لیے صرف اُسی شخص کو امام مانا جائے گا جو وصیت کے طریق سے آئے گا ایسی صورت میں وہ امام معصوم ہے اس کی اطاعت واجب اس کے خلاف خروج کرنا فسق ہے۔

۳. مسلمانوں کا وہی امام ہو گا جو آزادانہ طریق آزادی پر منتخب ہوا ہو اگر وہ ظالم ہوا تو اس کے خلاف خروج واجب ہے اور اگر وہ منصب سے معزول نہیں ہو گا تو اس کا قتل کرنا واجب ہے۔

۴. مسلمانوں کا امام وہ ہو گا جو عادل ہو چاہے وہ مشاورتی نظام کے ساتھ منتخب ہوا ہو یا غیر مشاورتی اس کی اطاعت واجب ہے تو اس کے حکم کے ماتحت رہنا بھی جائز ہے لیکن کسی ایسے حکم کو ماننا جائز نہیں ہو گا جس سے خالق کی نافرمانی ہوتی ہو اس طرح اس کے خلاف خروج کرنا بھی جائز ہے۔

ایک اور قابلِ تصحیح تصور

لوگوں کے ذہنوں میں ایک تصور یہ بھی بیٹھ گیا ہے کہ کسی ایک مخصوص مذہب سے وابستگی ضروری ہے یعنی اندھی عقیدت ہونی چاہیے قطع نظر اس کے کہ اس مذہب کی فکر، سوچ اس کی طرف منسوب کردہ، اقوال آراء کیا ہیں وہ درست ہیں یا نہیں بس جو جس مسلک، مذہب سے وابستہ ہے وہ صرف اور صرف اُسی کو حق مانتا ہے دیگر مذاہب اس کی نظر میں بغیر کسی علم کے یا ان مذاہب کے مقالہ جات کو پڑھے بغیر حق پر نہیں ہوتے ان کو اہلِ حق نہیں مانا جاتا صرف اپنے مذہب کو حق کا مذہب مانتے ہیں یعنی شدت اور انتہا پسندی کی سوچ کے حامل ہیں اور وہ اپنے مذہب کے علاوہ دیگر مذاہب کو ان کی جان کاری اور پڑھے بغیر غصہ اور سختی کا نظریہ رکھتے ہیں اور باطل سمجھتے ہیں بس اپنے مذہب کو ثقہ مانتے ہیں یہ ایسا تصور ہے جس کا ازالہ کرنا ضروری ہے اس کی جگہ یہ تصور ذہن نشین کرنا ضروری ہے کہ تمام مذاہب ثقہ ہیں رہی بات افراد کی تو ان کی طرف ان کے اعمال، اقوال کے مطابق دیکھا جائے گا یعنی صرف اُسی ایک فرد پر ہی حکم لگایا جائے گا یہ تصور غلط ہے کہ کسی ایک شخص کے اقوال اعمال غلط ہوں تو ہم اس کی وجہ سے اس پورے مذہب پر حکم لگا دیں جس سے وہ وابستہ ہے نہیں صرف اُسی فرد کو ہم بُرا بھلا کہہ سکتے ہیں پورے مذہب پر حکم نہیں لگا سکتے اچھے بُرے افراد ہر مذہب میں پائے جاتے ہیں۔

میں یہاں دو ایسے آدمیوں کی مثال لے کر آیا ہوں جو دو مختلف مذاہب سے وابستہ ہیں لیکن عقلی اعتبار سے وہ متفق ہیں ان میں سے ایک تمام لوگوں پر شدت برتنے سے لطف اندوز ہوتا ہے اور ایک ایسا شخص ہے تمام افراد کے احترام اور ان سے محبت کرنے سے سکون محسوس کرتا ہے اور لطف اندوزی حاصل کرتا ہے اس حوالے سے تفصیل کے لیے درج ذیل فصل کا مطالعہ کریں:

موازنہ

اکثر مقالہ نگار اور ان کے پس پردہ مسلمانوں کی اکثریت خوارج پر بڑی شدت برتتے ہیں ان کو بڑی غصے اور نفرت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں اس لیے کہ وہ اپنے مخالفین کو کافر سمجھتے ہیں ان پر کفر کے فتوے لگاتے ہیں اسی طرح ان کے اموال اور خون کو مباح سمجھتے ہیں اکثر مقالہ نگار یہ بیان کرتے ہیں کہ خوارج جن کو سب سے بڑا مخالف سمجھتے ہیں وہ اہلِ سنت ہیں جبکہ جمہور کی نظر میں اہلِ سنت نہایت معیانہ روی اور معتدل فکر کے حامل ہیں ایسا فرقہ ہے جو نہایت برداشت، معتدل سوچ رکھتا ہے آیے اب دیکھتے ہیں کہ مخالفین کے بارے میں اہلِ سنت کیا موقف رکھتے ہیں۔ اس موقف کے تعین کے لیے ہمیں مقالہ نگاروں میں سے کسی ایک کی مدد لینی پڑے گی تو میرے خیال میں ہمیں عبدالقادر بن طاہر البغدادی کی کتاب (الفرق بين الفِرق) سے مدد لینی چاہیے اس میں جو وارد ہوا ہے اس کا خلاصہ درج ذیل ہے:

بغدادی کہتا ہے کہ اہلِ سنت کی آٹھ اقسام ہیں:

ایک وہ ہے جنہوں نے توحید، نبوت کے باب میں علم کا احاطہ کیا دوسری قسم میں آئمہ فقہ ہیں جو دو طرح کے گروہ ہیں ایک صاحب رائے ہیں دوسرے اصحابِ حدیث ہیں۔اس دائرے میں اس نے اصحاب مالک، شافعی، اوزاعی، ابو حنیفہ، ابن ابو لیلی، ابو ثور، احمد بن حنبل اور اہل ظاہر کو داخل کیا ہے۔ تیسری قسم وہ لوگ ہیں جنہوں نے علم کا بطریق اخبار اور سنن احاطہ کیا چوتھی قسم ہے جنہوں نے علم کا احاطہ زیادہ تر ادب نحو صرف کے باب میں کیا ہے پانچویں وہ قسم ہے جنہوں نے علم کا قرآنی قرأت اور تفسیر کے میدان میں احاطہ کیا۔ چھٹی قسم صوفیاء اور زاہدوں کی ہے جنہوں نے دیکھا جانا پھر ٹھہر گئے خاموش ہو گئے ساتویں قسم وہ ہے جو دشمنوں کے مقابلے کے لیے مسلمانوں کی سرحدوں پر پڑاؤ ڈال کر بیٹھے ہوئے ہیں ان میں سے آٹھویں وہ قسم ہے ایسے ممالک جن میں اہلِ سنت کے شعائر ان ممالک کے مقابلہ میں جن میں اہلِ ہوا اور ضلالت موجود ہیں غالب ہیں۔

بس یہ تمام اہلِ سنت کی اقسام ہیں جو سارے کے سارے دینِ قدیم اور صراط مستقیم پر قائم ہیں رہی بات اہلِ سنت کے اہلِ قبلہ میں سے مخالفین کی تو بغدادی کی نظر میں ان کی دو اقسام ہیں۔ایک ایسی قسم ہے جن پر مرتدین کا حکم جاری ہوا ہے یعنی وہ مرتد ہیں پھر ان لوگوں کے تمام فرقے ایک ایک کر کے بیان کیے ہیں۔دوسری قسم اہلِ قبلہ میں سے ان مخالفین کی ہے جن کو اہلِ ہوا اہلِ بدعت کے عنوان سے ذکر کرتے ہیں پھر ان کے تمام فرقوں کا ایک ایک کر کے بیان کیا ہے اسی طرح اس نے ان پر اہلِ سنت کے جملہ احکامات کا ذکر کیا ہے جو احکام اہلِ سنت نے ان پر جاری کیے ہیں۔

پھر اسی کتاب کے صفحہ ۲۷ پر درج ذیل کہا ہے!

(رہی بات جارودیہ، ھشامیہ، نجاریہ، جہمیہ اور امامیہ جنہوں نے خیار صحابہ سے متعلق کفر کیا ہے اور معتزلہ جو حق سے الگ ہو گئے اور بکریہ بکر بن اخت عبد الواحد کی طرف منسوب ہوتے ہیں اسی طرح ضراریہ تمام مُشبّہ اور خوارج میں سے اہلِ ہوا اور بدعت کی تو ہم ان پر کفر کا فتویٰ لگاتے ہیں جیسے انہوں نے اہلِ سنت پر کفر کے حکم کو جاری کیا ہے ہمارے نزدیک نہ تو ان کی نمازِ جنازہ جائز ہے اور نہ ہی ان کے پیچھے نماز پڑھنا جائز ہے اگرچہ وراثت کے مسئلہ میں اور اس کے حکم میں اختلاف ہے بعض نے کہا ہے کہ ہم ان کی وراثت میں وارث بنیں گے لیکن وہ ہماری وراثت میں وارث نہیں بنیں گے۔درست حکم یہ ہے کہ ان کا مال مالِ فئ ہے۔ان کے اور سُنی کے مابین وراثت نہیں ہے۔اس نے جو اقوال بعض آئمہ کی طرف منسوب کیے ہیں ہم ان سے استشہاد پیش کرتے ہیں۔

اس نے کہا (حارث المحاسبی نے اپنے باپ سے وراثت نہیں حاصل کی اپنے باپ کی وراثت کا وارث نہیں بنا کیوں کہ اس کا باپ قدریہ میں سے تھا۔)

اسی طرح محمد بن حسن سے روایت کیا گیا ہے آپ نے کہا جو شخص ایسے آدمی کے پیچھے نماز پڑھے جو قرآن کے مخلوق ہونے کا قائل ہو تو اس پر اس نماز کا اعادہ کرنا ضروری ہے۔)

اس نے یہ بھی ذکر کیا ہے:

(کہ امام ابو یوسف سے معتزلہ کے بارے میں پوچھا گیا آپ نے فرمایا وہ زندیق ہیں۔) مزید اس نے ذکر کیا ہے کہ امام شافعی نے اپنی کتاب (قیاس) میں معتزلہ اور دیگر اہل ہوا کی گواہی کی عدم قبولیت کی طرف اشارہ کیا ہے۔)

امام مالک کے بارے میں بیان کیا ہے کہ (آپ نے معتزلہ کے بارے میں فرمایا وہ زندیق ہیں ان سے توبہ کا مطالبہ کیا جائے گا اگر نہیں کرتے تو ان کو قتل کر دیا جائے گا ان گواہیوں کے بعد اس نے کہا:

(رہی بات ان کے ساتھ معاملات کی بیع اور شراء میں یعنی خرید، فروخت کے حوالے سے تو یہ معاملات ان کے ساتھ ایک سنی ویسے ہی کرے گا جیسے وہ اہل حرب (جنگ کرنے والوں) کے ساتھ سرحدوں پر کرتا ہے اگرچہ ان کا قتل کرنا بھی مباح ہے اسی طرح کسی بھی سنی مسلمان کے لیے ان کو مصحف یا مسلم غلام بیچنا جائز نہیں ہے یہ امام شافعی کے مذہب کا موقف ہے اصحاب شافعی میں معتزلہ قدریہ کے حوالے سے اختلاف واقع ہوا ہے بعض نے کہا ہے کہ وہ مجوسیوں کے حکم میں آتے ہیں۔ اس کے پیش نظر ان سے جزیہ لینا جائز ہے کچھ نے کہا ہے کہ ان پر مرتد کا حکم جاری ہوتا ہے اس صورت میں ان سے جزیہ نہیں لیا جائے گا بلکہ ان سے توبہ کا مطالبہ کیا جائے گا۔ اگر توبہ کر لیں تو ٹھیک ورنہ مسلمانوں پر ان کا قتل کرنا واجب ہے۔

اگر ہم مقالہ نگاروں یا بغدادی کے اسلوب کے مطابق اہل سنت کے ان احکامات کو جو انہوں نے اپنے مخالفین کے حوالے سے جاری کیے ہیں خلاصہ بیان کرنا چاہیں تو وہ یہ ہے:

۱. اپنے مخالفین پر کفر کا حکم لگاتے ہیں ان کی تکفیر کے قائل ہیں۔

۲. ان کی نمازِ جنازہ پڑھنا اور ان کے پیچھے نماز ادا کرنے کو جائز نہیں قرار دیتے ہیں۔

۳. بعض نے کہا ہے کہ سنی اپنے مخالف کی وراثت کا وارث بن سکتا ہے بعض نے یہ کہا ہے کہ سنی اور مخالفین کے مابین وراثت نہیں ہے کیوں کہ مخالفین کا مال اہلِ سنت کے لیے مالِ فیٔ ہے۔

۴. سنی کے لیے ویسا معاملہ اپنے مخالف کے ساتھ کرنا جائز ہے جیسا وہ جنگ میں اہلِ حرب (جنگ کرنے والوں) کے ساتھ کرتا ہے۔

۵. اہلِ سنت کے نزدیک ان کے مخالفین کو قتل کرنا مباح ہے۔

۶. کسی سنی کے لیے یہ جائز نہیں کہ ان کو مصحف یا مسلمان غلام بیچے۔

۷. معتزلہ مجوسیوں کے حکم میں آتے ہیں بعض نے کہا ہے کہ ان سے جزیہ لینا جائز ہے بعضوں نے کہا ہے کہ ان کو مرتدوں کے حکم میں داخل کیا جائے گا جس کی بناء پر ان سے توبہ کا مطالبہ کیا جائے گا اگر توبہ کر لیں تو ٹھیک ورنہ قتل کر دیئے جائیں گے کچھ نے ان پر زندیق کا حکم لگایا ہے جن سے توبہ کا مطالبہ نہیں کیا جائے گا بلکہ صرف قتل ہی کیا جائے گا۔

یہ وہ اہلِ سنت کا اپنے مخالفین کے بارے میں موقف کا تصور ہے جس کو محترم قاری کتاب (الفَرق بين الفِرق) سے اخذ کر سکتا ہے۔

اگر مقالہ نگاروں کے مقالہ جات کے مطابق دیکھا جائے تو اہل سنت کا اپنے مخالفین کے بارے میں دیگر مذاہب کے مقابلے میں سب سے زیادہ شدید موقف نظر آتا ہے۔

اگر تم اہلِ سنت کے اس موقف کے مقابلے میں نافع بن ازرق کے اُن اقوال کو لاؤ جو اس کے اور اس کے رفقاء کے مابین اختلاف کا سبب بنے اور جن کی بنا پر تمام امتِ مسلمہ ان پر حملہ آور ہوئی ہے تو نافع بن ازرق اور اہلِ سنت کے اس موقف کے مابین کیا فرق ہے آئیں ذیل میں اس کا مشاہدہ کرتے ہیں۔

نافع کہتا ہے کہ اس کے مخالفین مشرکین ہیں ان کا مال اور خون مباح ہے جبکہ بغدادی اپنے مخالفین کے حکم کے حوالے سے متردد ہے ان کو مجوسیوں یا مرتدوں یا پھر زندیقوں کے حکم میں ڈالتا ہے پھر یہ حکم لگاتا ہے کہ ان کا خون حلال ہے اور ان کا مال مالِ فیٔ ہے رہی بات کے ساتھ تعامل کی تو ویسا معاملہ کیا جائے گا جیسا محاربین (جنگ لڑنے والوں کے ساتھ) کیا جاتا ہے مصحف (قرآن پاک) یا مسلمان غلام ان کو بیچنا جائز نہیں ہے۔

کیا جو تصور نافع بن ازرق کے انتہا پسند اور شدت پر مبنی موقف کا پیش کیا گیا ہے وہ انتہا اور شدت میں بغدادی کو تصور سے زیادہ غلو پر مشتمل ہے؟ اس نے اپنے احکام اور رائے کو اپنے قلم سے لکھا مزید یہ کہ پورا عالم اسلام ازراقہ سے اس انتہا پسندی کی بنا پر نفرت کرتا ہے اور ان سے متعلق شدید موقف رکھتا ہے۔ حالانکہ بغدادی اہم آئمہ میں شمار ہوتا ہے اور اس کی کتاب عقائد سے متعلق تاریخی کتابوں کی فہرست میں بڑی اہم مصدر اور مراجع شمار ہوتی ہے۔ دنیا جس سے اکتساب فیض کرنے میں حصہ وافر پا رہی ہے۔

اگر بغدادی نے اپنی قلم کے ذریعے بزبانِ اہلِ سنت خود کو یہ اجازت دی ہے کہ معتزلہ مجوسیوں کے حکم میں داخل ہیں اور ان سے رواداری کا موقف رکھنے والوں کے نزدیک جزیہ لینا جائز ہے جبکہ معتدلین کے نزدیک وہ حکم مرتد میں آتے ہیں قتل سے پہلے ان سے توبہ کا مطالبہ کیا جائے گا یا پھر متشددین کے نزدیک وہ حکم زنادقہ میں آتے ہیں جس کی بنا پر بغیر توبہ کے مطالبے کے قتل کیا جائے یہ ان کے بارے میں اہلِ سنت کے احکامات نظریات ہیں جن کی دینی خدمات کا پورا عالم

معترف ہے یہاں تک کہ انہوں نے ایک طویل تاریخی عرصے تک بغیر کسی اختلاف کے اسلام کے عقائد، نظریات کی حمایت کی اور محافظ امین بنے رہے تو پھر وہ کون سی جگہ ہے جہاں عبد القادر بن طاہر البغدادی ٹھہرنے کا حق رکھتا ہے اور وہ کس حوالے سے اپنا یہ موقف اپنا سکتا ہے جن کی دینی خدمات کا پورا عالم اسلام معترف ہے؟

میرے خیال میں تمام مذاہبِ اسلامیہ میں سے کچھ ایسے افراد موجود ہیں جو اس طرح کے انتہا پسندی اور شدت کے موقف اپناتے ہیں یہ لوگ جس مذہب سے بھی تعلق رکھتے ہوں انتہا پسندوں کی قطار میں کھڑے ہوں گے ان کا شمار شدت پسندوں میں ہو گا جیسا کہ نافع بن ازرق یا پھر بغدادی وغیرہ اس طرح کے انتہا پسند لوگ ہر مذہب میں ہوتے ہیں تو افراد کا حکم افراد پر ہی جاری ہو گا اس پورے مذہب یا فرقے پر اطلاق نہیں ہو سکتا جس سے وہ وابستہ ہیں بس یہی تصور آج کے دور میں خطاء پر مبنی ہے۔ ہم کسی ایک فرد کے عمل پر پورے مذہب اور فرقے پر حکم لگا دیتے ہیں جس سے وہ فرد وابستہ ہوتا ہے جبکہ صرف اسی فرد پر ہی حکم لگانا چاہیے پورے مذہب یا فرقے پر نہیں یہ وہ چند لوگ ہیں جنہوں نے امتِ اسلامیہ کو ٹکڑوں میں تقسیم کر دیا ہے یہ امتِ اسلامیہ سے اپنے سیاہ اور سرخ گدلے شعار کے ساتھ الگ ہیں۔ کفر کی تاریکی کی سیاہی جس کی بنا پر مسلمانوں کو کافر سمجھتے ہیں ان پر کفر کا حکم لگاتے ہیں۔ سرخ سے مراد مسلمانوں کے خون کی حرمت کو پامال کرتے ہیں اور اس کو مباح جان کر بہاتے ہیں۔ لہٰذا محترم قاری کو چاہیے کہ وہ صرف بغدادی کو انتہا پسند سمجھے نہ کہ اس کی وجہ سے پورے اہل سنت پر انتہا پسندی کی تہمت لگائے کیونکہ اہل سنت مجموعی طور پر امتِ اسلامیہ کے طور پر معتدل رواداری حلقوں کی ترجمانی کرتے ہیں کوئی بھی مذہب فرقہ یا گروہ انتہا پسندوں سے خالی نہیں ہے۔ لہٰذا تاریخ نے ان کی دین میں انتہا پسندی، شدت پسندی کو اپنی لپیٹ میں لے لیا ہے اور ایک عظیم روادار معتدل تمام مذاہب سے متعلقہ امتِ مسلمہ باقی چھوڑی ہے جو مذاہب اور فرقے اس امتِ اسلامیہ سے تشکیل پائے اور جو ہر زمانے میں پوری دیانت داری کے خدائی پیغام کے حامل ساتھ رہے ہیں یعنی اغیار کا مقابلہ کرتے رہے اور الوہی پیغام کو اس کی اصل صورت میں اٹھائے رکھا اس اس کے محافظ بنے رہے۔

چھٹی قسم

ملاحظات .... تعلیقات

- خوارج
- ادارسی شیعہ اور خوارج کی آراء کے مابین معتزلہ ذریعہ اِتفاق
- معتزلہ کی تاثیر
- خوارج اور معتزلہ کے مابین مشترک آراء
- ذاتی رائے
- خوارج سے متعلق مختصر تعارف
- عظیم تاریخی سکالر کی رائے
- رد اور تعلیقات
- جوابات اور انکا رد
- حرفِ آخر
- اختتامی دعاء

اس فصل کا مختصر تعارف

اس فصل کی آوٹ لائن کے حوالے سے ڈاکٹر احمد محمود صبحی بن غازی یونیورسٹی کے آداب ڈیپارٹمنٹ کے لیکچر کو اپنے بعض ساتھیوں کی معاونت سے بعض ملاحظات لکھنے کا موقع ملا انہوں نے بعض کاغذی تراشوں پر لکھ کر مجھے ارسال کیے جب میں نے اس کتاب پر تعلیقات لکھیں تب میرے پاس ان کے ملاحظات موجود نہیں تھے۔ لہٰذا مجھے جو درست لگا میں نے لکھا اور پھر ان کو ارسال کر دیا جب وہ اصول دوبارہ میری طرف تقریباً دو سالوں کے بعد واپس آئے میں نے صفحات کے بیچ اور بہت سے نئے ملاحظات دیکھے یہ پتہ نہیں چل سکا کہ وہ ڈاکٹر صبحی کے تھے یا پھر اس کے دوستوں کے تھے جنہوں نے کتاب کی فصول کا مطالعہ کیا تھا۔ بر حال میں نے ان عمدہ قیمتی ملاحظات سے بہت استفادہ کیا جیسا کہ موضوع کا خاص اہتمام، شخصی جانب داری سے دوری اور قصہ گوئی سے اجتناب وغیرہ اسی طرح ملاحظات کے پیش نظر میں نے صیاغت اور الفاظ کا بھی مراجع کیا کچھ ملاحظات ایسے تھے جو میرے خیال کے مطابق اتنے اہم نہیں تھے جس کی بناء پر میں نے ان کو چھوڑ دیا تھا اسی طرح بعض ایسے ملاحظات تھے جن میں نقطہ نظر کے حوالے سے اختلاف تھا میری بحث اس کے حوالے سے کافی نہیں تھی جو میں نے اس ضمن میں پیش کی تھی میں نے کوشش کی کہ اس جہت کو پورا کروں جس بھی بات میں نقطہ نظر میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ میں نے کوشش کی کہ اس ضمن میں اپنا نقطہ نظر بھی بیان کروں یا کوئی ایسی نئی صورت بیان کروں جس سے غموض کے بادل چھٹ جائیں۔

مزید یہ کہ دوران بحث، تحقیق میرے سامنے سے بہت سے رد اور تعلیقات گزریں جو کہ اس بحث کے بہت سے اہم پہلوؤں کو مکمل کرنے والی تھیں میری رائے کے مطابق میں جب تک ان تمام رد اور تعلیقات کو محترم قاری کے سامنے پیش نہ کروں تو جو کامل صورت میں اس کے سامنے رکھنا چاہتا ہوں ناممکن ہو گی۔ اس لیے میں نے سب سے پہلے استاد صبحی کے ملاحظات کی نصوص کو نقل کیا ہے پھر اس مناقشے کو جو میں نے اس سے متعلق جاری کیا رہی بات ان ملاحظات کی جن تک دوران بحث میری رسائی ہوئی ان میں سے بعض کو بھی پوری نص کے ساتھ نقل کیا ہے اور بعض سے کچھ ٹکڑے اور حصے لیے ہیں۔ لہٰذا سب سے پہلے میں ان ملاحظات کو پیش کرتا ہوں۔ کیوں کہ وہ اس فصل کا مستقل حصہ بن چکے ہیں پھر دیگر ملاحظات کی طرف منتقل ہوں گا اور آخر پر اختتام کی طرف بڑھوں گا ترتیب درج ذیل ہو گی:

- ایک بار پھر ذکرِ خوارج۔
- ادارسی شیعہ اور خوارج کے آراء کے مابین معتزلہ کی آراء ذریعہ اتحاد۔
- معتزلہ کی تاثیر۔
- خوارج اور معتزلہ کے مابین مشترک آراء۔
- ذاتی رائے۔

❖ ابو اسحاق اطفیش کے قلم سے خوارج کا مختصر تعارف۔

❖ عظیم تاریخی سکالر کی رائے۔

❖ رد اور تعلیق۔

❖ جوابات اور رد

اس حوالے سے میری بھرپور کوشش ہے کہ کوئی بھی پہلو وضاحت کے لحاظ سے تشنہ نہ رہے کسی قسم کا کوئی بھی غموض، ابہام کسی پہلو میں باقی نہ بچے میں نے اس تحقیق میں بہت سے ایسے پہلوؤں سے پردہ ہٹایا ہے جو اکثریت کی نگاہوں سے اوجھل تھے اسی طرح میں ایک مسلمان بھائی کی جانب سے دوسرے مسلمان سے متعلق جو کچھ کہا گیا تھا یا جو کہنا ضروری تھا۔ بیان کیا ہے جسے اکثر اقلام نے بیان کرنے سے اجتناب کیا تھا جذبات، احساسات کے پیش نظر بیان کرنے سے خوف کھاتے تھے لیکن اب وہ وقت آگیا ہے کہ تمام افرادی مذہبی اور فرقوں کے جذبات، احساسات صرف اور صرف خدا تعالیٰ کی طرف متوجہ ہوتے ہوئے مجتمع اور متحد ہو جائیں۔ خدا تعالیٰ کی اطاعت کی غرض سے اور یہ کہ ان جذبات سے ایک ہی چیز کا وجود ہے اور یہ امتِ اسلامیہ خدا تعالیٰ کے پیغام کی تبلیغ کی مکلف ہونے سے پہلے آپس میں سلوک، منہج کے لحاظ سے عملی اعتبار سے متحد ہو کر زندگی گزارنے کی مکلف اور یہ کہ کبھی بھی یہ امت اس وقت تک متحد ہو کر مل جل کر نہیں رہ سکتی جب تک ان امور کی طرف نہیں لوٹے گی۔ جن کے پیش نظر کبھی یہ امت متحد تھی۔

ایک بار پھر ذکرِ خوارج

محترم بھائی ڈاکٹر احمد صبحی نے اس کتاب سے متعلق اپنے ملاحظات میں کہا ہے!

> ”لفظ، خوارج کی ابتدا کا تاریخی مصادر تعین کرتے ہیں اس مفہوم کے مطابق ان لوگوں پر اس کا اطلاق ہوا تھا جنہوں نے تحکیم کے معاملے میں حضرت علی ؓ سے علیحدگی کر لی تھی ان کے لشکر سے نکل گئے تھے جو کہ ان کے انصار ہی تھے لیکن اس لفظ کا اطلاق دینی خروج پر نہیں ہوتا یعنی خروج عن الدین اس سے مراد نہیں ہے لہٰذا تاریخی تناظر میں اس لفظ کا کسی بھی ایسے معنی پر کبھی اطلاق نہیں کیا گیا جو کفر پر دلالت کرے یہ معنی اور خوارج لفظ کا جو تصور ہمیں دیا گیا ہے یہ تو فرقوں اور مقالہ نگاروں کی تاثیر کے ماتحت دیا گیا ہے۔

جیسا کہ انہی مقالہ نگاروں نے مسلمانوں کو اس حوالے سے کبھی نہیں بتایا کہ اعتزال کا معنی (انشقاق) یعنی الگ ہونا ہے یہاں میں یہ بھی کہنا چاہتا ہوں کہ اس لفظ سے خوارج کی عزت میں کوئی کمی نہیں ہو سکتی۔ جیسا معتزلہ کو ان کے اس لقب سے کوئی فرق نہیں پڑتا قطع نظر اس کے کہ یہ کہنا کہ اباضی بھی ان میں سے ایک فرقہ ہے یا نہیں صرف تحکیم کو قبول ہی نہیں کیا بلکہ اس سے علیحدگی کی ہے اور اس کے بعد ان کی حضرت علی ؓ سے جنگ یہ ایسی بات ہے جو اباضیوں کے بارے

میں تعین کرتی ہے کہ وہ خوارج ہیں یا نہیں ہیں؟ کیا اباضی ان میں سے تھے جنہوں نے حضرت علی ؓ سے جنگ کی ان کی تحکیم کو قبول کرنے یا مجرد خطاء پر مبنی سمجھنے والوں میں سے تھے یہ مسئلہ ہر حال میں سیاسی ہے دین کی اصل سے متعلق نہیں ہے۔

اے میرے ڈاکٹر بھائی میں اب بھی آپ کی رائے سے اختلاف کرتا ہوں اگر ہم ان تاریخی مصادر کو دیکھیں جو اس زمانے کے حالات کے بارے میں بیان کرتے ہیں تو وہ دونوں پہلوؤں سے متاثر دکھائی دیتے ہیں (عقیدے کے اعتبار سے اور سیاسی اعتبار سے) چاہے وہ موافقت رکھنے والی سیاست تھی یا معارض اس موضوع میں مؤرخین اور مقالہ نگاروں کے مابین فرق کرنا بے معنی ہوگا میرے خیال میں تمام مؤرخین اس موضوع میں متفق اور مجتمع نظر آتے ہیں اور شدید متعصب دکھائی دیتے ہیں خاص طور پر اس ابتدائی دور میں مؤرخین اور مقالہ نگاروں کے مابین تمیز نہیں ہوتی ایک قسم کا طبقہ ہوتا تھا یعنی مؤرخ اور مقالہ نگار زیادہ تر ایک ہی شخص ہوتا دو الگ الگ نہیں ہوتے تھے مؤرخ اور مقالہ نگار کے مابین واضح فرق نہیں تھا جو بھی علم سے وابستہ ہوتا وہ خبروں کو نقل کرتا ویسے ہی جیسے وہ آراء اور عقائد کو نقل کرتا تھا۔ لہٰذا لفظ خوراج کا اطلاق حضرت علی ؓ کے ان اصحاب پر کرنا جنہوں نے تحکیم کو قبول نہیں کیا تھا اور اس معنی کی تفسیریں، وضاحتیں دونوں پہلوؤں سے تعلق رکھتی ہیں ایک یہ پہلو جس نے بھی یہ کوشش کی اس پر حدیثِ مروق کا اطلاق کیا جائے جو کہ اس زمانے میں مشہور ہوا اس پر کفر کا حکم بھی لگا دوسرے پہلو کا اعتبار کریں تو وہ یہ ہے کہ جس نے بھی خروج فی سبیل اللہ پر اس لفظ کا اطلاق کیا اگر کسی نے اس کی مخالفت کی تو اس پر کفر کا حکم لگا اس لفظ کا اطلاق ان دونوں پہلوؤں کے اعتبار سے اس زمانے میں زیادہ تر تاریخی مقالہ نگاروں سے صادر ہوا ہے۔ اس زمانے میں رونما ہونے والے واقعات پر اگر تھوڑی سی نظر دوڑائی جائے تو ان حادثات، واقعات رونما ہونے کے اسباب، بیان کرنے کے اسالیب اور ان کے تصور کو پیش کرنے میں واضح تناقض اور اختلاف پایا جاتا ہے جو یہ دلالت کرتا ہے کہ ان خبروں میں راویوں کے اور مخصوص عقائد کے حامل مؤرخین کے جذبات کی بنا پر جعل سازی پائی جاتی ہے ان واقعات کو بیان کرنے میں جعل سازی کو داخل کیا گیا ہے ان واقعات کو ایک خاص رنگ کا ایسا لباس پہنا دیا گیا ہے جس کو بعد میں آنے والے متخصص مقالہ نگاروں نے بنیاد بنایا۔

حقیقت میں لفظِ (خوارج یا خروج یا خارجیت)

جو کہ سیاسی معنی میں استعمال ہوا اور نھروان واقعہ رونما ہونے سے قبل سطحی پیمانے پر اس کا اطلاق کیا جاتا تھا اگر اس وسیع پیمانے پر جاری رہنے والی امت کے مابین مباحث کا ملاحظہ کیا جائے جو اس لفظ کے اطلاق سے متعلق ہیں تو زیادہ تر اس لفظ کا اطلاق ان افراد پر کیا جاتا رہا جو قائم سلطنت کے خلاف کھڑے ہوتے تھے۔

حضرت عثمان ؓ اور اہل امصادر کے مابین جو اختلاف پیدا ہوا تب اس لفظ کا تذکرہ ہوا پھر تب اس لفظ کو ان پر دہرایا گیا جنہوں نے حضرت علی ؓ سے خروج کیا تھا جن میں طلحہ اور زبیر ؓ بھی شامل تھے لیکن اس لفظ نے دینی اعتقادی معنی پر صرف اس وقت دلالت کی اور لفظ خوارج کا اطلاق دینی اعتبار سے کیا گیا ہے۔ جب مسئلہ تحکیم پیدا ہوا یہ بات تاریخ کے

بڑے بڑے ان مصادر مراجع سے ہمیں ملتی ہے جن پر ہم اعتماد کرتے ہیں اور ان سے استدلال کرتے ہیں۔ شاید یہ میری غلطی ہے کہ میری رسائی باقاعدہ اس علم کے بارے میں نہیں ہو سکی کہ وہ کون سی پہلی نص تھی جس میں حکم خوارج دینی اعتبار سے وارد ہوا تھا۔

جبکہ اس کے مقابلہ میں اس لفظ کا اطلاق مروق احادیث پر کیا گیا تاریخی مصادر بڑی وضاحت سے اس کا ذکر کرتے ہیں یعنی اس بارے میں تاریخی مصادر میں ہمیں بڑی وضاحت ملتی ہے چاہے وہ حق ہے یا جھوٹ جیسا کہ حضرت علیؑ کی (اہل شُدّیہ) کی تلاش کرنا کیوں کہ یہ لڑائی کرنے والوں کے مابین مارقین کی سب سے بڑی نشانی تھی جس کے سبب حضرت علیؑ کے ساتھی اس تک پہنچ گئے جیسا کہ کہا گیا ہے۔ انہوں نے ترملہ مولی بن عباس جس کے ہاتھ کو سانڈ کھا گیا تھا تاریخی مصادر کے مطابق اس پر اہل شتدید ہونے کی تہمت لگائی۔

اگر وہ مباحث اور اقوال، اراء جو کتب تاریخ میں حضرت علیؑ اور ان کے ساتھیوں کے بارے میں روایت کیے گئے ہیں اور آپؑ کے ان کو جوابات دینا سب کو درست مان لیا جائے اور خاص طور پر تاریخی مصادر کے مطابق بعد میں حضرت علیؑ کو خوارج کے قتل پر بہت افسوس ہوا تھا۔ اگر اس بات کو درست مان لیا جائے (تو پھر تو انہوں نے بھی کفر کیا)۔

جب کہ یہ بات درست نہیں مانی جا سکتی کیوں کہ ایسا ممکن نہیں جس نے حق مانگا حق کا مطالبہ کیا اور پھر خطاء کر دی۔ اسی طرح یہ بھی ممکن نہیں کہ کوئی باطل کو طلب کرے اور پھر اس کو ٹھیک، حق مل جائے جو چیز مانگی جاتی ہے وہی ملتی ہے اگر ایسا عقلی طور پر ممکن ہو جائے تو پھر دن اور رات ایک جیسے ہو جائیں گے دن سیاہ اور رات روشن ایسے کہاں ممکن ہے اسی طرح حضرت علیؑ نے یہ فرمایا:

> میرے بعد خوارج کو قتل مت کرو اس کے علاوہ اور بہت سی باتیں ہیں جو اس چیز پر دلالت کرتی ہیں کہ دین سے خروج کی تہمت اس وقت سے موجود تھی اور امام علیؑ ابتداء سے اس کے حوالے سے خاموش رہے پھر آپ نے لوگوں کے درمیان اس خطاء کو درست کرنے کی کوشش کی اور یہ باور کروایا کہ خوارج کا معنی دین سے نکلنا نہیں ہے حقیقت میں میں ان تمام اقوال، مباحث، مناظرات اور جانب داری کے واقعات میں شک کرتا ہوں۔ میرے خیال میں قوت اور سیاسی تعصب کا اس جعل سازی میں بہت زیادہ دخل ہے خاص طور پر ان مناظرات میں جن کے بارے میں یہ کہا گیا ہے کہ حضرت علیؑ کے یا ابن عباسؓ اور خوارج کے مابین رونما ہوئے۔ دلائل براہین میں بناوٹ اور جعل سازی تکلف کو اس دور کے علاوہ آج کا زمانہ اپنے رنگ سے ظاہر کر رہا ہے میں یہ بات اس زمانے میں کہہ رہا ہوں جبکہ کوئی مادی دلیل تو مجھے نہیں مل رہی مادی دلیل کے نہ ملنے کی بنا پر میری یہ بات ایک شخصی احساس کے ذریعے انسان کی ذات میں تردد اور شکوک ہی پیدا کر سکتی ہے اس کے علاوہ کوئی نہیں

فائدہ دے سکتی۔ بس میری یہ بات مادی دلیل نہ ہونے کی بنا پر ایک شخصی ذاتی احساس کے علاوہ کچھ معنی نہیں رکھتی۔ میں اپنے اعتقاد کو جھگڑے کا باعث نہیں بنانا چاہتا چونکہ دیگر تمام جانب سے خوارج پر سخت غصہ کیا جا رہا ہے اور ان پر دین سے نکل جانے کی تہمت لگائی جا رہی ہے پوری امت اسلامیہ خوارج کے خلاف ہے۔ لہٰذا میرا اعتقاد کوئی حیثیت نہیں رکھتا اور نہ ہی میں اس کو جھگڑے کا سبب بنانا چاہتا ہوں اگر ان کا سیاسی موقف صرف حضرت علی ؑ کے حوالے سے ہوتا تو اس میں امویوں کی مصلحت ہوتی جب غصہ اور نفرت خوارج کے بارے میں امویوں سے صادر ہوئی خوارج کے حوالے سے ان کا برا تصور امویوں کی جانب سے پھیلایا گیا تھا اور وہ جنگیں بھی امویوں کی جانب سے واقع ہوئی جو خوارج کو حضرت علی ؑ کے لشکر سے جدا کرنے کا سبب بنی۔ کیوں کہ وہ تمام عہد اموی میں رونما ہوئیں تھی۔ امویوں کا مقصد اور ہدف صرف اور صرف خوارج کو اور جو جو بھی اموی سلطنت کے خلاف تھا اس کو لوگوں کے درمیان بدنام کرنا تھا تا کہ کوئی بھی جو ان کے خلاف ہے امویوں سے محفوظ نہ رہ سکے چاہے وہ اہل تشیع ہوں یا محایدین (غیر جانب دار) بس جو بھی ان امویوں کی سلطنت کے خلاف آواز اٹھانے والا ہے اس پر امویوں نے لوگوں کے درمیان بدنام کرنے کی غرض سے ہر طرح کی تہمت لگانے سے گریز نہ کیا جن میں ان کے دشمنوں میں خوارج سر فہرست شمار ہوتے تھے۔

میری یہ آخری بات شاید مزید غور فکر اور تامل کی محتاج ہے کیوں کہ اس کو ثابت کرنے کے لیے ہمارے پاس ابھی ثقہ دلائل موجود نہیں ہیں۔

اگر احادیثِ مروق اور ان کا حضرت علی ؑ کا خاص اہتمام کرنا ان کے بارے میں علامتوں کو بیان کرنا وغیرہ جن کو تاریخی کتب نے بیان کیا ہے۔ درست مان لیا جائے تو وہ بھی احادیث درست ہوں گی جو اس پر دلالت کرتی ہیں۔ راجح یہی ہے کہ ان باتوں میں اکثر صحیح نہیں ہیں رہی بات کسی رائے یا مذہب کو قوی ماننا تو اس کا دار مدار کسی خاص معاملے کے حوالے سے کوئی خاص موقف اختیار کرنے پر ہے اگر یہ مان لیا جائے کہ وہ موقف حق ہے تو اس طرح تو اباضی بھی اپنی آراء اور اقوال جن پر وہ اعتقاد رکھتے ہیں ان کو حق مانتے ہیں لیکن ان باتوں کو حق نہیں مانتے جو ان کے غیر، مخالفین ان کی طرف منسوب کرتے ہیں اور ان کے مخالفین ایسی باتیں ان کے ساتھ چپکانا چاہتے ہیں جو ان سے تعلق ہی نہیں رکھتیں نہ ہی ان کا ان پر عقیدہ ہے اور نہ ہی ان باتوں کے وہ قائل ہیں۔ انسان کسی بھی معاملے میں اپنے اعتقاد سے متعلق کوئی بھی مؤقف اپناتا اور اس کو قوی مانتا ہے اور یہ کہتا ہے کہ یہ مؤقف حق ہے یہ ایک فطری طریقہ ہے لیکن اگر ہم کسی انسان کے بارے میں کوئی مؤقف فرض کر لیں اور پھر ہم یہ چاہیں کہ وہ انسان اس مؤقف کا اعتراف کر لے اور اُسے قوی سمجھ کر حق مان لے تو یہ ایسی بات ہے جس پر کوئی بھی شخص آزادی، حریت اور آزاد عقل رکھنے والا شخص راضی نہیں ہو گا اور نہ ہی قبول کرے گا بس یہی مؤقف ہے جسے مؤرخین، مقالہ نگار یہاں تک کہ بعض مفکرین اپنانا چاہتے ہیں وہ یہ چاہتے ہیں کہ اباضیوں کے بارے میں زبردستی یہ مان لیا جائے کہ وہ خوارج ہیں اور اباضی خود بھی خوارج ہونے کا اعتراف کر لیں اسی طرح وہ خود

ہی خوارج کے عقائد اور آراء کی اپنی طرف منسوب کرلیں جن کے وہ قائل ہیں نہیں ہیں بلکہ ان اقوال کے کہنے والوں کو کفار شمار کرلیں صرف یہی نہیں بلکہ اس موٴقف کو مزید دلائل وبراہین سے تقویت دیں گویا اباضی ایک ایسا تمسخر خیز فرقہ ہے جو ہر طرح کے امور کے مخرج کا مظہر ہے اور خود کو خارجیوں کی طرف منسوب کرلیں اور پھر اس پر فخر کریں اس حوالے سے معتزلہ ان سے سبقت لے گئے ہیں وہ الگ ہو کر بھی معتزلہ کے نام پر فخر کرتے ہیں۔ بے شک اباضی خود کو خوارج کی طرف منسوب کرنا نہیں چاہتے نہ ہی خود کے لیے وہ ایسا گمان کرتے ہیں اور نہ ہی خارجیت پر کسی چھوٹے سے سبب کی بناء پر فخر کرتے ہیں کیوں کے اباضی اپنے علاوہ دیگر مسلمانوں پر مشرکین کا حکم جاری نہیں کرتے اور نہ ہی اُن پر مشرکین کے احکام کا اختلاف کرتے ہیں۔

اے میرے ڈاکٹر بھائی! آپ نے جو اپنے آخری ملاحظہ میں کہا ہے (''صرف تحکیم کو قبول نہ کرنا بلکہ ان سے الگ ہونا اور پھر حضرت علی ؓ سے جنگ کرنا یہ ایسی بات ہے جس سے اباضیوں کے حوالے سے اعتبار کیا جاسکتا ہے کہ وہ خوارج ہیں یا نہیں'')

حقیقت میں جب بھی میں نے اس عبارت کو سمجھنے کی کوشش کی میں اس کو نہیں سمجھ سکا اور مجھے اس میں بہت بڑا تضاد محسوس ہوا ڈاکٹر خارجیوں کے جس وصف کو بیان کرنا چاہتا ہے اس میں بھی تضاد ہے اور حقیقت سے اس کی بات دور ہے۔

اے میرے ڈاکٹر بھائی! آپ یہ کہتے ہو کہ صرف تحکیم کو قبول نہ کرنا ہی ایسا سبب نہیں تھا جس کے تحت خوارج کے لفظ کا ان پر اطلاق کر دیا گیا بلکہ سب سے بڑا سبب ان کا حضر علی ؓ کے لشکر سے جدا ہونا اور ان سے جنگ کرنا ہے۔ اے میرے ڈاکٹر بھائی! حضرت علی ؓ سے حضرت طلحہ اور زبیر ؓ بھی الگ ہوئے اور ان سے جنگ بھی کی کیا ان دونوں پر اور ان کے تمام ساتھیوں پر لفظ خوارج کا اطلاق کرسکتے ہیں اس بنیادوں کا اعتبار کرتے ہوئے جو تم نے خارجیوں کے لیے متعین کی ہیں وہ ہیں (الگ ہونا اور جنگ) تو نے اپنی عبارت میں یہ کہا ہے کہ علیحدگی اور جنگ کا تعین کرتی ہیں کہ اباضی خوارج ہیں یا نہیں تو کیا یہ طلحہ ؓ اور زبیر ؓ کے بارے میں بھی تعین کرتی ہیں کہ وہ خوارج ہیں یا نہیں؟ اسی طرح معاویہ حضرت علی ؓ سے الگ ہوا اور ان سے جنگ کی جو کہ اتنی شدید جنگ تھی جس کے آثار بڑے دور رس ہیں بلکہ امتِ اسلامیہ نے اس طرح کے بُرے اثرات چھوڑنے والی کوئی جنگ نہیں پائی جاتی تو کیا یہ علیحدگی اور جنگ معاویہ کے بارے میں تعین کرتی ہے کہ وہ خوارج میں سے تھا یا نہیں؟ تم نے جو دو شرطیں خارجیت کے معنی کے تعین کے لیے وضع کی ہیں وہ دونوں واقعہ جمل اور صفین کی جنگ کے حوالے سے نقطۂ نظر پر بھی جاری کی جاسکتی ہیں اے ڈاکٹر بھائی اگر تو مجھے اجازت دے تو میں یہ کہنا چاہوں گا اس موضوع سے متعلق طوفانی موج نے تجھے ایسا موٴقف اپنانے کی طرف توجہ دلائی ہے اور یہ کوشش کی ہے کہ میں تیرے ذہن سے اس صورت کو بر طرف کر دوں جو سابقہ مطالعے سے راسخ تھی تم نے معاملے کو گہرائی سے سمجھ کر نقطہ نظر کے تعین کی کوشش نہیں کی۔

اگرچہ ہم آزادی رائے کا دعویٰ بھی کرتے ہیں مگر حقیقت میں زمانہ ماضی کی ناکامیوں اور جعل سازیاں جو ہمارے اذھان میں راسخ ہو چکی ہیں ہم نے ان کو شکوک شبہات سے بالاتر ہو کہ حقیقت مان لیا ہے ان کو ہم بحث مباحثے کا موضوع نہیں بناتے۔ میں خود کو بھی معاف نہیں کروں گا اگر ان ماضی کی ناکامیوں اور جعل سازیوں سے پر عزم ارادے کے ذریعے خلاصی حاصل نہ کروں میں نے اس موضوع کے حوالے سے اپنی اس تحقیق کے دوران بھرپور کوشش کی ہے کہ ان اسباب کا تعین کر سکوں جن کی بنا پر ہم کسی بھی فرقے کو خارجی یا خارجیت سے دور شمار کر سکیں میں نے ذکر کیا ہے اگر لفظ خوارج سے مراد سیاسی معنی ہو یعنی جو کسی بھی قائم سلطنت کے خلاف انقلاب لے کر کھڑے ہوئے ان پر اس کا اطلاق ہو تو ہمیں اس حوالے سے ایسے گروہ طبقات اور جماعتوں کا ذکر ملے گا۔ جن کو شمار کرنا ممکن ہے اگر اس لفظ کا اطلاق صرف ان پر کیا جائے جو خلافت راشدہ کے خلاف یا حضرت علیؑ کے خلاف کھڑے ہوئے ان سے خروج کیا تو ہمیں بہت سی جماعتیں ایسی تھی جنہوں نے ان سے خروج کیا تو ہم ان پر کیوں لفظ خوارج کا اطلاق نہیں کرتے حالانکہ وہ جنگ اور علیحدگی دونوں کا مصداق ہیں۔ اگر اس لفظ سے دینی معنی مراد لیا جائے جو کہ مشہور ہے تو اس سے پہلے کہ ہم کسی طبقے پر یہ حکم لگائیں ان کو دین سے خارج کرنا پڑے گا اگر ہم ایسا نہیں کر سکتے یا وہ دین سے خارج نہیں ہو سکتے تو پھر ہمیں یہ حق نہیں کہ ہم ان پر خوارج کا اطلاق کریں یا ان کی طرف ایسے اقوال منسوب کریں جو انہوں نے کہے ہی نہیں ہیں۔ آخر میں میں یہ بات کہتا ہوں خارجیت کوئی حسبی نسبی نہیں ہے اگر ہم آج کے دور میں نافع بن ازرق یا شبیب اور غزالہ کی نسل سے کسی کو پائیں اور وہ ان عقائد پر نہ ہو جو خوارج کی طرف منسوب کیے جاتے ہیں تو ہم اس کو ہرگز خارجی نہیں کہہ سکتے کیوں کہ ہم اس کو حکم خوارج میں شامل نہیں کر سکتے۔ مؤرخین اور مقالہ نگاروں کی اس مشکوک دشمن پر حملہ اور جنگ جس پر لفظ خوارج کا اطلاق کیا جاتا ہے کسی بھی دوسری جنگ سے زیادہ نقصان دہ ہے۔ یعنی تاریخی اور مذہبی جنگ سیاسی مسلح فوجی جنگ سے زیادہ شدید اور خطرناک ہوتی ہے سیاسی فوجی معرکے زیادہ تر اموی سلطنت کے خاتمے کے ساتھ ہی ختم ہو گئے۔ چند ایک کچھ دیر بعد ختم ہوئے بلکہ وہ معرکے جو خوارج کے نام پر مصائب کی آندھی اور طوفان کی طرح امام علیؑ اور نھروان کے مابین واقع ہوئے وہ بھی خیر القرون کے پہلے نصف میں ختم ہو گئے لیکن مقالہ نگاروں اور مؤرخین کے حملے آج کے دن تک جاری ساری ہیں ختم نہیں ہوئے بڑے افسوس سے کہنا پڑ رہا ہے کہ یہ حملے جس شدت کے ساتھ چل رہے ہیں جن باتوں کو اور واقعات کو بنیاد بنا کر یہ جھگڑے اور جدل و جدال ہو رہے ہیں ان کو گزرے ہوئے تقریباً ایک ہزار سال گزر چکا ہے۔ لہٰذا اس دور میں کسی بھی قلم کے لیے یہ بہت آسان بات ہے کہ خوارج کے کندھوں پر طویل تاریخ کے سارے بوجھ ڈال دے۔

اے میرے ڈاکٹر بھائی ہو سکتا ہے میرا یہ کلام خوارج کے دفاع پر دلالت کرے اس لیے میں یہ کہتا ہوں میں ان کا دفاع نہیں کر رہا لیکن میں یہ پسند نہیں کرتا کہ ان کے حوالے سے ان کے مخالفین کے کلام سے متاثر ہو کر لکھوں حالانکہ خوارج کے سب سے زیادہ مخالف اباضی ہیں میں اباضیہ کے حوالے سے یہ کہتا ہوں کہ وہ خوارج کی نہ تو سوچ کے حامل ہیں اور نہ ہی ان کے راستے اور طریقے پر ہیں وہ تو ہر اس شخص سے دور ہیں جو عقیدہ اور عمل کے بنا پر مسلمانوں کے خون اور

اموال کو حلال قرار دیتا ہے ایسے شخص سے برأت کا اظہار کرتے ہیں۔ حجاج بن یوسف خوارج کے بارے میں کہتا تھا کہ وہ فسادی ہیں اور مسلمانوں کے خون اور مال کو حلال سمجھتے ہیں۔ حالانکہ جو خوارج نے اپنی تمام تر تحریکوں میں قتل کیے ان کی تعداد ان مقتولوں کے مقابلے میں کچھ بھی نہیں بنتی جن کو حجاج نے قتل کیا سولی پر چڑھایا اور قید کر کے مارا میرے خیال میں خارجیت مخصوص شعار اور مبادی کا نام ہے جو بھی ان کا حامی ہو یا اپنی سوچ، فکر میں ان شعار کا قائل ہو وہ خارجی ہے اور جو ایسا نہیں اس محصوص فکر کا حامل نہیں وہ خارجیوں میں سے نہیں ہے۔ ایسا بھی ہو سکتا ہے کہ کوئی شخص کسی دوسرے اہلِ سنت مذہب سے تعلق رکھتا ہو اور ظاہر کرتا ہو کہ وہ سنی ہے مگر باطن میں اپنی افکار اور سوچ میں انتہا پسند ہونے اور خارجیت کی فکر کا حامل ہونے کی بنا پر خارجی ہو کاش میں اس فقیہہ کی رائے کو بدل سکتا جو اہلِ سنت سے منسوب ہے خود کو اہلِ سنت کہلاتا ہے اور ہزاروں مسلمانوں پر جو اس کے مخالفین ہین یہ حکم لگاتے ہوئے فخر محسوس کرتا ہے کہ وہ اہلِ بدعت ہیں ان کا مال خون سب حلال ہے بلکہ وہ یہ خیال کرتا ہے ان کو قتل کرنا واجب ہے اور ان کا مال مالِ غنیمت ہے جب اس کو وہ مال پیش کیا جائے تو وہ اس کو یہ سمجھ کر کہ خدا تعالیٰ نے اس کو عطا کیا ہے۔ مطمئن ہو کر کھائے اور حکومت کو بھی ان کے حوالے سے یہی موقف اپنانے پر اکساتا اور ابھارتا ہے کتبِ تاریخ ایسے دردناک المیوں کے بارے میں بیان کرتی ہیں ایسے فقہا جو خوارج سے تعلق نہیں رکھتے تھے ان کے فتوں سے ہزاروں مسلمانوں کو قتل کیا گیا ان فقہاء کا یہ موقف تھا کہ ان کے مخالفین کا خون حلال ہے۔ قتل عام ہوا کیا خون اور مال مباح سمجھنا خوارج کا مبداء نہیں ہے؟ جن پر تمام مسلمان حملہ آور ہوئے ٹوٹ پڑے اور حضرت علیؑ نے اس بنا پر ان سے جنگ کی جیسا کہ مصادرِ تاریخ بیان کرتے ہیں اس کے استدلال کے لیے جلیل القدر صحابیؓ عبداللہ بن الخباب بن الارث کا قصہ ہے۔

اگرچہ اس قصہ میں بہت جعل سازی اور ملاوٹ ہوئی ہے اس سے متعلق زیادہ تر خبریں خرافات سے مشابہت رکھتی ہیں اور خیالات میں افراط، تفریط کا عنصر موجود ہے یہ ثمرہ نصرانی اور خنزیر اور ناصر بن عدا کے قصے کی طرح ہے جن کو طنز تشنیع اور مسخرہ کے لیے بیان کیا جاتا ہے پھر اسی اسلوب پر عبد کے قصے کو چلایا جاتا ہے تاکہ مزاح کا اظہار ہو سکے اور عیوب کو بیان کیا جا سکے۔

دراصل بات یہ ہے کہ مسلمانوں کو کافر بنانا ان کے مال اور خون کو حلال قرار دینا خارجیت کا حقیقی معنی ہے۔ جس کی بنا پر حضرت علیؑ نے ان سے جنگ کی اور تمام مسلمانوں نے ان کو اپنی طعن، تشنیع اور تنقید کا نشانہ بنایا اور ان کے حوالے سے سخت موقف اپنایا۔ جب ان کو خوارج کے حوالے سے یہ بتایا گیا کہ اہل نھروان عنقریب لوگوں پر سختی کریں گے۔ ابریا کا قتل کریں گے ان کے اموال کو چھینے گے دلیل کے طور پر آپ کے پاس عبداللہ کا حقیقی عملی قصہ لے کر حاضر ہوئے۔ خدا تعالیٰ بہتر جانتا ہے کہ اس کو کس نے قتل کیا یہی وہ شعار تھا جس کو نافع بن ازرق اور اس کے اتباع بنیاد بناتے ہوئے لڑے اگر وہ سب کچھ درست ہو جو کتب تاریخ کہتی ہیں تو اس بنا پر ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ نافع بن ازرق نے یہی شعار اپنایا تھا مسلمانوں کے خون اور اموال کو حلال قرار دیا اسی بنا پر اس نے جنگ جدال کیا تھا۔

اب وہ لوگ جو اپنے مخالفین کے خون کو عقیدے کی بنا پر حلال قرار دیتے تھے اور اس مبداء کو اعلانیہ طور پر اپنا شعار مانتے تھے اور اسی کے تحت صدق دل اور اعلانیہ طور سے اس پر عمل کرتے ہیں باقی ایسے ایسے لوگ رہ گئے ہیں جو ظاہری طور پر ایسی فکر کے حامل ہیں جو کہ بڑی معتدل سوچ ہے وہ یہ کہ کلمہ توحید کے اقرار کی بنیاد پر مسلمانوں کا خون اور مال محفوظ ہے جس نے بھی کلمہ توحید کا اقرار کیا ہے وہ مسلمان ہے اس کا خون، مال حلال نہیں ہے لیکن عملی طور پر اپنے مخالفین کا خون بہاتے ہیں اور مباح سمجھتے ہیں اس طرح کے خوارج ہر مذہب میں موجود ہیں ہر وہ فقیہہ خواہ وہ کسی بھی فرقے سے تعلق رکھتا ہو اگر اپنے مخالفین کا خون مباح کرتا ہے اور اباحت کے فتوے دیتا ہے جن کی بنا پر حکمران کے ساتھیوں کے لیے مسلمانوں کا خون بہانا آسان ہو جاتا ہے تو وہ خارجی ہے اس پر خارجیت کا اطلاق ہو گا چاہے اس نے جابر بن زید کا جبہ پہنا ہو ابو حنیفہ کا خرقہ پہنا ہو امام احمد بن حنبل کا عمامہ اور ابن تیمیہ کی چادر پہن رکھی ہو وہ ہر حال اور ہر صورت میں خارجی ہو گا۔

اس سے بڑھ کر یہ اگر کسی نے سلطان کو مسلمانوں کے عقائد میں مداخلت پر اکسایا اور اس نے وہ عقیدہ بعضوں پر جبراً لاگو کیا یعنی بعض لوگوں کو مجبور کیا کسی خاص عقیدے کو اپنانے کے لیے تو وہ بدترین خارجی ہو گا چاہے وہ اس کا اعتراف کرے یا نہ کرے۔

اس طویل بحث میں سے جو مناسب خلاصہ ہے وہ یہ ہے:

اے میرے ڈاکٹر صبحی بھائی آپ نے خارجیوں کے دو بنیادی رکن متعین کیے ہیں (علیحدگی اور جنگ) اور اس کو ان پر خاص کر دیا جنہوں نے یہ معاملہ حضرت علی ؑ کے ساتھ کیا تھا اگر خارجیت کا یہی تعین کافی ہوتا تو امام علی ؑ کے وصال کے بعد یا کم از کم آپ ؑ کے بعد جس نے بھی خروج کیا اس کی وفات پر یہ معاملہ ختم ہو جاتا تاریخی کتب اس بیان سے بھری پڑی ہیں کہ اہل نھروان کی چھ ہزار تعداد تھی جن میں سے دو ہزار افراد واپس امام علی ؑ کے لشکر میں لوٹ آئے باقی سب قتل ہو گئے صرف نو لوگ زندہ بچے اس کا مطلب یہ ہوا کہ جنہوں نے بھی حضرت علی ؑ کے خلاف خروج کیا تھا وہ تو تقریباً ختم ہو گئے تھے اس کا کوئی مقصد ہی باقی نہیں بچتا کہ خوارج کا نام ان کے بعد ذکر کیا جائے جبکہ خوارج کی تحریک اموی سلطنت کے دور میں شدت کے لحاظ سے زوروں پر تھی کیا عبدالملک، حجاج اور ابن زیاد اس لیے خوارج پر حملہ آور تھے۔ کیوں کے وہ امام علی ؑ سے الگ ہوئے تھے اور ان سے جنگ کی تھی اگر معاملہ ایسا ہوتا تو اموی ضرور بضرور انتقام لینے کی بجائے ان کی مدد، تائید کرتے کیوں کہ خود اموی بھی حضرت علی ؑ سے الگ ہوئے تھے ان کے خلاف خروج کیا تھا ان سے جنگ بھی کی تھی۔ اموی تو اپنے ہر مخالف کی رگ اور جڑ کاٹنے کے درپے تھے جیسا کہ حجاج اور اس کے ہم پلہ دیگر اموی گورنر جو ہر سلطنت کے مخالف کے پیچھے پڑے ہوئے تھے اور چن چن کر قتل کر رہے تھے وہ اس لفظ خوارج کا غلط استعمال کرتے ہوئے جو شخص بھی ان کے مخالف ہوتا اس پر اس کا اطلاق کرتے اور یہ تصور لوگوں کو دیتے کہ یہ وہ لوگ ہیں جن کی وجہ سے نھروان کا واقع پیش آیا اور یہ زمین میں فساد پھیلانے والے ہیں۔ خون اور مال کو مباح کرنے والے ہیں یہ تصور بھی ایک وجہ تھی جس کی بنا پر کبائر علماء نے خوارج کے حوالے سے خاموشی اختیار کی اور حجاج، ابن زیاد اور جو

بھی ان کے طریق پر چلا ان کی جانب سے انتہاپسندی کے افعال کو قبول کیا کیوں کہ جو بھی ان کے خلاف کھڑا ہوتا اور خروج کی بات کرتا اس پر وہ خارجی کا اطلاق کر دیتے اور پھر بڑی آسانی سے اس کو اپنے ظلم کا نشانہ بناتے بلاشک، شبہ اس زمانے میں ہونے والے واقعات حادثات میں ذرا سا تدبر کیا جائے کسی سابقہ تخلف پر مبنی فکر پر چلے بغیر اور ماضی کی جعل سازیوں سے کنارکش ہونے کے ساتھ ساتھ جذبات سے دور رہ کر تو پتہ چلتا ہے کہ خارجیت حضرت علی ؓ سے علیحدہ ہونے اور جنگ کرنے کا نام نہیں ہے کیوں کہ ان سے علیحدگی اور جنگ طلحہ ؓ، زبیر ؓ اور معاویہ نے بھی کی اور ایک طویل پر تشدد جنگ چھڑی رہی اس کے باوجود ان پر تو خارجیت کا اطلاق نہیں کیا گیا۔ خوارج کے لفظ کا ان پر اطلاق کیا گیا جنہوں نے حضرت علی ؓ سے جنگ کی اوان کو اس حد تک انتہاپسندی کا تصور دیا جو خون اور مال کو حلال کرتی تھی اس پر حضرت خباب کا قتل امام علی ؓ کے ہاں دلیل بن گیا اور پھر اموی دور میں ان پر خوارج کے لفظ کا اطلاق کیا گیا جنہوں نے اموی سلطنت سے جنگ کی اور اس میں اس حد تک انتہاپسندی کا ثبوت دیا جو کہ مسلمانوں پر مشرک ہونے کے احکامات جاری کرتی ہے پھر انہوں نے قول سے تجاوز کرتے ہوئے اس اصول کو عملی جامہ پہنایا لیکن اس کے ساتھ ساتھ حضرت خباب ؓ کے قتل کا قصہ بھی ساتھ ساتھ لوگوں کے درمیان بیان ہوتا چلا آیا میرے خیال میں وہ رد عمل کے طور پر اس انتہاپسندی تک پہنچے۔ لہٰذا اپنے ہر مخالف پر جو ان کے ساتھ خوش نہیں تھا مشرکوں کے احکام جاری کرتے ہوئے مشرک کا فتویٰ لگا دیا بس اس موقف کی بنا پر وہ پوری امتِ اسلامیہ کے جذبات سے محروم ہو گئے اور تمام نے ان کو انتہاپسند اور اسلام سے منحرف تسلیم کر لیا پھر اس لفظ کا اموی سلطنت نے خوب غلط استعمال کیا یہاں تک کہ جو بھی ان کا مخالف ہوتا اور ان کی سیاست سے انحراف کرتا تو اس پر ہشت گرد انتہاپسند جیسے الفاظ کا اطلاق کیا جاتا جس کی بنا پر یہ کہہ دیا جاتا کہ یہ خارجی فکر کا حامل ہے جو بھی انتہاپسند یا دہشت گرد ہوتا اس کو خارجی فکر کا حامل قرار دے دیتے اس ساری سابق بحث کی بنیاد پر خوارج کے مبادی اور اصولوں کا تعین ذیل میں کر سکتے ہیں:

۱. جس نے بھی ان کی مخالفت کی اس پر مشرک کا حکم لگا دیتے۔

۲. کبیرہ گناہ کے مرتکب پر شرک کا حکم لگاتے اور اس کو بنیاد بناتے ہوئے اس پر وہ تمام احکامات جاری کر دیتے جو ایک حقیقی مشرک پر لگائے جاتے ہیں۔

۳. جس نے بھی ان کی مدد نہ کی اور پیچھے ہٹا اس پر مشرک کا حکم لگاتے۔

۴. جو بھی ظالم سلطنت کے نظام کے ماتحت باقی رہا اس پر مشرک کا حکم لگاتے۔

یہ وہ خوارج کے اہم مبادی اور اصول ہیں جن کو انہیں نے اٹھایا اور ان کی بنا پر مسلمانوں کے خون کو جب ان سے جہاد کرتے تو مباح قرار دیا انہی کی بنا پر مسلمانوں کا خون ان کے لیے مباح ہوا۔

اے میرے بھائی ڈاکٹر صبحی آپ کو یہ تو معلوم ہے کہ وہ اس دور میں موجود تو نہیں تھا جب یہ تحریکیں شروع ہوئیں لیکن میرے پاس جو بھی مختلف مصادر پہنچے جن کا مطالعہ کے بعد میں اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ ان کے حوالے سے جو بھی

مؤرخین نے اپنی کتب میں ذکر کیا ہے یقیناً ان حادثات، واقعات میں خالصیت نہیں پائی جاتی وہ زیادہ نہیں تھوڑا ہی سہی لیکن ضرور کسی نہ کسی پہلو سے متاثرہ تھے ان میں اختلاط ہوا ہے۔

اسی طرح جانب داری کا پہلو اِن میں نظر آتا ہے وہ خطاء سوءِ فہم اور ملاوٹ سے ہر حال میں محفوظ نہیں رہے۔

ہر حال ہم مسلمانوں کے فرقوں میں سے صرف اباضی فرقے پر خوارج کا حکم کیوں لگاتے ہیں جبکہ اس وقت ہم چودہویں صدی کے آخر میں رہ رہے ہیں۔ یہ فرقہ نہ ہو تو امام علیؑ کی بیعت کے وقت موجود تھا نہ ہی جنگ جمل، صفین میں شامل ہوا نہ ہی واقع نہروان میں حاضر ہوا نہ بیعت کی نہ الگ ہوا نہ یہ لڑا نہ وہ اس سے لڑے کیوں کہ ان کے مابین زمانے کے لحاظ تیرا سو سال سے بھی زیادہ کا فاصلہ ہے پھر یہ کہ اباضی حقیقت میں اس نظام حکومت کے خلاف نہیں نکلے جو اس وقت ان پر چل رہا تھا اس کے باوجود کہ بہت سے ایسے نظامِ مملکت موجود رہے ہیں جو ان پر منحرف ہونے کا حکم لگاتے تھے لیکن اس کے باوجود ان کے خلاف یہ کھڑے نہیں ہوئے اور نہ ہی اس نظام کو گرانے کی کوشش کی ہے۔ کبھی کسی کے خلاف کسی کے ساتھ مل کر لڑے نہیں نہ ہی مسلمانوں کا مال، خون حلال کیا ہے نہ ہی اپنے مخالفین پر کفر کا فتویٰ لگایا ہے بلکہ ان کے ساتھ روز مرہ حیات میں ایسے مل جل کر رہے ہیں جیسے ایک بھائی اپنے دوسرے بھائی کے ساتھ مل کر رہتا ہے۔ خدا رسول ﷺ پر ایمان رکھتے ہیں آخرت پر ایمان رکھتے ہیں جن احکام کو خدا تعالیٰ نے واجب کیا ہے ان کو واجب قرار دیتے ہیں اور جن کو حرام کیا ہے ان کو حرام قرار دیتے ہیں۔

ان سارے حقائق کے واضح ہونے کے باوجود مؤرخین مقالہ نگاروں، فلسفیوں اور محققین کی قلموں پر یہ افواہ اور جعل سازی کیوں غالب ہے کیوں اس فکر کا قبضہ ہے کہ اباضی خوارج کا ایک فرقہ ہے یعنی یہ خوارج ہی ہیں۔ کیا چودہ صدیاں گزر جانے کے باوجود عقلوں اور بصیرتوں کو یہ قدرت حاصل نہیں ہوئی کہ وہ ایسی من گھڑت افواہوں اور تہمتوں سے آزاد ہو سکیں۔ اموی سلطنت کے تقریباً خاتمے کے ساتھ ہی خارجیت اپنے حق، باطل اور مبادی کے ساتھ ہی اپنے انجام کو پہنچ گئی۔ آخر کیوں اس زمانے میں ایک شخص پر ایسے بوجھ اور بد فعالیاں ڈال دی جاتی ہیں اگرچہ ان کا ارتکاب حقیقت میں ہوا تھا لیکن ان کو گزارے چودہ صدیاں ہو چکیں ہیں۔

آخر اس معاملے سے متعلق ان لوگوں نے جنہوں نے شریعہ اسلامیہ پڑھی اور ایک نمونہ سمجھے جاتے ہیں کیوں جلاد والا موقف رکھتے ہیں اور وہ لوگ جنہوں نے فلسفہ پڑھا اور اس میں ڈاکٹر بن گئے قانون پڑھا یہاں تک کہ وکلاء اور جج بن گئے ان کی مجالس اور ذہن فکری آزادی اور سابقہ ماضی کی تقلیدات تعصباب سے خالی تھے لیکن جب وہ اس معاملے سے متعلق بات کرتے ہیں تو ان کی زبانیں حرکت میں آجاتی ہیں۔ قلم مضطرب ہو جاتے ہیں پھر ان کے سر تاریخی ذہنی فکری تقلیدات کے سامنے جھک جاتے اور پھر وہ یہ تعبیر کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ وہ حق سے ٹکرانا نہیں چاہتے ہمارے پاس جو حق ہے وہ باطل سے مقابلہ کی قدرت نہیں رکھتا بس کٹے ہوئے ہاتھوں کے ساتھ بند ذہنوں افکار اور اقلام اور محدود عقل افہام کو غلط فکری موج اور رو کے ساتھ چلتے جاتے ہیں۔ غلط رو کے ساتھ بہہ جاتے ہیں۔

اہل تشیع اور خوارج کی آراء کے مابین آراء معتزلہ ذریعہ اتحاد

ڈاکٹر صبحی نے اپنے تبصرے میں کہا ہے:

(یہ کہنا درست ہے کہ معتزلہ بعض ادارسی اہل تشیع کی آراء اور خوارج کی آراء کے مابین ذریعہ اتحاد ہیں دونوں فرقوں کے علماء کی طرف دیکھے بغیر ایسے ہی علم الکلام میں بعض اپنے مخالفین سے متاثر ہوئے۔)

مثال کے طور پر بہت سے محدثین اور مُفسرین جو کہ خود کو بہت پختہ طریقے سے دین کو تھامنے والے اور اس پر فخر کرنے والے سمجھتے ہیں۔ اسرائیلیات سے متاثر ہوئے ہیں اس لیے میں یہ اعتقاد نہیں رکھتا کہ ادارسیہ اور اباضیوں کے مابین محدثین اور یہود کے مابین جتنی دوری ہے اس سے زیادہ دوری تو نہیں ہوگی بس یہ سب کچھ بغیر سوچ سمجھے رونما ہو رہا ہے۔

میں آپ کو دیکھ رہا ہوں کہ آپ نے اباضیوں کو خوارج میں سے شمار کیا ہے لیکن ساتھ ہی اس دعوے کو خود ہی رد بھی کر دیا ہے وہ ایسے کہ تم نے ان کو ایک مستقل فقہی مذہب رکھنے والوں میں شمار کیا ہے جیسا کہ مالکی اور شافعی وغیرہ۔ اے میرے بھائی تمام مذاہب اسلامیہ ایک دوسرے سے متاثر ہوتے ہیں بعض بعضوں کی آراء سے اقتباس کرتے ہیں یہ چیز بالکل واقع ہوتی ہے اس سے کوئی انکار نہیں لیکن یہاں ہماری بحث کا یہ موضوع نہیں ہے۔

تو نے اس حوالے سے مستشرق نیلینو کی پیروی کی ہے اس نے یہ گمان کیا تھا کہ مراکشی اباضیوں نے اپنے اکثر عقائد معتزلہ سے لیے ہیں پھر اس نے یہ اعتبار کیا کہ جو عقائد معتزلہ سے اباضیوں کو ملے ہیں وہ بطریق ادارسی شعیوں سے آئے ہیں۔ یہ دعویٰ نہایت ہی عجیب، غریب ہے۔

شاعر نے کہا!

1. "اے سہیل کا ثریا سے نکاح کروانے والے خدا تیری عمر دراز کرے کیسے وہ دونوں ملیں گے ان کا ملنا کیسے ممکن ہے؟

2. ثریا مستقل شامی ہے ملکِ شام سے ہے جبکہ سہیل مستقل طور پر یمن میں رہنے والا ہے۔"

پھر تیرا یہ تبصرہ تو اور بھی زیادہ حقیقت سے دور دکھائی دیتا ہے کہ معتزلہ عقائد شیعہ، خوارج اور اباضی کے مابین قربت کا ذریعہ ہیں یعنی ان سب کو قریب کرنے والے ہیں سب کی آراء کو مشترک اور متفق کرنے کا ذریعہ ہیں ساتھ میں تو اس بات پر بھی مُصِر ہے کہ اباضی خوارج ہیں چاہے یہ مہلب بن ابو صفرہ کے لشکر میں شامل بھی ہو جائیں پھر بھی یہ ممکن نہیں کہ معتزلہ اباضی اور ادارسی شعیوں کے مابین تقرب قرابت اور قربت کا واسطہ یا ذریعہ بن سکیں وہ یہ شعور ہی نہیں رکھتے اہل تشیع جتنا بھی معتزلہ سے متاثر ہو جائیں اس سے پہلے ان کے اپنے اصول ہیں جن کی بنیاد پر ان کا مذہب قائم ہے وہ ان اصولوں کے محافظ ہیں کبھی ان کو چھوڑ نہیں سکتے اسی طرح اباضیوں کا معاملہ ہے وہ کسی دوسرے سے جتنا بھی متاثر ہو جائیں اس متاثر ہونے سے پہلے ان کے اپنے اصول ہیں وہ ان کے محافظ ہیں ان کو کبھی نہیں چھوڑ سکتے نہ ہی نظر انداز کر سکتے

ہیں۔ یہ تاثر ممکن ہے لیکن بعض صورتوں میں ہو سکتا ہے یہ تاثر اور تاثیر تمام مذاہب میں واقع ہوتی ہے چاہے وہ مذاہب اہل سنت ہوں یا پھر اہل تشیع ہوں خوارج ہوں یا پھر اباضی سب ایک دوسرے سے متاثر بھی ہوتے ہیں اور ایک دوسرے پر اثر ڈالتے بھی ہیں تمام کے تمام متاثر بھی ہیں موثر بھی ہیں لیکن اس سب کے باوجود ہر ایک خاص موقف کا حامل ہے جو کہ خاص مملکت میں مصادر تشریعی کی طرف منسوب ہوتے ہیں آپ کا تبصرہ بالکل مستشرق نیلینو کی اس سوچ اور خیال کے بالکل برعکس ہے جس کو وہ ثابت کرنا چاہتا ہے وہ یہ کہ نیلینو کا گمان ہے کہ معتزلہ نے ادارسی شعیوں کے ذریعے اباضی عقائد میں اثر ڈالا تم دیکھ رہے ہو کہ اہل تشیع وہ ہیں جنہوں نے اباضی عقائد میں یا خوارج نے بقول آپ کے معتزلہ کے ذریعے اثر ڈالا ہے جبکہ دونوں کی آراء مختلف ہیں جیسا کہ تم دیکھ رہے ہو۔

مجھے آپ کی اس بات نے بھی بہت دکھ دیا کہ تم نے اباضیوں اور اہل تشیع کے مابین واقع اختلاف کو مسلمانوں اور یہودیوں کے مابین اختلاف کے ساتھ ملا دیا ہے حالانکہ جس قدر بھی مسلمانوں کے مابین اختلاف شدید ہو جائے وہ یہودیوں سے مختلف ہی رہیں گے ان کے ساتھ کبھی نہیں ملایا جا سکتا۔ جتنی بھی غلط فہمی ہو جائے وہ بھائیوں کے تعلق سے کبھی تجاوز نہیں کر سکتے۔ جبکہ بعض اہل تشیع کے ایسے فرقے ہیں جن میں کسی چیز کا اختلاف ہے ہی نہیں۔

اباضی مؤلفین میں سے ہر ایک نے ہمیشہ یہ تنبیہ کرتے ہوئے بتایا ہے کہ اباضیوں اور زیدیوں کے مابین تین مسائل سے زیادہ کسی مسئلہ میں کوئی اختلاف نہیں ہے اور وہ یہ ہے:

۱. امامت سے متعلق ان کا یہ قول ہے کہ ابو بکر صدیق ﷺ اور عمر فاروق ﷺ سے زیادہ اس کو مستحق حضرت علی ﷺ ہیں لیکن اس کے باوجود انہوں نے حضرت ابو بکر صدیق ﷺ اور عمر فاروق ﷺ پر غلطی کا حکم نہیں لگایا اسی طرح امت کو خطاوار نہیں گردانا ان پر ان کو مقدم کرنے کے حوالے سے یا پھر امت نے حضرت علی ﷺ پر ان کو امامت، خلافت کے لیے مقدم کیا ہے اس کی بنا پر امت کو خطاوار نہیں جانتے۔

۲. تحکیم کے لیے ان کی دو حاکموں کے مابین جیسا خدا تعالیٰ نے حکم دیا ہے ویسے منتخب کرنے کی تجویز۔

۳. اہل تاویل کے مشرک ہونے کے قائل ہیں جن کی تاویل تشبیہ تک لے جائے جیسا کہ وہ شخص جو یہ گمان کرتا ہے کہ قیامت کے دن خدا تعالیٰ کو دیکھا جائے گا۔

جبکہ اباضیوں کا موقف یہ ہے کہ خلفاء راشدین میں سب سے افضل اور اولیٰ حضرت ابو بکر صدیق ﷺ پھر عمر فاروق ﷺ پھر عثمان غنی ﷺ اور پھر حضرت امام علی ﷺ ہیں اور تحکیم کے متعلق یہ موقف ہے کہ اس کو قبول کرنے کے حوالے سے زیدی خطا پر ہیں۔ باغیوں سے قتال کرنا واجب ہے اگر وہ صلح کو قبول نہ کریں اور نہ ہی اس نظام اور حکم میں داخل ہوئے ہوں جس کے ماتحت باقی تمام مسلمان رہ رہے ہوں اسی طرح اباضیوں کی رائے میں زیدیوں نے تاویل میں خطاوار کو مشرک کے حکم میں داخل کرنے میں خطا کی ہیں اس دعوے کے ساتھ کہ وہ مُشبہ ہیں ااس نظریے میں زیدی خوارج کے ساتھ متفق نظر آتے ہیں اباضیوں کے ساتھ اختلاف کرتے ہیں۔

اس میں کوئی شک نہیں مسلمانوں کے طبقات آپس میں سیاسی حالات کے مطابق ایک دوسرے کے قریب اور دور ہوتے رہتے ہیں اسی طرح جن مذاہب اور فرقوں سے وہ وابستہ ہوتے ہیں ان کی شدت اور نرمی یعنی ان کے مزاج کے مطابق پھر یہ کہ ان کے پس پردہ علماء کا بڑا کردار ہوتا ہے کہ وہ وسعتِ نظر رکھنے والے ہیں یا سطحی تنگ نظری کے حامل ہیں بس انہی بنیادوں پر لوگ آپس میں ایک دوسرے کے قریب بھی آتے ہیں دور بھی ہوتے رہتے ہیں۔

اسی طرح محترم صبحی صاحب آپ نے محدثین اور مفسرین کی جو مثال دی ہے کہ وہ اسرائیلیات کے حوالے سے یہود سے موافقت رکھتے ہیں یعنی بعض کتب میں اسرائیلی روایات وارد ہوئی ہیں۔ میں آپ کی اس بات پر کلیۃً اتفاق نہیں کرتا۔ مفسرین، محدثین کو یہود کے ساتھ تشبیہ دینا ان کی بے ادبی اور بے حرمتی کرنا ہے۔ مفسرین، محدثین جب بھی ان کے پاس اسرائیلی روایات وارد ہوتی ہیں تو وہ یہودیوں سے براہ راست روایات نہیں کرتے اور نہ ہی ان پر اعتماد کرتے ہیں بلکہ وہ ان کے حوالے سے تو سب سے زیادہ شدید ترین ہیں نہ ان سے لقاء کرتے ہیں اور نہ ہی ان کی جانب سے بیان کرتے ہیں یہ تو ان سے سماع کرنے کے حوالے سے بھی بہت دور ہیں اور بجائے یہ کہ ان کی تصدیق کریں ان سے شدید نفرت کرتے ہیں بلکہ یہ تو ان اسرائیلی روایات کو ان لوگوں کے ہاتھوں بیان کرتے ہیں جنہوں نے اسلام کا اظہار کیا زہد، ورع اور تقوی کی اوصاف سے متصف ہوئے بس مساجد میں ہمیشہ درس، تدریس میں مشغول رہے یہاں تک کہ لوگوں نے ان کو ثقہ، صادق اور سچا مسلمان مان لیا ان کو اس عظیم رتبے پر پایا جو دین اسلام کا علم مسلمان ہونے کے ناطے رکھتے ہیں اور ساتھ ہی سابقہ ادیان کا علم بھی ان کے پاس ہے وہ علماء کبھی تو اپنی سازشوں کو خود کو یہ کہہ کر کہ وہ سابقہ کتب کے علماء ہیں پھیلاتے کبھی تھوڑی بہت معنی مفہوم میں تبدیلی کرکے اپنے مقصد کو پورا کرتے کبھی ایسے شبہات اور افواہیں پیدا کر دیتے جن سے امت متفرق ہوسکے اس کی وحدت پارہ پارہ ہوسکے وہ ظاہر میں مسلمان ہونے کا دعوی کرتے اندر سے اپنی ضلالت، گمراہی کی فکر کو تھامے ہوتے اور دوران تدریس اس کو راجح رائے قرار دیتے اسلام کے بارے میں ایسے شگوفے چھوڑ دیتے جن کے ذریعے مخالفین اسلام کو اسلام پر اعتراضات اور تنقید کا موقع مل جاتا لیکن محدثین، مفسرین کو یہ بار آور کرواتے کہ وہ نسل در نسل مسلمان ہیں اور اسلام کے بارے میں پختہ علم رکھتے ہیں وہ ان محدثین اور مفسرین کو جو کچھ علم میں عطا کر رہے ہیں وہ انہوں نے ایسے مسلمانوں سے حاصل کیا تھا جو علم قرآن، توراۃ اور انجیل کے بڑے ثقہ علماء تھے۔

میرے خیال میں ان محدثین، مفسرین کے بارے میں یہ کہنا کہ وہ یہود نصاری سے متاثر ہوئے تو یہ علی الاطلاق ان کی بے ادبی ہے ان کو ان کے مقام سے نیچے گرانا ہے اور علوم حدیث، تفسیر میں شکوک شبہات پیدا کرنا ہے۔

اے میرے بھائی ڈاکٹر صبحی!

اس بحث میں آپکا موقف ایک ایسی بغیر سوچے خود بخود نکلنے والی زور دار چیخ ہے یا پھر اس پولیس والے کی خوشی سے نکلے والی چیخ کی طرح ہے جو ایک ایسے مجرم کو پکڑ لیتا ہے جس کو ڈھونڈتے ڈھونڈتے تھک جائے اس کو تلاش کرتے کرتے عاجز آچکا ہو۔

گویا تم یہ چاہتے ہو کہ علی معمّر یہ اعتراف کرلے کہ اباضی خوارج میں سے ہیں ورنہ وہ حکم دے گا کہ اباضیوں کو ایک کالی جیل کی کوٹھری میں بند کر دیا جائے اور علی معمّر کو اس سے بھی زیادہ کالی اور اندھیر کوٹھری میں ڈالنے کا حکم دے دیا جائے گا۔ خدا تعالیٰ اس کو چالاکی ہوشیاری کا صلہ دے وہ کیسے اپنے موقف سے ہٹا گیا ہے۔۔

سب سے بڑا اباضیوں کا جرم یہ ہے کہ انہوں نے خود کو کبھی بھی ان مصنفین مؤرخین اور مقالہ نگاروں کی قطار میں کھڑا نہیں کیا جن کے مقالوں کے پیچھے کوئی اور فکر کارفرماں تھی ان کو کوئی پس پردہ ہانکنے والا تھا جو کسی کے اشاروں پر لکھا کرتے تھے۔

اسی طرح ڈاکٹر صبحی کی نظر میں علی معمر کا سب سے بڑا جرم یہ ہے کہ اس نے اباضیوں کا ایک مطلق دیگر مذاہب کی طرح فقہی مذہب شمار کیا ہے۔ جیسا کہ مالکی شافعی وغیرہ یہ وہ مرتبہ ہے جس سے ڈاکٹر صبحی اباضیوں کو محروم کرنا چاہتا ہے۔

اے میرے بھائی مجھے بڑے افسوس سے کہنا پڑ رہا ہے کہ بہت سی ذہنی فکری ایسی تقلیدات ہوتی ہیں جو انسان کے ذہن، خیالات میں اس قدر غالب آجاتی ہیں کہ وہ باہر سے آنے والے حق کو قبول کرنے کی طاقت نہیں رکھتا کیوں کہ اس کے اندر وہ تقلیدات غالب آچکی ہوتی ہیں بلکہ اس کے اندر موجزن ہونے والی تقلیدات ہی اندر سے پھوٹتی ہیں وہ کبھی بھی ان مختلف اور پسماندہ تقلیدات کو اپنے ذہن اور فکر سے نکال کر دور نہیں پھینکنا چاہتا جو اسے زندگی کے مختلف مراحل میں حاصل ہوتی رہی ہیں۔ یہ تقلیدات انسان کے ذہن میں اس قدر موجزن ہو گئیں ہیں جو سراسر قائم بھی دلیل کی بجائے اشاروں اور الہامات پر ہیں کہ ان سے وہ جدا ہونا ہی نہیں چاہتا نہ ہی ان کی تحقیق کے لیے وہ کوئی ریسرچ کرنا چاہتا ہے بلکہ اس نے بغیر کسی جدل، جدال کے یہ تسلیم کر لیا ہے کہ جو اس کے پاس ہے وہ ہی حق ہے دیگر لوگوں کے پاس جو کچھ ہے وہ اس کے برعکس یعنی حق نہیں ہے اس کی ذیل میں کچھ مثالیں ہیں:

(ابو العباس مبرد نے اپنی کتاب (الکامل) میں اباضیوں سے متعلق کہا ہے (کہ یہ فرقہ سنت کے قریب تر ہے) بعد میں کچھ ایسے افراد آئے جنہوں نے خود کو اہل سنت بنالیا خود پر اہل سنت ہونے کا اطلاق کر دیا اور شریعہ اسلامیہ کے لیے خود کو ہی ایک پیمانہ بنالیا تھا جب یہ عبارت ان کی نظروں سے گزری تو انہوں نے (اہل) کے لفظ کا اضافہ کر کے اباضیوں پر حکم لگاتے ہوئے اپنے مصادر سے نقل کر دیا (وہ اہل سنت کے کے زیادہ قریب ہیں) بس اس طرح ان کے نزدیک یہ عبارت ہی حق سمجھ لی گئی۔ جس میں شک کی کوئی گنجائش ہی نہیں ہے جبکہ دیگر کے ہاں جو عبارت ہے اس کی ان کے ہاں کوئی حیثیت نہیں ہے بس انہوں نے اس درجے تک اپنے مذہب کو ثابت کر دیا ہے دوسروں کی رائے اگرچہ اس میں لفظِ سنت باقی تھا ان کے نزدیک ثانوی درجہ رکھتی ہے۔)

اے میرے بھائی ڈاکٹر صبحی!

تیسری اس خوشی کی چیخ جو تیرے منہ سے نکلی ہے اور جو تو نے غلط اعتراف کیا ہے میں اس سب کے باوجود کسی بھی قیمت پر کبھی بھی یہ ماننے کے لیے تیار نہیں ہوں کہ اباضی خوارج کا ایک فرقہ ہے اور جو ان کو خوارج کی طرف منسوب

کرتا ہے وہ اباضیوں کے مقابلہ میں خوارج کے زیادہ قریب ہے میں اس سب کا مکمل طور پر انکار کرتا ہوں اور اباضیوں کو دیگر شافعی، مالکی مذاہب کے اصحاب کی طرح مانتا ہوں کہ یہ بھی دیگر فقہی مذاہب کی طرح ایک مذہب کے اصحاب ہیں اسی طرح میں یہ دعوی بھی کرتا ہوں کہ ان کی فقہی اعتقادی اصولی اور فروعی دیگر مذاہب کی ان خدمات سے کم نہیں ہیں جو انہوں نے شریعہ اسلامیہ کے لیے پیش کی ہیں مزید یہ کہ اہل سنت کے زیادہ تر فرقے ایسے تھے جو حکمرانوں کے آلہ کار بنتے رہے تھے۔ وہ ان کو استعمال کرتے یہاں تک کہ ان کی خوشنودی کے لیے بعض اوقات ایسے موقف بھی اختیار کیے جو کہ بنیادوں اور اصولوں کے خلاف تھے ان سے علیحدگی تھی جابر حکمرانوں کا آلہ کار بنے رہے ہیں تا کہ ظلم کا لوگوں سے اقرار کرو اسکیں جبکہ اباضیوں نے اس پر اعتماد نہیں کیا نہ ہی حکومت، اقتدار کا بھی غلط استعمال کیا اور نہ ہی کبھی اقتدار سے یہ فائدہ اٹھایا کہ مختلف مذاہب سے وابستہ لوگوں کو مملکتی اور حکومتی مذہب کو قبول کرنے پر مجبور کیا جائے اباضی کبھی بھی کسی بھی دن سیاست کا آلہ کار نہیں بنے جب کبھی سیاست کی معاونت کی تو وہ صرف انہی حدود میں رہتے ہوئے کی جس کی شریعت اجازت دیتی تھی یہی وجہ تھی کہ ان سے سیاست دور رہی یہاں تک کہ ان سے لڑتی بھی رہی۔

معتزلہ کی تاثیر

ڈاکٹر صبحی نے اس موضوع سے متعلق اپنی بحث میں کہا ہے:

(ادارسی یعنی زیدی شیعہ کے تمام فرقے اور اباضی معتزلہ سے متاثر ہوئے ہیں میری یہ مراد نہیں کہ یہ دونوں فرقے معتزلہ سے الگ ہوئے ہیں بعض اوقات اس سے برأت کا کہا جاتا ہے بے شک معتزلہ کی جانب سے اہل تشیع اور خوارج دوسری جانب سے اشاعرہ (اہل سنت کا سابقہ مذہب) (اور بعد میں جمہور کا مذہب) ہیں۔ جن کے مابین جدل و جدال اور اختلاف پایا جاتا ہے۔ چوتھی صدی ہجری کے آخر سے دارالخلافہ میں دیگر متعارض مذاہب میں قربت پیدا ہوئی۔ لہٰذا اہل تشیع اور خوارج میں ہر ایک معتزلہ اور ان کے اصول سے متاثر ہوا۔ کیوں کہ اہل تشیع خصوصاً زیدی اور اثنی عشریہ اور خوارج کے اصولوں اور معتزلہ کے اصولوں کے مابین مشابہت پائی جاتی ہے جو کہ اس بات کی دلیل ہے کہ اہل تشیع اور خوارج معتزلہ سے متاثر ہوئے ہیں۔ لہٰذا اہل تشیع اور خوارج کو مطلق معتزلہ سے بری کر دینا کافی نہیں ہے۔

اس بحث میں بہت سے پہلو ایسے ہیں جو مزید تحقیق، تصدیق کے محتاج ہیں اور بعض تو صرف خیالی مفروضے ہیں جو لوگوں کے ذہنوں میں گردش کر رہے ہیں ان کا ہم درج ذیل نقاط میں احاطہ کرتے ہیں:

۱. ایک بہت بڑے دھڑے اور گروہ کو ایک فروعی گروہ کے تابع فرض کیا گیا ہے۔

۲. اشاعرہ کو یہ فرض کیا گیا ہے کہ وہ اہل سنت کے مذاہب کے قدیم ترجمان اور نمائندے ہیں۔

۳. دوسرے مذاہب کی دیگر مسلمانوں کی اکثریت اور دارالخلافہ پر حکمرانی اور سرداری۔

۴. مذاہب اسلامیہ کے مابین تقارب اور تشابہہ کو ایجاد کرنے کی کوشش کی گئی ہے جبکہ معاملہ اس کے بالکل برعکس ہے یعنی تفسیرات دوری پر دلالت کرتی ہیں نہ کہ قربت کو ثابت کرتی ہیں۔

ہم عنقریب آنے والے اپنے تجزیے اور بحث میں انہی نقاط کو زیر بحث لائیں گے۔

پہلا نقطہ

وہ ایک متحد گروہ اور دھڑے کا جیسے اہلِ سنت کا نام دیا گیا ہے اس کے مقابلہ میں دوسرے دھڑوں کو لایا ہے جیسے کہ معتزلہ، خوارج اور اہل تشیع یہ سب ایسے دھڑے ہیں جن کے مابین کوئی چیز قرابت کی نہیں پائی جاتی بجز اس دشمنی کے جس میں یہ اہلِ سنت کے مقابلہ میں متحد ہیں اور وہ اس دشمنی میں آپس میں متفق اور ایک دوسرے سے تعاون کرتے نظر آتے ہیں۔

ڈاکٹر صبحی کا یہ تجزیہ ایک ایسا معاملہ ہے جو بہت زیادہ جہد اور تحقیق کا محتاج ہے تا کہ حقائق کے ساتھ مربوط ہونے کا لباس پہن سکے۔ دینی تاریخی اعتبار سے یہ بات ثابت ہے کہ اہلِ سنت کے جتنے فرقے ہیں وہ آپس میں بھی بعض آراء میں اختلاف سے کم نہیں جو اہل تشیع اور اباضیوں کے مابین یا پھر معتزلہ کے مابین پایا جاتا ہے ہر فرقہ ایک دوسرے کو باطل قرار دینے کی کوشش کر رہا ہے خود کو درست، صحیح قرار دیتا ہے اور دوسرے کو خطاء پر مبنی سمجھتا ہے یہ جھگڑا اہلِ سنت کے آپس کے تمام فرقوں کے مابین بھی بہت شدید پایا جاتا ہے اور یہ جھگڑا دیگر فرقوں کے مابین پائے جانے والے جھگڑے سے کہیں کم نہیں ہے اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ فقہی اور کلامی مذہبی جھگڑے کسی حد تک سیاسی حالات سے ایک خاص فکر کی سلطنت کے ماتحت رہنے سے متاثر ہوئے ہیں۔ لہٰذا ان صفوں کے مابین جھگڑا جن پر لفظِ اہلِ سنت کا اطلاق ہوتا ہے دیگر مذاہب کے مابین واقع جھگڑے اور اختلاف سے کم نہیں ہے اس تنگ اور سطحی میدان میں وہ اختلاف کا تمام اسلحہ استعمال کیا گیا ہے جو وسیع پیمانے پر ان تمام مذاہب کے درمیان استعمال ہوا تھا۔

جیسا کہ فسق تکفیر اور نماز کے باطل ہو جانے جیسے مسائل وغیرہ ان میں اہل سنت کے مابین بہت شدید اختلاف پایا جاتا ہے۔ لہٰذا یہ کہنا کہ اہل سنت کے تمام فرقے آپس میں متحد ہیں درست نہیں ہے اور یہ اختلاف صرف فروع میں ہی نہیں اصولِ فقہ اور اصولِ دین میں بھی پایا جاتا ہے۔

میرے خیال میں یہاں کچھ ایسی صورتیں پیش کرنے کی ضرورت ہے جن سے یہ واضح ہو سکتا ہے کہ اہل سنت فرقوں کے مابین جس طرح کے جھگڑے اور اختلاف پائے جاتے ہیں ان سے یہ محسوس نہیں ہوتا کہ وہ ایک متحد گروہ ہیں ایک ایسا متحد دھڑا ہیں جس کا تصور بعض قلموں نے پیش کیا ہے بلکہ مسلمانوں میں عملی طور پر یہ واقع ہوا ہے کہ ہے کہ ہر فرقے نے خود کو اہل حق ثابت کرنے اور دوسرے کو باطل ثابت کرنے کی کوشش کی ہے۔

میں نے اس حوالے سے تین کتب کا انتخاب کیا ہے تا کہ ان میں سے اہل سنت فرقوں کے مابین اختلاف کی وہ صورتیں نقل کر سکوں جو کہ اختلاف کے دائرے سے نکل کر ایک شدت پسندی اور شدید لڑائی غیض غضب تک پہنچ گیا تھا۔

پہلی کتاب استاد عبدالوہاب خلاف کی ہے۔

(مصادر التشریع الاسلامی فیمالانصّ فیه) جس کی اشاعت ۱۳۹۲ھ میں دارالقلم نے کی اس کے صفحہ ۱۳۰ پر درج ذیل آیا ہے!

(اگر کوئی شخص ہمارے نقل کردہ اس جھگڑے اور شدید نفرت میں ذرا سا بھی غور کرے جو آئمۃ مذاہب کے مابین واقع ہوا تو وہ جان لے گا کہ جو کچھ ہم نے نقل کیا ہے صحتِ سند کے اعتبار سے درست ہے حالانکہ مالکی مستقل مغرب میں جبکہ حنفی زیادہ تر مشرق میں رہتے تھے کوئی ایک مذہب بھی ان دونوں میں سے کسی بھی بنا پر ایک دوسرے کے ساتھ سکونت پذیر نہیں ہوا ہمیں تو یہ بھی خبر پہنچی ہے کہ جبلی اہل جیلان تو اس حد تک احناف کے خلاف تھے اگر کوئی احناف میں سے ان کے پاس آ جاتا تو اس کو قتل کر دیتے اس کے مال کو مالِ فئ بنا دیتے یعنی وہ احناف کو کفار کے حکم میں سمجھتے تھے اسی طرح ہمیں یہ بھی خبر ملی ہے کہ (ماوراء النھر) بعض حنفی علاقے تھے جن میں صرف ایک شافعی مسجد تھی جب بھی وہاں کا امیر صبح کی نماز کے لیے مسجد جاتا تو روزانہ شافعی مسجد کو دیکھ کر کہتا (اس کنیسے کو بند کرنے کا وقت آ گیا ہے) لیکن ایسا نہ ہوا بلکہ وہ وقت آیا کہ اس مسجد کا دروازہ دودھ اور انجیر سے ڈھک گیا یعنی دروازے پر دودھ اور انجیر کی دکانوں کا انتارش لگ گیا کہ وہ خوب آباد ہو گیا۔ جس کو دیکھ کر امیر شہر بہت متعجب ہوا کیونکہ وہ اس مسجد کو بند کرنا چاہتا تھا جبکہ یہ آباد ہو گئی تھی۔

پھر یہ کہ ان مذاہب کے پیروکار اپنے اپنے امام کو اپنی تحریر اور گفتگو میں فضیلت دیتے ہیں۔ یہاں تک کہ میں نے حنفیوں کو دیکھا کہ انہوں نے اپنے امام ابو حنیفہ کی فضیلت میں اور مناقب میں لکھا جس پر ان کے اتباع فخر کرتے ہیں جیسا کہ ابو یوسف محمد اور ابن مبارک وغیرہ۔

پھر اس نے باقی مذاہب کو پیش کرتے ہوئے کہا:

> "یہ آئمۃ میرے آباء اجداد تھے جن کے فضائل، مناقب میں اے جریر دیوان جمع ہو چکے ہیں اگر تمہارے پاس ان کی مثل ہے تو لاؤ۔"

یہ اور اس طرح کے دیگر ایسے دعوے ہیں جو جاہلیت کے دعوؤں کے مشابہہ ہیں یہاں تک کہ مالکی کہتے ہیں کہ شافعی امام مالک کے غلام ہیں جبکہ شافعی کہتے ہیں احمد بن حنبل شافعی کے غلام ہیں اسی طرح حنبلی کہتے ہیں کہ شافعی احمد بن حنبل کے غلام ہیں۔

ابو الحسن القرافی نے اپنی کتاب (الطبقات) میں امام احمد بن حنبل کے پیروکاروں میں ذکر کیا ہے احناف کہتے ہیں کہ امام شافعی ابو حنیفہ کا غلام ہے کیوں کہ وہ محمد بن حسن کا غلام ہے اور محمد ابو حنیفہ ؒ کا غلام ہے یہ بھی کہا ہے کہ اگر امام شافعی امام ابو حنیفہ کے اتباع میں سے نہ ہوتے تو ہم ان کے امام کے ساتھ اختلاف پر راضی نہ ہوتے اسی طرح شافعی یہ طعن، تشنیع کرتے ہیں کہ ابو حنیفہ غلام تھے وہ قریشی نہیں تھے اسی طرح حنفیوں نے امام شافعی کے نسب پر طنز کرتے ہوئے کہا ہے کہ وہ قریشی نہیں تھے بلکہ قریش کے غلاموں میں سے تھے اور نہ ہی وہ حدیث میں امام ہیں کیوں کہ امام بخاری اور مسلم نے ان کو پایا مگر انسے کوئی حدیث روایت نہیں کی حالانکہ کوئی بھی ایسا حدیث کا امام نہیں ملتا جس کو انہوں نے پایا ہو لیکن اس سے حدیث نقل نہ کہ ہو یہاں تک کہ امام فخر الدین اور تمیمی نے اپنی کتابوں میں جو کہ امام شافعی کے مناقب میں تصنیف کی ان کے ہاشمی ہونے کو ثابت کیا ہے بلکہ یہاں تک ہر فریق نے کوشش کی ہے کہ حدیث نبوی کو اپنے امام کی فضیلت میں نقل کریں یعنی حدیث کو نقل کر کے یہ کہتے ہیں کہ یہ حدیث ہمارے امام کی فضیلت میں وارد ہوئی ہے۔ پھر موکف نے بعض ان احادیث کا ذکر کیا ہے جو ہر فریق اپنے آئمۃ کی فضیلت میں نقل کرتا ہے۔

ان کے رد میں سب سے عمدہ وہ رد ہے جو موکف نے اسی کتاب کے صفحہ ۱۳۱ پر امام شیرازی سے نقل کیا ہے:

(جان لو یہ احادیث جو صحیح میں ہیں ان پر دلالت نہیں کرتی اور نہ ہی ان کی دلالت درست ہے۔)

ان احادیث کے استدلال کے حوالے سے کہ یہ امام کی فضیلت پر درست دلالت نہیں کرتی ان میں سے بعض ایسی ہیں جو دلالت نہیں کرتی اور بعض ایسی ہیں جو موضوع ہیں صحیح نہیں بیان کرنے کے بعد کہا ہے:

(خدا کے لیے اس معاملے میں غور کرو ہر مذہب کے اتباع اپنے آئمۃ کی فضیلت میں ان احادیث کو محمول کر رہے ہیں اور دیگر کی مذمت میں پیش کر رہے ہیں اس کے پیچھے سوائے ایک دوسرے پر مذاہب کی فضیلت اور فوقیت کے مقابلہ اور جھگڑے کے کوئی اور مقصد یا غرض کار فرماں نہیں ہے۔ اس کے پیچھے واضح مفادات اور دلائل ہیں اگر یہ مذاہب آپس میں متفق ہو سکتے تو یہ سب کچھ دیکھنے کو نہ ملتا جو ہم دیکھ رہے ہیں۔)

دوسری کتاب استاد عبد الجلیل عیسیٰ کی ہے!

(مالا يجوز فيها لخلاف بين المسلمين) اس کتاب کی اشاعت دار البیان نے کی ہے۔

اس کتاب میں مصنف نے زیادہ تر اس اختلاف کی مثالیں بیان کی ہیں جو اہل سنت کے مابین واقع ہو۔ ہم اس کا ذیل میں موضوع کی مناسبت سے خلاصہ پیش کرتے ہیں:

أ. ایسا اختلاف جس میں تعصب نہیں پایا جاتا صرف رائے میں اختلاف ہے اور یہ قول، فعل میں اختلاف ہے مثلاً ایک عالم نے کہا کہ واجب ہے دوسرے نے کہا کہ سنت ہے یا نفل ہے اسی طرح ایک عالم کہتا ہے کہ یہ حرام ہے دوسرے نے کہہ دیا کہ صرف مکروہ ہے اس طرح کی دونوں قسموں کا اختلاف بہت زیادہ ہے۔

پہلی قسم کی بارہ جبکہ دوسری قسم کی سات مثالیں بیان کی ہیں۔

ب. یہ ایسا اختلاف ہے جو قول، فعل میں واقع ہوتا ہے ایک کے نزدیک سنت یا پھر مستحب ہے۔ اس کو کرنے کو ثواب ملے گا جبکہ دوسرے کے نزدیک وہ کام یا قول مکروہ ہے اس کے فاعل کو ملامت کی جائے گی۔ اس اختلاف کی اس نے تیرا مثالیں ذکر کی ہیں۔

ج. یہ ایسا اختلاف ہے جو ایک کے نزدیک عبادت بن جاتی ہے جبکہ دوسرے کے نزدیک عبادت کو باطل کر دیتی ہے۔

ہم نے اس حوالے سے یہ تہہ کیا ہے کہ ہم ایک خاص فصل قائم کریں جس میں ہم بعض ایسی اشیاء تو جمع کریں جو بعض علماء کے ہاں عبادت کو باطل کر دیتی ہیں جبکہ ان کے علاوہ وہ دوسرے کے نزدیک باطل نہیں کرتیں یہ بہت زیادہ تعداد میں ہیں جن کا اس رسالہ میں احاطہ کرنا ممکن نہیں ہے۔ ہم نمونے کے طور پر ان کی چند مثالوں پر اکتفا کریں گے پھر اس نے ان کی تقریباً بائیس مثالیں بطور نمونہ ذکر کی ہیں۔

د. کچھ ایسا اختلاف ہے جو اختلاف برائے اختلاف ہے صرف نقطہ نظر کے حوالے سے تکرار کے ساتھ اختلاف پایا جاتا ہے ایک ہی بات کو بار بار تکرار کے ساتھ اختلاف کا موضوع بنایا گیا۔

اس فصل میں آپ ایسے مسائل کو پاؤ گے جن کو آنکھوں نے دیکھا نقطہ نظر میں تکرار پایا اور کانوں سے ان کو ہزاروں بار سنا گیا پھر مصنف نے اس قسم کے اختلاف کی بطور نمونہ چودہ مثالیں ذکر کی ہیں۔

پھر اس نے صفحہ ۹۰ سے لے کر بعد میں دیگر صفحات پر ان اختلافات کے نتائج کی بعض وہ صورتیں ذکر کی ہیں جو کہ ان جھگڑوں اور لڑائیوں کی طرف لے جاتی ہیں یہاں تمہارے لیے ان میں سے بعض کا خلاصہ پیش کرتا ہوں۔

۱. کسی شافعی سے ایسے کھانے کے بارے میں پوچھا گیا جس میں شراب کا ایک قطرہ گر گیا ہو تو آپ نے جواب دیا اس کھانے کو کتے کے آگے یا پھر کسی حنفی کے آگے پھینک دیا جائے گا۔

۲. کسی حنفی سے پوچھا گیا کیا حنفی کی کسی شافعی عورت سے شادی جائز ہے اس نے کہا ہرگز جائز نہیں کیوں کہ اس کا دین مشکوک ہے۔

۳. ایک حنفی نے یہ بھی فتوی دیا کہ شافعی عورت پر اہل کتاب کی عورت جیسا حکم لگاتے ہوئے ایک حنفی اس سے شادی کر سکتا ہے۔ کیوں کہ اہل کتاب سے شادی کرنا بالاتفاق جائز ہے۔

۴. ایک حنفی نے ایک شافعی مقتدی کو اونچی آواز میں سورۃ فاتح کی قرأت کرتے سنا جس پر اس نے اس شافعی کو سینے پر مارا وہ زمین پر گر پڑا۔

۵. مالکی نے کہا اگر کسی شخص نے یہ حلف اٹھایا کہ (موطا امام مالک) میں جتنی احادیث ہیں وہ صحیح ہیں تو وہ اس حلف کی بنا پر قسم توڑے اور گناہ گار کے حکم میں نہیں آئے گا لیکن اگر کسی نے یہ حلف بخاری اور مسلم کی احادیث کے حوالے سے اٹھایا کہ وہ سب صحیح ہیں تو اس پر وہ قسم توڑنے اور گناہ گار کے حکم میں آئے گا۔

۶. ایک نمازی نے تشہد میں شہادت کی انگلی اوپر اٹھائی تو اس کے ساتھ موجود دوسرے نمازی نے اس کو اتنا مارا یہاں تک کہ اس کا ہاتھ ٹوٹ گیا جب اس سے اس کا سبب پوچھا گیا تو جواب دیا گیا کہ شیخ کیدانی کے مطابق اس نے ایک حرام عمل کیا ہے۔

۷. امام حسن کرخی نے کہا ہے ہر آیت یا حدیث جو ہمارے مذہب کے اصولوں کی مخالفت کرے اس کی تاویل کی جائے گی یا منسوخ سمجھا جائے گا۔

یہ تو اس اختلاف کا گوشہ تھا جو اہل سنت کے مذاہب کے مابین یا ان کے اور دیگر مذاہب کے مابین تھا۔

مزید شیخ سعید بن تعارت الجربی نے اپنی کتاب (المسلك المحمود فی معرفة الردود) میں بہت سی مذاہب اربعہ کے مابین اختلاف کی صورتیں ذکر کی ہیں اسی طرح وہ شدت اور انتہا پسندی کے نمونے جو ان مذاہب کے مابین اختلاف کی بنا پر حاصل ہوتے تھے ان کا ذکر کیا ہے میں نے ان کو خلاصۃ یہاں ذکر کرنے کو مناسب سمجھا ہے۔ لہٰذا تیسری کتاب جو میں نے اس موضوع کے حوالے سے منتخب کی ہے وہ سعید بن تعارت الجربی کی کتاب (المسلك المحمود فی معرفة الردود) جس کی اشاعت ۱۳۲۱ھ میں ہوئی۔

سب سے پہلے سابقہ کتاب سے وہ بطور نمونہ شدت کی صورتیں جو اختلاف کی بنا پر مذاہب اربعہ کے مابین پیدا ہوئیں ان کو خلاصے کے طور پر پیش کرتا ہوں۔

۱. ابو الفرج بن خطیب الحنبلی نے کہا ہے اہل سنت و جماعت میں سے آئمہ اربعہ کے پیروکار جن کو ہمارے زمانے یعنی (آٹھویں صدی ہجری) میں سمجھا جاتا ہے ان کے تین طبقات ہیں۔

* اشاعرۃ * ماتریدیہ * اَثریہ

جمہور مالکی اور شافعیوں کی اکثریت اشعری ہیں جبکہ احناف کی اکثریت ماتریدی ہیں اور جمہور حنبلی اَثری ہیں۔

۲. الصلاح الصَفَدِی نے کہا ہے!

شافعیوں کے اکثریت اشاعرہ ہیں احناف کی اکثریت معتزلہ ہیں۔ مالکی اکثریت سے قدریہ ہیں جبکہ حنابلہ کی غالب اکثریت حشوی ہیں۔

(حوالہ کے لیے لامیہ العجم کی شرح ملاحظہ کریں)

۳. الصفدی نے ذکر کیا ہے کہ علامہ ماوردی جن کو شافعی اپنے اکابرین میں شمار کرتے ہیں وہ معتزلہ کے فضلاء میں سے تھے۔

۴. الصفدی نے یہ بھی کہا ہے جو اصحاب رائے اور تاویل ہیں ان میں سے امام اعظم ابو حنیفہ بھی ہیں۔

اسی طرح امام اشعری کے اصحاب اصحاب ظاہر (جیسا کہ حنابلہ اور داؤد بن علی کے اتباع) کے ضد ہیں۔

۵. میر غیاث نے کہا ہے کہ امام احمد حشویہ میں سے ہیں۔

۶. سعد اور راغب نے یہ ذکر کیا ہے کہ امام ابو حنیفہ مرجئہ میں سے ہیں۔

۷. ابن حبیب المالکی نے کتاب (جامع) میں امام مالک کی حدیث میں غریب کی شرح میں کہا ہے کہ (الداء العفال) لاعلاج بیماری کے بارے میں پوچھا گیا انہوں نے کہا مطرف نے ہمیں خبر دی کہ انہوں نے امام مالک سے لاعلاج بیماری کے بارے میں سوال کیا۔ آپ نے کہا وہ لاعلاج بیماری امام ابو حنیفہ اور اس کے اصحاب ہیں۔ وہ اس لیے کہ اس نے لوگوں کو دو حوالوں سے گمراہ کیا ایک تو رجاء اور امید کا تصور دیا دوسرے احادیث کے مقابلے میں اپنی آراء کو ترجیح دی وہ اسلام میں سب سے زیادہ منحوس ہے جس کے ذریعے بہت سی مخلوق گمراہ ہوئی۔

۸. ابن حبیب نے کہا ہے ایک معاہد کافر کے بدلہ میں مسلمان کا قتل حق سے ہٹنے والے ابو حنیفہ اور اس کے اصحاب کی رائے ہے۔

۹. امام غزالی نے کہا ہے کہ ہر فرقہ دوسرے فرقے کے کفر کو ثابت کرتا ہے اور اس کی طرف تکذیب رسول ﷺ منسوب کر دیتا ہے جیسا کہ جنبلی اشعری کے بارے میں یہ گمان کرتے ہوئے کہ اس نے مقام رسالت کو خدا تعالیٰ کی ذات پر فوقیت دی ہے تکذیب رسالت کا مرتکب گردانتا ہے۔ اسی طرح یہ کہ وہ خدا تعالیٰ کے بارے میں حقیقی معنی عرش پر جلوہ افروزی مانتا ہے۔

اسی طرح اشعری جنبلی کو مُشبّہ گمان کرتے ہوئے اس کے کفر کو ثابت کرتا ہے اس نے گویا رسولِ خدا کی تکذیب کی کیوں کہ خدا تعالیٰ کی شان یہ ہے (یس کمثلہ شیء) اس کی مثل کوئی چیز نہیں ہے۔

۱۰. ابن الشحنہ نے ذکر کیا ہے کہ حنابلہ نے اشعری پر کفر کا حکم لگایا ہے اور اس کے خون کو مباح کیا ہے۔ اس کی قبر کے نشان کو مٹانے کا حکم اس خوف سے دیا ہے کہیں اس کی قبر کھود کر اس کی نعش کو باہر نہ نکال لیا جائے اسی طرح احناف نے اشعری کو غلط قرار دیا ہے۔

۱۱. قاضی عیاض نے امام غزالی پر اس بنا پر کفر کا حکم لگایا ہے کیوں کہ اس نے جاحظ اور ثمامہ کے قول کو ذکر کیا ہے پھر کہا امام غزالی نے اپنی کتاب (تفرقہ) میں تقریباً یہی مراد لیا ہے۔ لہٰذا جو بھی اس کا قائل ہے وہ کافر ہے۔

۱۲. شیخ علیش نے امام فخر الدین الرازی کے بارے میں کہا ہے کہ اس کے بعض عقائد میں لوگوں نے جادو، منتر وغیرہ کو محسوس کیا ہے۔ تعویز جادو، منتر کے حوالے سے فخر الدین رازی فلسفیوں کی من گھڑت بدشگونیوں کی طرف چلا گیا تھا۔ لہٰذا اس کی بہت سی کتابوں کے حوالے سے شیخ نے تنبیہ کی ہے بہت سے مقامات کی نشان دہی کی ہے جو قابلِ مذمت ہیں۔

۱۳. ابن حداد نے امام شافعی کے رد میں کتاب لکھی جس میں وہ ابو حنیفہ کے حوالے سے بُری رائے رکھتا تھا۔

۱۴. امام شافعی نے کہا میں نے اہل مصر کی طرح کسی کو نہیں دیکھا جو کسی جاہل کو علم حاصل کرنے کے لیے اختیار کرتے ہیں۔ اس لیے کہ انہوں مالک سے بعض مسائل کے بارے میں پوچھا تو اس نے جواب میں کہا میں ان کو نہیں جانتا کیوں کہ وہ اس سے قبول نہیں کرتے جو ان مسائل کو جانتا ہو اس لیے کہ مالک نے اب کہہ دیا ہے کہ وہ نہیں جانتا یعنی اگر مالک نے کہا ہے کہ وہ نہیں جانتا تو بات وہی پر ختم کسی اور سے جو جانتا ہوں وہ پوچھنا پسند ہی نہیں کریں گے۔

۱۵. صاحب فتاویٰ خانیہ نے کہا ہے اگر کوئی شافعی یہ کہے اے الٰہی ہم تیری معرفت کے حق کے مطابق تجھے نہیں پہچان سکے یا کہے میں انشاء اللہ مؤمن ہوں یا کہے کہ عمل ایمان میں سے ہے یا کہے کہ ایمان بڑھتا اور گھٹتا رہتا ہے تو اس کے پیچھے نماز جائز نہیں ہے۔

۱۶. ابو الیسر نے کہا ہے حنفی کے لیے شافعی کی اقتداء کرنا جائز نہیں ہے۔

۱۷. صاحب مبسوط نے ذکر کیا ہے اگر کوئی شافعی اپنے مذہب میں متعصب ہے تو اس کے پیچھے نماز جائز نہیں ہے۔

۱۸. محمد بن فضل نے کہا ہے جس نے کہا کہ ایمان مخلوق ہے اس کے پیچھے نماز جائز نہیں امام بخاریؒ بخاری سے اسی مسئلے کی وجہ سے نکالے گئے۔

۱۹. شیخ علی القاری نے نقل کیا ہے چاہے کسی حنفی نے تمام واجبات کی پابندی کی ہو پھر بھی شافعی کے لیے اس کی اقتداء کرنا جائز نہیں ہے۔

۲۰. ابن ہمام نے مالکیوں پر عیب لگاتے ہوئے ان کو جہل مرکب کی قسم میں شمار کیا ہے اس نے کہا ہے کہ جس نے اپنے اجتہاد میں کتاب اللہ کی مخالفت کی ہے جیسا کہ ان چیزوں کو جان بوجھ کر حلال سمجھنا جن پر خدا تعالیٰ کا نام لیا گیا: دیا ایک گواہ اور ایک قسم پر قرآن مجید کے اس حکم کے باوجود فیصلہ کیا وہ جہل مرکب کا مرتکب ہے۔

قرآن مجید میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَلَا تَأْكُلُوا۟ مِمَّا لَمْ يُذْكَرِ ٱسْمُ ٱللَّهِ عَلَيْهِ وَإِنَّهُۥ لَفِسْقٌ ۗ وَإِنَّ ٱلشَّيَـٰطِينَ لَيُوحُونَ إِلَىٰٓ أَوْلِيَآئِهِمْ لِيُجَـٰدِلُوكُمْ ۖ وَإِنْ أَطَعْتُمُوهُمْ إِنَّكُمْ لَمُشْرِكُونَ﴾

"اور تم اس (جانور کے گوشت) سے نہ کھایا کرو جس پر (ذبح کے وقت) اللہ کا نام نہ لیا گیا ہو اور بے شک وہ (گوشت کھانا) گناہ ہے، اور بے شک شیاطین اپنے دوستوں کے دلوں میں (وسوسے) ڈالتے رہتے ہیں تاکہ وہ تم سے جھگڑا کریں اور اگر تم ان کے کہنے پر چل پڑے (تو) تم بھی مشرک ہو جاؤ گے ٥"(۱)

﴿يَـٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوٓا۟ إِذَا تَدَايَنتُم بِدَيْنٍ إِلَىٰٓ أَجَلٍ مُّسَمًّى فَٱكْتُبُوهُ ۚ وَلْيَكْتُب بَّيْنَكُمْ كَاتِبٌۢ بِٱلْعَدْلِ ۚ وَلَا يَأْبَ كَاتِبٌ أَن يَكْتُبَ كَمَا عَلَّمَهُ ٱللَّهُ ۚ فَلْيَكْتُبْ وَلْيُمْلِلِ ٱلَّذِى عَلَيْهِ ٱلْحَقُّ وَلْيَتَّقِ ٱللَّهَ رَبَّهُۥ وَلَا يَبْخَسْ مِنْهُ شَيْـًٔا ۚ فَإِن كَانَ ٱلَّذِى عَلَيْهِ ٱلْحَقُّ سَفِيهًا أَوْ ضَعِيفًا أَوْ لَا يَسْتَطِيعُ أَن يُمِلَّ هُوَ فَلْيُمْلِلْ وَلِيُّهُۥ بِٱلْعَدْلِ ۚ وَٱسْتَشْهِدُوا۟ شَهِيدَيْنِ مِن رِّجَالِكُمْ ۖ فَإِن لَّمْ يَكُونَا رَجُلَيْنِ فَرَجُلٌ وَٱمْرَأَتَانِ مِمَّن تَرْضَوْنَ مِنَ ٱلشُّهَدَآءِ أَن تَضِلَّ إِحْدَىٰهُمَا فَتُذَكِّرَ إِحْدَىٰهُمَا ٱلْأُخْرَىٰ ۚ وَلَا يَأْبَ ٱلشُّهَدَآءُ إِذَا مَا دُعُوا۟ ۚ وَلَا تَسْـَٔمُوٓا۟ أَن تَكْتُبُوهُ صَغِيرًا أَوْ كَبِيرًا إِلَىٰٓ أَجَلِهِۦ ۚ ذَٰلِكُمْ أَقْسَطُ عِندَ ٱللَّهِ وَأَقْوَمُ لِلشَّهَـٰدَةِ وَأَدْنَىٰٓ أَلَّا تَرْتَابُوٓا۟ ۖ إِلَّآ أَن تَكُونَ تِجَـٰرَةً حَاضِرَةً تُدِيرُونَهَا بَيْنَكُمْ فَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ أَلَّا تَكْتُبُوهَا ۗ وَأَشْهِدُوٓا۟ إِذَا تَبَايَعْتُمْ ۚ وَلَا يُضَآرَّ كَاتِبٌ وَلَا شَهِيدٌ ۚ وَإِن تَفْعَلُوا۟ فَإِنَّهُۥ فُسُوقٌۢ بِكُمْ ۗ وَٱتَّقُوا۟ ٱللَّهَ ۖ وَيُعَلِّمُكُمُ ٱللَّهُ ۗ وَٱللَّهُ بِكُلِّ شَىْءٍ عَلِيمٌ ﴿٢٨٢﴾﴾

"اے ایمان والو! جب تم کسی مقررہ مدت تک کے لیے آپس میں قرض کا معاملہ کرو تو اسے لکھ لیا کرو، اور تمہارے درمیان جو لکھنے والا ہو اسے چاہیے کہ انصاف کے ساتھ لکھے اور لکھنے والا لکھنے سے انکار نہ کرے جیسا کہ اسے اللہ نے لکھنا سکھایا ہے پس وہ لکھ دے (یعنی شرع اور ملکی دستور کے مطابق وثیقہ نویسی کا حق پوری دیانت سے ادا کرے) اور مضمون وہ شخص لکھوائے جس کے ذمہ حق (یعنی قرض) ہو اور اسے چاہیے کہ اللہ سے ڈرے جو اس کا

---

(۱) الانعام، ۶/ ۱۲۱۔

پروردگار ہے اور اس (زرِ قرض) میں سے (لکھواتے وقت) کچھ بھی کمی نہ کرے، پھر اگر وہ شخص جس کے ذمہ حق واجب ہوا ہے ناسمجھ یا ناتواں ہو یا خود مضمون لکھوانے کی صلاحیت نہ رکھتا ہو تو اس کے کارندے کو چاہیے کہ وہ انصاف کے ساتھ لکھوا دے، اور اپنے لوگوں میں سے دو مردوں کو گواہ بنا لو، پھر اگر دونوں مرد میسر نہ ہوں تو ایک مرد اور دو عورتیں ہوں (یہ) ان لوگوں میں سے ہوں جنہیں تم گواہی کے لیے پسند کرتے ہو (یعنی قابلِ اعتماد سمجھتے ہو) تاکہ ان دو میں سے ایک عورت بھول جائے تو اس ایک کو دوسری یاد دلا دے، اور گواہوں کو جب بھی (گواہی کے لیے) بلایا جائے وہ انکار نہ کریں، اور معاملہ چھوٹا ہو یا بڑا اسے اپنی معیاد تک لکھ رکھنے میں اکتایا نہ کرو، یہ تمہارا دستاویز تیار کر لینا اللہ کے نزدیک زیادہ قرینِ انصاف ہے اور گواہی کے لیے مضبوط تر اور یہ اس کے بھی قریب تر ہے کہ تم شک میں مبتلا نہ ہو سوائے اس کے کہ دست بدست ایسی تجارت ہو جس کا لین دین تم آپس میں کرتے رہتے ہو تو تم پر اس کے نہ لکھنے کا کوئی گناہ نہیں، اور جب بھی آپس میں خرید و فروخت کرو تو گواہ بنا لیا کرو، اور نہ لکھنے والے کو نقصان پہنچایا جائے اور نہ گواہ کو، اور اگر تم نے ایسا کیا تو یہ تمہاری حکم شکنی ہوگی، اور اللہ سے ڈرتے رہو، اور اللہ تمہیں (معاملات کی) تعلیم دیتا ہے اور اللہ ہر چیز کا خوب جاننے والا ہے o"(1)

اسی طرح مشہور سنت مبارکہ اور مشہور فیصلہ ہے:

"(جس نے انکار کیا قسم اس پر ہے)" اس طرح بغیر صحبت کے حدیث عُسلیہ کی موجودگی کے باوجود حلال قرار دینا اس طرح کے تمام امور میں فیصلہ نافذ نہیں کیا جاسکتا جبکہ مالکیوں نے ایسا کیا ہے اس لیے وہ جہل مرکب کی قسم میں آتے ہیں۔

۲۱. احمد، ابن تیمیہ اور علماء مالکیہ، شافعیہ کے مابین آٹھویں صدی ہجری کے شروع میں اختلاف پیدا ہو گیا اور وہ اختلاف احمد بن تیمیہ کا اپنے مذہب کو مشہور کرنے کے سبب شروع ہوا تھا یہاں تک کہ ان کو عید الفطر کی رات گرفتار کر کے ایک کنویں میں ڈال دیا گیا پھر ان کی سزا مقرر کرنے کے لیے ایک کمیٹی تشکیل دی گئی جس میں علماء امراء اور قاضیوں کی ایک جماعت موجود تھی قاضی بن عدلان نے مالکی قاضی کے سامنے اس کے عقیدے سے متعلق اس پر مقدمہ پیش کیا اس سے کہا گیا تیرے خلاف جو دعویٰ کیا گیا ہے اس کا جواب دو آپ نے جواب دیا کس قاضی کے پاس میرا مقدمہ کیا گیا ہے کہا گیا فلاں مالکی قاضی کے پاس تب اس نے جواب دیا وہ میرا اور میرے مذہب کا دشمن ہے۔

---

(1) البقرۃ، ۲ / ۲۸۲۔

۲۲. قاضی عیاض نے کہا ہے کہ افریقا میں بنو عبید کی سلطنت کے ظہور کے وقت مذہبِ کوفی ان سے موافقت رکھتا تھا انہی نے مذہب کے روساء اور قاضی مقرر کیے تھے ان سے لوگوں نے دنیاوی حوالے سے بہت مفادات حاصل کیے اور ان سے موافقت کر کے ان سے عزت، مقام حاصل کیا اس کے ساتھ ساتھ انہوں نے اہلِ وطن میں سے اپنے مذہبی دشمنوں کو بھی نکال دیا اور مالکیوں پر انہوں نے بہت سختیاں کیں ان کو بڑی بڑی آزمائشوں سے دوچار کیا۔

۲۳. ابو طالب مکی سے نقل کیا گیا ہے کہ امام مالک متکلمین کے مذہب سے بہت دور اور عراقیوں سے شدید بغض رکھتے تھے۔

۲۴. امام شعرانی نے ذکر کیا ہے کہ ولید بن مسلم نے کہا ہے مجھے مالک نے کہا کیا تمہارے ہاں ابو حنیفہ کا ذکر ہوتا ہے میں نے کہا ہاں تو انہوں نے بولا پھر تو تمہارے ملک کا باقی رہنا اور برقرار رہنا ممکن نہیں ہے۔

۲۵. قاضی عیاض نے ابو حنیفہ اور ان کے مذہب کو اسی طرح مذہب شافعی اور مالکی کو اپنی تنقید کا بہت شدت سے نشانہ بنایا ہے خوب طعن تشنیع کی ہے اور اس طعن میں وہ بہت زیادہ دور نکل گیا تھا۔ موکف نے قاضی عیاض کی ان تین مذاہب پر تنقید خاص طور پر مذہبِ حنفی پر تنقید کے نمونے ذکر کیے ہیں۔

شاید درج ذیل قصہ ان مذاہب کے مابین واقع ہونے والے جھگڑوں اور اختلافات کی مضحکہ خیز تصویر کی ترجمانی کرے۔

(سلطان محمود بن سُبکتگین حنفی تھا اور علم حدیث کا بہت حریص تھا جو کہ حرمین شریفین کے امام سے حدیث کی سماعت کیا کرتا تھا۔ حدیث کے معنی کے بارے میں ان سے پوچھا جو زیادہ تر مذہب شافعی کے موافق ہوتے تھے۔ لہٰذا اس نے دونوں مذاہب کے فقہاء کو اکٹھا کیا اور ان سے دونوں مذاہب میں سے کسی مذہب کو راجح قرار دینے کی خواہش کی اس بات پر اتفاق ہوا کہ سلطان کے سامنے ایک شخص پہلے دو رکعت نماز مذہبِ شافعی کے مطابق پڑھے گا پھر وہ دو رکعت مذہبِ حنفی کے مطابق ادا کرے گا بادشاہ ان میں سے جس کا طریقہ اچھا لگا اس مذہب کا انتخاب کرے گا۔

قفال مروزی نے کامل طہارت اور معتبر شرائط کو پورا کر کے ستر کو بڑے اچھے انداز سے ڈھانپ کر قبلہ رخ ہو کر نہایت ہی عمدہ انداز الفاظ ارکان کے آداب کے لحاظ کرتے ہوئے نماز پڑھی جو کہ ان ساری چیزوں کے اہتمام کے بغیر مذہب شافعی کے نزدیک نماز جائز ہی نہیں۔ پھر اس نے دو رکعت ابو حنیفہ کے مذہب کے مطابق پڑھیں اس نے کتے کی صاف کی ہوئی کھال پہنی اس کے بعض حصے کو نجاست سے آلودہ کیا۔ کھجور کی شراب سے وضو کیا اس وقت سخت گرمی تھی۔ لہٰذا اس پر مچھر اور مکھیاں جمع ہو گئیں اس کا وضو بھی برعکس اور الٹا تھا اس نے قبلہ رخ کیا بغیر نیت کے تکبیر تحریمہ سے نماز شروع کی تکبیر کو فارسی زبان میں کہا پھر نماز بھی عجلت کے ساتھ پڑھی گویا وہ مرغے کی طرح ٹھونگیں مار رہا تھا۔

نماز کے ارکان کو اطمئنان سے ادا نہیں کیا تشہد کے بعد ایک زور دار گوز مارا اسلام کی نیت کے بغیر ہی نماز سے نکل گیا اور کہا اے سلطان یہ ابو حنیفہ کی نماز ہے۔(نعوذ بالله من ذلك)

اسی طرح استاد تعاریتی نے عقائد کے اندر اس اختلاف کی بہت سی صورتیں بیان کی ہیں جو مذاہب اربعہ کے مابین واقع ہوا ہے ہم ذیل میں ان کا خلاصہ پیش کرتے ہیں اور ساتھ ہی اباضیوں کی اس کے حوالے سے جو رائے ہے وہ بھی بیان کریں گے تاکہ محترم قاری کو یہ واضح ہو جائے کہ اباضیوں اور اشعریوں کے مابین اس مسئلہ میں یہ اصول ہیں۔ اشاعرہ اور ماتریدیہ کے مابین تقارب سے زیادہ تقارب سے پایا جاتا ہے۔ اسی طرح اباضیوں اور معتزلہ کے مابین موجود تقارب سے بھی زیادہ شدید تقارب پایا جاتا ہے۔

وہ صورتیں محترم قاری کی خدمت میں پیش ہیں۔

۱. امام اشعری کہتے ہیں کہ خدا تعالیٰ کی صفات ذات پر زائد ہیں قدم، بقاء میں مخالفت کی ہے۔ حنفیہ، باقلانی، امام حرمین اور فخر الدین الرازی کہتے ہیں کہ یہ ذات پر زائد صفات نہیں ہیں جبکہ اباضی کہتے ہیں کہ قدم، بقاء کی طرح تمام دیگر صفات بھی ذاتی ہیں زائد نہیں ہیں۔

۲. وعید کی خلاف ورزی کو اشاعرہ جائز کہتے ہیں جبکہ احناف کے نزدیک جیسے وعدہ کی خلاف ورزی جائز نہیں ایسے ہی وعید کی خلاف ورزی بھی جائز نہیں ہے اور یہی قول اباضیوں کو بھی ہے۔

۳. اشاعرہ اور ماتریدیہ کہتے ہیں کہ مسلمان گناہ گار ہمیشہ دوزخ میں نہیں رہیں گے امام غزالی نے ان کی مخالفت کی ہے اور کہا ہے کہ وہ ہمیشہ دوزخ میں رہیں گے یہی قول اباضیوں کا ہے۔

۴. قاضی بن عربی اور رازی نے جمہور اشاعرہ کی مخالفت کرتے ہوئے افعال بالجبر کے قائل ہوئے ہیں جبکہ امام حرمین مذہب معتزلہ کی طرف گئے ہیں اور اباضی جمہور اشاعرہ کے موقف سے اتفاق کرتے ہیں۔

۵. امام اشعری کہتے ہیں کہ خدا تعالیٰ سے اس کے کلام کا تعلق ازلی ہے جبکہ عبد اللہ بن سعید اور متقدمین اشاعرہ کے ایک طبقے نے مخالفت کی ہے اور کہا ہے خدا تعالیٰ کے کلام کا خدا تعالیٰ کے ساتھ ازلی تعلق نہیں ہے۔ اباضیوں کی اس حوالے سے یہ رائے ہے کہ کلام اس کے کمال کی صفت ہے اور یہ علم، قدرت کی طرح اس کی ذاتی صفت ہے۔

۶. اشاعرہ کے نزدیک خدا تعالیٰ پر ایمان شرعاً واجب ہے جبکہ شافعیوں نے اس میں اختلاف کیا ہے اور دو قول کہے ہیں۔ ابو منصور ماتریدی کے نزدیک ایمان باللہ عقلاً واجب ہے لیکن اباضی اس مقالہ میں اشاعرہ کے ساتھ متفق ہیں۔

۷. عام اشاعرہ کے نزدیک ایمان مخلوق ہے مگر جمہور احناف اس طرف گئے ہیں کہ ایمان مخلوق نہیں ہے اس قول میں اباضی اشاعرہ کے ساتھ متفق ہیں۔

۸. اشاعرۃ کے نزدیک وہ چیز اچھی ہے جس کو شرح اچھا کہے اور جس کو قبیح کہے وہ قبیح ہے۔ احناف کے نزدیک حسین اور قبیح کا تعلق عقل سے ہے یعنی کسی چیز پر اچھا ہونے یا بعض اشیا کا قبیح ہونے کا حکم عقل سے لگایا جائے گا اس قول میں اباضی اشاعرۃ سے متفق ہیں۔

۹. اشاعرہ کے نزدیک ایمان بڑھتا اور گھٹتا رہتا ہے۔ احناف اور امام حرمین کے نزدیک نہ ہی بڑھتا ہے نہ ہی کم ہوتا ہے اس قول میں بھی اباضی اشاعرہ کے ساتھ متفق ہیں۔

۱۰. احناف کے نزدیک (قدرت) ضدین کے لیے صالح ہے جبکہ امام اشعری اور ان کے اتباع کے نزدیک ضدین میں سے ہر ایک کی قدرت جدت پر ہے اس میں اباضی اشعری کے ساتھ متفق ہیں۔

یہ بہت تھوڑی سی ان اختلافات اور جھگڑوں کی مثالیں ہیں جو اصول، فروع میں ان مذاہب کے مابین واقع ہوئے ہیں جن پر اہل سنت کے لفظ کا اطلاق کیا جاتا ہے بلکہ ان میں سے بعض کا اختلاف اس حد تک شدت اختیار کر گیا تھا کہ انہوں نے ایک دوسرے پر گمراہ، جہل مرکب، تکفیر اور فسق کے احکامات بھی جاری کیے ویسے ہی جیسے اختلافات دیگر مذاہب میں واقع ہوئے اور انہوں نے ایک دوسرے پر ضلالت گمراہی کے فتوے لگائے تھے۔ میرے خیال کے مطابق جو اختلافات اور جھگڑے اہل سنت کے مابین ہوئے ہیں وہ دیگر مذاہب میں ہونے والے اختلافات سے کم نہیں ہوں گے۔

اسی طرح میرے خیال کے مطابق اگر ایک شخص اٹھے اور اباضیوں اور اشاعرہ کے مابین اصول میں موازنہ کرے تو وہ اشاعرہ اور ماتریدیہ کے مابین واقع تقارب سے زیادہ تقارب ان کے مابین پائے گا اور اگر وہ ماتریدیہ اور معتزلہ کے مابین موازنہ کرے تو ہو سکتا ہے کہ وہ معتزلہ اور شعیوں کے مابین تقارب سے زیادہ شدید ان میں تقارب پائے۔

رہی بات شدید جھگڑے اور بحث کی جو کہ اس حد تک پہنچ جاتا ہے کہ وہ دین، عقیدے میں کبھی شکوک اور تہمتیں پیدا کرتا ہے اور کبھی تکفیر اور فسق کے فتوے اس کے ذریعے لگائے جاتے ہیں تو اس کی تمھاری نظروں سے بہت سی مثالیں گزر چکی ہیں اگر تم مطالعہ کرو گے تو مزید ایسی مثالیں دیکھنے کو ملیں گی اگر تم اس طرح کے اختلافات اور ایسی صورتوں کے نمونے تیزی کے ساتھ حاصل کرنا چاہتے ہو تو قاضی عیاض، ابن، حزم ابن تیمیہ اور ان کے مثل دیگر علماء کی کتابوں کا مطالع کرو ان تمام کی زبانیں بہت تیز ہیں۔ ہر فرقے نے اپنے تہیں خود ہی دفاع کے لیے عقائد، آراء وضع کر لی ہیں جو کچھ ان کے پاس ہے اس سے برأت کا اظہار کرتے ہیں اور جو اپنے پاس ہے اس کو دوسروں کے سینوں میں زبردستی ڈالنے کی کوشش کرتے ہیں۔

میرا مقصد یہاں یہ ہے کہ شدت اور قوی اختلافات جھگڑے اور مخالف سے متعلق بحث میں شدت ایسے امور ہیں جو کبار آئمۃ، علماء، میں واضح پائے جاتے تھے کوئی مذاہب میں سے ایسا مذہبی دھڑا نہیں اور نہ ہی کوئی دینی لشکر ہیں جو آپس میں ایک دوسرے کے حلیف ہوں بلکہ یہ سب وہ میسر وسائل ہیں جن کو ہر مذہب کے اصحاب اپنے مذہب کی حجیت کو ثابت کرنے کے لیے استعمال کرتے ہیں جب وہ یہ جان جائیں کہ کوئی دوسرا مذہب رائے اور عقیدے میں ان کی موافقت میں ہے تو اس کو بطور دلیل اور اپنے مذہب کی تقویت کے لیے لیتے ہیں اس کو ایسا مذہب شمار کرتے ہیں گویا اس سے ان سے اپنی یہ رائے لی ہو زیادہ تر ہنگامہ آرائی ان مذاہب کے مابین واقع ہوتی ہے جو جغرافیائی لحاظ سے قریب قریب ہوں اور پڑوسی ہوں اس وجہ سے احناف اور شافعیوں کے مابین یا ان دونوں میں سے کسی ایک اور حنابلہ کے مابین یا پھر اہل تشیع فرقوں میں سے کسی ایک کے مابین شدت کا بحث، مباحثہ پیدا ہو سکتا ہے۔ اس طرح کی صورتحال زیادہ اسلامی مشرق عراق، ایران اور ہو سکتا ہے شام میں دیکھنے کو ملے۔ عثمانی دور میں اسلامی مغرب کے اندر مالکیوں اور احناف کے مابین اسی طرح مالکیوں اور اباضیوں کے مابین لڑائی زوروں پر تھی جو کہ ان پڑوس میں رہنے والے ان مذاہب سے وابستہ لوگوں کے درمیان جھگڑوں کے سبب واقع ہوئی تھی۔ لہٰذا سابقہ ادوار کو دیکھتے ہوئے اگر یہ دعوی کیا جائے کہ اہل سنت کے تمام مذاہب آپس میں متفق تھے ایک جسم کی مانند ہیں تو باطل ہو گا اسی طرح یہ کہ اہل سنت مکمل طور پر ایک متحد دھڑا ہے اور باقی تمام مذاہب کی مخالفت میں متحد ہیں تو یہ بھی انتہا درجے کا مبالغہ اور جھوٹا دعوی ہو گا۔

اسلامی فرقوں میں سے کوئی بھی فرقہ ہو چاہے اہل سنت ہوں یا کوئی اور ان کے پاس دوسروں پر جست لگانے اور حملہ کرنے کے ساتھ ساتھ غالب آنے کے یہ طریقے تھے وہ اشخاص جو ان حملوں کے خواہاں ہیں ہر زمانے اور ہر جگہ مختلف ہوتے ہیں۔

ہو سکتا ہے ایک شخص ایسا ہو جو ایک فرقے کا بانی ہو مگر نہایت ہی وسیع الظرف اور وسعت نظری رکھتا ہوں۔ پوری امت کو ایک ہی امت سمجھتا ہوں وہ امت سے اتحاد کا خاہاں ہو کسی بھی زمانے اور کسی بھی جگہ ہو سکتا ہے اس کے برعکس ایک ایسا شخص جو سطحی اور تنگ نظری کی سوچ رکھتا ہوں اس کا بھی ایک فرقہ ہو محدود معرفت رکھتا ہو اپنے علاوہ دیگر کو کافر سمجھتا ہو وہ سلطنت سے مدد مانگے سلطنت اس کی مدد چاہے تو کرے یا پھر اس کو مایوس کرے ایسا شخص کسی بھی زمانے کسی بھی جگہ ہو سکتا ہے کچھ ایسے لوگوں کی افکار کو سلطنت نے بھی لیا اور اس کو بعض مذاہب کو بعض پر غلبہ کے لیے استعمال کیا جس سبب سے بہت سے دردناک واقعات رونما ہوئے اس کے جواب میں رد عمل کے طور پر جو کچھ رونما ہوا۔ اس کے آثار آج بھی اسلامی معاشرے میں ایک طویل مدت سے واضح طور پر موجود ہیں۔

آج کے زمانے میں مذاہب اربعہ کے مابین تقارب ظاہر ہونے لگا ہے اسی طرح مذاہب اربعہ یا اشاعرہ کی جگہ اہل سنت کا لفظ استعمال ہونے لگے ہیں ہر مذہب کے پیروکار دوسرے مذاہب کے لوگوں کی بھائی چارے کی نگاہ سے دیکھنے لگے ہیں

کوئی لڑائی جھگڑے اور اختلاف کے آثار کا حامل نہیں بلکہ اس قول پر قناعت کرنے لگے ہیں کہ ان کے دیگر بھائی بھی اہل سنت ہی ہیں اس صدی کے آخری نصف میں تمام مذاہب کے مابین الفت پیدا ہو چکی ہے۔

میرے خیال میں مذاہب کے مابین نقطہ نظر میں تقارب کے لیے یہ پہلا قدم ہے اور یہ احتمال کیا جا رہا ہے کہ آئمہ، مجتہدین کی آراء انفرادی ہیں وہ غلط بھی ہو سکتی ہیں درست بھی صرف یہ اعتبار کیا جانے لگا ہے کہ وہ علماء تھے اجتہاد کیا اور یہ بات کہی اسی طرح ان کے علاوہ دوسرے مذاہب کے علماء نے بھی اجتہاد کیا اور یہ کہا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ ایک فرقہ تھا جو اکیلے ہی میدان میں کھڑے ہونے کی کوشش کرتا تھا پھر اہل سنت کے نام سے چار فرقے جمع ہو جاتے ہیں صرف اس انانیت کو چھپا دیا گیا ہے جو ہر فرقے کے ساتھ مستحکم تھی پھر دیگر چار فرقوں کے فقہ میں تجانس پیدا ہوا یہاں تک کہ وہ بھی پہلے چار فرقوں میں مدغم ہو جاتا ہے ہو سکتا ہے وہ دن بھی آئے جس میں ان آٹھ فرقوں کو ایک لفظ اہل سنت کے تحت جمع کر دیا یا پھر یہ لفظ بھی مٹ جائے گا اور صرف وہی نام باقی رہ جائے گا جو خدا تعالیٰ نے اس امت کے لیے منتخب فرمایا ہے۔

اس ساری گفتگو کے بعد ڈاکٹر صبحی سے یہ کہوں گا کہ مذاہب کے مابین آراء میں تشابہہ اور تقارب دشمنی یا دوستی کی طرف نہیں لوٹتی بلکہ شدید بحث، تحقیق کے معنی میں دشمنی اور اختلافات جدل، جدال قوی دفاع تو تمام فرقوں میں ہر جانب سے پائے جاتے ہیں یہاں تک کہ ایک ہی مذہب کے علماء کے مابین اختلافات اور شدت پائی جاتی ہے رہی بات دشمنی بمعنی حقیقی دشمنی تو اس کا وجود مسلمانوں کے فرقوں میں نہیں ہے۔ اگر کبھی زبانوں پر جاری ہوئی بھی ہے تو اس کے پیچھے سیاسی چال اور دھوکہ تھا سیاست نے استعمال کیا تھا یا پھر علم، دین کے تنگ نظر اور سطحی فکر رکھنے والے داعیوں کی طرف سے ایسا ہوا تھا ورنہ حقیقی معنی میں دشمنی کا وجود کسی بھی فرقے میں نہیں پایا جاتا صرف علمی اختلاف جدل و جدال پایا گیا ہے جو ہمیشہ سے تمام فرقوں کے مابین رہا ہے۔

دوسرا نقطہ

اس کا یہ دعوی کہ اشاعرۃ بعد کے اہل سنت مذہب کے ترجمان ہیں یا اس نے اشاعرہ کو اس مذہب کے ترجمان یا اس مذہب کے حاملین بنایا ہے ہر حال میں یہ دعویٰ ہر حوالے سے نظر ثانی کا محتاج ہے۔

اے میرے بھائی تو نے مسلمانوں کے دو بڑے لشکروں میں تقسیم کر دیا ہے ان میں سے ایک کو معتزلہ، شیعہ اور خوارج سے خاص کر رہا ہے اور ان کو سابقہ مذہب اہل سنت کا جانشین بنا رہا ہے بغیر کسی اہل سنت کے معنی کی تفصیل اور تعریف کے اہل سنت کہہ دیا ہے۔ میرے خیال میں آپ کی یہ بات درست نہیں کیوں کے بہت سے اور ایسے فرقے ہیں جو خود کو اہل سنت اور غیروں کو اس کے برخلاف سمجھتے ہیں لیکن وہ کسی بھی حال میں اشعری کے جھنڈے کے نیچے آنے کو تیار نہیں ہیں اگر ہم عموم کے لحاظ سے اہل سنت کی تصویر اجاگر کریں تو ہمارے لیے یہ ممکن ہے لیکن دو اہل سنت کے کنارے ایسے ہیں جن پر اشاعرہ کا موقف منطبق نہیں ہوتا۔

پہلا طبقہ

وہ ہیں جو خود کو اہل سنت ہونے کا دعوی کرتے ہیں اور اشاعرہ نے کبھی ان کے اس دعویٰ کا انکار بھی نہیں کیا اس کے ساتھ مزید یہ کہ یہ نص کے ظاہری معنی پر اکتفا کرتے ہیں اس کی تاویل یا تشبیہ کے قائل نہیں اس طبقے میں تمام ظاہری حنابلہ اور دین تیمیہ کے تمام اتباع جن کے لیے اصلاح اور ترقی سمجھا جاتا ہے بعض علماء نے اس طبقے کے اصحاب پر اَثریہ کا اطلاق بھی کیا ہے اس طبقے کے ساتھ موقف میں بعض مالکی اور شافعی بھی موافقت رکھتے ہیں اگر عموم کے اعتبار سے اَثریہ سے ہم وہ تمام فرقے مراد لیں جو تاویل کو قبول نہیں کرتے اور خود کو اہل سنت بھی کہتے ہیں۔ حالانکہ وہ اشاعرہ نہیں بلکہ اشاعرۃ پر شدید غصہ رکھتے ہیں ان کے شدید خلاف ہیں۔

دوسرا طبقہ

یہ وہ طبقہ ہے جنہوں نے اشاعرہ کی حدود کو تجاوز کر کے اپنے منہج میں معتزلہ کے قریب ہو گئے ہیں بہت سے معتزلہ کے اقوال سے رائے لی ہے یہ وہ طبقہ ہے جس کے بارے میں یہ گمان کیا جاتا ہے کہ اشاعری آراء کا پابند نہیں ہے اس کا سربراہ ابو منصور ماتریدی ہے۔ یہ سب کچھ (ماتریدیہ) کی علم الکلام کی کتب سے جانا جاتا ہے اکثر احناف اس پر ہین کچھ دیگر مذاہب کے علماء نے بھی اس کے اقوال کو لیا ہے ماتریدیہ بھی خود کو اہل سنت بلکہ اوائل اہل سنت مانتے ہیں لیکن انہوں نے یہ کبھی بھی نہیں جانا کہ اشاعرۃ ان کی آراء کے حامل ہیں اس اعتبار سے حنابلہ ان کے اسلاف اور جانشین ہیں اسی طرح احناف اور ظاہریہ بھی ان کے سلف، خلف ہیں اشاعرہ میں کوئی بھی یا بہت کم ایسے ہوں گے جو خود کو اشاعرہ اہل سنت مذہب کے خلفاء ہیں جبکہ اہل سنت میں سے حنابلہ احناف اور ظاہریہ سب ہیں اور یہ تمام کے تمام جیسا کہ ہم نے پہلے وضاحت کر دی ہے اشاعرہ نہیں ہیں کیوں کہ بعض اَثری ہیں اور بعض ماتریدی ہیں۔ اَثریہ تاویل کو قبول نہیں کرتے اشاعرہ سے تاویل کے مسئلہ میں اختلاف کرتے ہیں ماتریدیہ زیادہ تر آراء میں معتزلہ کی طرف میلان رکھتے ہیں بلکہ زیادہ تر تو وہ معتزلہ کے قریب تر ہیں اگرچہ وہ اس حقیقت سے ناآشناء ہیں۔

تیسرا نقطہ

ڈاکٹر صبحی نے یہ بھی اپنے ملاحظے میں کہا ہے کہ چوتھی صدی ہجری کے آخر سے لے کر دارالخلافہ اور جمہور مسلمانوں پر مذہب اہل سنت کی سرداری اور قیادت رہی ہے۔

اے میرے بھائی ڈاکٹر صبحی!

تو نے جو اہل سنت کی سرداری کی ابتداء کو چوتھی صدی ہجری کے آخر کے ساتھ خاص کیا ہے اور یہ کہ ان کے اور دیگر مذہبی لشکروں کے مابین جھگڑوں اور اختلاف کا سبب خلافت اور جمہور مسلمانوں پر ان کی سرداری کرنا تھی یعنی انہوں

نے خلافت پر اور جمہور مسلمانوں پر سیادت اور سرداری کی ہے یہ اختلافات اور دشمنی کا سبب بنی ہے تو میں کہوں گا یہ بھی تمھارا دعوی درست نہیں ہے بلکہ جس زمانے کو تو ان کی سیادت اور سرداری کی ابتداء سے خاص کر رہا ہے اور جس کو تو دلیل بنا رہا ہے وہ اس کے برعکس دلالت کرتا ہے۔

چوتھی صدی ہجری کے آخر کا وہ زمانہ ہے جس میں بین المذاہب فسادات اور اختلافات ماند پڑ گئے تھے بلکہ اگر میری یہ بات درست ہو تو میں یہ کہتا ہوں کہ جس زمانے کے ڈاکٹر صبحی نے اہلِ سنت کی سیادت کی ابتداء سے خاص کیا ہے اور اس سیادت کے سبب باقی تمام فرقوں کا متحد ہو کر ان کے خلاف دشمنی اور محاذ آرائی کرنے کی بات کی ہے اس کے برعکس اس زمانے میں تو اختلافات جھگڑے ماند پڑ گئے تھے۔ استقرار سکون، راحت اور ٹھہراؤ کے زمانے ہو چکے تھے اگر ان کی طرف نظر دوڑائی جائے جیسا کہ خوارج اور معتزلہ کے اصول، مبادی اور آراء واضح صورتوں میں بیان ہو چکی ہیں مزید محتاجِ بیان نہیں ہیں۔

خوارج کے مبادی ان کے مخالفین کی کتب نے بڑی تفصیل سے ذکر کر دیے ہیں ہو سکتا ہے ان میں کچھ تحریف اور جعل سازی، افواہیں بھی ہوں لیکن بر حال وہ تفصیلاً ذکر ہو چکی ہیں۔

رہی بات معتزلہ کی تو انہوں نے خود ہی اپنی کتب اپنے عقائد کو بڑی وضاحت کے ساتھ ذکر کر دیا ہے۔ اسی طرح اہلِ تشیع، اہلِ سنت اور اباضیوں کا معاملہ ہے یہ تو تھا آراء اور عقائد کے لحاظ سے رہی بات باقاعدہ نشاط اور تحریک کے حوالے سے تو اختلافات فسادات اور مذہبی جھگڑوں معرکوں کی شدت کے لحاظ سے اثر ڈالنے والے دو بڑے گروہ تھے خوارج اور معتزلہ کتب تاریخ اور مقالہ نگاروں نے جو نام دیا ہے اس کے مطابق اس زمانے میں جس کی ڈاکٹر صاحب نے بات کی ہے ختم ہو چکے تھے یا مٹ جانے کے قریب تھے اس وقت اس حد تک کمزور پڑ چکے تھے نہ تو دشمنی کی طاقت تھی اور نہ ہی ایک دھڑا بن سکتے تھے جبکہ خوارج میں سے اس وقت کوئی ایک بھی باقی نہیں بچا تھا وہ ان دونوں سیاسی اور عسکری میدانوں سے اوجھل ہو چکے تھے جب سے وہ اوجھل ہوئے ان کے آثار بھی ختم ہو گے سوائے کسی حد تک طعن تشیع اور تنقید کے باب میں کچھ ان کے آثار کتب میں محفوظ ضرور ہوں گے۔

اسی طرح چوتھی صدی ہجری کے آخر میں معتزلہ کا معاملہ ہے وہ بھی مٹ چکے تھے ان کی قوت اور حملے تحریک کے میدان میں روپوش ہو چکے تھے ان میں سے بجز اس علمی ثروت کے جو خود انہوں نے کتب میں اپنے ہاتھوں سے رقم کی ہیں یا پھر جدل، جدال اور مناظروں کے اسلوب میں ان کا وہ گراں قدر آثاری خزانہ جس کو ان کے رد کی غرض سے ان کے مخالفین نے ان سے اقتباس کیا ہے کچھ نہیں بچا اباضیوں نے ان مختلف قسموں کے جھگڑوں اور اختلافات سے خود کو دور رکھنے کا فیصلہ کیا ہوا تھا اور وہ مکمل طور پر سیاسی عسکری معرکوں سے الگ ہو چکے تھے انہوں نے جھگڑے لڑائی کو سوائے رد یا دفاع کے موقع کے علاوہ بالکل نہیں چاہا۔ لہٰذا اس دعوے کی کوئی گنجائش نہیں ہے کہ یہ گمان کیا جائے کہ یہ تینوں مذاہب اہلِ سنت کے خلاف متحد ہو کر معرکہ آرائی اور محاذ آرائی کرتے رہے اور یہ اہلِ سنت کے خلاف دشمنی پر متحد تھے یعنی اہلِ

سنت کے خلاف دشمنی اور مخالفت ان کے مابین قدرِ مشترک تھی جس پر یہ سب متحد تھے جیسا کہ ڈاکٹر صبحی اور مستشرقین نے تصور دینے کی کوشش کی ہے۔

رہی بات اس زمانے میں مذاہب کی دارالخلافہ پر سرداری اور سیادت کی تو اس زمانے میں عباسی خلافت تھی وہ بھی صرف نام کے حوالے سے ہی خلافت کہلاتی ہے جو کہ آدھے عالم اسلام میں چھوٹی چھوٹی سلطنوں میں تقسیم تھی ان میں سے بعض عباسی سلطنت کے ماتحت رہے بغیر صرف اس کے شعار کو اپنایا ہوا تھا اور کچھ ایسی تھیں جو ابھی اس کے ساتھ ملحق نہیں ہوئی تھیں نہ ہی کسی دیگر ریاست کے ساتھ وہ مستقل ریاستیں تھیں۔ دوسرا آدھا عالم اسلام اس وقت فاطمی سلطنت کے ماتحت تھا۔ یہ عالم اسلام کی پستی کے آخری ایام تھے پھر عالم اسلام ایسی چھوٹی چھوٹی ریاستوں میں تقسیم ہو گیا تھا۔ جن میں سے کوئی بھی خود خلافت کا نام دینے کی جسارت نہیں کر سکتی یہاں تک کہ سلطنت عثمانیہ قائم ہو گئی۔ اگر ہم ان تین خلافتوں کو دیکھیں جنہوں نے عالم اسلام پر حکومت کی تو سب سے پہلے اموی خلافت ہے جو کہ مذاہب اسلامیہ کے باقاعدہ تشکیل پانے سے پہلے حکومت کرتی تھی اسی طرح اگر ہم اس کے بعد عباسی خلافت کو دیکھیں تو اس کی حکومت ترقی کے دنوں میں تھی۔ ابتداء میں معتزلہ کے ساتھ مل گئے رہی بات خلافت عثمانیہ کی تو اس میں ایک طویل مدت تک حنفی مذہب کی سرداری اور سیادت رہی خلافت عثمانیہ کے بعد ہر اسلامی ٹکڑے پر ایک مستقل ریاست یا چھوٹی چھوٹی خلافتیں قائم ہو گئیں جن پر مخصوص مذاہب سیادت کرتے اور بعض مذاہب اس کی مخالفت میں کھڑے ہو جاتے اان میں سے بعض مذہب نے مراکش میں سیادت کی جیسا کہ مالکی مذہب بعض سعودیہ میں سیادت کر رہے ہیں جیسا کہ عمان شیعی مذہب کی ایران، زیدیوں کی یمن میں یہ سیادت دراصل وہاں کے باسیوں کی اکثریت کے لحاظ سے ہے جس جگہ جس مذہب کے اتباع کی اکثریت ہے انہی کی وہاں سیادت، قیادت ہے۔ کسی قانون کے تحت یہ مذہبی سیادت نہیں ہے ان ممالک میں زیادہ تر ایسے ہیں جہاں وضعی یا شبہ دفعی قوانین پر عمل ہوتا اسلامی یا مذہبی لیول پر احکاماتِ اسلام کا اہتمام نہیں کیا جاتا۔

چوتھا نقطہ

مذاہب کے مابین تقارب، تشابہہ کی نئی تفسیر کرنے کی کوشش

مجھے یہ محسوس ہوتا ہے کہ مستشرقین اور جو ان کے اسلوب پر چلے ان کا مذاہب کے مابین عقائد میں تقارب اور تشابہہ اور فرقوں کی آراء کے حوالے سے جو موقف ہے اس میں کچھ غموض پایا جاتا ہے وہ فطرت کے بالکل برعکس ہے تمام مذاہب اپنی ایک ہی اصل سے پھوٹتے ہیں وہ ہے مختلف مصادر تشریعی کے ساتھ اسلام منطق یہ تقاضا کرتی ہے کہ یہ تمام مذاہب متحد ہوں کیوں کہ ان کی اصل ایک ہے اور جب ان مذاہب میں سے بعض کے مابین اختلاف واقع ہو جائے تو اس کے اسباب کو تلاش کیا جائے گا جبکہ بعض مفکرین اور مستشرقین کے ہاں اس اختلاف کا کچھ اور ہی معنی لیا گیا ہے۔ اگر محترم قاری سابقہ تجزیے اور ملاحظے میں غور کرے اپنے ساتھی ڈاکٹر صبحی کو دیکھے گا کہ وہ کیسے محتاط انداز اور غیر محسوس طریقے

سے اہل تشیع (خاص طور پر زیدی اور اثنی عشریہ) کی آراء اور خوارج، معتزلہ کی آراء کے مابین تشابہہ کے وجود کے جواز کو پیش کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ حقیقت میں ہمیں جو جواز نظر آتا ہے وہ تشابہہ یا تقارب کا نہیں بلکہ وہ مذاہب کے مابین یا ایک فرقے کا دوسرے فرقے کے ساتھ پایا جانے والا اختلاف اور اس اختلاف کے باوجود ہمیں جو تقارب یا تشابہہ نظر آتا ہے وہ اس لیے کہ ان سب مذاہب کا سرچشمہ اور اصل ایک ہے اور یہ تمام مذاہب خیال کرتے ہیں کہ وہ تمام کے تمام اپنے اصل کی طرف لوٹتے ہیں۔ اختلاف حادث ہے اس کے سبب کو تلاش کیا جاتا ہے کسی بھی چیز میں ایسی بات نہیں کہ وہ حقیقی طور پر منطق کے خلاف ہو۔ لہٰذا جب بھی ہم مذاہب اور فرقوں میں تباعد اختلاف دیکھتے ہیں تو اس کو اصل سمجھتے ہیں۔ حالانکہ ایسا نہیں ہے اور جب ہم تقارب یا تشابہہ دیکھتے ہیں تو ہم اس کے جواز کو تلاش کرتے ہیں جیسا کہ صاحب ملاحظہ نے کہا ہے۔

میرے خیال میں مستشرقین نے اسی نظریے پر توجہ کو مرکوز کیا ہے اور اختلاف جھگڑے کو اصل مان لیا اس لیے جب وہ ان مذاہب کے مابین کوئی تقارب دیکھتے ہیں تو اس کے جواز اور اسباب کو تلاش کرتے ہیں جبکہ حقیقت یہ ہے کہ تمام مذاہب ایک ہی اصل سے لیتے ہیں اور ایک ہی اصل کی طرف لوٹتے ہیں۔ لہٰذا فطری طور پر ان کے مابین تشابہہ اور تقارب پایا جاتا ہے جب ان کی اصل ایک ہے تو ان کے مابین تقارب کا ہونا فطری عمل ہے اور اگر ان میں تباعد آگیا تو اس کا مطلب ہے کہ وہ اپنی اصل سے ہٹ گیا ہے ایسا قدیم زمانے میں سیاسی انگلیوں کے اشاروں پر ہوا اور دور حاضر میں مذاہب کے مابین تباعد سامراج کی انگلیوں کے اشاروں سے پیدا کیا گیا جب تک ان مذاہب کی اصل ایک رہے گی تقارب تشابہہ ان کے مابین قائم رہے گا جب تباعد آگیا اس کا مطلب ہے وہ اپنی اصل سے ہٹ گئے ہین اور کسی سازش کا شکار ہو گئے ہیں جیسا کہ بعض زمانہ قدیم میں سیاست کے ہاتھوں استعمال ہوئے اور زمانہ حدیث میں سامراج کے ہاتھوں استعمال ہوئے اسی طرح ایک طویل مدت تک یہودیوں، عیسائیوں کے ہاتھوں بھی یہاں تک کہ دور حاضر میں سامراجی حدمات کے ساتھ مخلص مستشرقین کے ذریعے بھی سازشوں کا شکار ہوئے ہیں جنہوں نے سامراج کی خدمات کے لیے خود کو وقف کر دیا ہے وہ اپنی سوچ تحریر اور فکر کے ذریعے اسلام اور مسلمانوں کو اپنی سازشوں کا شکار بنا رہے ہیں۔

اس سے پہلے کہ میں اس فصل کے اختتام کروں چونکہ یہ پہلے ہی حد سے زیادہ طوالت پکڑ گئی ہے دو نقطوں کی وضاحت اے میرے ڈاکٹر بھائی ضروری سمجھتا ہوں۔

پہلا نقطہ

اے ڈاکٹر صبحی آپ نے اپنے سابقہ تجزیے اور بحث میں یہ بار آور کرانے کی کوشش کی ہے کہ ادارسی اور اباضی معتزلہ سے متاثر ہوئے ہیں یہ تو ایک ایسی حقیقت ہے گویا یہ محتاج بحث ہی نہیں بلکہ اصل بحث کا موضوع یہ ہے کہ کیا اباضی اور ادارسی معتزلہ سے الگ ہوئے ہیں؟ جب تو نے خود ہی عدم علیحدگی کا اقرار کر لیا تو پھر تاثیر اور تاثر کو علت بنا کر ایک اور مفروضہ گھڑ لیا جو کہ پہلے سے بھی زیادہ عجیب اور حیران کن ہے وہ یہ کہ تو نے معتزلہ کو ایک لشکر، شعیوں اور خوارج کو ایک

دوسرا شمار کر کے یہ کہا ہے کہ ان دونوں لشکروں کے اصحاب اس قوی لشکر کے حلیف ہین جنہوں نے دارِ خلافت اور جمہور مسلمانوں پر سیادت اور سرداری کی ہے اس سے یہ ملاحظہ کیا جاسکتا ہے کہ تم نے اپنی بحث کے مبداء میں ادارسیوں اور اباضیوں کے مابین اتفاق ثابت کیا ہے لیکن بعد میں ان میں سے شعیوں اور خوارج کو الگ کر دیا ہے تاکہ یہ الگ سے ایسے لشکر بن جائیں جو معتزلہ کے حلیف ہوں یہ کلام اس لیکچرر کا ہو سکتا ہے جو ہنگامہ آراء چالاک طلباء کے مجموعے کو وقتی طور پر خاموش کرا سکتا ہے اور وہ لیکچرر ان طلباء کی جانب سے برپاء پریشانی سے اس کلام کے ذریعے بچ سکتا ہے لیکن حقیقت میں مذاہب اسلامیہ کی زندگی سے کوسوں دور ہے یہاں مستشرق کی رائے کو ثابت کرنا یا وجہ جواز بنانے کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔

دوسرا نقطہ

دوسرا نقطہ مذاہب کے مابین واقع تاثر، تاثیر سے متعلق ہے میں اس حوالے سے یہ امید کر رہا تھا کہ اگر ہم مستشرقین کی آراء کو ایک طرف رکھ دیں اور مذاہب کو بطور بھاری لشکر ایک دوسرے کے حلیف ہونے سے بھی قطع نظر کر کے بطور فرقے کے حقیقت میں ان کے مابین تباعد اور تقارب کی معرفت کی غرض سے موازنہ کریں یہ اعتبار کریں کہ یہ تمام فرقے اپنے مصادر تشریعی میں متفق ہیں تو ہم دیکھتے ہیں کہ اباضی دیگر فرقوں میں سے ہر فرقے مثلاً معتزلہ، مالکیہ اور شافعیوں وغیرہ سے کہیں متفق تو کہیں اختلاف کرتے ہیں اسی طرح ہر خوارج اور دیگر فرقوں کے ساتھ بھی کہیں اتفاق اور کچھ مسائل میں اختلاف کرتے ہیں ایسے ہی ہم سابقہ تمام فرقوں کے ساتھ اس شرط کے ساتھ موازنہ کریں گے کہ اس میں ان فرقوں کے مصادر اور مراجع پر اعتماد کیا جائے نہ کہ ان کے مخالفین کے مصادر پر اعتماد ہو نہیں جس فرقے کی آراء تباعد اور تقارب کے حوالے سے تجزیہ کر رہے ہیں اسی فرقے کے مصادر، مراجع پر اعتماد کیا جائے گا۔

میں یقین سے کہتا ہوں اگر ڈاکٹر صبحی اس اسلوب کے تحت موازنہ اور تجزیہ کرے گا تو فرقوں سے متعلق اس کی بہت سی آراء اور نظریات بدل جائیں گے مثلاً اہلِ سنت کو وہ پائے گا کہ معتزلہ سے نہایت ہی واضح صورت میں اباضیوں سے بھی زیادہ متاثر ہوئے ہیں جب ہم پر یہ بات واضح ہوتی ہے کہ معتزلہ تاثیر کا مصدر ہیں تو اس ضمن میں سب سے زیادہ مناسب یہ کہا جائے گا اہلِ سنت کے دو امام ابو الحسن الاشعری اور ابو منصور الماتریدی نے اتفاقیہ طور پر اہلِ سنت کا موقف دیا ہے کیوں کہ ابو الحسن نے معتزلہ کے مدارس میں پڑھا ہے ان کی ثقافت سے رنگ حاصل کیا ہے ان کی فکر کا اس کے شعور پر رنگ چڑھا ہے بس اس مشکوک حالت میں اچانک ظاہر ہوتا ہے اور ایک الگ سے مستقل تحریک کا اعلان کر دیتا ہے وہ خود کو اہل سنت کا فریق مانتا ہے معتزلہ سے ہے لیکن فریق اہلِ سنت کا ہے بس یہ جدل، جدال اور منطق کا استعمال ہے حقیقت میں ابو الحسن معتزلہ سے حاصل کی ہوئی فکر سے فارغ نہیں ہوا۔ شعوری طور پر وہ معتزلی فکر کا حامل ہے۔ کہا جاتا ہے کہ اس نے اپنے اساتذہ کے بارے میں عجیب تاثرات کا اظہار کیا ہے اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ معتزلی فکر سے متاثر ہوا تھا اور اس تاثر کی بنیاد پر اس نے ایک نئے مذہب کی بنیاد رکھی اور وہ تھی تاویل کے حوالے سے اس کی رائے جو کہ ان کے ہاں کبھی

قابلِ قبول نہ تھی اس رائے پر اس اہل، سنت مذہب نے ترقی پائی تھی یہی وہ ابو الحسن کی جست تھی جس کی وجہ سے بعض اہل سنت معتزلی فکر کی طرف چلے گئے اور انہوں نے ایک نیا مذہب بنایا جس کو اشعریہ کے نام سے موسوم کیا رہی بات ابو منصور ماتریدی کی تو وہ بھی عقائد سے متعلق آراء میں معتزلیہ سے متاثر دکھائی دیتے ہیں گویا معتزلہ کے ایک فرقے کے سربراہ ہیں جس کو ماتریدیہ کہا جاتا ہے ان کی آراء میں معتزلہ کے ساتھ شدید ربط نظر آتا ہے اس حوالے سے یہ بات کہنا زیادہ مناسب ہو گی کہ یہ معتزلہ اور اشاعرہ کے ابین معتدل فکر کے حامل ایک معتدل فرقہ ہے یا معتزلہ اور اشاعرۃ کے مابین حلقہ اتصال ہے طائرانہ مطالعہ سے مجھے یہ محسوس ہوا ہے کہ ماتریدیہ اور اشاعرۃ کے مابین جو اصول میں اختلاف ہے وہ اباضیوں اور اشاعرۃ کے مابین اختلاف سے کہیں زیادہ ہے۔ یہاں جو بات کہنا نہایت اہم ہے وہ یہ کہ ہم خود کو اس سوچ سے دور رکھیں کہ اہلِ سنت ایک بہت بڑا جمہور امت پر اور دار خلافت پر سرداری کرنے والا لشکر ہے اس کے مقابلے میں معتزلہ کا وہ لشکر ہے جو اہل تشیع اور خوارج کا حلیف ہے۔ یہاں تک کہ اس نے حلیف ہونے کے باوجود اپنے مزاج اور طبعیت کی تاثیر ان میں چھوڑی ہے یہ ساری کی ساری باتیں اور یہ سارا تصور خیالی ہے اس کا حقیقت سے کوئی تعلق نہیں ہے ہم نے تمام مذاہب کے مابین جھگڑے اور اختلافات کے وجود کو ثابت کیا ہے اور وہ ان مذاہب کی آراء عقائد اور سلوک میں حق، صواب کو تلاش کرنا ہے ہم نے سابقہ لشکروں کے مابنین واقع شدید اختلاف اور جھگڑے کی مثالیں بھی بیان کی ہیں۔ ہم یہ کہتے ہیں کہ ہر مذہب دوسرے سے متاثر بھی ہوا ہے اور اس نے اثر بھی ڈالا ہے یعنی متاثر بھی ہوا ہے اور اس نے اثر بھی ڈالا ہے یعنی متاثر بھی ہوا اور موثر بھی ہوا ہے اس میں اس بات کی کوئی حیثیت نہیں کہ کوئی سلطنت کسی خاص مذہب کے اصولوں اور فکر کی حامل تھی اور اس نے دوسرے مذاہب پر اثر ڈالا نہیں ہرگز ایسا نہیں بلکہ ہر مذہب نے دوسرے سے اثر لیا بھی ہے اور دیا بھی ہے نہ ہی کوئی مذہب ایسا چاہتا ہے کہ اس کو کوئی سلطنت پروان چڑھائے اور نہ ہی یہ چاہتا ہے کہ اجباراُوہ سلطنت اس کو دیگر مذاہب کے مقابلے میں حق اور سچ ثابت کرے اور اس کو حق ماننے پر مجبور کرے جب بھی کبھی ایسا ہوا ہے کہ کوئی اس قسم کی سلطنت مذہب کی بنیاد پر وجود میں آئی ہے تو اس کے فقہاء جو سلطنت کو غلط استعمال کرنے والے تھے دیگر مذاہب کے خلاف سازش کے ذریعے انہوں نے سلطنت کو استعمال کیا اسی طرح سلطنت نے بھی اپنے اغراض مقاصد اور مفادات کے لیے ان فقہاء کا استعمال کیا ان کو دین کی زبان بنادیا اپنا قرب دیا تاکہ وہ فقہاء عامہ الناس کو ان حکمرانوں کا فرمانبردار بننے پر تیار کریں ان کی ذہن سازی کریں اور ان حکمرانوں کے ظلم دہشت گردی سختی اور پکڑ کو جائز قرار دیں اور لوگوں کو ہر حال میں ان کے نظام کے ماتحت رہنے کی تلقین کریں۔ لہٰذا حقیقت میں کوئی بھی مذہب ایسا نہیں چاہتا کہ وہ غلط استعمال ہو۔ چند مفاد پرست اور دنیا کے طالب افراد ہر مذہب میں ہو سکتے ہوں تو ہم صرف انہی لوگوں پر حکم لگا سکتے ہیں ان کی بنا پر ان مذاہب پر کوئی حکم نہیں لگائیں گے جن سے وہ وابستہ ہیں کیوں کہ کسی بھی مذہب کی یہ تعلیمات نہیں ہیں۔

میرے خیال میں اگر علماء امت کی ایک کمیٹی علمی مضامین کی بنیاد پر علوم شریعہ کا ایک ایک مضمون کر کے ان کا جائزہ لے اور اور جن مسائل میں مذاہب کے مابین اختلاف ہے جیسے کہ سورۃ فاتحہ کے وقت بسم اللہ کا پڑھنا، رفع یدین، مرتکب

کبیرہ کا حکم وعدے کو پورا کرنا اور خلاف ورزی کرنا وغیرہ ان سے متعلق ہر رائے کو صرف اس کے کہنے والے عالم سے منسوب کرے یعنی تمام اختلافی آراء علماء امت کی طرف فرداً فرداً منسوب کرے یعنی مذہب کے نام سے بالاتر ہو کر انفرادی طور پر منسوب کرے یہ رائے فلاں عالم کی ہے اور یہ رائے فلاں عالم کی ہے تو غالب طور پر تمام مذاہب بہت سے مقالہ جات اور اقوال میں کسی مضمون سے متعلق مجتمع ہو سکتے ہیں اور جب تمام مذاہب کے علماء نے یہ دیکھا کہ تمام مسائل اور مضامین میں ان کے مخالفین مذاہب کے علماء وہی کچھ موقف رکھتے ہیں۔ جو ان کا ہے تو خود بخود ان میں اتحاد پیدا ہو جائے گا۔ کوئی بھی رائے ہو اس کو صرف متعلقہ عالم دین کی طرف اس کے نام کے ساتھ منسوب کی جائے مذاہب کے نام لینے سے بالاتر ہو کر اگر ہم اس انداز سے کسی مسئلہ میں انفرادی طور پر ہر عالم کی رائے کو اسی کا نام لے کر بیان کریں تو سارے مذہبی فسادات اور جھگڑے ختم ہو سکتے ہیں اور ہم سب ایک متحد امتِ مسلمہ بن سکتے ہیں ہماری سب کی ایک ہی پہچان ہو بطور امتِ مسلمہ کے جو خدا تعالیٰ نے ہم کو نام دیا ہے پیار محبت رواداری کا ماحول پیدا ہو سکتا ہے۔

خوارج اور معتزلہ میں اتفاق رائے

ڈاکٹر صبحی نے اپنے تجزیے میں یہ بھی کہا ہے کہ خوارج اور معتزلہ مرتکب کبیرہ کے حوالے سے کہ وہ ہمیشہ جہنم میں رہیں گے متفق ہیں مقالہ نگار اس رائے میں یہ گمان کرتے ہیں کہ معتزلہ خوارج سے متاثر ہوئے ہیں جبکہ اس رائے کی وجہ مقالہ نگاروں نے معتزلہ پر تہمت اور افواہوں سے کام لیا ہے اور ان پر بڑے ہی متنفر نام کا اطلاق کیا ہے کہا ہے (یہ مخنث خوارج ہیں)۔ لہٰذا اس بات سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ خوارج کی مرتکب کبیرہ کے حوالے سے یہ رائے سب سے پہلی تھی یعنی سب سے پہلے خوارج کی جانب سے اس رائے کا ظہور ہوا۔

اے میرے محترم بھائی یہ حکم کہ بعض فرقوں نے بعض سے اخذ کیا ہے ایسا ہے جس کا کوئی جواز اور نہ ہی کوئی سند ہے اس میں کوئی شک نہیں کہ تمام فرقے ایک دوسرے سے متاثر بھی ہوتے ہیں اور ایک دوسرے پر موثر بھی ہوتے ہیں ایک دوسرے سے اقتباس بھی کرتے ہیں لیکن یہ بھی درست ہے کہ ایک فرقے نے اسی مصدر سے اخذ کیا جس سے دوسرے فرقے نے اخذ کیا تھا وہ اس لیے کہ مصادر تشریع سب کے ایک ہیں سب کی سیرابی کا سرچشمہ ایک ہے۔ لہٰذا مصادر شریعت تو سب کے لیے یکساں ہیں ہر کوئی ان سے اکتساب کر سکتا ہے۔

رہی بات مرتکب کبیرہ کی تو اس بات کو بہت سے پہلوؤں سے دیکھنا ممکن ہے اس کے بہت سے گوشے ہیں۔

پہلا گوشہ

کبیرہ گناہ کا مرتکب مشرک ہے دنیا میں اس سے مشرکین جیسا معاملہ کیا جائے گا اس کا مال، اولاد خون اس کے اہل خانہ کو لونڈی اور قیدی بنانا مباح ہے اور وہ آخرت میں ہمیشہ جہنم میں رہے گا اس زاویے سے خوارج کے بارے میں جیسے کہا جاتا ہے وہ دیکھتے ہیں یعنی یہ نظریہ خوارج کا ہے۔

دوسرا گوشہ

کبیرہ گناہ کا مرتکب فاسق ہے دنیا میں اس کا ساتھ دیگر مسلمانوں کی طرح معاملہ کیا جائے گا آخرت میں اگر اس نے توبہ نہ کی تو ہمیشہ جہنم میں رہے گا یہ رائے اور موقف معتزلہ کا ہے۔ اس مسئلہ سے متعلق معتزلہ اس طرح دیکھتے ہیں۔

تیسرا گوشہ

کبیرہ گناہ کا مرتکب منافق ہے دنیا میں اس سے مسلمانوں جیسا معاملہ کیا جائے گا آخرت میں اگر اس نے توبہ نہ کی ہو گی تو ہمیشہ جہنم میں رہے گا اس زاویے سے اباضی دیکھتے ہیں۔

چوتھا گوشہ

گناہ کبیرہ کا مرتکب مومن ہی شمار ہو گا اور دنیا میں اس کے ساتھ مومنین جیسا سلوک ہی کیا جائے گا اور اگر اس نے گناہ سے توبہ نہ کی ہو گی تو جہنم میں جائے گا وہاں اپنے گناہ کی بقدر رہے گا پھر وہاں سے نکل آئے گا اور اگر مشیتِ الٰہی نے چاہا تو ہو سکتا ہے وہ جہنم میں نہ بھی جائے اس مسئلہ کو اہلِ سنت اس طرح دیکھتے ہیں۔

اگر مندرجہ بالا گفتگو میں غور کیا جائے تو پتہ چلتا ہے کہ اس حوالے سے سوائے لفظی اختلاف کے اباضیوں اور معتزلہ کے مابین اتفاقِ تام ہے اسی طرح اباضیون اور معتزلہ کے مابین ایک جانب سے تقارب پایا جاتا ہے جبکہ دوسری جانب سے اباضیوں اور اہلِ سنت کے مابین شدید واضح تقارب موجود ہے۔ لہٰذا اباضی معتزلہ اور اہلِ سنت تینوں فرقوں کی نظر میں لوگوں کی تین اقسام ہیں جو یہ ہیں:

۱. مومنین

(خدا تعالیٰ کے وعدے کو جو پورا کرنے والے سچے لوگ جنت میں داخل ہوں گے۔)

۲. مسلمین

(ان میں منافق یا فساق یا پھر نافرمان ہیں جو دوزخ میں جائیں گے۔)

۳. مشرکین

(مشرکین جو کہ دوزخ میں جائیں گے۔)

ان تینوں قسموں میں سے دوسری قسم میں تینوں فرقوں کا اختلاف ہے اور وہ دوسری قسم اصحاب کبائر ہیں معتزلہ اور اباضیوں کے نزدیک جہنم میں جائیں گے اور ہمیشہ وہیں رہیں گے اہل سنت کے نزدیک ایک مناسب محدود زمانے کے لیے جہنم میں جائیں گے پھر وہاں سے نکل آئیں گے۔

پس ان تینوں فرقوں میں تین نقطوں پر واضح اتفاق ہے اختلاف نہیں پایا جاتا وہ یہ کہ ان تینوں فرقوں نے ان کو مسلمانوں کے حکم میں باقی رکھا ہے وہ دنیا میں ان سے دیگر مسلمانوں کا سا سلوک کرتے ہیں اسی طرح اس پر بھی ان تینوں کا اتفاق ہے کہ اگر اہل کبائر توبہ کرلیں تو ان سے ان کے گناہ مٹ جاتے ہیں اور جنت میں داخل ہوں گے پھر یہ کہ اگر اہل کبائر بغیر توبہ کہ مر گئے تو دوزخ میں جائیں گے ان پر بھی سب کا اتفاق ہے بس صرف جہنم میں اہل کبائر کا ہمیشہ رہنے کے حوالے سے ان تینوں فرقوں میں اختلاف پایا جاتا ہے جیسا کہ آپ نے خود دیکھ لیا ہے۔

رہی بات خوارج کی تو وہ لوگوں کو صرف دو اقسام میں تقسیم کرتے ہیں۔

۱. مومنین

یہ جنت میں جائیں گے اور ہمیشہ وہیں رہیں گے۔

۲. مشرکین

یہ ہمیشہ دوزخ میں رہیں گے اسی طرح وہ اہل کبائر کو بھی مشرکین کے حکم میں داخل کرتے ہیں اور ان سے دنیا میں بھی مشرکین جیسا معاملہ کرتے ہیں بس ان کے اور معتزلہ کے مابین جو دوری اور فاصلہ ہے جیسا کہ تم دیکھ رہے ہو وہ معتزلہ اور اہل سنت کے مابین فاصلے سے کہیں زیادہ ہے۔

اگر ہم ڈاکٹر صبحی کی اسلوب کو استعمال کرنا چاہیں تو اس کے لحاظ سے ہم یہ کہہ سکتے ہیں۔ مرتکب کبیرہ کے حوالے سے معتزلہ اور اہل سنت کے مابین اختلاف کے باوجود ایک بات پر پھر بھی متفق نظر آتے ہیں وہ ہے مرتکب کبیرہ کو فاسق مسلمان اعتبار کرنا اور دنیا میں دیگر مسلمانوں کے جیسا اس سے سلوک روا رکھنا اور اباضیوں کے ساتھ اس مسئلہ میں کامل اتفاق رکھتے ہیں۔

رہی بات ڈاکٹر صاحب کی کہ مرتکب کبیرہ کے حوالے سے سب سے پہلے خوارج کی جانب سے رائے کا ظہور ہونا تو میرے خیال میں یہ دعوی دلیل کا محتاج ہے اور اس بات کو ثابت کرنے کے لیے دلائل ملنا ایک امر صعب ہے ثابت کرنا کہ سب سے پہلے اس حوالے سے کس فرقے کی جانب سے رائے کا ظہور ہوا تھا دلائل ثابت کرنا بہت دشوار معاملہ ہے۔

ذاتی رائے

یہ ملاحظہ ڈاکٹر صبحی یا ان میں سے کسی ایک نے اس کتاب کے حوالے سے تبصرہ کرتے ہوئے لکھا ہے!

ملاحظے کی نص ذیل میں پیشِ خدمت ہے۔

(میرے خیال میں یہ فصل خروج کے حوالے سے اباضی آراء سے زیادہ آپ کی ذاتی آراء کی حامل ہے تیسرے رائے ان اباضیوں کی آراء کی ناقص ترجمانی کر رہی ہے میرے خیال کے مطابق یہاں پر دو نقطے قابلِ ذکر ہیں:

۱. بے شک اباضیوں کے نزدیک ظالم خلفاء کے خلاف کھڑا ہونا جائز ہے لیکن بات یہ ہے کہ یہ اس وقت حکم ہے جب وہ اس پر قدرت رکھتے ہوں اور یہ کہ جب فتنے کا خدشہ نہ ہو۔ جب کہ اشاعرہ کو ان کے اس قول پر گرفت کی گئی ہے جو کہتے ہیں کہ ان ظالم آئمہ کے ساتھ جنگ امن معاہدہ ہونا چاہیے جن کو خون ریزی کے بغیر ہٹانا ممکن نہ ہو عمر بن عبد العزیز کا بنو مروان کے امراء کے ساتھ اس حوالے سے ڈائیلاگ دلیل بطور کیا گیا ہے۔

لہٰذا اباضیوں کو کیوں اچھالا جا رہا ہے گویا انہوں نے اشاعرہ کی ایسی آراء بنوائی ہیں جو قابل گرفت ہیں اور جس وجہ سے ان کے اکابر علماء کا مواخذہ کیا گیا ہے جیسا کہ امام غزالی وغیرہ۔

۲. وہ بات جس کو عمومی طور پر اباضیوں اور خصوصی طور پر دیگر تحریکوں کے مقابلے میں خوارج کی پہچان بنایا جاتا ہے وہ ہے کہ اگر مملکت کے سربراہ سے ان کو کوئی مصلحت یا مفاد نہ ہو تو اس کو قبول نہیں کرتے انکار کر دیتے ہیں۔ اس کو ظاہر کرنے میں حرج محسوس کیوں کرتے ہو کہ تم اشاعرہ کی رضا حاصل کرنا چاہتے ہو یا تم یہ کہنا چاہتے ہو کہ خوارج کی سیاسی آراء خاص طور پر جو معتدل خوارج ہیں ان کی آراء کا اشاعرہ کی طرف میلان ہے جس بنا پر وہ ہمارے زمانے میں اپنی قدر، قیمت میں فوقیت لے گئے ہیں۔ گویا اشاعرہ ہی ہیں جنہوں نے سب سے پہلے خلافت کو خواص سے نکال کر عام کیا اور یہ کہا کہ یہ صرف قریش کے ساتھ ہی مخصوص نہیں ہے اسی طرح انہوں نے ہی جمہوریت کی طرف سب سے پہلے ندا دی ظالم حکمرانوں کی سب سے زیادہ مخالفت بھی انہی کی ہے ہم ان کے حق میں کیوں کمی کریں؟

یہ تجزیہ اور تبصرہ چند نقاط پر مشتمل ہے جن کو ہم خلاصے کے طور پر ذیل میں پیش کرتے ہیں:

۱. اس فصل کے بارے میں یہ تبصرہ کیا گیا ہے کہ زیادہ تر خوارج سے آراء سے متعلق موئف کی ہیں اور یہ اباضی آراء کے لیے حجت ہیں۔

۲. اباضی خروج کو جائز سمجھتے ہیں حالات جو بھی ہوں اس لیے وہ خوارج میں سے ایں رہی بات حالات اور نتائج کو ملحوظ خاطر رکھنا یہ اشاعرہ کی رائے ہے جس پر ان کی گرفت کی گئی ہے۔

۳. عمومی اعتبار سے خوارج اور خصوصی اعتبار سے اباضی جس حوالے سے پہچانے جاتے ہیں وہ ہے انکارِ ذات۔

۴. سیاسی خوارج اور خاص طور پر معتدل خوارج کی آراء ہمارے زمانے میں اپنی قیمت کے حوالے سے اشاعرہ کی آراء پر فوقیت لے گئی ہیں۔ حالانکہ اشاعرہ وہ ہیں جنہوں نے سب سے پہلے خلافت کو قریش خاندان سے نکال کر عام کیا اور سب سے پہلے جمہوریت کی طرف ندا دی۔

۵. موکف پر یہ تہمت لگائی ہے کہ وہ اپنی آراء کو ظاہر کرنے میں حرج محسوس کرتا ہے دراصل وہ اشاعرہ کی رضا حاصل کرنا چاہتا ہے اسی طرح اباضیوں کو اس انداز میں ظاہر کرنا چاہتا ہے گویا وہ اشاعرہ کی آراء کو ثابت کرنے والے ہیں

اب ہم ان تمام نقاط پر ایک ایک کر کے بحث کرتے ہیں!

جب میں نے اس تبصرے کو پڑھا تو میں نے جو کچھ مقدمہ میں کہا تھا اس کو اچھی طرح یاد کیا لیکن مجھے آخر کار کوئی ایسی بات نہیں ملی بر حال اس تبصرے کو پڑھنے سے مجھے علم ہوا کہ کچھ لوگ مخصوص آراء کو اپنے ذہنوں میں قبول کیے ہوتے ہیں جو آراء کسی فرقے یا مذہب کی طرف منسوب ہوتی ہیں ان آراء سے یہ لوگ نکلنا ہی نہیں چاہتے اس حد تک چمٹے ہوئے ہیں دیگر فرقوں کے لوگ جتنی مرضی پختہ دلائل سے باتیں کریں ان پر کان ہی نہیں دھرتے بس جس موقف پر خود ہوتے ہیں اسی کی حق سمجھتے ہیں کسی دوسرے فرقے کے شخص کی بات کو خاطر میں ہی نہیں لاتے جس طرح کی اس تبصرہ نگار نے اپنے ذہن میں یہ بات بٹھالی ہے کہ اباضی خوارج میں سے ہیں اب وہ کسی بھی صورت میں یا جو بھی اس کو کہا جائے اس تصور اور فکر کو اپنے ذہن سے نکالنا ہی نہیں چاہتا اسی طرح اس کے ذہن میں یہ بات بھی بیٹھ گئی ہے کہ اباضی ہر حال میں خروج کو واجب سمجھتے ہیں۔ اس لیے کیوں کہ وہ خوارج میں سے ہیں جیسے خوارج خروج کو واجب سمجھتے ہیں ایسے ہی اباضی بھی خروج کو واجب سمجھتے ہیں اس وجہ سے یہ بھی خوارج میں سے ہیں وہ حالات جو مرضی ہوں دلائل جتنے مرضی ہوں اس رائے سے رجوع اور تنازل کرنا ہی نہیں چاہتا وہ رجوع کرنے کے لیے تیار ہی نہیں ہے یہاں تک کہ اگر اس کے پاس اول سے آخر تک تمام اباضی ایک قطار میں آکر کھڑے ہو جائیں اور ہر ایک اس کے سامنے قسم اٹھائے کہ وہ خوارج سے نہیں ہیں تب بھی یہ تبصر نگار ان کی بات پر کان نہیں دھرے گا۔

اس طرح کے لوگ بہت سے ہیں تمہارے اور ان کے درمیان اگر کوئی ڈائیلاگ ہو تو تمھاری فہم تم کیا کہہ رہے ہو کبھی سننے کی زحمت گوارہ ہی نہیں کرتے بس وہ یہی چاہتے ہیں کہ تم ویسا کہو جیسا وہ چاہتے ہیں جیسا ان کا موقف ہے تب بہت خوش ہوں گے اور اگر کوئی بات ان کے موقف کے خلاف کہہ دی تو تم ان کی نظر میں متعصب سمجھے جاؤ گے۔

اس طرح کے بحث مباحثے اور مناظروں میں بہت شدت ہوتی ہے جو ایسے لوگوں کے مابین ہوں جو اپنی آراء میں متشدد ہیں ان سے تنازل کرنا ہی نہیں چاہتے لیکن محقق آج دورِ حاضر میں جو امید اور جستجو کر رہا ہے وہ یہ کہ جو بھی اس کے حوالے سے کہا جائے آزادی رائے سے کہا جائے علمی اسلوب اپنایا جائے اور با مقصد تحقیق ہونی چاہیے ان تقلیدات نے بہت سے مثقف اور مہذب ذہنوں میں حقائق کے لباس میں اپنے اثرات چھوڑے ہیں جو اپنی مخصوص تقلیدی فکر سے آزاد

نہیں ہونا چاہتے اور عوام میں اس تقلید کو پھیلانا چاہتے ہیں صرف اسلوب نیا اپنایا ہے حقائق کے لباس میں وہ اپنی تقلیدی مخصوص فکر کو عامۃ الناس میں عام کرنے کے حریص ہیں۔

اس کے ساتھ ساتھ مزید میں اب دوسرے نقاط کی بحث اور مناقشے کی طرف لوٹتا ہوں اگرچہ دلیل کی ناقدری اس کی سماعت نہ کرنا اور اس کی کو سمجھنے کی کوشش نہ کرنا جس کی بدولت مجھے بہت دکھ محسوس ہو گا میری جان پر تنگی محسوس ہو گی بر حال ایک ناکام امید کے باوجود میں دوسرے نقاط کا جائزہ لیتا ہوں۔

پہلے نقطے سے متعلق جو کہ یہ ہے کہ خوارج سے متعلق آراء ذاتی ہیں اباضیوں کی یہ آراء نہیں ہیں۔ میں اس حوالے سے یقین دہانی کراتا ہوں کہ یہ ساری آراء اباضیوں کی ہیں اگرچہ مجھ سے کماحقہ ان کی ترجمانی نہیں ہو سکی یا پھر عجمیت مجھ پر غالب آئی ان کو بیان کرنے اور پیش کرنے میں تو یہ جائزہ عمل ہے محترم قاری کے لیے درج ذیل ہے:

میں ابو یعقوب کی طرح اس موضوع کو تین اقوال میں محدود کرتا ہوں۔

١. ظالم آئمہ کے خلاف خروج واجب ہے۔

٢. ان کے خلاف خروج جائز ہے۔

٣. ان کے خلاف خروج منع ہے۔

پہلا قول خوارج کی طرف منسوب ہے دوسرا قول اباضیوں کی طرب جبکہ تیسرا قول اشاعرہ کی طرف منسوب ہے۔ جیسا کہ ابو یعقوب اور دیگر نے وضاحت کی ہے میں اس جائزے میں اس موضوع کو دو پہلوؤں سے پیش کروں گا۔

١. نظریاتی پہلو

٢. عملی پہلو

نظریاتی پہلو

میں نے سابقہ فصل میں قطب الائمہ کی وہ گفتگو نقل کی تھی جو کہ اس کی کتابوں میں کسی مقام پر وارد ہوئی ہے۔ وہ درج ذیل ہے:

ہم خروج کو ظالم حکمرانوں کے خلاف واجب قرار نہیں دیتے جو ہماری طرف یہ بات منسب کرتا ہے اس کو حقیقت میں ہمارے مذہب کے بارے میں مکمل علم ہی نہیں ہے وہ ہمارے مذہب سے متعلق جاہل ہے۔

اگر میرا کلام یا میری ذاتی رائے زیادہ واضح نہیں تھی تو صاحب تبصرہ میرا بھائی قطب لائمہ کے اس واضح قول کے بارے میں کیا کہتا ہے جو کہ اباضیوں کے نزدیک بالاجماع اپنے زمانے کا ایک اباضی امام مانا جاتا ہے تو کیا یہ بھی قطب کی ذاتی رائے ہی ہے یا پھر تبصرۃ نگار بقول قطب ان کے مذہب سے ناواقف ہے۔

ہر حال میں یہ چودویں صدی کے نامور اباضی عالم کا بڑا واضح کلام ہے۔

ابو یعقوب الوارجلانی اپنی کتاب (الدلیل) میں کہتے ہیں (اے میرے بھائی جان لو اہل دعوت کا مذہب ظالم آئمۃ اور حکمرانوں کے خلاف خروج کے حوالے سے جائز ہے یعنی ان کے نزدیک واجب نہیں بلکہ جائز ہے۔ ایسا معاملہ نہیں جیسا کہ اہل سنت کہتے ہیں کہ ظالم حکمرانوں کے خلاف خروج یا ان سے قتال جائز نہیں بلکہ ان کے نظامِ ظلم کو تسلیم کرنا اولیٰ ہے اس مسئلہ میں امتِ اسلامیہ میں تین مختلف اقوال پائے جاتے ہیں۔

پہلا قول

(سب سے پہلا قول خروج کے حوالے سے اہل دعوت کا ہے وہ کہتے ہیں ظالم آئمۃ کے خلاف خروج ان سے قتال کرنا ان کی دشمنی مول لینا اور ان کو روکنا جب وہ ہم پر اجباراً اپنے احکام لاگو کریں اور ہم ان کے احکام کے تابع بھی نہ ہوں جائز ہے اگر ہم ان کے حکم کے ماتحت ہوں تو پھر ہم بہت سے ان کے احکام سے منع نہیں کرتے ہاں ایسی حالت میں دفاع کرنا یا خروج کرنا دونوں ہمارے لیے جائز ہیں۔)

پھر وہ کتاب کے ایک اور مقام پر کہتا ہے!

(اگر ہم ان کے خلاف نہ نکلنا چاہیں اور ان کے ساتھ ان کے ماتحت رہنا چاہتے ہوں ان کے پہلو میں زندگی گزارنا چاہتے ہوں تو بھی ہمارے نزدیک جائز ہے۔)

ابو یعقوب الوارجلانی چھٹی صدی ہجری کے اباضی آئمۃ میں سے ایک نامور امام ہیں ان کی شہرت عالم اسلام کے احاطہ سے نکل کر عالم مغرب کو بھی اپنی لپیٹ میں لیتی ان کے آثار اور کتب کو مستشرقین نے بڑے اہتمام سے لیا حتیٰ کہ ان کے بارے میں لکھا بھی اباضیوں کے نزدیک ان کا مقام مرتبہ مالکیوں کے نزدیک ابنِ رشد جیسا ہے اس کی یہ مذکورہ بالا عبارت خروج کے حوالے سے بالکل واضح ہے کسی قسم کی شرح یا تعلیق کی محتاج نہیں ہے کیا ہم اس کا قول بھی اباضی رائے کی بجائے اس کی ذاتی رائے سمجھیں گے؟

موٴرخین میں سے کسی ایک نے عبداللہ بن اباض کے حوالے سے لکھا ہے کہ آپ کو ایک مرتبہ مسجد بصرۃ میں اس وقت کی قائم سلطنت کے خلاف خروج کے لیے تنظیم سازی کی غرض سے بلایا گیا آپ اجتماع کی جگہ سب سے پہلے پہنچ گئے اپنے ساتھیوں کا انتظار کرنے بیٹھ گئے اس دوران اس مسجد میں مختلف حلقے لگے ہوئے تھے تلاوت قرآن موذنوں کی اذانوں کی آوازیں گونج رہی تھی کہیں ذکر کے حلقے تھے آپ ان سب کو سنتے رہے جب آپ کے اصحاب وہاں حاضر ہوئے آپ نے کہا (میں تم میں سے نہیں ہوں کیا ان کے خلاف خروج اور خون ریزی واجب ہے؟) پھر آپ اپنے ساتھیوں کو وہیں چھوڑ کر چلے گئے۔

یہ وہ شخص ہے جس کی طرف اس کے نام کے ساتھ یہ اباضی فرقہ منسوب ہے آپ پہلی صدی ہجری کے آئمۃ میں سے ہیں جیسا کہ آپ نے دیکھا کہ وہ عدم خروج کا کہہ رہے ہیں بلکہ وہ خروج کو ایک سنگین اور بھاری عمل سمجھ رہے ہیں تو کیا یہ ان کی بھی ذاتی رائے ہے؟

جنہوں نے یہ رائے اختیار کی ہے ان کی تعداد مختلف زمانوں میں اباضی آئمۃ میں سے بہت زیادہ ہے بلکہ میں نے تین اباضی آئمۃ کے شواہد پیش کرنے کا ارادہ کیا ہے جن کے اقوال کو اباضیوں کے نزدیک رد نہیں کیا جاتا قبول کیا جاتا ہے۔

- ایک مذہبِ اباضی کی ابتداء کے وقت
- دوسرا اس کا وسطی زمانہ
- تیسرا دورِ حاضر میں اباضی مذہب

اگر یہ آئمۃ اباضیوں کی ترجمانی نہیں کرتے تو پھر ان کو کوئی اور ترجمان ہو ہی نہیں سکتا بس جس رائے کے حوالے سے کہا گیا ہے کہ یہ میری ذاتی رائے ہے تو میں یہ کہتا ہوں کہ یہ اباضیوں کی رائے ہے میری ذاتی رائے نہیں ہے۔ میں نے تو صرف نئے اسلوب سے بیان کیا ہے یہ تو نظریاتی اور تصوراتی پہلو کے اعتبار سے تھا اب اسی بات کو عملی پہلو سے ثابت کرتا ہوں۔

عملی پہلو

عملی پہلو کے حوالے سے محترم قاری سے میری التماس ہے کہ وہ درج ذیل مفروضات میں میرا ہمسفر رہے۔ اباضیوں کے نزدیک بالاجماع جن کو امام اعظم مانا جاتا ہے وہ ہیں ابو شعثاء جابر بن زید پھر اس کے ساتھ اور شاگرد جن میں سے ابو عبیدہ، ضمام، صحار اور خود عبداللہ بن اباض وغیرہ باقی تمام اباضی ان کے حکم کے ماتحت نہیں بلکہ بعضوں کو انہوں نے اپنے بعض معاملات سپرد کیے ہیں بس اس طرح تاریخ کا ایک تسلسل چلتا آرہا ہے۔ پھر ان کے بعد ان کے علاوہ دیگر آئمۃ جانبین سے آئے بس سب زندگی کے ساتھ ساتھ چلتے رہے اگر جابر بن زید اور ان کے ساتھیوں کا ظالموں کے خلاف خروج کے حوالے سے وجوب کا موقف تھا تو پھر حجاج کے مقابلے کے لیے کس نے ان کی تلواروں کو روکا کیا اباضیوں کے ہاں جابر بن زید سے بڑھ کہ کوئی بڑا پایا جاتا ہے اور حکمرانوں میں سے حجاج سے بڑھ کر کوئی حاکم ظالم ملتا ہے اگر ہم اباضیوں کو تاریخ کے تناظر میں دیکھیں تو ہر جگہ امن، پسندی اور جنگ امن معاہدہ کے حوالے سے موقف ملتا ہے خروج کی دعوت سے دور رہے ہیں۔ حالانکہ ان کو خروج کے بعض ایسے مواقع بھی میسر آئے جن میں ان کی کامیابی یقینی تھی لیکن پھر بھی قبول نہیں کی رجیکٹ کر دیا تھا۔ ابو قاسم یزید بن مخلد الحاتی کا موقف جو کہ اباضیوں کے ہاں بڑے مشہور ہیں اسی طرح امام یعقوب بن محمد کا موقف ہے ان کو لوگوں نے بیعت کے لیے دعوت بھی دی لیکن آپ نے انکار کر دیا اگر خروج واجب ہوتا تو وہ کبھی بھی انکار نہ کرتے بلکہ قبول کرتے۔

اگر آپ عمان میں اباضیوں کی تاریخ کا مطالعہ کریں اور جائزہ لیں تو آپ کو پتہ چلے گا کہ ان کے اوپر طویل زمانے ایسے بھی گزرے جب ظالم حکمران قابض تھے ظلم کا نظام تھا جبکہ یہ اس انتظار میں اس ظلم کے نظام پر صبر کرتے ہوئے برداشت کرتے رہے مُبادی وہ وقت آئے کہ خروج ان کو کامیابی سے ہمکنار کر دیے کیوں کہ وہ نہیں چاہتے کہ وہ کسی ایسے فتنے کا سبب بنیں جو امتِ اسلامیہ کو بانٹ دے کوئی بھی خون کا قطرہ بغیر یقینی کامیابی کے نہ بہے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ باغی بن کر ان سے نکل جائیں۔ میرے خیال میں یہ معاملہ بڑا واضح ہے جو کہ تفصیل کا محتاج نہیں ہے رہی بات ان لوگوں کی جو خروج کے وجوب کے حوالے سے یہ کہتے ہیں کہ یہ مولف کی ذاتی رائے ہے تو میری طرف سے وہ مکمل آزادی رائے کے مستحق ہیں جو مرضی آئے کہہ سکتے ہیں مگر ان کا عقیدہ اس حوالے سے خطا پر مبنی ہے اور ان کا اصرار کسی حقیقی شئے کو بدل نہیں سکتا میں اس موضوع کو بطور خلاصہ یہاں ذیل میں پیش کرتا ہوں۔

اس حوالے سے اباضیوں کا موقف متوسط ہے اہل سنت اور خوارج کے موقف کے مابین حدِ اعتدال ہے نہ وخروج کو واجب قرار دیتے ہیں نہ ہی اس سے منع کرتے ہیں بلکہ اس کو جائز سمجھتے ہیں اگر حالات سازگار نظر آئیں کامیابی محقق ہو تو تب یہ جواب مائل باوجوب ہو جاتا ہے اور اگر حالات ناسازگار ہوں نقصانات کا زیادہ اندیشہ ہو تو اس صورت میں یہی جواز مائل بہ منع ہو جائے گا اس کے ساتھ خروج کسی بھی حال میں منع نہیں ہے اور بغاوت جب تک ظلم کا نظام قائم ہے ہر حال میں مرغوب عمل ہے۔

میرے خیال میں منصف قاری کے لیے اتنی بات ہی کافی ہے جو سابقہ فصل یوں کہا گیا ہے کہ یہ مولف کی ذاتی رائے ہے اس بات کی وضاحت محترم قاری کے لیے یہی کافی ہے میں نے اس حوالے سے اباضیوں کی رائے میں ذرا سی بھی کمی نہیں کی میں یہاں صاحب تبصرہ کے لیے تعاریتی کی وہ بات نقل کرنا چاہتا ہوں جو کہ انہوں نے ان کے رد میں کہی تھی جو اباضیوں کے متعلق خروج کے حوالے سے وجوب کے موقف کا اعتقاد رکھتے ہیں۔

(المسلك المحمود) کے صفحہ ۳۳ کے آخر پر درج ذیل آیا ہے:

تیسرا قول کہ یہ تمام اباضی خوارج ہیں باطل ہے ہم ان میں سے نہیں ہیں اسی طرح ہم ظالم حکمرانوں کے خلاف خروج کے بارے میں نہیں کہتے چاہے وہ ہمارے مذہب کے پیروکار ہوں یا کسی اور مذہب کے اور یہ بات ہمارے عقیدے میں بالکل واضح ہے ہماری کتابیں خوارج کے رد میں بھری پڑی ہیں اور ان کے اقوال سے برأت میں وضاحتیں ہماری کتب میں موجود ہیں۔

(خوارج نے ہمارے قول کے مقابلہ میں کہا (اہل حق جماعت) اس حوالے سے جب شیخ امام ابو عماد عبدالکافی نے اپنی کتاب (الموجز) میں خوارج کے بارے میں کہا تھا (خوارج اہل تاویل پر مشرک کا حکم لگانے میں خطاوار ہیں) اسی طرح دیگر اہل کبائر کے حوالے سے ان کا قول بھی غلطی پر مبنی ہے۔)

ہم نے ان کے مذہب کی خرابی اور فساد کے حوالے سے اپنی اس کتاب کی ابتداء میں ہی باخبر کر دیا ہے۔

کچھ سطروں کے بعد کہا!

(شماخی نے (السیر) کتاب میں کہا ہے کہ جابر بن زید خوارج کے پاس آیا کرتا تھا اور ان سے کہا کرتا تھا۔ (کیا خدا تعالیٰ نے مسلمانوں کے خون کو دین میں حرام نہیں کیا؟) وہ کہتے تھے جی ہاں اسی طرح کیا خدا تعالیٰ نے ان سے برأت کو بھی دین میں حرام قرار نہیں دیا؟ وہ کہتے جی ہاں۔ - - پھر کہا کہ ہمارے اہلِ تحقیق امام عبداللہ بن اباض المری التمیمی ان میں سے تھے جو مکہ سے یزید کے گورنر جس کو مسرف کا لقب دیا گیا ہے۔ اس کے خلاف اس لیے نکلے تھے کہ اس نے مسلمانوں کو حرم شریف میں آنے سے منع کر دیا تھا۔ اس کے معاملے میں جابر بن زید کی آراء کو اخذ کرتے تھے آپ کے خوارج کے ساتھ بہت سے مناظرے ہوئے ہیں۔

پھر کچھ سطروں کے بعد کہتا ہے!

(قطب کا ان خوارج کے رد میں بڑا ہی منفرد ایک رسالہ ہے جو کہ آپ کے دیگر دو رسائل کے ساتھ ہی شائع ہوا)

۱. (ازالۃ الاعتراض عن مُحَقی آلِ اباض)

۲. (القنوان الدانیه فی مسئله الدیوان العانیه)

اگر آپ چاہیں تو ان رسالوں کی طرف رجوع کر سکتے ہیں جس نے ہماری طرف خروج کو منسوب کیا ہے وہ سرے سے ہمارے مذہب سے ناواقف ہے اور یہ کیسے ممکن ہو سکتا ہے ہمارے امام جابر بن زید ﷫ سرکش، ظالم حجاج کے ہاں دیوان مقابلہ کے ساتھیوں میں سے تھے۔ میری معلومات کے مطابق ان کی طرف سے ہم تک کوئی حجاج کے خلاف خروج کے حوالے سے اشارہ نہیں ملتا۔

پھر کچھ سطروں کے بعد کہتے ہیں!

(اسی طرح ہمارے اماموں میں سے الربیع بن حبیب ہیں جنہوں نے (ترتیب) میں رسول پاک ﷺ سے اپنی سند کے ساتھ نقل کیا ہے۔

"ان کے ماتحت رہتے ہوئے کاشتکار بن کر اور کھیتی باڑی کر کے زندگی گزارو حتیٰ کہ مجھ سے برے حال میں ملاقات کرو"

اسی طرح تیسرے قول کو باطل کرنے کے لیے یہی کافی ہے تم جو کہتے ہو کہ اباضی بھی خوارج ہیں حالانکہ مرتکب کبیرہ کو یہ کافرِ ملت نہیں بلکہ کافرِ نعمت کہتے ہیں جبکہ خوارج اس پر مشرک کا حکم لگاتے ہیں اسی طرح ان کے مال، خون کو حلال کرتے ہیں جن کے حوالے سے علامہ الحضری کے کلام میں ان کے رد کا اشارہ عنقریب آئے گا۔ لہٰذا نظام ظلم کے ما

تحت نہ رہنا اور اس کے ماتحت رہنے سے روکنا صفری اور ازارقی مذہب ہے ہمارا اباضی مذہب نہیں ہے۔ اس لیے کہ ظلم کا نظام خلفاء راشدین کے بعد شروع ہوا اس دور میں صحابہ کرام میں سے سلف صالحین اور تابعین میں سے ان ظالم حکمرانوں کے ان امور پر تنقید کرتے رہے ہیں جن میں خالق کی معصیت ہوتی ہو لیکن ان کے خلاف خروج کا موقف نہیں اپنایا۔ رسول پاک ﷺ کے اس قول مبارک کے پیش نظر (جس کو اپنے حکمران کی جانب سے کسی معاملے میں ظلم پہنچے بس اس کو اس پر صبر کرنا چاہیے۔)

(میرے خیال میں اس اندیشے سے مفاسد اور ظلم کے خلاف خروج سے منع فرمایا کہ کہیں فساد اور فتنے زیادہ نہ ہو جائیں اور امتِ مسلمہ کی وحدت پارہ پارہ نہ ہو جائے وہ کہیں ٹکڑوں میں نہ بٹ جائے اور دشمن کو حملے کا موقع نہ مل جائے۔)

پھر اس طویل کلام کے بعد امامت سے متعلق صفحہ ۵۰ پر درج ذیل ہے:

(پھر امام کے حوالے سے کہتے ہیں کہ لوگوں پر امام کی اطاعت فرمانبرداری بر خلاف خوارج اور امامیوں اور اسماعیلیوں کے مذہب کے واجب ہے اسی طرح معتزلہ کے مذہب کے بر خلاف اہل تشیع کے بر خلاف یہ اصول عقائد میں سے نہیں ہے اسی طرح نص اور آثار دونوں سے ثابت ہو اس میں بھی ان اہلِ تشیع کی اکثریت نے مخالفت کی ہے۔ وہ کہتے ہیں اس کا سوائے نص کے کوئی اور راستہ نہیں ہے نہ ہی بر خلاف جارو رہ کے ملک کی قیادت کے لیے اس کے تنگ قطاروں میں اماموں کی کثیر تعداد ہونی چاہیے ہاں جہاں سلطنت اتنی وسیع ہو کہ ایک امام امور کو چلانے کی قدرت نہ رکھتا ہو تو وہاں اور امام بھی بنائے جا سکتے ہیں یہ جائز ہے اور امت پر اس کی تنزلی واجب ہے گویا اس سے ایسا کچھ سرزد ہو گیا ہے جو مسلمانوں کے امور میں مخل ثابت ہوا ہے اگر اس کی منصب سے تنزلی دشوار ار عمل ہو تو دو نقصانوں میں سے کم نقصان کو اختیار کیا جائے گا اسی طرح فاضل کی موجودگی میں مفضول کی امامت جائز ہے جو کہ امامی مذہب کے بر خلاف ہے۔ یہ وہ مذہب ہے جس پر ہمارے اصحاب ہیں اور اشاعرہ بھی اس پر ہی ہیں۔

شاید صاحب تبصرہ پر اب ہی یہ بات واضح ہو جائے کہ میں نے جو کچھ پیش کیا ہے وہ میرے ذاتی رائے نہیں تھی اسی طرح نہ ہی میں نے کسی کی خوشنودی حاصل کرنے کی غرض سے ایسا بیان کیا ہے نہ ہی اپنی ان باتوں سے کسی کی خوشامد اور چاپلوسی کر رہا ہوں۔

اباضیوں کے مذہب کے حوالے سے جو وضاحت تعاریتی نے کر دی ہے یہی مذہب اشاعرہ کا ہے (امام کی تنزلی کے لیے خروج کے حوالے سے حالات کو پیش نظر رکھنا اور اسی طرح فتنے سے اجتناب کرنا وغیرہ۔ میں اباضیوں کو یہ نہیں سمجھتا کہ انہون نے اشاعرہ سے اپنی یہ رائے بنائی ہے بلکہ وہ اپنی مخالفت کے باوجود اس رائے میں متفق ہیں۔

دوسرا نقطہ

صاحب تبصرہ نے کہا ہے کہ اباضی خوارج میں سے ہیں اور خوارج خروج کے حق میں ہیں۔ لہٰذا اباضی بھی ظالم آئمہ کے خلاف بغیر کسی اعتبار کے خروج کا موقف رکھتے ہیں۔ رہی بات حالات کو ملحوظ خاطر رکھنے کی تو یہ اشاعرہ کا مذہب ہے۔

یہ تجزیہ چند ایک نقاط کے ذریعے مختصراً پیش کیا جائے گا کیوں کہ ہم نے اپنی سابقہ گفتگو سے اس حوالے سے تفصیلی وضاحت پیش کر دی ہے یعنی ان کے آئمہ خروج کو جائز کے حکم میں سمجھتے ہیں۔

اسی طرح ان کی بات کہ اباضی اشاعرہ کے ساتھ آراء کے حوالے سے مجتمع نظر آتے ہیں تو یہ بھی اتنی اہم بات نہیں ہے اور نہ ہی کوئی نئی تحقیق ہے گویا وہ یہ ثابت کرنا چاہتا ہے کہ اباضیہ وہی کہتے ہیں جیسا کہ اشاعرہ کہتے ہیں میں اس میں اس وقت تک کوئی تردد نہیں پاتا جب تک یہ دونوں مذاہب ایک ہی مصدر سے اخذ کر رہے ہیں ان کے قول میں اتحاد کی وضاحت تعاریتی نے بھی کر دی ہے اسی طرح میں درحقیقت یہاں اباضی مذہب کا دیگر مذاہب سے موازنے کے حوالے سے بات نہیں کر رہا اور نہ ہی میرا یہاں یہ موضوع ہے میں اس وقت موازنے کے میدان میں نہیں ہوں اس لیے میں نے اشاعرہ کی کسی رائے پر تبصرہ یا اعتراض نہیں کیا اور نہ ہی ان کے موازنے کی غرض سے کوئی رائے پیش کی ہے میں نے صرف وہ ذکر کیا ہے۔ جو اباضیوں کے متعلق ہے اور انکا جو موقف ہے جو وارجلانی کی گفتگو سے ثابت ہوتا ہے کہ اس مسلئے کے متعلق تین اقوال ہیں جن کی طرف میں نے سابقہ گفتگو میں اشارہ بھی کیا تھا۔

۱. خروج کے متعلق مطلق وجوب کا موقف (خوارج)

۲. خروج اور بقاء دونوں جائز ہیں (اباضیہ)

۳. وارجلانی کی تعبیر کے مطابق اہل سنت کے نزدیک خروج مطلق منع ہے اور صاحب تبصرہ کی تعبیر کے مطابق اشاعرہ کے نزدیک بھی خروج منع ہے۔

اس سے یہ بات بھی واضح ہوتی ہے کہ اس موضوع سے متعلق اشاعرہ اور اباضیوں کے مابین واضح فرق ہے اشاعرہ مطلق منع کرتے ہیں جبکہ اباضی جائز قرار دیتے ہیں وارجلانی نے اشاعرہ پر تنقید کرتے ہوئے کہا ہے کہ وہ قولی طور پر خروج سے منع کرتے ہیں جبکہ عملاً اس کی مخالفت کرتے ہیں اس پر ان اموی سلطنت کے خلاف اٹھنے والی تحریکوں کو بطور دلیل پیش کیا جیسا کہ ابن زبیر ﷺ توابین، عبدالرحمٰن بن الاشعت ایک فقہاء کی جماعت کے ساتھ، زید بن علی وغیرہ کی تحریکیں۔

میرے خیال میں اس نقطے کی اتنی ہی وضاحت کافی ہے رہی بات اس نے اباضیوں کو خوارج میں اپنے لفظوں کے حسن سے کیا ہے اور اس بنیاد پر اس نے اباضیوں پر خوارج کے احکامات لگائے ہیں تو یہ تجزیے اور بحث کے قابل نہیں کیوں کہ اس حوالے سے اس کتاب کے بہت سے مقامات پر بحث ہو چکی ہے اور وضاحت کر دی گئی ہے مزید وضاحت کی ضرورت نہیں ہے یہ ہر اس شخص کے لیے کافی ہے جو حق کا متلاشی ہے۔

تیسرا نقطہ

عمومی طور پر خوارج اور خصوصی طور پر اباضیوں کی جو اہم بات ہے جو ان کو دیگر خروج کی تحریکوں سے ممیز کرتی ہے تو وہ ہے (ذات کا انکار) شاید تبصرہ نگار کا یہ نقطہ اس لیے بہت زیادہ اہم ہے کیوں کہ اس غرض سے اس نے یہ سارا تبصرہ اور تجزیہ پیش کیا تھا وہ یہ کہ اباضی خوارج میں سے ہیں وہ اس بات کی یقین دہانی کرانا چاہتا ہے کہ اباضی خوارج ہیں لیکن میں افسوس سے کہتا ہوں کہ صاحب تبصرہ نے ابتداء سے لے کر آخر تک جو کچھ اس حوالے سے کہا ہے وہ سب جانب داری پر مبنی ہے۔

یہاں اس نے اپنے اس موقف کو کچھ اس انداز سے پیش کیا ہے کہ ایک جانب تو خوارج کو سراہ رہا ہے دوسری جانب اباضیوں کو خراج تحسین پیش کر رہا ہے تاکہ کوئی بھی ان کو خوارج اعتبار کرنے سے راہِ فرار اختیار نہ کر سکے۔

سب سے عجیب بات تو یہ ہے کہ جنہوں نے بھی اس موضوع کو لیا ہے تہذیب، ثقافت کی اس ترقی کے باوجود خشک تقلید سے چمٹے ہوئے ہیں اور حقائق سے نگاہ کو بند رکھا ہوا ہے اور ان حقائق کی وضاحت سے غضِ نظر کو اولیٰ سمجھتے ہیں وہ یہ پسند ہی نہیں کرتے کہ جو کچھ ان کے بارے میں کہا جاتا ہے اس کو سمجھیں آپ ان کے احکام کو قبول کرو یا نہ کرو ان کے لیے ایک جیسا ہے بس ان کی جو رائے ہے وہی حتمی ہے آپ کی رائے اور موقف ان کے نزدیک ہرگز اہم نہیں ہے ان کے لیے صرف انہی کا موقف ہی اہم ہے بس صاحب نصیحت نے یہ کہہ دیا ہے کہ اباضی خوارج ہیں کاش وہ اس بات کی جزئیات کو دیکھ لیتا ذرا غور کر لیتا نہیں بس وہ اپنی رائے سے سرکنا چاہتا ہی نہیں اس نے ہر اس بات سے غضِ نظر کر لیا ہے جو کچھ اس موضوع سے متعلق کہا گیا ہے۔ بس اس نے صرف اس بات پر نظر ڈالی ہے جو اباضیوں کے متعلق منسوب ہے اور وہ ہے کہ اباضی خوارج ہیں اور اگر کسی اباضی نے یہ کہہ دیا کہ یہ اباضیوں کی رائے اور قول نہیں ہے تو جواب میں یہ کہہ دیا یہ تو آپ کی ذاتی رائے ہے واہ سبحان اللہ ان صورتوں میں کیسے حقائق تک رسائی حاصل کرنے کی کوشش کی گئی ہے اور اس اسلوب پر کیسے حقائق تک رسائی ہو سکتی ہے؟

چوتھا نقطہ

میرے خیال میں یہ چوتھا نقطہ ہمارے موضوع سے مکمل طور پر خارج ہے اس کی یہاں کوئی مناسبت نہیں بنتی ہم اس فصل میں خلافت کی شرائط اس کی آراء کو زیر بحث نہیں لا رہے یہ فصل مکمل اس موضوع سے خارج ہے یہاں صرف بات یہ ہو رہی ہے کہ خوارج کون ہیں اور کیا اباضی خوارج میں سے ہیں؟

یہ بات صحیح ہے کہ اباضی خلافت کی صحت اور درستگی کو قرشیوں کے اوپر محمول نہیں کرتے لیکن اگر مقابلے میں دیگر بھی ہم پلہ ہوں تو تب قرشیوں کو ترجیح دی جائے گی اور خوارج یا اباضی ہی نہیں جنہوں نے پہلی بار یہ موقف اختیار کیا ہو یا اس حوالے سے بات کی ہو بلکہ ان سے پہلے کبائر صحابہ کرام نے اس پر بحث مباحثہ کیا تھا۔ جب اسلام میں پہلے خلیفے کو منتخب

کرنے کی نوبت آئی تھی اور ان کا چناؤ ہو رہا تھا تب صحابہ کرام کے مابین اس حوالے سے بحث مباحثہ جاری ہوا تھا۔ انصار نے مہاجرین سے کہا تھا کہ ہم سے امیر ہو اور ایک تم میں سے امیر ہو۔ اگر انصار یہ نہ جانتے ہوتے کہ قرشیوں کے علاوہ بھی خلیفہ کسی اور شخص کو بنایا جا سکتا ہے جائز ہے تو کبھی یہ بات نہ کہتے۔ حضرت عمرؓ نے کہا اگر حذیفہ کا غلام سالم ہوتا تو میں اس کی بھی بیعت کر لیتا اگر خلافت قریشی کے علاوہ جائز نہ ہوتی تو آپؓ ایسی بات نہ کرتے۔

سیدنا صدیق اکبرؓ نے فرمایا!

عرب تو اس علاقے میں قریش سے ہی متعلق ہیں اگر ایسا ہو تو عربوں کی اطاعت کے لیے قریش کو اختیار کیا جاتا لیکن حالات بدلنے کے ساتھ موضوع اختیار بھی بدل گیا ہے۔ لہٰذا خوارج یا اباضی وہ نہیں جنہوں نے خلافت کے حوالے سے سب سے پہلے بات کی ہو بلکہ اصحابؓ محمدﷺ نے یہ کہا تھا اور ہم یہاں اشاعرہ اور اباضیوں کے مابین موازنہ کرنے یا دونوں میں سے کسی کو دوسرے پر فضیلت کے بارے میں مقام پر نہیں ہیں۔

بلکہ ہماری گفتگو کا موضوع یہاں یہ ہے کہ جو کچھ اباضیوں کی طرف منسوب کیا گیا ہے وہ کس حد تک صحیح ہے یا نہیں اس حوالے سے دو موقف ہیں جن میں ایک ایسا موقف ہے جس کو مقالہ نگاروں نے تقلید کرتے ہوئے اور متاثر ہو کر غالب طور پر اپنایا ہے جس میں زیادہ تر تقلید اور تاثر پایا جاتا ہے۔

پہلا موقف

ایک موقف یہ ہے کہ اباضی وہی کہتے ہیں جو خوارج کہتے ہیں بس وہ خوارج ہیں حالانکہ ایسی کوئی بات نہیں ہے لیکن انہوں نے یہ اعتبار کر لیا ہے کہ اباضی خوارج ہیں۔

دوسرا موقف

اباضیوں کے لیے یہ مناسب نہیں کہ وہ وہی کچھ کہیں جو اشاعرہ کہتے ہیں بس یہ مسئلہ جھگڑے کا باعث بن گیا ہے۔ گویا یہ معاملہ سراسر جھگڑا ہی بن گیا ہے۔

پانچواں نقطہ

یہ نقطہ بہت سی ایسی تہمتوں کے مجموعے پر مشتمل ہے جن کا رخ میری ذات کی طرف کیا گیا ہے یعنی ان تہمتوں میں میری ذات کو نشانہ بنایا گیا ہے۔ وہ تہمتیں درج ذیل ہیں:

۱. اس فصل میں میں نے جو حکومت، خلافت کے بارے میں رائے پیش کی ہے وہ میری ذاتی ہے اباضیوں کی رائے نہیں ہے۔

۲. اباضیوں کی آراء کے حوالے سے اس رائے میں کمی، تلفی کر کے بیان کیا گیا ہے۔

۳. میں اباضیوں کے حوالے سے یہ ظاہر کرنے کی کوشش کروں کہ انہوں نے وہ رایئے اشاعرہ سے لی ہے جس پر اشاعرہ کی گرفت کی گئی ہے۔

۴. میں اباضیوں کو یہ ظاہر کرنے میں حرج محسوس کرتا ہوں کہ وہ تمام خوارج ہی ہیں اور انکارِ ذات کی بنا پر وہ دیگر سے ممیز ہوتے ہیں۔

۵. میں گویا کہ عمومی طور پر خوارج اور بالخصوص اباضیوں کے حق میں اور ان کی رائے میں یہ کہہ کر تلفی اور کمی کر رہا ہوں کہ وہ خروج کو واجب نہیں بلکہ جائز قرار دیتے ہیں۔

٦. میں اشاعرہ کی رضا اور خوشنودی حاصل کرنے کی کوشش کر رہا ہوں۔

ان تمام تہمتوں کا رد میرے لیے بہت آسان ہے اور ان ساری تہمتوں کے پیچھے صاحب تبصرہ کے ذہنی اور تقلیدی خیالات اور مسلط فکر ہے اور وہ یہ کہ اس نے یہ فرض کر لیا ہے اور اباضیوں کو خوارج قرار دینے کی ٹھان لی ہے۔ چونکہ خوارج خروج کو واجب کہتے ہیں اس لیے ضروری ہے اباضی خوارج ہونے کی بنا پر وہ بھی خروج کو واجب قرار دیں اس کے لیے کوئی دوسری رائے ان کے لیے ممکن ہی نہیں چونکہ یہی ایک نقطہ ہے جس کے علاوہ کوئی اور ایسی بات نہیں پائی جاتی جو اباضیوں کو خوارج سے دور کرے میں نے صاحب ملاحظہ پر دلائل براہین سے یہ بات واضح کر دی ہے کہ ان تمام خیالات اور غلط گمانوں کے باوجود اباضی خوارج نہیں ہیں جیسا کہ میں نے یہ بھی دلائل سے ثابت کر دیا ہے کہ خروج ان کے نزدیک جائز کے حکم میں ہے اس بات پر خوارج سے وہ اختلاف کرتے ہیں چونکہ خوارج وجوب کے اور اشاعرہ مطلق منع کے قائل ہیں میں نے اس حوالے سے آئمہ کے کلام سے نصوص نقل کی ہیں جیسا کہ میں نے اس موضوع کے حوالے سے ان کی تاریخی سیرتوں سے عملی مثالیں بھی پیش کی ہیں یہ سب کچھ ایک حق کے متلاشی کے لیے کافی ہیں لیکن جو مخصوص تصور اس کے ذہن میں بیٹھ گیا ہے اور جس پر وہ مُصِر ہے اس کا کوئی علاج نہیں ہے۔ رہی بات کہ میں خوارج کی آراء میں تلفی کر کے پیش کر رہا ہوں تو وہ مجھے ایسا بھی گمان نہ کرے کیوں کہ میں نے اس فصل میں خوارج کی آراء پر تبصرہ نہیں کیا اور نہ ہی اس موضوع کو زیر بحث لایا ہوں اور جو بھی میں نے ان کی طرف خروج کے حوالے سے وجوب کا اشارہ کیا ہے وہ صاحب ملاحظہ کی (الدلیل و البرھان) کتاب سے روایت کردہ قول پر اعتماد کیا ہے اگر ان کی آراء میں اس کو کمی یا تلفی شمار کیا جاسکتا ہے تو میں ان کو اور صاحب ملاحظہ سے معذرت خواہ ہوں رہی بات اباضیوں کی تو میں نے ان کی خروج کے حوالے سے رائے کو پیش کیا ہے اگر میری یہ رائے کمی اور تلفی پر مبنی ہے تو وہ اس کو بدل دیں کیوں کہ میں اس بات کو ثابت کرنے کی قدرت رکھتا ہوں کہ یہ عملی حوالے سے اپنے تمام تر گوشوں کے ساتھ اس پر تمام امتِ اسلامیہ چلی ہے اس بارے میں عملی طور پر مثال اشاعرہ کی ہے انہوں نے اپنی رائے سے رجوع کرتے ہوئے بہت سی سلطنتوں سے ممالک میں خروج کا راستہ اپنایا ہے

اسی طرح بہت سے ممالک میں عملی طور پر خوارج بھی ظلم، بربریت کے ماتحت راضی رہے ہیں اور خروج نہیں کیا ایک ظالم حکمران کے ماتحت طویل مدت تک یا کہیں مختصر وقت کے لیے بغیر خروج کے خوارج رہتے رہے ہیں۔

اگر تمہارے دل میں اس بات کا کھٹکا اور چبھن ہے کہ میں یہ ظاہر کروں کہ اباضیوں نے اشاعرہ کی خروج کے حوالے سے رائے پر اپنی رائے استوار کی ہے تو میں ہر حال میں اس بات پر خوش ہوں گا اور کوشش کروں گا کہ تمام فرقوں کے ہاں ایسے نقطہ نظر تلاش کروں جو ان کے مابین تقارب کا ذریعہ ہیں اور اگر مجھے کسی بھی دو فرقوں کے مابین کسی مسئلہ میں کوئی تقارب نظر آئے گا تو میں اس کو بخوشی بیان کروں گا اور مجھے اس سے شادمنی ہوگی اس کے ساتھ مزید یہ کہ میں جب بھی اباضیوں کی آراء کو پیش کرتا ہوں یا ان کے عقائد کو بیان کرتا ہوں تو وہی بیان کروں گا جو ان کے حوالے سے میں جانتا ہوں اور جو میری معلومات ان کے حوالے سے ہیں انہیں پر اعتماد کر کے بیان کروں گا۔

رہی بات کہ میں اباضیوں کی کامل آراء کو پیش کرنے میں اس لیے حرج محسوس کرتا ہوں کیوں کہ میں اشاعرہ کی خوشنودی حاصل کرنا چاہتا ہوں تو حقیقت میں میں ان لوگوں میں سے نہیں ہوں جو دو فرقوں کو ایک دوسرے کا متضاد بنا کر رضا حاصل کریں اور وہی رضا دوسرے فرقے کی نفرت اور سختی کی آگ کو اور جوش دے دے بلکہ میں تو ان دونوں کے درمیان اخوت، اسلامی بھائی چارے کا مضبوط تعلق اعتبار کروں گا اگر ان فرقوں کا جزئیات میں اختلاف ہے بھی تو کیا ہوا کلیات میں تو اتفاق پایا جاتا ہے اگر ہر فرقے کی مخلص قلمیں اتحاد کے پہلو کو پیشِ نظر رکھ کر تحریر میں اپنا کردار ادا کریں تو میرے خیال میں ان جزئیات میں بھی تقارب پیدا ہو سکتا ہے اور اگر ہر فرقے میں سے ہر کوئی اپنے متعصب اور سخت تنگ نظری والے موقف سے خلاصی حاصل کر لے جن مواقف کے تحت وہ اپنے مخالفین کو چاہیے وہ جتنی ہی کثرت سے ہوں اور قوی ہوں کم ہی سمجھتے ہیں اور ہمیشہ خود کو ہی اہل حق سمجھتے ہیں تو میرے خیال میں ہم فرقوں کے مابین جزئیاتی اختلافات سے بھی نکل سکتے ہیں اور متحد ہو کر ایک امتِ مسلمہ بن سکتے ہیں آج ہمیں ذاتی اختلافات سے نکل کر متحد ہونے کی ضرورت ہے۔

آخر پر میں اپنے مخلص بھائی صاحب ملاحظہ سے صرف اتنا کہوں گا کہ میں اباضیوں کو اور ان کے دور حاضر علماء کو اچھی طرح سے جانتا ہوں اسی طرح صاحب ملاحظہ میری کمزور شخصیت کو بھی جانتا ہے اگر واقعی میں خدا تعالیٰ کی رضا کے بعد لوگوں میں سے کسی کی رضا حاصل کرنا چاہتا تو اباضی علماء کی راضا بدرجہ اولیٰ حاصل کرتا پھر یہ بھی کہ یہ اباضی علماء شخصی طور پر اس کمزور درجے پر بھی فائز نہیں کہ جس کی بنا پر کوئی شخص ان کے عقائد اور آراء سے منحرف ہو جائے پھر ان کی طرف وہ کچھ منسوب کرے جس کا ان سے کوئی تعلق ہی نہیں سراسر جعل سازی ہو اور وہ اس قدر کمزور ہوں جو صرف خاموشی اختیار کریں کلام کی قدرت نہ رکھتے ہوں ایسی صورتحال الحمدللہ وہم گمان میں بھی نہیں ہے جس نے ایسا گمان کیا ہے گویا اس نے اہل حق کے مزاج اور طبعیتوں کو سمجھا ہی نہیں وہ پوری طرح ان سے ناواقف ہے۔

اے میرے بھائی!

میں کسی کی رضا نہیں چاہتا میں صرف امتِ اسلامیہ کے فرقوں کے مابین ان دوریوں اور مسافتوں کو ختم کرنا چاہتا ہوں جن کو مشنری قلموں نے پیدا کیا ہے تا کہ ہر فرقہ اپنے دوسرے اسلامی فرقے کے قریب ہو سکے اور ایک دوسرے کا ہاتھ پکڑ کر نیکی، تقویٰ پر ایک دوسرے کی مدد کریں اسی طرح میں یہ چاہتا ہوں کہ ان اخطاؤں کی درستگی اور تصحیح کر سکوں جن کو غفلت کی بنا پر بعض قلموں نے امت اسلامیہ کے فرقوں میں سے ایک دوسرے کی ضد میں پیدا کیا جن کی بنا پر آپس کے رشتے اور تعلقات منقطع اور خراب ہو گئے بس اس کے بعد ان فسادات اور خراب تعلقات کا مسلط سیاست دانوں کی خواہشات نے اور مبشرین، مستشرقین اور سامراجیوں نے خوب اپنے مفادات کی خاطر استعمال کیا اور اپنے اغراض، مقاصد اور مفادات خوب حاصل کیے امتِ اسلامیہ کا وجود پارہ پارہ ہو گیا اور وہ اس سے اپنے مفادات حاصل کرتے رہے ہیں۔

خدا تعالیٰ پھر سے امت اسلامیہ کو متحد کرے۔

خوارج کا مختصر تعارف

اس عنوان کے تحت امام ابو اسحق اطفیش نے استاد ابراہیم عبدالباقی کے طلب کردہ جواب میں نہایت ہی قیمتی بحث اور ریسرچ ترتیب دی ہے اس موضوع سے متعلق ان کی تحریر نہایت عمدہ اور قیمتی ہے۔

ہم نے محترم قاری سے ان کو نقل کرنے کا وعدہ کیا تھا اور شاید کہ اس فصل میں خوارج کے حوالے سے محترم قاری پر مزید روشنیاں اور وضاحتیں آشکار ہوں ان وضاحتوں سے کہیں زیادہ جو ہم نے ان کے حوالے سے سابقہ ابحاث اور فصول میں بعض مقامات میں پیش کی ہیں۔

ابو اسحق ؒ کہتے ہیں:

(خوارج تابعین کے زمانے سے لوگوں کے طبقات میں سے ایک طبقہ ہیں ان کے نامور قائدین نافع بن ازرق، نجدۃ بن عامر اور عبد اللہ بن الصفار ہیں اور جو ان کا گروہ ہے اس کو خوارج کا نام اس لیے دیا گیا ہے کیوں کہ وہ حق اور امتِ اسلامیہ سے اس بنا پر نکل گئے ہیں کیوں کہ انہوں نے کبیرہ گناہ کے مرتکب پر مشرک کا حکم لگاتے ہوئے اس کے خون اور اموال کو سرکشی کرتے ہوئے حلال کیا ہے جیسے خدا تعالیٰ نے حرام کیا تھا۔ قرآن پاک کی اس آیت کی تاویل کی ہے جو کہ خطا پر مبنی ہے

﴿وَلَا تَأْكُلُوا مِمَّا لَمْ يُذْكَرِ اسْمُ اللَّهِ عَلَيْهِ وَإِنَّهُ لَفِسْقٌ ۗ وَإِنَّ الشَّيَاطِينَ لَيُوحُونَ إِلَىٰ أَوْلِيَائِهِمْ لِيُجَادِلُوكُمْ ۖ وَإِنْ أَطَعْتُمُوهُمْ إِنَّكُمْ لَمُشْرِكُونَ﴾

"اور تم اس (جانور کے گوشت) سے نہ کھایا کرو جس پر (ذبح کے وقت) اللہ کا نام نہ لیا گیا ہو اور بے شک وہ (گوشت کھانا) گناہ ہے، اور بے شک شیاطین اپنے دوستوں کے دلوں میں (وسوسے) ڈالتے رہتے ہیں تاکہ وہ تم سے جھگڑا کریں اور اگر تم ان کے کہنے پر چل پڑے (تو) تم بھی مشرک ہو جاؤ گے o"(۱)

گمان کیا ہے کہ اس سے مراد کھانے میں اطاعت اور تابعداری ہے یہ تاویل غلط ہے اس کا درست اور حق معنی یہ ہے کہ اگر تم نے مردار کو حلال بنا کر کھانے میں ان کی تابعداری کی یعنی اس کو حلال بنایا جس کو خدا تعالیٰ نے حرام قرار دیا ہے۔)

جب انہوں نے اس آیت کی تاویل میں خطاء کی تو صرف قول پر ہی اکتفاء نہیں کیا بلکہ قول سے تجاوز کر کے فعلی اور عملی طور پر اس کا ارتکاب کرنے لگے معصیت کے مرتکب پر مشرک کے احکام لگا کر مسلمانوں کے خون، مال کو سرکشی کرتے ہوئے حلال کیا ہے عورتوں، بوڑھوں اور بچوں کو قتل کرنا حلال کیا جس کو خدا تعالیٰ نے حرام قرار دیا تھا۔

---

(۱) الانعام،۶/۱۲۱۔

جب ان کا معاملہ امام الحافظ الربیع بن حبیب بن عمرو البصری الفراہیدی صاحب (المسند الصحیح) رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے پاس پہنچا (حتی کہ ان کا دعوی قول سے عمل تک تجاوز کر گیا ہے آپ نے فرمایا اگر وہ اپنے قول ہی پر باقی رہیں تو تب بھی ان پر خطا دار ہونے کا حکم لگے گا لیکن اگر انہوں نے قول سے عمل اور فعل کی طرف تجاوز کیا تو ہم ان پر وہی حکم الٰہی جاری کریں گے جو خدا تعالیٰ نے حکم دیا ہے) جب ان کی بدعات عام ہو گی تو ہمارے اصحاب نے ان کو اپنی مجالس میں بیٹھنے سے روک دیا اور ہر صورت میں ان سے اعلانیہ برأت کا اظہار کرتے تھے جب وہ قول سے فعل تک تجاوز کر گئے تو ان پر حکم کفر جاری کرنے کا اعلان کر دیا کیوں کہ جس کو نص قطعی میں خدا تعالیٰ نے حرام قرار دیا ہو اس کو حلال قرار دینا کفر ہے ان کا فساد اور بغاوت اُن دنوں اس حد تک بڑھ گئی کہ انہوں نے اہل توحید پر اپنی سازشوں اور فتنوں کو شدید کر دیا حتی کہ ان کی گردنوں پر حکم خداوندی کی مخالفت کرتے ہوئے تلواروں کو لہرا دیا ان کی چال اور سازش بہت بڑے پیمانے پر پھیل گئی جو کہ امتِ اسلامیہ کے لیے ایک بہت بڑا فساد اور ایک بہت بڑی آزمائش، مصیبت تھی۔

مہلب بن ابو صفرۃ ازدی عمانی مشہور اموی سپہ سالار نے ان خوارج کے ساتھ قتال اور جہاد شروع کیا وہ لوگوں کو ان سے جہاد کے لیے نکالنے کی غرض سے اپنی طرف سے احادیث گھڑا کرتا تھا۔ اس سے امت اسلامیہ کو دوہرا نقصان پہنچا۔ ایک تو مسلمانوں سے جنگ، قتال دوسرا موضوع اور جھوٹی احادیث کا ان کے قتال کے حوالے سے پھیلنا جس سے شر نے دور رس اثرات چھوڑے اور ایک بہت بڑی قیامت مسلمانوں پر ٹوٹی۔ جب خوارج نے تحکیم کا انکار کیا تو بہت سے تنگ نظر اور مذہبی تعصب رکھنے والے لوگوں نے اباضیوں کو بھی ظلم کرتے ہوئے خوارج کے گروہ میں شامل کر دیا جبکہ حقیقت میں ان کا خوارج سے کوئی تعلق بھی نہیں تھا بہر حال جن متعصب لوگوں نے اباضیوں کو خوارج میں شمار کیا ہے اس کے کچھ اسباب تھے جو کہ درج ذیل ہیں:

پہلا سبب

ہمارے اباضی ساتھی یہ موقف رکھتے ہیں کہ ظالم حکمران کی اطاعت واجب نہیں ہے بلکہ خلفاء راشدین کے طریق پر خلافت قائم کرنا واجب ہے رسول پاک ﷺ نے فرمایا (میرے بعد ابو بکر رضی اللہ عنہ اور عمر رضی اللہ عنہ کی اقتداء کرو) اسی طرح حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کے بارے میں آپ ﷺ کا فرمان ہے:

(اے عمار تجھے ایک باغی گروہ قتل کرے گا) یعنی شہید کرے گا۔

اس حدیث مبارکہ سے تحکیم کے منکرین نے استشہاد کیا ہے جبکہ دوسرے فریق نے اس کا انکار نہیں کیا گویا فریقین کا نص پر تاویل میں اختلاف کے باوجود اتفاق اور رضامندی ثابت ہو گئی اگرچہ دوسرے فریق نے اس حدیث کی تاویل میں غلطی کی ہے اور اس پر درست معنی کو محمول کرنے کی بجائے اپنی خواہش کے مطابق ڈھالا ہے۔

دوسرا سبب

اصحاب بدعت کا واقعہ نہروان میں ظہور ہے جب انہوں نے یہ گمان کیا کہ یہ واقعہ حضرت علیؑ جو کہ ان کے امام ہیں ان کے خلاف خروج کرنے سے پیش آیا جب کہ حقیقت یہ ہے جس میں کوئی شک نہیں کہ انہوں نے کبھی بھی حضرت علیؑ سے خروج نہیں کیا لیکن جب انہوں نے تحکیم کے انکار اور اس بات پر مُصِر رہے کہ حضرت علیؑ نے تحکیم کی ثالثی میں غلطی کی ہے تو منکرین تحکیم نے یہ دیکھا کہ اب حضرت علیؑ کی بیعت گردنوں پر نہیں رہی یہ اعتبار کر لیا کہ تحکیم کا تو یہ مطلب ہے گویا حکومت، اقتدار قوی اور مضبوط نہیں ہے اور اگر حکومت مضبوط ہے تو پھر تحکیم کیوں؟

لہٰذا انہوں نے اس تحکیم کو ایسا مسئلہ بنالیا جس کی بنا پر انہوں نے حضرت علیؑ کی بیعت سے تنزلی کر لی۔ لہٰذا تحکیم سے متعلق اب ان کا یہ حق تھا کہ وہ جس کو چاہیں اپنا امام چن لیں۔ ان دنوں انہوں نے صحابہ کرامؓ میں سے ایک افضل شخص کو چنا وہ تھے عبداللہ بن وھب الداسبی الازری بیعت کے بعد انہوں نے اپنے ساتھیوں کی طرف جن میں سے ایک امام علیؑ بھی تھے وفد بھیجا اور ان کو بیعت کرنے کا پیغام بھجوایا جس کے جواب میں حضرت علیؑ نے فرمایا انہوں نے قریش کی نہیں بلکہ ایک ازری کی بیعت کی ہے۔ لہٰذا اس سے پہلے کہ ان کا معاملہ تقویت پاتا آپؑ نے ان سے جنگ کی تا کہ امامت قریش سے باہر نہ نکل سکے بس یہ ایک واقعہ نہروان وقوع ہونے کا سبب تھا اور اس لیے ان کو بلایا تھا تا کہ وہ اپنے دشمن معاویہ اور اس کے ساتھیوں سے لڑ سکیں لیکن مقصد فوت ہو گیا معاویہ نے دو ثالث مقرر کر دیے (عمرو بن عاص اور ابو موسیٰ اشعری) مسلمانوں کا معاملہ اس تحکیم کے معاملے سے وابستہ ہو گیا اصحابِ بصیرت نے عبداللہ بن وھب کی بیعت اس لیے کی تا کہ وہ بات سامنے آجائے اور پوری ہو جائے جس کا ان کو اندیشہ تھا کہ یہ ثالثی معاویہ کی ایک چال ہے۔ اشعث بن قیس جس نے اصحاب علیؑ کے خلاف معاویہ کی جانب سے سازش کی معاملہ ایسا نہیں جیسا تاریخ کے محرف گمان کرتے ہیں یا جن کے ذہن مذہبیت سے متعفن ہیں جو کہتے ہیں کہ واقعہ نہروان حضرت علیؑ بیعت سے خروج کے سبب ہوا وہ بیعت کی موجودگی میں نہیں نکلے اس مقام پر ایک تبصرہ نگار کے لیے تنبیہ ہے کہ ایسا گمان کرنے والوں کی خواہشات شامل ہیں جس میں کوئی مخفی چیز نہیں بالکل ظاہر ہے۔

تیسرا سبب

ابتداء معاملہ میں لفظِ خوارج کا وجود نہیں تھا یہ تو تب مشہور ہوا جب ازارقہ کی بغاوت کا معاملہ پھیلا حضرت علیؑ کے اصحاب کے ہاں چاہیے موافقین تحکیم ہوں یا منکرین تحکیم ہوں یہ لفظ (خوارج) نہیں جانا جاتا تھا۔

شاید یہ لفظ باقاعدہ طور پر پہلی بار اس وقت ظاہر ہوا جب خلافتِ معاویہ تقویت پکڑ گئی جب احنف بن قیس التمیمی نے معاویہ سے ملاقات کی جو کہ اہل نہروان میں سے تھا۔ اس سے معاویہ نے کہا لوگ تجھے کیوں محبت کرتے ہیں حالانکہ تو خوارج میں سے ہے؟

اس نے جواب دیا!

اگر لوگ پانی میں عیب نکالیں تو میں کچھ نہیں کروں گا اور نہ ہی ان کے معاملہ میں مداخلت کروں گا مزید (ابو علی القالی کی کتاب الامالی) کا مطالعہ کریں۔

آپ دیکھ رہے ہیں کہ معاویہ احنف بن قیس کو خوارج سے متصف کر رہا ہے کیوں کہ وہ ان کے ساتھ تھا جنہوں نے نہروان کے واقعہ پر حضرت علیؓ سے جنگ کی تھی یا اس لیے کہ اس نے معاویہ کی بیعت نہیں کی تھی ہو سکتا ہے اس لیے اس نے اس کو خوارج سے متصف کیا ہو اگر معاویہ نے احنف کو اس لیے خارجی کہا کیوں کہ وہ حضرت علیؓ سے لڑنے والوں میں سے تھا جو نہروان کے موقع پر لڑے تو پھر اس نام کا احنف سے زیادہ مستحق معاویہ ہے۔ کیوں کہ وہ پہلا شخص ہے جن سے سب سے پہلے حضرت علیؓ کے خلاف تلوار لہرائی اس نے حضرت علیؓ کی بیعت توڑ کر گناہ کیا تھا حالانکہ صورتحال یہ تھی کہ حضرت علیؓ کے ہاتھ پہ اربابِ بست کشاء تمام لوگون کی اکثریت نے بیعت کی تھی وہ قانونی طور پر خلیفہ بن چکے تھے ان کی اطاعت اور فرمانبرداری واجب تھی۔

چوتھا سبب

اباضیوں نے اہل توحید پر کبھی تلوار نہیں لہرائی نہ کبھی ان کی جانب سے مسلمانوں کے خلاف کوئی جنگ واقع ہوئی ہے حتیٰ کہ حجاج بن یوسف اور ابن زیاد کے سختی اور بربریت کے دنوں میں بھی کبھی انہوں نے بغاوت کرتے ہوئے تلوار نہیں اٹھائی جنہوں نے مسلمانوں پر مجرد ظن کی بنا پر ظلم وستم ڈھایا حتیٰ کہ ان کے خلاف توابون سعید بن جبیر اور ابراہین النخی کی قیادت میں نکلے یہ دونوں امام ہیں۔ سعید بن جبیرؒ کو حجاج بن یوسف نے قتل کیا جو کہ آئمۃ تفسیر میں تھے سب سے بڑی تعجب کی بات تو یہ ہے کہ ایک بہت بڑی علماء کی جماعت نے ظالموں کے خلاف اسلحہ اٹھایا اور یہ حجاج کی جانب سے پیدا کی جانے والے قباحت اور نفرت تھی جس نے علماء کو اسلحہ اٹھانے پر مجبور کیا ان پر کسی نے خوارج کا اطلاق نہیں کیا بلکہ اس پوری علماء کی جماعت کو توابین کے نام سے موسوم کیا گیا ہے اور وہ سب کے سب سوائے تین کے شہید کر دیے گئے تھے باقی بچنے والے تین سعید بن جبیر، ابراہین النخی اور عبد اللہ بن مطرف تھے۔ عقل آج بھی اس دردناک واقعہ کے حوالے سے حیران پریشان کھڑی ہے جبکہ قارئین کی نظروں سے یہ واقعہ بڑے آرام سکون اور سلامتی سے گزر جاتا ہے لیکن اگر تاریخ عدل، انصاف سے چھان بین کرے تو پتہ چلے گا کہ لفظِ خوارج کا اباضیوں پر اطلاق ایک سراسر تہمت ہے حالانکہ یہ خوارج سے مکمل طور پر بری ہیں۔

ان کی رائے یہ ہے کہ امامت قریش کے خاندان سے خاص نہیں بلکہ مسلمان جس کو اپنے ریاستی امور کی ذمہ داری کے لیے منتخب کریں وہی خلیفہ ہو گا یہ وہ حق ہے جو کمال بصیرت پر دلالت کرتا ہے چونکہ خدا تعالیٰ کی حکمت میں سے نہیں

ہے کہ وہ انسانی خلافت کو کسی خاص قبیلے یا خاندان سے خاص کر دے وہ چاہے اچھا کرے یا برا کرے اس کو کوئی پوچھنے والا نہ ہو اور نہ ہی خلافت اس کے علاوہ کسی کا حق ہو ایسا حکمتِ الٰہی کے خلاف ہے۔

اسی بشری فطرت کی ہمارے اصحاب کی سوچ تائید کرتی ہے اور اس فکر پر ایک حدیث پاک کو محمول کیا ہے۔

(آئمہ قریش سے ہیں)

امام احمد بن حنبل نے اپنی مسند میں حضرت انس کی روایت نقل کی ہے۔

(مجھے انس بن مالک نے کہا کہ میں تمہیں آج ایک ایسی بات سناتا ہوں جو کبھی کسی کو میں نے بیان نہیں کی رسول پاک ﷺ گھر کے دروازے پر کھڑے تھے ہم بھی وہاں موجود تھے۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا!

آئمہ قریش میں سے ہیں تم پر ان کے حقوق ہیں اور ان پر اسی مثل تمہارے حقوق ہیں جس نے ان سے رحم طلب کیا انہوں نے رحم کیا جب معاہدہ کیا تو اس کو وفا کیا فیصلہ کریں تو عدل سے کریں جس نے ان میں سے ایسا نہ کیا اس پر خدا تعالیٰ اس کے فرشتوں اور تمام لوگوں کی لعنت ہو۔

(مسند احمد جلد ۳، ص ۱۲۹ حدیث نمبر ۱۲۳۲۹)

لہٰذا یہ حق سے تجاوز کرنے کی بات ہو گی اگر گمان کرنے والے یہ گمان کریں کہ امیوں کی سیاست، حکومت قریش خاندان سے ہی مختص ہے اس بات پر تو انصار بھی راضی نہیں ہوئے حالانکہ وہ بھی شریعت محمدی ﷺ کی اچھی طرح بصیرت رکھنے والے ہیں انہوں نے بھی حضرت ابو بکر ؓ سے کہا:

(ہم میں سے بھی ایک امیر اور تم میں سے بھی ایک امیر ہو گا۔)

اور نہ ہی حضرت ابو بکر صدیق ؓ نے ان انصار کو جواب میں یہ کہا کہ (امیر ہم میں سے ہو گا اور تم میں سے وزراء ہوں گے) بے شک عربوں کی قیادت، رہنمائی قریش کے ساتھ خاص ہے۔ بس انہوں نے عربوں کی قیادت قریش کے لیے ثابت کی ہے اس کے علاوہ کوئی اور چیز نہیں جیسا کہ مذہبی سیاسی خواہشات اور اہل ہوا گمان کرتے ہیں۔ اب کیا آپ ایسا دیکھتے ہیں یا آپ کی نظر میں ایسا ممکن ہے کہ تمام امتیں اپنی دیگر تمام انواع کے ساتھ صرف ایک ایسے شخص کو اپنا رہنما اور قائد بنا سکتی ہیں اپنی قیادت اس کے سپرد کر سکتی ہیں جو مطلق قریشی ہو اور اس بنا پر اس کو تمام قومیں اپنا قائد بنا لیں کہ وہ قریش میں سے ہے کیا ایسا ممکن ہے؟ خدا کی قسم ہر گز ایسا ممکن نہیں ہے۔

پانچواں سبب

اباضی عدل انصاف اور کتاب سنت پر عمل کرنے کے خواہاں ہیں اور یہ کہ خلافت کا نظام خلفاء راشدین کے منہج پر چلنا چاہے وہ خلافت کوئی قریشی یا حبشی قائم کرے یا پھر عربی یا عجمی ہو اس سے کوئی غرض نہیں ہے جیسا کہ صحیح احادیث میں وارد

ہوا ہے اور عمر بن عبدالعزیز کی سیرت سے اس لیے اباضی خوش ہیں کیوں کہ وہ اسی سنتِ نبوی ﷺ کے طریق پر چلے تھے جب ان کی طرف اباضیوں نے بصرۃ سے نامور جلیل القدر چھ علماء پر مشتمل ایک وفد آپ کے پاس بھیجا وہ علماء جعفر بن السماک العبدی، ابو الحر علی بن الحصین العبزی، حباب بن کاتب، حباب بن کلیب، ابو سفیان قنبر بصری اور سالم بن ذکوان تھے ہو سکتا ہے ان سے زیادہ بھی علماء کی تعداد ہو لیکن مجھے انہی کے نام ابھی یاد ہیں لیکن اس وفد کے حوالے سے جب مؤرخین نے ذکر کیا تو اپنے عادت کے مطابق تہمت لگاتے ہوئے یہ بیان کیا ہے کہ (عمر بن عبدالعزیز کی طرف خوارج نے وفد بھیجا) لیکن ان کے مابین کیا تبادلہ خیال ہوا اس کا ذکر نہیں کیا آپ نے ان کی جانب سے وہ سب کچھ قبول کیا جس کا مقصد عدل، انصاف کو عام کرنا تھا اسی طرح تمام ممالک اور منبروں کو اس لعن طعن سے پاک کرنا تھا جس کی ابتداء امویوں نے کی تھی۔ وفد نے آپ سے یہ بھی کہا کہ مسلمان منبروں پر بیٹھ کر حضرت علی ؓ کے اوپر لعنت کرتے ہیں کیا شریعت کے احکامات میں برائی سے منع کرنا نہیں؟ آپ نے اس لعن طعن کے عمل کو اس فرمانِ الٰہی کے ساتھ بدل دیا:

﴿إِنَّ ٱللَّهَ يَأۡمُرُ بِٱلۡعَدۡلِ وَٱلۡإِحۡسَٰنِ وَإِيتَآيِٕ ذِي ٱلۡقُرۡبَىٰ وَيَنۡهَىٰ عَنِ ٱلۡفَحۡشَآءِ وَٱلۡمُنكَرِ وَٱلۡبَغۡيِۚ يَعِظُكُمۡ لَعَلَّكُمۡ تَذَكَّرُونَ﴾

"بے شک اللہ (ہر ایک کے ساتھ) عدل اور احسان کا حکم فرماتا ہے اور قرابت داروں کو دیتے رہنے کا اور بے حیائی اور برے کاموں اور سرکشی و نافرمانی سے منع فرماتا ہے، وہ تمہیں نصیحت فرماتا ہے تاکہ تم خوب یاد رکھو"(۱)

ان مؤرخین کے نفوس نے جن کی بصریت کو ان کی خواہشات نفسانیہ نے اندھا کر دیا ہے کو اجازت نہیں دی کہ وہ اباضیوں کے وہ مناقب اور جدوجہد کو اپنی تاریخ کا حصہ بناتے ہوئے رقم کریں جو انہوں نے ظالموں کے مقابلہ کے لیے کی تھیں اور کلمہ حق کو بلند کرنے میں جو قربانیاں دیں ہیں ان مؤرخین کو ان کے ایسے کارناموں کو ذکر کرنے کی توفیق نہیں ملی جیسا کہ عبداللہ بن اباض نے عبدالمالک بن مروان کے ساتھ اور ابو بلال مرداس بن حدید نے ابن زیاد کے ساتھ معاملہ کیا لیکن ان کے ظلم ستم کے باوجود خوارج کی طرح تلوار نہیں اٹھائی بیان کے طریق پر چلے نیزوں کو نہیں اٹھایا ان سے اعراض کیا ان اباضیوں میں سے کوئی ایک بھی ایسا نہیں تھا جس نے کسی سلطان کی بنیاد کو مضبوط کیا ہو یا لوگوں کو ان کی گردنوں پر تلوار رکھ کر مذہب قبول کرنے پر مجبور کیا ہو بلکہ لوگوں کی ان کی آراء میں آزادی دی ناحق دنیا، مال، دولت سے اعراض کیا تمام مذاہب کے افراد کو آزادی رائے کا مکمل حق دیا کیوں کہ فرمانِ الٰہی ہے:

---

(۱) النحل، ۱۶/ ۹۰۔

﴿لَآ إِكۡرَاهَ فِي ٱلدِّينِۖ قَد تَّبَيَّنَ ٱلرُّشۡدُ مِنَ ٱلۡغَيِّۚ فَمَن يَكۡفُرۡ بِٱلطَّٰغُوتِ وَيُؤۡمِنۢ بِٱللَّهِ فَقَدِ ٱسۡتَمۡسَكَ بِٱلۡعُرۡوَةِ ٱلۡوُثۡقَىٰ لَا ٱنفِصَامَ لَهَاۗ وَٱللَّهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ﴾

"دین میں کوئی زبردستی نہیں، بے شک ہدایت گمراہی سے واضح طور پر ممتاز ہو چکی ہے، سو جو کوئی معبود اِن باطلہ کا انکار کردے اور اللہ پر ایمان لے آئے تو اس نے ایک ایسا مضبوط حلاہ تھام لیا جس کے لیے ٹوٹنا (ممکن) نہیں، اور اللہ خوب سننے والا جاننے والا ہے"(۱)

بس حق ہر جگہ مقبول ہے جبکہ باطل کسی دوسرے کی بجائے اپنے صاحب پر ہی محمول ہوتا ہے اہل قبلہ ان کی نظر میں تمام حقوق اور آزادی میں اور اپنی فروعی آراء میں برابر ہیں۔ بس جب انہوں نے خدا تعالیٰ کی وحدانیت کا اقرار کر لیا تو وہ دیگر مسلمانوں کی طرح تمام حقوق واجبات میں برابر کے شریک ہونگے۔ انسان کی فطرت میں ہی آزادی ہے یہ انسان کا بنیادی حق ہے۔

حتیٰ کہ ان کے نزدیک کاتب ابتداء ہی سے آزاد ہے جو کچھ اس نے لکھا اس کا وہی ذمہ دار ہے اور وہ اس پر قرض ہے جس کو وہ ادا کرے گا یہ بات اباضیوں کے علاوہ کسی کے ہاں قبول نہیں کی جاتی کیوں کہ انہوں نے شریعت اسلامیہ کے ادراک میں دیگر پر فوقیت حاصل کی ہے۔ لہٰذا جیسا کہ ہم نے خوارج کی جعل سازیاں اور کبائر کو ذکر کیا ہے۔ اباضیوں کا ان سے کوئی تعلق نہیں خوارج اور ان کے مابین بہت بڑا فرق ہے ہمارے منصف مؤرخین نے یہ حقیقت جانی اور اس کا اعتراف بھی کیا انہوں نے ان فروق کی معرفت حاصل کی حق کو پالیا اور اس کا اعتراف بھی کیا حق کی طرف رجوع کرنا فرض بھی ہے اور فضیلت بھی ہے۔

چھٹا سبب

اباضیوں کے نزدیک ان کے اور دیگر اہل توحید کے نزدیک نکاح شادی جائز ہے جبکہ خوارج اپنے مخالفین اہل توحید کے ساتھ شادی نکاح جائز نہیں سمجھتے اس لیے کہ وہ ان کو مشرک سمجھتے ہیں ہم نے اس کی بہت اچھی طرح پہلے وضاحت کر دی ہے۔ اس لیے اُن کے اور ان کے مابین وراثت بھی نہیں ہے کیوں کہ وہ مشرک ہیں اور شرک نکاح، شادی میراث کا مانع ہے۔ جن مؤرخین کے نفوس متعفن ہو چکے ہیں ان کی آنکھوں پر پردے پڑ چکے ہیں اس لیے وہ ان تمام فروق سے آندھے ہو گئے ہیں اس کا مشاہدہ وہی شخص کر سکتا جو تاریخی کے ادوار کی ورق گردانی کرے ان مؤرخین نے اس فرمان کا بھی خیال نہیں رکھا!

---

(۱) البقرۃ: ۲/ ۲۵۶۔

﴿وَٱلَّذِينَ يُؤْذُونَ ٱلْمُؤْمِنِينَ وَٱلْمُؤْمِنَٰتِ بِغَيْرِ مَا ٱكْتَسَبُوا۟ فَقَدِ ٱحْتَمَلُوا۟ بُهْتَٰنًا وَإِثْمًا مُّبِينًا﴾

"اور جو لوگ مومن مردوں اور مومن عورتوں کو اذیت دیتے ہیں بغیر اس کے کہ انہوں نے کچھ (خطا) کی ہو تو بے شک انہوں نے بہتان اور کھلے گناہ کا بوجھ (اپنے سر) لے لیا ہ"(۱)

﴿يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ كُونُوا۟ قَوَّٰمِينَ لِلَّهِ شُهَدَآءَ بِٱلْقِسْطِ ۖ وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَـَٔانُ قَوْمٍ عَلَىٰٓ أَلَّا تَعْدِلُوا۟ ۚ ٱعْدِلُوا۟ هُوَ أَقْرَبُ لِلتَّقْوَىٰ ۖ وَٱتَّقُوا۟ ٱللَّهَ ۚ إِنَّ ٱللَّهَ خَبِيرٌۢ بِمَا تَعْمَلُونَ﴾

"اے ایمان والو! اللہ کے لیے مضبوطی سے قائم رہتے ہوئے انصاف پر مبنی گواہی دینے والے ہو جاؤ اور کسی قوم کی سخت دشمنی (بھی) تمہیں اس بات پر برانگیختہ نہ کرے کہ تم (اس سے) عدل نہ کرو۔ عدل کیا کرو (کہ) وہ پرہیزگاری سے نزدیک تر ہے، اور اللہ سے ڈرا کرو! بے شک اللہ تمہارے کاموں سے خوب آگاہ ہے ہ"(۲)

ان باتونی مورخین کے بارے میں ایک مسلمان حیرت میں پڑھ جاتا ہے جب ان کی اہل حق (اباضیوں) کے بارے میں غیر مصدقہ اور تہمتوں سے بھری ہوئی حقیقت سے دور تحریر میں غور کرتا ہے اس کے پیچھے ان کی نفسانی خواہش کے سوا کوئی اور مقصد نہیں تھا۔ا

کیا وہ یہ یاد نہیں رکھتے کہ وہ خدا تعالیٰ سے ایک دن ملاقات کریں گے یا خروج کا اعتقاد دوزخ میں سے ہے یہ سب کچھ اہل ہو انفسانی بندے کے لیے ہی سہل بات ہو سکتی ہے؟

ساتواں سبب

فتنوں کے ابتدائی دور سے لے کر ہی اباضی دین اسلام علمی اور عملی خدمات میں مشغول رہے ہیں۔ حدیث کی سب سے پہلے انہوں نے تدوین کی مثلاً ہمارے امام جابر بن زید جنہوں نے سب سے پہلے اپنے دیوان میں احادیث اور اقوال صحابہ ﷺ کو مدون کیا جو دواوین احادیث میں مرکزی حیثیت رکھتا ہے پھر آپ کے شاگرد ہیں جو مشرق، مغرب میں حاملین علم ہیں یہ اباضی علمی عملی خدمات میں مشغول رہے جبکہ خوارج خون بہانے راستوں کو پر خطر بنانے اور نظام کو معطل کرنے میں مشغول رہے خوارج کی کسی ایک تالیف کا بھی ذکر نہیں ہوا جن لوگوں نے خوارج کے حوالے سے ان کی کتب کا ذکر کیا ہے دراصل وہ اباضیوں کی کتب ہیں خوارج کی نہیں۔ انہوں نے اس میدان کی طرف توجہ ہی نہیں دی وہ تو بس لڑائی فسادات اور خون ریزی میں پڑے رہے رہی بات صفریہ، ازراقیہ اور نجدیوں کی تو ان میں سے کسی کی بھی نہ تو کوئی بیان

(۱) الاحزاب، ۳۳/ ۵۸۔

(۲) المائدۃ، ۵/ ۸۔

کردہ روایت ملتی ہے اور نہ ہی کوئی تدوین ہے اگر نجدہ روایت حدیث میں اور نافع بن ازرق اپنے ان سوالات میں منفرد ہے جو اس نے ابن عباس ﷺ سے کیے تھے یہاں ان کو بیان کرنے کی مناسبت نہیں بنتی میں یہاں کہنا چاہتا ہوں کہ انہوں نے لڑائیوں اور فسادات میں اپنی توجہ لگائی رکھی اور گناہوں کو مرتکب ہوتے رہے تصنیف، تالیف کی طرف کوئی توجہ نہیں دی ہے۔ ہماری قوم نے جو کچھ اہل علم خوارج کی طرف منسوب کیے ہیں وہ درحقیقت خوارج نہیں بلکہ اباضی ہیں۔ ہمارے اصحاب تالیف، تدوین کی طرف اس قدر مشغول رہے اور اتنی گراں قدر خدمات دی ہیں جن کی مثال نہیں ملتی عقل دنگ رہ جاتی ہے صدق، ورع کی ایک عظیم مثال تھے لیکن جب یہ روشن چمکدار دلائل ظاہر ہوئے تو ان حقائق کو ہماری قوم کے موٴرخین نے جھوٹے دعوؤں تہمتوں اور بہتانوں کے ذریعے مسخ کرنے کی کوشش کی اباضیوں کے ان چمکدار روشن کارناموں کی حقیقت کو مسخ کرنے کی کوشش کی ان پر الزامات طعن تشنیع کی اور بہتان لگائے۔

انہوں نے اباضیوں اور خوارج کے مابین اختلاط اس لیے ظاہر کیا تاکہ حقائق کے چراغ کو گل کر سکیں اس کے پس پردہ ان کے اباضیوں کے لیے حسد عناد اور کینہ جیسے امراض موجود تھیں میں اس شخص سے حق کا اعتراف کروانے کی غرض سے لڑائی جھگڑا کرنا پسند نہیں کرتا جس کی بصیرت اندھی ہو چکی ہو تم ان کو عملی طور پر دیکھ رہے ہو کہ جس کو ہمارے اصحاب کمالِ دین اور علمی عظمت سمجھتے تھے ان کو چھپا رہے ہیں اور قابلِ ذکر شۓ ہی نہیں سمجھ رہے ہیں میں نے اپنے اصحاب یعنی اباضیوں کی بہت سی ایسی تصنیفات تاریخ، ادب اور فروع میں دیکھی ہیں جو قابلِ بیان ہیں اور جو ہمارے اسلاف کے مقام مرتبے کو ثابت کرتی ہیں۔ جیسے ان کے بارے میں التاسیدھا بیان کیا گیا ہے کیا ہی اچھا ہوتا ان کے کارہائے نمایاں ذکر کیے جاتا بلکہ ان سے تجاہل برتا گیا ہے گویا ان کا کوئی وجود ہی نہ ہو اور حق کے چراغ کو مٹانے کی غرض سے جھوٹ بہتانوں سے کام لیا گیا حالانکہ ایسے اسالیب ہمارے اصحاب کی کتب، بیان میں بالکل نہیں پائے جاتے۔

(خدا تعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر ہے)

آٹھواں سبب

جب ہماری قوم کے موٴرخین نے تاریخی واقعات کو جمع کیا تو وقت کا تقاضا تھا کہ ہمارے اصحاب، اسلاف کا ذکر کرتے لیکن درست بات کہنے میں انہوں نے خرابی کر دی۔ اباضیوں کو خوارج کی طرف منسوب کرتے ہیں تو کبھی خوارج کو اباضیوں کی طرف منسوب کرتے ہیں جیسا کہ بہت سے موٴلفین اور مقالہ نگاروں نے اصحاب تدوین نے اصول، فروع کے اندر معتزلہ کے اقوال کو اباضیوں کی طرف اور اباضیوں کے اقوال کو معتزلہ کی طرف منسوب کر دیا تھا جس کے سبب ان کے مابین اختلاط پیدا ہوا۔ لہٰذا وہ موٴلفین جو صرف نقل کرنے پر اکتفا کرتے ہیں۔ وہ اس اختلاط تمسخر اور ہنگامہ خیزی کی طرف چلے گئے میرے نزدیک ان کی کوئی غلطی نہیں ہے۔ کیوں کہ جو حق کا متلاشی ہے وہ ہمیشہ اس کے اصل چشمے سے تلاش کرتا ہے نا کہ وہ اپنی نفسانی خواہشات کے مطابق گھڑتا ہے۔ ہم ایسے شخص کو بھی پاتے ہیں جو یہ گمان کرتا ہے کہ ابو بلال مرداس بن حدید خوارج میں سے ہے اور قطری بن الفجاءۃ اباضی ہے۔ حالانکہ معاملہ بالکل برعکس ہے اسی طرح کچھ

لوگ یہ بھی گمان کرتے ہیں کہ امام طالب الحق عبداللہ بن یحیٰ الکندی وہی عبداللہ بن اباض ہیں تو یہ بات بھی کلیۃ غلط ہے۔ امام عبداللہ بن اباض نے عبدالملک بن مروان کے آخری ایام میں وفات پائی جبکہ طالب الحق مروان کے ایام میں ۱۳۰ ہجری کو ظاہر ہوئے۔

بس اسی طرح ہمارے اسلاف کے ذکر کو کاتبین مخلوط کر دیتے ہیں تا کہ ہنگامہ پیدا ہو اور حقیقی صورت کو مسخ کیا جائے۔ ہمارے پاس موجود آپ ذرا اندلس کی اسلامی تاریخ کا ہی مطالعہ کر کے دیکھ لو اباضیوں کا ذکر تک نہیں ملے گا حالانکہ حقیقت میں اندلس میں علم، مال میں کمال درجے تک پہنچے حتیٰ کہ جزیرہ یابس جو کہ اندلس کا ہی ایک حصہ ہے وہ چھٹی صدی ہجری میں مکمل اباضیوں کے پاس تھا بلکہ بڑے اندلس کے ایک طرف تھا آپ مثلاً (طبقات ابن سعد) کا مطالعہ کرو تو تمہیں سوائے جابر بن زید کے کسی اباضی کا ذکر نہیں ملے گا ان کا بھی ذکر صرف ان کی شہرت کی بنا پر کیا جو عظمت، بلندی میں آسمان کو چھو رہی ہے۔

یہ بات بغیر کسی تردد کے حق ہے کہ ہر قوم کے لوگ اپنی ہی قوم کے لوگوں کو سراہتے ہیں اسی طرح ہر مؤرخ بھی تاریخ میں اپنوں کو ہی قابلِ بیان سمجھتا ہے۔

جبکہ خدا تعالیٰ کی ذات ہے۔

﴿مَا جَعَلَ ٱللَّهُ لِرَجُلٍ مِّن قَلْبَيْنِ فِي جَوْفِهِۦۚ وَمَا جَعَلَ أَزْوَٰجَكُمُ ٱلَّـٰٓـِٔي تُظَـٰهِرُونَ مِنْهُنَّ أُمَّهَـٰتِكُمْۚ وَمَا جَعَلَ أَدْعِيَآءَكُمْ أَبْنَآءَكُمْۚ ذَٰلِكُمْ قَوْلُكُم بِأَفْوَٰهِكُمْۖ وَٱللَّهُ يَقُولُ ٱلْحَقَّ وَهُوَ يَهْدِي ٱلسَّبِيلَ﴾

"اللہ نے کسی آدمی کے لیے اس کے پہلو میں دو دِل نہیں بنائے، اور اس نے تمہاری بیویوں کو جنہیں تم ظِہار کرتے ہوئے ماں کہہ دیتے ہو تمہاری مائیں نہیں بنایا، اور نہ تمہارے منہ بولے بیٹوں کو تمہارے (حقیقی) بیٹے بنایا، یہ سب تمہارے منہ کی اپنی باتیں ہیں اور اللہ حق بات فرماتا ہے اور وہی (سیدھا) راستہ دکھاتا ہے ٥"(۱)

خوارج کی بدعت نے شرعی احکام کو اپنے مطابق بدل دیا۔ تمام مسلمانوں کا یہ موقف ہے کہ کبائر میں فرق کرنا ضروری ہے تا کہ خوارج کے جرم سے بچا جا سکے۔

لہٰذا کبائر کی دو اقسام ہیں:

۱. کبائرِ شرک
۲. کبائرِ نفاق

---

(۱) الاحزاب، ۳۳/ ۴۔

کبائر شرک

اس قسم کا ہر کبیرہ گناہ عقیدہ میں مخل ہوتا ہے جیسا کہ اس کو حلال بنانا جسے خدا تعالیٰ نے حرام کیا ہے یا ضرورت دینیہ میں سے کسی چیز کا انکار کرنا یا پھر حکم قطعی میں سے کسی کا انکار کرنا جیسا کہ رجم وغیرہ۔

کبائر نفاق

کبیرہ گناہ کفر نعمت سے متعلق ہیں جو کہ اہل حدیث کے ہاں بغیر کفر کے کفر پر اطلاق ہوتا ہے ہمارے اباضی مذہب کے نزدیک یہ قسم فسق کے زمرے میں آتی ہے جیسا کہ زنا، اکل حرام جھوٹی گواہی، والدین کی نافرمانی وغیرہ۔ عمل کے لحاظ سے کبائر جیسا کہ خدا تعالیٰ کے فرائض کو ترک کرنا ان سارے کبائر کو ہمارے اباضی مذہب کے نزدیک کبائر نفاق کا نام دیا جاتا ہے یا پھر کفر نعمت کا نام دیا جاتا ہے۔

جب ہمارے اصحاب نے کبھی کفر کا اطلاق کیا تو سب سے پہلے اس میں موجود قرینے کو دیکھا کیا وہ عقیدے میں مخل ہے یا پھر فعل یا ترک فعل سے متعلق ہے۔

اسی طرح وہ یہ دیکھتے ہیں کہ یہ کفر کی کون سی قسم ہے کفر نفاق یا کفر شرک ہمارے اباضی اصحاب نے کبھی کسی پر بھی تکفیر کا حکم نہیں لگایا جو بھی اہل قبلہ اور اہل توحید ہیں جس نے بھی کلمہ توحید کا اقرار کیا ہے۔ اس موقف کے حوالے سے ان کی امتیازی حیثیت ہے بلکہ وہ اپنے مخالفین اہل قبلہ کو تمام حقوق واجبات میں یکساں سمجھتے ہیں اور کسی کو بھی کافر یا مشرک نہیں سمجھتے۔

آپ نے بخوبی جان لیا ہے کہ خوارج اور اباضیوں کے مابین سوائے انکارِ تحکیم کے بہت بڑا واضح فرق ہے وہ حق ہے جس میں کوئی شک نہیں اور جس کی کتاب، سنت حضرت عمر فاروق ﷜، حضرت عمر بن عبد العزیز کی سیرت اور اجماع امت تائید کرتا ہے۔ اپنے ہاتھ کو حق کی طرف بڑھاؤ۔

﴿وَكَيْفَ تَكْفُرُونَ وَأَنتُمْ تُتْلَىٰ عَلَيْكُمْ ءَايَٰتُ ٱللَّهِ وَفِيكُمْ رَسُولُهُۥ ۗ وَمَن يَعْتَصِم بِٱللَّهِ فَقَدْ هُدِىَ إِلَىٰ صِرَٰطٍ مُّسْتَقِيمٍ﴾

"اور تم (اب) کس طرح کفر کرو گے حالانکہ تم وہ (خوش نصیب) ہو کہ تم پر اللہ کی آیتیں تلاوت کی جاتی ہیں اور تم میں (خود) اللہ کے رسول (ﷺ) موجود ہیں، اور جو شخص اللہ (کے دامن) کو مضبوط پکڑ لیتا ہے تو اسے ضرور سیدھی راہ کی طرف ہدایت کی جاتی ہے ۝"(۱)

---

(۱) آل عمران، ۳ /۱۰۱۔

ہمارے بعض اصحاب نے یہ بیان کیا ہے کہ خوارج (رجم) کا انکار کرتے ہیں۔ میری معلومات کے مطابق یہ بات درست نہیں ہے بجز ان کی رائے کے کہ مرتکب کبیرۃ مشرک ہے اس کا خون حلال ہے اور زانی مرتد کے حکم کے تحت قتل کیا جائے گا نہ کہ حد کے اعتبار سے یہ ان کے حکم سے متفرع ہے انکار رجم دعوے کا محتاج نہیں ہے لیکن میرے نزدیک جیسا گمان کیا گیا ہے معاملہ ویسا نہیں ہے جس نے بھی خوارج کے حوالے سے یہ خیال کیا ہے کہ وہ رجم کے منکر ہیں تو اس میں طعن اور عیب لگانا مقصود ہے لیکن ہر حال میں یہ جعل سازی گمان کرنے والوں کی طرف ہی لوٹتی ہے ہماری قوم نے یہ بھی روایت کیا ہے کہ یہ آیت بھی تلاوت کی جاتی تھی۔ (کوئی مرد ہو یا عورت اگر زنا کریں تو ان کو رجم کیا جائے گا) (یہ خدا تعالیٰ کی جانب سے عبرتناک سزا ہے اللہ تعالیٰ غالب حکمت والا ہے) جس کو بکری کھا گئی یہ بھی ان کے لیے فتنے کو لازم کرتی ہے اگرچہ اس گمان سے پھر بھی جائیں کہ یہ آیت لفظاً منسوخ ہو چکی ہے لیکن اس کا حکم باقی ہے۔ ہمارے اباضی مذہب کے اصحاب کہتے ہیں کہ رجم قرآن پاک کی بجائے حدیث مبارکہ سے فرض ہے حافظ الحجہ امام الربیع بن حبیب اپنی صحیح میں امام جابر بن زید سے روایت کیا ہے (استنجا، ختنے، رجم اور وتر واجب سنتیں ہیں) خدا تعالیٰ ہمیں لغویات اور بے ہودہ باتوں سے بچائے والحمد للہ و صلی اللہ علی محمد وآلہ وصحبہ۔ (ابو اسحٰق ابراہیم اطفیش)

عظیم مؤرخ کی رائے

اس عنوان کے تحت استاد ابراہیم محمد عبدالباقی نے استاد مصطفیٰ الشکعہ کی اباضیوں سے متعلق لکھی ہوئی فصل میں سے کچھ حصے نقل کیے ہیں میں نے چاہا ہے کہ استاد ابراہیم کے مطابق نقل کردہ ان حصوں اور بعض عبارتوں کو یہاں محترم قاری کے لیے تعلیق کے ساتھ پیش کروں۔

استاد ابراہیم نے اپنی نہایت عمدہ قیمتی کتاب (الدین والعلم الحدیث) میں درج ذیل کہا ہے!

میں نے استاد مصطفیٰ شکعہ کی کتاب (اسلام بلا مذاھب) کا مراجع کیا تو اس کے صفحہ ۱۰۵ پر درج ذیل پایا:

(اباضی خوارج کا ایک مشہور فرقہ ہے جو زیادہ تر عمان زنجبار اور شمال افریقہ میں آج تک رہتے چلے آئے ہیں یہ عبداللہ بن اباض کے ساتھی ہیں جزیرہ عرب میں ان کا بہت زیادہ دبدبہ ہے خاص طور پر حضرموت صفا اور مکہ مدینہ میں ان کی بہت قوت اور کثرت پائی جاتی ہے لیکن جب ان کو کوئی شخص خوارج کی طرف منسوب کرے تو اس نام سے بھاگتے ہیں اور شدید غصے میں آجاتے ہیں خود کو خوارج کے ک نام سے بری کرتے ہیں اور یہ کہتے ہیں کہ ہم دیگر مذاہب اسلامیہ کی طرح ہیں جیسا کہ شافعی، حنفی اور مالکی وغیرہ ہیں اسی طرح اباضی بھی ہیں اور کہتے ہیں کہ ان کو یہ لقب اس وجہ سے دیا جاتا ہے کیوں کہ انہوں نے خلافت کے لیے قریش کو قبول نہیں کیا یعنی امام، خلیفہ قریش خاندان سے لازمی قرار دینے سے انکار کیا اس لیے ان پر خوارج کا اطلاق ہوتا ہے۔)

افریقہ میں اباضی مذہب دوسری صدی ہجری کے پہلے نصف میں داخل ہوا ان کا مذہب بربریوں کے درمیان ایسے پھیلا جیسے سوکھی گھاس کو آگ لگتی ہے اور پھر تیزی سے پھیل جاتی ہے۔ حتیٰ کہ یہ وہاں کا سرکاری مذہب بن گیا اباضیوں نے شمال افریقہ پر لگاتار تقریباً ایک سو تیس سال کا عرصہ حکومت کی ہے حتیٰ کہ فاطمیوں نے ان کا ازالہ کیا یعنی ان کی حکومت کو ختم کیا اگر اباضی اصحاب زمانے ماضی میں عظمت، فضیلت کے حامل تھے تو آج اس دور حاضر میں بھی عزت عظمت کے مقام پر فائز ہیں عمان میں انگریز کے خلاف انہوں نے بہت پر جوش جنگیں لڑی ہیں ان کا عزم، حوصلہ ماند نہیں پڑا (فی عضد همار هاب) ان میں سے ایک جماعت تونس اور جزائر میں سکونت پزیر ہے اس میں کوئی شک نہیں کہ سرزمین جزائر دور حاضر کا اندلس شمار ہوتا ہے اس بنا پر فسادات جھگڑے اشتعال انگیزی بہت زیادہ ہے اس سرزمین میں جو وحشتناک افعال ہو رہے ہیں وہ سپین کے ان وحشتناک افعال سے کم نہیں جو اس نے عرب مسلمانوں کے خلاف سرانجام دیے جب ان کو سپین سے نکالا تھا اباضیوں کا عقیدہ بہت زیادہ اہل سنت سے متفق ہے اور ان کے مابین بہت کم اختلاف پایا جاتا ہے وہ قرآن، حدیث کو ایک دینی علوم کے لیے مصدر کی حیثیت دیتے ہیں لیکن اجماع، قیاس کے مدِ مقابل رائے سے کام لیتے ہیں۔

صاحب موئلف نے جو کہا تھا وہی کچھ میں نے استاد اطفیش کے نقل کردہ کلام کے مطابق پایا یعنی استاد اطفیش نے جو نقل کیا ہے اس کا جب مراجع کیا تو صاحبِ موئلف کے عین مطابق تھا۔

موئلف نے اپنی بات کو درج ذیل پر ختم کیا معاملہ جو بھی ہو ہر حال میں اباضیوں کی عزت، عظمت اور طاقت کو ان اوصاف سے متصف کرنا بہتر ہو گا۔ جن اوصاف سے ابو حمزۃ الخارجی نے اپنے اصحاب کو متصف کیا تھا۔

تردید، تعلیق

مختلف مصادر کی طرف رجوع کے دوران میں امام نورالدین السالمی کی کتاب (تحفة الأعيان بسيرة اهلِ عمان) میں سے بعض تاریخی نقاط کی ورق گردانی کر رہا تھا جو کہ ایک عمانی تاریخ پر نہایت اہم اور عمدہ کتاب ہے۔ جس کی طباعت مؤلف کے دو دانشور، ادیب پوتوں نے (سلیمان اور احمد امام سالمی کے بیٹوں) کروائی جس کی تصحیح اور اس پر تعلیق کی خدمت امام ابو اسحق اطفیش نے کی تب میری نظروں سے بہت سے ایسے نقطے گزارے جو کہ ان مقامات سے قریب، بعید کچھ نہ کچھ تعلق رکھتے تھے جن کا ہم نے اس کتاب میں جائزہ لیا ہے میں نے سوچا کہ ان کی کامل صورت محترم قاری پر واضح کرنے کی غرض سے ان میں سے بعض مواضع یہاں تعالیق کے ساتھ نقل کروں۔

۱. امام سالمی صفحہ ۸۲ پر کہتے ہیں:

(ہم اپنے اہلِ قبلہ یا غیروں کے بچوں کو قتل کرنا جائز نہیں سمجھتے)

اس پر ابو اسحق تعلیق لگاتے ہیں:

(کیوں کہ بچوں کے حوالے سے یہ حکم اس لیے ہے کیوں کہ وہ رسولِ پاک ﷺ کے اس قول کے مطابق اہلِ جنت ہیں۔)

آپ ﷺ نے فرمایا:

(میں نے خدا تعالیٰ سے کھلونے مانگے تو اس نے مجھے ان کو اہلِ جنت کی خدمت کے لیے دے دیا یعنی غیر مسلم بنی آدم کے بچے اللہ تعالیٰ نے جنت میں بطور کھلونا اہلِ جنت کی خدمت کے لیے دعطا فرمائے)

بس یہ قول خوارج کی تردید ہے چونکہ خوارج اپنے موقف کے لیے (کہ بچے آباء اجداد کے اتباع ہوتے ہیں) خدا تعالیٰ کے فرمان سے دلیل لیتے ہیں جو قوم نوح سے متعلق ہے۔

﴿إِنَّكَ إِن تَذَرْهُمْ يُضِلُّوا۟ عِبَادَكَ وَلَا يَلِدُوٓا۟ إِلَّا فَاجِرًا كَفَّارًا﴾

”بے شک اگر تو انہیں (زندہ) چھوڑے گا تو وہ تیرے بندوں کو گمراہ کرتے رہیں گے، اور وہ بدکار (اور) سخت کافر اولاد کے سوا کسی کو جنم نہیں دیں گے ہ“(۱)

اس آیت کو اپنے اصول اور قاعدے پر محمول کرتے ہیں۔

۲. امام سالمی صفحہ ۱۱۴ پر کہتے ہیں:

---

(۱) نوح، ۷۱/ ۲۷۔

(مسلمانوں میں سے سلف صالحین کے آثار کے وارث کچل دیے گئے عمان میں حق رہ گیا وہاں سے مسلمانوں کی دعوت کا ظہور ہوا جس سے اسلام کو خدا تعالیٰ نے عزت، عظمت اور ترقی دی اور کفر کا چراغ گل ہو گیا)

اس پر ابو اسحق نے اپنے اس قول کے ساتھ تعلیق لگائی:

(یہاں کفر سے مراد کفر نعمت ہے اور یہ عملی کفر ہے نہ کہ وہ کفر جو شرک سے متعلق ہے اس نے اس قول میں ذرا تامل کیا (کہ اہل قبلہ کو شرک سے موسوم نہیں کرتے) تو اسی لمحے متنبہ ہو گیا کہ یہ تو وہ نقطہ ہے جس پر بہت سے قدم پھسل گئے۔ بس یہ عقیدہ خوارج کا بہترین رد ہے۔

اسی طرح یہ ان لوگوں کے اس جھوٹے دعوے کا بھی رد ہے جنہوں نے ہمارے اصحاب پر تہمت لگاتے ہوئے ان کی طرف یہ بات منسوب کی ہے کہ وہ اپنے مخالفین پر تکفیر کا حکم لگاتے ہیں اور اس کفر سے مراد شرک والا کفر مراد لیتے ہیں بس یہ ایسا فرقہ ہے جو اس روشن حقیقت کو منہدم کر دیتا ہے۔

۳. امام سالمی نے صفحہ ۳۶۴ پر کہا ہے:

ابن بطوطہ نے کہا! (یہ بد بخت لعنتی ابن ملجم کو اچھا سمجھتے ہیں اور اس سے متعلق کہتے ہیں کہ وہ نیک صالح فتنے کا قلع قمع کرنے والا انسان ہے میں نے کہا ان کی ابن ملجم سے رضا یہ تو خدا تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے۔ ابو اسحق نے اس فقرے پر یہ تعلیق لگائی ہے۔)

(ابن بطوطہ نے عمان کے جو احوال بیان کیے ہیں اس میں افترا پردازی سے کام لیا ہے شاید اس نے اہل عمان کی تصویر کو مسخ کرنے کا ارادہ کیا ہے چونکہ وہ اس کے مذہب کے مخالف مذہب کے حامل ہیں اگر اس کے اس گمان کو درست مان لیا جائے کہ اباضی ابن ملجم سے خوش ہیں تو پھر ہم اپنے اصحاب کی کتب میں یہ بھی پائیں گے کہ وہ خدا تعالیٰ کے سواء کسی سے نہیں ڈرتے جب انہوں نے اس گمان کو نقل کیا ہے تو موکف نے یہ کیوں نہیں کہا کہ ہم نے یہ بات ابنِ بطوطہ کے علاوہ کسی سے نہیں سُنی صرف اتنا ہی نہیں کہا بلکہ اس کے بیان کرنے کی وجہ بھی بتائی ہے کہ اس نے ایسا کیوں بیان کیا ہے؟)

۴. امام سالمی نے صفحہ ۳۶۶ پر کہا ہے:

(ابن بطوطہ نے کہا ہے کہ عمان کا حاکم محمد بن نہان کے دستر خوان پر گدھے کا گوشت کھایا جاتا تھا اور بازاروں میں بھی فروخت ہوتا تھا کیوں کہ اباضی اس کی حلت کے قائل ہیں لیکن Importes سے ڈرتے تھے اس لیے اس کے ریکارڈ کو ظاہر نہیں کرتے تھے پوشیدہ رکھا ہوا تھا تاکہ ان پر اعتراض نہ کیا

جا سکے میں یہی کہوں گا کہ عمان میں کبھی ایسا ہوا ہو ہم نے تو کبھی نہیں سنا مذہب بھی اس حوالے سے واضح اور روشن ہے اگرچہ حرام کے علاوہ آثار سے اس کی حلف کا وجود ملتا بھی ہے۔

﴿قُل لَّآ أَجِدُ فِي مَآ أُوحِيَ إِلَيَّ مُحَرَّمًا عَلَىٰ طَاعِمٍ يَطْعَمُهُۥٓ إِلَّآ أَن يَكُونَ مَيْتَةً أَوْ دَمًا مَّسْفُوحًا أَوْ لَحْمَ خِنزِيرٍ فَإِنَّهُۥ رِجْسٌ أَوْ فِسْقًا أُهِلَّ لِغَيْرِ ٱللَّهِ بِهِۦ ۚ فَمَنِ ٱضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَلَا عَادٍ فَإِنَّ رَبَّكَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ﴾

"آپ فرما دیں کہ میری طرف جو وحی بھیجی گئی ہے اس میں تو میں کسی (بھی) کھانے والے پر (ایسی چیز کو) جسے وہ کھاتا ہو حرام نہیں پاتا سوائے اس کے کہ وہ مُردار ہو یا بہتا ہوا خون ہو یا سُؤر کا گوشت ہو کیونکہ یہ ناپاک ہے یا نافرمانی کا جانور جس پر ذبح کے وقت غیر اللہ کا نام بلند کیا گیا ہو۔ پھر جو شخص (بھوک کے باعث) سخت لاچار ہو جائے نہ تو نافرمانی کر رہا ہو اور نہ حد سے تجاوز کر رہا ہو تو بے شک آپ کا رب بڑا بخشنے والا نہایت مہربان ہے o"(۱)

تب بھی اہل مذہب اس کے ساتھ اس کے ذکر کی تخصیص نہیں کرتے بلکہ وہ ان کے اور ان کے مخالفین کے ہاں موجود ہے اکثر پالتو گدھوں کے گوشت کی تحریم پر اقوال ہیں اور یہی معمول بھی ہے۔ اس سے متعلق ہمارے پاس رسول پاک ﷺ کی صحیح حدیث مبارکہ بھی ہے اور اہل مذہب اُسے حلال کرنے سے کوسوں دور ہیں۔ جو حدیث صحیح میں رسول پاکؐ کی طرف سے منع کر دی گئیئ ہو پھر بھی اس طرح کی چیز سے چاہے وہ حلال ہی کیوں نہ ہو دور ہی رہتے ہیں۔ تو پھر یہ کیسے ممکن ہے کہ اس کو اپنے دستر خانوں پر رکھیں اور بازاروں میں بیچا جائے؟

اسقول پر ابو اسحق نے یہ تعلیق لگائی ہے!

اس کلام کو بھی اس کے سابقہ کلام پر عطف کرو تمہیں یقین ہو جائے گا کہ اس نے ارادۃً جعل سازی کی ہے تاکہ اباضیوں اور خاص طور پر اہل عمان کے بارے میں مسخ شدہ تصویر پیش کرے اور لوگوں کو ان سے متنفر کر سکے تم اس کے اس فقرے میں غور کرو کیسے افتراء پردازی کرتا ہے۔

(وہ اس حلت کے قائل ہیں لیکن اعتراض کے خوف سے اظہار کی بجائے مخفی رکھتے ہیں۔)

کاش میں سمجھ سکتا کہ وہ کیسے مخفی رکھتے ہیں حالانکہ اس کے بقول وہ اس کی حلت کے قائل ہیں رہی بات گدھوں کی حلت کی تو یہ مذہب اربعہ کے ہاں حلال سمجھے جاتے ہیں لیکن اباضیوں کے ہاں یہ قول کبھی بھی قابلِ عمل نہیں رہا اور نہ ہی

---

(۱) الانعام، ۶/۱۴۵۔

ہمارے فقہاء کے حوالے سے کسی محقق نے بھی آج تک نہیں کہا بلکہ گدھوں پر اباضی مکروہ تحریمی کا حکم لگاتے ہیں جیسا کہ ان کے نزدیک ناخن والے درندے اور پنجوں والے پرندے کھانا حرام ہیں جو کہ حدیث مبارکہ سے ثابت ہے رہی مصنف کی بات کہ اس آیت میں جو ذکر ہوا ہے اس کے علاوہ آثار سے ہر چیز کی حلت ہے یہ قول امام مالک اور اہل مدینہ کا ہے اگرچہ ہمارے بعض اصحاب نے بھی کہا ہے (واللہ اعلم) حقیقت میں ابن بطوطہ کا کلام تکذیب کا محتاج ہی نہیں وہ خود ہی اپنے کلام کو جھوٹا ثابت کرتا ہے یا پھر اس کی عبارت جعل سازی افتراپردازی کے شواہد کی حامل ہے خاص طور پر اس مسئلہ میں وہ ایک جہت سے یہ کہ اہل عمان گدھے کے گوشت کو مقدم کرتے ہیں اور بازاروں میں فروخت بھی کرتے ہیں جبکہ دوسری جہت یہ کہ وہ اس کی حلت کو اعتراض کے خوف سے مخفی رکھے ہوئے ہیں اور ریکارڈ میں لانے کے لیے ظاہر نہیں کرتے تو یہ کیسے آتا ہوگا جو بازاروں میں بکتا ہے اور دستر خوانوں پر کھایا جاتا ہے؟ اس کو بھیجنے اور منگوانے والوں سے مخفی رکھا جا سکتا ہے ہو سکتا ہے ان دنوں سیکورٹی کی سرگرمیاں ان کے لیے رکاوٹ ہوں اس لیے وہ گلیوں کوچوں سے سروں پر لاد کر بازاروں میں لایا جاتا ہوگا اور جب وہ گدھے قصاب کے پاس پہنچ جاتے ہوں گے تو ان کو حکم دیا جاتا ہوگا کہ گاہکوں سے گدھے کے کان اور کھر چھپا کر رکھیں لیکن ان کا معاملہ غالب ہو گیا اور ابن بطوطہ ان سے زیادہ ہوشیار اور ذہین تھا جو ان کے اس کام کے بارے جان گیا اور اس کے راز کو ظاہر کر دیا۔ میرے خیال میں اس کو کسی وفد کے ساتھ ضیافت کی محفل میں بلایا گیا ہو اور وہاں اس نے دستر خوان پر گدھے کا گوشت دیکھا ہو۔

ابن بطوطہ کے کلام سے زیادہ عجیب (عربی میگزین) کے ایڈیٹر کی بات ہے جس نے کویت اور عمان کے مابین مکانی مسافت کو طے کیا تا کہ مشاہدات کا تصور کر سکے۔ اس نے اس زمانے سے ابن بطوطہ کے زمانے تک کا زمانی سفر طے کیا تا کہ اس سے علمی حقائق حاصل کر سکے پھر اس نے انکشاف کیا ابن بطوطہ کے بقول جو کہ بہت بڑے سیاح ہے۔ اہل عمان گدھے کو کھایا کرتے تھے پھر ماشاءاللہ اس عظیم صحافی اور محقق نے اس سے یہ آگے کلام نقل کیا ہے۔ خدا کا شکر ہے جس نے اس عضیم محقق کو اس جزیرہ کا سفر نہیں کرایا جہان تہذیب کے اسباب داخل نہیں ہوئے ورنہ تو وہاں ایسی قوم کو دریافت کرتا جو سور کا گوشت کھاتی ہے اور اس کو جوس کی مہنگی قیموں کے ساتھ نگلتے ہیں۔ اس حوالے سے وہ (Exporter / Importer) سے خوف بھی نہیں کھاتے۔

میرے خیال میں ان نقطوں کے تحت اباضی آراء کو پیش کرنا کافی ہے ان میں سے بعض نقطوں کا جائزہ سابقہ فصول میں پہلے بھی گزر چکا ہے۔

(شکر کرتا ہوں خدا تعالیٰ کی اس ذات کا جس سے ہر ابتداء اور ہر انتہا ہے۔)

جوابات اور تردید

شیخ محمد کامل بن مصطفی بن محمد فقیہہ طرابلس کے رد میں میرے ہاتھ جوابات کا ایک مجموعہ لگا تب میں نے اس کی کتاب (الفتاوی الکاملیہ) کی طرف رجوع کیا اس میں جو کچھ پایا وہ درج زیل ہے:

سوال

مجھ سے اہلیان مغربی طرابلس کے مذہب کے بارے میں پوچھا گیا چونکہ مذاہب اربعہ میں سے کسی پر نہیں تھے اور یہ پوچھا کہ ان کا امام کون ہے؟

جواب

وہ امام عبد اللہ بن اباض کے مذہب پر ہیں اور یہ بھی تمام خوارج ہی ہیں موقف اور نقطہ نظر کے لحاظ سے ان خوارج کے سات فرقے ہیں جن میں سے ایک اباضی ہے۔

پھر مفتی صاحب نے اباضیوں کے نقطہ نظر کے حوالے سے بتایا!

(ہمارے اباضی کہتے ہیں! مخالفین مشرکین نہیں بلکہ کفار ہیں لیکن ان سے نکاح جائز ہے اور ان کے مال، جنگی اسلحہ وغیرہ جنگ کے دوران بطور مالِ غنیمت جائز ہے ان کا وطن دار اسلام ہے بجز سلطان کے اس کا ٹھکانہ دار کفر ہے۔ مخالفین کی گواہی بھی قبول کرنا جائز ہے کبیرہ گناہ کا مرتکب اہل توحید تو ہے لیکن مؤمن نہیں ہے (اس پر بنیاد رکھتے ہوئے کہ اعمال ایمان میں داخل ہوتے ہیں)۔ فعل سے قبل استطاعت اور بندے کا فعل خدا تعالیٰ کی مخلوق ہے۔ کبیرہ گناہ کا مرتکب کافر ہے لیکن کافرِ نعمت کافر ملت نہیں اولاد کفار کی تکفیر اور تعذیب کے حوالے سے توقف کیا ہے اسی طرح نفاق میں بھی توقف کیا ہے۔ کیا وہ شرک ہے یا نہیں؟ اسی طرح بغیر دلیل (معجزہ) کے کسی رسول کی بعث کے اور اس کے اتباع کی مکلف ہونے کے حوالے سے جواز میں بھی توقف کیا ہے یعنی اس میں تردد کرتے ہیں کیا یہ جائز ہے یا نہیں؟

حضرت علی ﷛ اور دیگر بہت سے صحابہ کا انکار کیا ہے یہ مزید جزوی چار فرقوں میں تقسیم ہوتے ہیں۔ آپ مواقف کے حوالے سے ان چار فرقوں کو دیکھ سکتے ہیں۔

بس یہ جواب جونہی منتشر ہوا اس کا ایک شدید ردِ عمل سامنے آیا اس کے بہت سے رد لکھے گئے جن میں سے قطب الآئمۃ کی جانب سے رد بھی موجود ہے۔ اسی طرح ان ردود میں سے سب سے طویل رد شیخ سعد التعاریتی کا ہے۔ ان کی اس کتاب میں موجود ہے جس کو انہوں نے (المسلك المحمود فی معرفة الردود) کا نام دیا ہے۔

محترم قاری کی آگاہی کے لیے ان دونوں ردود میں سے اہم اہم حصے یہاں پیش کرتا ہوں!

قطبِ آئمۃ کارد

امابعد!

مجھے کاتب محمد بن الحاج یوسف کی جانب سے شعبان المعظم کی کسی رات ۱۳۱۴ھ میں ایک خط ملا اس میں مذکور تھا۔

پھر اس نے کامل بن مصطفیٰ نے وہ اقوال ذکر کیے جو کہ انہوں نے اپنے علماء اور پیروکاروں کی طرف سے نقل کیے تھے۔ محترم قاری کے لیے یہاں دلائل اور استدلال کے بغیر صرف وہ ردود پیش کرتا ہوں!

قطبِ ائمۃ نے جواب دیتے ہوئے کہا!

(میں کسی بھی اہلِ توحید چاہے وہ چھوٹا ہو یا بڑا جنگ میں یا غیر جنگ کا مال غنی یا فقیر کے لیے حلال نہیں کرتے)

ہم ظالم اہل توحید حکمرانوں کے خلاف خروج کا نہیں کرتے جس نے یہ بات ہماری طرف منسوب کی ہے در حقیقت وہ ہمارے مذہب سے ناواقف ہے۔

رہی بات اس نے جو یہ کہا ہے کہ اباضیوں کے نزدیک مخالفین کا سلطان کے دار کے علاوہ دار اسلام ہے ہم اس کے قائل بھی نہیں ہیں اگر ان کے سلطان کا دار دار اسلام نہیں تو ان کے مخالفین کا دار کیسے دار اسلام ہو سکتا ہے۔

ہمارے حوالے سے یہ بات کہ کبیرہ گناہ کا مرتکب اہل توحید ہے لیکن مومن نہیں ہے یہ ہمارا مذہب ہے اور اسی پر امام بخاری اور دیگر محدثین تھے اسی کو امام شعرانی نے بھی بیان کیا ہے۔

(ہم اپنے مخالفین کی گواہی قبول کرتے ہیں اگر وہ اپنے دین میں متقی ہوں)

ہم مرتکبِ کبیرہ کے بارے میں یہ کہتے ہیں کہ وہ کافر نعمت ہے یا اعمال کا انکاری ہے اور وہ فاسق، منافق اس معنی میں ہے کہ اس نے اپنے افعال، اقوال میں کلمۃ توحید کی مخالفت کی ہے۔

(ہمارے افعال مخلوق ہیں اور ہماری جانب سے کسب ہیں ہم میں سے کچھ نے مشرکین کے بچوں کے حوالے سے توقف کیا ہے اور کچھ ایسے ہیں جنہوں نے کہا ہے کہ وہ جنت میں ہوں گے۔)

(ہم نفاق میں توقف نہیں کرتے بلکہ خاص کرتے ہیں کہ شرک کے حکم میں نہیں آتا۔)

(ہم بغیر دلیل، معجزۃ اور حجت کے کسی رسول کی بعثت کے جواز کا نہیں کہتے۔)

(رہی بات استطاعت فعل کی بات تو یہ ہمارے نزدیک فعل کے ساتھ ہے اس سے پہلے نہیں۔)

یہ سابقہ فتوے کے رد میں قطب آئمۃ کے رد کا خلاصہ ہے میں نے ان کو مطلق ذکر کر دیا ہے تا کہ سابقہ اباضی آراء کی تائید ہو سکے میں چاہتا تھا ان بعض عبارتوں کو ان کی نص کے ساتھ پیش کرتا لیکن یہ خط جو ان تمام رسائل، رود پر مشتمل ہے ایک مخطوطے کی شکل میں ہمارے استاذ شیخ سالم بن یعقوب الجربی کے پاس ہے۔ جس کی نصوص کو یہاں پیش کرنا امر صعب تھا۔

تعاریتی کا رد

جب شیخ کامل بن مصطفیٰ نے اس فتوے کو جاری کیا اس وقت شیخ سعید التعاریتی جبل نفوسہ میں تعلیم، تعلم کے لیے موجود تھے دیگر کی طرح آپ کے پاس بھی یہ خط پہنچا آپ نے نہایت اہتمام کے ساتھ اس کا رد پیش کرنے کے لیے ایک کامل کتاب مرتب کر دی جس کا نام (المسلک المحمود فی معرفۃ الردود) رکھا اس کتاب کے صفحوں کی تعداد ایک درمیانے سائز کے ساتھ ۲۷۰ ہے۔ پتھر کی چھپائی ہوئی ہے (Lethogrophy)۔

اس کتاب میں اس فتوے کا بہت تفصیلی جائزہ لیا گیا ہے شاید محترم قاری کو اس حوالے سے یاد ہو گا جو ہم نے (صحابہ کرام ﷺ کے متعلق اباضیوں کی آراء) کی فصل میں نقل کیا تھا۔

یہاں ہم چند ٹکڑے نقل کریں گے تا کہ محترم قاری کو اس کتاب کے عمدہ اسلوب کے بارے میں آگاہی ہو سکے۔

خلیفے کے بارے میں آپ اپنی اس کتاب کے صفحہ ۵۱،۵۰ پر کہتے ہیں:

(اگر خلیفے سے مسلمانوں کو امور میں کوئی کوتاہی ہو جائے اور اپنی خلافت کی ذمہ داری کو صحیح طریقے سے ادا نہ کر رہا ہو تو امت پر اس کی معزولی واجب ہے اگر اس کی معزولی سے کسی بڑے فتنے کا اندیشہ ہو تو پھر بڑے نقصان کے مقابلہ میں کسی ہلکے نقصان کو برداشت کیا جائے گا۔ مفضول کی فاضل کی موجودگی میں بر خلاف امامیوں کے امامت جائز ہے اس پر ہمارے اصحاب تھے اور یہی اشاعرہ کا مذہب ہے۔ مالِ غنیمت کے بارے میں صفحہ ۵۱ پر کہتے ہیں!

(تیسرا قول کہ اباضیوں کے نزدیک ان کے مخالفین کا جنگ میں مال، اسلحہ مالِ غنیمت ہے تو یہ تیسرا قول درست نہیں ہے۔ کیوں کہ ہمارے تمام اصحاب اہل توحید (چاہے ان سے جنگ ہو یا نہ) کے مال کو کسی غنی یا فقیر کے لیے حلال نہیں سمجھتے۔)

اسی طرح صفحہ ۷۹ پر درج ذیل کہتے ہیں!

(تیسرا یہ قول کہ اباضی حضرت علی ﷺ اور دیگر بہت سے صحابہ کرام ﷺ کا انکار کرتے ہیں تو اس حوالے سے تو رسالے کی ابتداء میں جان چکا ہے۔)

پھر چند سطروں کے بعد کہتے ہیں!

جب ہم نے تمہارے ذہن کی کتاب میں مکمل طور پر علمی جائز لینے کے بعد سب حقائق لکھ دیے ہیں تو اب تجھے سختی، شدت اور تعصب ترک کر دینا چاہیے۔ کاش میں سمجھ سکتا کہ تو کدھر سے اس باطل کا نشانہ مسلمانوں کو بنا رہا ہے۔ اور وہ کچھ ان کی طرف منسوب کر رہا ہے جو صحت کے اعتبار سے معطل ہے کیا تو نے یہ سب معلومات ان کی اصل کتب، مباحث یا ان کے علماء سے براہ راست حاصل کی ہیں؟ یا پھر بعض اوباش باتونی لوگوں کی طرف سے ملیں ہیں کاش تم نے ان آیات مبارکہ پر عمل کیا ہوتا!

﴿يَـٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوٓاْ إِن جَآءَكُمْ فَاسِقُۢ بِنَبَإٍ فَتَبَيَّنُوٓاْ أَن تُصِيبُواْ قَوْمًۢا بِجَهَـٰلَةٍ فَتُصْبِحُواْ عَلَىٰ مَا فَعَلْتُمْ نَـٰدِمِينَ﴾

"اے ایمان والو! اگر تمہارے پاس کوئی فاسق (شخص) کوئی خبر لائے تو خوب تحقیق کر لیا کرو (ایسا نہ ہو) کہ تم کسی قوم کو لاعلمی میں (ناحق) تکلیف پہنچا بیٹھو، پھر تم اپنے کیے پر پچھتاتے رہ جاؤ o"(۱)

﴿إِنَّ ٱلَّذِينَ يُحِبُّونَ أَن تَشِيعَ ٱلْفَـٰحِشَةُ فِى ٱلَّذِينَ ءَامَنُواْ لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ فِى ٱلدُّنْيَا وَٱلْءَاخِرَةِ ۚ وَٱللَّهُ يَعْلَمُ وَأَنتُمْ لَا تَعْلَمُونَ﴾

"بے شک جو لوگ اس بات کو پسند کرتے ہیں کہ مسلمانوں میں بے حیائی پھیلے ان کے لیے دنیا اور آخرت میں دردناک عذاب ہے، اور اللہ (ایسے لوگوں کے عزائم کو) جانتا ہے اور تم نہیں جانتے o"(۲)

﴿وَلَوْلَآ إِذْ سَمِعْتُمُوهُ قُلْتُم مَّا يَكُونُ لَنَآ أَن نَّتَكَلَّمَ بِهَـٰذَا سُبْحَـٰنَكَ هَـٰذَا بُهْتَـٰنٌ عَظِيمٌ﴾

"اور جب تم نے یہ (بہتان) سنا تھا تو تم نے (اسی وقت) یہ کیوں نہ کہہ دیا کہ ہمارے لیے یہ (جائز ہی) نہیں کہ ہم اسے زبان پر لے آئیں (بلکہ تم یہ کہتے کہ اے اللہ!) تو پاک ہے (اس بات سے کہ ایسی عورت کو اپنے حبیب مکرم a کی محبوب زوجہ بنا دے) یہ بہت بڑا بہتان ہے o"(۳)

﴿إِلَّا ٱلَّذِينَ ءَامَنُواْ وَعَمِلُواْ ٱلصَّـٰلِحَـٰتِ وَذَكَرُواْ ٱللَّهَ كَثِيرًا وَٱنتَصَرُواْ مِنۢ بَعْدِ مَا ظُلِمُواْ ۗ وَسَيَعْلَمُ ٱلَّذِينَ ظَلَمُوٓاْ أَىَّ مُنقَلَبٍ يَنقَلِبُونَ﴾

---

(۱) الحجرات، ۴۹/۶۔

(۲) النور، ۲۴/۱۹۔

(۳) النور، ۲۴/۱۶۔

"سوائے ان (شعراء) کے جو ایمان لائے اور نیک عمل کرتے رہے اور اللہ کو کثرت سے یاد کرتے رہے (یعنی اللہ اور رسول ﷺ کے مدح خواں بن گئے) اور اپنے اوپر ظلم ہونے کے بعد (ظالموں سے بزبانِ شعر) انتقام لیا (اور اپنے کلام کے ذریعے اسلام اور مظلوموں کا دفاع کیا بلکہ ان کا جوش بڑھایا تو یہ شاعری مذموم نہیں)، اور وہ لوگ جنہوں نے ظلم کیا عنقریب جان لیں گے کہ وہ (مرنے کے بعد) کون سی پلٹنے کی جگہ پلٹ کر جاتے ہیں o"(۱)

اگر تم یہ کہو کہ جو کچھ میں نے کہا ہے یہ میری بات نہیں بلکہ میں نے صاحب مواقف کے کلام سے نقل کی ہے تو میں یہ کہوں گا کہ اس نے ان اباضیوں کی طرف منسوب نہیں کیا جن کے اہل اتباع ہیں جن کے بارے میں اس کے بیان کو تو نے قطعی طور پر خاص کر دیا ہے۔

پھر کچھ سطروں کے بعد کہتے ہیں:

اگرچہ تم نے ہمارے طلباء یا ہماری کسی کتاب سے اخذ کرنے میں کاہلی اور سستی برتی ہے کاش تم نے سب کچھ ہمارے طلباء میں سے کسی سے پوچھا ہوتا یا پھر ہماری کتابوں میں سے کسی کتاب سے حاصل کیا ہوتا۔

پھر کچھ سطروں کے بعد تاج سبکی کا کلام نقل کرتے ہیں اور کہتے ہیں۔ میرے خیال میں نقل کرنے میں اس کے پاس بھی آزادی رائے نہیں ہے اور ایسا بہت سے علماء کا معمول رہا ہے۔

تاج سبکی نے اپنی کتاب (طبقات) میں کہا ہے:

(بے شک مؤرخین کھوکھلے اور بے بنیاد ایسے کنارے پر ہیں جس کے بارے میں کوئی بھروسہ نہیں کہ کب گر جائے کیوں کہ وہ ہمیشہ لوگوں کے جذبات پر مسلط رہتے ہیں ہو سکتا ہے بعض اوقات لوگوں سے جہالت، تعصب کی بنا پر ان کے بارے میں غیر ثقہ باتیں نقل کر دیں۔)

میرے خیال میں ہم نے یہ جو کچھ اپنے اصحاب کی فضیلت میں نقل کیا ہے تاکہ محترم قاری کو تعاریتی کے اسلوب سے ان کے بعض مسائل کا جائزہ لینے کے دوران آگاہی حاصل ہو جائے وہ مسائل جو اباضیوں کی طرف منسوب کیے جاتے ہیں لیکن حقیقت میں وہ ان کے مقالات نہیں ہیں۔

---

(۱) الشعراء، ۲۶/ ۲۲۷۔

حرفِ آخر

جب میں نے اپنے اس عمل کو مکمل کر لیا تو اشاعت کے لیے پیش کرنے سے پہلے طائرانہ نظر سے اس کا مراجعہ کیا تب مجھے اس میں کافی سارے عیوب اور مآخذ محسوس ہوئے جن میں سے بعض اسلوب اور بعض پیش کرنے کے طریقے سے متعلق ہیں اور کچھ میرے اس جائزے سے متعلق تھے جو میں نے فاضل مقالہ نگاروں کی ابحاث کا جائزہ لیا تھا۔

میں نے خود سے یہ کہا کہ یہ درست بات نہیں کہ میں ان تمام ماخذ اور عیوب کی نظر ثانی کر کے درستگی کیے بغیر چھوڑ دوں لیکن فوراً ہی مجھے یہ خیال آ گیا کہ چاہے میں جتنی بھی کوشش کر لوں اپنی اس کاوش کو کما حقہ اس کے مقام تک نہیں پہنچا سکتا جتنی بار بھی میں اس کتاب کا مراجعہ کروں گا ہر بار نئے عیب نئی باتیں سامنے آئیں گی اور یہ مسئلہ کبھی ختم نہیں ہو گا چونکہ انسان اپنی فطرت میں کسی بھی چیز کو کمال درجے تک پہنچانے میں عاجز ہے کمال صرف اور صرف خدا تعالیٰ کی ہی شان ہے۔ انسان جتنی مرضی کاوش کرے خطاؤں، کمیوں سے محفوظ نہیں رہ سکتا۔ وہ اپنی اس کمزوری کو دیگر لوگوں کے ادراک سے پہلے خود ہی جانتا ہوتا ہے میرے خیال میں کوئی بھی ایسا شخص نہیں جس نے اپنے کسی عمل کو انجام تک پہنچایا ہو اور پھر نظر ثانی کرتے ہوئے اس کو اس میں عیوب یا کمی کے بغیر کامل صورت نظر آئی ہو یا کسی نے ایسا دعوی کیا ہو کہ اس کے کسی کام میں کوئی کمی کجی نہیں ہے؟ میں تو بہر حال اس سوچ کے ساتھ کبھی بھی نہیں چلا کہ میں نے کوئی کام سرانجام دیا ہو اور پھر اس کی نظر ثانی اور سوچ بچار کرتے ہوئے کوئی عیب نہ ملا ہو جس میں مجھے تردد ہو تا کہ اس کو کاش ایسے نہیں ایسے کرتا یا اس بات کو ترک کر دیتا اور اس کو ذکر کرتا۔ میں تو کبھی بھی ایسا دعوی کرنے کا سوچ بھی نہیں سکتا کیوں کہ کمال صرف اللہ تعالیٰ کی ہی ذات کے ساتھ خاص ہے۔ اس کتاب کے اختتام پر میں تہہ دل سے اپنے ان بھائیوں کا شکریہ ادا کرتا ہوں جنہوں نے اس عمل کی اس صورت کو پایا تکمیل تک پہنچانے میں میری مدد کی بالخصوص ان بھائیوں کا شکریہ ادا کرتا ہوں جنہوں نے اسلامی ثقافت کو پھیلانے کی خدمت سرانجام دی اور مختلف مذاہب کے مابین تقارب کی آراء کی وضاحت کرنے میں جدوجہد کی تاکہ امتِ اسلامیہ میں وحدت پیدا ہو سکے اور ان سیاسی سازشوں سے بچایا جا سکے جو امتِ اسلامیہ کو پارہ پارہ کرنا چاہتی ہیں خاص طور پر سامراجی سازشوں اور کارفرماں قوتوں سے اس کو آگاہ کر کے ان سے بچایا جا سکے جو اسلام کو مٹانا چاہتی ہیں۔ میرے اس عمل کے پیچھے صرف اور صرف خدا تعالیٰ کی رضا ہی مقصود مطلوب ہے وہی مجھے کافی ہے اور وہی میرا بہترین وکیل ہے۔

یہ ترجمہ خدا تعالیٰ کے فضل، احسان اور اس کے حبیبِ مکرم ﷺ کی نظر کرم سے اپنی تکمیل کو پہنچا۔

07-01-2015 بروز ہفتہ

احقر العباد۔ محمد احمد الازہری